

ہجرت محمد اور اسلام

حضرت محمد اور اسلام

لکھک — سندر لال

لکھک — سندر لال

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن سن 1941 میں نکلا تھا۔ اس کے اس کا سواکت تھا اور جلدی وہ ختم ہو گیا۔ اسے ایک ایڈیشن کی مانگ عرصے سے ہو رہی تھی۔ پر وہ ہی ممکن ہو سکا ہے۔

اس ایڈیشن کو بلذت سندر لال جی احتیاط کے دیکھ کر مہیں بہت سے بڑوں اور - تہوں کی نی رائے اور سبھاؤں سے اس میں فائدہ آئے یا گیا ہے۔ ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب کے شروع میں ت بشمول ناٹھ نے دس صفحے کا ایک مقدمہ اور روزدار یعنی آئیکہ لکھا ہے۔

اس کتاب سے اسلام کی اصلی تعلیم اور اس کے دلی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت بد کی سادھی سچی اور بے مثال زندگی - ایک زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دوزوں کے جہنم وائن رہا ہے - کی دھلک ملتی ہے۔ اس سے پتہ چلے گا اس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جہ سے اسی اور فوٹہ درست دیں لی کیا ہلت دی بلکہ نہ دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو دیا۔

اس کتاب سے اسلام کی اصلی تعلیم اور اس کے دلی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت بد کی سادھی سچی اور بے مثال زندگی - ایک زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دوزوں کے جہنم وائن رہا ہے - کی دھلک ملتی ہے۔ اس سے پتہ چلے گا اس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جہ سے اسی اور فوٹہ درست دیں لی کیا ہلت دی بلکہ نہ دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو دیا۔

اس کتاب سے اسلام کی اصلی تعلیم اور اس کے دلی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت بد کی سادھی سچی اور بے مثال زندگی - ایک زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دوزوں کے جہنم وائن رہا ہے - کی دھلک ملتی ہے۔ اس سے پتہ چلے گا اس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جہ سے اسی اور فوٹہ درست دیں لی کیا ہلت دی بلکہ نہ دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو دیا۔

اس کتاب سے اسلام کی اصلی تعلیم اور اس کے دلی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت بد کی سادھی سچی اور بے مثال زندگی - ایک زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دوزوں کے جہنم وائن رہا ہے - کی دھلک ملتی ہے۔ اس سے پتہ چلے گا اس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جہ سے اسی اور فوٹہ درست دیں لی کیا ہلت دی بلکہ نہ دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو دیا۔

ہم یقین ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح اس کی بھی مانگ ہوگی اور پوچھے والے اس سے فائدہ آئے۔ ٹھیکہ۔

ہمیں یقین ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح اس کی بھی مانگ ہوگی اور پوچھے والے اس سے فائدہ آئے۔ ٹھیکہ۔

سندر لال جلد، پوچھا قبل د الی کھل پر چھپی 160

سندر لال جلد، پوچھا قبل د الی کھل پر چھپی 160

میلان کا پتا -

میلان کا پتا -

میلان کا پتا -

هندستاني كليچر سوسائتي

(1) एक ऐसी हिन्दुस्तानी कलचर का बढाना, फैलाना और प्रचार रना जिसमें सब हिन्दुस्तानी शामिल हों.

(2) एकता फैलाने के लिये कताबों, अखबारों, रिसालों वगैरह का आपना.

(3) पढ़ाई घरों, किताब घरों, सभाओं, कानफरेन्सों, गैलरियों से सब धर्मों, जातों, बिरादरियों और फ़िक्कों में आपस का मेल बढ़ाना

(1) ایک ایسی ہندستانی کلچر کا بڑھانا، پھیلانا اور پورچار کرنا جس میں سب ہندستانی شامل ہوں۔

(2) ایکٹا پھیلانے کے لئے کتابوں، اخباروں، رسائل
پشتون کا چھاپنا

(۱۵) پڑھائی گھروں، نقاب گھروں، سماؤں، کانمرسوں،
لوگھروں سے سب دھڑسوں، جانوں، برادرہوں اور فرقوں میں
آپس کا مہل بھانا۔

—: 2 :—

— ۛ ۛ —

सोसाइटी के प्रेसीडेन्ट—मि० अब्दुल मजीद ख्वाजा;
 हाइस प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास और डा० अब्दुल
 क़. गवरनिंग बोर्ड के प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास;
 सेक्रेटरी—पं० सुन्दरलाल.

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ — مسٹر عبدالمجید حواجہ،
وائس پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالحق۔
گورننگ ہائی کے پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس؛
سکریٹری — رفعت سلووال۔

गवर्निंग बाडी के और मेम्बर—

گورنلنگ باڈی کے اور ممبر —

डा० सैयद महमूद, डा० तागचन्द, मौलवी सैयद
मुल्लैमान नदवी, मि० मंजर अली सांख्ता, श्री बी० जी०
वेर, पं० विशम्भर नाथ, महात्मा भगवानदीन, सेठ पूनम
चन्द शंकर, क्राप्ती मोहम्मद अब्दुल गफ्फार और श्री आम
प्रकाश पालीवाल.

ڈاکٹر سہد محمود، ڈاکٹر تارا چلہ، مولوی سہد
ملہاس، ندوی، مستر مظفر علی سوختہ، شری بی. جی .
فہر، بلقیت بشمبہر ناتھ، مہاتما بھگوان دین، سیتھہ پونم
چلہ راستا، قاضی محمد عبدالغفار، آرد شری اور پروکاش
پالہوال

मेम्बरी के क्रायदों के लिये लिखिये—

ممبروں نے قاعدوں کے لئے اٹھائے۔

मुन्दरलाल

مسند، لا

सेक्रेटरी, हिन्दुस्तानी कलचर मोमाइटी

سکرپٹری: ہمدستانی کلچر سوسائٹی

145, मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

145 منتهی کلمج 'الہ آباد .

नोट—सोसाइटी के नए क्रायदे के अनुसार मेम्बरी की फीस सिर्फ एक रुपया कर दी गई है. "नया हिन्दू" के जो गाहक मेम्बर बनना चाहें उनको सिर्फ छै रुपया देना देने पर ही मेम्बर बना लिया जायेगा. अलग से मेम्बरी की फीस देने वाले, सोसाइटी की निकली हुई कोई किताब जो एक रुपया दाम की होगी मुफ्त ले सकेंगे या अपना दाम की किताबें लेने पर एक बार एक रुपया कम ले सकेंगे.

نوٹ۔ سوسائٹی نے نئے قاعدے کے اوسار ممبری کی
فیس صرف ایک روپیہ کرنی لگی ہے ”بہا ہند“ کے
جو گاہک ممبر بننا چاہیں اُن کو صرف چھ روپیہ چلندہ
فیلڈ پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی
فیس دہلے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو
ایک روپیہ دام کی ہوگی مدت لے سکیں گے یا زیادہ دام
کی کتابیں لے لے ہر ایک بار ایک روپیہ کم کرنا سہل ہے

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नोट:—ये किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नाम किताब	लेखक	दाम	लेखक	नाम किताब
1. शेर ओ शायरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	8 0 0	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	1. शेर ओ शायरी
2. शेर ओ सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर ओ सुखन
3. गहरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. गहरे पानी पैठ
4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3 0 0	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	4. हमारे आराध्य
5. संस्मरण	"	3 0 0	"	5. संस्मरण
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	श्री जगदीशचन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण प्रसाद जैन	6 0 0	श्री नारायण प्रसाद जैन	7. ज्ञान गंगा
8. पंच चिन्ह	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	2 0 0	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	8. पंच चिन्ह
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	शान्ति एम. ए.	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के तारे धरती के फूल
11. मुक्ति दूत	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	5 0 0	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	11. मुक्ति दूत
12. मिलन यामिनी	श्री बच्चन	4 0 0	श्री बच्चन	12. मिलन यामिनी
13. राजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर रामकुमार वर्मा	13. राजत रश्मि
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुस्तरिया	2 8 0	श्री तन्मय बुस्तरिया	14. मेरे बापू
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	15. विश्व संघ की ओर
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	5 0 0	श्री भगवानदास केला	16. भारतीय अर्थशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और उनका पतन	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और उनका पतन
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन
21. सर्वांगीय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. सर्वांगीय अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल बिनय	3 8 0	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल बिनय	22. हमारी आदिम जातियां
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिषट, भगवानदास केला	2 0 0	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिषट, भगवानदास केला	23. अर्थशास्त्र शब्दावली
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	24. नागरिक शिक्षा
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	श्री दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र मंडल शासन
26. जवानों	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	महात्मा भगवानदीन	26. जवानों
27. मादरे की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. मादरे की हिम्मत !
28. सखी का	"	0 8 0	"	28. सखी का
29. मेरे साथी	"	1 0 0	"	29. मेरे साथी

बिज्ञान का पता—

मेनेजर 'नया हिन्द'

145, मुद्राग, इलाहाबाद-3.

मेनेजर 'नया हिन्द'

145, मुद्राग, इलाहाबाद-3.

مفکار

سہادک—آری رچوپتی سہائے 'فراق'

پچھلے پندرہ برس سے آج تک کی اردو کی چونی ہوئے کویتاؤں کا یہ سنگمہ پوہکر آیکو معلوم ہوگا کہ اردو کویتا نے کس طرح خیمالی دنیا کو چھو کر زندگی کی سچائیوں سے اپنا نانا جوڑ لیا ہے۔ آج کی اردو شاعری گل و بلبل اور وصل و فراق تک ہی سمیت نہیں ہے۔ اب آپ کو اردو کویتا میں کسانوں اور مزدوروں کے دلوں کی دھونکیوں جلدی دہلکی۔ 'ملائی' انہائے اور لوٹ ٹوسٹ کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سہلکے جو آپ کے دل کی گہرائیوں کو چھونگی۔

"ان کویتاؤں میں آنتر و اشتری تھا۔ راشتری دونوں جہانوں میں ملتی ہیں۔... سچو نہ تھا ساگر ہوں۔... واسطہ میں ملتی سلسار میں یہ دیاس انوکھا ہے اور اردو سہائے کے آدھک دور میں آدھ ہے۔"

23-2-'52 —'روچانا 'لوکواپنی' جیپور

"جہاں تک باو کا سمبندھ ہے کویتاؤں وچوستر کی ہے۔"

6. 3. '52 —'بیشال باارت' کلککتا

"مفکار میں پکاشرت 72 اردو کی کویتاؤں آج ہی کے یوگ کی سمسٹاؤں سے آوت پرت ہوں۔"

17. 2. '52 —'نہ باارت ڈاٹمس' دلتلی

"ہندی کے پاٹک سنےہ آور باو سے اس سمپڑ کا باانند لینگے آور ونسے پرننا پڑھن کرینگے، یہ نیریت ہے۔"

13. 1. '52 —'امرت پتریکا' ہلاہاباہ

"ہم ون کی (کویتاؤں کی) شکتی، تاختری آور سڑ کے کلایل ہے۔ وہ پک نہ یوگ کا سندیہ دیتی ہے۔... باا باکتر سارل آور باماہاوارا ہے۔ کھی کھی تو ڈٹ دیتی ہے۔"

8. 5. '52 —'جیون ساہتی' دلتلی

"مفکار' کی رچناؤں میں یوگ کی پکار ہے آور باا بیکول بول بال کے نیکٹ ہے۔" —'نیا سماج' کلککتا ناگری لکشاوت میں آسا ہرپور اردو کویتا سمپڑ باج تک نہی نیکلا۔ سندر جلد، بدیا کاواک۔ وندا ہوا۔ دام سیکر تین ہوا۔ دس کیتاؤں کی پک ساہ ہریاری پر پچاس کسوی کسوشن۔

جھنکار

سہادک—ہری رچوپتی سہائے 'فراق'

پچھلے پندرہ برس سے آج تک کی اردو کی چلی ہوئی کویتاؤں کا یہ سنگمہ پوہکر آیکو معلوم ہوگا کہ اردو کویتا نے کس طرح خیمالی دنیا کو چھو کر زندگی کی سچائیوں سے اپنا نانا جوڑ لیا ہے۔ آج کی اردو شاعری گل و بلبل اور وصل و فراق تک ہی سمیت نہیں ہے۔ اب آپ کو اردو کویتا میں کسانوں اور مزدوروں کے دلوں کی دھونکیوں جلدی دہلکی۔ 'ملائی' انہائے اور لوٹ ٹوسٹ کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سہلکے جو آپ کے دل کی گہرائیوں کو چھونگی۔

"ان کویتاؤں میں آنتر و اشتری تھا۔ راشتری دونوں جہانوں میں ملتی ہیں۔... سچو نہ تھا ساگر ہوں۔... واسطہ میں ملتی سلسار میں یہ دیاس انوکھا ہے اور اردو سہائے کے آدھک دور میں آدھ ہے۔"

23-2-'52 —'روچانا 'لوکواپنی' جیپور

"جہاں تک باو کا سمبندھ ہے کویتاؤں آج استر کی ہیں۔"

6-3-'52 —'وہال باارت' کلککتا

"جھنکار میں پوکشت 72 اردو کی کویتاؤں آج ہی کے یوگ کی سمسٹاؤں سے آوت پرت ہوں۔"

17-2-'52 —'نہ باارت ڈاٹمس' دلتلی

"ہندی کے پاٹک اسٹہہ آور باو سے اس سنگمہ کا آند لینگے اور ان سے پرننا ڈھن کرینگے، یہ سچیت ہے۔"

13-1-'52 —'امرت پتریکا' الہ آباد

"ہم ان کی (کویتاؤں کی) شکتی، تاختری آور سوٹر کے قائل ہیں۔ وہ ایک نئے یوگ کا سندیہ دیتی ہیں۔... ہاھا آدھک نہ سارل آور باسٹارہ ہے۔ کہیں کہیں تو تھوہہ دیتی ہے۔"

8-5-'52 —'جیون سہائے' دلتلی

"جھنکار' کی رچناؤں میں یوگ کی پکار ہے اور ہاھا بالکل بول چال کے نیکٹ ہے۔" —'نیا سماج' کلککتا ناگری لکھاوت میں ایسا ہرپور اردو کویتا سنگمہ آج تک نہیں نکلا۔ سندر جلد، ہوا ٹھڈ۔ عدہ چھائی۔ دام سٹھ تین روپے۔ دس کتابوں کی ایک ساہ خریداری پر پچاس لیصدی کوشن۔

پکٹنے کا پتا—

سہائے 'نیا ہندی' 145، سڈیگنج، ہلاہاباہ۔

سہائے کا پتا—

سہائے 'نیا ہندی' 145، سٹھ ٹلج الہ آباد۔

गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी। पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने (कुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है। वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझतीं। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्व की और प्यारी चीज है... मुझे ख़ुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”

मोटे कागज़ पर, मोटे टाइट में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफती की मजबूत जिल्द—सब केवल दो रुपए।

भाषा

लेखक—साला मदन गोपाल

हिन्दी बच्चे और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राख इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में विलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सुझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

क़रीब सबा सौ सक्के की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

145 मुद्दीनांज, इलाहाबाद.

गान्धे बाबा

लेखक—लक्ष्मि रेड्डी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

ये असल किताब जन्म से बलिदान तक की गान्धे जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि मां अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गान्धे की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गान्धे जी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गान्धेजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी। पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने (लक्ष्मि रेड्डी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है। वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझतीं। उनके लिये गान्धेजी की कहानी एक बहुत ही महत्व की और प्यारी चीज है... मुझे ख़ुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”

मोटे कागज़ पर, मोटे टाइट में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफती की मजबूत जिल्द—सब केवल दो रुपए।

मोटे कागज़ पर, मोटे टाइट में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफती की मजबूत जिल्द—सब केवल दो रुपए।

बेभाषा

लेखक—लक्ष्मि रेड्डी

हिन्दी बच्चे और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राख इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में विलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सुझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

क़रीब सबा सौ सक्के की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

154 मुद्दीनांज, इलाहाबाद.

مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—شری ملطظ علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ گھنٹے پہلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوگ سہوا سنگھ میں بدل دینے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیہس کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی دکھا گاندھی جی کے پر مہکت شری ملطظ علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھلے اور ایلانے والے دیہس کے لئے لکے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پڑنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحے کی سندر جلد ہندی کتاب کی قیمت صرف دو روپے ہے۔

اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—شری ملطظ علی سوختہ

اس छोटी सी किताब को पढ़ कर आपको पता चलेगा कि महात्मा गांधी क्या चाहते थे और किस तरह उनके रास्ते पर चल कर अहिंसात्मक ढंग से देश में इन्कलाब लाया जा सकता है।

पैंतीस पन्ने की किताब, दाम सिर्फ चार आने.

आज के शहीद

सम्पादक—श्री रतन लाल बंसल

उन बहादुरों की कहानियां जिन्होंने विदेशी हाकिमों की फैलाई फूट की आग में इन्सानियत को भस्म होते देख एक छन की भी देर न की और उसे बुझाने की कोशिश में अपनी जान कुरबान कर दी. दाम सिर्फ ढाई रुपया.

मुस्लिम देश भक्त

लेखक—श्री रतन लाल बंसल

उन मुसलमान देश भक्तों के जीवन का हाल जिन्होंने अपनी जान हथेली पर रखकर हिन्दुस्तान और विदेशों में रहते हुए भारत माता को गुलामी की जंजीरों से आजाद करने की कोशिश की. किताब बड़े दिलचस्प ढंग से लिखी गई है. कीमत सिर्फ एक रुपया बारह आने

मिलने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 45, मुदीगंज, इलाहाबाद.

महात्मा गान्धी की وصیت

لکھک—شری ملطظ علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ گھنٹے پہلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوگ سہوا سنگھ میں بدل دینے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیہس کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی دکھا گاندھی جی کے پر مہکت شری ملطظ علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھلے اور ایلانے والے دیہس کے لئے لکے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پڑنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحے کی سندر جلد ہندی کتاب کی قیمت صرف دو روپے ہے۔

اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—شری ملطظ علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھ کر آپ کو پتہ چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اھنساتمک انقلاب سے دیہس میں انقلاب لایا جا سکتا ہے۔

پہلے پچیس پے کی کتاب، دام صرف چار آئے۔

آج کے شہید

سہادک—شری رتن لال بلسل

ان بہادروں کی کہانیاں جنہوں نے ویدیشی حاکموں کی پھانسی پھوٹ کی آگ میں انسانیت کو بھسم ہونے دیکھ ایک چھن کی بھی دیر نہ کی اور اُسے بجھانے کی کوشش میں اپنی جان قربان کر دی. دام صرف ڈھائی روپے

مسلم دیش بھکت

لکھک—شری رتن لال بلسل

ان مسلمان دیہس بھکتوں کے چھن کا حال جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہندوستان اور ویدیشوں میں رہتے ہوئے بھارت ماتا کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے کی کوشش کی. کتاب بڑے دلچسپ ڈھنگ سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپے بارہ آئے۔

میلے کا پتہ—

مہاجر 'نہا ہلد' 145، مہی لکھ، اللہ آباد۔

لےکچر—پंडित सुन्दरलाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें हैं। गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 ख़ास ख़ास मसलमूनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ्ज़ी तर्जुमा बरौदा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफ़े की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में वह चार लेक्चर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफ़े की किताब, क्रीमत सिर्फ़ बारह आने।

महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी फिरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज। इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क्रीमत बारह आने।

पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा वर्णन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क्रीमत चार आने।

बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1948-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरकेबाराभा भगवों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगवों की हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क्रीमत सिर्फ़ दो आने।

मिलाने का पता—

जे.एन. 'नया दिग्ग' 145, सुदीर्गज, इलाहाबाद।

लےکچر—پندت سندر لال گیتا اور قرآن

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتیں ہیں۔ گیتا کا بڑپن، گیتا کے ایک ایک ادھیائے کا نیچوڑ، قرآن کا بڑپن، لگ بھگ 15 خاص خاص مضمونوں پر قرآن کی قریب 500 آیتوں کا لفظی ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بنیادی ایکتا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں ان کے لئے یہ کتاب اصول ہے۔
پونے تین سو صفحے کی سندر جلد بندھی کتاب کی قیمت صرف دہائی روپہ، ڈاک خرچ الگ۔

ہندو مسلم ایکتا

اس کتاب میں وہ چار لےکچر جمع کئے گئے ہیں جو پندت جی نے کونسلٹنٹری بورڈ گوالیار کی دعوت پر گوالیار میں دئے تھے۔
سو صفحے کی کتاب، قیمت صرف بارہ آنے۔

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

سامبرداہیتا یعنی فرقہ پرستی کی بوساری پر راج کا جی، مذہبی اور اتھاسی پہلو سے وچار اور اسکا علاج۔
اسی نے آخر میں دیہ پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے بیچ میں نہ رہنے دیا۔
قیمت بارہ آنے۔

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

اکتوبر سن 1947 میں پچھمی اور پوربی پنجاب کے بٹوارے کے بعد وہاں کی بھونکر برہانسی اور آپسی مار کاٹ کے کارن لوگوں پر جو جو مصیبتیں آئیں ان کا دردناک آنکھوں دیکھا ورنہ۔ اس چھوٹی سی کتاب میں آجکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سجھاؤ بھی پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت چار آنے۔

بنگل اور اُس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1948-50 میں پوربی اور پچھمی بنگال کے فرقہ وارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اسے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ترکیب بھی سجھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آنے۔

میلے کا پتہ—

میلنگز اینڈ پرنٹرز، '145'، مٹھی کلچ، لاہور۔

طرح کام کے بلنا دیکھتے جاٹھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ گھوڑوں کا استھان نہ پاس کھیں۔ ہر شہر ہر حصہ میں درمہائی درجہ کے آدمی گائے پالنے کی بڑی خواہش رکھتے ہیں ہر نہ ان کے پاس رکھنے کو جگہ ہے، نہ چرانے کے لئے چراگا۔ اگر کوئی کسی شہر میں یہ ٹھکانہ لے لے کہ وہ گھوڑوں کے لئے چراگھوں کا انتظام کر لے گا اور گراہوں کی ایسی جماعت تیار کر دے گا جو پہلے کی طرح کھو کھو سے گائے لے جایا کرینگے اور عام کو واپس چھوڑ جایا کرینگے تو گورکشا کا سوال بڑی آسانی سے حل ہو جائیگا۔ گائے سے ہر ہندوستانی کو مصمت ہو جائیگی اور پھر شائد اس بات کی ضرورت ہی نہ رہ جائیگی کہ لوگ کوہدہ ہندی قانون کے لئے سرکار کے پاس دوڑے دوڑے جائیں۔

کمی راجکچی فائدے کو نگاہ میں رکھ کر گوبندہ بھند
کرنے کی آواز هرگز نہیں اُٹھانی چاہئے۔ یہ ہوتا ہوا ہوشہ
بھی رہا ہے۔ سب سے پہلے یہ آواز بادشاہ دابر نے اُٹھانی۔
گوبندہ بھند کی صلاح اُس نے اچھے بہتے ہمایوں کو دی۔
اِس صلاح میں گورکھا کا اتنا خیال نہ تھا جتنا ہمایوں
نے راج کے حملے کا اور اُن مسلمانوں کے خلاف نفرت
پیدا کرنے کا جو ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے اور
جن کے ہاتھ میں ہندوستانی حکومت کی باگِ قدور تھی۔
انگریزوں کے خلاف اِس ہتھیار سے کام لیا گیا۔ گاندھی جی
کو چھوڑ کر بہت سے لوگوں نے مل کا کھڑا چھوڑنے کے لئے
یہ دلیل دی کہ اس میں گائے اور سور کی چربی لکتی
ہے۔ آج بھی گوبندہ بھند کا سوال راج کچی ہتھیار بننا
ہوا ہے، سچے معنوں میں گورکھا کا ہتھیار نہیں ہے۔

यहां की म्युनिसिपल्टी बंध करने के लिये पास नहीं करती वह लोगों के हाथ पड़ जाती है और उनका बंध चोरी चोरी होता है।" हमने कहा, "बन्ध रोका क्यों नहीं जाता?" वह बोले, "रोके कौन? जो रोकने वाले हैं वही तो बंध कराते हैं।" हम कुछ न समझ पाये, उन्होंने हमें यों समझाना शुरू किया :

वार्जिलिंग में यह लोग हैं जो गाय से क्या किसी भी जानवर से कुछ परहेज नहीं रखते. पहले नंबर पर हैं अंगरेज, जो चाय बाग में रहते हैं, जिनकी तादाद एक हजारके लगभग है. दूसरे नंबर पर हैं नैपाली, जो दो हजार से कुछ कम ही हैं. तीसरे नंबर पर हैं तिब्बती, जिनकी संख्या है तो कम पर फिर भी काफी है. हम पूछ बैठे, "क्या नैपाली भी गाय से परहेज नहीं करते?" वह बोले, "नैपाली ब्राह्मण क्शत्रिय वैश्य तो गाय से परहेज करते हैं पर शूद्र कहलाने वाली जातियां किसी तरह का भी परहेज नहीं रखती. और इन ही जातियों में से बहुत से लोग पुलिस में हैं. और एक तो ऐसी जगह पर है जहां उनके होने से गोबध में बड़ी मदद मिलती है. अब चोरी चोरी गोबध न हो तो क्या हो? उन्होंने यह भी कहा कि जब से बंगाल में गोबध का क़ानून बना है तब से गोबध रुकना तो एक तरफ, ऐसी गांयें भी मरने लगी हैं जो पहले नहीं मारी जाती थीं.

यह सब ऐसी बातें हैं जिन पर ठंडे दिल से विचार करने की ज़रूरत है. भावुकता में डूब कर जो काम किये जाते हैं उनका नतीजा शुरू में भले ही कुछ भला मायूस हो अंत में बुरा ही रहता है.

कब से, क्यों, किसलिये हिन्दुस्तानी सरकार बड़ा मांस भोजन के लिये मजबूर है, पता नहीं? वह एक तो कोरिया जाता है और दूसरे लिसबन जो योरप के राज स्पेन की राजधानी है. यह व्योपार भी गोबध का ज़बरदस्त कारन है. पर हम इस तरफ भी निगाह क्यों डालें? हमें तो सोचना यह है कि हम गोबध क्यों रोकना चाहते हैं? सिर्फ इसीलिये कि हमें काफी दूध नहीं मिलता और हमारी खेती बारी के लिये हमें काफी मजबूत बैल नहीं मिलते. अगर यह दो चीज़ हमें मिलने लगे तब हमारी निगाह गोबध की तरफ जाना बंद हो जायगी जिस तरह वेद काल में नहीं जाती थी. और यह दोनों काम गोरक्षा से हो सकते हैं, गोबध बंदी के क़ानून से नहीं.

घोड़े का बंध नहीं होता. इतना ही नहीं, अब तो जंगली घोड़े मिलते ही नहीं. घोड़ा आदमी के लिये इतने काम का जानवर हो गया है कि आदमी उसके बंध की बात सोच ही नहीं सकता. अगर खर और बखड़े भी इसी

पैदा की मनुष्यसह्यी बंध करने के लिये पास नहीं करती वे लोकों के हाथ पड़ जाते हैं और उन का बन्ध चोरी चोरी होता है. "हम ने कहा, "वे रोका क्यों नहीं जाता?" वह बोले, "रो के कौन? जो रोकने वाले हैं वही तो बंध कराते हैं." हम कुछ न समझ पाये, उन्होंने हमें यों समझाना शुरू किया :

दार्जिलिंग में यह लोग हैं जो गाय से क्या किसी भी जानवर से कुछ परहेज नहीं रखते. पहले नंबर पर हैं अंगरेज, जो चाय बाग में रहते हैं, जिनकी तादाद एक हजार के लगभग है. दूसरे नंबर पर हैं नैपाली, जो दो हजार से कुछ ज्यादा ही हैं. तीसरे नंबर पर हैं तिब्बती, जिनकी संख्या है तो कम पर फिर भी काफी है. हम पूछ बैठे, "क्या नैपाली भी गाय से परहेज नहीं करते?" वह बोले, "नैपाली ब्राह्मण क्शत्रिय वैश्य तो गाय से परहेज करते हैं पर शूद्र कहलाने वाली जातियां किसी तरह का भी परहेज नहीं रखती. और इन ही जातियों में से बहुत से लोग पुलिस में हैं. और एक तो ऐसी जगह पर है जहां उनके होने से गोबध में बड़ी मदद मिलती है. अब चोरी चोरी गोबध न हो तो क्या हो? उन्होंने यह भी कहा कि जब से बंगाल में गोबध का क़ानून बना है तब से गोबध रुकना तो एक तरफ, ऐसी गांयें भी मरने लगी हैं जो पहले नहीं मारी जाती थीं.

यह सब ऐसी बातें हैं जिन पर ठंडे दिल से विचार करने की ज़रूरत है. भावुकता में डूब कर जो काम किये जाते हैं उनका नतीजा शुरू में भले ही कुछ भला मायूस हो अंत में बुरा ही रहता है.

कब से, क्यों, किसलिये हिन्दुस्तानी सरकार बड़ा मांस भोजन के लिये मजबूर है, पता नहीं? वह एक तो कोरिया जाता है और दूसरे लिसबन जो योरप के राज स्पेन की राजधानी है. यह व्योपार भी गोबध का ज़बरदस्त कारन है. पर हम इस तरफ भी निगाह क्यों डालें? हमें तो सोचना यह है कि हम गोबध क्यों रोकना चाहते हैं? सिर्फ इसीलिये कि हमें काफी दूध नहीं मिलता और हमारी खेती बारी के लिये हमें काफी मजबूत बैल नहीं मिलते. अगर यह दो चीज़ हमें मिलने लगे तब हमारी निगाह गोबध की तरफ जाना बंद हो जायगी जिस तरह वेद काल में नहीं जाती थी. और यह दोनों काम गोरक्षा से हो सकते हैं, गोबध बंदी के क़ानून से नहीं.

घोड़े का बंध नहीं होता. इतना ही नहीं, अब तो जंगली घोड़े मिलते ही नहीं. घोड़ा आदमी के लिये इतने काम का जानवर हो गया है कि आदमी उसके बंध की बात सोच ही नहीं सकता. अगर खर और बखड़े भी इसी

کو جیسے بنے اپنے اوپر سے ڈھا کر فٹک دے۔ سر پر راس گولے پٹ میں پکے भारी नहीं مالूम होते पर वही रसगुल्ले हाथ में रखे आदमी को थका देते हैं. और उनको फँकने के लिये जल्दी ही जी मचलने लगता है. यही हाल सरकारी कानूनों का होता है. सरकारी कानून धर्म नियमों की तरह कभी भी आदमी के जीवन का अंग नहीं बन पाते.

आज जो लोग गोबध बंद करना चाहते हैं वह गोबध बंदी कानून तो बनवा सकते हैं पर गोबध रोक नहीं सकते. चोरी छिपे गोबध होता ही रहेगा. गोबध बंद कराने के काम में जो लोग सच्चे जी से लगे हुए हैं उनसे हम मिले हैं. उनका कहना है, बंगाल ने गोबध बंदी कानून पास किया, उसको चौदह म्युनिस्पलिटियों में लागू किया. नतीजा यह हुआ कि जहाँ वह लागू नहीं हुआ था वहाँ गोबध शुरू हो गया और गायों के मरने की तादाद उतनी ही बनी रही जितनी पहले थी. उनका यह भी कहना था कि जब तक सारे बंगाल में वह कानून लागू न किया जाय तब तक बंगाल में गोबध बंद नहीं हो सकता. हम पूछ बैठे, तब पड़ोसी रियासतों में होगा. वह बोले, "हां यह तो होगा ही." यह भी बोले, हिन्दुस्तान भर में ही लागू होने पर गोबध बंद हो सकता है. हमने कहा—"तब गोया, पांडेचरी, कारीकाल, माही खुले रहेंगे क्योंकि यह हिन्दुस्तान में होते हुए भी विदेशी राज के कारन हिन्दुस्तान में नहीं माने जाते." वह बोले हां यह तो होगा ही. हमने कहा, "इतना ही क्यों, बंदरों की तरह फिर गायें भी बध होने के लिये विदेश लदने लगेंगी. वह बोले, "उसे रोकने के लिये एक कानून और बनाना पड़ेगा." मतलब यह कि कानून पर कानून बनाते जाइये और नतीजा कुछ नहीं.

आजकल गायें ज़ियादातर इस गरज से नहीं मारी जाती जिस गरज से बकरे मारे जाते हैं. यह तो व्यापार की गरज से मारी जाती हैं. हज़ारों बाखों मन बड़ा मांस कोरिया लद कर जाता है. या लिसबन की मंडी को चला जाता है जो योरप के एक देश की राजधानी है.

गाय को बध होने से बचाने के लिये यह बिल्कुल जरूरी है कि एक ऐसी जमात तैयार की जाय जो हर तरह के मांस से परहेज करती हो. जैसा महावीर और बुद्ध के समय में हुआ. तब और तब ही यह संभव है कि गाय के लिये वही क़द्र फिर पैदा हो जाय जो कभी उस वक़्त पैदा हुई थी जब गाय से किसी को परहेज न था.

इसी महीने में हम दार्जिलिंग थे. वहाँ गोबध रोकने के प्रचारक से हमारी मेंट हुई. उन्होंने हमें बताया कि दार्जिलिंग के क़साई घर में 22 गायों का रोज़ बध होता है और इससे कई गुना और गायें चोरी चोरी बध की जाती हैं. हमने पूछा यह चोरी से बध क्यों? वह बोले, "जो गायें

को चूसने वाले और से अँधा को येल्क दे. मर भर रस कले पोट में डूबे भारी नहीं معلوم होते पर वही रस कले हाथ में रक़्हे آدمी को थका देते हैं. और उनको फँकने के लिये जल्दी ही जी मचलने लगता है. यही हाल सरकारी कानूनों का होता है. सरकारी कानून धर्म नियमों की तरह कभी भी आदमी के जीवन का अंग नहीं बन पाते.

आज जो लोग गोबध बंद करना चाहते हैं वे गोबध बंदी कानून तो बनवा सकते हैं पर गोबध रोक नहीं सकते. चोरी छिपे गोबध होता ही रहेगा. गोबध बंद कराने के काम में जो लोग सच्चे जी से लगे हुए हैं उनसे हम मिले हैं. उनका कहना है, बंगाल ने गोबध बंदी कानून पास किया, उसको चौदह म्युनिस्पलिटियों में लागू किया. नतीजा यह हुआ कि जहाँ वह लागू नहीं हुआ था वहाँ गोबध शुरू हो गया और गायों के मरने की तादाद उतनी ही बनी रही जितनी पहले थी. उनका यह भी कहना था कि जब तक सारे बंगाल में वह कानून लागू न किया जाय तब तक बंगाल में गोबध बंद नहीं हो सकता. हम पूछ बैठे, तब पड़ोसी रियासतों में होगा. वह बोले, "हां यह तो होगा ही." यह भी बोले, हिन्दुस्तान भर में ही लागू होने पर गोबध बंद हो सकता है. हमने कहा—"तब गोया, पांडेचरी, कारीकाल, माही खुले रहेंगे क्योंकि यह हिन्दुस्तान में होते हुए भी विदेशी राज के कारन हिन्दुस्तान में नहीं माने जाते." वह बोले हां यह तो होगा ही. हमने कहा, "इतना ही क्यों, बंदरों की तरह फिर गायें भी बध होने के लिये विदेश लदने लगेंगी. वह बोले, "उसे रोकने के लिये एक कानून और बनाना पड़ेगा." मतलब यह कि कानून पर कानून बनाते जाइये और नतीजा कुछ नहीं.

आज दल गल्ले زیادہ تر اس فرض سے نہیں ماری جاتیں جس فرض سے بکرے مارے جاتے ہیں. یہ تو بھاری کی فرض سے ماری جاتی ہیں. ہزاروں لاکھوں من بڑا مانس کوریا لدر جاتا ہے یا لندن کی ملدی کو چلا جاتا ہے جو یورپ کے ایک دیس کی راجدھانی ہے.

گائے کو بدم ہونے سے بچانے کے لئے یہ بالکل ضروری ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو ہر طرح کے مانس سے پرہیز کرتی ہو. جیسا مہادیر اور بدم کے رسم میں ہوا. تب اور تب ہی یہ سمجھو کہ گائے کے لئے وہی قدر پور پھدا ہو جائے جو کبھی اس وقت پھدا ہوئی تھی جب گائے سے کسی کو پرہیز نہ تھا.

اس سہولت میں ہم دارجلنگ تھے. وہاں گویدہ روکنے کے پرچارک سے ہماری پہچانت ہوئی. انہوں نے ہمیں بتایا کہ دارجلنگ کے قصائی گھر میں ہائیس گلیں کا روز بدم ہوتا ہے اور اس سے کئی لاکھ اور گائیں چوری چوری بدم کی جاتی ہیں. ہم نے پوچھا یہ چوری سے بدم کیوں؟ گائے کو بولے "جو گائیں

گورکھا بنام گوہدہ بندی

گورکھا سے ہمارا मतलब ہے گाय کے لیے اچھی چراگاہوں کا پबंध کرنا، گाय کی نسل بڑھانا، ایسی دھاری گائے تیار کرنا جو ایک وقت میں دس پندرہ سے دھ دے سکے۔ گाय کے سول کے لیے سب तरह کے ساधन जुटाना۔ लोगों के لیے ऐसे सुभीते कर देना कि वह आसानी से गाय पाल सकें۔ बीमारी से बचने के لیے उचित साहित्य जुटाना और इलाज के لیے काफی अस्पताल खोलना۔

گوہدہ بندی میں یہ سب باتیں شامل نہیں ہیں۔ اس میں تو صرف اس بات کا شور مچایا جاتا ہے کہ گاؤں کا کسی طرح بھی بد نہ ہوئے پائے۔

وہد کال میں آریہ لوگ گائے پالنے کے بڑے شوقین تھے۔ اس سلسلے کا سامعہ گائے کی بڑھواری کا حال "اندا اچھا بتانا ہے کہ اُسکو سن سن کر منہ میں ہانی بھر آتا ہے۔ دودھ کی ندی بہنے کی بات سچ مچ اگر کہی صحیح دھی ہوگی" تو وہد کال شاہی صحیح دھی ہوگی۔ پر ان دنوں گوہدہ بند نہیں تھا۔

اُس کے بعد کے کال میں بھی گوہدہ بند کرنے کی بات کہی نہیں آئی۔ پر گورکھا ضرور ہوتی دھی۔ گوہدہ بند کرنے کی بات صرف اُس وقت آئی جب بدھ بھگوان اور مہادیر سوامی جھسوں نے مانس کھانے کے خلاف آواز اُٹھائی اور سہنکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں نے اُن کی بات سنی، مانی اور اُس پر عمل کیا۔ کروڑوں کے کلمے اُتر آئے۔ اور وہ چاہے مانس نہ چھوڑ سکے ہوں تب بھی نرمی سے ہوجھوں سے ہر طرح کی سہانوبہوتی دھتے تھے، اُن کی عزت کرتے تھے۔ جب مانس نہ کھالے والوں کی تعداد کافی ہوگئی تب ایک آواز یہ بھی آئی کہ بھائی، اگر تم اور مانس نہیں چھوڑ سکتے تو کم سے کم ایسے دھو کا مانس تو چھوڑ جو کھیتی میں تمہاری ہی مدد کرنا ہے۔ ماں کے مر جانے پر آدمی کے بچے کا پالان کرتا ہے۔ اس آواز نے جب ہوا روپ لیا تب نتیجہ ہوا کہ لوگ جس گائے کو بہت پہلے سے ماں سمجھتے آ رہے تھے سچے معلوم میں ماں ماننے لگے اور اُس کے بچہروں کو اپنا بھائی سمجھنے لگے۔ پھر جلسی ہی وہ دن آگیا کہ گائے کا بدھ کرنا، اپنے آپ ادرم بن بیٹھا۔ گوہدہ بند کرنے کا اگر کہیں قانون بنا ہوتا تو گائے کو یہ ہوتی جگہ کہی نہ ملی ہوتی جو آج ملی ہوئی ہے۔ دھرم دھمان اور راج دھمان میں ہی تو اُتر ہے۔ دھرم دھمان آدمی کے من مستک میں ہی نہیں ساری اُنسا میں دم جاتا ہے۔ اور راج دھمان اوپر اوپر دھتا ہے جیسے آدمی ہمیشہ بوجھا سمجھتا دھتا ہے۔ اندر سے یہ چاہتا دھتا ہے کہ وہ اُس پر

گورکھا بنام گوہدہ بندی

گورکھا سے ہمارا مطلب ہے گائے کے لئے اچھی چراگاہوں کا پबंध کرنا، گائے کی نسل بڑھانا، ایسی دھاری گائے تیار کرنا جو ایک وقت میں دس پندرہ سے دھ دے سکے۔ گائے کے سول کے لیے سب طرح کے ساधन जुटाना۔ लोगों के لیے ऐसे सुभीते कर देना कि वह आसानी से गाय पाल सकें۔ बीमारी से बचने के لیے उचित साहित्य जुटाना और इलाज के لیے काफی अस्पताल खोलना۔

گوہدہ بندی میں یہ سب باتیں شامل نہیں ہیں۔ اس میں تو صرف اس بات کا شور مچایا جاتا ہے کہ گاؤں کا کسی طرح بھی بد نہ ہوئے پائے۔

وہد کال میں آریہ لوگ گائے پالنے کے بڑے شوقین تھے۔ اس سلسلے کا سامعہ گائے کی بڑھواری کا حال "اندا اچھا بتانا ہے کہ اُسکو سن سن کر منہ میں ہانی بھر آتا ہے۔ دودھ کی ندی بہنے کی بات سچ مچ اگر کہی صحیح دھی ہوگی" تو وہد کال شاہی صحیح دھی ہوگی۔ پر ان دنوں گوہدہ بند نہیں تھا۔

اُس کے بعد کے کال میں بھی گوہدہ بند کرنے کی بات کہی نہیں آئی۔ پر گورکھا ضرور ہوتی دھی۔ گوہدہ بند کرنے کی بات صرف اُس وقت آئی جب بدھ بھگوان اور مہادیر سوامی جھسوں نے مانس کھانے کے خلاف آواز اُٹھائی اور سہنکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں نے اُن کی بات سنی، مانی اور اُس پر عمل کیا۔ کروڑوں کے کلمے اُتر آئے۔ اور وہ چاہے مانس نہ چھوڑ سکے ہوں تب بھی نرمی سے ہوجھوں سے ہر طرح کی سہانوبہوتی دھتے تھے، اُن کی عزت کرتے تھے۔ جب مانس نہ کھالے والوں کی تعداد کافی ہوگئی تب ایک آواز یہ بھی آئی کہ بھائی، اگر تم اور مانس نہیں چھوڑ سکتے تو کم سے کم ایسے دھو کا مانس تو چھوڑ جو کھیتی میں تمہاری ہی مدد کرنا ہے۔ ماں کے مر جانے پر آدمی کے بچے کا پالان کرتا ہے۔ اس آواز نے جب ہوا روپ لیا تب نتیجہ ہوا کہ لوگ جس گائے کو بہت پہلے سے ماں سمجھتے آ رہے تھے سچے معلوم میں ماں ماننے لگے اور اُس کے بچہروں کو اپنا بھائی سمجھنے لگے۔ پھر جلسی ہی وہ دن آگیا کہ گائے کا بدھ کرنا، اپنے آپ ادرم بن بیٹھا۔ گوہدہ بند کرنے کا اگر کہیں قانون بنا ہوتا تو گائے کو یہ ہوتی جگہ کہی نہ ملی ہوتی جو آج ملی ہوئی ہے۔ دھرم دھمان اور راج دھمان میں ہی تو اُتر ہے۔ دھرم دھمان آدمی کے من مستک میں ہی نہیں ساری اُنسا میں دم جاتا ہے۔ اور راج دھمان اوپر اوپر دھتا ہے جیسے آدمی ہمیشہ بوجھا سمجھتا دھتا ہے۔ اندر سے یہ چاہتا دھتا ہے کہ وہ اُس پر

ڈاکٹر لویڈیا نے وہ دونوں خط آجاریہ کولہائی کے اخبار ”وجل“ میں چھپوا دیئے۔ لیکن مس اسکندر کا نام ظاہر نہیں کیا۔ پر نہ جانے کسے دلی کے امریکی دوتاواس نے لیکھک کا ٹھہک پتہ لگا لیا۔ یہ بات ہمارے لئے شرم کی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک معمولی سا راز بھی چھپا کر نہیں رکھ سکتے اور اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ امریکی خفیہ جال بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مس اسکندر کو نوکری سے ہٹا دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ فوراً امریکہ کے لئے روانہ ہو جائیں۔ وہاں سہکارتوں کی دسی اسکندر کی گردن کے انتظار میں ہے۔

سچ کو اس طرح دہانا، سچوں کو اس طرح سے ختم کرنا اگر آزادی ہے تو امریکہ میں یہ آزادی کافی مالو میں پائی جاتی ہے!

ایک دو پونگر گھنٹاؤں میں نہیں بلکہ یہ وہ گھنٹاؤں ہیں جو کسی طرح ظاہر ہو گئی ہیں۔ 25 مئی کو اسٹینلی بوریچ نے لندن سے نکلنے والے اخبار ’نیوز کرائیکل‘ میں لکھا ہے کہ 12000 ویدشی امریکا سے نیکالے جا رہے ہیں اور دس ہزار ایسے ویدشیوں کے بارے میں سوچا جا رہا ہے کہ انہیں امریکا کے ناگرک بن گئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے، آخر ان لوگوں کو کیا خطا ہے جس کی وجہ سے انہیں یہی نکالا جا رہا ہے۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے سوجنا دہاک کے سیکریٹری ڈاکٹر رابرٹ جانسن نے اس بات کا ٹھہک جواب دیا ہے۔ ”جو آدمی سرکار کے مصلوبوں سے پوری ہمدردی نہیں رکھتا اسے ختم کر دیا جائے گا۔“ دھواں دے کہ یہ شہد اس دیہ کے ذمہ دار شاک کے ہیں جو لوک شاہی کے نام پر خون خرابہ کرتا ہوتا ہے اور دسویں آزادی کو بہت اہم سمجھتا ہے اور ایسی آزادی ڈرامیت کرنے کے لئے وہ کروڑوں جانوں مار سکتا ہے، یہاں تک کہ ایٹم بم کا ایہوک کر سکتا ہے۔

ان گھنٹاؤں کو بڑھکر روٹوں کھڑے ہو جان سواہارک ہے۔ پر اب مل کا وقت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ امریکہ کے ودوانوں، سماجی کام کرنے والوں اور ہر طرح کے لوگوں کی جان بچانے کی ہم کوشش کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک سنگتوں کھڑا کیا جائے جو اس طرح کے سوالوں کو لے کر یہاں کے امریکی دوتاواس پر اثر قائل اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی دکھا کر امریکی جلتا کو نہتک بل دے جس سے کہ وہ اس برہنہ کے خلاف آواز اٹھا سکے اور ظلم کا خاتمہ کر سکے۔

ایک دو پونگر گھنٹاؤں میں نہیں بلکہ یہ وہ گھنٹاؤں ہیں جو کسی طرح ظاہر ہو گئی ہیں۔ 25 مئی کو اسٹینلی بوریچ نے لندن سے نکلنے والے اخبار ’نیوز کرائیکل‘ میں لکھا ہے کہ 12000 ویدشی امریکا سے نیکالے جا رہے ہیں اور دس ہزار ایسے ویدشیوں کے بارے میں سوچا جا رہا ہے کہ انہیں امریکا کے ناگرک بن گئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے، آخر ان لوگوں کو کیا خطا ہے جس کی وجہ سے انہیں یہی نکالا جا رہا ہے۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے سوجنا دہاک کے سیکریٹری ڈاکٹر رابرٹ جانسن نے اس بات کا ٹھہک جواب دیا ہے۔ ”جو آدمی سرکار کے مصلوبوں سے پوری ہمدردی نہیں رکھتا اسے ختم کر دیا جائے گا۔“ دھواں دے کہ یہ شہد اس دیہ کے ذمہ دار شاک کے ہیں جو لوک شاہی کے نام پر خون خرابہ کرتا ہوتا ہے اور دسویں آزادی کو بہت اہم سمجھتا ہے اور ایسی آزادی ڈرامیت کرنے کے لئے وہ کروڑوں جانوں مار سکتا ہے، یہاں تک کہ ایٹم بم کا ایہوک کر سکتا ہے۔

سچ کو اس طرح دہانا، سچوں کو اس طرح سے ختم کرنا اگر آزادی ہے تو امریکہ میں یہ آزادی کافی مالو میں پائی جاتی ہے!

ایک دو پونگر گھنٹاؤں میں نہیں بلکہ یہ وہ گھنٹاؤں ہیں جو کسی طرح ظاہر ہو گئی ہیں۔ 25 مئی کو اسٹینلی بوریچ نے لندن سے نکلنے والے اخبار ’نیوز کرائیکل‘ میں لکھا ہے کہ 12000 ویدشی امریکا سے نیکالے جا رہے ہیں اور دس ہزار ایسے ویدشیوں کے بارے میں سوچا جا رہا ہے کہ انہیں امریکا کے ناگرک بن گئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے، آخر ان لوگوں کو کیا خطا ہے جس کی وجہ سے انہیں یہی نکالا جا رہا ہے۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے سوجنا دہاک کے سیکریٹری ڈاکٹر رابرٹ جانسن نے اس بات کا ٹھہک جواب دیا ہے۔ ”جو آدمی سرکار کے مصلوبوں سے پوری ہمدردی نہیں رکھتا اسے ختم کر دیا جائے گا۔“ دھواں دے کہ یہ شہد اس دیہ کے ذمہ دار شاک کے ہیں جو لوک شاہی کے نام پر خون خرابہ کرتا ہوتا ہے اور دسویں آزادی کو بہت اہم سمجھتا ہے اور ایسی آزادی ڈرامیت کرنے کے لئے وہ کروڑوں جانوں مار سکتا ہے، یہاں تک کہ ایٹم بم کا ایہوک کر سکتا ہے۔

ان گھنٹاؤں کو بڑھکر روٹوں کھڑے ہو جان سواہارک ہے۔ پر اب مل کا وقت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ امریکہ کے ودوانوں، سماجی کام کرنے والوں اور ہر طرح کے لوگوں کی جان بچانے کی ہم کوشش کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک سنگتوں کھڑا کیا جائے جو اس طرح کے سوالوں کو لے کر یہاں کے امریکی دوتاواس پر اثر قائل اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی دکھا کر امریکی جلتا کو نہتک بل دے جس سے کہ وہ اس برہنہ کے خلاف آواز اٹھا سکے اور ظلم کا خاتمہ کر سکے۔

مان لی جاتی تو سوال اٹھتا ہے کہ پروفیسر لیتھمور، دوسرے جانے پہچانے نہتا بھی کہا راج کو آئندہ کے دھن میں ہیں۔ دنیا انہیں کمونسٹ ورورڈی تو کہہ سکتی ہے پر ان پر کمونسٹ ہونے کا شک نہیں کر سکتی۔ ہم ان سب کو چھوڑ دیتے ہیں جو خودکشی کر کے "لوک شاہی" کی ویڈی پر بلی چوہ گئے۔ یہاں ہم ان والعات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو حال کے ہیں۔

پروفیسر لیتھمور جیسے ویڈیان پر ہر آدمی فکڑ کرے گا۔ پر ان تک کو نہیں چھوڑا گیا۔ طرح طرح سے پریشان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ کمونسٹ ہیں اور اس لئے ان پر وشواس کہات کا الزام لگا کر ختم کر دیا جائے۔ لیتھمور پر اب بھی مقدسہ چل رہا ہے اور جو الزام ان پر ہے وہ خود امریکی لوک شاہی کی قلمی کھول کر رکھ دیتا ہے: دوسری لوائی کے زمانے میں پروفیسر لیتھمور نے کسی دن روسی راجدوت کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ سرکاری پکھن کا کھانا ہے کہ چونکہ روسی راجدوت سے ان کا روتی کا سہلہ تھا اسلئے یہ ضرور روسی ایجنٹ ہونگے۔ لیتھمور نے صدائی دی ہے کہ انہوں نے روسی راجدوت کے ساتھ اُس سے کھانا کھایا ہے جب روس اور امریکہ ایک ساتھ ہوئے تھے۔ پر سرکار کا کہنا ہے کہ انہوں نے کھانا روس اور امریکہ کے ایک سے پہلے کھایا ہے۔ سوپریم کورٹ کو پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ انہوں نے کھانا پہلے کھایا تھا یا پچھلے!

پروفیسر لیتھمور جیسے ویڈیان پر ہر آدمی فکڑ کرے گا۔ پر ان تک کو نہیں چھوڑا گیا۔ طرح طرح سے پریشان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ کمونسٹ ہیں اور اس لئے ان پر وشواس کہات کا الزام لگا کر ختم کر دیا جائے۔ لیتھمور پر اب بھی مقدسہ چل رہا ہے اور جو الزام ان پر ہے وہ خود امریکی لوک شاہی کی قلمی کھول کر رکھ دیتا ہے: دوسری لوائی کے زمانے میں پروفیسر لیتھمور نے کسی دن روسی راجدوت کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ سرکاری پکھن کا کھانا ہے کہ چونکہ روسی راجدوت سے ان کا روتی کا سہلہ تھا اسلئے یہ ضرور روسی ایجنٹ ہونگے۔ لیتھمور نے صدائی دی ہے کہ انہوں نے روسی راجدوت کے ساتھ اُس سے کھانا کھایا ہے جب روس اور امریکہ ایک ساتھ ہوئے تھے۔ پر سرکار کا کہنا ہے کہ انہوں نے کھانا روس اور امریکہ کے ایک سے پہلے کھایا ہے۔ سوپریم کورٹ کو پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ انہوں نے کھانا پہلے کھایا تھا یا پچھلے!

بھارت کی سوشلسٹ پارٹی اور اسکے نہتا ڈاکٹر رام ملوہر لوہیا پر کوئی کمونسٹ ہونے کا الزام نہیں لگا سکتا بلکہ لوک امریکہ کے ساتھی ہونے کا ان پر شک کرتے ہیں۔ کلکتہ میں بولتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو بھی درد بھرے ہندوں میں امریکہ سے اپیل کرنی پڑی کہ وہ سچ بولنے پر مس مارگرہٹ اسکندر کو سزا نہ دے۔ گتھائی ہیں: فلیپائن پر امریکہ قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ وہاں کی جلتا ہے حد فریب ہے اور ان کی فریبی پر امریکی دولت کے محفل کھڑے کر رہے ہیں۔ مس اسکندر کو امریکہ سے اسکالر شپ دے کو فلیپائن کی راجدھانی ملوہ بھوجا گیا تھا۔ وہ ملوہ کے ایک اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ ملوہ میں رہ کر انہوں نے اُس دیہ کی دردنا کو اچھی طرح دیکھا اور دیہی لوگوں کے ساتھ امریکی جو بدوہار کرتے تھے اس سے ان کو بہت دھکا لگا۔ ڈاکٹر لوہیا ملوہ گئے تھے اور مس اسکندر نے ان سے وہاں ملاقات کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے ہندستان لپٹنے پر مس اسکندر نے دو خط ڈاکٹر لوہیا کو لکھے تھے جس میں وہاں کے حالات پر روشنی ڈالی تھی۔

بھارت کی سوشلسٹ پارٹی اور اسکے نہتا ڈاکٹر رام ملوہر لوہیا پر کوئی کمونسٹ ہونے کا الزام نہیں لگا سکتا بلکہ لوک امریکہ کے ساتھی ہونے کا ان پر شک کرتے ہیں۔ کلکتہ میں بولتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو بھی درد بھرے ہندوں میں امریکہ سے اپیل کرنی پڑی کہ وہ سچ بولنے پر مس مارگرہٹ اسکندر کو سزا نہ دے۔ گتھائی ہیں: فلیپائن پر امریکہ قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ وہاں کی جلتا ہے حد فریب ہے اور ان کی فریبی پر امریکی دولت کے محفل کھڑے کر رہے ہیں۔ مس اسکندر کو امریکہ سے اسکالر شپ دے کو فلیپائن کی راجدھانی ملوہ بھوجا گیا تھا۔ وہ ملوہ کے ایک اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ ملوہ میں رہ کر انہوں نے اُس دیہ کی دردنا کو اچھی طرح دیکھا اور دیہی لوگوں کے ساتھ امریکی جو بدوہار کرتے تھے اس سے ان کو بہت دھکا لگا۔ ڈاکٹر لوہیا ملوہ گئے تھے اور مس اسکندر نے ان سے وہاں ملاقات کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے ہندستان لپٹنے پر مس اسکندر نے دو خط ڈاکٹر لوہیا کو لکھے تھے جس میں وہاں کے حالات پر روشنی ڈالی تھی۔

بھارت کی سوشلسٹ پارٹی اور اسکے نہتا ڈاکٹر رام ملوہر لوہیا پر کوئی کمونسٹ ہونے کا الزام نہیں لگا سکتا بلکہ لوک امریکہ کے ساتھی ہونے کا ان پر شک کرتے ہیں۔ کلکتہ میں بولتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو بھی درد بھرے ہندوں میں امریکہ سے اپیل کرنی پڑی کہ وہ سچ بولنے پر مس مارگرہٹ اسکندر کو سزا نہ دے۔ گتھائی ہیں: فلیپائن پر امریکہ قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ وہاں کی جلتا ہے حد فریب ہے اور ان کی فریبی پر امریکی دولت کے محفل کھڑے کر رہے ہیں۔ مس اسکندر کو امریکہ سے اسکالر شپ دے کو فلیپائن کی راجدھانی ملوہ بھوجا گیا تھا۔ وہ ملوہ کے ایک اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ ملوہ میں رہ کر انہوں نے اُس دیہ کی دردنا کو اچھی طرح دیکھا اور دیہی لوگوں کے ساتھ امریکی جو بدوہار کرتے تھے اس سے ان کو بہت دھکا لگا۔ ڈاکٹر لوہیا ملوہ گئے تھے اور مس اسکندر نے ان سے وہاں ملاقات کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے ہندستان لپٹنے پر مس اسکندر نے دو خط ڈاکٹر لوہیا کو لکھے تھے جس میں وہاں کے حالات پر روشنی ڈالی تھی۔

میں پُنجیباد کی رक्षा کا نام نہ لے کر लोकशाही کی रक्षा का नाम क्यों लेते हैं? इस सबाल पर सोचने पर पता चलता है कि पंजीवाद का डांचा इतना सड़ा है और उसकी नैतिकता इतनी गिरी है कि आम जनता की अदालत के सामने उसके पक्ष में कुछ नहीं कहा जा सकता. सब जानते हैं कि अमरीका पंजीवाद का अलमबरदार है और उसी व्यवस्था से वह चिपका रहना चाहता है. पर उसमें इतना साहस बाक़ी नहीं रह गया है कि वह इस बात को साफ़ साफ़ कह सके. कम्युनिज्म की यह जबरदस्त नैतिक जीत है, इससे इनकार नहीं किया जा सकता.

कुछ लोग हमारी बात को नहीं मानेंगे और कहेंगे कि अमरीका लोकशाही का नाम इसलिये लेता है क्योंकि रूस में तानाशाही है. विरोध असल में कम्युनिज्म का नहीं है बल्कि तानाशाही बंग के राज का है. हम इस बात को नहीं मानते. फिर भी इस बात पर विचार करना ग़लत न होगा.

बात समझने के लिये हम अमरीका की उस नीति को लें जो "लोकशाही" की रक्षा के लिये बनाई गई है. उलेस साहब ने शान्ति के पांच खम्बे बनाए हैं. पांचवां खम्बा यह है—"धार्मिक और दिमागी आजादी." यह बात बहुत ही अच्छी है और दिल पर असर करती है. पर अमरीकी लोकशाही में इस पर अमल किस तरह किया जाता है, यह बात सोचने की है. खुद अमल करके जो उपदेश दूसरों को दिया जाता है वह ज़ियादा असरदार होता है. हमें दुख है कि अमरीका वालों के शब्दों और कामों में ज़मीन आसमान की दूरी है.

आज यह बात छिपी नहीं है कि सैकड़ों ने अमरीका में खुदकुशी कर ली है और हज़ारों जेलों में बन्द हैं. मैकारथी का नाम सुन कर तो हम लोगों के बदन में भी झुरझुरी पैदा हो जाती है. अगर दिमागी आजादी से मतलब किसी खास तरह की आजादी से है तो हमें कुछ नहीं कहना पर अगर दिमागी आजादी का मतलब है माली, समाजी, नैतिक, धार्मिक विचार रखना और आजादी से उनको ज़ाहिर करना तो हमें यह बात घटनाओं के आधार पर मानना पड़ती है कि अमरीका में यह आजादी आज बिल्कुल नहीं है. कम्युनिज्म एक विचार है और उस विचार के मानने वालों को आजादी मिलना चाहिये. शायद आवर्श के रूप में अमरीकी शासक इस बात को मानते हों पर अमल में आमला बिल्कुल उलटा है.

कम्युनिस्ट पार्टी के मेम्बरों को जेलों में रखा जाता है, उन्हें तरह तरह से ज़लील किया जाता है. इसका जवाब यह हो सकता है कि यह लोग ताक़त से राज उलटना चाहते हैं, इस कारन से इनको सज़ाएं दी जाती हैं, नहीं तो कम्युनिज्म को मानना जुर्म नहीं है. अगर यह बात

में पंजीवाद की रक्षा का नाम न लेकर लोकशाही की रक्षा का नाम क्यों लेते हैं? इस सबाल पर सोचने पर पता चलता है कि पंजीवाद का डांचा इतना सड़ा है और उसकी नैतिकता इतनी गिरी है कि आम जनता की अदालत के सामने उसके पक्ष में कुछ नहीं कहा जा सकता. सब जानते हैं कि अमरीका पंजीवाद का अलमबरदार है और उसी व्यवस्था से वह चिपका रहना चाहता है. पर उसमें इतना साहस बाक़ी नहीं रह गया है कि वह इस बात को साफ़ साफ़ कह सके. कम्युनिज्म की यह जबरदस्त नैतिक जीत है, इससे इनकार नहीं किया जा सकता.

कुछ लोग हमारी बात को नहीं मानेंगे और कहेंगे कि अमरीका लोकशाही का नाम इसलिये लेता है क्योंकि रूस में तानाशाही है. विरोध असल में कम्युनिज्म का नहीं है बल्कि तानाशाही बंग के राज का है. हम इस बात को नहीं मानते. फिर भी इस बात पर विचार करना ग़लत न होगा.

बात समझने के लिये हम अमरीका की उस नीति को लें जो "लोकशाही" की रक्षा के लिये बनाई गई है. उलेस साहब ने शान्ति के पांच खम्बे बनाए हैं. पांचवां खम्बा यह है—"धार्मिक और दिमागी आजादी." यह बात बहुत ही अच्छी है और दिल पर असर करती है. पर अमरीकी लोकशाही में इस पर अमल किस तरह किया जाता है, यह बात सोचने की है. खुद अमल करके जो उपदेश दूसरों को दिया जाता है वह ज़ियादा असरदार होता है. हमें दुख है कि अमरीका वालों के शब्दों और कामों में ज़मीन आसमान की दूरी है.

आज यह बात छिपी नहीं है कि सैकड़ों ने अमरीका में खुदकुशी कर ली है और हज़ारों जेलों में बन्द हैं. मैकारथी का नाम सुन कर तो हम लोगों के बदन में भी झुरझुरी पैदा हो जाती है. अगर दिमागी आजादी से मतलब किसी खास तरह की आजादी से है तो हमें कुछ नहीं कहना पर अगर दिमागी आजादी का मतलब है माली, समाजी, नैतिक, धार्मिक विचार रखना और आजादी से उनको ज़ाहिर करना तो हमें यह बात घटनाओं के आधार पर मानना पड़ती है कि अमरीका में यह आजादी आज बिल्कुल नहीं है. कम्युनिज्म एक विचार है और उस विचार के मानने वालों को आजादी मिलना चाहिये. शायद आवर्श के रूप में अमरीकी शासक इस बात को मानते हों पर अमल में आमला बिल्कुल उलटा है.

कम्युनिस्ट पार्टी के मेम्बरों को जेलों में रखा जाता है, उन्हें तरह तरह से ज़लील किया जाता है. इसका जवाब यह हो सकता है कि यह लोग ताक़त से राज उलटना चाहते हैं, इस कारन से इनको सज़ाएं दी जाती हैं, नहीं तो कम्युनिज्म को मानना जुर्म नहीं है. अगर यह बात

مانتا ہے اور زمینداروں سے انکی زمین کا چھٹا حصہ کر کے روپ میں کسانوں کو دلاتا ہے، اُس کے دان اور پکھلے شہدوں کا کھا اوتہ ہوا اسے بھی سمجھدار نہ سمجھے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگوں نے یہ اوتہ بھی کہہ کر نکال لیا کہ زمیندار اپنی زمین کا چھٹا بھاگ دیکر ہوشیہ کے لئے چھوٹ جائیں گے۔ کچھ ہی بار اٹھایا جاتا ہے، کو طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ سال میں دوبارہ وصول کئے جاتے ہیں، کچھ ایک بار اور کچھ کئی سال کے بعد، یہ چھتے بھاگ والا بھوسی کر کس طرح کا ہے یہ ابھی طے ہی کہاں کہاں تھا۔ یہ تو راجہ ہی طے کریگا، اور ونوبا کی راجہ ہے چلتا۔

جب ونوبا جی بھوسی دان کے لئے نکلے تھے تب 'نیا دنیا' میں ہم نے ایک نوٹ لکھا تھا، اُس وقت ہم نے یہ کہا تھا کہ ہماری نگاہ اس طرف نہیں دھونگی کہ ونوبا جی کو کب کہاں نکلی زمین ملی ہے۔ ہماری نگاہ تو اس طرف دھونگی کہ انہیں اس بات میں کہاں تک سہلوتا ہوئی کہ علما سے نہیں اہلسا سے بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔ اور آج ہم یہ نوٹ اس بات کو لہکر لکھ رہے ہیں کہ ہمیں یہ چلتا نہیں کہ کب سب زمین کسانوں کے ہاتھ میں آئی ہے، ہمیں تو یہ چلتا ہے کہ کب ہندوستان کی ساری چلتا یہ سمجھنے لگتی ہے کہ ہندوستان کی وہ مالک ہے نہ کہ وہ سرکار جسکو اُس نے کہوا لیا ہے۔ اور یہ ایسا کام ہے جس پر ہر ایک کو خوش ہونا چاہئے۔

10-6-53

—مہمانانہ—

لوکشاہی اور امریکا

جین شہدوں کا سب سے بڑا دھوکہ دیا ہے ان میں سے "لوکشاہی" ایک ہے، طرح طرح کے مانی اس لفظ کو پھینا جانے لگے ہیں، امریکا والے تو اس لفظ تک گئے ہیں کہ انکی ہر ہمتی "لوکشاہی" کہی جانے لگی ہے، عام خیال یہ ہے کہ لوکشاہی اور کمونزم دو گروہ ہیں، کمونزم کا سردار روس ہے اور لوکشاہی کا علمبردار امریکہ ہے، یہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ لوکشاہی کے مقابلے میں "ٹانا شاہی" بادشاہی و فہرہ کو تو کہوا لیا جاسکتا ہے، کمونزم سے اسکی کوئی ہوز نہیں ہو سکتی، کمونزم ایک طرح کی مالی دیوستھا اور اُس مالی دیوستھا نے آدھار پر بھگت والی نئی دنیا کا نام ہے، لوکشاہی صرف اُس مضمین کا نام ہے جس نے راجا سے راج ستا اچے ہاتھوں میں لے لی ہے۔

کمونزم ایک مضمین ہے اور لوکشاہی صرف ایک راستا، مضمین اور راستے میں بڑا فرق ہے، لیکن سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ امریکا والے کمونزم کے مقابلے

مانتا ہے اور زمینداروں سے انکی زمین کا چھٹا حصہ کر کے روپ میں کسانوں کو دلاتا ہے، اُس کے دان اور پکھلے شہدوں کا کھا اوتہ ہوا اسے بھی سمجھدار نہ سمجھے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگوں نے یہ اوتہ بھی کہہ کر نکال لیا کہ زمیندار اپنی زمین کا چھٹا بھاگ دیکر ہوشیہ کے لئے چھوٹ جائیں گے۔ کچھ ہی بار اٹھایا جاتا ہے، کو طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ سال میں دوبارہ وصول کئے جاتے ہیں، کچھ ایک بار اور کچھ کئی سال کے بعد، یہ چھتے بھاگ والا بھوسی کر کس طرح کا ہے یہ ابھی طے ہی کہاں کہاں تھا۔ یہ تو راجہ ہی طے کریگا، اور ونوبا کی راجہ ہے چلتا۔

جب ونوبا جی بھوسی دان کے لئے نکلے تھے تب 'نیا دنیا' میں ہم نے ایک نوٹ لکھا تھا، اُس وقت ہم نے یہ کہا تھا کہ ہماری نگاہ اس طرف نہیں دھونگی کہ ونوبا جی کو کب کہاں نکلی زمین ملی ہے۔ ہماری نگاہ تو اس طرف دھونگی کہ انہیں اس بات میں کہاں تک سہلوتا ہوئی کہ علما سے نہیں اہلسا سے بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔ اور آج ہم یہ نوٹ اس بات کو لہکر لکھ رہے ہیں کہ ہمیں یہ چلتا نہیں کہ کب سب زمین کسانوں کے ہاتھ میں آئی ہے، ہمیں تو یہ چلتا ہے کہ کب ہندوستان کی ساری چلتا یہ سمجھنے لگتی ہے کہ ہندوستان کی وہ مالک ہے نہ کہ وہ سرکار جسکو اُس نے کہوا لیا ہے۔ اور یہ ایسا کام ہے جس پر ہر ایک کو خوش ہونا چاہئے۔

—بھگوان دیو—

10.6.53

لوکشاہی اور امریکہ

جین شہدوں کا سب سے بڑا دھوکہ دیا ہے ان میں سے "لوکشاہی" ایک ہے، طرح طرح کے مانی اس لفظ کو پھینا جانے لگے ہیں، امریکا والے تو اس لفظ تک گئے ہیں کہ انکی ہر ہمتی "لوکشاہی" کہی جانے لگی ہے، عام خیال یہ ہے کہ لوکشاہی اور کمونزم دو گروہ ہیں، کمونزم کا سردار روس ہے اور لوکشاہی کا علمبردار امریکہ ہے، یہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ لوکشاہی کے مقابلے میں "ٹانا شاہی" بادشاہی و فہرہ کو تو کہوا لیا جاسکتا ہے، کمونزم سے اسکی کوئی ہوز نہیں ہو سکتی، کمونزم ایک طرح کی مالی دیوستھا اور اُس مالی دیوستھا نے آدھار پر بھگت والی نئی دنیا کا نام ہے، لوکشاہی صرف اُس مضمین کا نام ہے جس نے راجا سے راج ستا اچے ہاتھوں میں لے لی ہے۔

کمونزم ایک مضمین ہے اور لوکشاہی صرف ایک راستا، مضمین اور راستے میں بڑا فرق ہے، لیکن سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ امریکا والے کمونزم کے مقابلے

سُنکر ایسے ہی جتنی جلدی مر جاتا تھا جیسے آجکل کوئی پُداشیہم ساڑناٹھاٹ کر مر سکتا ہے۔ پریم میں مارنے کی جیتنی پھیلاوا تاڑت ہوئی ہے۔ جتنی کُوب میں نہیں، کُوب جیتنی آسانی سے سیدھ ہوتا ہے۔ آلتی کروندہ میں آسانی سے پریم سیدھ نہیں ہوتا۔ ایسی بات کس نے نہیں سنی کہ ایک پتلی اپنے پتی کے مرنے کی خبر سُنکر ایک دم دم توڑ بیٹھی یا ایک ماں اپنے بچے کی موت پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ چتوڑ کے اگنی گُڈ میں لگے دس نارواں تھکلی گُڈی تھیں تو سہلکڑوں نے اسی گُڈی میں خورے خورے چھلنگ بھی ماری تھی۔ پرانی باتیں چھوڑو۔ لاکھوں روپے کا مال دوکان داروں نے خوشی خوشی سن 1921 میں ایسے ہی چلے دیا تھا جو سے بدھ بھگوان نے اپنا راج چھوڑ دیا تھا۔ پھر ونوبا کو یہ سوچنے کا کہیں حق نہیں کہ اگر کانگریس اور دوسری سلسلہاں اُس کے ساتھ اُس کے آندولن میں جت جائیں تو زمین کا سوال ایک دن میں حل ہو سکتا ہے۔

جیسے دیکھو وہ ونوبا کو ڈالنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ ہم اسے بُرا نہیں سمجھتے۔ اس کے بڑے کوئی اس بات کا یقین بھی کہہ کرے کہ جو کام ونوبا نے اُٹھایا ہے وہ ہو سکتا ہے۔ سونے نے، کب کہاں، آگ میں تپے بیٹا کسی کو یکرین دیتا ہے کہ اس کی چمک سدا رہنے والی ہے؟

ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ونوبا جی یہ نہیں جانتے کہ جس طرح وہ اپنے طریقے کے پورے وشواسی ہیں وہی کچھ لوگ اس بات کے وشواسی ہیں کہ یہ کام سرکار کی مافکت کلیم کے ایک اشارے سے ہو سکتا ہے، یا ہڈے کے بل پر کُوب میں ہو سکتا ہے۔ پر وہ تو آئندہوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دوسری طرح کے وشواسی نہیں ہیں وہ نہیں، پھر کیا وہ چپ ہوکر بیٹھ جائیں۔ وہ مہدان میں کودے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے ساتھ آنے کے لئے لٹکائیں۔ دوسرے جب مہدان میں نہیں ہیں تو وہ انہیں کہیں اپنے پاس آنے کے لئے کہہ سکتے ہیں۔ ہم یہ دیکھنے والے لے گاندھی جی کا ساتھ اُس وقت تک نہیں دیا تھا جب وہ چمپارن میں سٹھاکرہ کی سڑک پر تھے، اُس وقت دیا تھا جب سن 1921 میں انہوں نے ہندوستان میں اُٹھل پھول مچادی تھی۔

کچھ لوگوں کو دانا اور یکنے شبدوں سے چوہ ہے۔ ونوبا جی میں کب ان شبدوں سے چھٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہہ رہا ہے کہ سب زمین کا مالک اُٹھو یا پھر وہ جو اُسکی چھاتی پھر کر اُس میں آدمی کے کام کی چھوڑ دے یا نکالے، وہ دانا اور یکنے شبدوں سے چھٹا ہو کہہ رہا ہے؟ شبدوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو ونوبا جی کو راجہ

جیسے دیکھو وہ ونوبا کو ڈالنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ ہم اسے بُرا نہیں سمجھتے۔ اس کے بڑے کوئی اس بات کا یقین بھی کہہ کرے کہ جو کام ونوبا نے اُٹھایا ہے وہ ہو سکتا ہے۔ سونے نے، کب کہاں، آگ میں تپے بیٹا کسی کو یکرین دیتا ہے کہ اس کی چمک سدا رہنے والی ہے؟

ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ونوبا جی یہ نہیں جانتے کہ جس طرح وہ اپنے طریقے کے پورے وشواسی ہیں وہی کچھ لوگ اس بات کے وشواسی ہیں کہ یہ کام سرکار کی مافکت کلیم کے ایک اشارے سے ہو سکتا ہے، یا ہڈے کے بل پر کُوب میں ہو سکتا ہے۔ پر وہ تو آئندہوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دوسری طرح کے وشواسی نہیں ہیں وہ نہیں، پھر کیا وہ چپ ہوکر بیٹھ جائیں۔ وہ مہدان میں کودے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے ساتھ آنے کے لئے لٹکائیں۔ دوسرے جب مہدان میں نہیں ہیں تو وہ انہیں کہیں اپنے پاس آنے کے لئے کہہ سکتے ہیں۔ ہم یہ دیکھنے والے لے گاندھی جی کا ساتھ اُس وقت تک نہیں دیا تھا جب وہ چمپارن میں سٹھاکرہ کی سڑک پر تھے، اُس وقت دیا تھا جب سن 1921 میں انہوں نے ہندوستان میں اُٹھل پھول مچادی تھی۔

کچھ لوگوں کو دانا اور یکنے شبدوں سے چوہ ہے۔ ونوبا جی میں کب ان شبدوں سے چھٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہہ رہا ہے کہ سب زمین کا مالک اُٹھو یا پھر وہ جو اُسکی چھاتی پھر کر اُس میں آدمی کے کام کی چھوڑ دے یا نکالے، وہ دانا اور یکنے شبدوں سے چھٹا ہو کہہ رہا ہے؟ شبدوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو ونوبا جی کو راجہ

کچھ لوگوں کو دانا اور یکنے شبدوں سے چوہ ہے۔ ونوبا جی میں کب ان شبدوں سے چھٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہہ رہا ہے کہ سب زمین کا مالک اُٹھو یا پھر وہ جو اُسکی چھاتی پھر کر اُس میں آدمی کے کام کی چھوڑ دے یا نکالے، وہ دانا اور یکنے شبدوں سے چھٹا ہو کہہ رہا ہے؟ شبدوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو ونوبا جی کو راجہ

اوپر کے اعتراض ایسے ہیں جن کا کچھ جواب نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اس کام کی وہ ایسی برائیاں ہیں جو اس سے دور نہیں کی جاسکتیں۔ جنہوں میں سے دور کرنے پر وہ بھلائی نہیں دے سکتی جسکے لئے یہ اندولن اٹھایا گیا ہے۔

ہاں کچھ ایسے اعتراض ہیں جن میں آسانی سے سدھار کیا جاسکتا ہے، جیسے دان میں مٹی کی جہلیوں کا پورا پورا دھبہ نہ لگانا، یا پھر جہلیوں کو بھی دان میں لے لیا جوجھکڑے کی جڑوں میں سے

مٹا دیا جائے۔ جو کبھی ناپی نہیں جاسکتی، مٹی کے کھوکھڑوں پر نہیں چڑھتی۔ کسی طرح کے جھانک کی پکڑ میں نہیں آتی۔ وہ تو جہلی کی پکڑ میں آتی ہے جو اسے لہر چلتا ہے۔ تلواریں کے بلا انگریزوں سے ہندوستان چھوڑنا چاہتا ہے۔ یہ راج نہتی کے پلڈت کی سچہ سے پڑے کی چھڑ ہے۔ پر ایسا کام ہوگا، یعنی ہندوستان آزاد ہوگا۔ بلا خون بھائی کھونڈ پھیل سکتا ہے، یعنی زمینوں کا جھٹکا میں ٹھیک ٹھیک پتوارہ ہو سکتا ہے، یہ کوئی مارکس وادی نہیں سوچ سکتا۔ کوئی ایسا آدمی بھی نہیں سوچ سکتا جو سچہ جی سے اس بھودان کے کام میں نہیں لگا ہوا۔ ہر اگر ہمارا انومان غلط نہیں ہے تو ونوبا کو ایسا لکھا جائے کہ جلد ہی سب زمیندار خوشی سے اپنی زمینوں کو ان کسانوں کو دے ڈالیں گے جنکی مصیبت سے وہ ہری ہری ہوئی رہے، ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اگر سارے زمیندار اپنی زمینداروں کے چاہنے کے چہلوں میں اربین کر سکتے ہیں تو ونوبا کو یہ سمجھنے کا حق ہے کہ ایک نہ ایک دن سب زمیندار ضرور اپنی زمینوں خوشی خوشی کسانوں کو دے ڈالیں گے۔ اگر لوائی جھٹکے کے بعد خون خرابہ کے بلا چرچل صاحب کی جگہ اٹلی لے سکتے ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ زار کے ٹھہرانے کا سروناہی لکھ لیا لہن روس میں اس طرح کی حکومت قائم کر سکتے جھسی آج قائم ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ جو جس طرح کا وشواس لیکر اپنا کام کرتے نکلتا ہے وہ اسی قہنگ سے سہل ہو سکتا ہے، ہوتا ہے۔ اس کا نام ہوندرم ہے۔

ہاں کچھ ایسے اعتراض ہیں جن میں آسانی سے سدھار کیا جاسکتا ہے، جیسے دان میں مٹی کی جہلیوں کا پورا پورا دھبہ نہ لگانا، یا پھر جہلیوں کو بھی دان میں لے لیا جوجھکڑے کی جڑوں میں سے

مٹا دیا جائے۔ جو کبھی ناپی نہیں جاسکتی، مٹی کے کھوکھڑوں پر نہیں چڑھتی۔ کسی طرح کے جھانک کی پکڑ میں نہیں آتی۔ وہ تو جہلی کی پکڑ میں آتی ہے جو اسے لہر چلتا ہے۔ تلواریں کے بلا انگریزوں سے ہندوستان چھوڑنا چاہتا ہے۔ یہ راج نہتی کے پلڈت کی سچہ سے پڑے کی چھڑ ہے۔ پر ایسا کام ہوگا، یعنی ہندوستان آزاد ہوگا۔ بلا خون بھائی کھونڈ پھیل سکتا ہے، یعنی زمینوں کا جھٹکا میں ٹھیک ٹھیک پتوارہ ہو سکتا ہے، یہ کوئی مارکس وادی نہیں سوچ سکتا۔ کوئی ایسا آدمی بھی نہیں سوچ سکتا جو سچہ جی سے اس بھودان کے کام میں نہیں لگا ہوا۔ ہر اگر ہمارا انومان غلط نہیں ہے تو ونوبا کو ایسا لکھا جائے کہ جلد ہی سب زمیندار خوشی سے اپنی زمینوں کو ان کسانوں کو دے ڈالیں گے جنکی مصیبت سے وہ ہری ہری ہوئی رہے، ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اگر سارے زمیندار اپنی زمینداروں کے چاہنے کے چہلوں میں اربین کر سکتے ہیں تو ونوبا کو یہ سمجھنے کا حق ہے کہ ایک نہ ایک دن سب زمیندار ضرور اپنی زمینوں خوشی خوشی کسانوں کو دے ڈالیں گے۔ اگر لوائی جھٹکے کے بعد خون خرابہ کے بلا چرچل صاحب کی جگہ اٹلی لے سکتے ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ زار کے ٹھہرانے کا سروناہی لکھ لیا لہن روس میں اس طرح کی حکومت قائم کر سکتے جھسی آج قائم ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ جو جس طرح کا وشواس لیکر اپنا کام کرتے نکلتا ہے وہ اسی قہنگ سے سہل ہو سکتا ہے، ہوتا ہے۔ اس کا نام ہوندرم ہے۔

دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو ہڈیا سے ہی ہو سکے اور اہلسا سے نہ ہو سکے۔ دوسرے کی جان لینے تک کا کام اہلسا سے ہوتا ہے۔ ہر پرائس میں ہم لے پڑا ہے، اور دوسروں سے آج کا پرائس سنا ہے اور اپنی آنکھوں دیکھا بھی ہے۔ پرائس کا کہنا ہے کہ ایک سے تھا جب آدمی اتنا بھہ تھا کہ اگر بھول سے یا پرماد سے وہ کسی کی جان لے لیتا تو وہ سچ کے کسی بڑے بڑے کے منہ سے صرفا 'ہلی' شہد

دُنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو دھنسا سے ہی ہو سکے اور اہلسا سے نہ ہو سکے۔ دوسرے کی جان لینے تک کا کام اہلسا سے ہوتا ہے۔ ہر پرائس میں ہم لے پڑا ہے، اور دوسروں سے آج کا پرائس سنا ہے اور اپنی آنکھوں دیکھا بھی ہے۔ پرائس کا کہنا ہے کہ ایک سے تھا جب آدمی اتنا بھہ تھا کہ اگر بھول سے یا پرماد سے وہ کسی کی جان لے لیتا تو وہ سچ کے کسی بڑے بڑے کے منہ سے صرفا 'ہلی' شہد

विनोबा जी ने यह चुनौती चुपचाप सुन ली। कुछ दिनों वार्धा बैठ कर उस चुनौती के बोझ से हलके हुए और फिर बट भूदान यज्ञ के लिये वार्धा से निकल पड़े। चुनौती के जवाब में नहीं, अन्दर की प्रेरणा पर निकले। जैसे जैसे सफलता मिलती गई प्रेरणा बढ़ती गई, बलवती होती गई। मध्य प्रांत लांचते, भोपाल होते हुए, उत्तर प्रदेश के कुछ जिलों को पार करते, दिल्ली के रास्ते प्रयाग पहुंचे। वहां से बिहार चल दिये, आज भी वही हैं। अब तक लाखों एकड़ जमीन उन्हें दान में मिल चुकी। भूमि दान आन्दोलन दिन दिन जोर पकड़ता जा रहा है। बहुतों की निगाह उस तरफ जाने लगी है। उसके अन्दर जो बुराइयां हैं वह बिखलाई देने लगी हैं। बुराइयां देख भी वही सकता है जो उस काम में लगा हुआ न हो। जो जिस काम में जुटा रहता है उसके सामने भलाई ही भलाई रहती है, नहीं तो वह उसमें लगे ही क्यों। हां, जो आदमी किसी काम में नैकनियती से दूसरों की भलाई के लिये लगा होता है वह उस काम की बुराइयों को सुन कर बिगड़ता तो है ही नहीं, बबराता भी नहीं है। सबके ऐतराजों को बड़े ध्यान से सुनता है, उन पर विचार करता है। ठीक होते हैं तो उन्हें अपनाता है, ना ठीक होते हैं तो उन पर ध्यान नहीं देता। और अगर ऐसे होते हैं कि उन पर बहुत क्रियावादी ध्यान रखने से वह भलाई हो ही न सकेगी तो वह उन बुराइयों को खिपका रहता है और अपने काम में लगा रहता है।

विनोबा का भूदान यज्ञ आज इस हालत को पहुंच गया है कि क्या सरकार, क्या कम्युनिस्ट, क्या वह लोग जो अपने आपको मामूख से जियादा समझदार समझते हैं, क्या वह लोग जिन्हें गांधी वाद से चिढ़ सी हो गई है, क्या वह जो एक तरह से, अपने आपको विनोबा का साथी समझते हैं, सब ही इस दान को शंका की नजर से देखने लगे हैं।

जिनका शुरू में यह कहना था कि विनोबा ने हमारे बीच हुए को काटा है वह अब यह कहते हैं कि सीधे न सीधे जमींदारों से जमीन डरा धमका कर ली जा रही है या ऐसे लोगों की मदद से ली जा रही है जो डराने धमकाने में माहिर हैं। दूसरों का यह कहना है कि जो जमीन दान में हासिल हो रही है उनमें से अस्सी या नब्बे फी सदी निष्कम्भी हैं। जिसके हाथ वह पड़ेगी वह सिर पीट कर रह जायगा, कभी न उभर सकेगा। कुछ का कहना है कि इस तरह जमीनों के टुकड़े टुकड़े हो जायेंगे और जिस बात का हिन्दुस्तान में पहले ही से रोग था वह रोग और बढ़ जायगा। कुछ यह ऐतराज करते हैं कि इस आन्दोलन से वह बात तो होनी नहीं, जो दूसरे देश कर चुके हैं या जिसकी इस बात हिन्दुस्तान में बहुत जरूरत है, फिर इस तरह क्यों बात बरबाद किया जाय ?

उन्हा जी ने ये चेतनी जब जप सौ ली . कच्चे मल्लों उरुद्धा भुक्तिकर अस् चेतनी के बोजे से हलके हुल्ले ओर डेर जप्त भुक्तान एकमे के लिये उरुद्धा से नकल पड़े . चेतनी के जवाब में नहें ' अन्दर की प्रेरणा पर नकल . जहसे जहसे सहेल्ला मल्लु लुकी प्रेरणा उरुद्धा लुकी ' भुक्तनी हुनी लुकी . मधुमे प्रान्त 'अन्कहते' भुक्ताल हुने ' अत्र प्रदेष के कच्चे मल्लों को पार करते ' दली के रास्ते प्रयाग पहुँचे . उहाँ से बिहार चल दिये ' आज भी वही हैं . अब तक लाखों एकड़ जमीन उन्हें दान में मिल चुकी . भूमि दान आन्दोलन दिन दिन जोर पकड़ता जा रहा है . बहुतों की नगाह उस तरफ जाने लगी है . अस् के अन्दर जो बुरायाँ हैं वही सकता है जो उस काम में लगा हुआ न हो . जो जिस काम में जुटा रहता है उसके सामने भलाई ही भलाई रहती है , नहीं तो वह उसमें लगे ही क्यों . हाँ , जो आदमी किसी काम में नैकनियती से दूसरों की भलाई के लिये लगा होता है वह उस काम की बुरायाँ को सुन कर बिगड़ता तो है ही नहीं , बबराता भी नहीं है . सबके ऐतराजों को बड़े ध्यान से सुनता है , उन पर विचार करता है . ठीक होते हैं तो उन्हें अपनाता है , ना ठीक होते हैं तो उन पर ध्यान नहीं देता . और अगर ऐसे होते हैं कि उन पर बहुत क्रियावादी ध्यान रखने से वह भलाई हो ही न सकेगी तो वह उन बुरायाँ को खिपका रहता है और अपने काम में लगा रहता है .

उन्हा जी का भूदान यज्ञ आज इस हालत को पहुँच गया है कि क्या सरकार, क्या कम्युनिस्ट, क्या वह लोग जो अपने आपको मामूख से जियादा समझदार समझते हैं, क्या वह लोग जिन्हें गांधी वाद से चिढ़ सी हो गई है, क्या वह जो एक तरह से, अपने आपको विनोबा का साथी समझते हैं, सब ही इस दान को शंका की नजर से देखने लगे हैं।

जिनका शुरू में यह कहना था कि विनोबा ने हमारे बीच हुए को काटा है वह अब यह कहते हैं कि सीधे न सीधे जमींदारों से जमीन डरा धमका कर ली जा रही है या ऐसे लोगों की मदद से ली जा रही है जो डराने धमकाने में माहिर हैं। दूसरों का यह कहना है कि जो जमीन दान में हासिल हो रही है उनमें से अस्सी या नब्बे फी सदी निष्कम्भी हैं। जिसके हाथ वह पड़ेगी वह सिर पीट कर रह जायगा, कभी न उभर सकेगा। कुछ का कहना है कि इस तरह जमीनों के टुकड़े टुकड़े हो जायेंगे और जिस बात का हिन्दुस्तान में पहले ही से रोग था वह रोग और बढ़ जायगा। कुछ यह ऐतराज करते हैं कि इस आन्दोलन से वह बात तो होनी नहीं, जो दूसरे देश कर चुके हैं या जिसकी इस बात हिन्दुस्तान में बहुत जरूरत है, फिर इस तरह क्यों बात बरबाद किया जाय ?

کر دو تہی ذمہ تو مجھے جلتا کر دے گا، ذمہ کی رکھا کرے تو ذمہ تو مجھاری رکھا کرے گا۔" ایک دوسری کہاویت ہے— "جہاں ذمہ ہے وہاں جیت لڑی ہے۔" ہمیں اس پکے برباس کے ساتھ اس یوگ ذمہ کو اپنانا ہوگا۔

—سندھ لال

مہدان اور وینوہا

سن 57 کے باد سے ہندوستانی جناتا کھڑے پرسی دہی کی بھابھادی کی بات مہد پر لانا ہر کی بات بن گیا۔ دھارا مہی نوری نے جب پہلے پہل سربا کی بات کھی تو کتلی ہی آتھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور کتلی ہی مہد کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس کے بعد لوگ مانتہ تلک نے جب یہ بات کھی کہ "سوراج مہرا جگم سدم ادھکار ہے" تب بھی لوگ اچھڑے مہن پڑے۔ اور جب مہانتا گندھی نے یہ کہا کہ سوراج حاصل کرنا دھرم ہے تب سمجھدار لوگ اچھڑائے پر چلتا ایک دم اچھل پڑی اور مہدان مہن آ گئی۔ کچھ ہی دنوں مہن سوراج لے بھی لیا۔

ہیدراہاد ریاسات میں کھن سربوہد مہلا یا۔ اس کے بھلے وینوہا جی بھری سے پیدل چل پڑے۔ اس وقت انھوں نے یہ شایہ سوچا بھی نہ تھا کہ مجھے تلنگانہ جانا پڑے گا۔ مہلا ختم ہونے کے باد انھیں کھڑے پرسی مانتہ دھارا کی بھابھادی کی بات مہد پر لانا ہر کی بات بن گیا۔ دھارا مہی نوری نے جب پہلے پہل سربا کی بات کھی تو کتلی ہی آتھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور کتلی ہی مہد کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس کے بعد لوگ مانتہ تلک نے جب یہ بات کھی کہ "سوراج مہرا جگم سدم ادھکار ہے" تب بھی لوگ اچھڑے مہن پڑے۔ اور جب مہانتا گندھی نے یہ کہا کہ سوراج حاصل کرنا دھرم ہے تب سمجھدار لوگ اچھڑائے پر چلتا ایک دم اچھل پڑی اور مہدان مہن آ گئی۔ کچھ ہی دنوں مہن سوراج لے بھی لیا۔

کچھ تو دھرم۔ مہن ختم کر دے گا۔ دھرم کی رکھا کرے تو دھرم تو مجھاری رکھا کرے گا۔" ایک دوسری کہاویت ہے۔ "جہاں دھرم ہے وہاں جیت لڑی ہے۔" ہمیں اس پکے برباس کے ساتھ اس یوگ ذمہ کو اپنانا ہوگا۔

—سندھ لال

مہدان اور وینوہا

سن 57 کے بعد سے ہندوستانی چلتا کچھ ایسی دہی کے آزادی کی بات مہد پر لانا ہر کی بات بن گیا۔ دھارا مہی نوری نے جب پہلے پہل سربا کی بات کھی تو کتلی ہی آتھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور کتلی ہی مہد کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس کے بعد لوگ مانتہ تلک نے جب یہ بات کھی کہ "سوراج مہرا جگم سدم ادھکار ہے" تب بھی لوگ اچھڑے مہن پڑے۔ اور جب مہانتا گندھی نے یہ کہا کہ سوراج حاصل کرنا دھرم ہے تب سمجھدار لوگ اچھڑائے پر چلتا ایک دم اچھل پڑی اور مہدان مہن آ گئی۔ کچھ ہی دنوں مہن سوراج لے بھی لیا۔

ہیدراہاد ریاسات میں کھن سربوہد مہلا یا۔ اس کے بھلے وینوہا جی بھری سے پیدل چل پڑے۔ اس وقت انھوں نے یہ شایہ سوچا بھی نہ تھا کہ مجھے تلنگانہ جانا پڑے گا۔ مہلا ختم ہونے کے بعد انھیں کھڑے پرسی مانتہ دھارا کی بھابھادی کی بات مہد پر لانا ہر کی بات بن گیا۔ دھارا مہی نوری نے جب پہلے پہل سربا کی بات کھی تو کتلی ہی آتھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور کتلی ہی مہد کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس کے بعد لوگ مانتہ تلک نے جب یہ بات کھی کہ "سوراج مہرا جگم سدم ادھکار ہے" تب بھی لوگ اچھڑے مہن پڑے۔ اور جب مہانتا گندھی نے یہ کہا کہ سوراج حاصل کرنا دھرم ہے تب سمجھدار لوگ اچھڑائے پر چلتا ایک دم اچھل پڑی اور مہدان مہن آ گئی۔ کچھ ہی دنوں مہن سوراج لے بھی لیا۔

کھینچے بھاڑے گائے اور دھنیا بھر میں کھینچے گائے۔ انکسوس کے بعد اسکا ہے کہ آج کی انکسوس راہ نیتی اس سے کی انکسوس راہ نیتی سے ادھک پوتر نہیں ہے۔

آجکل کے آجکل کی دنیا میں نیچے سے اوپر تک نہ کی اور بلکمنسی میں انکسوس پورے چوروں پر ہے۔ یں تو دنیا کا اس طرف چھکاؤ آجکل کی مشینوں سے ملتا ہے شروع ہونے کے ساتھ ساتھ دیکھائی دینے لگتا ہے لیکن خاص کر پہلے مہادیہ کے بعد سے دنیا کی طاقتور قوموں کی دھن اور راج ہات کی چات نے دنیا کی اس بھتک کراوت کو ایک خوفناک درجے تک پہنچا دیا ہے۔ ہمارا ملک بھی جانے کس زمانے میں اس کی پہنچا دیا ہو گا۔ آجکل کی دنیا کے اور ہمارے سارے دیکھوں اور مصیبتوں کی جو ہے۔

بلکمنسی کے اندر اس اور اس نے ہی دنیا کی ہی ہوئی ہوئی سلطنتوں کو ملتا دیا۔ اسی نے بھارت میں انگریزی راج کا خاتمہ کیا۔ دھن میں اسی نے زار کے تخت کو الٹا۔ اسی نے ہنگو اور مسولینی جیسوں کو نہنچا دکھایا۔ لیکن اہ دھن اور ہنگو کے کھلتے دھن میں اندھی شکستیں انہیں سے سبق لہنے کے لیے ثابت ہوئی رہی ہیں۔

ہمیں اگر خود اپنے کو بچانا ہے اور دنیا کو بچانے میں اپنی شکتی بھر مدد دینا ہے تو ہمیں پہلے اپنے اندر بلکمنسی اور سداچار کے اس کٹین پاٹ کو کھینچ کر دھن کرنا ہوگا جسے ہم نے حال میں اندھک بھلا دیا ہے۔ ہمیں دنیا کی ان دوسری شکستوں کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے پاس لانا ہوگا جو انسانی قوم کی اس سوئی ہوئی بلکمنسی کو پورے سے جگانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اپنے دھن کے اندر ہمیں مہاتما گاندھی کے آپدیشوں کو نہنچے سے سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ عمل میں لانا ہوگا۔ آج بھی نہنچے دھن میں انڈیا میں ایک استالوں کے اوپر کوئی دھن والی کرنے والا نہیں رہتا۔ خریدار کھانوں آتے ہیں اور پاس کی کلک میں قیمت قال کر چل دیتے ہیں۔ ہم کو جب تک استال کا مالک پورے کھلتا ہے تو کبھی دھن نہیں پڑتی۔ نہ کی کی سوئی ہوئی شکستیں دھن دھن جاک رہی ہیں۔ یہی بھاری دھن کے لہ آہ کی دھن ہے۔ ایسے دھن کے ساتھ ہمیں مل پوہاتا ہوگا۔ ہمیں ان سب چھوٹے بڑے دھن کے ساتھ ہی ملکر کھوا ہونا ہوگا جو اپنی آزادی کے لہ کوشش کر رہے ہیں یا جو دنیا سے بے انصافی، اسی اور کالے گورے اور پہلے کے بھوت کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہی اس سے ہمارا سب سے بڑا دھن ہے۔ یہی دھن کے سارے روگ کا ختم ہے۔ شکست کی ایک مہرور کھاتہ ہے۔ "دھن کو ختم

ہمیں اگر خود اپنے کو بچانا ہے اور دنیا کو بچانے میں اپنی شکتی بھر مدد دینا ہے تو ہمیں پہلے اپنے اندر بلکمنسی اور سداچار کے اس کٹین پاٹ کو کھینچ کر دھن کرنا ہوگا جسے ہم نے حال میں اندھک بھلا دیا ہے۔ ہمیں دنیا کی ان دوسری شکستوں کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے پاس لانا ہوگا جو انسانی قوم کی اس سوئی ہوئی بلکمنسی کو پورے سے جگانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اپنے دھن کے اندر ہمیں مہاتما گاندھی کے آپدیشوں کو نہنچے سے سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ عمل میں لانا ہوگا۔ آج بھی نہنچے دھن میں انڈیا میں ایک استالوں کے اوپر کوئی دھن والی کرنے والا نہیں رہتا۔ خریدار کھانوں آتے ہیں اور پاس کی کلک میں قیمت قال کر چل دیتے ہیں۔ ہم کو جب تک استال کا مالک پورے کھلتا ہے تو کبھی دھن نہیں پڑتی۔ نہ کی کی سوئی ہوئی شکستیں دھن دھن جاک رہی ہیں۔ یہی بھاری دھن کے لہ آہ کی دھن ہے۔ ایسے دھن کے ساتھ ہمیں مل پوہاتا ہوگا۔ ہمیں ان سب چھوٹے بڑے دھن کے ساتھ ہی ملکر کھوا ہونا ہوگا جو اپنی آزادی کے لہ کوشش کر رہے ہیں یا جو دنیا سے بے انصافی، اسی اور کالے گورے اور پہلے کے بھوت کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہی اس سے ہمارا سب سے بڑا دھن ہے۔ یہی دھن کے سارے روگ کا ختم ہے۔ شکست کی ایک مہرور کھاتہ ہے۔ "دھن کو ختم

ہمیں اگر خود اپنے کو بچانا ہے اور دنیا کو بچانے میں اپنی شکتی بھر مدد دینا ہے تو ہمیں پہلے اپنے اندر بلکمنسی اور سداچار کے اس کٹین پاٹ کو کھینچ کر دھن کرنا ہوگا جسے ہم نے حال میں اندھک بھلا دیا ہے۔ ہمیں دنیا کی ان دوسری شکستوں کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے پاس لانا ہوگا جو انسانی قوم کی اس سوئی ہوئی بلکمنسی کو پورے سے جگانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اپنے دھن کے اندر ہمیں مہاتما گاندھی کے آپدیشوں کو نہنچے سے سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ عمل میں لانا ہوگا۔ آج بھی نہنچے دھن میں انڈیا میں ایک استالوں کے اوپر کوئی دھن والی کرنے والا نہیں رہتا۔ خریدار کھانوں آتے ہیں اور پاس کی کلک میں قیمت قال کر چل دیتے ہیں۔ ہم کو جب تک استال کا مالک پورے کھلتا ہے تو کبھی دھن نہیں پڑتی۔ نہ کی کی سوئی ہوئی شکستیں دھن دھن جاک رہی ہیں۔ یہی بھاری دھن کے لہ آہ کی دھن ہے۔ ایسے دھن کے ساتھ ہمیں مل پوہاتا ہوگا۔ ہمیں ان سب چھوٹے بڑے دھن کے ساتھ ہی ملکر کھوا ہونا ہوگا جو اپنی آزادی کے لہ کوشش کر رہے ہیں یا جو دنیا سے بے انصافی، اسی اور کالے گورے اور پہلے کے بھوت کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہی اس سے ہمارا سب سے بڑا دھن ہے۔ یہی دھن کے سارے روگ کا ختم ہے۔ شکست کی ایک مہرور کھاتہ ہے۔ "دھن کو ختم

ہمیں اگر خود اپنے کو بچانا ہے اور دنیا کو بچانے میں اپنی شکتی بھر مدد دینا ہے تو ہمیں پہلے اپنے اندر بلکمنسی اور سداچار کے اس کٹین پاٹ کو کھینچ کر دھن کرنا ہوگا جسے ہم نے حال میں اندھک بھلا دیا ہے۔ ہمیں دنیا کی ان دوسری شکستوں کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے پاس لانا ہوگا جو انسانی قوم کی اس سوئی ہوئی بلکمنسی کو پورے سے جگانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اپنے دھن کے اندر ہمیں مہاتما گاندھی کے آپدیشوں کو نہنچے سے سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ عمل میں لانا ہوگا۔ آج بھی نہنچے دھن میں انڈیا میں ایک استالوں کے اوپر کوئی دھن والی کرنے والا نہیں رہتا۔ خریدار کھانوں آتے ہیں اور پاس کی کلک میں قیمت قال کر چل دیتے ہیں۔ ہم کو جب تک استال کا مالک پورے کھلتا ہے تو کبھی دھن نہیں پڑتی۔ نہ کی کی سوئی ہوئی شکستیں دھن دھن جاک رہی ہیں۔ یہی بھاری دھن کے لہ آہ کی دھن ہے۔ ایسے دھن کے ساتھ ہمیں مل پوہاتا ہوگا۔ ہمیں ان سب چھوٹے بڑے دھن کے ساتھ ہی ملکر کھوا ہونا ہوگا جو اپنی آزادی کے لہ کوشش کر رہے ہیں یا جو دنیا سے بے انصافی، اسی اور کالے گورے اور پہلے کے بھوت کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہی اس سے ہمارا سب سے بڑا دھن ہے۔ یہی دھن کے سارے روگ کا ختم ہے۔ شکست کی ایک مہرور کھاتہ ہے۔ "دھن کو ختم

ہمیں اگر خود اپنے کو بچانا ہے اور دنیا کو بچانے میں اپنی شکتی بھر مدد دینا ہے تو ہمیں پہلے اپنے اندر بلکمنسی اور سداچار کے اس کٹین پاٹ کو کھینچ کر دھن کرنا ہوگا جسے ہم نے حال میں اندھک بھلا دیا ہے۔ ہمیں دنیا کی ان دوسری شکستوں کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے پاس لانا ہوگا جو انسانی قوم کی اس سوئی ہوئی بلکمنسی کو پورے سے جگانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اپنے دھن کے اندر ہمیں مہاتما گاندھی کے آپدیشوں کو نہنچے سے سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ عمل میں لانا ہوگا۔ آج بھی نہنچے دھن میں انڈیا میں ایک استالوں کے اوپر کوئی دھن والی کرنے والا نہیں رہتا۔ خریدار کھانوں آتے ہیں اور پاس کی کلک میں قیمت قال کر چل دیتے ہیں۔ ہم کو جب تک استال کا مالک پورے کھلتا ہے تو کبھی دھن نہیں پڑتی۔ نہ کی کی سوئی ہوئی شکستیں دھن دھن جاک رہی ہیں۔ یہی بھاری دھن کے لہ آہ کی دھن ہے۔ ایسے دھن کے ساتھ ہمیں مل پوہاتا ہوگا۔ ہمیں ان سب چھوٹے بڑے دھن کے ساتھ ہی ملکر کھوا ہونا ہوگا جو اپنی آزادی کے لہ کوشش کر رہے ہیں یا جو دنیا سے بے انصافی، اسی اور کالے گورے اور پہلے کے بھوت کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہی اس سے ہمارا سب سے بڑا دھن ہے۔ یہی دھن کے سارے روگ کا ختم ہے۔ شکست کی ایک مہرور کھاتہ ہے۔ "دھن کو ختم

کرمचारیوں کی چالوں اور ان کے بڑے بڑے مٹھاچار نے پورے لوگوں کے لیے ایمانداری نبھا سکتا جگہ جگہ نا ممکن کر دیا ہے۔

ہمیں دیکھ کر لڑکا کے ساتھ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہماری شہریتا سہولتوں اور یونیورسٹیاں تک میں تعلیمیوں کا پاس کسے یا تعلیم کے بغیر یوگتا پر نہیں رہتا ہے، کبھی کبھی تو نئی نئی چیزوں کا یوگتا سے کوئی سہولت ہی نہیں دیکھا جاتا۔

اب اگر آپ اپنے اس چہرے سے دیکھیں گے کہ دنیا کی طرف سے کیا حالت ہے تو حال ہی میں اور بھی بڑھ کر دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے راجے نہایت اور اونچے سے اونچے تعلیم یافتہ لوگ آج کروڑوں انسان کے بچوں کو کھولنے کے رنگ کے کارن خود ان کی جملہ بھوسے کے اندر ان مادی ادھکاروں کا حقدار نہیں سمجھتے جو ان کے ملک میں ہزاروں سال دور سے آکر رہے ہوئے دوسرے رنگ کے لوگوں کو حاصل ہیں۔ اور اگر اس دہش کے لوگ اپنے دیکھنے کے اندر ان ادھکاروں کے لئے کوشش کرتے ہیں تو ان کی اس کوشش کو کچلنے کے لئے ہر آئے اور ہر مہم جو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اپنے کو سہولتوں اور سہولتوں کا تہہ بھدار سمجھنے والی دنیا کی کچھ بڑی بڑی قوموں کی آواز اگر اٹھتی ہے تو مظلوموں کی حمایت میں نہیں بلکہ ظالم کی مدد میں۔ چہرے اور کمزور ملکوں کو مالی راجداری یا فوجی ناکہ سے اپنے نہایت دبا کر رکھنا، ان کی آزادی کی کوششوں کو کچلنا اور کچلنے والوں کو مدد دینا، ان ملکوں کے حصوں پر زبردستی قبضہ پکڑنا، رکھنا، ان کے گھریلو جھگڑوں میں زبردستی دخل دینا یہ سب آج کی اکثر راجداری راجداری میں تعریف کے کام سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر کسی دیکھنے کی جلتا اس طرح کے انہائے کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے تو وہاں کی نہایت غریب جلتا پر ایٹم بم یا ایسی طرح کا کوئی اور پھاچی اسٹر پھینک کر لائیں نرودھ مرد مورت اور بچوں کو بھون دینا یا زندہ جلا دینا طاقتور قوم کا جائز ادھکار سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کلمہ عام دھمکیاں دی جاتی ہیں اور کلمہ تھاپیاں کی جاتی ہیں۔

پہلے پہلے کے دنوں میں دنیا کے تین بڑے بڑے راجداریوں کی طرف سے کلمہ طور پر نہیں الگ الگ محکمہ کلمہ لگے تھے جن کا کام یہ تھا کہ وہ دشمن کے بارے میں چھوٹی اور قوتوں کی خبریں کوہ کر دنیا بھر میں پھیلوان۔ یہاں ان محکموں کے کارناموں کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا بھر کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان محکموں کی دوسرے کے خلاف کلمی ہے سر پور کی اور پھینک

ہمیں دیکھ کر لڑکا کے ساتھ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہماری شہریتا سہولتوں اور یونیورسٹیاں تک میں تعلیمیوں کا پاس کسے یا تعلیم کے بغیر یوگتا پر نہیں رہتا ہے، کبھی کبھی تو نئی نئی چیزوں کا یوگتا سے کوئی سہولت ہی نہیں دیکھا جاتا۔

اب اگر آپ اپنے اس چہرے سے دیکھیں گے کہ دنیا کی طرف سے کیا حالت ہے تو حال ہی میں اور بھی بڑھ کر دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے راجے نہایت اور اونچے سے اونچے تعلیم یافتہ لوگ آج کروڑوں انسان کے بچوں کو کھولنے کے رنگ کے کارن خود ان کی جملہ بھوسے کے اندر ان مادی ادھکاروں کا حقدار نہیں سمجھتے جو ان کے ملک میں ہزاروں سال دور سے آکر رہے ہوئے دوسرے رنگ کے لوگوں کو حاصل ہیں۔ اور اگر اس دہش کے لوگ اپنے دیکھنے کے اندر ان ادھکاروں کے لئے کوشش کرتے ہیں تو ان کی اس کوشش کو کچلنے کے لئے ہر آئے اور ہر مہم جو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اپنے کو سہولتوں اور سہولتوں کا تہہ بھدار سمجھنے والی دنیا کی کچھ بڑی بڑی قوموں کی آواز اگر اٹھتی ہے تو مظلوموں کی حمایت میں نہیں بلکہ ظالم کی مدد میں۔ چہرے اور کمزور ملکوں کو مالی راجداری یا فوجی ناکہ سے اپنے نہایت دبا کر رکھنا، ان کی آزادی کی کوششوں کو کچلنا اور کچلنے والوں کو مدد دینا، ان ملکوں کے حصوں پر زبردستی قبضہ پکڑنا، رکھنا، ان کے گھریلو جھگڑوں میں زبردستی دخل دینا یہ سب آج کی اکثر راجداری راجداری میں تعریف کے کام سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر کسی دیکھنے کی جلتا اس طرح کے انہائے کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے تو وہاں کی نہایت غریب جلتا پر ایٹم بم یا ایسی طرح کا کوئی اور پھاچی اسٹر پھینک کر لائیں نرودھ مرد مورت اور بچوں کو بھون دینا یا زندہ جلا دینا طاقتور قوم کا جائز ادھکار سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کلمہ عام دھمکیاں دی جاتی ہیں اور کلمہ تھاپیاں کی جاتی ہیں۔

پہلے پہلے کے دنوں میں دنیا کے تین بڑے بڑے راجداریوں کی طرف سے کلمہ طور پر نہیں الگ الگ محکمہ کلمہ لگے تھے جن کا کام یہ تھا کہ وہ دشمن کے بارے میں چھوٹی اور قوتوں کی خبریں کوہ کر دنیا بھر میں پھیلوان۔ یہاں ان محکموں کے کارناموں کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا بھر کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان محکموں کی دوسرے کے خلاف کلمی ہے سر پور کی اور پھینک

یا۔ خاص کر پھاڑی علاقوں میں آپ ناکد کپڑا مہجہ پر یا खुली अलमारी में ओढ़ कर चले जाइये कोई पहाड़ी नौकर कभी हाथ न लगाता. उन इलाकों में वह चीज अब एक पुरानी कहानी रह गई है.

आज एक आम विश्वास है कि ब्योपार और ईमानदारी दोनों साथ साथ नहीं चल सकते. अभी हाल में कानपुर के एक बहुत बड़े मिल मालिक ने अपने एक छब्बीस बरस के पुराने विश्वस्त और ईमानदार पढ़े लिखे मुलायिम को केवल इसलिये और यह कह कर नौकरी से अलग कर दिया कि वह मुलायिम मिल के रजिस्ट्रों में भूटी खानापुरी करने के लिये तैयार न था और मिल मालिक को अब ऐसे आदमी की जरूरत है जो यह सब कर सके.

मामूली खाने पीने की चीजों का तो कहना ही क्या. हमारी गिरावट इस बारे में इस हद को पहुंच गई है कि दवाओं और इनजक्शन के अन्दर भी यह विश्वास होना कठिन हो गया है कि शीशी या नली के अन्दर असल दवा है या कोई और ससती और जहरीली चीज है. इस तरह के काफी मामले पकड़े जा चुके हैं.

ब्योपार से हट कर अगर हम राजकाज की तरफ आबें तो हालत और भी भयंकर दिखाई देती है. चुनाव और ईमानदारी दोनों परस्पर विरोधी शब्द हो गए हैं. हाल के एक चुनाव की बाबत तहकीकात करने वाले सज्जन ने अपनी रिपोर्ट में लिखा था कि इस चुनाव की दो पारटियों में से हर एक ने दूसरी पारटी के उम्मीदवार को गिराने या हराने के लिये कोई नीच से नीच उपाय उठा नहीं रखा यह हालत लगभग एक आम हालत है. मिसालें देने की जरूरत नहीं. देश के बड़े बड़े जिम्मेदार नेता खुले शब्दों में यह कहते हैं कि :—
“Politics has nothing to do with morals”
यानी राजनीति का नेकी बंदी से कोई सम्बन्ध नहीं. इसी का नतीजा है कि दफ्तरों, कचहरियों और राजकाज के बहुत से महकमों में भ्रष्टाचार तेजी के साथ बढ़ता चला जा रहा है.

तब सवाल होता है कि अगर भलमनसी या सदाचार के लिये जगह न ब्योपार में है और न राजकाज में तो भलमनसी बेचारी कहाँ जा कर रहे.

राजकाज आज मानव जीवन के सब पहलुओं पर हावी है और “यथा राजा तथा प्रजा” के सिद्धान्त के अनुसार राजकाज में भ्रष्टाचार ही जनता के चरित्र की गिरावट का सब से बड़ा और मूल कारन है. रात दिन हमें सैकड़ों मिसालें इस तरह की मिलती हैं कि जनता के जो सामान आदमी या ब्योपारी सचमुच सचाई और ईमानदारी के साथ अपना काम चलाता चाहते हैं सरकारी

तथा. खासकर पहाड़ी علاقों में आप नकद रुपया मेज पर या खुली अलमारी में ओढ़ कर चले जाइये कोई पहाड़ी नौकर कभी हाथ न लगाता. उन इलाकों में वह चीज अब एक पुरानी कहानी रह गई है.

आज एक आम विश्वास है कि ब्योपार और ईमानदारी दोनों साथ साथ नहीं चल सकते. अभी हाल में कानपुर के एक बहुत बड़े मिल मालिक ने अपने एक छब्बीस बरस के पुराने विश्वस्त और ईमानदार पढ़े लिखे मुलायिम को केवल इसलिये और यह कह कर नौकरी से अलग कर दिया कि वह मुलायिम मिल के रजिस्ट्रों में भूटी खानापुरी करने के लिये तैयार न था और मिल मालिक को अब ऐसे आदमी की जरूरत है जो यह सब कर सके.

मामूली खाने पीने की चीजों का तो कहना ही क्या. हमारी गिरावट इस बारे में इस हद को पहुंच गई है कि दवाओं और इनजक्शन के अन्दर भी यह विश्वास होना कठिन हो गया है कि शीशी या नली के अन्दर असल दवा है या कोई और ससती और जहरीली चीज है. इस तरह के काफी मामले पकड़े जा चुके हैं.

ब्योपार से हट कर अगर हम राजकाज की तरफ आबें तो हालत और भी भयंकर दिखाई देती है. चुनाव और ईमानदारी दोनों परस्पर विरोधी शब्द हो गए हैं. हाल के एक चुनाव की बाबत तहकीकात करने वाले सज्जन ने अपनी रिपोर्ट में लिखा था कि इस चुनाव की दो पारटियों में से हर एक ने दूसरी पारटी के उम्मीदवार को गिराने या हराने के लिये कोई नीच से नीच उपाय उठा नहीं रखा यह हालत लगभग एक आम हालत है. मिसालें देने की जरूरत नहीं. देश के बड़े बड़े जिम्मेदार नेता खुले शब्दों में यह कहते हैं कि :—
“Politics has nothing to do with morals”
यानी राजनीति का नेकी बंदी से कोई सम्बन्ध नहीं. इसी का नतीजा है कि दफ्तरों, कचहरियों और राजकाज के बहुत से महकमों में भ्रष्टाचार तेजी के साथ बढ़ता चला जा रहा है.

तब सवाल होता है कि अगर भलमनसी या सदाचार के लिये जगह न ब्योपार में है और न राजकाज में तो भलमनसी कहाँ जा कर रहे.

राजकाज आज मानव जीवन के सब पहलुओं पर हावी है और “यथा राजा तथा प्रजा” के सिद्धान्त के अनुसार राजकाज में भ्रष्टाचार ही जनता के चरित्र की गिरावट का सब से बड़ा और मूल कारन है. रात दिन हमें सैकड़ों मिसालें इस तरह की मिलती हैं कि जनता के जो सामान आदमी या ब्योपारी सचमुच सचाई और ईमानदारी के साथ अपना काम चलाता चाहते हैं सरकारी

بڑی विशेषیت ساइمنس کی तरکبکی ہے لیکن ساइمنس کی نئی ترکبکیوں نے جہاں ایک طرف ہماری جانکاری کو بڑھایا ہے وہاں دوسری طرف ہماری ضرورتوں اور چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو بڑا کر ہمارے دلوں کو سوا دیا ہے۔ اس سے ہمیں ہماری اتنی بڑے درجے تک ایک انگی رمی ہے۔ پہلی ہماری پہلےسی یا نہتک اتنی ہماری دماغی ترقی کے ساتھ ساتھ نہ چل سکی۔

نہکی، انسانیت یا پہلےسی میں وہ شردھا جو لوگوں کو آج سے کچھ پہلے ہی ترقی سے متنی تھی، نہکی اور ایمانداری کے وہ سہدے سادے اصول جو آدمی نے لاکھوں برس کے تجربے سے معلوم کئے تھے اور جنہوں اس نے اپنی سکھ سمردی کے لئے ضروری پایا تھا آج ہمیں ضروری اور اپنی ترقی میں رکاوٹ معلوم ہونے لگے ہیں۔

پہلی اور برائی، ایمانداری اور بے ایمانی ہر دہی میں اور جب تک آدمی آدمی ہے کم یا زیادہ ہمیشہ رہیں گی۔ پھر بھی اس بارے میں ایک میں فرق ہونا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے کے لاکھوں کی ایک کہتا میں یاد ہے۔ ایک جوتا بھرتے والا دوپہر کو گھر گیا۔ دکان پر اپنے ہتھکڑے کو چھوڑ گیا اور کم کیا کہ ہر چوڑی ہر اسکی قیمت لکھی ہوئی ہے۔ کوئی گاہک آئے تو بچہ دینا۔ ہتھکڑے نے چچا کی غیرحاضری میں ایک چوڑی بھرتی۔ دکان دار واپس آیا تو لوگ نے، دیوہ روپیہ قیمت کا اس کے حوالے کیا۔ دکان دار نے دیکھا تو بکے ہوئے چوڑے کی اصلی قیمت سوا روپیہ تھی۔ وہ ہتھکڑے پر ناراض ہوا کہ اس نے چار آئے ادھک کیوں لئے۔ دکان دار نے وہ چار آئے الگ اٹھا کر رکھ دیئے۔ ہتھکڑے سے خریدار کا حلقہ پڑچھا۔ کئی دن تک اسکی کھوج میں رہا۔ آخر ایک دن جب وہ خریدار وہی جوتا پہنے دکان کے سامنے سے نکلا تو دکان دار نے اسے ہلکے چوڑی واپس کی اور تسلی کی سانس لی۔

میں ہر اس طرح کا کوئی آدمی آج بھی کہوں مل جائے۔ لیکن پچاس سال پہلے اس طرح کے آدمی بہت تھے۔ آج نہیں کے برابر ہیں۔

آج سے نوے چالیس برس پہلے آبادی کے کس بازار میں اگر کوئی آدمی کسی دکان پر اپنی چھتری بول جاتا تو دس دکان داروں میں سے کم سے کم ایک سے نکلے جو نکلیں کر کے بھی چھتری چھتری والے کو لوٹا دیتے۔ آج اسی بازار میں دس میں سے دو دکان دار آپ کو مشکل سے اس طرح کے ملیں گے۔

اس طرح کی مثالیں بہت سی اور لگ بھگ ہر پورے اور ہر دھندے کے لوگوں میں سے لی جا سکتی ہیں۔

ہمارے اس دور میں تیس تیس سال پہلے تک ہمارے کے ہمارے سے بہت کم ہیں تیس سال پہلے تک علاقے کے علاقے سے کم ہیں کوئی آدمی چوڑی نہیں کرتا

نہکی، انسانیت یا پہلےسی میں وہ شردھا جو لوگوں کو آج سے کچھ پہلے ہی ترقی سے متنی تھی، نہکی اور ایمانداری کے وہ سہدے سادے اصول جو آدمی نے لاکھوں برس کے تجربے سے معلوم کئے تھے اور جنہوں اس نے اپنی سکھ سمردی کے لئے ضروری پایا تھا آج ہمیں ضروری اور اپنی ترقی میں رکاوٹ معلوم ہونے لگے ہیں۔

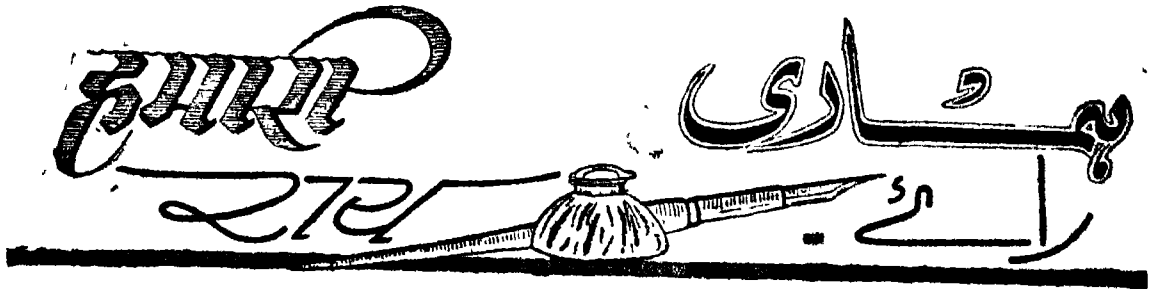
پہلی اور برائی، ایمانداری اور بے ایمانی ہر دہی میں اور جب تک آدمی آدمی ہے کم یا زیادہ ہمیشہ رہیں گی۔ پھر بھی اس بارے میں ایک میں فرق ہونا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے کے لاکھوں کی ایک کہتا میں یاد ہے۔ ایک جوتا بھرتے والا دوپہر کو گھر گیا۔ دکان پر اپنے ہتھکڑے کو چھوڑ گیا اور کم کیا کہ ہر چوڑی ہر اسکی قیمت لکھی ہوئی ہے۔ کوئی گاہک آئے تو بچہ دینا۔ ہتھکڑے نے چچا کی غیرحاضری میں ایک چوڑی بھرتی۔ دکان دار واپس آیا تو لوگ نے، دیوہ روپیہ قیمت کا اس کے حوالے کیا۔ دکان دار نے دیکھا تو بکے ہوئے چوڑے کی اصلی قیمت سوا روپیہ تھی۔ وہ ہتھکڑے پر ناراض ہوا کہ اس نے چار آئے ادھک کیوں لئے۔ دکان دار نے وہ چار آئے الگ اٹھا کر رکھ دیئے۔ ہتھکڑے سے خریدار کا حلقہ پڑچھا۔ کئی دن تک اسکی کھوج میں رہا۔ آخر ایک دن جب وہ خریدار وہی جوتا پہنے دکان کے سامنے سے نکلا تو دکان دار نے اسے ہلکے چوڑی واپس کی اور تسلی کی سانس لی۔

میں ہر اس طرح کا کوئی آدمی آج بھی کہوں مل جائے۔ لیکن پچاس سال پہلے اس طرح کے آدمی بہت تھے۔ آج نہیں کے برابر ہیں۔

آج سے نوے چالیس برس پہلے آبادی کے کس بازار میں اگر کوئی آدمی کسی دکان پر اپنی چھتری بول جاتا تو دس دکان داروں میں سے کم سے کم ایک سے نکلے جو نکلیں کر کے بھی چھتری چھتری والے کو لوٹا دیتے۔ آج اسی بازار میں دس میں سے دو دکان دار آپ کو مشکل سے اس طرح کے ملیں گے۔

اس طرح کی مثالیں بہت سی اور لگ بھگ ہر پورے اور ہر دھندے کے لوگوں میں سے لی جا سکتی ہیں۔

ہمارے اس دور میں تیس تیس سال پہلے تک ہمارے کے ہمارے سے بہت کم ہیں تیس سال پہلے تک علاقے کے علاقے سے کم ہیں کوئی آدمی چوڑی نہیں کرتا



ہماری رائے

ہملمنسی میں اوشواس

[یہ مضمون "نہایت میں انسانیت" شہر شک سے آل انڈیا ریڈیو الہ آباد لکھنؤ سے براڈکاسٹ کیا گیا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو کی رضا مندوں سے ہم نے اسے "نہایت" میں دے دی ہے۔ ہم نے اسے دہرایا اور کہیں کہیں تھوڑا سا بدلا اور بڑھایا بھی ہے۔ سندر لال]

ہملمنسی میں اوشواس

[یہ مضمون "نہایت میں انسانیت" شہر شک سے آل انڈیا ریڈیو الہ آباد لکھنؤ سے براڈکاسٹ کیا گیا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو کی رضا مندوں سے ہم نے اسے "نہایت" میں دے دی ہے۔ ہم نے اسے دہرایا اور کہیں کہیں تھوڑا سا بدلا اور بڑھایا بھی ہے۔ سندر لال]

مانک سماج کے پیچھے کئی ہزار برس کے عتہاس کو بھان سے پڑنے پر یہ آام اسر دل پر رہ جاتا ہے کی ہیرے ہیرے کبھی سیدھے اور کبھی چکر سے ہم بربار آگے کو بد رہے ہیں۔ کئی بار ےسا بھی لگتا ہے کی ہم پیچھے کو ہٹ رہے ہیں یا نیچے کو گیر رہے ہیں۔ پر اذیک بھان سے دیکھنے پر پتا چلتا ہے کی یہ ےسا ہی ہے جسا ایک چھوٹا سا کڈا جو اکسر دیواروں پر چدتا ہوا دیکھا جاتا ہے ہر اچھ اور چدنے کے باء سہارا لےنے کے لیے اپنے شریر کے اگلے آادے ہیسے کو فیر آادے اچھ لے آاتا ہے، لکین فیر بدتا ہے اور اس ترہ ہیرے ہیرے آگے کو بدتے ہونے دیوار کے ادر تک پھنچ جاتا ہے۔ کوئی اومما یا ماسال ہر اچھ میں نہیں ملتا کرتی۔ پر عتہاس میں انسائی کرم کے بکاس کی لگامگ یہی گتی ہے۔

مانک سماج کے پیچھے کئی ہزار برس کے عتہاس کو بھان سے پڑنے پر یہ آام اسر دل پر رہ جاتا ہے کی ہیرے ہیرے کبھی سیدھے اور کبھی چکر سے ہم بربار آگے کو بد رہے ہیں۔ کئی بار ےسا بھی لگتا ہے کی ہم پیچھے کو ہٹ رہے ہیں یا نیچے کو گیر رہے ہیں۔ پر اذیک بھان سے دیکھنے پر پتا چلتا ہے کی یہ ےسا ہی ہے جسا ایک چھوٹا سا کڈا جو اکسر دیواروں پر چدتا ہوا دیکھا جاتا ہے ہر اچھ اور چدنے کے باء سہارا لےنے کے لیے اپنے شریر کے اگلے آادے ہیسے کو فیر آادے اچھ لے آاتا ہے، لکین فیر بدتا ہے اور اس ترہ ہیرے ہیرے آگے کو بدتے ہونے دیوار کے ادر تک پھنچ جاتا ہے۔ کوئی اومما یا ماسال ہر اچھ میں نہیں ملتا کرتی۔ پر عتہاس میں انسائی کرم کے بکاس کی لگامگ یہی گتی ہے۔

پرب کے دیشوں کے لیے برتمان یوگ اس سمب سے شرو ہوتا ہے جب پرب کے بچ کے امانے کی سبھتاؤں اور آاجکل کی پچھمی سبھتا میں ٹککر شرو ہئی۔ آاج کل کی پچھمی سبھتا اٹھارویں صدی عیسوی سے بعلی بہان کی طاعت کے پتہ لکے سے شرو ہوتی ہے۔ اس سبھتا کی عمر ابھی دو سو برس سے کم ہے۔ یہی زمانہ ابھیا اور پرب کے روتان سلکھری کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں پرب اور پچھم کا فاصلہ بھی دھیرے دھیرے کم ہوتا جا رہا ہے اور دنیا ایک ہوتی جا رہی ہے۔ یہ لچھن اچھ لچھن میں اور ہمن صاف مانو اتنی کی ایک بہت ہی اچھ کی ملول کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ہر یک کی اپنی اچھان اور اپنی برائیاں ہوتی ہیں۔ اس یک کی ایک بہت ہی اچھان اور سب سے

پرب کے دیشوں کے لیے برتمان یوگ اس سمب سے شرو ہوتا ہے جب پرب کی بچ کے امانے کی سبھتاؤں اور آاجکل کی پچھمی سبھتا میں ٹککر شرو ہئی۔ آاج کل کی پچھمی سبھتا اٹھارویں صدی عیسوی سے بعلی بہان کی طاعت کے پتہ لکے سے شرو ہوتی ہے۔ اس سبھتا کی عمر ابھی دو سو برس سے کم ہے۔ یہی زمانہ ابھیا اور پرب کے روتان سلکھری کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں پرب اور پچھم کا فاصلہ بھی دھیرے دھیرے کم ہوتا جا رہا ہے اور دنیا ایک ہوتی جا رہی ہے۔ یہ لچھن اچھ لچھن میں اور ہمن صاف مانو اتنی کی ایک بہت ہی اچھ کی ملول کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ہر یک کی اپنی اچھان اور اپنی برائیاں ہوتی ہیں۔ اس یک کی ایک بہت ہی اچھان اور سب سے

ہر یوگ کی اپنی اچھانیاں اور اپنی برائیاں ہوتی ہیں۔ اس یوگ کی ایک بہت ہی اچھان اور سب سے

گاंधی جی پر बहुत सी किताबें निकल चुकी हैं. कुछ में उनके जीवन के एक पहलू पर रोशनी डाली गई है और कुछ में पूरे जीवन का बर्णन किया गया है. "शान्ति दूत अमर बापू" में गांधी जी के जीवन के लगभग हर पहलू का वर्णन किया गया है पर किसी पहलू पर भी लेखक ने रोशनी नहीं डाली. इस तरह इस किताब की अहमियत नहीं के बराबर रह जाती है.

किताब की छपाई सुन्दर है, कवर भी मन को मोह लेता है, जगह जगह उचित चित्र दिये हैं. जो लोग गांधी जी की एक मामूली जानकारी हासिल करना चाहें उनके लिये कम दाम में यह किताब अच्छी है.

—मुजीब रिखावी

संत विनोबा और भूदान यज्ञ

प्रकाशक—सर्वोदय साहित्य संघ, काशी; सफे 88, राम 5 आने; पहली बार नवम्बर 1952.

गांधी स्मारक निधि (बिहार शाखा) के प्रतिनिधि सर्वोदय साहित्य संघ, काशी जैसी जिम्मेदार संस्था की तरफ से यह छोटा सा प्रकाशन देख कर हमें जहां खुशी होती है वहां यह रंज भी होता है कि तौर जिम्मेदारी के साथ यह प्रकाशन किया गया है. किताब में सूची नहीं है, इनवर्टेड कामा का इस्तेमाल नहीं है, नहीं नहीं है.

इस किताब के चार हिस्से हैं—जीवन चरित्र, भूदान-यज्ञ, संत बाणी और गीत एवं कवितायें. पहले हिस्से में जीवन झांकी के नाम पर विनोबा जी के जीवन की कुछ तारीखों और कुछ दूसरी घटनाओं की तारीखें दे दी गई हैं. फिर विनोबा जी के ऊपर महात्मा गांधी, महादेव देसाई काका कालेलकर और एक पत्रकार के लेखों के बाद जीवन प्रसंग के नाम से विनोबाजी के जीवन से छै घटनाओं के चुटकुले दिये गये हैं.

भूदान यज्ञ वाले हिस्से में कहीं भूदानयज्ञ का इतिहास है, विनोबा जी की स्पीचें हैं और कहीं कुछ संकलन संत बानी में विनोबा जी के 36 छोटे बड़े प्रवचन जमा कर दिये गये हैं. आखीर में विनोबाजी और भूदान यज्ञ पर आठ गीत हैं.

किताब में सम्पादक या उस में सामग्री जमा करने वाले का नाम नहीं दिया गया. पुस्तक के शुरू में ही प्रकाशक की तरफ से जो जरूरी निवेदन है वह प्रचार मात्र लगता है.

हम उम्मीद करते हैं कि दूसरे संस्करण में प्रकाशक हमारे ऊपर के शब्दों पर नज़र से विचार कर किताब को उपयोगी और आकर्षक बनाने की कोशिश करेंगे.

—सुरेश दामभाई

गान्धी जी پر بہت سی کتابیں نکل چکی ہیں۔ کچھ میں ان کے جہوں کے ایک پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کچھ میں پورے جہوں کا ورژن کیا گیا ہے۔ "ہانتی دوت امر باپو" میں گاندھی جی کے جہوں کے لگ بھگ ہر پہلو کا ورژن کیا گیا ہے پر کسی پہلو پر بھی لکھک نے روشنی نہیں ڈالی۔ اس طرح اس کتاب کی اہمیت نہیں کے برابر رہ جاتی ہے۔

کتاب کی چھپائی سندھ ہے، کور بھی من کو موہ لیتا ہے، جگہ جگہ اچھے چتر دیے ہیں۔ جو لوگ گاندھی جی کی ایک معمولی جانکاری حاصل کرنا چاہیں ان کے لئے کم دام میں یہ کتاب اچھی ہے۔

—محبوب رفوی

سنت ونوبا اور بھودان یگہ

پرکاشک—سرودئے ساہتیہ سنگھ، کاشی؛ صفحہ 88؛

دام پانچ آئے؛ پہلی بار نومبر 1952.

گاندھی اسٹارک ندھی بہار (شاکیا) کے پرتی ندھی سرودئے ساہتیہ سنگھ، کاشی جیسی ذمہ دار سلسلہ کی طرف سے یہ چھوٹا سا پرکاشن دیکھکر ہمیں جہاں خوشی ہوتی ہے وہاں یہ رنج بھی ہوتا ہے کہ فہر ذمہ داری کے ساتھ یہ پرکاشن کیا گیا ہے۔ کتاب میں سوچی نہیں ہے، انورٹڈ کاما کا استعمال نہیں ہے، نہیں نہیں ہے۔

اس کتاب کے چار حصے ہیں—جہوں چرتر، بھودان یگہ، سنت بانی اور گیت ایوم کویتاں۔ پہلے حصے میں جہوں جہانکی کے نام پر ونوبا جی کے جہوں کی کچھ تاریخیں اور کچھ دوسری کہتیاں کی تاریخیں دے دی گئی ہیں۔ پھر ونوبا جی کے اوپر مہاتما گاندھی، مہادیو دھسائی، کاکا کالہکر اور ایک پترکار کے لکھوں کے بعد جہوں پرسلگ کے نام سے ونوبا جی سے جہوں سے چہ کہتیاں کے چترکے دیئے گئے ہیں۔

بھودان یگہ والے حصے میں کہیں بھودان یگہ کا اتھاس ہے، ونوبا جی کی اٹھتیاں ہیں اور کہیں کچھ سنگلیں۔ سنت بانی میں ونوبا جی کے 36 چھوٹے بڑے پرچن جمع کر دیئے گئے ہیں۔ آخر میں ونوبا جی اور بھودان یگہ پر آٹھ گیت ہیں۔

کتاب میں سہادک یا اس میں سامگری جمع کرنے والے کا نام کہیں نہیں دیا گیا، مستک کے شروع میں ہی پرکاشک کی طرف سے جو ضروری نویدن ہے وہ پرچار مائر لکھا ہے۔

ہم اٹھد کرتے ہیں کہ دوسرے سنگریں میں پرکاشک ہمارے اوپر کے شبدوں پر نمرنا سے وچار کر کتاب کو آہوکی لور آکھک بنانے کی کوشش کریں گے۔

—سریشی رامبانی



کچھ کتابیں

کرائل و فریسل

قول و فیصل

لکھنے والے—مولانا ابوالکلام آزاد؛
 انوادیق—سید قاسم
 انوادیق—سید قاسم علی سامعہ الذکر؛ نکالنے والے—ہندی پرجا رک پستکالہ
 کھان واپی، بدھاس سٹی؛ لکھنؤ—ہندی؛ صفحہ 104؛
 دام—ایک روپہ آٹھ آنا۔

لکھنے والے—مولانا ابوالکلام آزاد؛
 انوادیق—سید قاسم
 انوادیق—سید قاسم علی سامعہ الذکر؛ نکالنے والے—ہندی پرجا رک پستکالہ
 کھان واپی، بدھاس سٹی؛ لکھنؤ—ہندی؛ صفحہ 104؛
 دام—ایک روپہ آٹھ آنا۔

”کرائل و فریسل“ اس زمانے کو یاد دلاتی ہے جب انگریز
 یہاں راج کرتے تھے اور دیہی بہکت جہلوں کی کوتھریاں
 آہا کرتے تھے، گولیاں کھاتے تھے، انگریزوں کی عدالت تھی، ان
 کا قانون تھا، ان کا فیصلہ تھا، دیہی بہکت ہوا جرم تھا
 پر دیہی بہکتی جرموں کی لسٹ میں نہیں تھی، اس
 کارن سے سزا دوسرے قانونوں کے انٹرکٹ دی جاتی تھی۔
 مولانا آزاد پر بہت سے مقدمے چلے گئے، انہیں میں سے
 ایک مقدمہ کا پورا ورنن اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

مولانا کی قلم کا لہجہ ادب کی دنیا مانعہ ہے، ان کی
 لکھائی کبھی ہندستانوں کا دل ہل چکی ہے، پر وہ سب
 اوروں لکھنؤ میں ہے، لوگوں کو کھوج ہے کہ وہ مولانا کی
 کتابیں پڑھیں، لکھنؤ ایک مشکل کھوجی کر دیتی ہے۔
 سید قاسم علی نے ”قول و فیصل“ کا ہندی میں انوادیق
 کر کے ہندی کی رہبر دست سہوا کی ہے اور بہت لوگوں کی
 پھاس بچھانے کا مقام کھا ہے، پر انوادیق بچائے یہ کتاب
 اگر جوں کی توں ہندی لکھنؤ میں چھوٹی آرد، مشکل
 شہدوں نے اوروں لکھ دئے جاتے تو اچھا ہوتا اس طرح مولانا
 آزاد کی شہلی اچھی اصلی روپ میں جلتا نک پھونچ
 سکتی۔

مولانا کی کلام کا لہجہ ادب کی دنیا مانعہ ہے، ان کی
 لکھائی کبھی ہندستانوں کا دل ہل چکی ہے، پر وہ سب
 اوروں لکھنؤ میں ہے، لوگوں کو کھوج ہے کہ وہ مولانا کی
 کتابیں پڑھیں، لکھنؤ ایک مشکل کھوجی کر دیتی ہے۔
 سید قاسم علی نے ”قول و فیصل“ کا ہندی میں انوادیق
 کر کے ہندی کی رہبر دست سہوا کی ہے اور بہت لوگوں کی
 پھاس بچھانے کا مقام کھا ہے، پر انوادیق بچائے یہ کتاب
 اگر جوں کی توں ہندی لکھنؤ میں چھوٹی آرد، مشکل
 شہدوں نے اوروں لکھ دئے جاتے تو اچھا ہوتا اس طرح مولانا
 آزاد کی شہلی اچھی اصلی روپ میں جلتا نک پھونچ
 سکتی۔

مولانا کی قلم کا لہجہ ادب کی دنیا مانعہ ہے، ان کی
 لکھائی کبھی ہندستانوں کا دل ہل چکی ہے، پر وہ سب
 اوروں لکھنؤ میں ہے، لوگوں کو کھوج ہے کہ وہ مولانا کی
 کتابیں پڑھیں، لکھنؤ ایک مشکل کھوجی کر دیتی ہے۔
 سید قاسم علی نے ”قول و فیصل“ کا ہندی میں انوادیق
 کر کے ہندی کی رہبر دست سہوا کی ہے اور بہت لوگوں کی
 پھاس بچھانے کا مقام کھا ہے، پر انوادیق بچائے یہ کتاب
 اگر جوں کی توں ہندی لکھنؤ میں چھوٹی آرد، مشکل
 شہدوں نے اوروں لکھ دئے جاتے تو اچھا ہوتا اس طرح مولانا
 آزاد کی شہلی اچھی اصلی روپ میں جلتا نک پھونچ
 سکتی۔

—محبوب دہلوی

—موجیہ ریخا

شاننی دوت امر باپو

شاننی دوت امر باپو

لکھنے والے—سید قاسم علی سامعہ الذکر؛ نکالنے والے—
 ہندی پرجا رک پستکالہ، کھان واپی، بدھاس سٹی؛ لکھنؤ
 ہندی صفحہ 175؛ دام نو روپہ۔

لکھنے والے—سید قاسم علی سامعہ الذکر؛ نکالنے والے—
 ہندی پرجا رک پستکالہ، کھان واپی، بدھاس سٹی؛ لکھنؤ
 ہندی صفحہ 175؛ دام نو روپہ۔

میں دیکھ سکتی ہے، کوئی نہیں چاہتا کہ اس کا گھر
پرہیز ہو، اس کے بال بچے ختم ہوں، اس کا گلہ ختم ہو۔

سلطان پور

شانٹی کانفرنس کے لیے سبھی اُمتوں کا آپ ہے۔ ہر
بیکار کے لیے آپ ہے... پر ایسا لگتا تھا کہ راشنری سوس
سبک سبک والے شانٹی آندولن کے بارے میں بہت سے بہر
رکھتے تھے... بہت سے سوال پوچھنا چاہتے تھے۔ ایک سچ
نے پلٹتے سندر لال سے پوچھا۔ ”چون کمونسٹ راج ہے اور
کمونسٹ لیڈر کو نہیں مانتے اور بھارت لیڈر وادی نہیں
ہے۔ اس طرح چون اور ہندوستان کی دوستی کسے ہو سکتی
ہے؟“ پلٹتے جی نے منہ بھونک کر دھرم کے دس لکھن اُنہوں
کوائے۔ اُس میں لیڈر کا نام نہیں تھا۔ پلٹتے جی نے ہر
دھرم کی کتاب سے دھرم کی پری بھاشا سنائی، ہر کسی میں
لیڈر کا نام نہیں تھا۔ سب میں ایک بات تھی—
سادگی، ایمانداری، جلتا کی سہوا۔ ”اگر دھرم اس کا نام
ہے، اگر مذہب اسی کو کہتے ہیں تو چون سے زیادہ یہ
دھرم کہیں نہیں مانا جاتا ہے... آپ لوگ دھرم کی لاش
سے چپے ہوئے ہیں اور چون دھرم کی آتما کو اپنا دھ
ہوں!“ پلٹتے جی نے کہا۔

اسی طرح کے اور بہت سے سوال لوگ پوچھتے رہے اور
پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

سیتا پور

شانٹی کمیٹی نے پلٹتے سندر لال کو بلایا تھا۔ پلٹتے
جی کے ہواشن نے لوگوں کو جھجھور دیا اور اُن کی سچ
میں شانٹی آندولن کی اصلیت آگئی۔

جل پائی گوری

شانٹی کمیٹی نے پلٹتے سندر لال کو بلایا تھا۔ پلٹتے
جی کے ہواشن نے لوگوں کو جھجھور دیا اور اُن کی سچ
میں شانٹی آندولن کی اصلیت آگئی۔

—پراسی

شانٹی کانفرنس کے لئے سبھی اُمتوں کا آپ ہے۔ ہر
بیکار کے لیے آپ ہے... پر ایسا لگتا تھا کہ راشنری سوس
سبک سبک والے شانٹی آندولن کے بارے میں بہت سے بہر
رکھتے تھے... بہت سے سوال پوچھنا چاہتے تھے۔ ایک سچ
نے پلٹتے سندر لال سے پوچھا۔ ”چون کمونسٹ راج ہے اور
کمونسٹ لیڈر کو نہیں مانتے اور بھارت لیڈر وادی نہیں
ہے۔ اس طرح چون اور ہندوستان کی دوستی کسے ہو سکتی
ہے؟“ پلٹتے جی نے منہ بھونک کر دھرم کے دس لکھن اُنہوں
کوائے۔ اُس میں لیڈر کا نام نہیں تھا۔ پلٹتے جی نے ہر
دھرم کی کتاب سے دھرم کی پری بھاشا سنائی، ہر کسی میں
لیڈر کا نام نہیں تھا۔ سب میں ایک بات تھی—
سادگی، ایمانداری، جلتا کی سہوا۔ ”اگر دھرم اس کا نام
ہے، اگر مذہب اسی کو کہتے ہیں تو چون سے زیادہ یہ
دھرم کہیں نہیں مانا جاتا ہے... آپ لوگ دھرم کی لاش
سے چپے ہوئے ہیں اور چون دھرم کی آتما کو اپنا دھ
ہوں!“ پلٹتے جی نے کہا۔

اسی طرح کے اور بہت سے سوال لوگ پوچھتے رہے اور
پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

پلٹتے جی اُن کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

—پراسی

ایک جگہ دیکھنے کی دعوت دے سکتی ہوں۔ بہت ہی اچھے درجہ میں۔ ذرا آنکھ بند کرچکے اور تھوڑی دیر کے لئے یہ سوچئے کہ آپ میرے دیس میں ہوں۔۔۔ رات بھر ہم برے ہیں، رات بھر جہازوں نے نیلے آسمان کے نیچے لٹا ہوا کھلی ہیں۔۔۔ اور اس سے صبح کے وقت دھواں آنکھوں میں بھرا ہے۔۔۔ سوچ کر کدھر سے نکل رہا ہے اس کا پتہ لگانا آسان نہیں۔ بہت سے پتار جل گئے ہیں، بہت سے دھتے بھی چکے ہیں۔۔۔ ان سب کا دھواں اٹھ رہا ہے! برہادی کے اسی دھیر میں کوئی ایذا پہنچا تو نہ دیا ہے کسی کو اچھے پتی کی کھوج ہے، کسی کا سہارا چل گیا ہے، کسی کا پتار لٹ گیا ہے، ایک طرف لاشوں کے انبار لگے ہیں۔۔۔ پر لوگ ان میں سے کس کس کو روکیں، یہ بھی تو پتہ نہیں کہ کون مر گیا ہے اور کون زندہ ہے۔ زندوں کی حالت پر روپا جائے یا مردوں کی لاشوں پر آنسو بہائے جائیں۔۔۔

ہر شہر، ہر گاؤں کا یہی درخشہ ہے۔ روز 700 سے لے کر 1000 تک ہوائی جہاز ہمارے دیس پر ملندے رہتے ہیں۔۔۔ دو سال میں۔۔۔ صرف دو سال میں ہماری راجدھانی پر پندرہ لاکھ بم گرائے جا چکے ہیں۔ ایک آدمی پر چار بم! ذرا سوچئے، ذرا دھیان دیجئے۔ ایک کروڑ 50 لاکھ نہام بم کوریا کی زمین پر اسی مرتبہ 11 جولائی 1952 کو۔ پھانگ پانگ پر 6000 بم گرائے گئے، 1000 گھر پر ہلاک ہوئے، 6000 انسان مر گئے۔۔۔ میں کچھ نہیں کہتی۔۔۔ بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ اچھے اچھے دیسوں کی کلہا کھجئے۔ پھانگ پانگ کے بجائے اچھے شہروں کی کلہا کھجئے۔۔۔ آپ سوچئے کہ یہ سب آپ کے دیس میں ہو رہا ہے، یہ سب آپ کے شہروں میں ہو رہا ہے۔۔۔

ہاں سہریا کہتی کئی جگہ یہ داستان سلنا رہا۔۔۔ ایک طرف سے امریکی پرانی ندھی ملنگل اٹھا۔ بڑھے، جوں، مرد، عورت۔۔۔ اور انہوں نے سہریا کو گلے لگا لیا۔۔۔ ان نے آنکھوں میں آنسو تھپتھپایا۔۔۔ اور سہریا نے آنکھوں میں آنسو کی ہمدردی لے آنسو پھدا کر دیکھے تھے۔۔۔ دل سے جو بات نکلتی ہے اتر دیتی ہے۔۔۔ آج اس کا اثر ہو رہا ہے۔۔۔ سہریا نے دیکھا میں کہا تھا۔ انسانیت کو نہیں ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ ایک اس بات کی امداد کہ شانتی ممکن ہے۔ دوسری اس بات کا دعواس کہ شانتی ہوئی اور تیسری اس بات کا تصدیق کہ شانتی قائم کی جائے۔ آج انسان کو شانتی کی آشا ہے، آج شانتی پر اسے بھروسہ ہے، آج وہ پورا نقشہ کر چکا ہے!

شانتی کا سلسلہ

کون ہے جسے شانتی نہیں چاہئے۔۔۔ کون ہے جسے جنگ

شانتی کا سन्देश

کون ہے جسے شانتی نہیں چاہیے۔۔۔ کون ہے جسے جنگ

پر کوئی رخصت نہیں، پھر بھی وہ مجرم ہے، پھر بھی وہ فریاد کر رہی ہے۔ کوریا کے ہر ہر کونے پر ہر ہر بچے نے یونو سے فریاد کی۔ ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے والے ہمارے ہاں سن لو، ہمارے مجرم تمہارے والوں ہمارے فریاد بھی سن لو۔ پھر یونو نے کون مہن تھل ڈال لیا، اس کے سارے چارٹر خاموش رہے، اس کی ساری طاقت، سارے اندھکار امریکہ کی آنکھوں پر ناچتے رہے...

اور آج کوریا کی کہانی سننے کے لئے ہر ہو دیں گے پرتشددی اکتھا ہے۔ یہ لہک سکسٹس نہیں بلکہ دہانا ہے۔ یہاں کوریا کو اپنی بات سنانے کے لئے مانگ نہیں کرنی پڑتی بلکہ لوگ اچھک ہوں نہ وہ دیکھ کی داستان سن سکیں، اور اسے سن کر کوئی ملاح نکال سکیں۔ ہمدردی نے جذبات ابھار دیئے، دی ہوئی آگ پھر جل اٹھی، ہاں سہریا کے خوں مہن جوہی بھر گیا۔ وہ نہیں بول رہی تھی بلکہ اس کا دل بول رہا تھا۔ وہ نہیں کہہ رہی تھی بلکہ کوریا اس کے ساتھ کھڑی ہو کر اس سے کہلا رہی تھی۔ کوریا کی اس بھتی نے کہا تھا۔ ”مجھے شانت ہونا چاہئے، مہن جانتی ہوں... پر مہن شانت کھسے رہوں، مہن اپنے بھاؤں کو کھسے دباؤں... ابھی لوائی ہو رہی ہے، ابھی گولے چل رہے ہیں... ابھی مجھے شانتی کہاں... ابھی مہن شانت کھسے رہوں۔“

دنیا کے بڑے بڑے ودوان بھاشن دے چکے تھے، بڑی بڑی ہوی باتیں ہو چکی تھیں... پر وہ سب دماغ کی باتیں تھیں، سوچ وچار کی باتیں تھیں... یہاں صرف دل بول رہا تھا... ایک عورت کا دل اپنی فریاد سنا رہا تھا۔ ”ہم کوریا سے دہانا آئے ہیں، بہت سے دیکھوں کو ہم نے دیکھا ہے، سلسکرتی اور فلا کے بہت سے نمونے ہم نے دیکھے ہیں... مہرے سانہو، شانتی کے پریسہوں! مہن سچ کہتی ہیں، مہرا وشواس کرو... مجھے ان لمونوں کو دیکھ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی، شاید ہونٹ مسکراتے ہی تھے... پر مہن دو ہی تھی، مہرا دل خوں ہوا جا رہا تھا۔ مہرا دیکھ پرتا ہے، ہماری سبھت پرائی ہے، ہمارے پاس پانچ ہزار برس پرانی سلسکرتی کے خزانے تھے... پر اب وہ کہاں...! راکہ کا ایک تھوڑا بربادی کا ایک کھلیان اور کچھ نہیں، بالکل کچھ نہیں۔ مہن آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ مہرے دیکھ چلئے، ہماری سلسکرتی دیکھئے... ہم آپ کی مہمانداری کا سوبھاگ پراپت کرنا چاہتے ہیں... پر مہن یہ کھسے کہیں... مہن آپ کو کس چیز کو دیکھنے کی دعوت دیں!...“

ہال میں سٹاٹا تھا، کسی کے منہ پر ہنسی نہیں تھی... ایک لڑکی کی آواز نے سب کی آنسو کو جھٹک دیا کہ وہ دیکھ لیا تھا، ہاں سہریا کہہ رہی تھی۔ ”مہن آپ کو

ہال میں سٹاٹا تھا، کسی کے منہ پر ہنسی نہیں تھی... ایک لڑکی کی آواز نے سب کی آنسو کو جھٹک دیا کہ وہ دیکھ لیا تھا، ہاں سہریا کہہ رہی تھی۔ ”مہن آپ کو

ہال میں سٹاٹا تھا، کسی کے منہ پر ہنسی نہیں تھی... ایک لڑکی کی آواز نے سب کی آنسو کو جھٹک دیا کہ وہ دیکھ لیا تھا، ہاں سہریا کہہ رہی تھی۔ ”مہن آپ کو

ہال میں سٹاٹا تھا، کسی کے منہ پر ہنسی نہیں تھی... ایک لڑکی کی آواز نے سب کی آنسو کو جھٹک دیا کہ وہ دیکھ لیا تھا، ہاں سہریا کہہ رہی تھی۔ ”مہن آپ کو

ہال میں سٹاٹا تھا، کسی کے منہ پر ہنسی نہیں تھی... ایک لڑکی کی آواز نے سب کی آنسو کو جھٹک دیا کہ وہ دیکھ لیا تھا، ہاں سہریا کہہ رہی تھی۔ ”مہن آپ کو

میں اس رات نہیں سو پایا... ایک سہارا میرے دیمار
میں گھومتا رہا—میرے ماں باپ کہتے ہیں کہ وہ نروہ
ہیں... آپ کی سرکار کہتی ہے کہ وہ جاسوس ہیں... میں
فہم نہ کر سکتا ہوں... ماں لہا وہ جاسوس ہیں...
پہر اوتس بھی تو جاسوس تھے... اگر اوتس کو اٹھا چاری
نروہ کی کمونست اسی جرم میں چھوڑ سکتے ہیں... تو
آپ... آپ تو کمونست نہیں ہیں، آپ تو کرسچن ہیں
... پھر آپ ضرور ہمارے ماں باپ کو رہا کر سکتے ہیں...
میں سوچتا رہا... آپ سے یہ جانے کتنی اہلہوں میں نے
کہیں... کاش آپ میرے سامنے ہوتے، کاش آپ میری حالت
دیکھ سکتے...! میرے پرسودت! میں نے جاننا چاہا
کہ اوتس کسے چھوڑ گئے... کونسی ترکیب تھی جس نے
کمونسٹوں کا دل پکھلا دیا... اور مجھے یہ جان کر تعجب
ہوا... کمونست بھی اہل ملتے ہیں... ان کے بھی دل
ہوتا ہے، وہ بھی رحم کرنا جانتے ہیں... اوتس کی بیوی
نے اہل کی اور اوتس چھوڑ گئے... اوتس کی بیوی نے
رحم مانا اور کمونسٹوں نے انہیں رحم دے دیا... میں نے
سنا ہے میرے بزرگ کہ بچوں کی پرورش میں بہت اثر
ہوتا ہے، بچوں پر سب کو ہی رحم آ جاتا ہے... میں اسی
امید پر آپ کو لکھ رہا ہوں... میں اسی لئے آپ سے فریاد
کو رہا ہوں۔ میرے ماں باپ کو چھوڑ دیجئے، مجھے یہ
نہ کیجئے... میرے پرسودت!... پر آپ خاموش ہیں
آپ جواب بھی نہیں دیتے... کیا میں یہ سمجھ لوں کہ—
رحم، عیسائیت، انصاف، آزادی... سب ڈرامہ ہے! سب
دکھاوا ہے، کورا پر چار ہے!!

کوریا کی بھتی

ہمدردی مشکل سے ملتی ہے... شاید قسمت سے ملتی
ہوں۔ ہمدردی مرہم کا کم کرتی ہے یا زخموں کو ہرا
کر دیتی ہے، اس کا صاف فہم نہ کر سکتا۔
دکھ کی پہچان ہوں ایک اچھا رہا ہے جہاں دکھ
کی پہچان ہائی نہیں رہ جاتی۔ یہوت یہ نہیں جانتا
کہ پھوٹا کیا ہے؟ اس سے اگر کوئی تسلی کی باتوں کرتے
لگے، اس وقت اگر کوئی اپنا دکھ صرف سلیے کو تھار ہو
جائے! آدمی دو پڑتا ہے۔ دکھ کی پہچان ہو جاتی ہے
کسک تیز ہو جاتی ہے، لاکھ روکے پر بھی طبیعت نہیں
مانتی۔ ویانا کوریا کے پرتلہدھوں کو وہ واناورن دے رہا
تھا جس کی انہیں اچھا نہیں اور جس سے یونو نے انہیں
معصوم کر دیا تھا، جو ان کا ادھکار تھا پر جس سے "انصاف
اور آزادی کے سنگریلوں" نے کوریا کو ونجیت کر دیا تھا۔ اُن
کوریا نے ہر بار پرورش کیا اور ہر بار اس کی مانگ کو
تھکوا دیا تھا۔ یونو بھی کہا عدالت ہے! ملزم کا چہرہ
بھی دیکھ لے کو کوئی تھار نہیں، اس کی بات سلیے

کوریا کی بھتی

ہمدردی مشکل سے ملتی ہے... شاید قسمت سے ملتی
ہوں۔ ہمدردی مرہم کا کم کرتی ہے یا زخموں کو ہرا
کر دیتی ہے، اس کا صاف فہم نہ کر سکتا۔
دکھ کی پہچان ہوں ایک اچھا رہا ہے جہاں دکھ
کی پہچان ہائی نہیں رہ جاتی۔ یہوت یہ نہیں جانتا
کہ پھوٹا کیا ہے؟ اس سے اگر کوئی تسلی کی باتوں کرتے
لگے، اس وقت اگر کوئی اپنا دکھ صرف سلیے کو تھار ہو
جائے! آدمی دو پڑتا ہے۔ دکھ کی پہچان ہو جاتی ہے
کسک تیز ہو جاتی ہے، لاکھ روکے پر بھی طبیعت نہیں
مانتی۔ ویانا کوریا کے پرتلہدھوں کو وہ واناورن دے رہا
تھا جس کی انہیں اچھا نہیں اور جس سے یونو نے انہیں
معصوم کر دیا تھا، جو ان کا ادھکار تھا پر جس سے "انصاف
اور آزادی کے سنگریلوں" نے کوریا کو ونجیت کر دیا تھا۔ اُن
کوریا نے ہر بار پرورش کیا اور ہر بار اس کی مانگ کو
تھکوا دیا تھا۔ یونو بھی کہا عدالت ہے! ملزم کا چہرہ
بھی دیکھ لے کو کوئی تھار نہیں، اس کی بات سلیے

سچائی کیا تھی، بلکہ میں کیا سمجھ سکتا ہوں...میں
 اتنا سمجھ سکتا ہوں کہ اوتس نے وہی جرم
 کیا تھا جس کا الزام میرے ماں باپ کی گردن پر ہے...فرق
 ہے تو بس اتنا کہ میرے ماں باپ نے سدا آپ کو نردوہ
 کہا ہے، آپ کو دیہ بھکت کہا ہے اور اوتس نے جرم کو مانا
 ہے... لہکن ہمیں بتایا گیا ہے کہ اوتس نے اناچار سے
 مجبور ہو کر جرم مانا ہے... نہیں تو الزام غلط ہے، اوتس
 پر قصور نہیں... یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کمونسٹ اسی
 طرح لوگوں کو پھانسی دیا کرتے ہیں... پر مجھے تعجب
 ہوا کہ ”ظالم کمونسٹوں“ نے اوتس کو چھوڑ دیا... اوتس
 امریکہ آئے... ہمارے دیہ کے بڑے بھٹا دلس نے اوتس
 بدھائی دی۔ اوتس صاحب اِنلے اہم تھے کہ دور یورپ اور
 ایشیا کی الجھی ہوئی سمجھاؤں کے بچے بھی دلس
 صاحب کو اُن کا خیال رہا!... اوتس کا جلوس نکل رہا تھا
 ... لوگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے... میرے پریسڈنٹ
 ہم بھی گئے تھے... یہ دیکھ لے کہ اوتس کی شکل کمونسٹوں
 نے کھسی بنا دی ہے... اُن کو کھسی کھسی تکلیفوں
 پہنچائی ہیں... پر وہ خوش تھے، وہ تلدرست تھے، وہ
 موت تازے تھے... پھر میرے دماغ میں ایک خیال اُٹھا...
 کیا کمونسٹ ظلم کر کے لوگوں کو ایسا ہی بنا دیتے ہیں
 ... شک پودا ہو گیا تھا پر مجھے اطمینان چاہئے تھا...
 میں اُن کی پریس کانفرنس میں گیا... لوگ اُن سے سوال
 کر رہے تھے۔ دو سو ملے ہر طرف سے شدتوں نے زور برسا
 دیا تھا۔ اوتس نے ہنس کر جواب دیا... آپ نے سنا تو
 ہو گا... جتنی تکلیف آپ لوگ مجھے اِس سے دے
 رہے ہیں، اتنی چھکوسلوپکھا کی پولیس نے مجھے
 کبھی بھی نہیں دی... میری آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی
 ... میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے اور قریب چلا گیا...
 پھر ایک ہتکار نے اُن سے پوچھا—کیا یہ سچ ہے کہ اوتس
 اسٹیمت ڈیپارٹمنٹ سے تلذواہ ملتی ہے، کیا یہ سچ ہے کہ
 آپ نے جاسوسی کا الزام ہتکار کو لیا ہے... اوتس چپ رہے
 اُنہوں نے اِس کا جواب نہیں دیا۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ
 جہل میں اُن کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا تھا، وہ
 بہت اچھی طرح رکھے گئے تھے... اُنہوں نے یہ بھی بتایا کہ
 جس طرح ہتکار امریکہ میں خبر کی کھوج کرتے ہیں اُن
 طریقوں سے چھکوسلوپکھا میں جہل کی ہوا ضرور کھانی
 پڑے گی... اُنہوں نے جاسوس نہ ہونے کی صفائی نہیں دی
 ... پر یہ ضرور کہا—اگر آپ لوگ امریکہ میں بھی یہ دیکھ
 لگائے جائیں کہ یورنیم کن کن راستوں سے اور کن کن دیشوں
 سے یہاں آتا ہے تو آپ ضرور ہتکار کو ملے جائیں گے... کانفرنس
 ختم ہو گئی... میں نے لوگوں کو کہتے سنا—”اُنہوں نے
 جاسوسی ضرور کی تھی... الزام کو ہتکار تھوک ہی کہا
 تھا“

سچائی کیا تھی، بلکہ میں کیا سمجھ سکتا ہوں...میں
 اتنا سمجھ سکتا ہوں کہ اوتس نے وہی جرم
 کیا تھا جس کا الزام میرے ماں باپ کی گردن پر ہے...فرق
 ہے تو بس اتنا کہ میرے ماں باپ نے سدا آپ کو نردوہ
 کہا ہے، آپ کو دیہ بھکت کہا ہے اور اوتس نے جرم کو مانا
 ہے... لہکن ہمیں بتایا گیا ہے کہ اوتس نے اناچار سے
 مجبور ہو کر جرم مانا ہے... نہیں تو الزام غلط ہے، اوتس
 پر قصور نہیں... یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کمونسٹ اسی
 طرح لوگوں کو پھانسی دیا کرتے ہیں... پر مجھے تعجب
 ہوا کہ ”ظالم کمونسٹوں“ نے اوتس کو چھوڑ دیا... اوتس
 امریکہ آئے... ہمارے دیہ کے بڑے بھٹا دلس نے اوتس
 بدھائی دی۔ اوتس صاحب اِنلے اہم تھے کہ دور یورپ اور
 ایشیا کی الجھی ہوئی سمجھاؤں کے بچے بھی دلس
 صاحب کو اُن کا خیال رہا!... اوتس کا جلوس نکل رہا تھا
 ... لوگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے... میرے پریسڈنٹ
 ہم بھی گئے تھے... یہ دیکھ لے کہ اوتس کی شکل کمونسٹوں
 نے کھسی بنا دی ہے... اُن کو کھسی کھسی تکلیفوں
 پہنچائی ہیں... پر وہ خوش تھے، وہ تلدرست تھے، وہ
 موت تازے تھے... پھر میرے دماغ میں ایک خیال اُٹھا...
 کیا کمونسٹ ظلم کر کے لوگوں کو ایسا ہی بنا دیتے ہیں
 ... شک پودا ہو گیا تھا پر مجھے اطمینان چاہئے تھا...
 میں اُن کی پریس کانفرنس میں گیا... لوگ اُن سے سوال
 کر رہے تھے۔ دو سو ملے ہر طرف سے شدتوں نے زور برسا
 دیا تھا۔ اوتس نے ہنس کر جواب دیا... آپ نے سنا تو
 ہو گا... جتنی تکلیف آپ لوگ مجھے اِس سے دے
 رہے ہیں، اتنی چھکوسلوپکھا کی پولیس نے مجھے
 کبھی بھی نہیں دی... میری آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی
 ... میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے اور قریب چلا گیا...
 پھر ایک ہتکار نے اُن سے پوچھا—کیا یہ سچ ہے کہ اوتس
 اسٹیمت ڈیپارٹمنٹ سے تلذواہ ملتی ہے، کیا یہ سچ ہے کہ
 آپ نے جاسوسی کا الزام ہتکار کو لیا ہے... اوتس چپ رہے
 اُنہوں نے اِس کا جواب نہیں دیا۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ
 جہل میں اُن کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا تھا، وہ
 بہت اچھی طرح رکھے گئے تھے... اُنہوں نے یہ بھی بتایا کہ
 جس طرح ہتکار امریکہ میں خبر کی کھوج کرتے ہیں اُن
 طریقوں سے چھکوسلوپکھا میں جہل کی ہوا ضرور کھانی
 پڑے گی... اُنہوں نے جاسوس نہ ہونے کی صفائی نہیں دی
 ... پر یہ ضرور کہا—اگر آپ لوگ امریکہ میں بھی یہ دیکھ
 لگائے جائیں کہ یورنیم کن کن راستوں سے اور کن کن دیشوں
 سے یہاں آتا ہے تو آپ ضرور ہتکار کو ملے جائیں گے... کانفرنس
 ختم ہو گئی... میں نے لوگوں کو کہتے سنا—”اُنہوں نے
 جاسوسی ضرور کی تھی... الزام کو ہتکار تھوک ہی کہا
 تھا“

پر و اسی کی ڈائری

میکائیل نے لکھا ہے : میری ماں کو छोड़ दो, मेरे बाप को बचा लो. मेरे देश के प्रेसीडेन्ट ! मुझे यतीम होने से तुम ही बचा सकते हो, तुम्हीं मुझे मां का प्यार दिला सकते हो. हम माई बहन मां की गोद के लिये बरसों से तरस रहे हैं. हमें मां की गोद वापस कर दो. अभी तो मां के मधुर गीत पूरे नहीं हुए, अभी तो उसने जी भर हमें प्यार नहीं किया, अभी तो उसकी लोरियां बाक़ी हैं, अभी तो उसके उपदेश बाक़ी हैं...मेरे प्रेसीडेन्ट ! तुम मुझे यह सब दे सकते हो. मैकाइल को ईथिल दे सकते हो, जूलियस से मैकाइल को भिला सकते हो...प्रेसीडेंट ! खामोशी...कोई जवाब नहीं...कोई तसल्ली नहीं...कोई दिलासा नहीं...हमें निराश मत करो...अब भी चुप हो...मेरी उमर दस बरस की है...मैं बचचा हूँ...बिलकुल वैसा ही बचचा जैसा तुम्हारा कोई बचचा होगा...तुम्हारे बेटे का बचा होगा...तुम्हारी बेटی का बचा होगा...प्रेसीडेंट ! मैंने ऐसा साहस क्यों किया, आपको लिखने की हिम्मत क्यों की ?...आप जरूर पढ़ेंगे...आप यह भी सोचेंगे...मुझे किसी ने सिखा दिया है...मैंने आपको नहीं लिखा बल्कि मुझ से यह सब लिखाया गया है...यह ठीक नहीं है...यह सच नहीं है. यह शब्द मेरे हैं, यह भाव मेरे हैं, यह पुकार मेरी है...अगर इस में असर नहीं है, अगर यह आवाज़ आप के दिल को नहीं हिला सकती, तो यह मेरी कमी है...मैंने क्यों लिखा है, इसका भी कारन सुन लीजिये...रेडियो पर, स्कूल में, सनीमे में, हर जगह मुझे एक बात सुनने को मिलती है...कमयुनिस्ट ज़ालिम होते हैं...कमयुनिस्ट बेरहम होते हैं...अत्याचारी होते हैं...खून बहाना उनका पेशा है...मासूमों को फांसी देने में उन्हें आनन्द आता है...मैं भी यही समझता था...भला आप झूठ कैसे बोल सकते हैं...अपने बच्चों को आप भ्रम में कैसे रख सकते हैं ! पर एक दिन, एक सुबह...मैंने सुना कि मिस्टर ओटिस को चेकोस्लोवेकिया के कमयुनिस्टों ने छोड़ दिया है...मुझे अचंबा हुआ...विश्वास कीजिये मुझे यक़ीन नहीं पड़ा. मैंने सब से पूछा, सब से सवाल किया...पर किसी ने ठीक जवाब नहीं दिया...ओटिस को चेकोस्लोवेकिया में पकड़ लिया गया था...उन पर इफ़लाम था कि वह मासूम हैं...वह चेकोस्लोवेकिया में हमारे देश की तरफ से मुजाबिरी करते हैं.. मुझे यह भी मासूम हुआ कि उन्होंने अपना जुर्म मान लिया है. क्यों मान लिया था,

پر و اسی کی ڈائری

میکائیل نے لکھا ہے : میری ماں کو چھوڑ دو، میرے باپ کو بچا لو. میرے دیس کے پریسیڈنٹ ! مجھے یتیم ہونے سے تم ہی بچا سکتے ہو، تم ہی مجھے ماں کا پیار دلا سکتے ہو. ہم بھائی بہن کی گود کے لئے برسوں سے ترس رہے ہیں. ہمیں ماں کی گود واپس کر دو. ابھی تو ماں کے مدھر گیت پورے نہیں ہوئے، ابھی تو اُس نے جی بھر کر ہمیں پیار نہیں کیا، ابھی تو اُس کی لوریاں باقی ہیں، ابھی تو اُس کے اُپدیش باقی ہیں...میرے پریسیڈنٹ ! تم مجھے یہ سب دے سکتے ہو. میکائیل کو ایتھل دے سکتے ہو، جولیوس سے میکائیل کو بھلا سکتے ہو...پریسیڈنٹ !...خاموشی...کوئی جواب نہیں...کوئی تسلی نہیں...کوئی دلاسا نہیں...ہمیں نراش مت کرو...اب بھی چپ ہو...میری عمر دس برس کی ہے...میں بچتا ہوں...بالکل ویسا ہی بچتا ہوں...جھسا تمہارا کپڑا بچتا ہوگا...تمہارے ہاتھ کا بچتا ہوگا...تمہاری ہونٹ کا بچتا ہوگا...پریسیڈنٹ ! میں نے ایسا ساہس کہاں کیا؟ آپ کو لکھنے کی صحت کون کی ؟...آپ ضرور پڑھیں گے...آپ یہ ابھی سوچیں گے...مجھے کسی نے سکھا دیا ہے...میں نے آپ کو نہیں لکھا بلکہ مجھ سے یہ سب لکھایا گیا ہے...یہ تمہیں نہیں ہے...یہ سچ نہیں ہے. یہ شبد میرے ہیں، یہ بھاؤ میرے ہیں، یہ پکار میری ہے...اگر اس میں اثر نہیں ہے، اگر یہ آواز آپ کے دل کو نہیں ہلا سکتی، تو یہ میری کمی ہے...میں نے کون لکھا ہے، اس کا بھی کارن سن لیجئے...ریڈیو پر، اسکول میں، سنیما میں، ہر جگہ مجھے ایک بات سننے کو ملتی ہے...کمونسٹ ظالم ہوتے ہیں...کمونسٹ بے رحم ہوتے ہیں...اتحادی ہوتے ہیں...خون بہانا اُن کا پیشہ ہے...مقصود میں کو پھانسی دینے میں انہیں اُبلد آتا ہے...میں بھی یہی سمجھتا تھا...بھلا آپ جھوٹ کسے بول سکتے ہیں...اچھے بچوں کو آپ بھرم میں کسے رکھ سکتے ہیں ! ہر ایک دن ایک صبح...میں نے سدا کے مسٹر اوتیس کو چیکوسلوواکیا کے کمونسٹوں نے چھوڑ دیا ہے...مجھے اچھلپا ہوا...وہ اوتیس کچھ مجھے یقین نہیں ہوا. میں نے سب سے پوچھا، سب سے سوال کیا...پر کسی نے تمہیں جواب نہیں دیا...اوتیس کو چیکوسلوواکیا میں پکڑ لیا گیا تھا...اُن پر الزام تھا کہ وہ جاسوس ہیں...وہ چیکوسلوواکیا میں ہمارے بھی کسی طرف سے مظہری کرتے ہیں...مجھ سے بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے ایسا جرم مان لیا ہے. کون مان لیا تھا،

”یوں سے مت پوچھو کہ میں کیا چاہتی ہوں، اپنے لباؤ سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتا ہے۔“

”وہ سے سمجھا سکتی تھی تو... فوسلا سکتی تھی تو... مار سے ہی کیا کام چل سکتا ہے... اور کوئی ترقی نہیں ہے۔“

”ترقی ہے تو... پر میں اسے دھکے کھانے سے... تو کم کر رکھ رہا ہو اور نہ میں کہیں سے کم کر سکتی ہوں۔“

”سودا، تمہارے تانے بہت ہو چکے... اب میرا کالہا بھلانی مت کرو... آخر میں کہا کروں... تمہیں ایک راستہ باقی ہے... میں کراچی لگا لوں... مر جائوں۔“

شکیلا یہ بات چیت سن کر ان دونوں کے پاس آ گئی۔ بڑھا رہا تھا۔ مرد بڑھا سوچتا رہا۔

سٹری اپنے ہاتھ دبانے کی کوشش کرتی رہی۔ مرد نے شکیلا کو سمجھوتہ کر کے کہا—

”بھئی تو میں ہی سمجھاؤں۔ تم ہی انصاف کر دو! اس میں میری کیا خیریت ہے... میری نوکری بھٹ گئی تھی... بھئی مرنے کی نوبت آ گئی... مرنے کا نہ کرنا انہیں میرے بچوں کو دیا... بچوں کو کوئی خوشی نہیں ہوئی... پھر مجھ کو کہا کروں... میں ایک مہلت بھی نہیں چاہتی... دروازے دروازے چکر کھانے... کہیں نوکری نہیں ملے... کسی کو میری ضرورت نہیں تھی... آخر ایک لکھی کی ٹال پر پچاس روپے ماہوار پر نوکری کر لی... پچاس روپے میں کیا ہو سکتا تھا... ان لوگوں کا کوئی کہاں سے آنا... توں پہلے تک تن پھٹ کر روپے جتانے رہا... نہ جانے کہا سوچتی تھی مجھے کہ اپنے پاس روپے رکھنے کے بجائے میں نے سہتے کے پاس پوری رقم جمع کر دی... پچھلی بھکاری میں برتن وغیرہ بھی رکھ گئے تھے... سوچا تھا کہ اس رقم سے گھر چھوڑ دوں... بھائیوں کا... کہا کروں... ان نے بھائیوں کو یہاں چھوڑ گئے... بھائیوں کا... کہا کروں... میں دور دورا سہتے کے پاس گیا... اپنا روپہ مانگا—بھئی! اس نے صاف انکار کر دیا... مجھے چھوڑا اور بے ایمان بھاگ گیا... سارا روپہ میرا ہضم کر گیا... اب نوکری سے میں کہا کروں... تم ہی بتاؤ میں کہا کروں... تم ہی سودا کو سمجھا دو... دھکے نہ کھو... بچے کو نہ مارو... اس مصوم کی کیا خطا ہے... وہ ہماری مشکلوں کو تو نہیں سمجھ سکتا... پھر اس پر ناراض ہونے سے کیا...“

شکیلا نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ آٹھ سال سے اس کا منہ ہونچھا اور ایک بار اس کے دماغ میں یہ خیال گھل گیا کہ وہ اپنا دودھ بچے کو نہیں دے گا۔

”مجھے یہ بہت پوچھو کہ میں کیا چاہتی ہوں“

”اے! مجھے یہ پوچھو کہ وہ کیا چاہتا ہے...“

”ماد سے ہی کیا کام چل سکتا ہے... اور کوئی طریقہ نہیں ہے...“

”طریقہ ہے تو... پر میں اسے دودھ کھانے سے... نہ تم کم کر رہے ہو اور نہ میں کہیں سے کم کر سکتی ہوں۔“

”سودا، تمہارے طمع بہت ہو چکے... اب میرا کالہا بھلانی مت کرو... آخر میں کہا کروں... تمہیں ایک راستہ باقی ہے... میں کراچی لگا لوں... مر جائوں۔“

شکیلا یہ بات چیت سن کر ان دونوں کے پاس آ گئی۔ بچہ روتا رہا۔ مرد بڑھا سوچتا رہا۔

شکیلا نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ آٹھ سال سے اس کا منہ ہونچھا اور ایک بار اس کے دماغ میں یہ خیال گھل گیا کہ وہ اپنا دودھ بچے کو نہیں دے گا۔

वो भूके !

पैर किसी ने फिर बाँधने शुरू कर दिये. उसने इस असमंजस से छुटकारा पाने के लिये दांत पीसे और मुट्ठी भीच ली और आगे बढ़ गई. आखिर वह एक घर के दरवाजे पर आ कर रुक गई.

महीनों से यह घर बन्द था आज ही खुला था. शकीला इस घर में आ चुकी थी. वह घर वालों को जानती थी... पर वह खाना मांगने का साहस कर सकेगी इसका यक़ीन उसे नहीं था.

दिल ने कहा—लौट जाओ.

दिमाश ने कहा—कर गुज़र, जो कल करना है उसे आज ही कर गुज़र.

शकीला दरवाजे तक पहुँच गई, उसने कुन्डी खट-
खटाई. पर उसके हाथ कांपने लगे, पैर में कपकपाहट
पैदा होने लगी. बांटों पर खुशकी छाने लगी...उसे ऐसा
लगा कि वह घंटों से प्यासा है.

जल्दी ही दरवाजा खुल गया और एक स्त्री सामने से आ कर खड़ी हो गई उनके मुँह पर हंसी नहीं थी. उनके मुँह से ऐसा लग रहा था कि शकीला का आना उन्हें अच्छा न लगा हो.

शकीला को बहुत बुरा लगा. उसका मन चाहने लगा कि वह कह दे—‘मैं तुम्हारे खाने की भूक नहीं हूँ, मैं भीक मांगने नहीं आई हूँ...फिर क्यों तुम इस तरह का चेहरा बना रही हो...’ पर उसने यह सब नहीं कहा. दो एक सिक्कड़ दोनों तरफ से खामोशी रही और फिर शकीला ने पूछा—

“बहन आप बहुत दिनों के बाद दिखाई पड़ी हैं।”

“हां, मैके गई थी, चार महीने के बाद कल आई हूं.”
दूसरी स्त्री ने रुखे-पन से उत्तर दिया.

शकीला चुप रही, उसने चाहा कि वह भाग जाय पर वह न जाने क्यों वहीं खड़ी रही.

“आओ अन्दर आओ” दूसरी स्त्री ने शकीला को बुलाया.

दोनों अन्दर चली गईं.

इधर उधर की गपशप होती रही. कपड़ों की सिलाई पर बातचीत चल पड़ी...मंहगाई की बात चल पड़ी, चंटों बाँटें होती रहीं. और बात ही बात में शकुला ने पूछा—
“कहने आप के यहाँ जूठा तो बचता होगा.”

“बचा करता था” दूसरी ने इस तरह जवाब दिया जैसे वह सवाल उसे पसन्द न हो। शकीला को ज़बरदस्त धक्का लगा, गुस्से का तीर-दिमाग को बींदा हुआ तलुवे से निकल गया, वह उसी समय वहां से भाग जाना चाहती

! 2, 3, 4

پھر کسی نے پھر بالذبح شروع کر دیئے۔ اُس نے اس اسماعیل سے چمکتا ہاتھ کے لئے دانت بوسے اور منہ بھینچ لی اور آگے بڑھ گئی۔ آخر وہ ایک کھر کے دروازے پر آ کر رک گئی۔

سہیلیں سے یہ گھر بلند تھا۔ آج ہی کہا تھا۔ شکستہ
 اِس گھر میں آ چکی تھی... وہ گھر والوں کو جانتی تھی...
 پر وہ کہنا مانگنے کا ساہس کر سکے گی اِس کا یقین آئے
 نہیں تھا۔

دل نے کہا۔۔۔ لوٹ جاؤ ۔

دماغ نے کہا—کر گزر۔ جو کل کرنا ہے اُسے آج ہی کر گزر۔

شعبہ دروازے تک پہنچ گئی۔ اُس نے کدھی کھٹ
کھٹائی۔ پر اُس نے ہاتھ کاٹنے لگے، پھر مہں کھکھامت پمدا
ہوئے لگی، ہونٹوں پر خدھی چھانے لگی... اے ایسا لگا کہ
وہ کھٹکوں سے پھاسی ہے۔

جلد ہی دروازہ کھل گیا اور ایک استغریٰ سامنے آ کر
 کہتی ہو گئی۔ اُن کے منہ پر ہلسی نہیں تھی۔ اُن کے
 منہ سے ایسا لگ رہا تھا کہ شکستہ کا آنا انہیں اچھا نہ
 لگا ہو۔

شکستہ کو بہت برا لگا۔ اُس کا من چاہنے لگا کہ وہ کہے "میں تمہارے کھانے کی ہوئی نہیں ہوں" میں ہبک مانگنے نہیں آتی ہوں... پھر تم اس طرح کا چہرہ بنا رہی ہو..."

پر اُس نے یہ سب نہیں کہا۔ دو ایک سکتے دونوں
طرف سے خاموشی رہی اور پھر شکستہ لے پوچھا—

”بہن آپ بہت دنوں کے بعد دکھائی پڑی ہیں۔“

”ہاں“ مہکمہ ٹکٹی نہی“ چار مہینہ کے بعد کل اٹو
ہوں“ دوسری استغری نے دوپہ پن سے اتر دیا ۔

شکریہ چمپ رہی . اُس نے چاما کہ وہ بھاگ جائے
پر وہ نہ چالے کہوں وہیں بھڑی رہی .

”او اندر او“ دوسری احتدی لے شکیلہ کو بلایا .

دونوں اس در چلی گئیں ۔

”اُدھر اُدھر کی کپ شپ ہوتی رہی۔ کھڑوں کی صفائی پر بات چیت چل پڑی... سہلگانی نے بات چل پڑی، کھنگھڑیاں ہاتھوں ہوتی رہیں۔ اور بات ہی بات میں شکم لے پوچھا۔“

”بچا کرتا تھا“ دوسری نے اس طرح جواب دیا جو کہ یہ سوال اسے پسند نہ ہو۔ شکمہ کو زبردستی دھکا لگا۔ قصہ کا تھو دماغ کو پہنچتا ہوا قلعے سے نکل گیا۔ وہ اسی سہمہ وں سے بھاگ جانا چاہتی

”بھیا... کتاہیں مہیں لکھا ہے یہ دعا کہیں خالی نہیں جاتی... ضرور اثر لاتی ہے...“

”نہیں شکوہ“ نہیں... نوکری نہیں ملی... دعاؤں میں نوکری دلانے کی طاقت نہیں ہے، شکوہ، دعاؤں نے اثر نہیں... نوکری سناچ کے تھوکیداروں کے ہاتھ میں ہے اور دن رات وہ دعاؤں کرتے ہیں کہ اُن کا قبضہ جما دے... تم خالی دعاؤں کرتی ہو... خدا کو کچھ نذر نہیں کرتی ہو... وہ ملحد بتواتے ہیں، مسجد کھڑی کراتے ہیں، دان کرتے، مہیں حج کرتے ہیں، یاत्रا کرتے ہیں... وہ خوب دیتے ہیں... تم صرف لہذا چاہتی ہو... تمہاری دعا قبول ہو یا اُن کی دعا قبول ہو... تم ہی سوچو بہن...“

”بھیا!“

”ठीक कहता हूँ बहन“ सलीम की नज़रें झुक गईं, दो आंखें शकीला के कदमों पर टपक पड़े.

मोती के इन प्यालों में शकीला ने सब कुछ देख लिया. सलीम के मन की वेदना, उसकी भूक, उसकी कमचोरी, उसके दुखी भाव... उसने न जाने क्यों और किस इरादे से कहा—

”बھیا, तुम भूके होगे, मैं अभी रोटी लाई... मुंह हाथ धो डालो... मैं अभी रोटी लाई...“

”रोटी कहाँ से आएगी शकीला...“ सलीम ने ने कहा.

”नहीं, तुम मुँह धो डालो... मैं रोटी ला रही हूँ...“ कहती हुई वह जोश से भाग कर रसोई घर की तरफ चली. खोर के मटके से दरवाजा खोला और अन्दर घुस गई. कहीं रोटी नहीं थी... चूरा भी नहीं था... वह हर बरतन की तलाशी लेती रही, पर सब कांशिश विफल रही. वह जानती थी कि घर में रोटी नहीं है... फिर उसके दिमाग में वह नाटक कैसे आ गया... यह नाटक नहीं था शायद उसका निष्ठा थी... पर रोटी को नहीं मिलना था और वह नहीं मिली. शकीला निराश हो गई. वह आगे बढ़ी और फिर ठिठक गई. भाई से उसे शर्म आ रही थी, रोटी वह मुँह नहीं कर सकती थी...!

दिन में उसने कई बार कोशिश की थी. वह बार बार दरवाजे तक जाती थी और लौट आती थी. घर से तय कर के जाती थी कि भूकों मरने से अच्छा है कि मोहल्ले वालों से मांग लिया जाय पर बाहर मर्यादा पैर पकड़ लेती थी. वह घर के बाहर रुकती थी पर फिर उसे वापस लौट आना पड़ता था. पर इस बार वह घर से बाहर निकल गई. उसने चारों तरफ नज़र दौड़ाई और खड़ी हो कर यह तय करने लगी कि किस घर में जाय खड़े होते ही जैसे उसके मर्यादा इरादे में कमचोरी आने लगी, जैसे उसके

”بھیا... کتاہیں مہیں لکھا ہے یہ دعا کہیں خالی نہیں جاتی... ضرور اثر لاتی ہے...“

”نہیں شکوہ“ نہیں... نوکری نہیں ملی... دعاؤں میں نوکری دلانے کی طاقت نہیں ہے، شکوہ، دعاؤں نے اثر نہیں... نوکری سناچ کے تھوکیداروں کے ہاتھ میں ہے اور دن رات وہ دعاؤں کرتے ہیں کہ اُن کا قبضہ جما دے... تم خالی دعاؤں کرتی ہو... خدا کو کچھ نذر نہیں کرتی ہو... وہ ملحد بتواتے ہیں، مسجد کھڑی کراتے ہیں، دان کرتے، مہیں حج کرتے ہیں، یاत्रا کرتے ہیں... وہ خوب دیتے ہیں... تم صرف لہذا چاہتی ہو... تمہاری دعا قبول ہو یا اُن کی دعا قبول ہو... تم ہی سوچو بہن...“

”تھیک کہتا ہوں بہن“ سلم کی نظریں جھک گئیں، دو آنسو شکوہ کے قدموں پر ٹھک پڑے .

موتی کے ان پیاؤں میں شکوہ نے سب کچھ دیکھ لیا . سلم کے من کی ویڈنا، اُس کی بھوک، اُس کی کمزوری، اُس کے دکھی بھاؤ... اُس نے نہ جانے کبھی اور کس ارادے سے کہا—

”بھیا، تم بھوکے ہوگے، مہیں ابھی روٹی لائی... ملے ہاتھ دھو ڈالو... مہیں ابھی روٹی لائی...“

”روٹی کہاں سے آئے گی شکوہ...“ سلم نے کہا .

”نہیں“ تم ملے دھو ڈالو... مہیں روٹی لا رہی ہوں...“ کہتی ہوئی وہ چوہے سے بھاگ کر دوسری کھر کی طرف چل دی. زور کے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اندر کھس گئی . کھیں روٹی نہیں تھی... چورا بھی نہیں تھا... وہ ہر برتن کی لاشی لیتی رہی، پر سب کوشش ویہل رہی. وہ جانتی تھی کہ کھر مہیں روٹی نہیں ہے... پھر اُس کے دماغ میں یہ ناک کھس آگیا... یہ ناک نہیں تھا شاید اُس کی لشتا تھی... پر روٹی کو نہیں ملتا تھا اور وہ نہیں ملی. شکوہ تراش ہوگئی . وہ آگے بڑھی اور پھر تھٹک گئی . بھائی سے اسے شرم آ رہی تھی، روٹی وہ پہنچا نہیں کر سکتی تھی...“

دن میں اُس نے کئی بار کوشش کی تھی . وہ بار بار دروازے تک جاتی تھی اور لوٹ آتی تھی . کھر سے طے کر کے جاتی تھی کہ بھوکوں مرنے سے اچھا ہے کہ محلے والوں سے مانگ لیا جائے پر باہر مریادا پھر پکڑ لیتی تھی . وہ کھر کے باہر قدم اٹھاتی تھی پر پھر اسے واپس لوٹ آنا پڑتا تھا . پر اس بار وہ کھر سے باہر نکل گئی . اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور کھپتی ہو کر یہ طے کرنے لگی کہ کس کھر میں جائے . کھڑے ہوئے ہی جیسے اُس کے مشیوٹ لڑکے مہیں کمزوری آئے لگی، جیسے اُس کے

ہو سکے !

بڑا کڑم باپس ہو گیا، وہ لڑت پڑی...ن جانے، کبھی، کسے، کس طرح پھر اس کا قدم باہر نکل گیا۔

پھر وہ لڑت پڑی۔

اس بارے میں اس نے من ہی من ایک فیصلہ کر لیا تھا اور منہ کے ہاڑ سے ایسا لگتا تھا کہ وہ باہر نکل جائے گی، اپنی منزل تک پہنچ کر رہے گی...پھر اسے پھر رک جانا پڑا، ٹھٹھک جانا پڑا...وہ کبھی لال ہو جاتی تھی، کبھی پھلی...کبھی دم اس نے چہرے پر دکھائی پونا تھا اور کبھی قصہ—کچھ دیر وہ دسمی دھن کھڑی رہی... ایک چوہت کا سہارا چہرے پر دوسری چوہت کا اس نے سہارا لیا۔

”آگے مان مریاوا کی لاش ہے...پیچھے بھوک کی موتناں نوچنے کو لڑی ہے...کدھر جاؤں...کھا کر...مان مریاوا...بھوک اور مان مریاوا!“

شکلیاں پھر لڑت پڑی۔

کمرے میں جا کر اس نے جاکر نماز پڑھا دی، کوران نکالا، پڑنے لگی۔ اس نے سنا تھا کہ کوران میں ہر شے کا ہل ہے، اس کو بتایا گیا تھا کوران پڑنے سے شانتی ملتی ہے...، وہ کوران پڑتی رہی...وہ سب کچھ بھول کر بھول کر کوران پڑنے کی کوشش کرتی رہی...آنکھوں پر پڑتی رہی...دماغ کوئی دوسرا جگہ کھینچتا رہا...فریبی، بھکاری...ماں...ماں کے کپڑے، اس کا بڑھاپا...بھائی... جوان شکل پر مردنی کی چھاپا...ہلسی کی جگہ اسو...چلچلتا ہی جگہ پھر وہیں کمزوری کی لڑکھاہٹ... بھکاری...کھر...کھر میں کچھ نہیں...کھالے کو کچھ نہیں... دو روز کا فاقہ...بھوک...مان...بھائی...اور وہ... وہ چہرے اٹھی، کوران کو زوروں سے بلند کر دیا، اٹھ کھڑی ہوئی، باہر نکل گئی۔

کسی نے کہا—”دعا کرو...شاید بھائی کو نوکری مل جائے...دل سے جو آہ نکلتی ہے، اتر دیتی ہے۔ تمہاری دعا شاید قبول ہو جائے...“

کسی نے کہا—”دعا کرو...شاید بھائی کو نوکری مل جائے...دل سے جو آہ نکلتی ہے، اتر دیتی ہے۔ تمہاری دعا شاید قبول ہو جائے...“

کسی نے کہا—”دعا کرو...شاید بھائی کو نوکری مل جائے...دل سے جو آہ نکلتی ہے، اتر دیتی ہے۔ تمہاری دعا شاید قبول ہو جائے...“

ہو سکے !

بھوکا کدھم واپس ہو گیا، وہ لڑت پڑی...ن جانے، کبھی، کسے، کس طرح پھر اس کا قدم باہر نکل گیا۔

اس بار اس نے من ہی من ایک فیصلہ کر لیا تھا اور منہ کے ہاڑ سے ایسا لگتا تھا کہ وہ باہر نکل جائے گی، اپنی منزل تک پہنچ کر رہے گی...پھر اسے پھر رک جانا پڑا، ٹھٹھک جانا پڑا...وہ کبھی لال ہو جاتی تھی، کبھی پھلی...کبھی دم اس نے چہرے پر دکھائی پونا تھا اور کبھی قصہ—کچھ دیر وہ دسمی دھن کھڑی رہی... ایک چوہت کا سہارا چہرے پر دوسری چوہت کا اس نے سہارا لیا۔

”آگے مان مریاوا کی لاش ہے...پیچھے بھوک کی موتناں نوچنے کو لڑی ہے...کدھر جاؤں...کھا کر...مان مریاوا...بھوک اور مان مریاوا!“

کمرے میں جا کر اس نے جاکر نماز پڑھا دی، کوران نکالا، پڑنے لگی۔ اس نے سنا تھا کہ کوران میں ہر شے کا ہل ہے، اس کو بتایا گیا تھا کوران پڑنے سے شانتی ملتی ہے...، وہ کوران پڑتی رہی...وہ سب کچھ بھول کر بھول کر کوران پڑنے کی کوشش کرتی رہی...آنکھوں پر پڑتی رہی...دماغ کوئی دوسرا جگہ کھینچتا رہا...فریبی، بھکاری...ماں...ماں کے کپڑے، اس کا بڑھاپا...بھائی... جوان شکل پر مردنی کی چھاپا...ہلسی کی جگہ اسو...چلچلتا ہی جگہ پھر وہیں کمزوری کی لڑکھاہٹ... بھکاری...کھر...کھر میں کچھ نہیں...کھالے کو کچھ نہیں... دو روز کا فاقہ...بھوک...مان...بھائی...اور وہ... وہ چہرے اٹھی، کوران کو زوروں سے بلند کر دیا، اٹھ کھڑی ہوئی، باہر نکل گئی۔

کسی نے کہا—”دعا کرو...شاید بھائی کو نوکری مل جائے...دل سے جو آہ نکلتی ہے، اتر دیتی ہے۔ تمہاری دعا شاید قبول ہو جائے...“

کسی نے کہا—”دعا کرو...شاید بھائی کو نوکری مل جائے...دل سے جو آہ نکلتی ہے، اتر دیتی ہے۔ تمہاری دعا شاید قبول ہو جائے...“

”نہی بےٹی، کوئی بات نہیں... سناؤن بھی آئے گا...
تو سناؤن بھی آئے گی... ہمارے بھی دن ملتے ہیں... پھر تو
بھلا دیکھو کہ...“ ماں نے شکیلا کے بالوں کو اٹھاتے ہوئے
کہا اور بھاڑ کے کہتی گئی۔ ”سلیم کو نوکری
پھر مل جائے گی... بس وہ نوکر ہوا نہیں، سب تھک ہو
جائے گا...“

”نوکری... اور وہ... انہیں نوکری مل ہی نہیں سکتی۔“

”بھائی کے بارے میں ایسے شک نہیں رکھتے بھتی۔“

”تھک کہتی ہوں ماں۔ نوکری انہیں ملتی ہے جو
کوشش کرتے ہیں...“

”کیا سناؤن غصہ کرتی ہے تو، اپنا دل بھی جلائی
ہے، سلیم کا دل بھی جلائی ہے... بے چارہ دن بھر تو کھینچتا
رہتا ہے۔ ہر ہر دھڑکن کی تو خاک چھینچتا ہے... پر قسمت
کو کھا کرے...“

”قسمت! قسمت! قسمت!!! ناچ نہ جانے
آنگن دے گا“ شکیلا نے جھنجھک کر جواب دیا۔

”قسمت نہیں تو اور کیا... سناؤن بچا ہی ہے۔ پاس
ہے، قابل ہے... پھر بھی نوکری نہیں ملتی... قسمت ہی
کا تو سب کھل ہے... تو کھا جائے زمانے کا رنگ ڈھلک...
کبھی باہر تو نکلتی نہیں ہے... مسلمانوں کو آجکل نوکری
نہیں ملتی... سلیم کا ہی کھا، سبھی مسلمانوں کا یہ
حال ہے...“

”ماں، میں نے کتنی بار تو تم سے کہا کہ سناؤن مسلمان
کی بات مت کیا کرو... تمہارے لڑکے کو کیا آتا ہے جو نوکری
مل جائے... نوکری کے لئے قابلیت ہی ضرورت ہے۔ خالی
ہی ہے۔ پاس کر لیتے سے کام نہیں چلتا... بھتی کو نہ آئے
نہ جائے اور ماں چلی ہے قسمت کو کوسنے، ہندوؤں کی
بھادنی بتائے... اس طرح سے اچھے نیکم ہیں تو نہیں چھوڑا
جاسکتا...“ شکیلا نے تلک آکر کہا اور ماں کی گود سے
اٹھ کر چل دی۔

ماں نے ایک ٹھاکا لگایا اور بولی—”پاگل کھئی
کی۔“

شکیلا ایک لمبا پکڑ کر کھڑی ہو گئی، اپنی
لٹوں کو اٹھائیوں سے اٹھاتی رہی، دیر دیر سے
اپنے سر کو دھرتی رہی۔ پھر نہ جانے اسے کیا سوجھا
اور وہ دروازے کی طرف چل دی۔

قدم آگے بڑھے جگہ جگہ کی رک گئی۔
ایک قدم دروازے کے باہر آیا اور دوسرا دروازے
کے اندر، نہ باہر والا اندر آیا رہا یا اور نہ اندر
والا باہر جا رہا تھا۔

وہ کھڑی رہی اور سوچتی رہی۔

”نہیں بھتی، کوئی بات نہیں... سناؤن بھی آئے گا...
تو سناؤن بھی آئے گی... ہمارے بھی دن ملتے ہیں... پھر تو
بھلا دیکھو کہ...“ ماں نے شکیلا کے بالوں کو اٹھاتے ہوئے
کہا اور بھاڑ کے کہتی گئی۔ ”سلیم کو نوکری
پھر مل جائے گی... بس وہ نوکر ہوا نہیں، سب تھک ہو
جائے گا...“

”نوکری... اور وہ... انہیں نوکری مل ہی نہیں سکتی۔“

”بھائی کے بارے میں ایسے شک نہیں رکھتے بھتی۔“

”تھک کہتی ہوں ماں۔ نوکری انہیں ملتی ہے جو

کوشش کرتے ہیں...“

”کیا سناؤن غصہ کرتی ہے تو، اپنا دل بھی جلائی
ہے، سلیم کا دل بھی جلائی ہے... بے چارہ دن بھر تو کھینچتا
رہتا ہے۔ ہر ہر دھڑکن کی تو خاک چھینچتا ہے... پر قسمت
کو کھا کرے...“

”قسمت! قسمت! قسمت!!! ناچ نہ جانے
آنگن دے گا“ شکیلا نے جھنجھک کر جواب دیا۔

”قسمت نہیں تو اور کیا... سناؤن بچا ہی ہے۔ پاس
ہے، قابل ہے... پھر بھی نوکری نہیں ملتی... قسمت ہی
کا تو سب کھل ہے... تو کھا جائے زمانے کا رنگ ڈھلک...
کبھی باہر تو نکلتی نہیں ہے... مسلمانوں کو آجکل نوکری
نہیں ملتی... سلیم کا ہی کھا، سبھی مسلمانوں کا یہ
حال ہے...“

”ماں، میں نے کتنی بار تم سے کہا کہ سناؤن مسلمان
کی بات مت کیا کرو... تمہارے لڑکے کو کیا آتا ہے جو نوکری
مل جائے... نوکری کے لئے قابلیت ہی ضرورت ہے۔ خالی
ہی ہے۔ پاس کر لیتے سے کام نہیں چلتا... بھتی کو نہ آئے
نہ جائے اور ماں چلی ہے قسمت کو کوسنے، ہندوؤں کی
بھادنی بتائے... اس طرح سے اچھے نیکم ہیں تو نہیں چھوڑا
جاسکتا...“ شکیلا نے تلک آکر کہا اور ماں کی گود سے
اٹھ کر چل دی۔

ماں نے ایک ٹھاکا لگایا اور بولی—”پاگل کھئی
کی۔“

قدم آگے بڑھے جگہ جگہ کی رک گئی۔
ایک قدم دروازے کے باہر تھا اور دوسرا دروازے کے اندر
تھا باہر والا اندر آ رہا تھا اور نہ اندر والا باہر جا رہا تھا۔
وہ کھڑی رہی اور سوچتی رہی۔

بار سنا، دو بار سنا...مُنگلا جڑی، چارپائی سے اچھل پڑی، پوری طاقت سے چلنے لگا کر اس نے کہا—

“کچا ہے! کھو نہ، کچا ہے۔”

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

“شکیلا!” फिर किसी ने आवाज दी.

مُنگلا جڑی سے شکیلا جमीن پر کھڑ پڑی۔ پیر پٹکے اور گاسے سے بھری اس طرف چل دی جیہر سے آواہن آ رہی تھی۔ اسکی چال میں بے گناہی تھی، تھوڑی تھی، خون کا پھیلاؤ تھا، سارے شریر میں گاسا تھا۔ جاتے جاتے اس نے فریاد—

“شکیلا !”

شکیلا نے کوئی جواب نہیں دیا، تھوڑی سے بے بسی سے آواز آئی— “کھو نہ، کچا ہے۔” پر یہ بات کہتے ہی اس نے گاسا نہیں دھو رہا تھا، اس نے تھوڑی سی بات کہی تھی۔ وہ بڑھاپے کے چہرے کو دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر نظر جمائے تھے۔

“ماں، تو دھڑا باغ لے کر اندر کمرے میں جا کر بیٹ جاؤ۔ میں تمہارے کپڑے دھو دوں۔ بہت کدے ہوئے ہوں۔ ایک تو ایسے ہی بہت صاف دھو رہی ہو۔ دوسرے بڑھاپے کے اور کدے پھیلتے دھو رہی ہو... چھو چھو... کرتے پر کچا پھل پڑے ہوئے ہیں...” شکیلا نے بڑھاپے کے ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

“بہتی کئی دن سے تمہا کو نہیں ملی، من نکالو ہے۔”

“تمہا کو !” شکیلا نے ٹنڈی ساںس بڑھاتے ہوئے کہا۔

ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آیا۔ اس نے بہتی کے سر کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ شکیلا نے بڑھاپے کے ہاتھوں کا بیرونی نہیں کیا۔ اس نے اسے اپنی جاگوں پر لٹا لیا اور تھپتھپانے لگی۔

“پگالی، افسوس کرتی ہے... اس میں دُکھی ہونے کی کچا بات ہے۔ یہ تو کسमत کا کھیل ہے... کبھی بھی غنا .. کبھی مڈھی بھر جانا۔” ماں غیری غیری کہتی رہی۔

شکیلا چپ رہی، شانت رہی۔

ماں نے फिर کہا— “تو بھی کچا کھو ہے۔ ماں کو تمہا کو تو کھانا نہیں کھاتی... پر کھانا کی فکر ہے۔ کھانا تو کھانا تو کھانا... سونے میں کھانا ہے، کھانا کھانا ہے... پر کھانا کھانا ہے... کھانا کھانا ہے... کھانا کھانا ہے...”

“کھانا !” شکیلا نے फिर ایسی ساںس لی جیسے اس کے دل کو زبردستی دھکا لگا ہو۔

ماں نے دوبار سنا... جھنجھلاہٹ سے چارپائی سے اچھل پڑی، پوری طاقت سے چلنے لگا کر اس نے کہا—

“کچا ہے! کھو نہ، کچا ہے۔”

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

“شکیلا!” फिर کسی نے آواز دی.

جھنجھلاہٹ سے شکیلا زمین پر کود پڑی۔ پیر پٹکے اور گاسے سے بھری اس طرف چل دی جیہر سے آواز آ رہی تھی۔ اس کی چال میں بے گناہی تھی، تھوڑی تھی، خون کا پھیلاؤ تھا، سارے شریر میں گاسا تھا۔ جاتے جاتے اس نے فریاد—

“شکیلا !”

شکیلا نے کوئی جواب نہیں دیا، تھوڑی سے بے بسی سے آواز آئی— “کھو نہ، کچا ہے۔” پر یہ بات کہتے ہی اس نے گاسا نہیں دھو رہا تھا، اس نے تھوڑی سی بات کہی تھی۔ وہ بڑھاپے کے چہرے کو دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر نظر جمائے تھے۔

“ماں، تم قہقہے باندھ لو اور اندر کمرے میں جا کر بیٹ جاؤ۔ میں تمہارے کپڑے دھو دوں۔ بہت کدے ہوئے ہوں۔ ایک تو ایسے ہی بہت صاف دھو رہی ہو۔ دوسرے بڑھاپے کے اور کدے پھیلتے دھو رہی ہو... چھو چھو... کرتے پر کچا پھل پڑے ہوئے ہیں...” شکیلا نے بڑھاپے کے ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

“بہتی کئی دن سے تمہا کو نہیں ملی، من نکالو ہے۔”

“تمہا کو !” شکیلا نے تھوڑی ساںس بڑھاتے ہوئے کہا۔

ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آیا۔ اس نے بہتی کے سر کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ شکیلا نے بڑھاپے کے ہاتھوں کا بیرونی نہیں کیا۔ اس نے اسے اپنی جاگوں پر لٹا لیا اور تھپتھپانے لگی۔

“پگالی، افسوس کرتی ہے... اس میں دُکھی ہونے کی کچا بات ہے۔ یہ تو کسमत کا کھیل ہے... کبھی بھی غنا .. کبھی مڈھی بھر جانا۔” ماں غیری غیری کہتی رہی۔

ماں نے फिर کہا— “تو بھی کچا کھو ہے۔ ماں کو تمہا کو تو کھانا نہیں کھاتی... پر کھانا کی فکر ہے۔ کھانا تو کھانا تو کھانا... سونے میں کھانا ہے، کھانا کھانا ہے... پر کھانا کھانا ہے... کھانا کھانا ہے... کھانا کھانا ہے...”

“کھانا !” شکیلا نے फिर ایسی ساںس لی جیسے اس کے دل کو زبردستی دھکا لگا ہو۔

دو بھوکے !

فصلانہ کے اچھے ہوئے قدم رک ٹٹے .

اُس نے سوچا کہ وہ اندر لوٹ جائے... پر وہ کھڑی رہی۔
اُس نے سوچا کہ آگے بڑھ جائے... پر وہ رکی رہی۔

نہ وہ پہچانے آسکی نہ اُسکی چاسکی .

ایک جگہ، ایک پوز ہے، ایک منبر، میں تو یہی وہ کہتی
 رہی، سوچتی رہی، اچھے سے لڑتی رہی۔

وہ کھوئی کھوئی سی تھی، پھر بھی اُس میں جانگزن تھا۔ وچاروں کا سمندر تھا، انھوں مار رہا تھا اور وہ اُس میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ پھر بھی اُس میں کچھ چھٹکتا باقی تھی۔ دماغ اور دل کے ہر سوال کا وہ جواب دینے کی کوشش کرتی تھی، ہر طرح سے سادھان کرنے کا پریچن کر رہی تھی۔

سکندریوں کی جگہ ملنگوں بہت کثرت پر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ وہ سوچتی تھی اور سمجھا جتن سے جتن تو ہوتی تھی۔ پھر نہ جانے کہا بات اس کے دماغ میں گونج گئی۔ نہ جانے کس نے اس کو آدھیں دیا۔ وہ لوٹ پڑی۔ اندر جانے لگی۔ رنگ بدلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں لالی، گالوں پر سرخی، لٹات کی نسمیں کسی ہوئی، پورے بدن میں ایک صفائی، کمر ملتا کی جگہ ایک نفاذ۔ وہ گھر کے اندر گھس رہی تھی، انگلیوں سے ہوا میں کچھ شکلوں بھاتی تھی، ہوسٹ ملانی تھی، کچھ کہتی تھی۔

تھپی سے شکملہ ایک کمرے میں ٹھہری اور دھڑام سے
ہستر پر گر گئی۔ اُس نے تھکے میں ملے کڑا دیا اور منہ سے
زور زور سے سانس لے لے لگی۔ کبھی کبھی سسکی بھرنے کی
بھوی کوشش کی، پر وہل دھئی۔ آندو بھی اُس سے چھن گئے
تھے، ٹھسے روپا جاتا ہے اُس کی ایک دھندھلی سی یاد
اُس کے دماغ میں ہالتی تھی... پر وہ دو نہیں سکتی تھی۔
کچھ دیر بعد اُس نے کروٹ بدلی اور چت لہٹ گئی...
پر کوئی فائدہ نہیں ہوا... وہی وچار، وہی چلتا... سب
کچھ وہی۔ اُس نے چہمت پر آنکھیں کڑا دیں—سوچتی
رہی، منہ سے سانس لیتی رہی، ہاتھوں سے منہ پر مالش
کرتی رہی۔

”شکستہ“ ایک مدھم سی آواز اُس کے کان میں گئی
پھر اُس نے اُس پر دھھان نہیوں دیا۔
”شکستہ“ پھر وہی آواز آئی۔

”شعبد“ پھر وہی آواز آئی ۔

کہنہار، کہانسی، کلمے کی کھر کھراہٹ اور انہوں پر سوری
 قالوں کے بوجھ شکیلہ، شکیلہ کی رت، شکیلہ نے ایک

گھر والوں، شیشوں اور منوہیجانیوں کے پاس دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔

گھروں، گھٹکوں اور منوہیجانیوں کے پاس دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔

ہم اپنا دل اور مستک کبھی نہیں دٹولتے، ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ یہ نکر دھرم جو اس بالک میں جگہ پا گیا ہے، یہ سب کا سب ہماری دین ہے۔ مار گریٹ سٹریٹ-سٹریٹ نامی ایک مانوس شہر رچنا شاخو نے ایک بار نیوگیانی میں رہنے والے ایک کلبیلے کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے بچے کو کوئی کام کرنے سے نہیں روکتے، جب تک کہ وہ سات برس کا نہ ہو جائے اور یہ کہتا ہے کہ اسے بالک سب کے سب دنگلی اور اسٹاکاوی تو ہوتے ہیں، انہیں آگے بڑھنے کے لئے ہمارے ممبر بن جاتے ہیں، خوب ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ماں باپ کا کہنا تو مانتے ہی ہیں۔ اس کا یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ سب لوگ اپنے بچوں کو جنگلی جانوروں کی طرح چھوڑ دیں، میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ لوگ بچوں کی قدر کرنا سمجھیں کہونکہ ہر بچہ یہ جانتا ہے کہ اسکی بھلائی کے لئے کھا کھا کام ضروری ہیں اور انکی ہی اچھی طرح جانتا ہے جنگلی اچھی طرح ہم۔

ہم اپنا دل اور مستک کبھی نہیں دٹولتے، ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ یہ نکر دھرم جو اس بالک میں جگہ پا گیا ہے، یہ سب کا سب ہماری دین ہے۔ مار گریٹ سٹریٹ-سٹریٹ نامی ایک مانوس شہر رچنا شاخو نے ایک بار نیوگیانی میں رہنے والے ایک کلبیلے کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے بچے کو کوئی کام کرنے سے نہیں روکتے، جب تک کہ وہ سات برس کا نہ ہو جائے اور یہ کہتا ہے کہ اسے بالک سب کے سب دنگلی اور اسٹاکاوی تو ہوتے ہیں، انہیں آگے بڑھنے کے لئے ہمارے ممبر بن جاتے ہیں، خوب ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ماں باپ کا کہنا تو مانتے ہی ہیں۔ اس کا یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ سب لوگ اپنے بچوں کو جنگلی جانوروں کی طرح چھوڑ دیں، میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ لوگ بچوں کی قدر کرنا سمجھیں کہونکہ ہر بچہ یہ جانتا ہے کہ اسکی بھلائی کے لئے کھا کھا کام ضروری ہیں اور انکی ہی اچھی طرح جانتا ہے جنگلی اچھی طرح ہم۔

جب بچہ بھوک سے روتا ہے تو وہ سچے جی سے روتا ہے، بالکل سچے جی سے، اس میں ذرا بھی بہانے باری نہیں ہوتی۔ عام طور سے بچوں کا پیٹ دو گھنٹے میں خالی ہو جاتا ہے، ان کا پیٹ سکڑے لگتا ہے اور ایلٹھم لگتا ہے۔ ایک دن کے بچے کے پیٹ کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ بچہ خوب سمجھتا ہے کہ ان کی بھلائی کس میں ہے۔ جون ہسپتال میں ڈاکٹر کلہس دیکھنے لے ایک پریکٹس کر کے دیکھا، چھوٹے چھوٹے بچوں کے پاس طرح طرح کی چھڑوں کا رس لگا کر کچھ چھٹے رکھ دیئے گئے اور ان کو چھٹے کے لئے بچوں کو آزاد چھوڑ دیا تھا، وہ چاہے جس کو چاہیں اور چاہے جتنا چاہیں۔ ایک نے کانہ اور آنل چائنا، مہتم کو چھوٹا نک نہیں، ایک نے نمک ہی نمک چائنا، وہ ملہ بھی بلانا رہا اور نمک چائنا بھی رہا، اصل میں اس کے بدن کو نمک کی ضرورت تھی۔

جب بچہ بھوک سے روتا ہے تو وہ سچے جی سے روتا ہے، بالکل سچے جی سے، اس میں ذرا بھی بہانے باری نہیں ہوتی۔ عام طور سے بچوں کا پیٹ دو گھنٹے میں خالی ہو جاتا ہے، ان کا پیٹ سکڑے لگتا ہے اور ایلٹھم لگتا ہے۔ ایک دن کے بچے کے پیٹ کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ بچہ خوب سمجھتا ہے کہ ان کی بھلائی کس میں ہے۔ جون ہسپتال میں ڈاکٹر کلہس دیکھنے لے ایک پریکٹس کر کے دیکھا، چھوٹے چھوٹے بچوں کے پاس طرح طرح کی چھڑوں کا رس لگا کر کچھ چھٹے رکھ دیئے گئے اور ان کو چھٹے کے لئے بچوں کو آزاد چھوڑ دیا تھا، وہ چاہے جس کو چاہیں اور چاہے جتنا چاہیں۔ ایک نے کانہ اور آنل چائنا، مہتم کو چھوٹا نک نہیں، ایک نے نمک ہی نمک چائنا، وہ ملہ بھی بلانا رہا اور نمک چائنا بھی رہا، اصل میں اس کے بدن کو نمک کی ضرورت تھی۔

بس اگر آپ اپنے بچے کو بیمار کرتے ہیں تو آپ اس طرح ایک دو آنت بائیں سے کام لےجئے، آپ اپنے بچے کا آدرا لےجئے اور اسے سمجھئے کہ وہ بھی ایک ویکتی ہے، اسکی اپنی ضرورتوں ہیں، اس کے اپنے ادھکار ہیں۔ ہو سکتا ہے اس پر عمل کرنے سے نگروں اور شہروں میں صاف کمرے دیکھئے تو یہ ملہیں پر آپ کو اول درجے کے بچے ضرور دیکھئے تو ملہنگے اور آنت میں اچھے ناگرک۔

بس اگر آپ اپنے بچے کو بیمار کرتے ہیں تو آپ اس طرح ایک دو آنت بائیں سے کام لےجئے، آپ اپنے بچے کا آدرا لےجئے اور اسے سمجھئے کہ وہ بھی ایک ویکتی ہے، اسکی اپنی ضرورتوں ہیں، اس کے اپنے ادھکار ہیں۔ ہو سکتا ہے اس پر عمل کرنے سے نگروں اور شہروں میں صاف کمرے دیکھئے تو یہ ملہیں پر آپ کو اول درجے کے بچے ضرور دیکھئے تو ملہنگے اور آنت میں اچھے ناگرک۔

— بھگوان دین

— بھگوان دین

دائے نہیں، عیسوی بدل پورسن گی یہ جسکو انہیں نے
نہریارک کے اخبار 'ہیرلڈ ٹریبون' میں چھاپا تھا۔

येल के डाक्टर आरनोल्ड जोसेल ने हमें यह बताया है कि मानव प्राणी को काम करने के लिये प्रकृति ने एक पट्टी तैयार कर के दे दी है बस मानव प्राणी की उन्नति ठीक उसी के मुताबिक होती है। जब दांत निकलने लगते हैं, तो ठोड़ी आगे होने लगती है, जबड़े मजबूत होने लगते हैं, पाश्चन शक्ति बढ़ जाती है। और बच्चा अब सख्त चीज खाने को तैयार हो जाता है। पुष्टों के लिहाज से नये बच्चे के पुष्टे बचने के लिये काफी मजबूत होते हैं, आप सहारा दीजिये, वह बर्बद आगे पीछे करेगा ! हमारी बात को अपने बच्चे पर आजमा कर देख लीजिये, बच्चा अपने आप तो यों नहीं चल जाता कि उसको समतुलन नहीं आता। आप में बर्द-सिक्का चलाने की ताकत है, कोई पकड़ ले तो चला भी देंगे, पर समतुलन न जानने से आप एक क्रदम चल कर ही साइकिल से गिर पड़ते हैं। समतुलन सीखने पर बच्चा चलने लगता है। उसके तन और मस्तक की दूसरी क्रियाओं का भी यही हाल है। उन सब का वक्त नियत है। जब वह वक्त आता है, बच्चे को वह सब आ जाती है।

हम चाहते तो यह थे कि हम यहीं कलम रोक दें पर नतीजा निकाले बिना ऐसा कैसे करें. यों समझ लीजिये ऊपर की बातों से हमें यह नसीहत मिलती है:

हमारा बच्चा हमें अक्षरज में डालने वाला होता है, और एक ऐसा प्राणी होता है जो बहादुर होता है, सक्त होता है, और हमारी सहकारी होता है। वह तैयार होकर जाता है और हमारे साथ मिल कर काम करने के लिये उत्सुक होता है। इस में शक नहीं हम उसका खुशी से स्वागत करते हैं, उसे प्यार करते हैं, पर न जाने क्यों हम अपने प्यार के साथ पुरानी कड़ावत जोड़े हुए हैं “बच्चों को पालने में ही पकड़ना चाहिये और उनके साथ सख्ती से बर्ताव करना चाहिये।”

बच्चों के साथ हमारा बर्ताव, बहुत हद तक, नकारात्मक होता है। हम अपने सुभीते के लिये आज की इस द्वािायत को एक वम मुला बैठते हैं जो यह कहती है, “बच्चों को अपनी सरजी पर ही छोड़ा जाय” बच्चा भूका है तो हम कहेंगे, ‘नहीं’, बच्चा मुतासा है, हम कहेंगे, ‘नहीं’, बच्चा थकासा है, हम कहेंगे, ‘नहीं’। बच्चा कहता है, ‘नहीं’, तो हम कहते हैं, ‘हां’। वह खाना नहीं चाहता, हम खिलाते हैं, हम वह खिलाता चाहते हैं जो वह नहीं खाना चाहता। बच्चा खाने के लिए तैयार नहीं, हम उसे नहलाते हैं। हम बच्चे से बच्चे हैं, मजबूत हैं, हमारी चलती है, उसकी नहीं। और और अब वह बड़ा होकर उस काम के करने से इन्कार करने लगता है जिसे हम उसे करने को कहते हैं, तब हम

پل کے ڈاکٹر آرٹور جوسل نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ
سانو پروانی کو کام کرنے کے لئے پروکری نے ایک بقی تیار
کونکے ہم دی ہے جس سانو پروانی کی اتنی تھپک اسی کے
مطابق ہوتی ہے۔ جب دانسی نکلنے لگتے ہوں تو تھوڑی
لگے ہوئے لگتی ہے، چوروہ مضبوط ہونے لگتے ہوں، پانچوں
پھکتی بوم جاتی ہے، اور پچھہ آپ مضبوط چوروہ کھانے کو
تیار ہو جاتا ہے۔ پچھوں کے لحاظ سے نئے پچھہ کے پتھر
چلنے کے لئے کافی مضبوط ہوتے ہوں، آپ سہارا دیتے ہیں،
وہ پلاؤں آگے پچھہ کریگا، ہماری ہڈی کو آپ پچھہ پر آگے
کو دیکھ لیتے ہیں، پچھہ آپ تو میں نہیں چل پاتا کہ
اُس کو سنبھالیں نہیں آتا۔ آپ میں ہائیکل چلانے کی
طاقت ہے، کوئی پکڑ لے تو چلا بھی لیتے، پورے سنبھالیں
تو جاننے سے آپ ایک قدم چل کر ہی سانبھال سے کر
پوتے ہوں۔ سنبھالیں سنبھالے پورے پچھہ چلنے لگتا ہے۔ اُس کے
نئی اور مستحکم کی دوسری کڑیاں کا بھی یہی حال ہے۔
اُن سب کا وقت نہیں ہے۔ جب وہ وقت آتا ہے، پچھہ
کو وہ سب آ جاتی ہے۔

ہم چاہتے تو یہ تھے کہ ہم یہیں قلم درک میں پر
نعمتہ نکالے بلا ایسا کہہ سکتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے اور
کی باتوں سے ہمیں یہ نصیحت ملتی ہے :

ہمارا بچہ ہمیں اچھ سے ڈالنے والا ہوتا ہے، اور، ایک ایسا پرانی ہوتا ہے جو بہادر ہوتا ہے، سخت ہوتا ہے، اور ہمارا سہارا ہوتا ہے۔ وہ تعاد ہو کر آتا ہے اور ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے آتسک ہوتا ہے۔ اس سے شک نہیں، ہم اس کا خوشی سے سواکت کرتے ہوں، اے یہاں کوئے ہوں، پر نہ جالے کہوں ہم لیے یہاں کے ساتھ پرانی کہاتو چوڑے ہوئے ہوں، "بچوں کو پالنے میں ہی پکونا چاہئے اور ان کے ساتھ سکتی سے بہناؤ کرنا چاہئے۔"

بچوں کے ساتھ ہمارا ہونا، بہت حد تک، نکوائنگا ہوتا ہے۔ ہم آپ سے ہوتے ہیں جو یہ کہتی ہے، ”بچوں کو اپنی سرکشی پر ہی چھوڑا جائے۔“ بچہ ہوتا ہے، تو ہم کہیں گے، ”تمہیں بچہ متاسا ہے، ہم کہیں گے، ”تمہیں بچہ پھاسا ہے، ہم کہیں گے، ”تمہیں بچہ کہتا ہے، ”تمہیں تو ہم کہتے ہیں، ”وہاں، وہ کہانا نہیں چاہتا، ہم کہتے ہیں، ”ہم وہ کہانا چاہتے ہیں جو وہ نہیں کہانا چاہتا۔ بچہ نہانے کے لئے تیار نہیں، ہم اسے نہاتے ہیں۔ ہم بچے سے بڑے ہیں، مشروط ہوں، ”ملاؤں چلتی ہے، اُسکی نہیں۔“ پور جب وہ بڑا ہو کر اُس کام کے کوٹے سے انکار کوٹے لگتا ہے، ”جیسے ہم اسے کوٹے کو کہتے ہیں، ”تپ ہم

ڈاکٹر شیخو ناہام گارڈر جو نیویارک میں بालک
 ویجائن کا شاہی ہے اسکا کہنا ہے کہ بालک کا جاتا
 رہنا ایک بڑا باری بامرکار ہے۔

بچا دھ کا سخت ہوتا ہے، اتنا ہی نہیں، وہ کونیج
 اور تھ ہوتا ہے، اور بہت ہوشیار ہوتا ہے۔ اسے کیا
 باہیہ، یہ وہ خوب سمجھتا ہے، اور جو چاہے وہ کہے ملتا، یہ
 بھی خوب جانتا ہے۔ دنیا کے لوگوں سے بدوہار کرنے کے لئے
 اس کے پاس دو زبردست آواز ہوں—ایک کا نام ہے
 مسکن، دوسرے کا نام ہے، مسکن۔ مسکن کے وقت وہ اچے چہرے
 کے ہتھوں سے کام لیتا ہے۔ بालک دوسروں کے چہرے کی
 مسکن پڑھ لیتا بہت جلدی سمجھ جاتا ہے۔ 'مسکن' نامی
 سماجی سکے کی قدر اس کو سب سے پہلے اور بہت جلدی
 آ جاتی ہے۔ اس سکے میں لہن دین کرنا وہ انلی جلدی
 سمجھ جاتا ہے، جسے دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبانی
 پڑتی ہے، فوراً اسکو موزہ پہنانے اور جوتا پہنانے جیسے ہی
 آپ تسمہ کس کر فارغ ہونگے وہ چٹ آپ کی مصلحت
 کے دام چکا دیتا، پہلی مسکرا دیتا۔ اڈھار دھلنا وہ جانتا
 ہی نہیں۔ وہ لب تہائی ہوتی ہے، ایسور کی طرح ہر
 وقت دھلنا کے کام میں لگا رہتا ہے۔ ابھی بلیہ دھا ہے
 لہجے بھاڑنے لگتا! وہ بے مطلب کہوں نہیں دونا، اس
 کا دھڑلہ اس کے دفتر ہی کھلتی ہے۔ اس کا مطلب ہے
 اسلی یا بابا میں سے کوئی یا دونوں جلدی دور کر او، اور
 خالی ہالہ نہیں، ساتھ میں کھانا لو، سوکے کھڑے لو
 اور یہ اشارہ تو ہے ہی کہ ہوشیہ ان کی آواز پر چست
 چالاک رہو۔

ڈاکٹر لی اونا ہام گارڈر جو نیویارک میں بالک
 ویجائن ہے اس کا کہنا ہے کہ بालک کا چمکا رہنا ایک
 بڑا باری چمکار ہے۔

بچہ دھ کا سخت ہوتا ہے، اتنا ہی نہیں، وہ کونیج
 اور تھ ہوتا ہے، اور بہت ہوشیار ہوتا ہے۔ اسے کیا
 باہیہ، یہ وہ خوب سمجھتا ہے، اور جو چاہے وہ کہے ملتا، یہ
 بھی خوب جانتا ہے۔ دنیا کے لوگوں سے بدوہار کرنے کے لئے
 اس کے پاس دو زبردست آواز ہوں—ایک کا نام ہے
 مسکن، دوسرے کا نام ہے، مسکن۔ مسکن کے وقت وہ اچے چہرے
 کے ہتھوں سے کام لیتا ہے۔ بालک دوسروں کے چہرے کی
 مسکن پڑھ لیتا بہت جلدی سمجھ جاتا ہے۔ 'مسکن' نامی
 سماجی سکے کی قدر اس کو سب سے پہلے اور بہت جلدی
 آ جاتی ہے۔ اس سکے میں لہن دین کرنا وہ انلی جلدی
 سمجھ جاتا ہے، جسے دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبانی
 پڑتی ہے، فوراً اسکو موزہ پہنانے اور جوتا پہنانے جیسے ہی
 آپ تسمہ کس کر فارغ ہونگے وہ چٹ آپ کی مصلحت
 کے دام چکا دیتا، پہلی مسکرا دیتا۔ اڈھار دھلنا وہ جانتا
 ہی نہیں۔ وہ لب تہائی ہوتی ہے، ایسور کی طرح ہر
 وقت دھلنا کے کام میں لگا رہتا ہے۔ ابھی بلیہ دھا ہے
 لہجے بھاڑنے لگتا! وہ بے مطلب کہوں نہیں دونا، اس
 کا دھڑلہ اس کے دفتر ہی کھلتی ہے۔ اس کا مطلب ہے
 اسلی یا بابا میں سے کوئی یا دونوں جلدی دور کر او، اور
 خالی ہالہ نہیں، ساتھ میں کھانا لو، سوکے کھڑے لو
 اور یہ اشارہ تو ہے ہی کہ ہوشیہ ان کی آواز پر چست
 چالاک رہو۔

بچا کس تہی سے مسکن اور سوکے کی تارکوں کا
 پتا لگا لیتا ہے، یہی اس بات کا سبوت ہے کہ وہ
 سیکھنے کی کیتنی یوگیتا لےکر پیدا ہوا ہے۔ سال भर
 میں ایک मामूली बचा कम से कम एक दर्जन नई नई कलाएं
 इतनी तेजी से सीख लेता है जितनी तेजी किसी आदमी
 को नसीब नहीं! घुटनों चलना सीख जाता है, खड़ा होना
 सीख लेता है, बैठना आ जाता है और दो चार क्रदम
 चलना भी आ जाता है. दो बरस का होते होते बोलना
 सीख लेता है. बाप की पहचान जाता है, मां का पहचान
 जाता है, आई बहिन, अड़ोसी पड़ोसी और वसियों रिशतों
 से जान पहचान कर लेता है. इसके बाद तो जो कुछ वह
 सीखता है वह उसी सीख की मंजाई होती है जो उसने
 दो बरस में सीखी होती है. बुनियादी ज्ञान पहले ही से
 उसमें मौजूद रहता है.

بچہ کس تہی سے مسکن اور سوکے کی طاقوں کا
 پتہ لگا لیتا ہے، یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ
 سیکھنے کی کیتنی یوگیتا لے کر پیدا ہوا ہے۔ سال भर
 میں ایک मामूली बचा कम से कम एक दर्जन नई नई कलाएं
 इतनी तेजी से सीख लेता है जितनी तेजी किसी आदमी
 को नसीब नहीं! घुटनों चलना सीख जाता है, खड़ा होना
 सीख लेता है, बैठना आ जाता है और दो चार क्रदम
 चलना भी आ जाता है. दो बरस का होते होते बोलना
 सीख लेता है. बाप की पहचान जाता है, मां का पहचान
 जाता है, आई बहिन, अड़ोसी पड़ोसी और वसियों रिशतों
 से जान पहचान कर लेता है. इसके बाद तो जो कुछ वह
 सीखता है वह उसी सीख की मंजाई होती है जो उसने
 दो बरस में सीखी होती है. बुनियादी ज्ञान पहले ही से
 उसमें मौजूद रहता है.

एक बचा साल भर में जितना सीख लेता है उसना
 अगर कोई बचा सीख सकता होता तो वह दुनिया में सबसे
 बड़े बुद्धिमान के नाम से मशहूर हो गया होता. वह हमारी

ایک بچہ سال भर میں جتنا سیکھ لیتا ہے اتنا
 اگر کوئی بچہ سیکھ سکتا ہوتا تو وہ دنیا میں سب سے بڑے
 بڑی مہی کے نام سے مشہور ہو جاتا۔ یہ ہماری

کو کہی و کام نہیں ہو سکتا کہونکہ وہ کافی مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی وہ اس سے بچا رہ سکتا ہے۔ اور بچا رہتا پایا گیا ہے۔ گھر پھر کھانسی رہا ہے، چھینک رہا ہے، بچہ مسرت ہے اگر کچھ ہو ہی گیا تو بڑوں سے بہت کم۔

زہر موروے اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔
اچھے زہر موروے باہر ہی اثر سے آدمی کو بچائے رکھتے ہیں،
برے زہر موروے سستی پیدا کرتے ہیں۔ ہمارا اچرچوس سے
بہرا بچہ صرف اچھے زہر موروے لے کر ہی پیدا ہوتا ہے۔
ایک قانونگر جو ہارورڈ یونیورسٹی میں بال و گھان کے شاستری
مانے جاتے ہیں، وہ تو یہ بات دیکھکر ایک دم اچھل پڑے
تھے، پڑ بولے یہی کہ یہ کوئی ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتا
کہ پرکرتی نے اس معاملے میں بچے کو ہی ایسا خواہی
قسمت کیوں بنایا ہے۔

بچہ کی سب سے بڑی ہولناکی یہ ہے کہ گریہناشہ کے چہرے کے دوسرے چہن ہی وہ اچھ آپ کو اُن حالتوں کے - واقف بنا لیتا ہے، جن میں وہ اُن سے پہلے کبھی نہیں دھا تھا۔ گریہناشہ میں تو وہ مہملوں ایسی چہروں میں لہتا رہتا ہے جن کی مدد سے اُسے کسی طرح کا دھکا نہیں لگ سکتا۔ وہاں دنیا کا شور سناٹی نہیں دیتا، نہ سردی گرمی پہنچ پاتی ہے۔ وہ نزل یعنی دس، جس میں وہ قریبا رہتا ہے، اور ماں کے پیمت کی دیوار، جس سے وہ گھرا رہتا ہے، وہاں باہری دنیا کی ہوا تک نہیں پہنچ پاتی۔ ماں کے پیمت میں بچہ جس جگہ رہتا ہے وہ اِنٹی گڈکسی اور لچکدار ہوتی ہے کہ ماں اُکڑ کر پڑے تو بچہ کو دھکا نہیں لگتا۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ماں کے پیمت میں کسی نے لٹ مار ہی ہے، پر بچہ کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔

اور پھر بے وقت پہنچے صاحبِ مہن کہ پیدا ہو بیٹھے!
کس سرشتی کرمی سے محفوظ کوٹھری میں آپ بیٹھے تھے!
اور جب اندھیری آجالی، تھلنی گرم دنیا میں آگودے!
کہیں ہوا کے چھونکے میں کہیں شور شرابا ہے اور کہیں
کچھ! کتنی مزے دار تھی ماں کے پیٹ کی کوٹھری جہاں
بے ماتکے کھانا ملتا تھا۔ یہ کوسی دنیا، جہاں کھانے کی
کھوج اچھے آپ کرنی پڑے! تھنی اچھی تھی ماں کے
پیٹ کی کوٹھری، جہاں بچہ پانی میں اُترانا پوا دھتا
تھا! کتنی خراب ہے یہ باہر کی دنیا جہاں بستر پر
لوٹنا پوتا ہے! بستر وہ کتنا ہی ملائم کہیں نہ ہو ماں کے
پیٹ کے نرل سے تو سفت ہی ہے۔ ماں کے پیٹ کی
کوٹھری میں باہری جارمیں نام کو نہ تھے! اب تو قہر کے
قہر اس پر حملہ بول دیتے ہیں۔ ماں کے پیٹ میں تو
آپے ہوا کی ضرورت ہی نہ تھی! اب تو پتھر جیسے پتھر
کو ہوا کی خاطر ٹھنڈ کی طرح پھانسا پوتا ہے۔

ہاں۔ بارہ مہینے کا بچہ پانی سے نہیں ڈرتا۔ وہ، سبناہ سے جو تیرتا آتا ہے، उसकी भी नहीं भूला होता۔

بालک बहुत सकल जान होता है، तुम उसकी एक टांग वा एक हाथ पकड़ कर उसको आसानी से उठा सकते हो، ऐसा करने से उसको कोई चोट नहीं आएगी۔ उसे अपना बोन लंबाई में घेरा विकृत नहीं होती۔ वह एक हाथ से डंडे को पकड़ कर लटक सकता है۔ योरप की लड़ाई के बाद के बच्चे जिन्हें पेट भर खाने को नहीं मिलता था، वह भी इतने ही सकल जान थे۔ बच्चे में ही यह ताकत है कि वह बरीर खाए बहुत दिनों जी सकता है، हां، उसे पानी मिलता रहना चाहिये۔

बड़ा होते वक़्त बच्चा जो सबसे बड़ी ताकत साथ लाता है، वह है، चूसने की ताकत۔ चूसने का काम वह पेट में भी जानता था۔ चूसने के लिये उसके मुंह की बनावट देखने की चीज़ है۔ पहले उसकी ठोड़ी को लीजिये، वह कुछ इस ढंग की बनी हुई होती है कि उसकी मदद से उसको मां की चूची तक पहुंचने में बड़ी आसानी होती है۔ उसकी ठोड़ी बड़ी मुलायम होती है، और ज़रा से इशारे पर पीछे मुड़ जाती है۔

अब लीजिये उसके गाल، दोनों गालों में अन्दर की तरफ दो बटन से लगे रहते हैं، जिनकी शकल बादाम जैसी होती है، यह बड़े चरबीले होते हैं، इन से चूसने में बड़ी मदद मिलती है۔ बच्चे के होठों में क्रूरता खिचाव भी होता है۔ बच्चे के ऊपरी होठ को ज़रा खू दीजिये، वह फट आगे को बढ़ आएगा और चूसने की शकल अख़्तियार कर लेगा۔

यह सब हुई बच्चे की बाहरी बनावट और सजावट، उसके अन्दर भी खून، दिल، हारमोन्स और धातुएं काफ़ी तादाद में रहती हैं। इन सब में मां के दिये हुए अनगिनत ज़हरमौरे और जोड़ लीजिये और बच्चे की ताकत का ख़याल कीजिये۔ ज़हरमौरे से हमारा मतलब उन जर्म्स से है जो बच्चा मां से हासिल करता है। जर्म्स की यह फ़ौज उसके बड़े काम आती है। इसका सेनापति बन कर बच्चा बाहरी जर्म्स का मुकाबला करता है। इसी फ़ौज के बल पर वह बाहे जिस चीज़ को मुंह में डाल लेता है और बीमारी से बचा रहता है। बच्चे के शुरू शुरू के जीवन में इन ज़हरमौरों से इतना ही फ़ायदा होता है कि बाहर के जर्म्स बच्चे पर असर नहीं कर पाते۔ वह इसकी मदद से जर्म्स का नाश नहीं कर सकता، बाहर से आए हुए जर्म्स उसमें जमा होते रहते हैं، बच्चे के बड़े हो जाने पर बाहरी टीकों और एंजाइमों की बजह से जब उसकी फ़ौज कमज़ोर हो जाती है तो वह विदेशी फ़ौज जो उसके मुल्क में डेरा डाले पड़ी थी، मोझ पा कर धारा बोल देती है। पर अब वह बालक कहाँ रहा होता है। दो हफ़्ते या इस से भी कम के बच्चे

هو۔ بارہ مہینے کا بچہ پانی سے نہیں ڈرتا۔ وہ، سبناہ سے جو تیرتا آتا ہے، اس کو بھی نہیں بہولا ہوتا۔

بالت بہت سکت جان ہوتا ہے، تم اس کی ایک ٹانگ یا ایک ہاتھ پکڑ کر اس کو آسانی سے اٹھا سکتے ہو، ایسا کرنے سے اس کو کوئی چوٹ نہیں آتی گی۔ اسے اپنا ہوجہ مٹھالنے میں ذرا دقت نہیں ہوتی۔ وہ ایک ہاتھ سے قندے کو پکڑ کر لٹک سکتا ہے۔ یورپ کی لڑائی کے بعد کے بچے جلدوں میں پتہ پڑنے کو نہیں ملتا تھا، وہ بھی اُنہی ہی سکت جان تھے۔ بچہ موم ہی یہ طاقت ہے کہ وہ بغیر کھانے بہت دنوں جی سکتا ہے، ہاں، اسے پانی ملتا رہنا چاہئے۔

بہدا ہونے وقت بچہ جو سب سے بڑی طاقت ساتھ لاتا ہے، وہ ہے، چوسنے کی طاقت۔ چوسنے کا کام وہ پتہ موم بھی جانتا تھا۔ چوسنے کے لئے اس کے منہ کی ہلاوت دیکھنے کی چیز ہے۔ پہلے اس کی نوڑی کو لکھئے، وہ کچھ اس تھلگی کی ہوتی ہوئی ہوتی ہے کہ اسکی مدد سے اس کو ماں کی چوچی تک پہنچانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ اسکی نوڑی بڑی ملائم ہوتی ہے، اور ذرا سے اشارے پر پیچھے مڑ جاتی ہے۔

اب لکھئے اس کے گال، دونوں گالوں میں اندر کی طرف دو ہتھی سے لگے دھتے ہیں، جن کی شکل بادام جیسی ہوتی ہے، یہ بڑے چربیلے ہوتے ہیں، ان سے چوسنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بچہ کے ہونٹوں میں قدرتی کھینچاؤ بھی ہوتا ہے۔ بچہ کے اوپری ہونٹ کو ذرا چھو چھوئے، وہ جھپٹ آئے کو بڑے جائے گا اور چوسنے کی شکل اختیار کر لے گا۔

یہ سب ہوئی بچہ کی باہری ہلاوت اور سجاوٹ، اس کے اندر بھی خوں، دل، ہارمونس اور دھاتوں میں کافی تعداد میں دھتے ہیں۔ ان سب میں ماں کے دیکھے ہوئے انگلیت زہر موزے اور جوڑ لکھئے اور بچہ کی طاقت کا خھال کھنکھ۔ زہر موزے سے ہمارا مطلب ان جرمس سے ہے جو بچہ ماں سے حاصل کرتا ہے۔ جرمس کی یہ فوج اس کے بڑے کام آتی ہے۔ اس کا سہارا ہتی ہی کر بچہ باہری جرمس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسی فوج کے بل پر وہ چاہے جس چوڑ کو ملے میں ڈال لیتا ہے اور ہماری سے بچا دیتا ہے۔ بچہ کے شروع شروع کے جرمس میں ان زہر موزوں سے اُنٹا ہی فائدہ ہوتا ہے کہ باہر کے جرمس بچہ پر اثر نہیں کر پاتے۔ وہ اس کی مدد سے جرمس کا ناخ نہیں کر سکتا، باہر سے آئے ہوئے جرمس اس میں جمع ہوتے دھتے ہیں، بچہ کے بڑے ہو جانے پر باہری جرمس اور حواؤں کی وجہ سے جب اسکی فوج کمزور ہو جاتی ہے تو یہ دھتھی فوج جو اس کے ملک میں قیہ قائم ہوئی تھی، موقع پا کر دھاوا بول دیتی ہے۔ پر اب وہ بالت کہاں رہا ہوتا ہے۔ دو ہفتے یا اس سے بھی کم کے بچہ

میل کر کام کرتا ہے اور ماں کی بڑی مدد کرتا ہے۔ اگر ماں کو کچھ کی ضرورت ہو تو وہ ماں کی خوراک میں سے چونا نثار کرتے لگتا ہے۔ پرکرتی نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ بہت کم ہر چھوٹے بچے کو ملتی ہے، پہلے ہی ماں کو اس چھوٹی کسی پر جائے۔ جہاں یہ ہے وہاں یہ بات بھی ہے کہ جب ماں کی خاص خاص گرتھیں میں کسی خاص چھوٹی کسی ہوتی ہے تو بہت کا بچہ اس خاص چھوٹی کو اپنی ماں کو دے دیتا ہے۔ ماں لپکتے گریہ دتی ہونے سے پہلے ایک ماں کی گلے کی گرتھی میں گرتھی کے مسالے کی کسی ہے اور یا کسی خاص گرتھی میں کسی چھوٹی کسی ہے تو گریہ دتی ہونے کے بعد اس کے بہت کا بچہ ان کمپوں کو پورا کر دے گا۔ کچھ دنوں میں ماں کا رنگ نکھر جائے گا، ماں نلدرست ہو جائے گی۔ بہت کے بچے میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ دو دو کے لئے گرتھوں کا مسالہ نثار کر سکتا ہے۔ گریہ اوستھا میں ماں اور بچہ دونوں مل کر زور لگاتے ہیں۔

پیدا ہونے پر بچے نام کا یہ انوکھا پرانی پورے آدمی سے کہیں اچھا کام کرنے والا دل لے کر جلم لگتا ہے۔ تمہارا خون دس ہوس لاکھ نمبر کا ہوتا ہے، بچے کا خون ساتھ لاکھ نمبر کا ہوتا ہے۔ سرت یا اور چھوڑوں کی طرح خون کے بھی نمبر ہوتے ہیں۔ خون کے نمبر ان وال ٹیکہوں سے لئے جاتے ہیں جو خون میں پائی جاتی ہیں۔ نیا پیدا ہوا بچہ پورے آدمی سے جلدی جلدی سانس لیتا ہے، اس کے خون کی گردش تم سب سے کہیں اچھی ہوتی ہے۔ پس یہ سمجھئے بچہ ایک دھک دھک کرنے والی، جہن چھوٹی بڑھنے والی، وال گرم طاقت پیدا کرنے والی ایک مشین ہوتا ہے۔ اس میں ہم سے زیادہ لوہا ملے گا، ہم سے زیادہ چونا، ہم سے زیادہ فاسفورس، ہم سے زیادہ وٹامن ملے گا۔ اور اس کی بھوک تو اتنی زور کی ہوتی ہے کہ اُسے لپکتے چمکے اور بھڑکے کی بھوک پانی پھرنے لگے گی، اس کو ہم سے نکلی پروٹین چاہئے۔ ایک برس میں وہ وزن میں نکلا ہو جاتا ہے۔

نئے پیدا ہونے بچے کو آب پانی میں ڈال دیجیے، وہ لڑائی کی طرح تھوڑے آگے بڑھنے لگے گا یعنی وہ اپنا سر پانی کے اندر ڈبو دے گا۔ اپنی کمر اونچی کر لے گا، پاؤں پانی میں ہی رکھیں گے، یعنی بہت کے ہل کمان بن جائے گا۔ بری بات یہی ہے کہ وہ مچھلی کی طرح پانی کے نیچے تھوڑا ہے۔ تم اس کا منہ اور اس کی ناک پانی کے تل سے اوپر رکھیں گی اس کا تھوڑا دیکھ سکتے ہو۔ ڈاکٹر مسٹر میل مکنگرا جسے بچوں کو تھوڑا کر دیکھنے کا بہت شوق تھا اور جو بچوں پر کچھ طرح کے پریکٹس کیا کرتا تھا اس کا کہنا ہے کہ بچوں کو تھوڑا سیکھانے کے دن وہی ہوتے ہیں جب بچہ بارہ مہینے کا

پیدا ہونے پر بچے نام کا یہ انوکھا پرانی پورے آدمی سے کہیں اچھا کام کرنے والا دل لے کر جلم لگتا ہے۔ تمہارا خون دس ہوس لاکھ نمبر کا ہوتا ہے، بچے کا خون ساتھ لاکھ نمبر کا ہوتا ہے۔ سرت یا اور چھوڑوں کی طرح خون کے بھی نمبر ہوتے ہیں۔ خون کے نمبر ان ٹیکہوں سے لیتے جاتے ہیں جو خون میں پائی جاتی ہیں۔ نیا پیدا ہوا بچہ پورے آدمی سے جلدی جلدی سانس لیتا ہے، اس کے خون کی گردش تم سب سے کہیں اچھی ہوتی ہے۔ پس یہ سمجھئے بچہ ایک دھک دھک کرنے والی، جہن چھوٹی بڑھنے والی، وال گرم طاقت پیدا کرنے والی ایک مشین ہوتا ہے۔ اس میں ہم سے زیادہ لوہا ملے گا، ہم سے زیادہ چونا، ہم سے زیادہ فاسفورس، ہم سے زیادہ وٹامن ملے گا۔ اور اس کی بھوک تو اتنی زور کی ہوتی ہے کہ اُسے لپکتے چمکے اور بھڑکے کی بھوک پانی پھرنے لگے گی، اس کو ہم سے نکلی پروٹین چاہئے۔ ایک برس میں وہ وزن میں نکلا ہو جاتا ہے۔

نیا پیدا ہوا بچے کو آپ پانی میں ڈال دیجیے، وہ لڑائی کی طرح تھوڑے آگے بڑھنے لگے گا، اپنی کمر اونچی کر لے گا، پاؤں پانی میں ہی رکھیں گے، یعنی بہت کے ہل کمان بن جائے گا۔ بری بات یہی ہے کہ وہ مچھلی کی طرح پانی کے نیچے تھوڑا ہے۔ تم اس کا منہ اور اس کی ناک پانی کے تل سے اوپر رکھ کر ہی اس کا تھوڑا دیکھ سکتے ہو۔ ڈاکٹر-میسٹر میل مکنگرا جسے بچوں کو تھوڑا کر دیکھنے کا بہت شوق تھا اور جو بچوں پر کچھ طرح کے پریکٹس کیا کرتا تھا اس کا کہنا ہے کہ بچوں کو تھوڑا سیکھانے کے دن وہی ہوتے ہیں جب بچہ بارہ مہینے کا

बालक एक चमत्कारी प्राणी

बालक एक चमत्कारी प्राणी

परी की तरह एक दोस्त, एक दिन मेरे घर आ टपके, बोले, "मैं खाट पर नहीं बैठूंगा, कर्श पर लेट कर अपने छै महीने के बच्चे की नक़ल करूंगा. बच्चा पास ही लेटा था, जैसे ही बच्चे ने अपना बदन तोड़ना मोड़ना शुरू किया वैसे ही उन्होंने उसकी नक़ल करना शुरू कर दी, लगे अपना बदन तोड़ने मोड़ने, जब बच्चे ने हवा में हाथ मारने शुरू किये तो उन्होंने भी हाथ हिलाने शुरू कर दिये, उसने टांगें फेंकनी शुरू की, इन्होंने भी शुरू कीं. उसने अपनी कमर की कमान बनाई, इन्होंने भी, वह सिर एड़ी के बल खड़ा हो गया यह भी खड़े हो गए, वह उठा यह उठे, वह गिरा यह गिरे. तीस मिनट में मेरे यह हट्टे कट्टे दोस्त थक कर चारों खाने चित्त गिर पड़े. और बालक था, कि खुश खुश अपने खेल दिखाए जा रहा था! वह मिनट के बाद मिनट पर ताज़ा से ताज़ा तर दिखाई देता था, थकान खड़ी खड़ी उसका तमाशा देख रही थी, ताज़गी उससे लिपटी हुई थी, और छन छन में उसके अन्दर दाखिल हो कर उससे एकमेक होने की कोशिश में थी.

जिस मार्के को बात को हम बिल्कुल भूले हुए हैं, ऊपर की वक्तियां उसकी भूमिका हैं. तन, मन, मस्तक तीनों के लिहाज़ से बालक तुम सबसे कहीं ऊंचे दर्जे का आदमी है, सबूत लीजिए.

पैदा होने से पहले, मां के पेट में ही, वह राजब का प्राणी है. जिन डाक्टरों ने बारीक औजारों की मदद से पेट में रहने वाले बच्चे की जांच की है, उनका कहना है, "मां के पेट के अन्दर बच्चा खांसता है, छींकता है, अंगड़ाई लेता है, आँहें भरता है, कराहता है, अंगूठा चूसता है, और, अगर मां का गुदगुदाया जाय, तो बच्चा उस गुदगुदी को महसूस करता है और पेट में हिलता डुलता है." डाक्टरों का यह भी कहना है, "कभी कभी पेट के अन्दर से बच्चे के रोने की आवाज़ भी सुनी गई है." एक गर्भवती ने तो यहां तक बताया कि थियेटर में ताली पीटते समय उसके बच्चे ने पेट में ताली बजाई. एक मां ने यह शिकायत की कि वह कपड़ा धोने की मशीन को न अपने घर में रख सकती है, न कपड़ा धो सकती है, क्योंकि उसका पेट का बच्चा उसकी 'घरें घरें' की आवाज़ से बुरी तरह बिगड़ता है, और पेट में सुंदर सुंदर करने लगता है.

इससे बढ़ कर बात यह है, जिसको बड़े बड़े हकीमों ने साबा है, कि अनजाने ही पेट का बच्चा मां के साथ

अपनी ही तरह एक दोस्त, एक दिन मेरे घर आ टपके, बोले, "मैं खाट पर नहीं बैठूंगा, कर्श पर लेट कर अपने छै महीने के बच्चे की नक़ल करूंगा. बच्चा पास ही लेटा था, जैसे ही बच्चे ने अपना बदन तोड़ना मोड़ना शुरू किया वैसे ही उन्होंने उसकी नक़ल करना शुरू कर दी, लगे अपना बदन तोड़ने मोड़ने, जब बच्चे ने हवा में हाथ मारने शुरू किये तो उन्होंने भी हाथ हिलाने शुरू कर दिये, उसने टांगें फेंकनी शुरू की, इन्होंने भी शुरू कीं. उसने अपनी कमर की कमान बनाई, इन्होंने भी, वह सिर एड़ी के बल खड़ा हो गया यह भी खड़े हो गए, वह उठा यह उठे, वह गिरा यह गिरे. तीस मिनट में मेरे यह हट्टे कट्टे दोस्त थक कर चारों खाने चित्त गिर पड़े. और बालक था, कि खुश खुश अपने खेल दिखाए जा रहा था! वह मिनट के बाद मिनट पर ताज़ा से ताज़ा तर दिखाई देता था, थकान खड़ी खड़ी उसका तमाशा देख रही थी, ताज़गी उससे लिपटी हुई थी, और छन छन में उसके अन्दर दाखिल हो कर उससे एकमेक होने की कोशिश में थी.

पैदा होने से पहले, मां के पेट में ही, वह राजब का प्राणी है. जिन डाक्टरों ने बारीक औजारों की मदद से पेट में रहने वाले बच्चे की जांच की है, उनका कहना है, "मां के पेट के अन्दर बच्चा खांसता है, छींकता है, अंगड़ाई लेता है, आँहें भरता है, कराहता है, अंगूठा चूसता है, और, अगर मां का गुदगुदाया जाय, तो बच्चा उस गुदगुदी को महसूस करता है और पेट में हिलता डुलता है." डाक्टरों का यह भी कहना है, "कभी कभी पेट के अन्दर से बच्चे के रोने की आवाज़ भी सुनी गई है." एक गर्भवती ने तो यहां तक बताया कि थियेटर में ताली पीटते समय उसके बच्चे ने पेट में ताली बजाई. एक मां ने यह शिकायत की कि वह कपड़ा धोने की मशीन को न अपने घर में रख सकती है, न कपड़ा धो सकती है, क्योंकि उसका पेट का बच्चा उसकी 'घरें घरें' की आवाज़ से बुरी तरह बिगड़ता है, और पेट में सुंदर सुंदर करने लगता है.

इससे बढ़ कर बात यह है, जिसको बड़े बड़े हकीमों ने साबा है, कि अनजाने ही पेट का बच्चा मां के साथ

سے—کی ہم اپنی سرکاروں کو امن برقرار رکھنے اور لڑائی نہ کرنے کو مجبور کر دیں گے۔

پاکستان ڈیلیگیشن کے بارے میں ایک لفظ۔ منکھی شریف کے پیر اسکے नेता ہیں، ڈیلیگیشن میں ہر صیچار اور پشہ کے لہو آف ہف ہیں۔ مرق اور اورت دونوں، جینکی راجنیتی آلاگ آلاگ ہے، آلال دیار ہیں۔ ہاں، اورتے ہو ہیں۔ فک تو کبی کے پنجاہ سرکار کے وپیئر آفام سر سیکندر ہیات آاں کی بیٹی اور 'پاکستان ڈاٹمس' کے ناایب سلفاؤک مفاہر آلی آاں کی ویم، اُچی اور سندر تاهیرا؛ دوسری سر سیکندر کے مایوان پوج، کبی کے شیا مंत्री شاکت ہیات آاں کی ویم، کانفرنس کی مہیلاؤں میں سب سے سندر، اس میں شک نہی بہت ہی سندر۔ میاں ہفت آراکھن بھی آف ہف ہیں۔ میاں، مسخرے سے کی سولالاف کی گف کی تراف فک مفاک سے دوسرے مفاک پر اڈلاتے رکنے والے۔ سے، آف ہفا کی دلا دے۔ آبی حال میں ہگلنڈ میں ہے، پر ونکی سرکار نے امن کے لڑاکوں کو پاسپورٹ دینے سے ہنکار کر دیا تو پر مایو، وها آاندولن کیا، اُنہیں پاسپورٹ دلا کر رھے۔ وھ آف وهاں ہیں۔

آف دیکھی بیٹی، آانا کراید سے آانا۔ نا ن ن ککلا جیسے سندھست رھ سکو۔ میں بیلکول سندھست ہوں، ککلا شام نم رھی ہے، سوست۔ آاسمان کالے بادلوں سے ویرا ہے۔ ہفا سن سن کر رھی ہے۔ آف و نہی جو رات میں سہ ررے۔ آگلے دینوں کا آندشا ہے، کھی دیرن نہ ہو آاف۔ ویرا اور آاشیواؤ۔

تمہارا
پاپا

یہ سب ہم اپنی سرکاروں کو امن برقرار رکھنے اور لڑائی نہ کرنے کو مجبور کر دیں گے۔

پاکستان ڈیلیگیشن کے بارے میں ایک لفظ۔ منکھی شریف کے پیر اس کے नेता ہیں، ڈیلیگیشن میں ہر وچار اور پشہ کے لوگ آف ہف ہیں۔ مرد اور وورت دونوں، جینکی راج نیتی الگ الگ ہے، آلال دیار ہیں۔ ہاں، ورتوں دو ہیں ایک تو کبی کے پنجاہ سرکار کے وپیئر آفام سر سیکندر ہیات آاں کی بیٹی اور 'پاکستان ڈاٹمس' کے ناایب سلفاؤک مفاہر علی آاں کی ہفم، اولچی اور سندر تاهیرا؛ دوسری سر سیکندر کے ہاگھ وان پتہ۔ کھی کے شکشا متری شوکت ہیات آاں کی ہفم، کانفرنس کی سہلاؤں میں سب سے سندر، اس میں شک نہی بہت ہی سندر۔ مہاں انتظار الدین بھی آف ہف ہیں۔ راقم، ہفم، مسخرے سے۔ مہاں، مسخرے سے کہ سہلاؤنڈ کی گھل کی طرح ایک مذاق سے دوسرے مذاق پر آچلتے رھنے والے۔ آفم، جو ہفار کو ہلا دیں۔ آبی حال میں انگلنڈ میں تھے، پر جب ان کی سرکار نے امن کے لوگوں کو پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا تو کھر ہوائے، وها آندولن کیا، اُنہیں پاسپورٹ دلا کر رھے، وہ آف وهاں ہیں۔

آف دیکھو وگتی، کھانا قاعدے سے کھانا۔ نا نو نہ کرنا جس سے لدرست رہ سکو۔ میں بالکل لدرست ہوں، خوشی۔ شام نم رھی ہے، سست۔ آسمان کالے بادلوں سے کھرا ہے۔ ہوا سن سن کر رھی ہے۔ فجب نہی جو رات میں ہفم ہرے۔ آلفے دنوں کا آندشا ہے، کھی دیرن نہ ہو جائے۔ رفاع۔ ہفار اور آفہرواد۔

تمہارا
پاپا

ایسا کا سندیس

لکھک—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا.

آنوبافک—سورس رامماہی.

اس کتاآ میں ہفارت ایسا کے سندیس کی ویاآیا سے کاجاآ ہنگ سے کی گئی ہے کی پدنے والا وکی آاسانی سے وھ سمام آایگا کی ایسائی ورم کی آاس تالیم کما ہے اور ہفارت ایسا نے ہنسان-ہنسان کی وراواری، آہی واره، مرم اور آہینسا پر کیتنا وور دیا ہے۔

مہاتما گانڈی نے اس کتاآ کے واره میں کفا ہے کی—

“ہر آاسٹیک سے، واهے وھ ایسائی ہو یا کسی اور ورم کا ماننے والا ہو، مہری سفااریش ہے کی اسے پڑے...”

سندر جیلڈ، وکیا کراک، کریب سوا سئ سکو کی کتاآ کا وام سرف فک رپما.

میتانے کا فاف—

میتانے، 'نیا دنیا'، 145 سڈیگن، ہفاہفاف.

ایسی کا سندیس

لکھک—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا.

آنوبافک—سورس رامماہی.

اس کتاآ میں ففارت مفسوں کے سندیس کی ویاکھا آفم لاجواب قملک سے کی گئی ہے کہ پوہلے والا وری آسانی سے یہ سچہ جائگا کہ مفسائی ورم کی خاص تعلیم کیا ہے اور ففارت مفسوں نے انسان انسان کی وراواری، ہوائی واره، مرم اور آفم پر کیتنا وور دیا ہے۔

مہاتما گانڈی نے اس کتاآ کے واره میں کہا ہے کہ—

“ہر آاسٹیک سے، واهے وھ ایسائی ہو یا کسی اور ورم کا ماننے والا ہو، مہری سفااریش ہے کہ اسے پڑے...”

سندر جیلڈ، وکیا کراک، کریب سوا سئ سکو کی کتاآ کا وام سرف ایک رپما.

میتانے کا فاف—

میتانے، 'نیا دنیا'، 145 مکی ککچ، آف آفاد.

“نیرس بارڈر” کو اپنی راہ سے ہٹا دیا تھا، پھر وہ جادو کی لکڑی ہے جس نے، مرے کو جلا دیا تھا، اندر سے وہ لکڑی ہے جو زہر ڈالتی ہے، رنگ بدل دیتی ہے۔ یہ سارے جادو اب بے اثر ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی آج آٹا پر اثر نہ دے گا جتنا نئے چھن کے نورمان کا جادو جو آج ناسکین کو بھی مسکن کر رہا ہے۔

چیچے سستی ہیں۔ ہاؤس کی جوناوٹ سے سزا خرمس تین ہفتے کا ہے، کراؤنڈنپن کے کا، سندر چڑیاں 60 کی، پانچ پانچ آنے سے! پھر اب چیچ کی باریکی اور کوالٹی کا خیال زیادہ ہے۔ سندر اور ٹکاؤ چھڑوں کی قیمت لوگ زیادہ دیتے کو تیار ہیں، خریدنے کی طاقت بڑھ گئی ہے، خریداروں کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ پچھلے سال کے مقابلے والے ایک دوکاندار سے پوچھا کہ اس سال کا روزگار کچھ سال کے مقابلے کتنا ہے؟ جواب ملا، روز 500 روپے کی بڑھتی، آج کی 26 تاریخ کو۔

کھڑک روڑگار میں باد سوا گئی ہے، آئینہ کاری کی بددلی نے مچھڑوں کی مچھڑی بڑا دی ہے، ہسٹریا کی کھیمت بڑا دی ہے۔ کھیمت بدستور قائم رکھنے کے لیے چیچوں کو مچھڑوں کی آگ میں ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گاؤں کی فصل نے کسانوں کی آمدنی بڑا دی ہے، اور ساتھ ہی گاؤں کے لئے مول لکھا دیا ہے۔ سان، ان اور دولان (بہشتاچار، برہادی اور دلتی سستی کے خلاف آندولن) کھیمت کے ادھوں کے انولول، سنگتھت پھدوار، اور سرکاری کارخانوں کے بہتر طریقوں نے کھیمت اور کم کر دی ہیں۔ سوداگر نئے پھدوار کی آمدنی سے بہتر لاپہ آٹا ہے۔ سرکاری روزگار نئی روزگاروں کو راہ دیتا ہے اور کھیمت ادھوں کو دھندوں کو داند اور کھیمت دوار مدد کرتے ہیں، ساتھ ہی سوداگروں کو تھوڑے سود پر قرض دیتے ہیں جس سے کہ وہ مال بھوک میں نقد دام پر سود کے کارخانوں سے خرید سکیں۔ مال کی بڑھتی سے ناسم اور خریدار نے اوپر قیمت کا ہلکا بہار، اسی کا نتیجہ ہے۔

چچا، لکھا ہے دھن مچھ پر سوار ہو گئی کھونکے میں آرتھ شاستر کی خاصی چرچہ کرتے لگا ہوں۔ اب میں لکھا ہلکا کرونگا جس سے تمہیں کھیمتوں کی یہ نہیں تھکے ہوئے سے راحت ملے اور ساتھ ہی مچھ بھی وقت کی کچھ بچھت ہو۔ اسی وقت ہمارے قبیلے کھیمت کی بھٹک ہے۔ مچھ کی بھٹک کھیمت کی سمجھا پر وچا کرنے کے لئے۔ پاکستان کا یوں ندھی مداخل پہنچا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے ایک مل جلا اعلان کریں جو شانتی سمیلن ہوگی کر کے۔ ہم نے یں کر لیا ہے۔ انہوں نے پاکستان کی طرف سے، ہم نے ہندوستان کی طرف

پچھلے روزگار میں ہوا میں آگئی ہے۔ آرتھ شاستر کی بڑھتی نے مزدوروں کی مزدوری بڑھا دی ہے، استعمالی چھڑوں کی قیمت کھیمت دی ہے۔ کھیمت بدستور قائم رکھنے کے لئے چھڑوں کو بہتر طریقوں کی آگ میں ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گاؤں کی فصل نے کسانوں کی آمدنی بڑا دی ہے، اور ساتھ ہی گاؤں کے لئے مول لکھا دیا ہے۔ سان، ان اور دولان (بہشتاچار، برہادی اور دلتی سستی کے خلاف آندولن) کھیمت کے ادھوں کے انولول، سنگتھت پھدوار، اور سرکاری کارخانوں کے بہتر طریقوں نے کھیمت اور کم کر دی ہیں۔ سوداگر نئے پھدوار کی آمدنی سے بہتر لاپہ آٹا ہے۔ سرکاری روزگار نئی روزگاروں کو راہ دیتا ہے اور کھیمت ادھوں کو دھندوں کو داند اور کھیمت دوار مدد کرتے ہیں، ساتھ ہی سوداگروں کو تھوڑے سود پر قرض دیتے ہیں جس سے کہ وہ مال بھوک میں نقد دام پر سود کے کارخانوں سے خرید سکیں۔ مال کی بڑھتی سے ناسم اور خریدار نے اوپر قیمت کا ہلکا بہار، اسی کا نتیجہ ہے۔

چچا، لکھا ہے دھن مچھ پر سوار ہو گئی کھونکے میں آرتھ شاستر کی خاصی چرچہ کرتے لگا ہوں۔ اب میں لکھا ہلکا کرونگا جس سے تمہیں کھیمتوں کی یہ نہیں تھکے ہوئے سے راحت ملے اور ساتھ ہی مچھ بھی وقت کی کچھ بچھت ہو۔ اسی وقت ہمارے قبیلے کھیمت کی بھٹک ہے۔ مچھ کی بھٹک کھیمت کی سمجھا پر وچا کرنے کے لئے۔ پاکستان کا یوں ندھی مداخل پہنچا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے ایک مل جلا اعلان کریں جو شانتی سمیلن ہوگی کر کے۔ ہم نے یں کر لیا ہے۔ انہوں نے پاکستان کی طرف سے، ہم نے ہندوستان کی طرف

چچا، لکھا ہے دھن مچھ پر سوار ہو گئی کھونکے میں آرتھ شاستر کی خاصی چرچہ کرتے لگا ہوں۔ اب میں لکھا ہلکا کرونگا جس سے تمہیں کھیمتوں کی یہ نہیں تھکے ہوئے سے راحت ملے اور ساتھ ہی مچھ بھی وقت کی کچھ بچھت ہو۔ اسی وقت ہمارے قبیلے کھیمت کی بھٹک ہے۔ مچھ کی بھٹک کھیمت کی سمجھا پر وچا کرنے کے لئے۔ پاکستان کا یوں ندھی مداخل پہنچا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے ایک مل جلا اعلان کریں جو شانتی سمیلن ہوگی کر کے۔ ہم نے یں کر لیا ہے۔ انہوں نے پاکستان کی طرف سے، ہم نے ہندوستان کی طرف

چچا، لکھا ہے دھن مچھ پر سوار ہو گئی کھونکے میں آرتھ شاستر کی خاصی چرچہ کرتے لگا ہوں۔ اب میں لکھا ہلکا کرونگا جس سے تمہیں کھیمتوں کی یہ نہیں تھکے ہوئے سے راحت ملے اور ساتھ ہی مچھ بھی وقت کی کچھ بچھت ہو۔ اسی وقت ہمارے قبیلے کھیمت کی بھٹک ہے۔ مچھ کی بھٹک کھیمت کی سمجھا پر وچا کرنے کے لئے۔ پاکستان کا یوں ندھی مداخل پہنچا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے ایک مل جلا اعلان کریں جو شانتی سمیلن ہوگی کر کے۔ ہم نے یں کر لیا ہے۔ انہوں نے پاکستان کی طرف سے، ہم نے ہندوستان کی طرف

کو بھیڑ اور پھاڑا ہو جاتی ہے۔ ہفتے کے چار دن گاڑیوں کی گینتی تقریباً 22,000 ہوتی ہے، ہفتے کے دن 44,000 سے بھی زیادہ۔ ہفتے میں 1,75,000 سے زیادہ گاڑیاں۔ ان کے لیے گاڑیوں کی یہ تعداد کچھ کم نہیں۔ ہر دوکانوں کی وہاں کسی نہیں اور نہ ان میں سے کسی کے لیے گاڑیوں کی ضرورت ہے۔ ہفتے کے دن 44,000 سے بھی زیادہ گاڑیاں۔ ان کے لیے گاڑیوں کی یہ تعداد کچھ کم نہیں۔ ہر دوکانوں کی وہاں کسی نہیں اور نہ ان میں سے کسی کے لیے گاڑیوں کی ضرورت ہے۔ ہفتے کے دن 44,000 سے بھی زیادہ گاڑیاں۔ ان کے لیے گاڑیوں کی یہ تعداد کچھ کم نہیں۔ ہر دوکانوں کی وہاں کسی نہیں اور نہ ان میں سے کسی کے لیے گاڑیوں کی ضرورت ہے۔

کو بھیڑ اور پھاڑا ہو جاتی ہے۔ ہفتے کے چار دن گاڑیوں کی گینتی تقریباً 22,000 ہوتی ہے، ہفتے کے دن 44,000 سے بھی زیادہ۔ ہفتے میں 1,75,000 سے زیادہ گاڑیاں۔ ان کے لیے گاڑیوں کی یہ تعداد کچھ کم نہیں۔ ہر دوکانوں کی وہاں کسی نہیں اور نہ ان میں سے کسی کے لیے گاڑیوں کی ضرورت ہے۔ ہفتے کے دن 44,000 سے بھی زیادہ گاڑیاں۔ ان کے لیے گاڑیوں کی یہ تعداد کچھ کم نہیں۔ ہر دوکانوں کی وہاں کسی نہیں اور نہ ان میں سے کسی کے لیے گاڑیوں کی ضرورت ہے۔

असाधारण मात्रा में उसमें परिवर्तन हुआ है। वैसे तो वह नगर हमेशा से सुन्दर रहा पर इधर सदियों की ज़मीन सी ठोस जमी गलीज़ ने उसे भूरा और नापाक बना रखा था। मज़दूरों ने ही उस नगर को सदियों पहले दूसरों के लिये बनाया था, आज वही उसे फिर से अपने लिये बना रहे हैं। वह ही जो मेहनत को इनाम समझते हैं, सुस्ती से घुना करते हैं। उन्होंने सैकड़ों मील लम्बी नालियाँ बनाई हैं, पानी के लाखों नल लगाए हैं, हज़ारों घरों में बिजली ले जा कर उन्हें जमका दिया है।

पीकिंग की शकल आज बदल गई है। उसके फैले महल जो कभी सिर्फ साम्राटों के आनन्द लेने की जगह थीं आज आम जनता के लिये खोल दिये गए हैं। उसके पार्कों में जीवन इठला रहा है, छोटे बड़े बच्चे दौड़ते, खेलते और नाचते रहते हैं। देखने वालों का आखें निहाल हो जाती हैं। पार्क आम तौर से हर माह बनते जा रहे हैं। भीलें भी हर साल और इन्हें बना कौन रहा है ? मजदूरों के अलावा लाल फौज जिस फौज ने चीन का बाहरी दुश्मना और उनके एजेण्टों से आजाद किया है वही उसके नगरों और देहातों को भी आज गलीब और गर्द से मुक्त कर रही है। पिछले दो बरसों से वह सदियों की गन्दगी से फावड़ा लेकर लड़ती रही है, वैसे ही जैसे कुम्हार चाक पर अभिराम कल से बनाता रहा है, जैसे राज करनी से भव्य भवन खड़े करता रहा है। फौज ने बेकार बैठे रहने या मार काट के इन्तज़ार के लिये राष्ट्र से तनखा लेना नामंजूर कर दिया है। उसके बदले वह नगरों में जोश खराश से निर्माण करती है, गांवों में फसल बोती और काटती है।

रत बन्द करने के पहले तुम से बाजार का कुछ हाल
 कर्हूंगा. खरीदारी के बारे में तुम्हारी उदासता में जानता
 हूँ अगरचे वह लड़कियों की खास कमजोरी है. तुम में
 नहीं है. इससे गां तुम्हें दुकानों की बाबत जानकारी में
 कुछ खास विलचस्व न हागो, फिर भी पीकिंग के बाजार
 का कुछ हाल सुनो.

बांगकू चिंग पीकिंग के बाज़ार की खास सड़क है। मैंने कान्तोन का बाज़ार देखा है पर पीकिंग कान्तोन से हर बात में बड़ा है। सड़क पर खासी भीड़ थी, दुकानें भी लोगों से भरी थीं। सरकारी दुकान में ज़ार की बिक्री हो रही थी। उनके भीतर और दरवाज़े में मद और त पिले हुए थे। गर्मी काफ़ी थी। सूरज तप रहा था। लोग भीतर घुसने के इत्फ़ार में बाहर क़तार में खड़े थे। पास के गांव के किसान, रात में काम करने वाले मजदूर, सैनिक, घर की औरतें। सरकारी दुकानें दस घंटे खुलती हैं, ग्यारह बजे बिल से नौ बजे रात तक। इतबार को भी। असल में इतबार

اساتھاروں ماکڑا میں اُسہیں پیسی ورتی، ہوا ہے ۔ دہسے
تو وہ نگر ہمشہ سے سندر رہا، ہر اندر صدیوں کی زمین
سی تھوس جسی قلوٹ نے اُسے بہدا اور ساچاک ہلدا رہا
تھا ۔ - وڈووں نے ہی اُس نگر کو صدیوں پہلے دوسروں کے
لئے بلایا تھا، آج وہی اُ رہے اپنے لئے ہلدا رہے ہوں ۔
وہ ہی جو معصیت کو انعام سمجھتے ہوں، سستی سے
ٹھہرنا کرتے ہوں ۔ اُنہوں نے سوکڑوں مول لمبی نالہاں
ہلانی ہوں، پانی کے لاکھوں نل لکائے ہوں، ہزاروں گھروں
میں پھلتی لے جائز اُنہیں چمکا دیا ہے ۔

پہنکنگ کی شکل آج بدل گئی ہے۔ اس کے پہلے
مصل جو کبھی صرف سہاراؤں کے اندل لہنے کی جگہیں
تھیں آج عام جملے کے لئے بول بولے گئے ہیں۔ اس کے باروں
میں جھون لہنے رہا ہے، چہوتے بڑے بچے دوڑتے، کھلتے
اور ناچتے رہتے ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں نہال ہو
جاتی ہیں ہارک عام طور سے ہر سہا بلتے جا رہے ہیں،
چہلے ہو ہر سال، اور لہیں بلما کون رہا ہے؟ مزدوروں
کے علاوہ آل فوج۔ جس فوج نے چھن کو باہری دشمنوں
اور ان کے اچھلتے سے آزاد کیا ہے۔ وہی اس کے نگرور
دھپاتوں کو بھی آج غلط اور گرد سے سکت کر رہی ہے۔
پچھلے دو برسوں سے وہ صدیوں کی گندگی سے بھارا لے کر
لوٹی رہی ہے، دسہ ہی جیسے نہار چاک پر ابھی رام
نلسہ بلما رہا ہے، جیسے راج کرنی سے بددیہ ہون کوڑے
کرنا رہا ہے۔ فوج نے ہیکار ہوتے رہنے یا مارا کٹ کے انتظار
کے لئے رشتہ سے لفظوا لہما سا منظور کر دیا ہے۔ اس کے
بدلے وہ نگرور میں جوش خروش سے نرساں کرلی ہے، اور
ٹوں میں فصل ہوتی اور کاٹتی ہے۔

خط بند کرنے کے پہلے تم سے بازار کا کچھ حال کہو نا۔
خریداری کے بارے میں تمہاری آداسیتنا میں جاننا
ہیں۔ اگرچہ وہ لوگوں کی حص کمزوری ہے' تم میں نہیں
ہے۔ اس سے دو لمبوں دکانوں کی باہر جا سکاوی میں
کچھ خاصی دلچسپی نہ ہوئی' پھر بھی پوچھنے کے بازار
کا کچھ حال سنو۔

وانگ فوجنگ پوکنگ کے بازار کی خاص سڑک ہے ۔
 میں نے کاتبین کا بازار دیکھا ہے یہ پوکنگ کاتبین سے ہر
 پاس میں ہوا ہے ۔ سڑک پر خاصی بھڑی تھی ، دکانیں بھی
 لوگوں سے بھری تھیں ۔ دکانی دکانوں میں زور کی ہکری
 ہو رہی تھی۔ اُن کے بہتر اور دروازے میں مرد عورت پائے
 ہوئے تھے۔ گرمی کافی تھی۔ سوچ نہ رہا تھا۔ لوگ بہتر
 ٹھیکہ کے انتظار میں باہر قطار میں کھڑے تھے۔ یاس کے
 گلوں کے کسان اس میں کام کرنے والے مزدور ، سیلنگ ، کپڑے
 کی عورتیں۔ سڑکی دکانوں میں دس ٹھیکے کھلتی ہیں ، گیارہ
 پچیس سے نو پچیس دس ٹھیکے۔ انوار کو بھی۔ اصل میں انوار

को वह अपना जोड़ी नहीं मानता. इस में शक नहीं पीकिंग आज संसार का सब से साफ नगर है. कहीं कारागार का एक टुकड़ा नहीं, कूड़े का एक तिनका नहीं, न सड़कों पर, न गलियों में, न फुटपाथों पर. निश्चय यह मानी हुई बात है. मैंने न्यूयार्क, लन्दन और पेरिस देखा है, मैं उन के बीच का फर्क जानता हूँ. न्यूयार्क की सड़कों पर बेइन्तहा कूड़ा पड़ा रहता है, उसके फुटपाथ लापरवाही से फेंके गये अलमारियों के पर्तों, टुकड़ों और बडलों से ढके रहते हैं, उनके बस्ट बेन में टाइप राईटर से ले कर सड़े केले तक जैसी चीजें पड़ी सड़ती गंधाही रहती हैं. पीकिंग की सफाई इतनी असाधारण है कि वहां जाने वालों पर उस का असर हुए बिना नहीं रहता चाहे जाने वाला कितना भी लापरवाह क्यों न हो. सुनो एक मज्जेदार क्रिस्सा राजधानी पहुँचने के दूसरे दिन हम बस में कहीं जा रहे थे. जा रहे थे. हममें बहुत सारे सिगरेट पी रहे थे पर बस के भीतर उन्हें एंशट्रे नदी मिली. शीशे की तरह जैसी साफ सड़कों पर उन्हें सिगरेटों के टुकड़े फेंकने की हिम्मत न पड़ी. तब मैंने अपनी जेब से एक खाली लिकाफा निकाला और उसमें सिगरेटों के टुकड़े भर लिये. मुझे याद है कि यूकदान में डालने के पहले मुझे उस पैंकेट का क्ररीब डेढ़ घंटा अपनी जेब में लिये रहना पड़ा.

यह सफाई चीन की कौमी योजना का अंग बन गई है। इस तरह की सफाई चीन के सभी नगरों में की गई है, पीकिंग में, मुकदन में, तिपेन्सिन में, नानकिंग में, शंघाई और कान्तोन में। गांव तक में इसी तरह की सफाई की कोशिश जारी है। मनचूरिया के शहरों में मक्खी, मच्छर और नष्ट कर देने का आरोग्य योजना के अलावा भी एक मकसद है। कीटानु युद्ध को बेकार कर देने के लिये चीनियों ने उन जानवरों के खिलाफ ही रन ठान दिया है जो बीमारियां फैलाते हैं। इसी खयाल से उन्होंने मक्खियां, मच्छर, मकड़ियां, छिपकलियां, चूहे और रांगों के उन सभी कीटानुओं का मार डाला है जो परिवार का सुख तबाह कर देते हैं। मासूम बच्चों, जवानों और बुढ़ों को खतरे में डाल देते हैं यह तो खैर दुश्मन के जानलेवा हथियारों के जवाब में अस्थायी प्रबन्ध है, पर जो बात चीनी जनता का स्वभाव बन कर उनके जीवन में बस जायगी वह है स्थाई सफाई घरों, सड़कों, गलियों, बाजार, मछली बाजारों तक सफाई की योजना का अंग बन गई है। सरकार द्वारा खास कर नागरिकाओं की मदद से सफाई की जायगी जा रहा है। यह सफाई यहां की जनता को स्वस्थ बन जाने से रोगों और मौत के नश्वर को दूर करने का सफल मुकामला करेगी।

کو وہ ایسا جوڑی نہیں مانتا۔ اُس میں شک نہیں ہو سکتا
آج سلسلہ کا سب سے صاف نگر ہے۔ نہیں کاغذ کا ایک ٹکڑا
نہیں، کوڑے کا ایک ٹکڑا نہیں، نہ سونوں پر، نہ لکڑیوں
میں، نہ لٹ پاتھوں پر۔ نشیچے پر ماسی ہوئی ہات ہے۔
میں نے نیویارک، لندن اور پیرس دیکھا ہے، میں اُن کے
پہچان کا فرق جانتا ہوں۔ نیویارک کی سڑکوں پر بے انتہا
کوڑا ہوا رہتا ہے، اُس نے لٹ پاتھ لاپرواہی سے پھیلنے لگے
لخموں کے پتوں، ٹکڑوں اور ہلڈلوں سے ڈھکے رہتے ہیں
اُن کے قسط بین میں ٹائپ رائٹر سے لے کر سڑے ٹولے تک
چھٹی چھڑیں پڑی سڑی لکڑھانی رہتی ہیں۔ پیکنگ
کی صفائی اِنلی اسادھاریں ہے کہ وہاں جانے والوں پر اُس
کا اثر ہوئے بلانا نہیں رہتا چاہے جانے والا لکڑا بھی لاپرواہ
کھوں نہ ہو۔ سلو ایک سڑے دار قصہ۔ راج دھانی
پہنچنے کے دوسرے دن ہم بس میں کھوں جا رہے تھے۔
ہم میں بہت سارے سگریٹ پی رہے تھے پُر
بس کے ہیمبر اُنہوں اِسی تھے نہیں ملی۔ شوشہ کی طرح
چوسنی صاف سونوں پر انہیں سگریٹوں نے ٹکڑے پھیلنے
کی ہمت نہ ہوئی۔ تب میں نے اپنی چھپ سے ایک خالی
لٹا لے نکالا اور اُس میں سگریٹوں کے ٹکڑے بھر لئے۔ مجھے
یاد ہے کہ تھوک دان میں قلعے کے پہلے مجھے اُس ہمت
کو قریب قریب دھمکے لگتے اپنی چھپ میں لئے رہنا پڑا۔

یہ صفائی چہن کی قوسی ہو چلتا کا انگ بن گئی ہے۔
اس طرح کی صفائی چہن نے سبھی نگروں میں لی گئی
ہے، ہنگامگ میں، مکدن میں، تھناتسن میں، ناہنگ
میں، شنگائی اور کان تن میں۔ گاؤں تک میں اسی
طرح کی صفائی کی کوشش چاری ہے۔ سچوہیا کے شہروں
میں مکھی، مچھو، وھوہہ نہت کر دیلے کا آروکھ پوچھا
کے علاقہ بھی ایک مقصد ہے۔ کوٹانو پدے کو ہونکر کر دیلے
کے لئے چوہلوں نے اُن جانوروں نے خلاف ہی دن تھان دیا
ہے جو ہماریاں پہناتے ہیں۔ اسی خیال سے اُنہوں نے
مکھیاں، مچھو، سچوہیاں، چوہیاں، چوہے اور روٹوں کے
اُن سبھی کوٹانوں کو مار ڈالا ہے جو ہرور کا سبھ تھان
کر دیتے ہیں۔ معصوم بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو خطرے
میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ تو خور دشمن کے جان ہوا
تھوہاروں کے جواب میں استھائی پر ہندہ ہے، پو چو ہات
چھلی چلتا کا سوبھاؤ بن کر اُن کے جھون میں بس
چانگکی وہ ہے استھائی صفائی۔ گھروں، سڑکوں، گلیوں
ہازار، سچھلی کی دکانوں تک صفائی کی ہو چلتا کا انگ
بن گئی ہیں۔ ناکرک اور خاص کو ناکرکاؤں کی مدد سے
صفائی کی یہ ہو چلتا کا سبھ ہو رہی ہے۔ یہ صفائی وہاں کی
چلتا کے آچرن کا انگ بن جائے سے روکیں اور سوت کے نظر
نہ آئے والے سادھلیں کا سہل متہلے کرے گی۔
ہنگامگ نے تین سال کے عرصے میں بہت کچھ دیکھا ہے۔

کیونکہ اسے یہ منظور نہ تھا کہ ہم بغیر اس سوال کا جواب دے کر چلے جائیں۔ وہ ہمیں اشاروں سے دیکھ کر تیزی سے آندھ لگا اور جیت ایک آدمی کے ساتھ لوٹا۔ یہ تیسرا بھی ہماری بات نہ سمجھ سکا پر وہ بھی ہمیں جانے نہ دے گا جب تک ہمارے سوال کا جواب نہ مل جائے۔ وہ بھی اندر چلا گیا اور ایک آدمی کو لئے لوٹا۔ سمجھا حل ہو گئی۔ یہ توتلی یہوتی انگریزی بول لیتا تھا۔ انہوں نے ہمیں روک رکھنے کے لئے بار بار معافی مانگی اور انگریزی جاننے والے نے تھمک تھمک 'شانتی ہوٹل' کی راہ بتا دی۔ وہ خود ہمارے ساتھ چلا اور ہمارے بہت صبر کرنے پر لوٹا۔ فطرت کا اخلاق ہے ان چہلچلے کا!

شانٹی ہوٹل غنی آبادی کے बीच ऊंचे مکانوں کے پیچھے بکھا ہے۔ انچرر کی ہمارت ہے۔ راجب کی خوبسورت، ہلکی ہلکی، ہڈ، کنگریٹ اور ڈاٹو کی بنی بیلکول 'ہارڈن'، پورٹا اور ڈوس۔ آٹھ منجیل ऊंची, बीस बराबर बराबर चौड़ी खिड़कियां, आज की गरूरतों से लैस. नीचे की मंजिल की बैठक तबियत के मुताबक जहां से दिल को हरने वाले मनजर सामने दिखाई पड़ते. उसके पर्व, उसका रंग और शकल, बड़ी बड़ी मौलिक तस्वीरें सभी उसकी खूबसूरती के सबूत हैं.

हमने कनाडा के प्रतिनिधि मिस्टर और मिसेज गार्डनर से मिलना चाहा. उनसे चीनी दीवार के ऊपर पहले हम मिल चुके थे. उनकी खबर कर हम ऊपर गए. पति पत्नी दोनों तपाक से मिले. कमरा बड़ा सुन्दर था, उसका फरनीचर आकर्षक. दीवार पर तान हुआंग के भित्ति चित्र की एक नक़ल टंग रही थी, सरस्वती का मूल चित्र अजन्ता की नक़ल था. गार्डनर परिवार ने हमें बताया कि उनका कमरा ठीक और कमरों का तरह है. फिर वह हमें हॉटल घुाने ले चले. ऊपर और नीचे के भोजन करने वाले कमरे, कारीडर और बरामदे, छत और दफ़्तर सभी खास ढंग से बने थे. शीशे, धातु और चीनी मिट्टी की बनी सभी चीज़ों पर अमन की फ़ारुता बनी थी चमच, कांटे, छुरी, सुराही, प्लेट, सब पर, नेकपन, चादर, तौलिया तक. और यह समूची इमारत महज़ 75 रोज में खड़ी हो गई थी. पीकिंग के मजदूरों ने उसे चीन के आज के मेहमानों, शान्ति सम्मेलन के प्रतिनिधियों के लिये तैयार कर शान्ति सम्मेलन को भेंट कर दिया था.

कुछ साल पहले जो कुछ हमने पीकिंग के सम्बन्ध में पढ़ा था उससे आज का पीकिंग बिल्कुल दूसरा है. उस का नया जनम हुआ है, उसने जनम की वेदना छोड़ी है और आज संसार के सब से साफ़ नगर तक

हम نے اتفاقاً کے پرتی ندھی مسٹر اور مسز گارڈنر سے ملنا چاہا. ان سے چینی دیوار کے اوپر پہلے ہم مل چکے تھے. ان کو خبر نہ ہم اوپر گئے. پتی پتی دونوں تھک سے ملے. کمرہ بڑا سلندر تھا. اس کا فرنیچر آکرسٹ. دیوار پر نان ہوانگ نے بھیچر کی ایک نقل ٹنگ رکھی تھی. سرسوی مول کا چتر اچھٹا کی نقل تھا. گارڈنر پرتی دار نے ہمیں بتایا کہ ان کا کمرہ تھمک اور کمروں کی طرح ہے. پھر وہ ہمیں ہوٹل کھانے لے چلے. اوپر اور نیچے کے ہوچن کرنے والے (مرے) گارڈنر اور ہر آندے چھت اور دھتر سبھی خاص قلمک سے بنے تھے. شیشے دھات اور چمکی مٹی کی بنی سبھی چھڑوں پر امن کی لاختہ بنی تھی چمچ, کاٹے, چھری, صراحی, پلمک, سب پر, نوکھن, چادر, تولیہ تک. اور یہ سموچی صارت محض 75 روز میں تھوئی ہو گئی تھی. پیکیگ کے مزدوروں نے اسے چھن کے آج کے مہمانوں شانتی سر لن کے پرتی ندھیوں کے لئے تیار کر شانتی سمی کو بھینک کر دیا تھا.

کچھ سال پہلے جو کچھ ہم نے پیکیگ کے سمبندھ میں پوما تھا اس سے آج کا پیکیگ بالکل دوسرا ہے. اس کا نیا جنم ہوا ہے. اس نے جنم ہی ویدیا ہی ہے اور آج سلسار کے سب سے صاف نگر تک

کچھ سال پہلے جو کچھ ہم نے پیکیگ کے سمبندھ میں پوما تھا اس سے آج کا پیکیگ بالکل دوسرا ہے. اس کا نیا جنم ہوا ہے. اس نے جنم ہی ویدیا ہی ہے اور آج سلسار کے سب سے صاف نگر تک

ایک شخص، 'ہوپنگ' کے ساتھ نہ سکا۔ ہوپنگ کا ارادہ 'شانتی' میں جاننا تھا اور مجھے لگا کہ وہ یہی ہے کہ کیا میں شانتی سمجھتی ہوں۔ میرے 'ہاں' کہنے پر وہ اور پاس آیا۔ کچھ لوگ تب تک مجھے گھبر کر کھڑے ہو گئے تھے۔ سبھی مسکرا رہے تھے۔ اُنکے پاس 'ہوپنگ' لفظ بار بار آیا۔ اُس کا اچھا بولنے سے اُس نے وہاں کھڑے لوگوں میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ کیا جس سے میں نے جانا کہ وہ کہنا چاہتی ہے کہ وہ اور سبھی شانتی کے پیروی ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ سبھی شانتی کے پیروی ہیں۔

دھڑے سے کسی نے کہا، 'ہوپنگ وانگسے!' 'شانتی چرنجیوی ہو!' جو پاس سے گزر رہے تھے انہوں نے بھی نعرہ لگایا۔ میں نے بھی اُن گھبرائے ہوئے لوگوں کو دھڑلایا۔ پھر اُس شخص سے چھٹی لی، اُس کے بچوں سے ہاتھ ملایا اور پاس کے لوگوں سے ہاتھ ملانے لگا۔

اور وہ کہتے ہیں کہ چھ شانتی نہیں چاہتا، چھ شانتی کی چرچا لوگوں کو بہت بڑا کر دیتا ہے۔ حاصل کرنے کے لئے ہے، کہ چھ کی کائناتوں کی شانتی فریب میں، کہ چھ کی جلتا دارا سنگھت شانتی کے سرچے نہیں سرکاری رہدستی ہیں۔ لکھا سفید جوتے ہیں یہ! جو ایسی بے تکی باتیں کہتے ہیں اُن کو سمجھ لیتا چاہئے کہ اُنکے سرکاری رہدستی کا اتنا سنگھت دیکھاؤ اگر سچ دیکھاؤ ہی ہے تب بھی وہ سواہارک ہی رہے گا۔ پورے ہی سرکار دلوں میں جوش نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم چھ کی شانتی پسند ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں۔ میں یہ بات بغیر کوئی رنگ چھانے نہیں بتاتا ہوں۔ کوئی پتا اپنی بیٹی کی باتیں رنگ کر نہیں بتاتا۔ چینی سچموج شانتی چاہتے ہیں، کہ ان کے اندر اسکی آواز باہر کی گرجتی ہو تو وہ انہیں اونچے ہے، کہ وہ آواز توہیں لی گرج کر چپ کر دے گی۔

ایک سانچہ ڈاکٹر علم، امرت اور میں کھولتے نکلے۔ وہی ہے، بغیر کسی مقصد کے۔ سوک چمک رہی تھی۔ اُس کا آئینہ میں کھینچ لے چلا۔ مشہور شانتی ہوٹل کی سڑک آئی تو ہم کمرہ ہی تو چل پڑے۔ راہ معلوم نہ تھی تو نہ بھاشا تھی کہ کسی سے پوچھتے۔ پر ہم چلتے گئے اور مڑ پر بائیں کھڑے ہوئے۔ ایک اونچے عمارت کے سامنے دو آدمی ہلت کر رہے تھے۔ ہم نے اُن سے 'شانتی ہوٹل' کی راہ انگریزی میں پوچھی۔ کچھ سمجھ نہ سکے پر اُن میں سے ایک نے ہم کو ہوشیار چلنے کو کہا۔ ہم اُسے دیکھتے ہوئے گئے۔ پر اُس نے راہ روک لی۔

ایک شخص، 'ہوپنگ' کے ساتھ نہ سکا۔ ہوپنگ کا ارادہ 'شانتی' میں جاننا تھا اور مجھے لگا کہ وہ یہی ہے کہ کیا میں شانتی سمجھتی ہوں۔ میرے 'ہاں' کہنے پر وہ اور پاس آیا۔ کچھ لوگ تب تک مجھے گھبر کر کھڑے ہو گئے تھے۔ سبھی مسکرا رہے تھے۔ اُنکے پاس 'ہوپنگ' لفظ بار بار آیا۔ اُس کا اچھا بولنے سے اُس نے وہاں کھڑے لوگوں میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ کیا جس سے میں نے جانا کہ وہ کہنا چاہتی ہے کہ وہ اور سبھی شانتی کے پیروی ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ سبھی شانتی کے پیروی ہیں۔

دھڑے سے کسی نے کہا، 'ہوپنگ وانگسے!' 'شانتی چرنجیوی ہو!' جو پاس سے گزر رہے تھے انہوں نے بھی نعرہ لگایا۔ میں نے بھی اُن گھبرائے ہوئے لوگوں کو دھڑلایا۔ پھر اُس شخص سے چھٹی لی، اُس کے بچوں سے ہاتھ ملایا اور پاس کے لوگوں سے ہاتھ ملانے لگا۔

اور وہ کہتے ہیں کہ چھ شانتی نہیں چاہتا، چھ شانتی کی چرچا لوگوں کو بہت بڑا کر دیتا ہے۔ حاصل کرنے کے لئے ہے، کہ چھ کی کائناتوں کی شانتی فریب میں، کہ چھ کی جلتا دارا سنگھت شانتی کے سرچے نہیں سرکاری رہدستی ہیں۔ لکھا سفید جوتے ہیں یہ! جو ایسی بے تکی باتیں کہتے ہیں اُن کو سمجھ لیتا چاہئے کہ اُنکے سرکاری رہدستی کا اتنا سنگھت دیکھاؤ اگر سچ دیکھاؤ ہی ہے تب بھی وہ سواہارک ہی رہے گا۔ پورے ہی سرکار دلوں میں جوش نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم چھ کی شانتی پسند ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں۔ میں یہ بات بغیر کوئی رنگ چھانے نہیں بتاتا ہوں۔ کوئی پتا اپنی بیٹی کی باتیں رنگ کر نہیں بتاتا۔ چینی سچموج شانتی چاہتے ہیں، کہ ان کے اندر اسکی آواز باہر کی گرجتی ہو تو وہ انہیں اونچے ہے، کہ وہ آواز توہیں لی گرج کر چپ کر دے گی۔

ایک سانچہ ڈاکٹر علم، امرت اور میں کھولتے نکلے۔ وہی ہے، بغیر کسی مقصد کے۔ سوک چمک رہی تھی۔ اُس کا آئینہ میں کھینچ لے چلا۔ مشہور شانتی ہوٹل کی سڑک آئی تو ہم کمرہ ہی تو چل پڑے۔ راہ معلوم نہ تھی تو نہ بھاشا تھی کہ کسی سے پوچھتے۔ پر ہم چلتے گئے اور مڑ پر بائیں کھڑے ہوئے۔ ایک اونچے عمارت کے سامنے دو آدمی ہلت کر رہے تھے۔ ہم نے اُن سے 'شانتی ہوٹل' کی راہ انگریزی میں پوچھی۔ کچھ سمجھ نہ سکے پر اُن میں سے ایک نے ہم کو ہوشیار چلنے کو کہا۔ ہم اُسے دیکھتے ہوئے گئے۔ پر اُس نے راہ روک لی۔

پاک ہے۔ مینٹ بھر کو ریم فیم ہڈی، سرج ڈھ رہا تھا۔ میں اُدھر نکل گیا تھا۔ پارک لوگوں سے بھرا تھا۔ لوگ دھاس پر بیٹے جہاں تہاں بات کر رہے تھے۔ آریاتے سخی بچوں کو دھار رہی تھی۔ تندرست تاجے بچھے چیدڑیوں کی ترہ چھک رہے تھے۔ میں بھی وہی ساںک کی نسی اور آس میں کھڑا آسماں کو دیکھ رہا تھا۔ آسماں، رُہ کے کئے پوے پر پوے کھڑا چلا جا رہا تھا۔

رات ہلکے ہلکے آسماں پر بڑا چلی تھی۔ مہڈی بڑے بڑے دلوں میں آتی اور چلی جاتی۔ عکاس آدھی پاس آتے، مہڈی چوچاپ دیکھتے، ہلکے سے مہڈی دینے، چلے جاتے۔ چوچاپ میں وہ دھڑ دھڑ رہا تھا اور تارا تارا گہری ہوتی جاتی تھی۔ چاند، جو کھول کھول کھول رہی تھی، رُہ کے بکھرتے کھڑوں پر سرکنا جا رہا تھا۔ کسی نے مجھے چھو لیا۔ میں زمین کو لوٹا۔

سپش مہڈی ن تھا۔ سیکر کھڑے بچھے پاس کھڑے ہوں مہڈی دیکھنے لگے تھے۔ بڑے بڑے مہڈی سڈائی مہڈی کسی کے کھڑے آ جانے سے واناورن جیسے جڑا بھٹیل ہو جاتا ہے۔ سڈائی مہڈی واناورن کی چھٹیا لے مجھے چھٹیا کر دیا۔ سڈائی مہڈی تھا۔ کھونکے اُدھر اُدھر مہڈی ابھی خاصی تھی۔ بچھے تھن تھن کوئی چار اور چھ مہڈی کے بچھے کے۔ اُن کی ماں بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ چھ چھ چھ دیکھ رہی تھی۔ میں نے جھٹ پڑھتی تھی کے مطابق آج کل کیا۔ مہڈی سے ہلکی سڈائی مہڈی اور دو کے ہاتھ تھام لگے۔ کھونکے لگا کر پوے مہڈی تھا۔ یہ دونوں بھی مہڈی تھی تھ پر وہ اپنی جگہ کھڑے تھے۔ دوسرے ہی اُن کی ماں بھی پہلے ہی سے ہی کھڑی تھی۔ مہڈی پاس کھڑے چاکلہٹ اور تانی تھوہوں چھٹوں میں نے اُنہوں دیکھا چھا۔ پوے کے کھڑے کو رُہی نہ ہوئے اور نہ اُنہوں نے لیا۔ پوے نے پہلے تو اچھے کھڑے کی چھٹ میں بار بار ہاتھ مارا پھر وہ ماں کے پاس دوڑ کھا، اُس کا ہٹوا کھولا اور مہڈی طرف کھینچ لگا۔ ماں مہڈی مہڈی پاس سرک آئی۔ بچھے نے پوے کی قوری کھینچ لی تھی۔ اُس کا مہڈی کھول کر مجھے دیکھا لگا۔ اُس میں تانی اور مہڈیاں تھیں۔ جانا اُنہوں ان چھڑوں کی کسی نہیں۔ ایک چھو بھگ گئی تھی وہ بھی پاس آ گئی اور اپنی چھٹیں ماں کی چھٹیں میں سرکھٹا لگی۔

وہ بھی پوے کی قوری کھینچ لگی۔ ماں نے اسے تانی دے کر کھٹ کھا۔ ماں کھڑے تھی، کھڑے۔ کھڑے کھڑے اُس نے مہڈی طرف بھٹا ہوں۔ میں نے اُسکی ہاتھ دیکھے کے لگے ایک لہ لہ۔ وہ خوشی سے قل ہو گئی۔ اُس کا چھڑا کھل اُٹھا۔ اُس نے پوچھا—'اندرا؟' 'ہاں' اُنکوں اور کھ یہ سوچ کر کہ شاید اندرا کا مطلب ہندو ہے۔ میں نے کہا، 'ہندو' پھر اُس نے کچھ کہا جو میں سوائے

پاک ہے۔ مینٹ بھر کو ریم فیم ہڈی، سرج ڈھ رہا تھا۔ میں اُدھر نکل گیا تھا۔ پارک لوگوں سے بھرا تھا۔ لوگ دھاس پر بیٹے جہاں تہاں بات کر رہے تھے۔ آریاتے سخی بچوں کو دھار رہی تھی۔ تندرست تاجے بچھے چیدڑیوں کی ترہ چھک رہے تھے۔ میں بھی وہی ساںک کی نسی اور آس میں کھڑا آسماں کو دیکھ رہا تھا۔ آسماں، رُہ کے کئے پوے پر پوے کھڑا چلا جا رہا تھا۔

رات ہلکے ہلکے آسماں پر بڑا چلی تھی۔ مہڈی بڑے بڑے دلوں میں آتی اور چلی جاتی۔ عکاس آدھی پاس آتے، مہڈی چوچاپ دیکھتے، ہلکے سے مہڈی دینے، چلے جاتے۔ چوچاپ میں وہ دھڑ دھڑ رہا تھا اور تارا تارا گہری ہوتی جاتی تھی۔ چاند، جو کھول کھول کھول رہی تھی، رُہ کے بکھرتے کھڑوں پر سرکنا جا رہا تھا۔ کسی نے مجھے چھو لیا۔ میں زمین کو لوٹا۔

سپش مہڈی ن تھا۔ سیکر کھڑے بچھے پاس کھڑے ہوں مہڈی دیکھنے لگے تھے۔ بڑے بڑے مہڈی سڈائی مہڈی کسی کے کھڑے آ جانے سے واناورن جیسے جڑا بھٹیل ہو جاتا ہے۔ سڈائی مہڈی واناورن کی چھٹیا لے مجھے چھٹیا کر دیا۔ سڈائی مہڈی تھا۔ کھونکے اُدھر اُدھر مہڈی ابھی خاصی تھی۔ بچھے تھن تھن کوئی چار اور چھ مہڈی کے بچھے کے۔ اُن کی ماں بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ چھ چھ چھ دیکھ رہی تھی۔ میں نے جھٹ پڑھتی تھی کے مطابق آج کل کیا۔ مہڈی سے ہلکی سڈائی مہڈی اور دو کے ہاتھ تھام لگے۔ کھونکے لگا کر پوے مہڈی تھا۔ یہ دونوں بھی مہڈی تھی تھ پر وہ اپنی جگہ کھڑے تھے۔ دوسرے ہی اُن کی ماں بھی پہلے ہی سے ہی کھڑی تھی۔ مہڈی پاس کھڑے چاکلہٹ اور تانی تھوہوں چھٹوں میں نے اُنہوں دیکھا چھا۔ پوے کے کھڑے کو رُہی نہ ہوئے اور نہ اُنہوں نے لیا۔ پوے نے پہلے تو اچھے کھڑے کی چھٹ میں بار بار ہاتھ مارا پھر وہ ماں کے پاس دوڑ کھا، اُس کا ہٹوا کھولا اور مہڈی طرف کھینچ لگا۔ ماں مہڈی مہڈی پاس سرک آئی۔ بچھے نے پوے کی قوری کھینچ لی تھی۔ اُس کا مہڈی کھول کر مجھے دیکھا لگا۔ اُس میں تانی اور مہڈیاں تھیں۔ جانا اُنہوں ان چھڑوں کی کسی نہیں۔ ایک چھو بھگ گئی تھی وہ بھی پاس آ گئی اور اپنی چھٹیں ماں کی چھٹیں میں سرکھٹا لگی۔

وہ بھی پوے کی قوری کھینچ لگی۔ ماں نے اسے تانی دے کر کھٹ کھا۔ ماں کھڑے تھی، کھڑے۔ کھڑے کھڑے اُس نے مہڈی طرف بھٹا ہوں۔ میں نے اُسکی ہاتھ دیکھے کے لگے ایک لہ لہ۔ وہ خوشی سے قل ہو گئی۔ اُس کا چھڑا کھل اُٹھا۔ اُس نے پوچھا—'اندرا؟' 'ہاں' اُنکوں اور کھ یہ سوچ کر کہ شاید اندرا کا مطلب ہندو ہے۔ میں نے کہا، 'ہندو' پھر اُس نے کچھ کہا جو میں سوائے

[ڈاکٹر مگدھت شرن وپاڈیایہ ایشیائی شانتی سمینلن میں باگ لینے کے لیے اکتوبر 1952 میں چین گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے جو کچھ دیکھا اسکی جانکاری خطوں کے ذریعے برابر اپنے ساتھ لے کر لے دی۔ انہوں نے ایک خط ہم بھیج دیا۔ اس سے اس کے کافی جانکاری ملوگی۔ ایڈیٹر]

پیدا،

بہت ناراض ہوگی۔ انہیں لکھا نہیں، اگرچہ لکھتا رہا ہے۔ اور وہ بھی چھوٹی نہیں، خاصی لمبی چھوٹی۔ انہوں نے اپنی بابت اپنی لکھا جو ہے۔ اس کے لیے کی بابت جس نے اپنی بیاں توڑ دی ہیں۔ یہاں سچے سچے ایک نیا سفر کھولا ہو گیا ہے۔ انہوں نے انہوں کی جانچوں کی طرف دیکھا ہے۔ انہوں نے انہوں کو کئی مان ہے، کرمتہ ہے، مشقت کرنا ہے، ملتا ہے۔

چون کے بارے میں کچھ دیا تو دیکھتی ہی ہوئی۔ ہم سب کے کچھ نہ کچھ ہیں۔ کچھ پہلے خود سہارے ہی اس دشا میں اپنے وچار تھے۔ نہایت سستی کے۔ کئی ہوں۔ سہاروں سے ہونے چہون کے۔ اس کے چہون کے جو پدہ پتہوں اور گاؤں نے ظالم زمینداروں کے لیے کے لیے شرم کر کے کے پتہ سے تر پتہ تھا۔ چہون جو ادھک لکھا تھا، بالکل شوشہ تھا۔ مادک اٹھم سے چہکا ہوا، اٹھا سہا، تھلے ہونٹ۔ اور اس میں شک نہیں ہمارے یہ وچار پتہ پر پتہ رکھ پتہ میں تو پتہ ہندستان میں کھو کر پتہ والے چہونی سہارے سے پتہ تھے۔

ہر اسے وچار نہایت غلط ہونگے۔ چہون اب وہ چہون نہیں، بالکل دوسرا چہون ہے۔ ایک نیا عالم آتہ کھو ہوا ہے، نئی مابوتا جاگ کئی ہے۔ چہون کی زمین وہی ہے، وہی اس کا آسمان ہے، ہر دوس کے پتہ کی زندگی بالکل بدل گئی ہے، پہلے سے بالکل ہوں ہے۔ پہلے کی ہی طرح موسم کے بعد موسم بدلتے ہیں، پہلے کی ہی طرح ہوا اٹھال چلتا ہے، کسان پتہ کھدات کتھا ہے۔ ہر فصل کا ناچ اب کرنا اس کی بکھار میں ہے، مالک کی بکھار میں نہیں۔ سب ہاتھ بدل گئی ہیں۔

پیکنگ بھی بدل گیا ہے۔ مہان نگر کی مینیلے بھی ہیں، پورانی شالیناں دیواریں، لوبانہی مینیلے، پارک، مہان، گد، بوجیاں بھی پہلے کی طرح ہی جاگ رہی ہیں۔ اس سب کے پیچھے گلیوں میں شانتی بیراج رہی ہے، پتہ کی کتار بھی وہی ہے، ویسے ہی پتہ کی سمناسناہٹ ہے، ویسی ہی بکھار کی آواز، پر پیکنگ پتہ بھی وہ نہیں ہے۔ پہلے سے بالکل مختلف ہے۔

ابھی تھل کر لیتا ہوں۔ مہان کی بکھار بھی اس میں پتہ کو لیتا ہوں۔ مہان کی بکھار بھی اس میں پتہ کو لیتا ہوں۔ مہان کی بکھار بھی اس میں پتہ کو لیتا ہوں۔

[ڈاکٹر مگدھت شرن وپاڈیایہ ایشیائی شانتی سمینلن میں باگ لینے کے لیے اکتوبر 1952 میں چین گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے جو کچھ دیکھا اسکی جانکاری خطوں کے ذریعے برابر اپنے ساتھ لے کر لے دی۔ انہوں نے ایک خط ہم بھیج دیا۔ اس سے اس کے کافی جانکاری ملوگی۔ ایڈیٹر]

بہت ناراض ہوگی۔ انہیں لکھا نہیں، اگرچہ لکھتا رہا ہے۔ اور وہ بھی چھوٹی نہیں، خاصی لمبی چھوٹی۔ انہوں نے اپنی بابت اپنی لکھا جو ہے۔ اس کے لیے کی بابت جس نے اپنی بیاں توڑ دی ہیں۔ یہاں سچے سچے ایک نیا سفر کھولا ہو گیا ہے۔ انہوں نے انہوں کی جانچوں کی طرف دیکھا ہے۔ انہوں نے انہوں کو کئی مان ہے، کرمتہ ہے، مشقت کرنا ہے، ملتا ہے۔

چون کے بارے میں کچھ دیا تو دیکھتی ہی ہوئی۔ ہم سب کے کچھ نہ کچھ ہیں۔ کچھ پہلے خود سہارے ہی اس دشا میں اپنے وچار تھے۔ نہایت سستی کے۔ کئی ہوں۔ سہاروں سے ہونے چہون کے۔ اس کے چہون کے جو پدہ پتہوں اور گاؤں نے ظالم زمینداروں کے لیے کے لیے شرم کر کے کے پتہ سے تر پتہ تھا۔ چہون جو ادھک لکھا تھا، بالکل شوشہ تھا۔ مادک اٹھم سے چہکا ہوا، اٹھا سہا، تھلے ہونٹ۔ اور اس میں شک نہیں ہمارے یہ وچار پتہ پر پتہ رکھ پتہ میں تو پتہ ہندستان میں کھو کر پتہ والے چہونی سہارے سے پتہ تھے۔

ہر اسے وچار نہایت غلط ہونگے۔ چہون اب وہ چہون نہیں، بالکل دوسرا چہون ہے۔ ایک نیا عالم آتہ کھو ہوا ہے، نئی مابوتا جاگ کئی ہے۔ چہون کی زمین وہی ہے، وہی اس کا آسمان ہے، ہر دوس کے پتہ کی زندگی بالکل بدل گئی ہے، پہلے سے بالکل ہوں ہے۔ پہلے کی ہی طرح موسم کے بعد موسم بدلتے ہیں، پہلے کی ہی طرح ہوا اٹھال چلتا ہے، کسان پتہ کھدات کتھا ہے۔ ہر فصل کا ناچ اب کرنا اس کی بکھار میں ہے، مالک کی بکھار میں نہیں۔ سب ہاتھ بدل گئی ہیں۔

پیکنگ بھی بدل گیا ہے۔ مہان نگر کی مینیلے بھی ہیں، پورانی شالیناں دیواریں، لوبانہی مینیلے، پارک، مہان، گد، بوجیاں بھی پہلے کی طرح ہی جاگ رہی ہیں۔ اس سب کے پیچھے گلیوں میں شانتی بیراج رہی ہے، پتہ کی کتار بھی وہی ہے، ویسے ہی پتہ کی سمناسناہٹ ہے، ویسی ہی بکھار کی آواز، پر پیکنگ پتہ بھی وہ نہیں ہے۔ پہلے سے بالکل مختلف ہے۔

ابھی تھل کر لیتا ہوں۔ مہان کی بکھار بھی اس میں پتہ کو لیتا ہوں۔ مہان کی بکھار بھی اس میں پتہ کو لیتا ہوں۔ مہان کی بکھار بھی اس میں پتہ کو لیتا ہوں۔

کوآپریٹو کا سارا کام کسانوں کو خود کرنا ضروری ہے۔ کوآپریٹو کے لئے پہلے کچھ شرطوں کی پوری کرنی پڑتی ہے۔ ان شرطوں میں سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ ہر کسان اپنی مرضی کے موافق کوآپریٹو میں شامل ہو اور کسی دباؤ یا دھمکے کے کارن سہمہ وگ نہ دے۔ اس بات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور کوآپریٹو کا لائسنس دینے سے پہلے ادھکاری اس بات کی کالی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ کوآپریٹو میں شامل ہونے والے ہر کسان کو ادھکار ہے کہ اگر وہ چاہے تو تین سال کے بعد اپنی زمین الگ کر لے اور جس طرح سے چاہے اس کا استعمال کرے۔

کوآپریٹو کی ہادی کے کام آئے والے جانوروں کی تعداد ہنگری میں بہت کم ہو گئی تھی۔ بہت سے جانور تو ویدھی فوجوں مار کر کھا گئے تھے اور جب وہ ہنگری سے ہماگ رہی تھیں تو اہل ساتھ بڑی تعداد ہلکا کر بھی لہتی گئیں۔ اس کارن سے کسانوں کو بڑی دقت ہو گئی تھی لیکن انہوں نے زمین یا لہنے کے بعد پھوپال پر دھیان دیا اور تھوڑے عرصہ میں پھوپوں کی تعداد بھالی۔

نچلے کے تھیل سے ان کی ترقی کا پتہ چلتا ہے :

خینی باری کے کام آنے والے جانوروں کی تاداد ہنگری میں بہت کم ہو گئی تھی۔ بہت سے جانور تو ویدھی فوجوں مار کر کھا گئے تھے اور جب وہ ہنگری سے ہماگ رہی تھیں تو اپنے ساتھ بڑی تعداد ہلکا کر بھی لہتی گئیں۔ اس کارن سے کسانوں کو بڑی دقت ہو گئی تھی لیکن انہوں نے زمین یا لہنے کے بعد پھوپال پر دھیان دیا اور تھوڑے عرصہ میں پھوپوں کی تعداد بھالی۔

کریسم	1945 میں تاداد	1949 میں تاداد
گای بیل	1,069,000	2,306,457
چوہے	329,026	750,000
سور	1,113,517	3,382,000
بھڑ	328,467	760,800

قسم	1945 میں تعداد	1949 میں تعداد
گائے بیل	1,069,000	2,306,457
گھوڑے	329,026	750,000
سور	1,113,517	3,382,000
بھڑ	328,467	760,800

1942 میں جیتنے جانور ہنگری میں تھے ان سے 1949 میں تاداد کم ہے لیکن اگر رفتار یہی رہی تو 1954 تک جانوروں کی تاداد میں باری بڑھتی ہو جاسگی۔

1942 میں جتنے جانور ہنگری میں تھے ان سے 1949 میں تعداد کم ہے لیکن اگر رفتار یہی رہی تو 1954 تک جانوروں کی تعداد میں باری بڑھتی ہو جائے گی۔

سادیوں کے باء ہنگری کے کسان کا سہنا سچ ہوا ہے۔ وہ پھدوار بھالے کے دھن میں لگا ہوا ہے۔ کل تک جو دیہی عریب تھا آج وہاں خوشحالی ہے۔ ہنگری اور ایسے ہی دیہوں کی اور مثالوں یہ سہہ کر دیتی ہیں کہ عریبی تقدیر کے کارن نہیں ہے بلکہ مالی ویوحتھا کی خرابی کے کارن ہی کوئی عریب ہے اور کوئی امیر !

سادیوں کے بعد ہنگری کے کسان کا سہنا سچ ہوا ہے۔ وہ پھدوار بھالے کے دھن میں لگا ہوا ہے۔ کل تک جو دیہی عریب تھا آج وہاں خوشحالی ہے۔ ہنگری اور ایسے ہی دیہوں کی اور مثالوں یہ سہہ کر دیتی ہیں کہ عریبی تقدیر کے کارن نہیں ہے بلکہ مالی ویوحتھا کی خرابی کے کارن ہی کوئی عریب ہے اور کوئی امیر !

58 1994

इंगरी का भूमि सुधार

नाचे के टेबिल से बंदबारे के हर पहलू की जानकारी मिलती है :

तादद	नाम	फ़ामीन की तादद
109,875	कारमों पर नौकरी करने वाले	1,300,000 एकड़
261,088	खेतिहर मज़दूर	1,820,000 एकड़
213,930	जिनके पास प्लाट थे	1,170,000 एकड़
328,665	जिन किसानों के पास खेत थे	200,000 एकड़
221,64	मज़दूर और न्योपारी	70,000 एकड़
2420	खेत पर काम करने वाले और	
	जंगल के मज़दूर	30,000 एकड़
642,342	परिवारों ने	4,600,000 एकड़
—	बर्ष	25,000 एकड़
—	चरागाहें	600,000 एकड़
—	स्टेट फ़ार्म	70,000 एकड़
—	जंगल जिन पर जनता का	
	क़ब्ज़ा है	2,060,000 एकड़
—	जनता के इस्तेमाल के लिये	
	दूसरे प्लाट	550,000 एकड़

78 लाख 95 हजार एकड़ जमीन का बंटवारा किया गया जिसमें से आबादी और जंगलों को छोड़ कर खेती वाली जमीन 39 लाख 70 हजार एकड़ थी. ऊपर के टेबिल से पता चलता है कि खेती वाली जमीन का एक तिहाई हिस्सा उन 6 लाख 42 हजार तीन सौ ब्यालीस किसान परिवारों में बांटा गया जिन के पास खेत बिल्कुल नहीं थे और अगर किसी किसी के पास थे भी तो केवल नाम मात्र को. इस तरह हर जानवान को लगभग साढ़े सात लाख जमीन मिली.

علاقہ کی کا پوری سہولت

گئی۔ پاس کر کے اُس کھٹکی کو ہڈاہٹ دی گئی
 تھی کہ پوری زمیں چھوٹے چھوٹے ٹکروں میں بانٹ دی
 جائے۔ زمیں پر پہلے حق اُن کا مانا گیا تھا جو لوگ بڑے
 بڑے قلعوں میں نوکر کے روپ میں کھیتی کرتے تھے۔
 پھر اُن کا منہر تھا جن کے پاس کوئی کھیت نہیں تھا۔
 اُس کے بعد اُن کسانوں کا حق تھا جن کے پاس ٹھوڑی
 بھیت زمیں تھی۔ اُس کے بعد اُن خاندانوں کو زمیں دی
 گئی تھی جن کے پاس کھیت ضرور تھے لہکن خاندان
 بھیت ہوا تھا۔ ہر ایسے خاندان میں جب سے بڑے لوگ
 کو زمیں دی گئی۔ شرط یہ تھی کہ اُس لوگ کا حصہ اپنی
 دیہلی زمین ملا کر کا ہونے سے زیادہ نہ ہو۔

زمین دھمکتی کے آدھار پر بھی پانچویں لکٹی ہے اور
 پیسوار کے آدھار پر بھی۔ جو لوگ کسی علاقے میں ایسے
 بچ رہے جنہوں نے زمین نہیں مل سکی انہوں نے دوسرے
 علاقوں میں زمین دی لکٹی اور درختی کی لکٹی تہ ان سب
 کو ایک ساتھ زمین مل جائے لیکن ہر ایک کا علاقہ الگ
 رکھا گیا۔

نہیں ہے تبدیل سے بتواری کے ہر پہلو کی جانکاری ملتی ہے:

تعداد	نام	زمن کی تعداد
109,875	فارمون پر نوکری کرنے والے	1,300,000 ایکڑ
261,088	بھرتہ مزدور	1,820,000 ایکڑ
218,930	جن کے پاس ہلات تھ	1,170,000 ایکڑ
32865	جن کسانوں نے پاس کھیت تھ	200,000 ایکڑ
22164	مزدور اور بھوہادی	70,000 ایکڑ
2420	کھیت پر کام کرنے والے اور	
	جنگل کے مزدور	30,000 ایکڑ
642,342	ہیروادوں نے	4,600,000 ایکڑ
—	چراغ	25000 ایکڑ
—	چراگھیں	600,000 ایکڑ
—	استعمت فارم	70,000 ایکڑ
—	جنگل جن پر جنگل کا ہیضہ تھ	2,060,000 ایکڑ
—	جنگل کے استعمال کے لیے	
	دیوہرے ہلات	550,000 ایکڑ

78 لاکھ 95 ہزار ایکوڑ زمین کا ہتھوڑا کیا گیا جس میں سے آبادی اور جنگلوں کو چھوڑ کر کھیتی والی زمین 89 لاکھ 70 ہزار ایکوڑ تھی۔ اوپر کے جدول سے پتہ چلتا ہے کہ کھیتی والی زمین کا ایک تہائی حصہ اُن 6 لاکھ 42 ہزار تین سو پچاس کسان پروزاروں میں بانٹا گیا جن کے پاس کھیت بالکل نہیں تھی اور اگر کسی کسی کے پاس تھ بھی تو کھول نام مقرر ہو۔ اِس طرح ہر خانہ داری کو لگ بھگ ساڑھے ایکوڑ زمین ملی۔

زور کی فوجوں اکٹھے اور اندولوں کو فوجی طاقت سے
دبا دیا گیا۔ کچھ کسانوں کو دیہی زلزلہ اور کچھ کو
قبر سہو زمیوں ملنے کی آہا نے ساتھ سے دیا گیا۔

لہکنی اب کسان جاگ لیا تھا اور زمین حاصل کرنے کی اس کی پیاس بڑھ گئی تھی۔ اسی کارن عفتکوی فی ہر راج کاجی پادشی نے اس مانگ کو اچھ پرورکرل میں شامل کر لیا تھا کہ چونکہ ہونے والوں کو زمین ملے۔ بہت سے اہل پتہل ہوئے لہکنی کسانوں کا یہ سہلہ سچ نہ ہو سکا۔

مارچ 1919 میں کمیونسٹ پارٹی نے ہنگری میں
 سوویت ریپبلک بنائی لیکن ساڑھے چار مہینے کے بعد
 واپسی فوجوں نے آ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس سے
 بڑی بڑی ریاستوں سے زمین چھین لی گئی لیکن
 کسان تک وہ نہ پہنچ سکی۔ زمین چھین کر ان میں
 پہنچ گئی کھیتی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا نتیجہ
 یہ ہوا کہ کسان نواہں ہو گئے اور اس کا ساہس قائم نہ
 رہا۔ اس سوویت ریپبلک کے خاتمہ میں یہ بھی ایک
 بڑا کارن تھا۔ بعد کو ہنگری کے انقلابی नेताؤں نے اسے مانا
 اور دوبارہ طاقت ہاتھ میں آنے پر انہوں نے یہ غلطی
 نہیں ہونے دی۔

اسلام کی ہودنی

دوسری لڑائی میں روس نے ہٹلر کی فوجوں کا اچھ
دیکھ کے باہر بھی پھینکا تھا۔ 1944-45 میں روسی
فوج نے ہنگری سے ہٹلر کی فوجوں اور اُس کے سپہ سالاروں
کو ختم کر دیا اور ہنگری وہاں کی جیتا کے سپرد کر دیا۔
ہنگری میں جو سرکار بنی وہ سب پارٹیوں کی سرکار تھی
اور کمیونسٹ پارٹی اِن میں سے ایک تھی۔ اِس سرکار نے
15 مارچ سن 1945 کو ایک ڈگری پاس کی جس نے
انوسار بیوی بیوی ریاستہائے نوز دی گئیں اور زمین کسانوں
میں بانٹ دی گئی۔

زمین سے کھدائی کیسے؟

ہوئی ہوئی چھاتروں سے زمینی چھتوں لہانے کے بعد یہ سوال کھڑا ہوا کہ زمینی کا ہتھوارہ کون کرے۔ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ہر انتظامی علاقے کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہوگی اس کے سرپرست یہ کام کر دیا گیا۔ اس کمیٹی کے سرپرستوں نے سرپرست نہیں کیے۔ ان سب کی کمیٹی کی گئی جو اس علاقے میں زمینی پانے کے حق دار تھے۔ ان سب کو حق تھا کہ زمینی کا ہتھوارہ کرنے کے لئے چٹاؤ کر کے یہ ایک کمیٹی بنائیں۔ ہر ایسی روٹھا ہو ایک ایسی کمیٹی میں چٹا چٹا تھا۔ اس طرح یہ خود کسانوں نے ہی زمینی کا ہتھوارہ کیا ہے۔

کا کچا سہارا ہو سکتا تھا جس کے پاس ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ ہنگری میں کارخانے نہیں تھے جن میں نوکری لگ سکتی، سرکار اور تاللوکھاروں کو انکی موسیبت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بڑے بڑے زمیندار ویدہوں کو سستا فائدہ ہوجاتا تھا اور غریب کسانوں کی جان بڑے بھارت کے بل بوتے پر سوچ کر تھی۔ بے کہمت والے لسان بڑے بڑے تعلیم پر جا کر کام کرتے تھے۔ اچھے سے اچھے زندگی ان لسانوں کے لئے جو وہ یہ نہیں تھے جسکی مزدوری پر کام کرتے تھے اور ہوں سے ہی زندگی جو ان کے لئے تھی وہ یہ تھی نہ ان کو بالکل ہی کام نہ آئے اور یہ بہو کوں نہیں۔ یہ تعلق ان کو برابر کام سمجھا نہیں کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے ہنگری کے لسان دورگاہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے تھے۔ 1899 سے لے کر 1913 تک 14 سال میں بارہ لاکھ لسان اپنا وطن چھوڑ کر یوٹ بھرے کی کھوج میں ویدہوں کو چلے گئے۔ اسی حالت میں ان کے لئے کوئی استراحت و رہنمائی ہی نہیں تھی۔ چھوڑ دیں تو یہ لوگ دھمکے تھے۔ ان چھوڑ دیں تو یہ کوئی ہوئی تھی اور نہ کوئی ہی ہوتا تھا۔ انہیں کھوڑ دیں میں بچے بڑے، مرد، عورت سب گھڑا کر لے کر لے رہے تھے۔ ظاہر بات ہے جس دیش کی یہ حالت ہو وہاں ہنگریوں کی کشتی کربا ناممکن ہے۔

شاہک ورگ کے لوگ اپنا آلو سہارا کرنے کے لئے کسانوں کو بھرم میں ڈالے رکھتے تھے۔ اپنا مطلب سامنے کے لئے انہوں نے ہر طرح کی نفرت پھیلانے کا سامان اپنایا تھا۔ اندھی وطن پرستی جلتا کی کشتی میں ماں کے دودھ کی طرح اناؤ دی گئی تھی۔ انہوں بتایا تھا کہ ہنگری والے سب سے اونچے جاٹ کے ہیں اور ہنگری نے پورے دوستانہ اور سہارا کی جلتا سے ان کو نفرت کرنا چاہئے۔ اچھے دیش کے ان لوگوں سے بھی نفرت کرے کا پتہ عام جلتا کو پرمایا تھا جن کی ہنگری میں کم تعداد تھی۔ ہنگری میں یہودیوں نے خاصہ زبردست کھربا پھیلی ہوئی تھی۔ فرض ہر طرح سے یہ کوشش کی گئی تھی کہ جلتا خواستہ ناخواستہ کے چوکوں میں بھلسی دے اور اچھے دیش کو نہ دیکھ پائے !

کسان کی مانگ

کسان کی مانگ

تمام کوششوں کے بعد بھی کبھی کبھی جلتا اچھے دیش کو پہچانتی تھی اور وہ اپنا حق لینے کے لئے کوشش کرتی تھی۔ سولہویں صدی میں کسانوں نے ہنگری میں برباد کی تھی۔ شاہک ورگ سے ان کی مانگ تھی کہ انہیں کسانوں کو ملے۔ لیکن وہ انقلاب کامیاب نہ ہو سکا۔ 1848 میں ہنگری کے کسانوں نے انکریلاک کا مضمنا کر دیا۔ یہ کامیاب بھی ہو گیا لیکن روس سے

تمام کوششوں کے بعد بھی کبھی کبھی جلتا اچھے دیش کو پہچانتی تھی اور وہ اپنا حق لینے کے لئے کوشش کرتی تھی۔ سولہویں صدی میں کسانوں نے ہنگری میں برباد کی تھی۔ شاہک ورگ سے ان کی مانگ تھی کہ انہیں کسانوں کو ملے۔ لیکن وہ انقلاب کامیاب نہ ہو سکا۔ 1848 میں ہنگری کے کسانوں نے انکریلاک کا مضمنا کر دیا۔ یہ کامیاب بھی ہو گیا لیکن روس سے

ہنگری کا भूमि सुधार

(گنگا شرن)

ہنگری پوربی یورپ کے ان دیہوں میں سے ایک ہے جس میں نے ہمارا دھیان اپنی طرف مبذول کیا ہے۔ اس دیہ کی کل رقبہ 36 ہزار مربع میل ہے اور 92 لاکھ آبادی میں سے 45 لاکھ آدمی خیتی باری پر निर्भर کرتے ہیں۔ یورپ کا یہ دیہ پچھوا ہوا اور فریب مانا جاتا تھا۔ کچھ سال اور قبل کے لئے ایدوک والے دیہی ہمیشہ اس پر دانت چومائے رہتے تھے۔ اس پر کبھی ترکوں نے راج کیا اور کبھی جرمنوں نے، کبھی یہ آسٹریا کے ادھ بن رہا اور کبھی کسی اور شکلی شالی راجت کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس کے انتہاس میں بہت اٹھل پھل ہوتا تھا۔ کچھ چھوٹے ایسی دیہیں تھیں جن میں کسی سم سے بھی کسی کے راج میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی—فریبی، بوکانی اور فلامی۔ دبا ہوا، غلام، فریبی کی حالت میں ڈوبا ہوا یہ دیہیں کہہ کر آٹھا سکا کہہ کر اس میں نئی لہر دوڑ سکی کہہ کر اس کا نیا جنم ہو سکا، یہ ہمارے لئے جاننا ضروری ہے۔ نئے ہنگری کو جنم دینے میں یہاں کے یہودی سدھار کا زبردست ہاتھ ہے۔ اس سدھار کی تفصیل سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ان سمجھاؤں کو سمجھ لیں جن کا حل زمین سدھار ہے :

زمین کا نا برابر بٹوارا

کل کسان آبادی میں سے صرف 16 لاکھ کسان ایسے تھے جن کے پاس کھیت کے چھوٹے ٹکڑے تھے۔ بہت سے ٹکڑے تو آدھے ایکڑ سے بھی کم تھے۔ ہنگری کی خیتی والی زمین کے 48 فی صدی حصے پر 12000 تعلقہ دار قبضہ چلائے تھے۔ اس زمین کا بھی بہت بڑا حصہ 30± روپے سے کم پر پاس تھا۔ انیس لاکھ کسانوں کے پاس ایک ایکچر بھی زمین نہیں تھی۔ یہ لوگ "30 لاکھ بھوک مرنے" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ ہنگری کرجوں کی زیادتی کے لئے مشہور ہے۔ ان کرجوں کے پاس بھی زمین کا بہت بڑا حصہ تھا۔

کسان کی حالت

جب اتنا نا برابر بٹوارا ہوتا تھا تو یہ بات ظاہر ہے کہ ایک بڑے حصے کو بے روزگار رہنا پڑے گا، بھوک مرنے کا اور ہر قدر کی تھوکر کھانی پڑے گی۔ وہ کسان بھی ایسا ہیست نہیں ہو سکتے تھے جن کے پاس ایک آدھ ایکڑ زمین تھی۔ پھر ان کسانوں کی بھوک مٹانے

ہنگری کا یہودی سدھار

(گنگا شرن)

ہنگری پوربی یورپ کے ان دیہوں میں سے ایک ہے جس میں نے ہمارا دھیان اپنی طرف مبذول کیا ہے۔ اس دیہ کی کل رقبہ 36 ہزار مربع میل ہے اور 92 لاکھ آبادی میں سے 45 لاکھ آدمی کھیتی باری پر निर्भर کرتے ہیں۔ یورپ کا یہ دیہ پچھوا ہوا اور فریب مانا جاتا تھا۔ کچھ سال اور قبل کے لئے ایدوک والے دیہی ہمیشہ اس پر دانت چومائے رہتے تھے۔ اس پر کبھی ترکوں نے راج کیا اور کبھی جرمنوں نے، کبھی یہ آسٹریا کے ادھ بن رہا اور کبھی کسی اور شکلی شالی راجت کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس کے انتہاس میں بہت اٹھل پھل ہوتا تھا۔ کچھ چھوٹے ایسی دیہیں تھیں جن میں کسی سم سے بھی کسی کے راج میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی—فریبی، بوکانی اور فلامی۔ دبا ہوا، غلام، فریبی کی حالت میں ڈوبا ہوا یہ دیہیں کہہ کر آٹھا سکا کہہ کر اس میں نئی لہر دوڑ سکی کہہ کر اس کا نیا جنم ہو سکا، یہ ہمارے لئے جاننا ضروری ہے۔ نئے ہنگری کو جنم دینے میں یہاں کے یہودی سدھار کا زبردست ہاتھ ہے۔ اس سدھار کی تفصیل سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ان سمجھاؤں کو سمجھ لیں جن کا حل زمین سدھار ہے :

زمین کا نا برابر بٹوارا

کل کسان آبادی میں سے صرف 16 لاکھ کسان ایسے تھے جن کے پاس کھیت کے چھوٹے ٹکڑے تھے۔ بہت سے ٹکڑے تو آدھے ایکڑ سے بھی کم تھے۔ ہنگری کی خیتی والی زمین کے 48 فی صدی حصے پر 12000 تعلقہ دار قبضہ چلائے تھے۔ اس زمین کا بھی بہت بڑا حصہ 30± روپے سے کم پر پاس تھا۔ انیس لاکھ کسانوں کے پاس ایک ایکچر بھی زمین نہیں تھی۔ یہ لوگ "30 لاکھ بھوک مرنے" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ ہنگری کرجوں کی زیادتی کے لئے مشہور ہے۔ ان کرجوں کے پاس بھی زمین کا بہت بڑا حصہ تھا۔

کسان کی حالت

جب اتنا نا برابر بٹوارا ہوتا تھا تو یہ بات ظاہر ہے کہ ایک بڑے حصے کو بے روزگار رہنا پڑے گا، بھوک مرنے کا اور ہر قدر کی تھوکر کھانی پڑے گی۔ وہ کسان بھی ایسا ہیست نہیں ہو سکتے تھے جن کے پاس ایک آدھ ایکڑ زمین تھی۔ پھر ان کسانوں کی بھوک مٹانے

ہندوستانی شہدیاں کا ساتواں اصول: ہندوستانی میں باہری لفظوں کی نیسبت بندی

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندوستانی کو سب کی بولی بنانے اور भारत کی سب سے پیاوا आम और चालू भाषा बनाने के लिये हिन्दुस्तानी में अरबी, फारसी, संस्कृत, हिन्दी, अंगरेजी और देसी भाषाओं के लफ्जों का ऐसा तनासुब (Proportion) होना चाहिये कि हिन्दुस्तानी का मुकाब देसीयत की तरफ हो. वह हिन्दी नुमा उर्दू या उर्दू का मजा रखने वाली हिन्दी हो जिस में यورपी भाषाओं से बिचाई शब्द और देसी भाषाओं से अच्छे अच्छे लफ्ज बिला भिन्नक लिये जायें.

उर्दू ने पिछली दहाईयों में यह भारी शक्ती की कि नवे लफ्जों को सिर्फ अरबी और फारसी से लिया, और संस्कृत या हिन्दी की तरफ ध्यान नहीं दिया. इस वजह से हिन्दी लफ्जों की गिनती उर्दू में बराबर कम होती गई और अरबी फारसी का पल्ला भारी होते होते उर्दू मुश्किल, अजनबियाना और डरावनी हो गई. उर्दू ने अपने और सर चशमों को छोड़ कर सिर्फ एक चशमे से सेराब होना चाहा इसलिये वह बेगाना हो गई क्योंकि बढ़ती हुई गहराई से उर्दू में फारसी पन और अरबी पन का रंग पैदा होता गया. फिर क्या ताज्जुब है कि आम तौर पर उर्दू को मुसलमानों की ज़बान खयाल किया जाने लगा.

अगर हिन्दी प्रेमी और हिन्दुस्तानी के पक्ष पाती उर्दू की शक्ती से फायदा उठाना चाहते हैं तो उनके लिये खास कर हिन्दुस्तानी वालों के लिये यह जरूरी है कि वह हिन्दुस्तानी के तीनों सर चशमों से सेराब होते रहें और वह भी इस तरह कि हिन्दुस्तानी की आम कहमी क़ायम रहे और वह बिचाई, दफ्तरी, सरकारी, समाजी, व्यापारी शब्द सब प्रकार की जरूरतों को पूरा कर सके जिसके लिये फिर वही असूल इस्तिहार करना पड़ता है कि हिन्दुस्तानी में सब क्रिसम के लफ्ज हों और वह भी इस खास निमत से कि उसकी सही हालत और कैफियत पर असर न पड़े.

हिन्दुस्तानी मिलबां भाषा है. बहुत पियावा तादाव में इसके लफ्ज हिन्दी और संस्कृत से आए हैं. पच्छिमी एशिया की भाषाओं के लफ्ज भी काफ़ी तादाव में हैं. योरपी भाषाओं के सैकड़ों लफ्ज हिन्दुस्तानी में आ चुके हैं. देसी भाषाओं से हिन्दुस्तानी बहुत से लफ्ज ले चुकी और ले सकती है. अगर हम आइन्दा यही कोशिश करें कि नवे लफ्ज बिचावा तर हिन्दी और संस्कृत से लें. इसके बाद देसी भाषाओं, योरपी भाषाओं और पच्छिमी एशियाई भाषाओं से तो हिन्दुस्तानी का मिलबां पन बाक़ी रहेगा.

हिन्दुस्तानी की सب से बड़ी बिशेशता में उसका हर दिल प्रेम और आम समझ पन है. इनको क़ायम रखने के लिये यह जरूरी है कि तमाम सर चशमों के लफ्ज खास निमत से लिये जायें ताकि हिन्दी या उर्दू के बरखिलाफ़ हिन्दुस्तानी बोझ, बिहंगम और भयानक न हो जाय.

ہندستانی شہدیاں کا ساتواں اصول: ہندستانی میں باہری لفظوں کی نسبت بندی

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندستانی کو سب کی بولی بنانے اور भारत کی سب سے پیاوا آم اور چالو بھاشا بنانے کے لئے ہندستانی میں اربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، انگریزی اور دیسی بھاشوں کے لفظوں کا ایسا تناسب (Proportion) ہونا چاہئے کہ ہندستانی کا جھکاؤ دیسیت کی طرف ہو۔ وہ ہندی نما اردو یا اردو کا موازنہ والی ہندی ہو جس میں یورپی بھاشوں سے دیسی شبد اور دیسی بھاشوں سے اچھے اچھے لفظ بجا جھپٹک لئے جائیں۔

اردو نے پچھلی دہائیوں میں یہ بھاری غلتی کی کہ نئے لفظوں کو صرف اربی اور فارسی سے لیا اور سنسکرت یا ہندی کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اس وجہ سے ہندی لفظوں کی غلتی اردو میں برابر کم ہوتی گئی اور اربی فارسی کا پل بھاری ہوتے ہوتے اردو مشکل، اجنبیانہ اور ڈراؤنی ہو گئی۔ اردو نے اچھے اور سرچشموں کو چھوڑ کر صرف ایک چشمہ سے سیراب ہونا چاہا اس لئے وہ بیگانہ ہو گئی کہوں کہ بھتی ہری گہرائی سے اردو میں فارسی پانی اور اربی پانی کا رنگ پیدا ہو گیا۔ پھر کیا تعجب ہے کہ آج کل ہر اردو کو مسلمانوں کی زبان خیال کیا جاتا ہے۔ اگر ہندی پریمی اور ہندستانی کے بعض پانی اردو کی غلتی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ان کے لئے خاص کر ہندستانی والوں کے لئے یہ زوروری ہے کہ ہندستانی والوں سے تینوں سرچشموں سے سیراب ہوتے رہیں اور وہ بھی اس طرح کہ ہندستانی کی آہ نہیں قائم رہے اور وہ دیسی، ہندوی، سرائی، ساجی، بھڑائی، لہری سب پرکار کی زوروں کو پورا کر سکے جس کے لئے پھر وہی اصول اختیار کرنا پڑتا ہے کہ ہندستانی میں سب قسم کے لفظ ہوں اور وہ بھی اس خاص نسبت سے کہ اس کی سہی حالت اور کیفیت پر اثر نہ پڑے۔

ہندستانی ملول بھاشا ہے۔ بہت زیادہ تعداد میں اس کے لفظ ہندی اور سنسکرت سے آئے ہیں۔ پچھلی اسیالی بھاشوں کے لفظ بھی کافی تعداد میں ہیں۔ یورپی بھاشوں کے سیکڑوں لفظ ہندستانی میں آ چکے ہیں۔ دیسی بھاشوں سے ہندستانی بہت سے لفظ لے چکی اور لے سکتی ہے۔ اگر ہم آئندہ بھی کوشش کریں کہ نئے شبد زیادہ تر ہندی اور سنسکرت سے لیں، اس کے بعد دیسی بھاشوں، یورپی بھاشوں اور پچھلی اسیالی بھاشوں سے تو ہندستانی کا ملول پن باقی رہے گا۔

ہندستانی کی سب سے بڑی دشمنی میں اس کا ہر مل پرہم اور آم سمجھ پن ہیں۔ ان کو قائم رکھنے کے لئے یہ زوروری ہے کہ تمام سرچشموں کے لئے خاص نسبت سے لفظ چاہیں تاہم ہندی یا اردو کے بر خلاف ہندستانی بوجھل، بھنگم اور بھانگ نہ ہو جائے۔

جیسے آپ گئے سمجھتے تھے تکرے تک کروا دیئے۔ آپ کی اس ساتھی بھگتی کو لے کر ہمارے فلاسٹر، آپ سبھا پتی دادھا کوشلی جی 16 اپریل کو آپ محل سے کئی میل چلکر نئی دہلی کے اسٹیشن آئے اور صرف اس لئے کہ ان کو نئی دہلی سے ریل میں بٹھانے کے لئے نائٹس دیکھنے جانا تھا۔ یہ نائٹس نئی دہلی سے لاہور میں ہی آنے لگے۔ سرکار کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ انہیں پالم کے ہوائی اڈے لے جا کر ہوائی جہاز سے نائٹس بھگتی پر شائد اس لئے انہیں ریل کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے مجبور کیا گیا کہ نائٹس ریل کی تھی۔ لوگ اگر فلاسٹر صاحب پر انگلیاں اٹھائیں تو یہ ان کی ایسی ہی بھوکولی ہوگی جیسے کوئی اس دولہے پر انگلی اٹھائے جو چلوے سے سسرال تک ٹھوڑی پر چوہرے جاتے۔ اس میں اس کا کیا قصور! سناج جاتے، اس کا باپ جاتے! ٹھیک اسی طرح اس میں فلاسٹر صاحب کا کیا قصور، وہ تو ہندوستانی جمہوریت کے یعنی بھارت، جاسکا راج کے دولہا نہ سہی شہزادہ تو ہیں ہی۔ دولہے کی طبیعت خراب ہونے پر، کہیں کہیں رواج ہے، دولہے نے بھائی سے کام لے لیا جانا ہے۔

باپ، ابھی آپ اس پر تھکا نہ کھجئے۔ یہ تو ہم نے پرچا سنا راج فاسی ندی کا ایک کنارہ دکھایا۔ اسی سے ملتا چلتا دوسرا کنارہ ہے سلطنت ونوبا، جو ہزاروں میل دور جاتیں تو پودل ہی جاتیں۔ آپے دانندی مارچ پودل کہا تھا تو راونڈتھیل میں شامل ہونے کے لئے شملہ سے آپ کے لئے ایسٹن چھوٹی تھی اور بمبئی میں جہاز رکا رہا تھا۔

ہم اور ہماری سرکار آپ کے کسی بھی روپ کو کبھی نہیں بھگتے، آپے دھنگ سے سب روپ آئے یاد ہیں۔ کس پاتھ کا کہاں ابھوگ کرنا چاہئے یہ تو وہ اپنی سمجھ سے ہی ابھوگ کرے گی، کہونکے آپ تک نہ نار کا سلسلہ ہے، نہ ٹھلہٹھلے کا، نہ واٹرلیمس کا، دیکھو تک آپ تک پہنچنے میں ہار مان بٹھتا ہے۔ پر باپو ہماری سب بات آپ سن لیتے ہیں اور چبھی آپ مسکرا دے ہیں۔

—بھگوان دسی—

—بھگوان دسی—

ہنٹشام بھی کر رکھا تھا جیسا کہ لوگوں کے پاؤں پڑ کر
بھ جال ابھی ن ہونے پای۔ پر وہ دو تان گھل چوڑا
پول لاکھوں آدمیوں کو کسے گھارنا اسلئے جگہ جگہ
سے لوگ اسے پائے پائے پار کر رہے تھے، ہم یہ دیکھ کر من
مساوس کر رہ جاتے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے کئی بار اسے
ابھکتوں پر فیکرے بھی کسے، کہ دیکھو، یہ جھلا مائی کے پوتر جل کو
کے پوتر جل کو اپنے پائے سے گندا کر رہے ہیں۔

بھکے بھکے کھا کر بھیڑ کو پار کرتے ہوئے ہم رت
کے میدان میں آئے۔ جھلا مائی کی بھتی ہوئی گھار یھاں سے
کر لنگ بھر دور تھی۔ بھاں میں اننگینت لوگ پار کے کنارے
کینارے دور تک کھڑے دیکھا دیئے۔ ہم بھی بھکتی سے بھکتی
پہنچے، ہمارے ساتھی بھتی ہوئی گھار کو دیکھ
کر چھوٹے اور وہ اس لئے کہ جھلا جل نے، جل نہ رہا کر، ادھ
اوپر دودھ کی طرح گارہا روپ لے لیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ جھلا
مائی نے اپنے بھکتوں کے لئے اترے ہوئے ہینگ پھٹی مصیبت
کی وجہ سے ہو۔ ہم تو بھی سمجھ۔ اور باپو، ہم ہلا
سوچ سمجھ بھکتی میں قرب کر جھلا مائی کے جل
میں چل ہی پڑے۔ بہروزی دور چل کر جب جل کھٹوں
سے اوپر آیا اور قدسہ کھاٹ چھوٹی گلدہ ہوئی نکتوں
میں پہنچی تو پھر ہمت نہ ہوئی کہ ہم اسے نرہ
جل کو لپاک کریں۔ بس ہم لوٹ آئے اور ہمارے سب
ساتھوں نے، ملے سے ایک شہد نکالے ہمارا ساتھ دیا۔

باپو، یہ سب تو ہوا، پر سواراج کا ہم سے بھی
بھ کر تماشا دیکھنے کو ملا۔ بڑے بڑے، مرد اور ت،
سامکدار ناامک، سب کے سب آجادی پا، جھاں تھان
پشاک کر کے، چاہے جھاں ٹھڑی کر کے سب کے سب پوری ترہ
آجادی کا انانند لے رہے تھے۔ سب سے بھ کر بات جو
کھل سامکداروں سے سوننے کو ملتی، باپو، وہ یہ ہے،
وہ کھ رہے تھے، ”یہ سب کمونیزم کے لئیے کیناٹل
ہے اور دلی کی سرکار نے اسکو بھیکنے کے لئیے آس
تور سے ہنٹشام کیا ہے۔“

بس باپو، آپکی آٹوں والی کیناٹل کی بات کو
دلی کی سرکار نے کھ بھکی ترہ سامک لیا ہے، اور
یہ سونکر آپ کو کیتنی کھری ہوئی ہوگی کہ وہ اس
آجادی کا کیتنا بھکھا بھکھا کر رہی ہے.....
باپو، دلی کی سرکار کبھی بھی اسے کھکی نہیں
کھتی !

اور سنیے، آپ کانگریس کے پریسیڈنٹ رہے تو، بھ
بھ آندولنوں کے ڈیکٹٹر رہے تو، ہمیشہ اپنے ساتھ
کی بات دھان سے سنیے رہے۔ اور وہی کرتے رہے جو آپ کے
ساتھوں نے چاہا۔ ساتھوں کی خاطر آپ نے بھارت کے

ہنٹشام بھی کر رکھا تھا۔ جس سے لوگوں کے پاؤں پڑ کر وہ جل
اوپر نہ ہونے پائے۔ پر وہ دو تان گھل چوڑا پول لاکھوں آدمیوں
کو کھکھا کھکھا۔ اس لئے جگہ جگہ سے لوگ اسے پائے پائے پار کر رہے
تھے۔ ہمارے ساتھوں نے کئی بار اسے ابھکتوں پر
فیکرے بھی کسے، کہ دیکھو، یہ جھلا مائی کے پوتر جل کو
اپنے پائے سے گندا کر رہے ہیں۔

دھکے مکے کھا کر بھو کو پار کرتے ہوئے ہم رت
کے میدان میں آئے۔ جھلا مائی کی بھتی ہوئی گھار یھاں سے
کر لنگ بھر دور تھی۔ وہاں بھی اننگینت لوگ پار کے کنارے
کینارے دور تک کھڑے دیکھا دیئے۔ ہم بھی بھکتی سے بھکتی
پہنچے، ہمارے ساتھوں نے کئی بار اسے ابھکتوں پر
فیکرے بھی کسے، کہ دیکھو، یہ جھلا مائی کے پوتر جل کو
اپنے پائے سے گندا کر رہے ہیں۔

باپو، یہ سب تو ہوا، پر سواراج کا اس سے بھی بھکھا تماشا
دیکھنے کو ملا۔ چھوٹے بڑے، مرد اور ت، سمکدار ناامک
سب کے سب آزاد پائے، جھاں تھان پشاک کر کے، چاہے
جھاں ٹھڑی کر کے سب کے سب پوری طرح آزادی کا آند
لے رہے تھے۔ سب سے بھکھا بات جو کچھ سمکداروں سے
ملنے کو ملی، باپو، وہ یہ ہے، ”یہ سب کمونیزم کے لئے
کھٹل ہے اور دلی کی سرکار نے اس کو چھوٹنے کے لئے خاص
طور سے ہنٹشام کیا ہے۔“

بس باپو، آپ کی آنتوں والی کھٹل کی بات کو دلی
سرکار نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اور یہ سن کر آپ
کو کھلی کھلی ہوئی ہوگی کہ وہ اس جانکری کا کھٹا اچھا
اچھوگ کر رہی ہے..... باپو، دلی سرکار کبھی بھی اسے
موتوں پر آپ کو نہیں بھکتی !

اور سنیے، آپ کانگریس کے پریسیڈنٹ رہے تو، بھ
بھ آندولنوں کے ڈیکٹٹر رہے تو، ہمیشہ اپنے ساتھوں کی
بات دھان سے سنیے رہے۔ اور وہی کرتے رہے جو آپ کے
ساتھوں نے چاہا۔ ساتھوں کی خاطر آپ نے بھارت کے

باپ سے

اگر ہم بھولتے نہیں ہوں تو 'باپو' آپ لہسن کے بہت شوقین تھے۔ لہسن تو آپ کچی بے نمک پسوا کر کھاتے تھے اور انکا کھاتے تھے کہ آپ کے پھلے سے لہسن کی بو آئے لگی تھی۔ جو بھلے آپ کی سووا میں دیتی تھیں وہ اس گندہ سے گھبرا اٹھی تھیں جو آپ کے تن سے نکلتی تھی۔ 'پر' وہ سب تھیں بھکت' اس گندہ کو سہن کرتی تھیں' اور اس خیال سے کہ کہیں ان کی بھکتی کو بگا نہ لگ جائے وہ اپنی ناک تک بلند نہ کرتی تھیں۔ یہ تو یہ تھیں کہ آپ نے ان بھکتوں کا خیال کر کے لہسن چھوڑا یا نہیں' پر یہ ضرور یاد ہے کہ ایک بار لہسن کی تعریف میں آپ نے یہ کہا تھا کہ یہ آنتوں کا فڈائل ہے فڈائل! اس سے بھکتوں بھکاری کے جوسس دور بھاگتے ہوں۔ 'باپو' تھوٹک اسی طرح کا ایک نمائندہ ہوں بھسکتی کے دن دلی میں چملا کے کنارے دیکھتے کو ملا۔ ہم بال بچوں سمیت چار بچے اٹھ کر' چملا اٹھان کی بھکتی میں ڈوبے ہوئے چملا کی اور چل دیے۔ اس بھکتی میں ہمیں اس تکلف کا کوئی دھیان ہی نہ ہو پایا جو ہمیں بھڑو میں چلنے سے ہوئی۔ سکہ جوان لوگوں کی ان سماج سہواؤں کی طرف ذرا بھی دھیان نہ کیا جو وہ اپنے ساتھ کو دھکا دے کر سامنے سے آتی جوان لوگوں پر گرا کر رہے تھے۔ ہم ان سب اڑچڑوں کو پار کرتے ہوئے چھوٹے تھیں کر قدمہ کھات پھونچے۔ وہاں پھونچتے ہی بدبو کا ایک جھوکا آیا' ہمارے ساتھ ہوں نے ناکیں بلند کرنا شروع کیں' ہمارا ہاتھ ناک تک پھونچے پھونچے کہ ہم چملا مائی کی سامنے کی سوہوں پر جا پھرنے۔ پتہ لگا یہ بدبو چملا مائی کی ہے اور درگندہ نام سے نہیں پکاری جاسکتی کیونکہ وہ تو چملا مائی کے جل سے آدھی تھی جو رک کھا تھا اور جو شائد تھنوں تھنوں ہی نہ تھا۔ جب فڈائل کی بو کو بدبو نہیں کہا جاتا اور جب آپ لہسن کی بو کو بدبو نہیں کہتے تھے' تب ہم اس کو کہتے درگندہ کہتے۔ چملا مائی کے جل کو بدبوداؤں کہنا آپ کو ابھکت ثابت کرنا تھا۔ بس 'باپو' ہم نے ہمت کر کے ناک نہیں بلند کی' نہیں بلند کی! آپ ساتھ ہوں کو ناک بلند کرنے کے لئے ہتھکڑا۔ کچھ پر اثر ہوا کچھ پر نہیں۔ چملا جی کے جوسہ پوتر جل کا اہسان کر کے گندے جل میں تبدیل کرنے کی بات بھی ہم نہ سوچ سکے۔ پھر اس میں پاؤں ڈال آئے اپوتر کرنے کا ہاتھ تو ہم کر ہی نہیں سکتے تھے۔ دلی سرکار یا دلی سرکار کی ماتحت دلی مونسہلتی نے بہت سوچ سمجھ کر بالشت قیوم بالشت اُلچے ایک پل کا

باپ سے

اگر ہم بھولتے نہیں ہوں تو 'باپو' آپ لہسن کے بہت شوقین تھے۔ لہسن تو آپ کچی بے نمک پسوا کر کھاتے تھے اور انکا کھاتے تھے کہ آپ کے پھلے سے لہسن کی بو آئے لگی تھی۔ جو بھلے آپ کی سووا میں دیتی تھیں وہ اس گندہ سے گھبرا اٹھی تھیں جو آپ کے تن سے نکلتی تھی۔ 'پر' وہ سب تھیں بھکت' اس گندہ کو سہن کرتی تھیں' اور اس خیال سے کہ کہیں ان کی بھکتی کو بگا نہ لگ جائے وہ اپنی ناک تک بلند نہ کرتی تھیں۔ یہ تو یہ تھیں کہ آپ نے ان بھکتوں کا خیال کر کے لہسن چھوڑا یا نہیں' پر یہ ضرور یاد ہے کہ ایک بار لہسن کی تعریف میں آپ نے یہ کہا تھا کہ یہ آنتوں کا فڈائل ہے فڈائل! اس سے بھکتوں بھکاری کے جوسس دور بھاگتے ہوں۔ 'باپو' تھوٹک اسی طرح کا ایک نمائندہ ہوں بھسکتی کے دن دلی میں چملا کے کنارے دیکھتے کو ملا۔ ہم بال بچوں سمیت چار بچے اٹھ کر' چملا اٹھان کی بھکتی میں ڈوبے ہوئے چملا کی اور چل دیے۔ اس بھکتی میں ہمیں اس تکلف کا کوئی دھیان ہی نہ ہو پایا جو ہمیں بھڑو میں چلنے سے ہوئی۔ سکہ جوان لوگوں کی ان سماج سہواؤں کی طرف ذرا بھی دھیان نہ کیا جو وہ اپنے ساتھ کو دھکا دے کر سامنے سے آتی جوان لوگوں پر گرا کر رہے تھے۔ ہم ان سب اڑچڑوں کو پار کرتے ہوئے چھوٹے تھیں کر قدمہ کھات پھونچے۔ وہاں پھونچتے ہی بدبو کا ایک جھوکا آیا' ہمارے ساتھ ہوں نے ناکیں بلند کرنا شروع کیں' ہمارا ہاتھ ناک تک پھونچے پھونچے کہ ہم چملا مائی کی سامنے کی سوہوں پر جا پھرنے۔ پتہ لگا یہ بدبو چملا مائی کی ہے اور درگندہ نام سے نہیں پکاری جاسکتی کیونکہ وہ تو چملا مائی کے جل سے آدھی تھی جو رک کھا تھا اور جو شائد تھنوں تھنوں ہی نہ تھا۔ جب فڈائل کی بو کو بدبو نہیں کہا جاتا اور جب آپ لہسن کی بو کو بدبو نہیں کہتے تھے' تب ہم اس کو کہتے درگندہ کہتے۔ چملا مائی کے جل کو بدبوداؤں کہنا آپ کو ابھکت ثابت کرنا تھا۔ بس 'باپو' ہم نے ہمت کر کے ناک نہیں بلند کی' نہیں بلند کی! آپ ساتھ ہوں کو ناک بلند کرنے کے لئے ہتھکڑا۔ کچھ پر اثر ہوا کچھ پر نہیں۔ چملا جی کے جوسہ پوتر جل کا اہسان کر کے گندے جل میں تبدیل کرنے کی بات بھی ہم نہ سوچ سکے۔ پھر اس میں پاؤں ڈال آئے اپوتر کرنے کا ہاتھ تو ہم کر ہی نہیں سکتے تھے۔ دلی سرکار یا دلی سرکار کی ماتحت دلی مونسہلتی نے بہت سوچ سمجھ کر بالشت قیوم بالشت اُلچے ایک پل کا

को अलौकिक शक्तियों के फेर में नहीं पड़ना चाहिये, वे शक्तियां आदमी को रास्ते से भटका देती हैं। उसे चाहिये कि सब प्राणियों के अन्दर उसी एक ईश्वर को देखने की कोशिश में लगा रहे, यह सब अलौकिक शक्तियां नए नए ढंग का अहंकार पैदा करके आदमी को फंसाए रखती हैं, इसलिये चाहिये कि वह सब के अन्दर के भगवान को देखने की कोशिश में लगा रहे, यही अमर जीवन हासिल करने का रास्ता है।

बिना इस परोपकार भाव और इस त्याग भाव के भी
 आदमी बड़ी बड़ी शक्तियाँ हासिल कर सकता है और
 बाहर की प्रकृति पर क़ाबू पा सकता है, पच्छिम के
 साइन्स वालों ने ऐसा किया भी है, लेकिन इससे आत्मा
 की शांति नहीं मिलती, अपने अपने दिलों के खोज करने
 पर सब को अपने अन्दर अशांति और असन्तोश ही दिखाई
 देता है, इस असन्तोश में भी एक तरह का सुख है, नशा
 है, तेज़ी है, टाप टाप है, तड़क भड़क है, गैस धिजली और
 महल हैं, युद्ध के मैदान और लाखों और करोड़ों की तड़प
 तड़प कर भीत है, जिन लोगों की आत्माएं अभी इसी दर्जे
 तक पहुँची है, और जो इस बुझार में मुबतला हैं उन पर
 इन उपदेशों का कोई असर नहीं हो सकता, उन्हें उस समय
 तक उन्होंने के रास्ते पर चलने देना चाहिये जब तक कि
 उनके अन्दर से आवाज़ न आवे, और कड़वे तज़रबे के
 बाद वह इस अधोमार्ग यानी क़ौसे नज़ूल से मुड़ कर ऊर्ध्व
 मार्ग यानी क़ौसे उरूज़ पर न चलने लगे ऊर्ध्व मार्ग यानी
 ऊपर की चढ़ाई में भी बड़े बड़े तज़रबे होते हैं, बड़ी बड़ी
 शक्तियाँ खुलती हैं, बाहर की प्रकृति यानी कुदरत के ऊपर
 भी और अपनी आत्मा के ऊपर भी वो वो शक्तियाँ खुलती
 हैं जो उतार के रास्ते की शक्तियों से कहीं बढ़ कर होती हैं,
 फ़रक केवल यह होता है कि साइन्स फिर आत्मा की दामी
 बन कर काम करती है, मनुष्य उन शक्तियों का उपयोग
 दूसरों के यानी सब के भले के लिये करता है और पग पग
 पर यह देखता परखता रहता है कि कहीं अपने झूटे स्वार्थ
 या खुश्री के असर में आकर वह उन शक्तियों का ग़लत
 इस्तेमाल तो नहीं कर रहा है, इस मार्ग पर हर आदमी
 अपने तन मन धन और अपनी सारी शक्तियों को सब की
 अमानत समझता है, यही इन्सानी तरक्क़ी यानी मानव
 इन्नति की असली राह है, यह इस लोक और परलोक
 दोनों की भलाई, खुशहाली और बढ़ौती की राह है।

کو الونک شکستوں کے پھر میں نہیں پہنا چاہئے، یہ شکستیں آدمی کو راستہ سے ہٹکا دیتی ہیں۔ اے چاہئے کہ سب پرواہوں کے اندر اسی ایک اہلور کو دیکھنے کی کوشش میں لگا دے، یہ سب الونک شکستیں ملے ملے قہنگ کا اہلکار پیدا کرے آدمی کو پہنچائے رکھتی ہیں، اس لئے چاہئے کہ وہ سب کے اندر کے بہکوان کو دیکھنے کی کوشش میں لگا دے، یہی امر جہوں حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

یہاں اس پروہکار بہاؤ اور اس تھاک بہاؤ نے بھی آدمی بڑی بڑی شکستیں حاصل کر سکتا ہے اور باہر کی ہزرتی پر قابو پاسکتا ہے۔ پچھم نے سائنس دانوں نے ایسا کیا بھی ہے۔ لیکن اس سے آتما کی شانتی نہیں ملتی۔ اپنے اپنے دنیاں کی کھوپڑیوں پر سب کو اپنے اندر اٹھاتی اور اٹھاتی ہی دہائی دیتا ہے۔ اس اسکتوش میں بھی ایک طرح کا سمجھ بھگ ہے، نفع ہے، نفی ہے، توپ ٹاپ ہے، ٹوک بھوک ہے، کوس بھلی اور سھل ہیں، پدہ کے مہدان اور لالہوں اور کروڑوں کی ٹروپ ٹاپ ٹر سوت ہے۔ جن لوگوں کی آسائشیں ابھی اسی درجے تک پہنچتی ہیں اور جو اس بھار میں مبتلا ہیں ان پر ان 'اپدیشوں' کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اس سے تک ابھوں کے راستہ پر چلنے دینا چاہئے جب تک کہ ان کے اندر سے آواز نہ آئے اور دھوئے نہ لے لے بعد وہ اس ادھرومارگ یعنی کوس نزل سے مر کر آدھرومارگ یعنی کوس دروچ پر نہ چلنے لگیں۔ آدھرومارگ یعنی اوپر کی چوٹائی میں بھی بڑے بڑے تھپے ہوتے ہیں، بڑی بڑی شکستیں کھلتی ہیں، باہر کی ہزرتی یعنی قدرت نے اوپر بھی اور اپنی آتما نے اوپر بھی وہ وہ شکستیں کھلتی ہیں جو آثار کے راستہ کی شکستوں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سائنس پھر آتما کی داسی بن کر کام کرتی ہے، مفسدہ ان شکستوں کا ابھوک دروڑوں کے یعنی سب کے ہاتھ کے لئے کرتا ہے اور پگ پگ پر یہ دیکھتا پہنچتا رہتا ہے کہ کہیں اپنے جھوٹے سوارانہ یا خودی کے اثر میں آکر وہ ان شکستوں کا غلط استعمال تو نہیں کر رہا ہے۔ اس مارگ پر ہر آدمی اپنے تن من دھن اور اپنی ساری شکستوں کو سب کی امانت سمجھتا ہے۔ یہی انسانی ترقی یعنی مانو اتنی کی اصلی راہ ہے۔ یہ اس لوگ اور پروک دونوں کی بھائی، خوشحالی اور بھونگی کی راہ ہے۔

(ریشیست ناٹ ڈیٹل), اور من. بچن, اور کرم تینوں کو پاک رکھا. ईमा ने कहा है कि अमर जीवन हासिल करने के लिए यानी कामल बनने के लिए सब पुराने राह दिखाने वाले यही उपदेश देते रहें हैं.

मोहम्मद साहब ने भी इस तरह के खजियों के लिये 'कुक्र' और 'मुक्र' यानी अपरिमह और सतांश का उपदेश दिया है. एक मशहूर हदीस है :—

अल कुक्रो फल्लरी.

यानी मुझे अपनी फल्लरी का अभिमान है.

वैदिक धर्म में सन्यासियों के लिए हुकुम है कि वह रुपये पैसे या धन को हाथ न लगावें.

इश्वरत ईसा ने अपने चेलों को हुकुम दिया था कि वे "अपने थैलों में सोना, चांदी, या पीतल न रखें." लिखा है कि 'ईसा के पास कोई चीज या कोई जगह ऐसी नहीं थी जहां सिर धर कर लेट सके'

सेंट पीटर को जब किमी ने ईसाई धर्म के प्रचार के लिए धन देना चाहा तो उन्होंने यह कह कर लेने से इनकार कर दिया—"तेरा धन तेरे साथ ही नष्ट हो. क्योंकि तू समझता है कि ईश्वर का वरदान धन से खरीदा जा सकता है." (बाइबल).

यह सब रास्ता अपनी खुदी को मिटाने और सबके अन्दर रमे हुए खुदा को पहचानने का रास्ता है.

इस रास्ते में एक बड़ा डर यह है कि बीच में आदमी को अनीसी ताकतें, करामात और अद्वि मिद्धि लुमाने जाती हैं और बहुत से लोग उन्हीं में फंस कर रह जात हैं. इसके लिये एक सूफी ने लिखा है :—

दरां मंजिल बुअद कस्को करामात,
वले बायद गुजश्तन जां मुक्रामात
अगर दुनिया व उक्रबा पेश आयद,
नखर करदन दरां हरशिक्ष न शायद
अगर गरदो तू दरे तौहीद फानी
ब हक याबी बक्राये जिन्दगानी

इस रास्ते में कस्फ और करामात यानी अद्वि सिद्धि मिलती हैं, लेकिन आदमी को चाहिये कि उनका झोड़ कर आगे बढ़ जाय. अगर लोक और परलोक दोनों उसके सामने आ जावें तब भी उसे चाहिये कि उनकी तरफ आंख उठा कर भी न देखे. अगर तू तौहीद यानी एक ईश्वर के अन्दर अपने को मिटा दे तो हक (अल्लाह) के अन्दर हमेशा के लिये अमर हो जाय.

योगसूत्र में, शंकराचार्य के शारीरिक भाष्य में, और आगबत तीनों में जगह जगह साफ साफ लिखा है कि योगी

(دوست ناک اہل) اور 'من' بچن' اور کرم تینوں کو پاک رکھو. موسیٰ نے کہا ہے کہ امر جہوں حاصل کرنے کے لئے یعنی کاسل ہلنے کے لئے سب بولنے والے دہانے والے یہی اہدیش دیتے رہے ہوں .

محمّد صاحب نے بھی اس طرح کے کھوجوں کے لئے فقر' اور 'سکت' یعنی اپنی کڑ اور سکتوں کا اہدیش دیا ہے. ایک مشہور حدیث ہے :—

ال فقر و فقری

یعنی مجھے اپنی فقری کا ابھمان ہے .

ویدک دھرم میں سلیاسوں کے لئے حکم ہے کہ وہ روپے پैसे یا دھن کو ہاتھ نہ لکاویں .

حضرت موسیٰ نے اپنی چھلوں کو حکم دیا تھا کہ وہ "اپنی تھیلوں میں سونا، چاندی، یا پیتل نہ رکھیں." لکھا ہے کہ "موسیٰ نے پاس کوئی چھڑ یا کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں سر دھر کر لوٹ سکیں."

سہمت پھو کو جب کسی نے عیسائی دھرم کے پرچار کے لئے دھن دینا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر ہلنے سے انکار کر دیا—"تیرا دھن تیرے ساتھ ہی نشت ہو، کیونکہ تو سمجھتا ہے کہ ایشور کا وردان دھن سے خریدا جاسکتا ہے." (بائبل)

یہ سب راستہ اپنی خودی کو مٹانے اور سب کے اندر رمے ہوئے خدا کو پہچاننے کا راستہ ہے .

اس راستے میں ہوا قدر یہ ہے کہ بھج میں آدمی کو انوکھی طاقتوں، کرامات اور رومی سدھی لہجے جانی ہوں اور بہت سے لوگ انہوں میں پھنس کر رہ جاتے ہوں . اس کے لئے ایک صوفی نے لکھا ہے :—

دراں منزل بود کسف و کرامات,
ولے ہائد گذشتن زان مقامات
اگر دنیا و عقبی یہیں آند
نظر کریں دراں ہرگز نہ شاید
اگر کوئی تو در توحید فانی
بہ حق یابی بقائے زندگانی

اس راستے میں کسف اور کرامات یعنی رومی سدھی ملتی ہیں، لیکن آدمی کو چاہئے کہ ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائے . اگر لوک اور پرلوک دونوں اُس کے سامنے آ جاویں تب بھی اُسے چاہئے کہ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے. اگر تو توحید یعنی ایک ایشور کے اندر اپنے کو مٹا دے تو حق (اللہ) کے اندر ہمیشہ کے لئے امر ہو جائے .

یوگ سوتر میں، شنگر اچاریہ کے شارک بھاشہ میں اور بھارتیہ میں جگہ جگہ صاف صاف لکھا ہے کہ یوگی

دے دیے جائیں۔ شہل یعنی نوکی ایسی ہو کہ ہری ہری پورا ہو جائے ہر ہری آدمی یعنی یہ نہ ملے۔ اچھا یا کمالا کسی چھوٹی سے چھوٹی چھوٹی ہری نہ رہ گئی ہو۔ بدھی یعنی صاف ہو کہ سب کے اندر ہی حقیقت (یعنی ایک ہی آتما) دکھائی دیتی ہو۔ سب نے پہلے نے لکے سدا تن من لگا رہے، موت کے سامنے بھی سچائی پر قنّا رہے، ہری سے ہری تکلیفوں میں ہری ہستی ہلی رہے، دھورج نہی بھی ہاتھ سے نہ جائے، سب پر دیا اور پریم دے اور نہ سچل من سے دنیا کے چلتے ہوئے چکر کو دیکھ۔

اس طرح نے نہیں کی فرض یہ ہوتی ہے کہ آدمی باہر سے ہٹ کر اپنے اندر کی طرف مڑے اس سے دھورے دھورے اندر کی سوئی ہوئی طاقتیں جاگتی ہوں۔ دنیا کا سفر اور یہاں سے کوچ کا راستہ آسان ہو جاتا ہے، اہلکار یعنی خودی ملتی ہے، اور آدمی دھورے دھورے اپنے اصلی روپ کو پہچان کر اسی میں جا ملتا ہے۔ ہر مذہب کی کتابوں میں اس طرح کی اور بھی اصاؤں اور اس طرح کے کامل لوگوں کے بیان ملتے ہیں جنہوں نے دھورے دھورے اس راستے کو طے کیا ہے۔

پانتجلی نے اپنے یوگ سوتروں میں ایسے کھوجوں کے لئے پانتج یم اور پانتج یم لکھا ہے کہ :—

अहिंसा ! सत्य स्तेय ब्रह्मचर्यापरिमहाः यमः

शौच संतोष तपः स्वाध्याय ईश्वरप्रणि ध्यानानि नियमाः

अहिंसा یعنی کسی جاندار کو ایذا نہ پہنچانا، سچائی، چوری نہ کرنا یعنی کسی طرح بھی دوسرے کا حق نہ لوٹنا، برہمچریہ یعنی بیک چلتی، اپنی کڑہ یعنی اپنی ضرورت سے ادھک مال نہ جمع کرنا، یہ پانتج یم ہوں۔ اور شوج یعنی پانی، سنتوش یعنی کفایت، سچ یعنی اپنے اور لاپرواہ، سوادھما یعنی اچھی چھوڑیں ہو، اور ایشور ہری مدھان یعنی اپنے آپ کو ہوری طرح اللہ کی مرضی پر چھوڑ دینا، یہ پانتج یم ہوں۔

ایشور ہری مدھان کا ہی ٹھکانہ انوار (اسلام) شہد ہے۔ "مسلم" کے لفظی معنی ہوں وہ آدمی جس نے اپنے آپ کو ہوری طرح ایشور کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو۔

میں نے جب کسی نے پوچھا کہ "اگر چھوٹا حاصل کرنے کے لئے میں اور تم دونوں" تو انہوں نے جواب دیا— "اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جو کچھ تیرے پاس ہے سب دیکھیں تو دے قال اور ہر مہرے پوچھ چل۔"

(ہاتھ) تمہک یہی اپنی کڑہ کا مطلب ہے۔

ہندو دھرم میں اس راستے کو یوگ، اسلام میں سلوک، اور عیسائی دھرم میں کمونین ونگڈ کہا گیا ہے۔

ایسے لوگوں کو حکم ہے کہ سب پر انہوں کو اہلکار ہیں۔ عیسائی نے کہا ہے "برائی کا مقابلہ صفت کرو"

دے دیے جائیں۔ شہل یعنی نوکی ایسی ہو کہ ہری ہری پورا ہو جائے ہر ہری آدمی یعنی یہ نہ ملے۔ اچھا یا کمالا کسی چھوٹی سے چھوٹی چھوٹی ہری نہ رہ گئی ہو۔ بدھی یعنی صاف ہو کہ سب کے اندر ہی حقیقت (یعنی ایک ہی آتما) دکھائی دیتی ہو۔ سب نے پہلے نے لکے سدا تن من لگا رہے، موت کے سامنے بھی سچائی پر قنّا رہے، ہری سے ہری تکلیفوں میں ہری ہستی ہلی رہے، دھورج نہی بھی ہاتھ سے نہ جائے، سب پر دیا اور پریم دے اور نہ سچل من سے دنیا کے چلتے ہوئے چکر کو دیکھ۔

اس طرح نے نہیں کی فرض یہ ہوتی ہے کہ آدمی باہر سے ہٹ کر اپنے اندر کی طرف مڑے اس سے دھورے دھورے اندر کی سوئی ہوئی طاقتیں جاگتی ہوں۔ دنیا کا سفر اور یہاں سے کوچ کا راستہ آسان ہو جاتا ہے، اہلکار یعنی خودی ملتی ہے، اور آدمی دھورے دھورے اپنے اصلی روپ کو پہچان کر اسی میں جا ملتا ہے۔ ہر مذہب کی کتابوں میں اس طرح کی اور بھی اصاؤں اور اس طرح کے کامل لوگوں کے بیان ملتے ہیں جنہوں نے دھورے دھورے اس راستے کو طے کیا ہے۔

پانتجلی نے اپنے یوگ سوتروں میں ایسے کھوجوں کے لئے پانتج یم اور پانتج یم لکھا ہے کہ :—

अहिंसा ! सत्य स्तेय ब्रह्मचर्यापरिमहाः यमः

शौच संतोष तपः स्वाध्याय ईश्वरप्रणि ध्यानानि नियमाः

अहिंसा یعنی کسی جاندار کو ایذا نہ پہنچانا، سچائی، چوری نہ کرنا یعنی کسی طرح بھی دوسرے کا حق نہ لوٹنا، برہمچریہ یعنی بیک چلتی، اپنی کڑہ یعنی اپنی ضرورت سے ادھک مال نہ جمع کرنا، یہ پانتج یم ہوں۔ اور شوج یعنی پانی، سنتوش یعنی کفایت، سچ یعنی اپنے اور لاپرواہ، سوادھما یعنی اچھی چھوڑیں ہو، اور ایشور ہری مدھان یعنی اپنے آپ کو ہوری طرح اللہ کی مرضی پر چھوڑ دینا، یہ پانتج یم ہوں۔

ایشور ہری مدھان کا ہی ٹھکانہ انوار (اسلام) شہد ہے۔ "مسلم" کے لفظی معنی ہوں وہ آدمی جس نے اپنے آپ کو ہوری طرح ایشور کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو۔

میں نے جب کسی نے پوچھا کہ "اگر چھوٹا حاصل کرنے کے لئے میں اور تم دونوں" تو انہوں نے جواب دیا— "اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جو کچھ تیرے پاس ہے سب دیکھیں تو دے قال اور ہر مہرے پوچھ چل۔"

(ہاتھ) تمہک یہی اپنی کڑہ کا مطلب ہے۔

ہندو دھرم میں اس راستے کو یوگ، اسلام میں سلوک، اور عیسائی دھرم میں کمونین ونگڈ کہا گیا ہے۔

ایسے لوگوں کو حکم ہے کہ سب پر انہوں کو اہلکار ہیں۔ عیسائی نے کہا ہے "برائی کا مقابلہ صفت کرو"

ہزارت ماسا کی دس آجائوئیں میں سے پانچ یہ ہیں :—
کسی کی جان مت لو، بھڑی گواہی مت دو، چوری
مت کرو، بدچلنی مت کرو، اپنے پڑوسی کے مال کا
لوہ مت کرو۔

ہزارت عیسا نے بھی انہیں آجائوئیں کو دہرایا اور
بڑایا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے :—لانا ہے ان پر جو سوہہ اٹھتے
ہیں اور دین میں شراہ پیتے ہیں (باہبل، عیسا)۔

ایک دوسری جگہ انجیل میں لکھا ہے :—

سوہیہ کین پر آتی ہے؟ رنج کینہ ہوتا ہے؟
کڑے کینہ کرنے پڑتے ہیں؟ بڑبڑانا کینہ پڑتا ہے؟
بے کار شاہ کینہ لگاتے ہیں؟ آسٹ لال کین کی ہانتی
ہیں؟ یہ وہ لگا ہیں جو بٹ کر شراہ پیتے ہیں۔ عیسا لیتے
تو شراہ کی لالہ پر مت جانا اور شراہ کے پالے
سے دین ن لگاؤ۔ آسٹ میں شراہ ساپ کی ترہ
آدمی کو ہنس لیتا ہے۔ اسے اپنے جہر سے مار ڈالتی
ہے۔ (Bible Proverbs, 23-29-32)۔

کوران میں لکھا ہے :—

آسٹا کے بندوں میں سے کسی کو کٹل نہ کرو،
آسٹا نے اسے منا کیا ہے۔ سیباہ انسان کے لیے،
بھڑ مت بولو، جو آدمی یا آسٹ چوری کرے اس کے
ہاتھ کاٹ لے، شراہ اور نرہ کی چیخیں شتان
کی چالوں میں سے ہیں، جا لگا اپنا ہڈیاں پر کابو رکھتے
ہیں اور بدچلنا نہیں کرتے وہاں جان میں سہل ہوتے ہیں۔

یہ پانچ اصول جلد میں ملے، بدھ، موسیٰ عیسیٰ اور
محمّد صپ نے ضروری تھرایا ہے، معمولی کرہستوں کے
لئے ہیں۔ سلہاسہوں، بکھڑوں، بکھڑوں، سالکوں اور
فقرہوں کے لئے جو آسٹ روحانی زندگی بسر کرنا چاہتے
ہیں، اس سے اور کڑے ہم اور ہم میں تکرر وہ لوگوں کی اور
اچھی طرح سمجھا کر کہیں۔ انہیں مندو دھرم میں ہم، ہم،
اور اسلام میں زہد اور ریاضت نہ کہا ہے۔ اور ہر دھرموں
میں ان کے دوسرے نام ہیں۔ اصل میں یہ اوپر کے پانچ
نہیں نے ہی بڑے ہوئے روپ ہیں۔

بودھ بکھڑوں یا شرموں کے لئے یہ پانچ باتیں بھی
ضروری ہیں :—

(1) سوائے نہت سے کے اور ہمہ کھانا نہیں کھانا،
(2) ناچ، گانا، بجانا، اور ناٹک نہیں دیکھنا، (3)
پھل مالا، پھل پھل، اور سجاوٹ کی چیزوں سے بچنا،
(4) آسٹ اور گدے دار جگہوں پر نہیں بٹھنا،
اور (5) سونا، چاندی نہیں بٹھنا۔ یہ پانچ ملے کر دس
شکل مرجاتے ہیں۔ آگے چل کر ان میں اور بھی ادھک
کڑائی ہوتی جاتی ہے۔ بودھ گریہوں میں لکھا ہے :—
دانی لہسا ہو کہ دانی کوئی پران بھی مگر نہ آئے

حضرت موسیٰ کی دس آجائوئیں میں سے پانچ یہ ہیں :—
کسی کی جان مت لو، جھوٹی گواہی مت دو، چوری
مت کرو، بدچلنی مت کرو، اپنی پڑوسی کے مال کا
لوہ مت کرو۔

حضرت موسیٰ نے بھی انہیں آجائوئیں کو دہرایا اور
بڑایا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے :—

لعلت ہے ان پر جو صبح اٹھتے ہیں اور دن میں
شراہ پیتے ہیں (باہبل، عیسا)۔

ایک دوسری جگہ انجیل میں لکھا ہے :—

مصیبت کین پر آتی ہے؟ رنج کینہ ہوتا ہے؟
کڑے کینہ کرنے پڑتے ہیں؟ بڑبڑانا کینہ پڑتا ہے؟
بے کار شاہ کینہ لگاتے ہیں؟ آسٹ لال کین کی ہانتی
ہیں؟ یہ وہ لگا ہیں جو بٹ کر شراہ پیتے ہیں۔ عیسا لیتے
تو شراہ کی لالہ پر مت جانا اور شراہ کے پالے
سے دین ن لگاؤ۔ آخر میں شراہ ساپ کی طرح آدمی
کو دس لیتی ہے۔ آگے زہر سے مار ڈالتی ہے۔ (Bible
Proverbs 23-29-32)

قرآن میں لکھا ہے :—

اللہ کے بندوں میں سے کسی کو قتل نہ کرو۔ اللہ نے
اسے منع کیا ہے۔ سوائے انصاف کے لئے، جھوٹ مت بولو،
جو آدمی یا عورت چوری کرے اس کے ہاتھ کاٹ لے،
چاہتوں، شراہ اور شرہ کی چیزیں شيطان کی چالوں
میں سے ہیں، جو لوگ اپنی اندریوں پر قابو رکھتے ہیں
اور بدچلنی نہیں کرتے وہی جہن میں سہل ہوتے ہیں۔
یہ پانچ اصول جلد میں ملے، بدھ، موسیٰ عیسیٰ اور
محمّد صپ نے ضروری تھرایا ہے، معمولی کرہستوں کے
لئے ہیں۔ سلہاسہوں، بکھڑوں، بکھڑوں، سالکوں اور
فقرہوں کے لئے جو آسٹ روحانی زندگی بسر کرنا چاہتے
ہیں، اس سے اور کڑے ہم اور ہم میں تکرر وہ لوگوں کی اور
اچھی طرح سمجھا کر کہیں۔ انہیں مندو دھرم میں ہم، ہم،
اور اسلام میں زہد اور ریاضت نہ کہا ہے۔ اور ہر دھرموں
میں ان کے دوسرے نام ہیں۔ اصل میں یہ اوپر کے پانچ
نہیں نے ہی بڑے ہوئے روپ ہیں۔

بودھ بکھڑوں یا شرموں کے لئے یہ پانچ باتیں بھی
ضروری ہیں :—

(1) سوائے نہت سے کے اور ہمہ کھانا نہیں کھانا،
(2) ناچ، گانا بجانا اور ناٹک نہیں دیکھنا، (3)
پھل مالا، پھل پھل، اور سجاوٹ کی چیزوں سے بچنا،
(4) آسٹ اور گدے دار جگہوں پر نہیں بٹھنا،
اور (5) سونا، چاندی نہیں بٹھنا۔ یہ پانچ ملے کر دس
شکل مرجاتے ہیں۔ آگے چل کر ان میں اور بھی ادھک
کڑائی ہوتی جاتی ہے۔ بودھ گریہوں میں لکھا ہے :—
دانی لہسا ہو کہ دانی کوئی پران بھی مگر نہ آئے

ہندو دھرم میں مہنت کو سب سے پہلا راہ دیکھانے والا مانا جاتا ہے۔ مہنت نے جسے آدمی کا ساماسیک دھم بتایا ہے وہ وہی ہے جسے یوگشاخ میں پانچ دھم کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ اسی کو بود نے پانچ مہنت کہا ہے۔ یہی پانچ اسسٹن مہنت کی دس آجیائیوں میں ہیں۔ انہی کو ہندو نے دھم کہا ہے۔ یہی ہمیں کران میں ملاتے ہیں۔ مہنت-سٹیت میں لکھا ہے :-

अहिंसा सत्यमस्तेयं
शौचं इन्द्रिय निग्रह
एतम् सामासिकम् धर्मम्,
चातुर्वर्ण्ये ब्रवीन्मनुः

یانی، اہیسا (کسی کو ہتھیانا نہ کرنا)، سچائی، چوری نہ کرنا، سفاکی اور اپنی ہندریاں یانی ناس کو کراہ میں رکھنا۔ یہی آجیائیوں میں مہنت کے اسسٹن مہنت کا دھم ہے، چاہے وہ کسی بھی پیر کے ہوں۔

- بود نے ہر آدمی کے لیے دھم کے پانچ اسسٹن مہنت گناہ ہیں جنہیں سر اڈوین آرنالڈ نے اپنی مہنت، سندر اور امار کتاہ "دی لائٹ آف ایشیا" میں اس طرح اسسٹن مہنت کر کے بتایا ہے :-

(1) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (2) ہتھیانا نہ کرنا، (3) لوگوں سے لین دین کرنا، (4) لوگوں سے لین دین کرنا، (5) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (6) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (7) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (8) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (9) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (10) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا۔

جین شاستروں میں لکھا ہے :-

آدمی کے لیے پانچ برت یہ ہیں :- کسی کی جان نہ لینا، ہتھیانا نہ کرنا، زبردستی کسی کی جان نہ لینا، بھارت یانی بددھلتی نہ کرنا، اور اپنی اسسٹن مہنت سے آدھک مال اپنے پاس نہ رکھنا۔

جین مہنتوں میں کئی کئی ان کے ساتھ شراہ، ماس اور مہنت کا تھاک بھی لکھا ہے۔

کھانائوں میں لکھا ہے :-

کسی کو مارنا، ہتھیانا نہ کرنا، بددھلتی نہ کرنا، بھارت یانی بددھلتی نہ کرنا، اور پانچوں کو ہتھیانا نہ کرنا اور سب کا بھارت یانی بددھلتی نہ کرنا، یہی دھم کا سار ہے۔

ہندو دھرم میں مہنت کو سب سے پہلا راہ دیکھانے والا مانا جاتا ہے۔ مہنت نے جسے آدمی کا ساماسیک دھم بتایا ہے وہ وہی ہے جسے یوگشاخ میں پانچ دھم کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ اسی کو بود نے پانچ مہنت کہا ہے۔ یہی پانچ اسسٹن مہنت کی دس آجیائیوں میں ہیں۔ انہی کو ہندو نے دھم کہا ہے۔ یہی ہمیں کران میں ملاتے ہیں۔ مہنت-سٹیت میں لکھا ہے :-

अहिंसा सत्यमस्तेयम्
शौचं इन्द्रिय निग्रह
एतम् सामासिकम् धर्मम्,
चातुर्वर्ण्ये ब्रवीन्मनुः

یانی، اہیسا (کسی کو ہتھیانا نہ کرنا)، سچائی، چوری نہ کرنا، سفاکی اور اپنی ہندریاں یانی ناس کو کراہ میں رکھنا۔ یہی آجیائیوں میں مہنت کے اسسٹن مہنت کا دھم ہے، چاہے وہ کسی بھی پیر کے ہوں۔

(1) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (2) ہتھیانا نہ کرنا، (3) لوگوں سے لین دین کرنا، (4) لوگوں سے لین دین کرنا، (5) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (6) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (7) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (8) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (9) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا، (10) کسی کی جان مت لو تاکہ ایسا نہ ہو کسی کو ہتھیانا نہ کرنا۔

جین شاستروں میں لکھا ہے :-

آدمی کے لیے پانچ برت یہ ہیں :- کسی کی جان نہ لینا، ہتھیانا نہ کرنا، زبردستی کسی کی جان نہ لینا، بھارت یانی بددھلتی نہ کرنا، اور اپنی اسسٹن مہنت سے آدھک مال اپنے پاس نہ رکھنا۔

جین مہنتوں میں کئی کئی ان کے ساتھ شراہ، ماس اور مہنت کا تھاک بھی لکھا ہے۔

کھانائوں میں لکھا ہے :-

کسی کو مارنا، ہتھیانا نہ کرنا، بددھلتی نہ کرنا، بھارت یانی بددھلتی نہ کرنا، اور پانچوں کو ہتھیانا نہ کرنا اور سب کا بھارت یانی بددھلتی نہ کرنا، یہی دھم کا سار ہے۔

भक्ति यानी इश्क का रास्ता

(डाक्टर भगवानदास)

भक्ति मार्ग यानी इश्क की राह कोई अलग राह नहीं है। आदमी की ज़िन्दगी में ज्ञान यानी "मारकत" इच्छा यानी सज़ाहिश, और काम यानी अमल, तीनों साथ साथ चलते हैं। उन्हें एक दूसरे से बिनकुल अलग नहीं किया जा सकता। केवल समझने की आसानी के लिए हम इन्हें अलग अलग बयान करते हैं। भक्ति का सम्बन्ध आदमी की इच्छा, उसके दिल के भावों और जज़बों से है भक्ति, प्रेम, यानी इश्क एक तरफ़ आत्मा का ऊँचा उठाना है और दूसरी तरफ़ दिल की गहराइयों को साफ़ कर के उनमें उजाला पैदा करता है। इसी से आदमी का सदाचार मक्ता और उभरता है।

ज्ञान को अगर हम आदमी का सिर कहें तो प्रेम आदमी का दिल है, और अमल आदमी के हाथ पैर हैं। इन तीनों को मिला कर ही पूरा आदमी बनता है। साधारण मानव प्रेम, जिसे इश्क मजाजी कहते हैं, जीवन में आनन्द पैदा करता है। यह मानव प्रेम भगवद् भक्ति का जिसे अज्ञानन्द या इश्के हकीकती कहा जाता है केवल एक अवस्था है। इसलिए भगवद् भक्ति या इश्के इलाही ही सुख का असली स्रोत है।

दुनिया भर की साइन्स और इल्म, अगर उसके साथ दिल की ऊँचाई और गहराई न हो तो ऐसा ही है जैसा बे पानी का रेगिस्तान या वह रूखे नगे पट्टाड़ जिन पर कोई हरियाली न हो। साइन्स बिना प्रेम के केवल एक मुरदा लाश है, एक सुन्दर शरीर जिसमें रूह या जान नदारद। ज्ञान की जब प्रेम के साथ शादी रची जाती है तभी वह दोनों मिल कर एक शरीर बनते हैं। तभी उनसे अच्छे अच्छे कामों के बच्चे पैदा होते हैं। इन दोनों में से हर एक दूसरे के बिना अधूरा है। साइन्स के साथ जब तक प्रेम और परोपकार का मेल न हो तब तक सच्ची बुद्धि पैदा नहीं हो सकती। इनका मेल होने पर ही आदमी में अजल सजीम जागती है। इस मेल से ही असली मानव धर्म, यानी मज़हबे इनसानियत जनम लेता है। इस धर्म को हम अपने अन्दर जगा लें तो दुनिया भर का नेमते अपने आप हमारे पैरों पर आ गिरे। इसके बिना ज़िन्दगी बेकार और बाँक है।

सब धर्म मज़हबों में आदमी के लिए इखलाक़ या सदाचार के जो नियम बताए गए हैं वह सब इसीलिए एक से हैं क्योंकि वह ज्ञान और प्रेम के इसी मेल से निकले हैं और इसी पर कायम हैं।

बेहती یعنی عشق کا راستہ

(ڈاکٹر بھگوان داس)

بہتی مارگ یعنی عشق کی راہ کوئی الگ راہ نہیں ہے۔ آدمی کی زندگی میں کون یعنی "مہرکت" اچھا یعنی خواہش، اور کام یعنی عمل، تینوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انہیں ایک دوسرے سے بالکل الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کھول سمجھنے کی آسانی کے لئے ہم انہیں الگ الگ بیان دیتے ہیں۔ بہتی کا سمجھنا آدمی کی اچھا اُس کے دل کے بہاؤ اور جذبوں سے ہے۔ بہتی 'پریم' یعنی عشق ایک طرف آتما کو اونچا اُٹھاتا ہے اور دوسری طرف دل کی گہرائیوں کو صاف کر کے اُن میں اُجالا پیدا کرتا ہے۔ اسی سے آدمی کا سداچار مصلحتاً اور اُبھرتا ہے۔

کون کو اگر ہم آدمی کا سر کہیں تو پریم آدمی کا دل ہے، اور عمل آدمی کے ہاتھ پیر ہیں۔ ان تینوں کو ملا کر ہی پورا آدمی بنتا ہے۔ سادھارن مانو پریم جسے عشق مہجاری کہتے ہیں، -ہون میں ابلد پیدا کرتا ہے۔ یہ مانو پریم بھگوت بہتی کا جسے برہما بلد یا عشق حقیقی کہا جاتا ہے کھول ایک عکس ہے۔ اُس لئے بھگوت بہتی یا عشق اِلہوی می سکھ ۵ اصلی سوت ہے۔

دنیا بھر کی سائنس اور علم، اگر اُس کے ساتھ دل کی اونچائی اور گہرائی نہ ہو تو ایسا ہی ہے جیسا بے پانی کا ریگستان یا وہ روئے بلکہ پہاڑ جن پر کوئی ہریالی نہ ہو۔ سائنس بنا پریم کے کھول ایک مردہ لاش ہے، ایک سندر شہر جس میں روح یا جان ندارد۔ کون کی جب پریم کے ساتھ شادی رچی جاتی ہے تبھی وہ دونوں مل کر ایک شہر بنتے ہیں۔ تبھی اُن سے اچھے اچھے کاموں کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بنا ادھورا ہے۔ سائنس کے ساتھ جب تک پریم اور پرویکار کا مेल نہ ہو تب تک سچی بدھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اُن کا مेल ہونے پر ہی آدمی میں عقل منہم جانتی ہے۔ اِس مہل سے ہی اصلی مانو دھرم، یعنی مذہب انسانیت جنم لیتا ہے۔ اِس دھرم کو ہم اپنے اندر جگا لیں تو دنیا بھر کی نعمتیں اپنے آپ عمارے پھروں پر آ گئیں۔ اِس کے بنا زندگی بھکار اور باسجہ ہے۔

سب دھرم مذہب میں آدمی کے لئے اخلاق یا سداچار کے جو نم بنائے گئے ہیں وہ سب اس لئے ایک سے ہیں کیونکہ وہ کون اور پریم کے اِسی مہل سے نکلے ہیں اور اِسی پر قائم ہیں۔

نیا ہند

جلد 14

جون، سن '53

نمبر 6

جلد 14

جون، سن '53

جلد 14

جانت آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پھونکے گا گھر گھر لیتے پریم کی مچولی۔

جانت آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پھونکے گا گھر گھر لیتے پریم کی مچولی۔

کسیا ؟

کسیا ؟

جب دو نہیں ہیں تم تو وصال یار کسیا ؟
ہوں لہجہ میں میں سما یا تب انتظار کسیا ؟

جب دو نہیں ہیں تم تو وصال یار کسیا ؟
ہوں لہجہ میں میں سما یا تب انتظار کسیا ؟

جب روبرو ہیں دونوں، جب دُور ہیں دونوں
واپس کرار کسیا ؟ اور انتظار کسیا ؟

جب روبرو ہیں دونوں، جب دُور ہیں دونوں
واپس کرار کسیا ؟ اور انتظار کسیا ؟

دل میں چھپیں بھی پھر کہوں تو نظر نہیں جب
جب ہے نہیں چکر ہی، تو چکر پہ وار کسیا ؟

دل میں چھپیں بھی پھر کہوں تو نظر نہیں جب
جب ہے نہیں چکر ہی، تو چکر پہ وار کسیا ؟

اب کس لئے نصیحت اور کہا دہی نصیحت
اب راز دار کسیا ؟ اور ہم گسار کسیا ؟

اب کس لئے نصیحت اور کہا دہی نصیحت
اب راز دار کسیا ؟ اور ہم گسار کسیا ؟

مرنا تو زندگی ہے مرنا مری تری
سو بار کہوں نہ ہو وہ، اب ایک بار کسیا ؟

مرنا تو زندگی ہے مرنا مری تری
سو بار کہوں نہ ہو وہ، اب ایک بار کسیا ؟

زندہ تھا میں تو مردہ، تھی آپ کی نصیحت
اب یہ سادھی کسیا ؟ اور یہ مزار کسیا ؟

زندہ تھا میں تو مردہ، تھی آپ کی نصیحت
اب یہ سادھی کسیا ؟ اور یہ مزار کسیا ؟

—مگھانہدین

—مگھانہدین

”کھیا ہینڈ“

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

جون 1953

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

کھیا کس سے

صفحہ سفا

کس سے

1—کےسا؟ (کویتا) —بگوان دین	313	...	—کےسا؟ (کویتا) —بگوان دین
2—مکتی یا نو دھک کا راستا —ڈاکٹر بگوان داس	314	...	—بگوان داس کی مکتی کا راستہ —ڈاکٹر بگوان داس
3—باپ سے —بگوان دین	320	...	—بگوان دین سے —بگوان دین
4—ہندوستانی شہریات کا ساتواں اصول : ہندوستانی میں باہری لکڑیوں کی نسبت بندی —ڈاکٹر جاکر حسن	323	...	—ہندوستانی شہریات کا ساتواں اصول : ہندوستانی میں باہری لکڑیوں کی نسبت بندی —ڈاکٹر جاکر حسن
5—ہنگری کا بھیم سوچار —گंगा شرن	324	...	—ہنگری کا بھیم سوچار —گंगा شرن
6—پیکنگ سے —ڈاکٹر بگوان شرن وپادھیائ	330	...	—پیکنگ سے —ڈاکٹر بگوان شرن وپادھیائ
7—بالک ایک چمکتاری پروانی —بگوان دین	339	...	—بالک ایک چمکتاری پروانی —بگوان دین
8—دو بھوکے ! (کہانی) —موجیہ ریکڑی	346	...	—دو بھوکے ! (کہانی) —موجیہ ریکڑی
9—پرانی کی ڈائی —پرانی	355	...	—پرانی کی ڈائی —پرانی
10—کھیا کتاہیں —	361	...	—کھیا کتاہیں —
11—ہماری راکھ —	363	...	—ہماری راکھ —

بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین

بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین
بگوان دین سے —بگوان دین

کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین

کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین
کھیا کتاہیں —بگوان دین

بگوان دین

بگوان دین

بگوان دین

بگوان دین

بگوان دین

بگوان دین

नया हिन्दू हिन्द

एडिटर - ताराचंद, भगवानदीन, मुन्नाफकर हसन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

अधिकांश भाग 'हिन्दू' केकान देव' मण्डल हसन, यशमभर नाथ, सुन्दरलाल

नायब एडिटर - सुरेश रामभाई, मुन्नाफकर हसन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

*

*

*

*

*

- ★ भक्ति यानी इश्क का रास्ता—डाक्टर भगवानदास
- ★ पीकिंग से—डाक्टर भगवान शरण उपाध्याय
- ★ बालक एक चमत्कारी प्राणी—भगवानदीन
- ★ दो भूके (कहानी)—मुन्नाफकर हसन

हमारी गाय

- ★ भलमनमी में अविश्वास—सुन्दरलाल
- ★ भूदान और विनोबा—भगवानदीन
- ★ लोकशाही और अमरीका—मुन्नाफकर हसन

- ★ भक्ति यानी इश्क का रास्ता—डाक्टर भगवानदास
- ★ पीकिंग से—डाक्टर भगवान शरण उपाध्याय
- ★ बालक एक चमत्कारी प्राणी—भगवानदीन
- ★ दो भूके (कहानी)—मुन्नाफकर हसन

हमारी गाय

- ★ भलमनमी में अविश्वास—सुन्दरलाल
- ★ भूदान और विनोबा—भगवानदीन
- ★ लोकशाही और अमरीका—मुन्नाफकर हसन

जून 1953 जून

حضرت محمد اور اسلام

حضرت محمد اور اسلام

لکھک—سندر لال

لکھک—سندر لال

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن سن 1941 میں نکلا تھا۔ دیکھ لے اس کا سرائت کیا اور جلدی وہ حتم ہو گیا۔ دوسرے ایڈیشن کی مانگ اس سے ہو رہی تھی۔ پر وہ اب ہی ممکن ہو سکا ہے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن سن 1941 میں نکلا تھا۔ دیکھ لے اس کا سرائت کیا اور جلدی وہ حتم ہو گیا۔ دوسرے ایڈیشن کی مانگ اس سے ہو رہی تھی۔ پر وہ اب ہی ممکن ہو سکا ہے۔

اس ایڈیشن کو پبلشنگ سندر لال جی احتیاط کے ساتھ دیکھ کر ہیں۔ بہت سے بزرگوں اور ساتھوں کی قیمتی رائے اور مشوروں سے اس میں فائدہ اٹھا یا گیا ہے۔ نئے ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب نے شروع میں پبلشنگ بشمیر ناتھ نے دس صفحے کا ایک کیمپوز اور وزیڈار نوٹ یعنی آمکھ لکھا ہے۔

اس ایڈیشن کو پبلشنگ سندر لال جی احتیاط کے ساتھ دیکھ کر ہیں۔ بہت سے بزرگوں اور ساتھوں کی قیمتی رائے اور مشوروں سے اس میں فائدہ اٹھا یا گیا ہے۔ نئے ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب نے شروع میں پبلشنگ بشمیر ناتھ نے دس صفحے کا ایک کیمپوز اور وزیڈار نوٹ یعنی آمکھ لکھا ہے۔

اس کتاب سے اسلام کی اصل تعلیم اور اس کے بنیادی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد کی سادگی سچی اور بے مثال زندگی—ایک ایسی زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دوزوں کے جہنم کو روشن کیا ہے—کی جھلک ملتی ہے۔ اس سے ہم چاہتے ہیں کہ کس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جیسے دیہاتوں اور فرقہ پرست دیش کی کیا پلٹ دی بلکہ ایک نئے دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

اس کتاب سے اسلام کی اصل تعلیم اور اس کے بنیادی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد کی سادگی سچی اور بے مثال زندگی—ایک ایسی زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دوزوں کے جہنم کو روشن کیا ہے—کی جھلک ملتی ہے۔ اس سے ہم چاہتے ہیں کہ کس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جیسے دیہاتوں اور فرقہ پرست دیش کی کیا پلٹ دی بلکہ ایک نئے دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

ہمیں یقین ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح اس کی بھی کافی مانگ ہوگی اور پوچھنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح اس کی بھی کافی مانگ ہوگی اور پوچھنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

سندر جیلر، بدلیا ڈبیل ڈیمائی کاراج پر 160 صفحے، کئی تصویروں اور نقشوں کے ساتھ کتاب کا صرف تین روپے۔

سندر جیلر، بدلیا ڈبیل ڈیمائی کاراج پر 160 صفحے، کئی تصویروں اور نقشوں کے ساتھ کتاب کا صرف تین روپے۔

میلنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—

میلنے 'نیا دیند' 145، سڈیگنج، بلیاواوا۔

میلنے 'نیا دیند' 145، مٹھی کلمج الہ آباد۔

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

مقصد

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، پھیلانا اور پھیلانا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایک ایسا پھیلانے کے لئے کتابوں، اخبارات، رسالوں، فلموں کا بچاؤ۔

(3) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سہاراؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھرموں، زبانوں، مذاہبوں اور فرقوں میں آپس کا میل بڑھانا۔

مقصد

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، پھیلانا اور پھیلانا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایک ایسا پھیلانے کے لئے کتابوں، اخبارات، رسالوں، فلموں کا بچاؤ۔

(3) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سہاراؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھرموں، زبانوں، مذاہبوں اور فرقوں میں آپس کا میل بڑھانا۔

—:—

—:—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میر عبداللہ مہدی راجا،
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ
ہکر گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس،
سکریٹری—پروفیسر سندر لال۔

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میر عبداللہ مہدی راجا،
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ
ہکر گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس،
سکریٹری—پروفیسر سندر لال۔

گورننگ باڈی کے آفیسر—

گورننگ باڈی کے آفیسر—

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید
سلمان ندوی، مسٹر مظہر علی سبکتہ، شیخی بی بی
نہار، پروفیسر شمسہ بانو، مہاتما بھگوان دین، سیٹھ یونس
چند، راجا فاضل محمد عبدالغفار اور شیخی اوم پرکاش
بالہوالا

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید
سلمان ندوی، مسٹر مظہر علی سبکتہ، شیخی بی بی
نہار، پروفیسر شمسہ بانو، مہاتما بھگوان دین، سیٹھ یونس
چند، راجا فاضل محمد عبدالغفار اور شیخی اوم پرکاش
بالہوالا

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھئے۔

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھئے۔

سندر لال

سندر لال

سکریٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

سکریٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145، سٹریٹ 1، لاہور

145، سٹریٹ 1، لاہور

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے अनुसार ممبری
کی فیس صرف ایک روپیہ کی گئی ہے۔ ”نیا ہند“
کے جو گاہک ممبر بننا چاہتے ہیں ان کی فیس
چند روپیہ دینے پر ہی ممبر بننا لیا جائے گا۔ اگر
ممبری کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب
یا زیادہ داس کی کتاب لے کر ایک بار ایک روپیہ کم
کرا سکیں گے۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے अनुसार ممبری
کی فیس صرف ایک روپیہ کی گئی ہے۔ ”نیا ہند“
کے جو گاہک ممبر بننا چاہتے ہیں ان کی فیس
چند روپیہ دینے پر ہی ممبر بننا لیا جائے گا۔ اگر
ممبری کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب
یا زیادہ داس کی کتاب لے کر ایک بار ایک روپیہ کم
کرا سکیں گے۔

ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نام کتاب	لکھک	قیمت	لیکھک	نام کتاب
1. شہر کی شاعری	آئی اے پتھیا پراساد گوبلی	8 0 0	شری اہودھیا پراساد گوبلی	1. شعر و شاعری
2. شہر کی سون	"	8 0 0	"	2. شعر و سون
3. گھرے پانی پٹ	"	2 8 0	"	3. گھرے پانی پٹ
4. ہمارے آراہی	آئی بنارسیہاس چتوہری	3 0 0	شری بنارسیہاس چتوہری	4. ہمارے آراہی
5. سنسار	"	3 0 0	"	5. سنسار
6. دو ہزار برس پرانی کہانیاں	آئی جگدیپچندر جین	3 0 0	شری جگدیپچندر جین	6. دو ہزار برس پرانی کہانیاں
7. ج्ञान गंगा	آئی ناراین پراساد جین	6 0 0	شری ناراین پراساد جین	7. ج्ञान गंगा
8. पंच बिन्दु	آئی شانتی प्रिय द्विवेदी	2 0 0	شری شانتی प्रिय द्विवेदी	8. پंच बिन्दु
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	شانتی ایم. اے.	9. پंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	آئی کنहैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	شری کنहैयालाल मिश्र پرभाकर	10. آکاश کے تारे دھرتی کے بول
11. मुक्त दूत	آئی बीरेन्द्र कुमार جین एम. ए.	5 0 0	شری ویرندر कुमार جین ایم. اے.	11. مکتی دوت
12. मिलन यामिनी	آئی बरचन	4 0 0	شری बरचन	12. ملन یامینی
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	ڈاکٹر رام कुमार ورما	13. رجت رشی
14. मेरे बापू	آئی तन्मय बुखारिया	2 8 0	شری तन्मय बुखारिया	14. میرے باپو
15. विरव संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	پنڈت سنددلال بھگوان داس کےلا	15. ویشو سنگھ کی اور
16. भारतीय धर्मशास्त्र	آئی भगवानदास केला	5 0 0	شری भगवान दास केला	16. بھارتیہ ارنہ شاستر
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. بھارتیہ شاسن
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. ناگرک شاستر
19. साम्राज्य और वनका पत्तन	"	2 8 0	"	19. سامراج اور ان کا پتن
20. भारतीय स्वाधीनता अभ्युत्थान	"	1 4 0	"	20. بھارتیہ سوادھیلتا آندولن
21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. سرووچھ ارنہ دوستھا
22. हमारी आदिम जातियां	आئی भगवानदास केला और आी अखिल विनय	3 8 0	شری भगवान दास केला اور श्री अखिल वने	22. हमारी आदिम जातियां
23. अर्थशास्त्र अन्वयावली	आी दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ट, भगवानदास केला	2 0 0	श्री दया शंकर दुबे ایم. اے. ایل ایل. بی. گجادر پراساد، امبیشٹ، بھگوان داس کےلا	23. ارنہ شاستر شہد اولی
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला आी दयाशंकर दुबे	1 8 0	श्री भगवान दास केला दया शंकर दुबे	24. ناگرک शिक्षا
25. राष्ट्र मंडल शासन	आी दयाशंकर दुबे	1 8 0	दया शंकर दुबे	25. راشٹر منڈل شاسن
26. जनानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	مہاتما بھگوان دین	26. جنانون
27. मानने की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. ماننے کی ہمت
28. सहीन सच	"	0 8 0	"	28. سہینا سچ
29. मेरे साथी	"	1 0 0	"	29. میرے ساتھی

فیرکاوندی پر باپو

سمپادک—آری آریکرن داس

اس پوساک میں 1921 سے سن 1948 تک گاندھی آئی نے سامپراڈایکا کے سبال پر آو کول کھا یا لیکھا وھ سب آپاکو ایک آگاھ ملیگا.

آاراک کے آاآااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااااa

سندر جلد. آچھا کلا. دو سو صلفے. آلفسٹ دو روپے.

भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राख इस किताब में आपको मिलेगी. राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नजरियां मिटेंगी.

करीब सवा सौ सके की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

فرقہ بندی پر باپو

سمپادک—آری آریکرن داس

اس پوساک میں 1921 سے سن 1948 تک گاندھی جی نے سامپراڈایکا کے سوال پر جو لکھا کھا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملیگا.

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر بھارت والی سامپراڈایکا کے نقصان کو سمجھے اور اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے.

سندر جلد. آچھا کلا. دو سو صلفے. آلفسٹ دو روپے.

بیاشا

لیکھک—آلہ صحن کوپال

مندی اردو اور سندستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ والے اس کتاب میں آپ کو ملے گی. راشٹر بیاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا—سوچنے کی راہیں سوچیں گی، جانکاری بڑھے گی اور طرح طرح کی تگ نظریاں مٹیں گی.

کریب سوا سو صلفے کی سندر کتاب، دام تیرہ روپے.

700 PAGES,

32 ILLUSTRATION

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

PRICE

BY PANDIT SUNDARLAL

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

لکھک-پंडित सुन्दरलाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें, गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 खास खास मजहमूनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ्फी तर्जुमा बरौदा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफे की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बह बार लेखक जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफे की किताब, क्रीमत सिर्फ बारह आने।

महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्राज्यिकता यानी किरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और इसक इलाज, जिसने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक की हमारे बीच में न रहने दिया।

क्रीमत बारह आने।

पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दोरे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आईं उन का दर्दनाक वर्णन, इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क्रीमत चार आने।

बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के किरकेशाराना मजहबों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे मजहबों को हमेशा के लिए खत्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क्रीमत सिर्फ दो आने।

जिन्हने का पता—

मैक्सिम, 'नया हिन्द' 145, इलीगंज, इलाहाबाद.

लिकھک—پنڈت سندر لال گیتا اور قرآن

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتوں، گیتا کا بڑپن، گیتا کے ایک ایک ادمہ کے نچوڑ، قرآن کا بڑپن، لگ بھگ 15 خاص خاص مضمونوں پر قرآن کی قریب 500 آیتوں کا لفظی ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بلھادی لیکتا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں اُن کے لئے یہ کتاب اصول ہے۔
پولے تین سو صفحے کی سندر جلد بلھدی کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپیہ، ڈاک خرچ الگ۔

ہندو مسلم ایکتا

اس کتاب میں وہ چار لیکچر جمع کئے گئے ہیں جو پنڈت جی نے کنسلٹیٹری بورڈ کوالیار کی دعوت پر کوالیار میں دیئے تھے۔
سو صفحے کی کتاب، قیمت صرف بارہ آئے۔

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

سامراجیتا یعنی فرقہ پرستی کی بیماری پر راج کا جی، مذہبی اور انتہائی پہلو سے وچار اور اسکا علاج جس نے آخر میں دیہی پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے پہلو میں نہ رہنے دیا۔
قیمت بارہ آئے۔

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

مہاتما گاندھی کی علاج سے اکتوبر سن 1947 میں پچھمی اور پوربی پنجاب کے دورے کے بعد وہاں کی بھٹکر بربادی اور آپسی مار کاٹ کے کارن لوگوں پر جو جو مصیبتیں آئیں اُن کا دردناک ورنن، اس چھوٹی سی کتاب میں آجکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سچھاڑ بھی پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت چار آئے

بنگال اور اُس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1949-50 میں پوربی اور پچھمی بنگال کے فرقہ وارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ترکب بھی چھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آئے۔

میلے کا پتہ—

مکسیمی 'نیا ہند' 145، عظیمی علی، انہ ہاد۔

ہے۔ آئین ہاور کے بھائی کا سہیلہ ہینکلنگ کمپنی کی اسی سفارش سے ہے۔ اسی طرح بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس سہیلہ کے پیچھے بھی امریکہ کا سہارا کام کر رہا ہے۔ چاہے سولہ ہو یا نہ ہو دنیا کی "رعبنا اور وکاس" کے نام پر ایک فلف ضرور ٹھوسا جائے گا اور ایک ہینکل بھی چلو ہوگا۔ اس کا ہم سب کو یقین ہونا چاہئے۔ اس فلف کا پرچار بہت کیا جائیگا اور یہ ثابت کرنے کی اور اہم پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ دوس دنیا کی "رعبنا اور وکاس" نہیں چاہتا۔

اب شانتی کا ناٹک खेलنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہتھیار کی دھبہ بہت ہو چکی! لگاتار بھ اور چینٹا کی چینٹگی بہت ہو چکی! آدیمیوں کا خون بہت ہو چکا! اب سے آگیا ہے کہ امریکہ، روس، چین، برطانیہ اور فرانس مل کر ایک مصلحتاء دیں، اپنی اپنی فوجوں کو لگائیں، اہم ہم پر پابندی لگائیں۔ جنرل آئزن ہاور دوس سے شانتی کی قیمت مانگنے کے بجائے اس بات کا پیلان کریں کہ وہ شانتی کی کیا قیمت دینا چاہتے ہیں تو دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے، اسالیات کو سامنے رکھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے آج دنیا کی ساری جنٹا یہ محسوس کرتی ہے کہ چین کو یونو کی ممبری ملنے پر دور پرور کے کاہو بگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا امریکا اس بات کے لئے تیار ہے، کیا وہ چین کو ماندا دے گا، کیا وہ دنیا کی جنٹا کی آشاؤں کو پورا کرے گا۔ چین کو ماندا دینا امریکہ کے نیک اراؤں کا ثبوت ہوگا، امریکہ کا سان بھائیہ کا۔ ہمارے امریکی جنٹا ہے اپیل ہے کہ وہ اپنے شاسکوں کو حق شانتی کی طرف قدم اٹھالے پر مجبور کرے اور ان کے دھوے میں نہ آئے!

اب شانتی کا ناٹک खेलنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہتھیار کی دور بہت ہو چکی! لگاتار بھ اور چینٹا کی چینٹگی بہت ہو چکی! آدیمیوں کا خون بہت ہو چکا! اب سے آگیا ہے کہ امریکہ، روس، چین، برطانیہ اور فرانس مل کر ایک مصلحتاء دیں، اپنی اپنی فوجوں کو لگائیں، اہم ہم پر پابندی لگائیں۔ جنرل آئزن ہاور دوس سے شانتی کی قیمت مانگنے کے بجائے اس بات کا پیلان کریں کہ وہ شانتی کی کیا قیمت دینا چاہتے ہیں تو دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے، اسالیات کو سامنے رکھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے آج دنیا کی ساری جنٹا یہ محسوس کرتی ہے کہ چین کو یونو کی ممبری ملنے پر دور پرور کے کاہو بگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا امریکا اس بات کے لئے تیار ہے، کیا وہ چین کو ماندا دے گا، کیا وہ دنیا کی جنٹا کی آشاؤں کو پورا کرے گا۔ چین کو ماندا دینا امریکہ کے نیک اراؤں کا ثبوت ہوگا، امریکہ کا سان بھائیہ کا۔ ہمارے امریکی جنٹا ہے اپیل ہے کہ وہ اپنے شاسکوں کو حق شانتی کی طرف قدم اٹھالے پر مجبور کرے اور ان کے دھوے میں نہ آئے!

—محبوب رموی

15.5.53

15.5.53

—موجیہ رعبی

हथियार बनेंगे और प्रियादा सफल है होगी, दूसरे ने सुरक्षा के लिये 76 सौ मिलियन डालर रखा था और आइज़नहावर ने उसे घटा कर 58 सौ मिलियन डालर कर दिया है. इस बात को मिस्टर टेबर ने साफ कर दिया है कि पिछली रकम बेहद बाक़ी है और बिना फ़ौजी कामों में कोई कमी करे फ़ौज का बजट 58 सौ मिलियन डालर से आसानी से 40 सौ मिलियन डालर किया जा सकता है. इससे साफ़ मालूम हो जाता है कि नई रकम लेने के बजाय आइज़नहावर ने पुरानी रकम का इस्तेमाल किया है और इस कटौती से उन्होंने शान्ति की तरफ़ कोई क़दम नहीं उठाया.

दूसरे देशों को जो सहायता अमरीका देता है उसका अमरीका के लिये बहुत महत्व है, इसके बिना अमरीका के साथी उसे छोड़ देंगे, दूसरी बात यह भी है कि अमरीका ने अपने साथियों को ऐसा बना दिया है कि वह बिना उस की सहायता के बिन्दा भी नहीं रह सकते, इस तरह यह सवाल उठता है कि अमरीका ने सहायता कोश में कमी क्यों की ? हम पहले बता चुके हैं कि वायदा पूर्ति के लिये ऐसा किया गया है और अमरीकी शासक परिस्थिति को पूरी तरह जानते हैं, अमरीकी सेनेट की बैंकिंग कमेटी ने इस समस्या का एक हल सुझाया है—“दूसरे राष्ट्रों को जो सहायता हम देते रहे हैं उसके बजाय अब हमें चाहिये कि हम विदेशों में रचनात्मक कार्यों के लिये अपना धन लगाएं, लेकिन हमारे धन को सुविधाएं मिलनी चाहिये,” इसी बात को सामने रख कर माली सहायता बन्द करने की चेतावनी योरप के देशों को दी गई है, लेकिन अमरीका वाले जानते हैं कि यह राष्ट्र बिना मदद के नहीं चल सकते, इस कारन से यह देश मजबूर हो कर अमरीकी धन को अपने देश में आने देंगे और उन्हें शर्मनाक से शर्मनाक शरतें मनबूर करनी पड़ेंगी.

इसी कमेटी ने कहा है कि नौ महीने में पांच लाख पचास हजार डालर का अन्तर राष्ट्रीय व्योपार होना जरूरी है..... नहीं तो माली व्यवस्था खराब हो जायगी और कमयुनिज्म को बढ़ने का मौक़ा मिलेगा. इस कमेटी ने सिकारिश की है कि अमरीका का अन्तर राष्ट्रीय व्योपार बढ़ाने के लिये इम्पोर्ट और एक्सपोर्ट बैंक खोले जाय और ऐसे डंग निकालें जाय जिससे अमरीका बियादा से बियादा बन बिदेशों में लग सके.

अमरीकी सीनेट की बैंकिंग कमेटी ने जोर दिया है कि परिस्थिती सुधारने के लिये यह जरूरी है कि "रचना और विकास" के लिये अन्तरराष्ट्रीय बैंक खोला जाय. हमने ऊपर लिखी बातें पूरी बात साक़ करने के लिये कही

ہتھیار بھروسہ کرے اور زیادہ سہولتی ہوگی۔ تروسوں نے سوکھا کے لئے 76 سو ملین ڈالر رکھا تھا اور آئرن ہاور نے اسے گھٹا کر 58 سو ملین ڈالر کر دیا ہے۔ اس بات کو مسترد ٹیمپ نے صاف کر دیا ہے کہ پچھلی رقم بے حد باقی ہے اور بقا فوجی کاموں میں کوئی کمی کرے فوج کا بجٹ 58 سو ملین ڈالر سے آسانی سے 40 سو ملین ڈالر کیا جا سکتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نئی رقم لہجہ کے بجائے آئرن ہاور نے پرانی رقم کا استعمال کیا ہے اور اس نگرانی سے انہوں نے شاعری کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

دوسرے دیشوں کو جو سہانتا امریکہ دیتا ہے اُس کا امریکہ کے لئے بہت مہتر ہے . اِس کے ہذا امریکہ کے ساتھی اُسے چھوڑ دیں گے . دوسری بات یہ بھی ہے کہ امریکہ نے اپنے ساتھیوں کو ایسا ہذا دیا ہے کہ وہ ہذا اُس کی سہانتا کے زبدہ بھی نہیں وہ سکتے . اِس طرح یہ سوال اُٹھتا ہے کہ امریکہ نے سہانتا دہیں مہیں کسی دیوں کی ؟ ہم پہلے کہ چکے مہں کہ وعدہ پورنی کے لئے ایسا کیا کیا ہے اور امریکی شاسک پرستہوں کو پوری طرح جانتے ہوں . امریکی سہولت کی ہولنگنگ کمہتی نے اِس سہانتا کا ایک حل سچایا ہے۔ ”دوسرے دانشوروں کو جو سہانتا ہم دیتے رہے ہوں اُس کے بجائے اب ہمیں چاہئے کہ ہم دیشوں مہیں رجحانک کاروں کے لئے ایذا دین لکائوں . لیکن ہمارے دین کو سودھائوں ملنی چاہئیں۔“ اِسی بات کو سامنے دیکر مالی سہانتا ہذا کرنے کی چھٹاؤسی یورپ کے دیشوں کو دی گئی ہے . لیکن امریکہ والے جانتے ہوں کہ یہ رجحان ہذا مدد نے نہیں چل سکتے . اِس کارن سے یہ دیش مجبور ہو گئے امریکی دین کو اپنے دیش مہں آئے دیں گے اور انہیں شرمناک سے شرمناک شرطیں منظور کرنی پڑیں گی .

اِسی کھیتی نے کہا ہے کہ نو مہینے میں پانچ لاکھ پچاس ہزار ڈالر کا انٹر راشنری بھوپار ہونا ضروری ہے.....
 نہیں تو مالی وبھستہ خراب ہو جائے گی اور کمونزم کو بوملے کا موقع ملے گا۔ اِس کھیتی نے سفارش کی ہے کہ امریکہ کا انٹر راشنری بھوپار بڑھانے کے لئے اسپورٹ اور انکسپورٹ بھٹک کھولے جائیں اور ایسے ڈھنگ نکالے جائیں جس سے امریکہ کا زیادہ سے سے زیادہ دھن و دیھن میں لگ سکے۔

امریکی مصلحت کی پہلنگ کمیٹی نے زور دیا ہے کہ پوسٹل کمیٹی سدھار لے کے لئے یہ ضروری ہے کہ "رجسٹر اور وکس" کے لئے انٹر ریفری پہلنگ کھولا جائے۔ ہم نے اپور لکھی باتیں پوری بات صاف کرنے کے لئے کہی

شامی کا ایک نیکالیہ اس میں وہ راہ نہیں ہو سکتی کی
میل کر بیٹنے اور تکنیکی سے بات چیت کرنے سے
کچھ نہ کچھ ہل نکلتا ہی آتا ہے۔ لیکن نہ جانے کب
امریکا اس بات چیت سے دور بھاگتا ہے اور جو کوئی بھی
اس سے نہک صلاح دیتا ہے اسکو بری نظر سے دیکھتا ہے۔
اسے مستر چرچل نے یہ سچھا دکھا ہے کہ پانچ بڑی
شکستوں کے دوران بات چیت شروع کی جائے۔ اس
سچھا کو لے کر چرچل صاحب کی امریکہ میں لے دے
مچی ہوئی ہے۔ امریکہ میں کالی اس بات پر فضا
ظاہر کیا گیا ہے۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ جب یونو کا چارٹر
موجود ہے تب پانچ بڑوں کی بھٹک کی کیا ضرورت ہے۔
یونو کے چارٹر کی موجودگی ٹھیک ہے لیکن یہ بھی دیا
جانتی ہے کہ اس چارٹر کی موجودگی میں ہی دنیا آج
اس حالت کو پہنچ گئی ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ
پانچ بڑوں کی بات چیت شروع کی جائے اور امریکہ
روس اور چین کے ساتھ اچھوتوں کا سا برتاؤ کرنا چھوڑ دے۔

تیسرا ماہ

آئین ہاور کی تقریر کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں
انہوں نے سچھا دکھا ہے کہ دنیا کی غریبی کے خلاف
لوائی چھوٹی جائے۔ اس کے لئے ان کا سچھا ہے کہ ایک
لگاتار لگاتار جس میں اس نہک کام کے لئے دنیا
کی ساری سرکاری رقم جمع دیں۔ ارادہ نہک ہے۔ لیکن
یہ سچھا نہیں ہے۔ دو سال پہلے ہندوستان نے ایسا
سچھا دکھا تھا اور اس سے امریکہ نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔
سوال اٹھتا ہے کہ کیا آج امریکہ کی نعمت بدل گئی ہے؟
نہ میں جانے پر بات صاف ہو جاتی ہے۔ آئین ہاور نے
چٹاؤ لے کر امریکی چٹاؤ سے بہت سے وعدے کئے تھے۔
ان وعدوں میں سے ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ وہ امریکہ میں
انکم ٹیکس کم کرانیں، قیمتیں ٹھکانوں کے اور شاسن
کا خرچ کم کریں گے۔ آئین ہاور نے انکم ٹیکس میں کسی
کے سوال کو یہ ٹھکرا کر دیا ہے کہ جون 1954 تک
ایسا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس سال کے بجٹ میں انہوں نے 85
سویں بلین ڈالر کی کٹوتی کی ہے۔ یہ کٹوتی
پہلے تو سرکشی پر خرچ ہونے والی رقم میں سے اور دیکھوں کو
مستحقہ والی سہائیاں بھی میں سے کی گئی ہے۔ اسکا کارن یہ ہے
کہ وہ چھوٹے کارنی والے قیمتیں کو انہیں میں کو لے کر
فصل خرچ اور نکما بناتے آئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے اس کٹوتی
سے چھوٹے بلوں پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ چھوٹے بلوں
میں کسی کو لے بجائے اسکم یہ ہے کہ 53-54 میں زیادہ

تیسرا ماہ

آئین ہاور کی تقریر کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں
انہوں نے سچھا دکھا ہے کہ دنیا کی غریبی کے خلاف
لوائی چھوٹی جائے۔ اس کے لئے ان کا سچھا ہے کہ ایک
لگاتار لگاتار جس میں اس نہک کام کے لئے دنیا
کی ساری سرکاری رقم جمع دیں۔ ارادہ نہک ہے۔ لیکن
یہ سچھا نہیں ہے۔ دو سال پہلے ہندوستان نے ایسا
سچھا دکھا تھا اور اس سے امریکہ نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔
سوال اٹھتا ہے کہ کیا آج امریکہ کی نعمت بدل گئی ہے؟
نہ میں جانے پر بات صاف ہو جاتی ہے۔ آئین ہاور نے
چٹاؤ لے کر امریکی چٹاؤ سے بہت سے وعدے کئے تھے۔
ان وعدوں میں سے ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ وہ امریکہ میں
انکم ٹیکس کم کرانیں، قیمتیں ٹھکانوں کے اور شاسن
کا خرچ کم کریں گے۔ آئین ہاور نے انکم ٹیکس میں کسی
کے سوال کو یہ ٹھکرا کر دیا ہے کہ جون 1954 تک
ایسا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس سال کے بجٹ میں انہوں نے 85
سویں بلین ڈالر کی کٹوتی کی ہے۔ یہ کٹوتی
پہلے تو سرکشی پر خرچ ہونے والی رقم میں سے اور دیکھوں کو
مستحقہ والی سہائیاں بھی میں سے کی گئی ہے۔ اسکا کارن یہ ہے
کہ وہ چھوٹے کارنی والے قیمتیں کو انہیں میں کو لے کر
فصل خرچ اور نکما بناتے آئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے اس کٹوتی
سے چھوٹے بلوں پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ چھوٹے بلوں
میں کسی کو لے بجائے اسکم یہ ہے کہ 53-54 میں زیادہ

آئین ہاور نے انکم ٹیکس میں کمی کے سوال کو
یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ جون 1954 تک ایسا
مستحقہ نہیں ہے۔ لیکن اس سال کے بجٹ میں انہوں نے 85
سویں بلین ڈالر کی کٹوتی کی ہے یہ کٹوتی
پہلے تو سرکشی پر خرچ ہونے والی رقم میں سے اور دیکھوں کو
مستحقہ والی سہائیاں بھی میں سے کی گئی ہے۔ اسکا کارن یہ ہے
کہ وہ چھوٹے کارنی والے قیمتیں کو انہیں میں کو لے کر
فصل خرچ اور نکما بناتے آئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے اس کٹوتی
سے چھوٹے بلوں پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ چھوٹے بلوں
میں کسی کو لے بجائے اسکم یہ ہے کہ 53-54 میں زیادہ

نے سبک دیا ہے کہ پچھم والے لڑائی میں پेटن بزم بھی
 ہستہمال کھینچے اور انہوں نے پेटن ہتھیاروں کے ہستہمال
 کے لیے فوجوں کی ٹریننگ پر زور دیا ہے۔ پچھم والوں نے روس کے
 خلاف جو فوجی کمٹ کھوا کھا ہے اس کا نام نہتو رکھا ہے۔
 نہتو میں اس سے چوبہاہتر ہوں اور اس کا نہتو
 امریکہ ہے جو وقت بولے پر ان دانشوروں کی مرضی کے
 خلاف بھی نہتو کی فوجوں کو لوائی میں بھج سکتا
 ہے۔ نہتو کی فوج 37 لاکھ سے بڑھ کر اب 70 لاکھ ہو چکی ہے۔
 نئے نئے ہتھیاروں سے یہ فوج لیس ہے۔ اس کے پاس بے
 حد ہوائی اڈے ہیں۔ یہ بھی بات نوٹ کرنے کے قابل ہے
 کہ ایک طرف امریکہ صلح کی بات کر رہا ہے اور
 دوسری طرف نہتو کا 70 ہزار مہلکی ڈالو کا بجٹ پاس
 کھا گیا ہے جو پچھلے سالوں کے مقابلے میں بہت زیادہ
 ہے۔ نہتو والوں کا کہنا ہے کہ وہ لمحہ پروگرام کو سامنے رکھ
 کر اتنی رقم خرچ کر رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ امریکہ
 والوں کا خالی یہ کہنا ہے کہ یہ فوجیں روس پر حملہ کرنے
 کے لیے نہیں ہیں دوسروں کو تسلی نہیں دے سکتا !

امریکہ والے یہ بھی مانگ کرتے ہیں کہ روس ملایا
 اور ہند چین میں چلنے والے آزادی کے آندولنوں کو روکا
 دے۔ ظاہر بات ہے کہ روس کی شکتی سے یہ بات باہر ہے۔
 نہ اس میں شکتی ہی ہے اور نہ اسے اندھکار ہی ہے۔
 یہاں کی لوائیاں تبھی رک سکتی ہیں کہ جب سامراجی
 طاقتیں ان دیہیوں کو چھوڑ دیں۔

امریکہ والے یہ بھی مانگ کرتے ہیں کہ روس ملایا
 اور ہند چین میں چلنے والے آزادی کے آندولنوں کو روکا
 دے۔ ظاہر بات ہے کہ روس کی شکتی سے یہ بات باہر ہے۔
 نہ اس میں شکتی ہی ہے اور نہ اسے اندھکار ہی ہے۔
 یہاں کی لوائیاں تبھی رک سکتی ہیں کہ جب سامراجی
 طاقتیں ان دیہیوں کو چھوڑ دیں۔

ڈالےس ساہب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں
 سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال
 اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان
 دیہیوں میں لوائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان
 کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیڑہ دار آدمی اس
 بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی
 روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں
 لوائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔
 خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں
 نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈالےس
 صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔
 اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں میں کی سلطان ہیں تو انہیں
 حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں
 سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی ویدھی راہبر کو دخل
 دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو
 لکھتا ہے کہ دیہیوں کے لیے نہیں مانگا !

ڈالےس ساہب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں
 سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال
 اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان
 دیہیوں میں لوائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان
 کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیڑہ دار آدمی اس
 بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی
 روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں
 لوائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔
 خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں
 نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈالےس
 صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔
 اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں میں کی سلطان ہیں تو انہیں
 حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں
 سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی ویدھی راہبر کو دخل
 دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو
 لکھتا ہے کہ دیہیوں کے لیے نہیں مانگا !

ڈالےس ساہب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں
 سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال
 اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان
 دیہیوں میں لوائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان
 کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیڑہ دار آدمی اس
 بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی
 روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں
 لوائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔
 خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں
 نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈالےس
 صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔
 اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں میں کی سلطان ہیں تو انہیں
 حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں
 سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی ویدھی راہبر کو دخل
 دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو
 لکھتا ہے کہ دیہیوں کے لیے نہیں مانگا !

سٹاک کا بیک مقرر کیا گیا ہے۔ ریفورڈ جنرل سیکرٹری کے خیالوں کے مطابق ہیں۔ انکا خیال ہے کہ جاپان اور فرانس کی فوجوں کا استعمال لوائی میں کیا جائے، چین پر پوری طرح چڑائی کی جائے اور اسے پھر سے غلام بنایا جائے۔ ایک طرف سلطنت کی بات بھی ہو اور دوسری طرف لوائی کی تباہی ہو یہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

دنیا جانتی ہے کہ پوری یورپ کے ممالک جو ریاستیں ہیں اور ان ممالک کی جملہ مالی اور سماجی حیثیت سے کافی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن امریکہ والے کہتے ہیں کہ یہ ریاستیں غلام ہیں۔ امریکہ کی بات ہے کہ ان ریاستوں میں دوس کی کوئی فوج نہیں ہے، دوس ان ممالکوں میں اپنا گورنر جنرل مقرر نہیں کرتا، یہ ریاستیں دوس کے دھان اور اس کے پردھان کو نہیں مانتے۔ لیکن یہ بھی امریکہ کی نظر میں یہ ریاستیں دوس کے غلام ہیں لیکن صحیح مذاق ہے کہ امریکہ کو سلیا، ہلد چھوٹا، جاپان، تھائی لینڈ، عرب میں کھلیا، تھوہشہ، مراو سبھی ریاستیں آزاد دہائی دیتے ہیں! امریکہ نے شرط رکھی ہے کہ صلح نہیں ہو سکتی ہے جب دوس پوری یورپ کو آزاد کرے۔ پہلی دوس پہلے یہ مانے کہ یہ دیکھ اس کے غلام ہیں۔ نہ دوس یہ بات سمجھ کر سکتا ہے اور نہ یہ ریاستیں اس ایمان کو برداشت کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف دلس صاحب کا کہنا ہے کہ ”پوری یورپ کی اس جملہ کو ہم صاف بتا دینا چاہتے ہیں جو غلام بنائی گئی ہے کہ ہم اس کی غلامی کو تاریخ کا استغالی فیصلہ نہیں مانتے۔“ لیکن دیکھ کہ ملایا، ہلد چھوٹا، افریقہ کے کورڈون انسانوں کی غلامی کو دلس صاحب تاریخ کا استغالی فیصلہ مانتے ہیں اور کبھی بھول کر بھی ان دیکھوں کی جملہ کی آزادی کا ذکر وہ نہیں کرتے۔ دوس کا اعتراض یہی رہا ہے کہ امریکہ والے اسے اور اس کی چار دھارا کے لوگوں کو چھوٹے نہیں سمجھتے دیتے۔ یہ لوگ ان ملکوں میں بغاوت پھیلاتے ہیں اور ایک بڑے کا وادوں تیار کرتے دیتے ہیں۔ دلس صاحب کے یہاں سے ان اعتراضوں کی اصلیت کا ٹھوس ملتا ہے۔

اسٹاک کا بیک مقرر کیا گیا ہے۔ ریفورڈ جنرل سیکرٹری کے خیالوں کے مطابق ہیں۔ انکا خیال ہے کہ جاپان اور فرانس کی فوجوں کا استعمال لوائی میں کیا جائے، چین پر پوری طرح چڑائی کی جائے اور اسے پھر سے غلام بنایا جائے۔ ایک طرف سلطنت کی بات بھی ہو اور دوسری طرف لوائی کی تباہی ہو یہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

دنیا جانتی ہے کہ پوری یورپ کے ممالک جو ریاستیں ہیں اور ان ممالک کی جملہ مالی اور سماجی حیثیت سے کافی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن امریکہ والے کہتے ہیں کہ یہ ریاستیں غلام ہیں۔ امریکہ کی بات ہے کہ ان ریاستوں میں دوس کی کوئی فوج نہیں ہے، دوس ان ممالکوں میں اپنا گورنر جنرل مقرر نہیں کرتا، یہ ریاستیں دوس کے دھان اور اس کے پردھان کو نہیں مانتے۔ لیکن یہ بھی امریکہ کی نظر میں یہ ریاستیں دوس کے غلام ہیں لیکن صحیح مذاق ہے کہ امریکہ کو سلیا، ہلد چھوٹا، جاپان، تھائی لینڈ، عرب میں کھلیا، تھوہشہ، مراو سبھی ریاستیں آزاد دہائی دیتے ہیں! امریکہ نے شرط رکھی ہے کہ صلح نہیں ہو سکتی ہے جب دوس پوری یورپ کو آزاد کرے۔ پہلی دوس پہلے یہ مانے کہ یہ دیکھ اس کے غلام ہیں۔ نہ دوس یہ بات سمجھ کر سکتا ہے اور نہ یہ ریاستیں اس ایمان کو برداشت کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف دلس صاحب کا کہنا ہے کہ ”پوری یورپ کی اس جملہ کو ہم صاف بتا دینا چاہتے ہیں جو غلام بنائی گئی ہے کہ ہم اس کی غلامی کو تاریخ کا استغالی فیصلہ نہیں مانتے۔“ لیکن دیکھ کہ ملایا، ہلد چھوٹا، افریقہ کے کورڈون انسانوں کی غلامی کو دلس صاحب تاریخ کا استغالی فیصلہ مانتے ہیں اور کبھی بھول کر بھی ان دیکھوں کی جملہ کی آزادی کا ذکر وہ نہیں کرتے۔ دوس کا اعتراض یہی رہا ہے کہ امریکہ والے اسے اور اس کی چار دھارا کے لوگوں کو چھوٹے نہیں سمجھتے دیتے۔ یہ لوگ ان ملکوں میں بغاوت پھیلاتے ہیں اور ایک بڑے کا وادوں تیار کرتے دیتے ہیں۔ دلس صاحب کے یہاں سے ان اعتراضوں کی اصلیت کا ٹھوس ملتا ہے۔

مسٹر چرچل نے ٹھیک کہا ہے کہ پچھم والے اس بات کو زوروں سے کہتے ہیں کہ دوس ان پر حملہ کر دے گا اور اسی بڑے کے کارن وہ فوجیں بڑھاتے جاتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں سوچتے کہ دوس کو بھی ان سے ڈر ہے۔ آئرن ہارڈ نے اس قدر کو مٹانے کی کوئی بات اپنے بھاشن میں نہیں کہی۔ قدر ختم کرنے کے بجائے دوس کو اور قوت کی بات کی گئی ہے۔ حال میں جنرل دجور

میسٹر برٹیل نے ٹیک کہا ہے کہ پچھم والے اس بات کو چوروں سے کہتے ہیں کہ دوس ان پر حملہ کر دے گا اور اسی بڑے کے کارن وہ فوجیں بڑھاتے جاتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں سوچتے کہ دوس کو بھی ان سے ڈر ہے۔ آئرن ہارڈ نے اس قدر کو مٹانے کی کوئی بات اپنے بھاشن میں نہیں کہی۔ قدر ختم کرنے کے بجائے دوس کو اور قوت کی بات کی گئی ہے۔ حال میں جنرل دجور

के कम्युनिस्टों की रक्षा न करेगा.....”इसने बस्तानिया, फ़्रांस और दूसरी सरकारों से बात की है कि कम्युनिस्ट चीन के खिलाफ़ व्यापारी नाकाबन्दी को सख़्ती से अमल में लाया जाय. यह सरकारें अपने उन जहाज़ों को रोकने के लिये जो ख़रूरी सामान और ईंधन चीन ले जाते हैं अमली क्रम उठा रही हैं. दूसरे देशों के जहाज़ों को भी रोका जा रहा है कि वह चीनी जहाज़ों के लिये ईंधन और दूसरे ख़रूरी सामान न ढोयें.....” चीन संयन्धी अमरीका के इस रुख़ में कोई फ़रक़ नहीं आया बल्कि अमल में तेज़ी आ गई है. 13 मई को फ़िनलैंड का एक जहाज़ दस हज़ार टन जहाज़ में इस्तेमाल होने वाला ईंधन लेकर चीन जा रहा था. अमरीका ने रास्ते में उसे भारी रक़म दे कर ख़रीद लिया है और अपने फ़ौजी अड्डों को भेज दिया है.

यह बात आज साफ है कि बिना चीन के पूरबी एशिया में सुलह नहीं हो सकती. लेकिन फिर भी अमरीका चीन से सुलह करना नहीं चाहता. इस से साफ नतीजा यह निकलता है कि वह सुलह का नाटक खेलना चाहता है. लेकिन सुलह करना नहीं चाहता वह इस बात का दावा करता है कि हर राष्ट्र को अधिकार है कि वह जिस तरह की भी सरकार चाहे अपने देश में क़ायम करे लेकिन वह इस दावे को अमल में नहीं मानता.

आइए हमें याद दिलाएँ कि यहाँ से यह पालिनी रही है कि योरप में लड़ाई न छोड़ कर एशिया में खून खराबा किया जाय और एशिया वालों को आपस में लड़ाया जाय. इस पालिनी को कामयाब बनाने की तरफ जो कदम अमरीका ने उठाया है उसका फ़िर कर करते हुए मिस्टर डलेस ने कहा है—“दूर पूरब की समस्याओं को दूसरे सवालियों पर तरजीह दी गई है. यह बात साफ़ कर दी गई है कि अमरीका इस भयानक परिस्थिती को समझता है जिसका सामना पूरब के हमारे मित्रों जापान, कोरिया और फ़ारमोसा से लेकर हिन्द चीन और मलाया तक सभी को करना पड़ रहा है. यह बात भी साफ़ कर दी गई है कि इस मुसीबत का मुकाबला एक लगन, एक विचार और बढ़ते हुए सहयोग से ही किया जा सकता है.....” अमल से भी यह बात साबित है कि अमरीका इस तरफ़ क़ौज की एक दीवार खड़ी कर रहा है और इन सब देशों में चलने वाले आप्तादी के आप्तादीनों को कुचलने की लिये हथियार भेज रहा है. यही नहीं, उसने एशिया में लड़ाई चलाने के लिये अपने आइन्ट चीफ़ आफ़ आफ़ स्टॉफ़ भी बदल दिया है. पहले इस स्टॉफ़ में उन जनरलों का बहुमत था जो योरपी रन-नीति से पूरी जानकारी रखते थे लेकिन नये स्टॉफ़ में उन लोगों का बहुमत रखा गया है जो एशियाई रन-नीति के जाहिर हैं. जनरल एमर डैडले की जगह रेफ़कोर्ड को जनरल

کے کمپنیشنوں کی رکشا نہ کرے گا..... ہم نے برطانیہ، فرانس اور دوسری سرکاروں سے بات کی ہے کہ کمپنیشن چھٹی کے خلاف بھوپالی فائدہ ہندسی کو مستثنیٰ سے عمل میں لایا جائے۔ یہ سرکاریں اپنے اُن جہازوں کو روکنے کے لئے جو ضروری سامان اور ایندھن چھٹی لے جاتے ہیں اصلی قدم اٹھا رہی ہیں۔ دوسرے دیہوں کے جہازوں کو بھی روکا جا رہا ہے کہ وہ چھٹی جہازوں کے لئے ایندھن اور دوسرے ضروری سامان نہ تھروئیں...“ چھٹی سمینڈھی امریکہ کے اِس رخ میں دوئی فرقی نہیں آیا بلکہ عمل میں توہنی آگئی ہے۔ 13 مئی کو بین لینڈ کا ایک جہاز دس ہزار ٹن جہاز میں استعمال ہونے والا ایندھن لے کر چھٹی جا رہا تھا۔ امریکہ نے راستے میں اُسے بھاری رقم دے کر خرید لیا اور اپنے فوجی اقدوں کو بھج دیا ہے۔

یہ بات آج صاف ہے کہ ہلنا چہن کے پوری ایشیامیں
میں صلح نہیں ہو سکتی لیکن پھر بھی امریکہ چہن سے
صلح نہیں کرنا چاہتا۔ اِس سے صاف سمجھتے یہ نکلتا ہے
کہ وہ صلح کا ٹانگ کھیلنا چاہتا ہے لیکن صلح کرنا نہیں
چاہتا۔ وہ اِس بات کا دعویٰ ضرور کرتا ہے کہ ہر راشٹر کو
ادھیکار ہے کہ وہ جس طرح کی بھی سرکار چاہے اپنے دیس
میں قائم کرے لیکن وہ اِس دعوے کو عمل میں نہیں
مآرتا۔

آئین ہاؤز کی شروع سے یہ پالہسی رہی ہے کہ یورپ
میں لڑائی نہ چاہو کر ایشیا میں خون خرابہ کیا جائے
اور ایشیا والوں کو آپس میں لڑایا جائے۔ اس پالہسی کو
کامیاب بنانے کی طرف جو قدم امریکہ نے اٹھایا ہے اس کا
ڈگر کرتے ہوئے مسٹر ڈالس نے کہا ہے — ”یورپ کی
سمسیاؤں کو دوسرے ذوالوں پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہ بات
صاف کر دی گئی ہے کہ امریکہ اس بھانک پرستہتی
کو سمجھتا ہے جس کا سامنا یورپ کے ہمارے مکتوں
جاپان، کوریا اور فارس سے لے کر ہندو چین اور ملائیک
میں کو کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات بھی صاف کر دی گئی
ہے کہ اس مصیبت کا مقابلہ ایک لگن، ایک وجہ اور
بڑھتے ہوئے سپورٹ سے ہی کیا جاسکتا ہے.....“ عمل سے
بھی یہ بات ثابت ہے کہ امریکہ اس طرف فوج کی ایک
دیوار کھڑی کر رہا ہے اور ان سب دیشوں میں چلنے والے
آزادی کے آندولوں کو کچلنے کے لئے ہتھیار بھیج رہا ہے۔
یہی نہیں، اس نے ایشیا میں لڑائی چلانے کے لئے اپنا
جوائنٹ چیف آف اسٹاف بھی بدل دیا ہے۔ پہلے اس
اسٹاف میں ان جنرلوں کا بہرست تھا جو یورپی دن نمٹی
سے یورپی چانکری وکھتے تھے لیکن نئے اسٹاف میں
ان لیٹوں کا بہرست رکھا گیا ہے جو ایشیائی دن نمٹی کے
ماتر ہیں۔ جنرل عمر بریڈلے کی جگہ ریٹائرڈ کو جنرل

پرسہ پندھن آئیں ہاں دنیا کے دل پر اپنی نیک نیتی
کا سکہ جما لیتے اور دنیا میں فوراً حقیقی قائم ہو سکتی
اگر وہ اصلیت کو سامنے رکھ کر نیچے لکھی باتوں
پہچنے :

(1) کوریا میں فوراً جنگ بندی کی جائے اور سب
دبھی فوجیں دیہی سے باہر چلی جائیں۔ شانتی کا
وفاق قائم کر کے دھن اور آکر کوریا میں صلح کرانے کی
کوشش کی جائے اور روس، چین، امریکہ اور انگلینڈ مل
کر ایک ساتھ ایک لگن سے اس نہک کام کا بہار
کھائیں۔

(2) بیٹو میں نئی چھٹی سرکار کو اچھا استھان ملے اور چانگ کاٹی شیک کو نئے چھٹی کے خلاف مدد دینا امریکہ اور بیٹو بلند کر دیں ۔

(3) ملہا کو پوری آزادی سی جائے اور انگریز
ملہا کو چھوڑ دیں ۔

(4) هند چین اور تہذیبیں سے فرانسیسی ایذا
قبضہ ہوا۔

(۵) جاپان سے امریکہ اپنی فوجیں ہٹائے اور وہاں 604 فوجی اڈے ختم کر دیے جائیں۔

(6) ہتھیار بندی کی دوز ختم کر دی جائے اور
نیٹو (N. A. T. O.) کے نام سے جو فوجیں یورپ میں
بھائی جا رہی ہیں انہیں کم کر دیا جائے۔ امریکہ نے جو
فوجی اڈے روس نے چاروں طرف بندھے ہیں انہیں
ختم کر دیا جائے۔

(7) ایران اور مصر نے جائز ادھکار کو مانا جائے اور
سولہ سو سے انگریزی فوجیں ہٹ جائیں ۔

(8) افریقہ میں نسلی بھد بھاد کا خاتمہ کیا جائے۔

یہی نہیں کہ ان ہاتھوں کا ڈنر نہیں کیا گیا بلکہ ان
 ہاتھوں پر بعد میں وہ دائے ظاہر کی گئی تھیں جس کے آدسار
 پر صلح کی بات کہتے کہتے اور یہی نزاعیت پیدا ہونے
 اور شک شبہ پھیلنے کی سمبھاؤما ہے۔ امریکی ایڈیٹروں
 کی اسی سمبھاؤما 18 اپریل کو ہولتے ہوئے مسٹر قلنس
 نے کہا ہے۔ ”چھٹی کی پوسٹلسٹ مرکز سے ہمارے سمبھاد
 بہت بھر ہوئے تھے۔ فارموسا میں ہمارا ایک واحدیت
 ہے۔ فارموسا مرکز کو جو فوجی مہاتقا ملنی چاہئے تھی وہ
 ہمارے قبیلہ ہائی تھی۔ اب ہم وہ مہاتقا تھوڑے سا فارموسا
 کو دے رہے ہیں۔ ساتویں جنگی ہونے کو جو آدھیں
 ملے تھے انہیں پریسیڈنٹ آفروں ہاور نے بدل دیا ہے۔
 اب یہ جنگی ہونے فارموسا کی حدایت تو قرے کے لئے چھٹی

کہتا ہے، شاید امریکہ نے روس کو اس ضلع کے سمجھاؤ کے روپ میں چیلنج ہی دیا ہے۔ امریکی اخباروں نے بھی اسے "ایہل" کا نام نہ دے کر "چیلنج" کا نام ہی دیا ہے۔ دلی سے نکلنے والے امریکی دونوں اس کے اخبار "امریکن ریپورٹر" نے بھی اسے "چیلنج" کہا ہے۔ مسٹر ڈلس 18 اپریل کو اسی سہما میں بولے ہیں جس میں انڈون ہاور نے یہ بہانہ دیا ہے۔ انہوں نے بھی اس بہانہ کو "چیلنج" کہا ہے۔

امریکی اخباروں کی ٹیپنی اور مسٹر ڈلس کے بیانوں کو بھان سے پڑنے پر یہ بات ساک ہو جاتی ہے کہ روس والوں نے جگہ کی سہماؤنا کو کم کرنے کے لیے جو امریکی قدم اٹھائے تھے ان کا جواب اس بہانے کے روپ میں دیا گیا ہے۔ یہ ایسا داری نہیں پرورہنگہ ہے، ایہل نہیں چیلنج ہے!

دوسرا بہانہ

امریکی اخبار کے دوسرے بہانے میں شانتی کے لیے شرطوں کی ایک لمبی لسٹ لگائی گئی ہے۔ یہ شرطیں یہ ہیں: (1) آسٹریا کے سمندر میں روس ایک نئے سمجھوتے پر دستخط کرے (2) دوسری لوائی کے جو قیدی کہا جاتا ہے ابھی تک روس میں ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے (3) کوریا میں لوائی بند کرنے کے لئے صلح کی جائے۔ لوائی ختم کر کے کوریا کے راج کچ کے سمندر میں بات چیت ہو اور ایسا چلایا گیا جائے جس کے اندھار پر کوریا کے دونوں بہانے ایک ہو سکیں۔ (4) ہند چین اور ملایا پر روس کسی طرح کا حملہ نہ ہونے دینے کی ذمہ داری لے (5) یورپی یورپ کے دیہوں کو یورپی آزادی دی جائے تاکہ یورپ کا جو فہر قدرتی بغاوت ہو وہ ختم ہو جائے۔ (6) جرمنی کو آزاد کیا جائے اور چلایا کرے جرمنی کے دونوں بہانوں کی ایک سرکار ہلائی جائے (7) ہتھیاروں اور فوجوں کی ایک تعداد مقرر کی جائے اور بیٹوں کی دیکھ دیکھ میں سب ملکوں کی فوجوں اور ہتھیاروں پر کنٹرول رکھا جائے۔

صاف ہے کہ ان شرطوں میں امریکہ سب کچھ لے لیتا چاہتا ہے لیکن دینا کچھ نہیں چاہتا۔ یہ شرطیں یکطرفہ ہیں۔ صلح صفائی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ ان میں روس کہا گیا ہے کہ سب بچایا گیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ امریکہ کو کیا کرنا چاہئے۔ لیکن امریکہ نے ان یکطرفہ شرطوں کے اوپر بھی ایک شرط لگادی ہے کہ روس جب تک اوپر کی شرطوں کو پورا نہ کر دے تب تک آگے بات چیت میں نہیں چلائی جاسکتی۔ ظاہر بات ہے کہ یہ شرطیں یورپی کرنا روس چاہے بھی تو اسکی ہمتی کے باہر ہے۔ اس کا فکرمع بعد میں کریں گے۔

دوسرا بہانہ

امریکی اخباروں کی ٹیپنی اور مسٹر ڈلس کے بیانوں کو بھان سے پڑنے پر یہ بات ساک ہو جاتی ہے کہ روس والوں نے جگہ کی سہماؤنا کو کم کرنے کے لیے جو امریکی قدم اٹھائے تھے ان کا جواب اس بہانے کے روپ میں دیا گیا ہے۔ یہ ایسا داری نہیں پرورہنگہ ہے، ایہل نہیں چیلنج ہے!

دوسرا بہانہ

امریکی اخبار کے دوسرے بہانے میں شانتی کے لیے شرطوں کی ایک لمبی لسٹ لگائی گئی ہے۔ یہ شرطیں یہ ہیں: (1) آسٹریا کے سمندر میں روس ایک نئے سمجھوتے پر دستخط کرے (2) دوسری لوائی کے جو قیدی کہا جاتا ہے ابھی تک روس میں ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے (3) کوریا میں لوائی بند کرنے کے لئے صلح کی جائے۔ لوائی ختم کر کے کوریا کے راج کچ کے سمندر میں بات چیت ہو اور ایسا چلایا گیا جائے جس کے اندھار پر کوریا کے دونوں بہانے ایک ہو سکیں۔ (4) ہند چین اور ملایا پر روس کسی طرح کا حملہ نہ ہونے دینے کی ذمہ داری لے (5) یورپی یورپ کے دیہوں کو یورپی آزادی دی جائے تاکہ یورپ کا جو فہر قدرتی بغاوت ہو وہ ختم ہو جائے۔ (6) جرمنی کو آزاد کیا جائے اور چلایا کرے جرمنی کے دونوں بہانوں کی ایک سرکار ہلائی جائے (7) ہتھیاروں اور فوجوں کی ایک تعداد مقرر کی جائے اور بیٹوں کی دیکھ دیکھ میں سب ملکوں کی فوجوں اور ہتھیاروں پر کنٹرول رکھا جائے۔

صاف ہے کہ ان شرطوں میں امریکہ سب کچھ لے لیتا چاہتا ہے لیکن دینا کچھ نہیں چاہتا۔ یہ شرطیں یکطرفہ ہیں۔ صلح صفائی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ ان میں روس کہا گیا ہے کہ سب بچایا گیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ امریکہ کو کیا کرنا چاہئے۔ لیکن امریکہ نے ان یکطرفہ شرطوں کے اوپر بھی ایک شرط لگادی ہے کہ روس جب تک اوپر کی شرطوں کو پورا نہ کر دے تب تک آگے بات چیت میں نہیں چلائی جاسکتی۔ ظاہر بات ہے کہ یہ شرطیں یورپی کرنا روس چاہے بھی تو اسکی ہمتی کے باہر ہے۔ اس کا فکرمع بعد میں کریں گے۔

کرے، ہر ہم ہر سال کا مطلب آخر میں بھی ہوتا ہے۔ اُن کے حصے کی چوری جو ہوتے ہیں اور جہیں کھانا نہیں ملتا، جو سڑکی میں تھکے رہے ہیں اور جہیں ٹھکانا نہیں نصیب ہوتا۔

”یہ دنیا ہتھیاروں پر دولت منی نہیں ضائع کر رہی ہے۔

یہ دنیا اپنے مزدوروں کی محنت، اپنے نگہانوں کی
پرہیز اور اپنے بچوں کی آٹانوں سے لوائی پر خرچ کرتی

”آجکل ۷ ایک ہم پھونکنے والے ہوائی چہار کی قیمت
 اتنی ہے جتنی رقم سے 30 سے زیادہ شہروں میں پکے عمدہ
 اسکول بنائے جاسکتے ہیں اور انہیں چلایا جاسکتا ہے۔

”اِس رقم سے پہلی کے دو ایسے ڈرخائے چلائے جاسکتے ہیں جن میں سے ہر ایک 60 ہزار اہادی والے شہر کو پوری پہلی مہینہ ڈر سکے گا۔

”اِس رقم سے دو ہزار اور سو سامان سے لیس اسپتال کھل سکتے ہیں۔“

”اِس رقم سے 50 مہل لمبی عمدہ سڑک بن سکتی ہے۔

”جنتی دلم ایک جنگی جہاز میں خرچ ہوئی ہے
 اُلی دلم مہر 5 لاکھ پشیل لوہوں حاصل کیا جاسکتا ہے۔

چند لمہ دام میں ایک قسطنطنیہ چار ہلکا ہے اُس دام
میں اٹھ مکن بن سکتے ہیں کہ اُن میں 8 ہزار سے زیادہ
اُرسی رہ سکیں۔“

جنگ کا یہ بھانگ نقشہ بھی کرتے نے بعد پریسڈنٹ آئزن ہاور نے دیا ہے اہل کی ہے: ”میں دوبارہ کہتا ہوں کیا یہی زندگی کا سب سے اچھا راستہ ہے جس پر آپ تک یہ دیا چلتی آئی ہے؟ زندگی کا یہ ٹوٹی راستہ نہیں ہے..... کیا ٹوٹی دوسرا راستہ نہیں ہے جس پر دیا چل سکے..... یہ اوسر دیا کی سڑکوں سے مانگ کرنا ہے کہ وہ اچے ارادے صاب صاب اور ایمانداری سے بتادیں۔“

لیکن السوس یہ ہے کہ خود پر مسندت آئین ہاور نے اپنے ارادے صاف صاف نہیں بتائے۔ وہ یہاں ہی رک جائے تو بہت اچھا ہوتا۔ پر انہوں نے لہلہ لے بھانے دوس اور دوس نے ہمتا استانی کی بلدا شروع کر دی :
 22 موریت ساسراچ اپنی دروڑا اور اچھلے میں ڈالنے والی مسک سے دوسری لڑائی میں بچے جا۔ وہ زندہ رہ گیا ہے تانہ دوسری جنگ کا خطرہ پیدا کرے۔“ بھاشن کا اچھا خاصہ حصہ اسی طرح کی بھڑکے والی باتوں سے بھرا ہے اور پورے بھاشن پر ڈاکو پرت دیکھئے، اہل نی چنگ چھلچ نی شکل لے

آئزن ہاور کا شانتی سبھاؤ

17 اپریل 1953 کو امریکا کے پریسیڈنٹ آئزن ہاور نے امریکی ایڈیٹروں کے سامنے ایک بھاشن دیا تھا۔ اس بھاشن کی ساری دنیا میں چرچا ہوئی ہے اور اسے امریکہ کی آئہ کی پالیسی کا آدھار مانا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس بھاشن پر روشنی ڈالیں یہ ضروری ہے کہ بھاشن کی ابتدا کو پوری طرح سمجھ لیں۔ اس بھاشن کے تین حصے ہیں: پہلا حصہ بھارت سے بھرا ہے، دنیا کی آج کی حالت پر چلتا پرکٹ کی گئی ہے۔ یہ حصہ دل پر اثر کرتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ پریسیڈنٹ آئزن ہاور اور ”سہامی“ آئزن ہاور میں لگانا لوائی ہوئی دھڑکی ہے اور کہیں کہیں سہامی نے پریسیڈنٹ کو پچھڑا دیا ہے سہامی جانتا ہے کہ لوائی کیا بلا ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں بھولتے ہوئے ہیں، سہامی کو کس طرح جانور بلایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ سوچیں گے کہ ایک آدمی کے دو روپ کیسے ہو سکتے ہیں۔ پر اس بیان کو دیکھنا سے پوچھنے پر یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ سہامی آئزن ہاور آج کی حالت پر امسوس ظاہر کرتا ہے، لوائی کی برہادی کا نقشہ پیش کرتا ہے لیکن جلد ہی اسے یاد ہو جاتا ہے کہ وہ امریکہ کا پریسیڈنٹ بھی ہے اور وہ ان سب باتوں کی ذمہ داری جھٹ سے دوسرے سر تھوپ دیتا ہے اور اپنے دیہے کو، خود کو اور امریکہ کے پرانے شہسکوں کو سب کو دیکھنا ثابت کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ برطانیہ کے لہبر ہوتا مستر بیون نے اس بیان پر بولتے ہوئے کہا ہے کہ ”اس بھاشن کا روپ تھوک نہیں ہے اور جہاں جہاں یہ تھوک روپ میں ہے وہی ان حصوں نے اثر کو ضبط کر دیا ہے۔“ آئزن ہاور نے لوائی کا جو بھانف درشہ اپنے بھاشن میں کہہ لیا ہے اسے ہم نیچے دے دے ہیں :

”جنگ سے جس خراب سے خراب نتیجے کا قر ہے اور جس اچھی سے اچھی بات کی امید کی جاسکتی ہے وہ سبکچھوٹ میں یہ ہے :

سب سے بڑا نتیجہ ایسی لوائی ہو سکتی ہے۔ اچھی سے اچھی بات یہ ہو سکتی ہے کہ ایسے واناورن میں زندگی بہتے جس میں لگانا قر چھاپا دے اور ہر طرف سلسلی پھیلی ہو، دنیا کے دیہوں کی دولت اور معیشت کا دیہوگ ہو اور جس شکتی کی مدد سے دوسری قہنگ، امریکی قہنگ یا اور کوئی قہنگ بھی اس دنیا کی خیریتانی ہوا سکتا ہے وہ ساری شکتی اس تک کام میں ڈال دینے کے لئے استعمال کی جاوے۔

”ہر بھنگ کے بنانے، ہر لکڑی کے جھانپ کو تیار

آئزن ہاور کا شانتی سبھاؤ

17 اپریل 1953 کو امریکہ کے پریسیڈنٹ آئزن ہاور نے امریکی ایڈیٹروں کے سامنے ایک بھاشن دیا تھا۔ اس بھاشن کی ساری دنیا میں چرچا ہوئی ہے اور اسے امریکہ کی آئہ کی پالیسی کا آدھار مانا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس بھاشن پر روشنی ڈالیں یہ ضروری ہے کہ بھاشن کی ابتدا کو پوری طرح سمجھ لیں۔ اس بھاشن کے تین حصے ہیں: پہلا حصہ بھارت سے بھرا ہے، دنیا کی آج کی حالت پر چلتا پرکٹ کی گئی ہے۔ یہ حصہ دل پر اثر کرتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ پریسیڈنٹ آئزن ہاور اور ”سہامی“ آئزن ہاور میں لگانا لوائی ہوئی دھڑکی ہے اور کہیں کہیں سہامی نے پریسیڈنٹ کو پچھڑا دیا ہے سہامی جانتا ہے کہ لوائی کیا بلا ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں بھولتے ہوئے ہیں، سہامی کو کس طرح جانور بلایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ سوچیں گے کہ ایک آدمی کے دو روپ کیسے ہو سکتے ہیں۔ پر اس بیان کو دیکھنا سے پوچھنے پر یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ سہامی آئزن ہاور آج کی حالت پر امسوس ظاہر کرتا ہے، لوائی کی برہادی کا نقشہ پیش کرتا ہے لیکن جلد ہی اسے یاد ہو جاتا ہے کہ وہ امریکہ کا پریسیڈنٹ بھی ہے اور وہ ان سب باتوں کی ذمہ داری جھٹ سے دوسرے سر تھوپ دیتا ہے اور اپنے دیہے کو، خود کو اور امریکہ کے پرانے شہسکوں کو سب کو دیکھنا ثابت کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ برطانیہ کے لہبر ہوتا مستر بیون نے اس بیان پر بولتے ہوئے کہا ہے کہ ”اس بھاشن کا روپ تھوک نہیں ہے اور جہاں جہاں یہ تھوک روپ میں ہے وہی ان حصوں نے اثر کو ضبط کر دیا ہے۔“ آئزن ہاور نے لوائی کا جو بھانف درشہ اپنے بھاشن میں کہہ لیا ہے اسے ہم نیچے دے دے ہیں :

”جنگ سے جس خراب سے خراب نتیجے کا قر ہے اور جس اچھی سے اچھی بات کی امید کی جاسکتی ہے وہ سبکچھوٹ میں یہ ہے :

سب سے بڑا نتیجہ ایسی لوائی ہو سکتی ہے۔

اچھی سے اچھی بات یہ ہو سکتی ہے کہ ایسے واناورن میں زندگی بہتے جس میں لگانا قر چھاپا دے اور ہر طرف سلسلی پھیلی ہو، دنیا کے دیہوں کی دولت اور معیشت کا دیہوگ ہو اور جس شکتی کی مدد سے دوسری قہنگ، امریکی قہنگ یا اور کوئی قہنگ بھی اس دنیا کی خیریتانی ہوا سکتا ہے وہ ساری شکتی اس تک کام میں ڈال دینے کے لئے استعمال کی جاوے۔

”ہر بھنگ کے بنانے، ہر لکڑی کے جھانپ کو تیار

کھانا اور پاپیٹا کا یہ سٹیٹیفکیٹ اور کھانا اور پاپیٹا کا یہ سٹیٹیفکیٹ! جس طرح انگریزی راج میں ہر انگریز ہندوستان کا ہک کام بن سکتا ہے اس طرح آج کل ہر امریکی ہندوستان کا ویٹ شک صلاح کار بن سکتا ہے چاہے کسی جانکاری کتنی ہی کم ہو۔ پھر چاہے وہ کسی بھی شے کا جانکار کھوں نہ ہو وہ ہندوستان آکر ہر شے کا ایکسپٹ مانا جالگا۔ اس کے علاوہ بات یہ بھی ہے کہ شری ایل ہائی امریکی ہونے کے ناتے روس چین وغیرہ کو تو کسی کٹلی میں ہی نہیں دیکھتے ہونگے پھر خود امریکہ کا انتظام کون فلیٹ یا اچھا ہے؟ تروس کے شاسن کے خلاف چلتا کو کٹلی شکایت تھی اس کا انداز اس بات سے لگتا ہے کہ امریکہ کے نئے واشتریتی کے چلنے جانے پر کسی نے انہیں "چھارو" بھینٹ میں بھیجی تاکہ وہاںکے ہاؤس میں سے کڈلی صاف کر دیں! اگر امریکہ کا ہاسی اٹلا پمت ہو اور اس کے مقابلے ہندوستان بارہویں درجہ میں آکر یہ تو ویسا ہی ہے کہ کسی امتحان میں ساٹھ میں سے چالیس لوگ ہی شریک ہوں اور ان چالیس میں سے دس پاس ہوں جن میں پہلی نوہون میں کوئی پاس نہ ہو، دوسری میں چار ہوں اور تیسری میں چھ۔ اور گیارہویں کہہ کہ میں فیل ہوں ہوں پر نمبروں کے لحاظ سے گیارہویں پر ہوں!

لیکن سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ شری ایل ہائی کی رائے کٹلی ہی سچی کہوں نہ ہو اس کے مقابلے شری گورو کی رائے کہیں زیادہ فہمتی اور کھری سمجھی جالگی۔ اس وجہ سے کہیں کہ شری گورو کی فلیٹ شری ایل ہائی سے زیادہ ہے اس وجہ سے کہیں کہ شری گورو کو سرکاری دفتر کا تجربہ شری ایل ہائی سے زیادہ ہے اس وجہ سے کہیں کہ شری گورو ہندوستانی ہیں اور شری ایل ہائی امریکی، بلکہ اس وجہ سے کہ شری گورو بھارت سرکار کے ہی طعنات کئے ہوئے آدمی ہیں اور اگر سرکار کو ان کی رائے کا اعتبار نہیں ہے تب پھر اسے اپنی کسی فہمتی یا فہمتی کی رائے پر بھروسہ نہیں دینا چاہئے۔ یہی نہیں وہ اپنے پر ہی بھروسہ نہیں کر سکتی۔ اور جب شری گورو انہیں کہ سرکار سچا صاف انتظام نہیں چاہتی تو فلیٹ جواہر لال نہرو کو سوجھا دیتا کہ دو سٹیٹیفکیٹوں میں کون زیادہ سچا ہے اور ان کا یا ان کی سرکار کا کیا فرض ہے۔

ہم اٹلا کم کر ختم کر لیتے کہ اگر فلیٹ جواہر لال شری گورو نے کہہ کو فہول نہیں کرتے ہیں اور اسکی روشنی میں حکومت کو فلیٹ پر لے کی کوشش نہیں کرتے تو اتھتاس انہیں اکر لے معاف نہیں کریتا۔

سری رام بھائی

23. 4. '58

ہم اس وقت کھ کر ختم کریں گے کہ اگر پڈت جواہر لال شری گورو کے کہہ کو فہول نہیں کرتے ہیں اور اسکی روشنی میں حکومت کو فلیٹ پر لے کی کوشش نہیں کرتے تو اتھتاس انہیں اکر لے معاف نہیں کریتا۔

23. 4. '58

سری رام بھائی

اپنی دیورت میں شری گوروالا نے کئی مسجدوں دکھائے۔
 ان میں سے ایک یہ ہے :

”اگر سونکا یہ چاہتی ہے کہ اونچے مہدے پر کام کرے
والوں کی نیت تک کھنچتی میں چلتا کا وشواس بنا دے تو
اس ہاتھ کا انتظام ہونا چاہئے کہ کوئی آدمی چاہے کتنا
ہی اونچا کہیں نہ ہو، پر اگر اُس نے خوفِ ذمے دار
فہمیوں کی طرف سے اعتراض اُٹھتے ہیں اور اُن سے
کس یا معاملہ چلایا جاسکتا ہے تو وہ جانچ ضرور کرائی
جائے۔ اِس کے لئے ایک مشہوری ہونی چاہئے جو سرکاری
نظام کا حصہ ہو نہ کہ جیسا منستروں کے معاملے میں
کسی راج کاجی پارٹی کا۔ کنہیں بھی راج کاجی یا نجی
کاؤنوں سے اِس چیز میں ثالثا نہیں ہونا چاہئے اور نہ
ثالثا نظر ہی آنا چاہئے۔“

اس لئے شری گوروالا کی کمپنی نے سچھاؤ رکھا تھا کہ راشٹریہتی یا ہوی عدالت کو سچائی جاننے کے لئے اختیار سونپہ جائیں پر ایسا نہیں کیا گیا۔ شری گوروالا نے اپنے لکھ میں کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مستغیروں کے خلاف ڈسپدار لوگوں کی طرف سے ہوئے والی شکایتوں کی جانچ اگر سرکار کرنا چاہتی تو اس سمبندھی قانون بنانے بٹوالے میں اسے جلد مہلتوں سے زیادہ نہیں لگتے۔ کہیں 1952 میں ایسا ہو گیا ہوتا تو اب تک سارے دیہی کے اندر شاسن کی حالت بدل گئی ہوتی۔

اسی طرح سے، شری گورو والے لکھا ہے، سوال ہے منسٹروں کا دھیسوں کے یہاں جاکر تھہرنا و دونوں اُڑانا۔ پردھان منسٹری نے ایک موقع پر بھی اس طرح کی مہمان داری کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی۔ پر اگر چاہا رہی ہوتی مے تو اس سلسلے میں احکام بخوبی جاری کئے جاسکتے تھے جو نہیں کئے گئے۔ شری گورو والے کی رائے ہے اور صحیح رائے ہے کہ ”اگر کسی منسٹر سے پوچھا جائے کہ اُس کے اپنے پاس یا اُس نے اُنہوں کے پاس تھوڑے ہی عرصے میں زیادہ دھن دولت کہاں سے جمع ہو گئے تو یہ پوچھنا بھجنا نہیں تھا۔ اگر اُن پر مقدمہ چلایا جاتا ہے تو یہ دیکھ کر ہی چلایا جاتا ہے کہ گنجائشی ہے۔ پر یہ تک نہ ہوا۔ ضرور چاہا کی ہی کسی ہے۔“

آخر میں شہری گورو والا درد کے ساتھ کہتے ہیں :

”زیادہ مغرور پختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں توہمزدی
 صی مثلہیں سے صاف پختہ چلتا ہے کہ اس سوال پر سرکار
 کا راج کیا ہے۔ کل ملا کر یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ سمجھ
 صاف یا انصاف پسند انتظام کی ضرورت سرکار سمجھتی
 ہی نہیں۔ کیا اس فیصلے کی سرکار دراصل بے ایمانی نکالنے
 پر اتار رہی ہے؟ شاعر جواب ہے کہ نہیں۔“

ملازمینوں کی تاواہ کے بارے میں شری پیلہاڑی کہتے ہیں۔ کہ ”بپراسی یا نیچے درجے اور کم تنخواہ والے ملازمین“ اہلے پراسی ہوں لہٰذا انہیں اور زیادہ ذمے دار سب جگہوں پر کام کرنے والے ملازمین کی تعداد ضرورت سے زیادہ کم ہے۔

ملازمینوں کے ایمان کے بارے میں شری پیلہاڑی کہتے ہیں کہ سرکاری شاسن میں کئی بڑے ایماندار اور نیکو لوگوں کی تاواہ کسی بھی بڑے نجی کاروبار کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

اسی طرح سے ان کا کہنا ہے کہ ملازمین کی ہوشیاری کے خلاف والی شکایت بھی غلط ہے۔ ”لال فہمے“ کے بارے میں شری پیلہاڑی کہتے ہیں کہ ایک حد تک تو یہ ضروری چیز ہے اور اس کے بلا کام نہیں چل سکتا۔

اسی طرح سے ان کا کہنا ہے کہ روپے پیسے کے معاملے میں یہاں بہت ”کنجوسی“ برتی جاتی ہے اور چھوٹی بچت پر دھیان دیا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ سرکاری کے طریقہ و فہمے بھی بڑے ہال کی کھال نکالنے والے اور دھار میں ہوں ان کا ایک سچھا یہ بھی ہے کہ پریشوں کو ”آزادی“ دینے سے دیہی کی ایکتا کو خطرہ ہے۔ اور ان کی جانچ کا نچوڑ یہ ہے ”جسٹس“ نے اہل کہا ہے ”بھارت کا سرکاری شاسن دنیا کے بارے یا آس پاس دیہوں میں ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر پریشان ملگری نے دیہی اور شان کے ساتھ کانگریسی بھائیوں کو یہ بلا مانگے سرگرمی کی تفصیل سنائی جس سے کہا انہوں نے ان کے سامنے والوں کو بڑا حلقہ ہوا ہوگا !

اس کے مقابلے ہماری نگاہ سے 15 اپریل کے ”اسٹیمس“ میں ”اختیار میں چھپا دی ہے۔“ قی۔ کورالا کا ایک لکھ لکھ جس کا نام ہے ”ایک زیادہ سچا صاف انتظام“ ہے۔ قی۔ کورالا پشور، پانچ آئی۔ سی۔ میں ہوں جن کی بھارت سرکار میں بڑی عزت ہے جو ہندو سرکاری کمپنیوں اور کمپنیوں کے ممبر یا صدر رہ چکے ہیں۔ وہ سولہ آلے سرکار بھکت، مل پکاری اور فوج پریمی جنہوں میں چلے گئے ہیں اور کھلدری کرن کہا گرام اڈیوگ، کہا اہلسا کسی میں بھی۔ ہمارے فائی نیلسن ملستر شری دیہی مکہ یا انڈسٹری ملستر شری کرشنمچاری کی طرح دنی بھر وٹھواس نہیں ہے۔

اس کے مقابلے ہماری نگاہ سے 15 اپریل کے ”اسٹیمس“ میں ”اختیار میں چھپا دی ہے۔“ قی۔ کورالا کا ایک لکھ لکھ جس کا نام ہے ”ایک زیادہ سچا صاف انتظام“ ہے۔ قی۔ کورالا پشور، پانچ آئی۔ سی۔ میں ہوں جن کی بھارت سرکار میں بڑی عزت ہے جو ہندو سرکاری کمپنیوں اور کمپنیوں کے ممبر یا صدر رہ چکے ہیں۔ وہ سولہ آلے سرکار بھکت، مل پکاری اور فوج پریمی جنہوں میں چلے گئے ہیں اور کھلدری کرن کہا گرام اڈیوگ، کہا اہلسا کسی میں بھی۔ ہمارے فائی نیلسن ملستر شری دیہی مکہ یا انڈسٹری ملستر شری کرشنمچاری کی طرح دنی بھر وٹھواس نہیں ہے۔

اپنے اس لکھ میں شری کور والا کا کہنا ہے کہ تین سال ہوئے شاسن مدھار کے لئے سرکار نے ان کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی تھی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ دو برس پہلے پیش کر دی تھی۔ مگر 1951 کا ہوا نکل تھا 1953 کے تین چار ماہ چلے گئے سرکار نے اس کے مطابق ایک قدم بھی نہیں اٹھایا !

ملازمینوں کی تاواہ کے بارے میں شری پیلہاڑی کہتے ہیں۔ کہ ”بپراسی یا نیچے درجے اور کم تنخواہ والے ملازمین“ اہلے پراسی ہوں لہٰذا انہیں اور زیادہ ذمے دار سب جگہوں پر کام کرنے والے ملازمین کی تعداد ضرورت سے زیادہ کم ہے۔

ملازمینوں کے ایمان کے بارے میں شری پیلہاڑی کہتے ہیں کہ سرکاری شاسن میں کئی بڑے ایماندار اور نیکو لوگوں کی تاواہ کسی بھی بڑے نجی کاروبار کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

اسی طرح سے ان کا کہنا ہے کہ ملازمین کی ہوشیاری کے خلاف والی شکایت بھی غلط ہے۔ ”لال فہمے“ کے بارے میں شری پیلہاڑی کہتے ہیں کہ ایک حد تک تو یہ ضروری چیز ہے اور اس کے بلا کام نہیں چل سکتا۔

اسی طرح سے ان کا کہنا ہے کہ روپے پیسے کے معاملے میں یہاں بہت ”کنجوسی“ برتی جاتی ہے اور چھوٹی بچت پر دھیان دیا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ سرکاری کے طریقہ و فہمے بھی بڑے ہال کی کھال نکالنے والے اور دھار میں ہوں ان کا ایک سچھا یہ بھی ہے کہ پریشوں کو ”آزادی“ دینے سے دیہی کی ایکتا کو خطرہ ہے۔ اور ان کی جانچ کا نچوڑ یہ ہے ”جسٹس“ نے اہل کہا ہے ”بھارت کا سرکاری شاسن دنیا کے بارے یا آس پاس دیہوں میں ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر پریشان ملگری نے دیہی اور شان کے ساتھ کانگریسی بھائیوں کو یہ بلا مانگے سرگرمی کی تفصیل سنائی جس سے کہا انہوں نے ان کے سامنے والوں کو بڑا حلقہ ہوا ہوگا !

اس کے مقابلے ہماری نگاہ سے 15 اپریل کے ”اسٹیمس“ میں ”اختیار میں چھپا دی ہے۔“ قی۔ کورالا کا ایک لکھ لکھ جس کا نام ہے ”ایک زیادہ سچا صاف انتظام“ ہے۔ قی۔ کورالا پشور، پانچ آئی۔ سی۔ میں ہوں جن کی بھارت سرکار میں بڑی عزت ہے جو ہندو سرکاری کمپنیوں اور کمپنیوں کے ممبر یا صدر رہ چکے ہیں۔ وہ سولہ آلے سرکار بھکت، مل پکاری اور فوج پریمی جنہوں میں چلے گئے ہیں اور کھلدری کرن کہا گرام اڈیوگ، کہا اہلسا کسی میں بھی۔ ہمارے فائی نیلسن ملستر شری دیہی مکہ یا انڈسٹری ملستر شری کرشنمچاری کی طرح دنی بھر وٹھواس نہیں ہے۔

اپنے اس لکھ میں شری کور والا کا کہنا ہے کہ تین سال ہوئے شاسن مدھار کے لئے سرکار نے ان کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی تھی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ دو برس پہلے پیش کر دی تھی۔ مگر 1951 کا ہوا نکل تھا 1953 کے تین چار ماہ چلے گئے سرکار نے اس کے مطابق ایک قدم بھی نہیں اٹھایا !

کون سا ہوگی جو اپنے بے ڈھ بآدر دیکھ کر
سرخ کی لہر میں نہ ڈوب جائیگی اور کون ہندوستانی ہوگا
جو یہ نہ چاہے گا کہ ہندوستان اسی طرح ایک قوم یعنی ایک
وفاقی ملک کی لہر میں نہ ڈوب جائے اور دن دن دنیا دہ
چاہے کہ ہندوستان دہ۔

—بھگواندین

کون سا ہوگی جو اپنے بے ڈھ بآدر دیکھ کر
سرخ کی لہر میں نہ ڈوب جائیگی اور کون ہندوستانی ہوگا
جو یہ نہ چاہے گا کہ ہندوستان اسی طرح ایک قوم یعنی ایک
وفاقی ملک کی لہر میں نہ ڈوب جائے اور دن دن دنیا دہ
چاہے کہ ہندوستان دہ۔

—بھگواندین

دو سٹریٹفکریٹ

دو سٹریٹفکریٹ

ہمارے پرمغان منتریت ہفتت جواہر لال نہرو کو اپنے
دش والوں سے ایک خاص شکریت یہ ہے کہ جو کوئی بھی اچھا
یا ہوا کام سرکار کرتی ہے اس کی وہ ٹیکا ٹیہلی کرتے لکھتے
ہیں، لیکن اس کے خلاف دیکھی لوگ جو یہاں آتے ہیں وہ
اس کام کو دیکھ کر اُسکی قدر کرتے اور تعریف کرتے ہیں۔
اور کہتے ہفتت جواہر لال کی دلیل ہے، باہر والے اچھے
فن میں ماہر اور بہتر ہیں، ہوتے ہیں اس لئے ان کی بات
کو زیادہ مستحکم ماننا پڑے گا۔ ہمارے پرمغان منتریت شاید
یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی سرکار کو جلتا ہے دور دھم
کے کارن چشمہ لگا کر چہرے دیکھتا ہوں میں اور باہر
والے جو آتے ہیں وہ بھی ہم سے اور کہیں زیادہ دور دھم کے
کارن، ویسا ہی یا زیادہ پاور کا چشمہ لگا کر دیکھتے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ جیسا سرکار کو دیکھتا ہے ویسا ہی ان
دیکھی ماہروں کو اور دونوں کی پتہ لکھا جاتی ہے اور
دونوں میں اصلیت یہ اچھوتے دھتے ہیں۔

ہمیں یہ کہنے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ پچھلی
بار اپریل کو پارلیمان کی کانگریس پارٹی کی ایک نمائندہ
ہیٹوک میں پرمغان منتریت نے بتایا کہ ایک "پرسدہ
ادھکاری ہستی" نے ہندوستان کے شاسن کی تعریف کرتے
ہوئے اسے دنیا کی "بارہ بہترین شاسن والے دیکھوں میں"
لکھا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہ ہستی تھی سری پال۔ اچھے
اپہل ہائی جو امریکہ میں جن شاسن کے ایک شے شک
نہم جاتے ہیں۔ پچھلے سال امریکہ کی طرف سے بہار
میں چلتے والے فورڈ اسڈلڈ نے ان اپہل ہائی صاحب کی
—ہوائیں ہمارے سرکار کو دی تھیں۔ انہوں نے چار مہینے کی
چھائی ہوں کے بعد اس سال فروری میں اپہل ہوائیں
کی ہے۔

اپہل ہوائیں ایکسپورٹ کی رائے ہے کہ "دھم دھم
میں اس فہم پر پہنچا ہوں کہ بہار سرکار کی
دنیا کی بہت ترقی یافتہ بارہ یا اس کے لگ بھگ سرکاروں
میں چکے ہے۔" سری اپہل ہائی کا کہنا ہے کہ شاسن
کے خلاف آج جو چار طرح کے اقوام لگائے جاتے ہیں—اس
میں ضرورت سے زیادہ آتی ہے کہ وہ ہیں، یہ ہے کہ ان
ہے، یہ ہوائیں نہیں ہے اور "قل قیتم" کا بہت زیادہ
فہم ہے۔ وہ ان میں سے کوئی بھی مستحکم نہیں ہے۔

نیزامیہ دینی سے سات آٹھ سال دور ایک چھوٹی سی آبادی ہے۔ یہاں پر ایک ولی کا مقبرہ ہے اور انہیں کے نام سے اس آبادی کا نام پڑ گیا ہے۔ ایک طرح سے یہ آبادی نام کے لئے آبادی ہے۔ یہاں آبادی سے زیادہ مقبرے ہیں اور قبریں ہیں۔ یہ سب ہر عمر کے ہیں۔ کچھ سو گروں برس پرانے ہیں، کچھ برسوں میں پرانے ہیں۔ وہی کے ساتھ آئی ہوئی یہودی قبریں ہیں جو کہ اس جگہ پہنچنا چاہتی تھیں جہاں آصف علی صاحب دلفاڑ چالے کو تھے۔ ہم نے دیکھا کہ یہودی کے ہندو لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے قبروں کو ختم رکھتے تھے اور ان سے بچ کر نکلتے تھے۔ ہر مسلمان ویسا نہیں کر دیتا ہے۔ وہ چوتھیں سویت قبروں پر پاؤں دھکتے ہوئے اس کے جنازے کو اپنی آنکھوں میں دھنسا دیتا تھا چاہے وہ چار ہندوستان کے لئے چلا اور اسی کے لئے مرا۔ ہم نے اپنی آنکھوں میں مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہندو ساتھیوں کا ہاتھ پکڑ کر اسی طرح قبروں کو کھولتے ہوئے لے جا رہے تھے جس طرح سے وہ خود کر رہے تھے۔ اب ہندو بھی اسی طرف سے لے کر ہو گئی تھی اور یہ ختم ہی ہوئی تھی کہ وہ راستہ راستہ جا رہی تھیں یا قبروں پر ہوتی ہوئی جا رہی تھیں۔ جس کو جہاں جگہ ملی وہیں کھڑے ہو کر اُس نے وہی کے درشن کے لئے اور جنازے کو قبر میں لگاتے دیکھا۔

ایک دو کے ملہ سے ہم نے یہ بات بھی سنی، اہلی بوی موت ہوں ہی نہیں ملی۔ یہ جب ہی ملتی ہے جب اس سے بوی موت نکلے چھوڑی ہو۔ اسی بات کو انہیں ایک دو لے پھر اس طرح سمجھایا کہ اگر آصف علی صاحب نے ایک غلامی کے نام پر آنکھوں سے دسی جانے والی موت کو قاتل سے نہ لے کر لیا ہوتا تو کیا آج یہ موت نصیب ہوتی۔ اور پھر اسی سلسلے میں ایک ملہ سے یہ بات بھی سنی کہ جو آج اس موت سے دور رہ کر دیہی کے دیہوں کو دور کر کے میں اہلی جان لوگ لے کر لیا وہ اس سے بھی بڑھ کر مسلمان نہیں بنائے گا۔

ایک دو کے ملہ سے ہم نے یہ بات بھی سنی، اہلی بوی موت ہوں ہی نہیں ملی۔ یہ جب ہی ملتی ہے جب اس سے بوی موت نکلے چھوڑی ہو۔ اسی بات کو انہیں ایک دو لے پھر اس طرح سمجھایا کہ اگر آصف علی صاحب نے ایک غلامی کے نام پر آنکھوں سے دسی جانے والی موت کو قاتل سے نہ لے کر لیا ہوتا تو کیا آج یہ موت نصیب ہوتی۔ اور پھر اسی سلسلے میں ایک ملہ سے یہ بات بھی سنی کہ جو آج اس موت سے دور رہ کر دیہی کے دیہوں کو دور کر کے میں اہلی جان لوگ لے کر لیا وہ اس سے بھی بڑھ کر مسلمان نہیں بنائے گا۔

آصف علی صاحب اہلی مان کی بفل میں دلفا دیئے گئے۔ ان کی ماں کی قبر پہلوں سے لدا کر پہلوں کا قہر بن گئی تھی۔ پہلوں کا انتظام قہر ہوتے ہی قبر میں ملتی دیکھ کر پھاسی پھر جو آصف علی صاحب کی قبر کی طرف لپکی تو وہ پھر ان کی ماں کی قبر پر چڑھ گئی اور مٹی ڈالنے کی پھاس بچھانے لگی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس وقت آصف علی صاحب کی والدہ یعنی ماں جی کی روح قبر میں ایسے ہی آبلے وہی ہوئی مرنے پر سب اسی کے بچے ہیں جو اس کی چھاتی پر کھل رہے ہیں۔

آصف علی صاحب اہلی مان کی بفل میں دلفا دیئے گئے۔ ان کی ماں کی قبر پہلوں سے لدا کر پہلوں کا قہر بن گئی تھی۔ پہلوں کا انتظام قہر ہوتے ہی قبر میں ملتی دیکھ کر پھاسی پھر جو آصف علی صاحب کی قبر کی طرف لپکی تو وہ پھر ان کی ماں کی قبر پر چڑھ گئی اور مٹی ڈالنے کی پھاس بچھانے لگی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس وقت آصف علی صاحب کی والدہ یعنی ماں جی کی روح قبر میں ایسے ہی آبلے وہی ہوئی مرنے پر سب اسی کے بچے ہیں جو اس کی چھاتی پر کھل رہے ہیں۔

हुए थे। उनके चिरों पर वाली फेंकी जा सकती थी। रखने की जगह न थी। हम तो उस भीड़ में मिल कर देखने की हिम्मत ही न कर सके। दो बच्चों को साथ ले कर उन चौदह बसों में से एक में जा बैठे जो रथी के साथ साथ जाने के लिये तैनात की गई थीं।

बस में बैठे बैठे लोगों की जवानी हम आसिफ अली साहब की जीवनी सुन गये और इस सब ल का जवाब भी लोगों से था गये कि एक राजदूत का सरकार इतना बड़ा सम्मान क्यों कर रही है ? बस में से ही किसी एक ने जवाब दिया कि न यह राजदूत आसिफ अली का सम्मान है, न यह गवर्नर आसिफ अली का सम्मान है, न यह कांग्रेसी आसिफ अली का सम्मान है, यह तो उस आसिफ परवाने का सम्मान है जो आजादी की शमा पर हर दम जलने को तैयार रहता था।

जो भीड़ रथी के दर्शन के लिये जमक पड़ी थी उसमें हिन्दू, मुसलमानों से पियादा और मुसलमान हिन्दुओं से पियादा थे। यानी हिन्दू मुसलमान की कोई तमीज ही नहीं रह गई थी। दिल्ली में करीब करीब सब प्रांत के लोग रहते हैं, पर इस मौके पर सब अपनी प्रांतियता भूल बैठे थे। जो सरकार की हर वस्तु टीका करते रहते थे आज वह भी सरकार की टीका भूल कर रथी के साथ मौजूद हैं। धर्म भेद, जाति भेद, सभी भेद न जाने आज कहां चले गये थे सब मुसलमान आम तौर से और गरीब मुसलमान खास तौर से कुछ ऐसा महसूस करते माखम हो रहे थे मानों यह उन्हीं का सम्मान हो रहा हो। जब कोई हिन्दू रथी देखने के लिये आगे बढ़ना चाहता था और वहां कोई मुसलमान होता था तो वह बड़े अदब से उसे जगह दे देता था। मुसलमान का यह काम वह बताता माखम होता था कि यह रथी उसके ही किसी करीबी रिश्तेदार की है। कई मुसलमान जवान लड़कों को तो हमने छोटे छोटे हिन्दू बच्चों को कंधों पर बिठा कर रथी दिखाते हुए देखा। हिन्दू औरतों में से बहुतों की यह उम्मीद थी कि जी में रह गई कि उनके बच्चे ऐसे देश भक्त की न रथी को छू पाए और ब. कफन का एक टुकड़ा गले में लटकाने का पा सके।

भीड़ में सब उस की बहिन, माताएं और बेटियां थीं। सब ही उनका पूरा पूरा खयाल रख रहे थे कई बहनें तो अपने बच्चों को गोदी में लिये हुए थीं। फिर भी आस पास के लोग उन्हें कोई दिककत नहीं होने दे रहे थे।

जब रथी निष्कामुशीन पहुँची तो बसों खाली हो गईं और बसों में बैठे लोग उस तरफ दौड़े जहां जहां आसिफ अली साहब हमेशा के आराम के लिये बिठाये जाने जाते थे।

होते थे। ली के सरो पर लहाने पहुँच जा सकती थीं। ल रहने की जगह न थी। हम तो उस भीड़ में मिल कर देखने की हिम्मत ही न कर सके। दो बच्चों को साथ ले कर उन चौदह बसों में से एक में जा बैठे जो रथी के साथ साथ जाने के लिये तैनात की गई थीं।

बस में बैठे बैठे लोगों की जवानी हम आसिफ अली साहब की जीवनी सुन गये और इस सब ल का जवाब भी लोगों से था गये कि एक राजदूत का सरकार इतना बड़ा सम्मान क्यों कर रही है ? बस में से ही किसी एक ने जवाब दिया कि न यह राजदूत आसिफ अली का सम्मान है, न यह गवर्नर आसिफ अली का सम्मान है, न यह कांग्रेसी आसिफ अली का सम्मान है, यह तो उस आसिफ परवाने का सम्मान है जो आजादी की शमा पर हर दम जलने को तैयार रहता था।

जो भीड़ रथी के दर्शन के लिये जमक पड़ी थी उसमें हिन्दू, मुसलमानों से पियादा और मुसलमान हिन्दुओं से पियादा थे। यानी हिन्दू मुसलमान की कोई तमीज ही नहीं रह गई थी। दिल्ली में करीब करीब सब प्रांत के लोग रहते हैं, पर इस मौके पर सब अपनी प्रांतियता भूल बैठे थे। जो सरकार की हर वस्तु टीका करते रहते थे आज वह भी सरकार की टीका भूल कर रथी के साथ मौजूद हैं। धर्म भेद, जाति भेद, सभी भेद न जाने आज कहां चले गये थे सब मुसलमान आम तौर से और गरीब मुसलमान खास तौर से कुछ ऐसा महसूस करते माखम हो रहे थे मानों यह उन्हीं का सम्मान हो रहा हो। जब कोई हिन्दू रथी देखने के लिये आगे बढ़ना चाहता था और वहां कोई मुसलमान होता था तो वह बड़े अदब से उसे जगह दे देता था। मुसलमान का यह काम वह बताता माखम होता था कि यह रथी उसके ही किसी करीबी रिश्तेदार की है। कई मुसलमान जवान लड़कों को तो हमने छोटे छोटे हिन्दू बच्चों को कंधों पर बिठा कर रथी दिखाते हुए देखा। हिन्दू औरतों में से बहुतों की यह उम्मीद थी कि जी में रह गई कि उनके बच्चे ऐसे देश भक्त की न रथी को छू पाए और ब. कफन का एक टुकड़ा गले में लटकाने का पा सके।

भीड़ में सब उस की बहिन, माताएं और बेटियां थीं। सब ही उनका पूरा पूरा खयाल रख रहे थे कई बहनें तो अपने बच्चों को गोदी में लिये हुए थीं। फिर भी आस पास के लोग उन्हें कोई दिककत नहीं होने दे रहे थे।

जब रथी निष्कामुशीन पहुँची तो बसों खाली हो गईं और बसों में बैठे लोग उस तरफ दौड़े जहां जहां आसिफ अली साहब हमेशा के आराम के लिये बिठाये जाने जाते थे।

ہم اس میں قہر کر اور اس میں کے بدلے نہیں دے سکتے
 ہم نے اس میں شرم تو لگتی ہی نہیں، دنیا انسانا ہو گیا ہے
 اُنہی اُنہی ۔

یہ جانکر ہمارے بولنے والوں کو کتنی خوشی ہوگی
 کہ چوٹا گانہ ہم گانہ تھے ان بھلوں نے وچار کئے اُن سچے
 جاتے تھے۔ نہ انہیں یہ خیال ہوا کہ چیل ہمارا
 ہمیں کتنی بھگت ہوئی، نہ یہ کہ اس کے کتھے دام آجھانگے۔
 یہ تو یہ سوچتی رہتی تھیں کہ کس طرح ان کا دیش اپنے
 ہاتھوں پر آپ بھوا ہوا اور نہ صرف ابھی ضرورتوں کے لئے
 دوسروں کی اور نالما چھوڑ دیتا بلکہ ضرورت پڑے پر
 دوسروں کا دھنہ دھور کرنے کے قابل ہیں۔ سمجھا ۔

یہ چھل کلاس میں ڈوری چھل کلاس نہ ملی۔ یہ تو
اچھی خاصی دلا کلاس تھی۔ کلا پورن چھل کی جھڑیاں تو
نہی تھیں۔ پر سارے کمرے میں چکر داری کے کلا پورن سولے
بھی لٹکے ہوئے تھے۔ ایک چکر میں گاندھی جی کی دو
ٹانگس دیکھائی گئی تھیں، ان کے پاؤں میں چھل تھے
اُن کے چہرے میں بڑھاپے کی رازھی رازھی، چہرہ چھوت، داسکا کے
گائوں کی نونوں کی تونتی ہوئی دیکھائی گئی تھیں۔ اسی کا
نام ہے 'سادگی' سے دھلا اور اونچی آواز لہلا۔

پڑھنے والوں کو یاد رہے کہ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ
فلاور ہسپتالی صاحبہ کی قیڑہ مہمان کی مصلحت کا
نتیجہ تھا۔ اِن قیڑہ مہمانوں میں چھوٹوں کتلی بہنوں
کتلیوں نے لگنا سیکھا اور کوسا کام سیکھا اس زپ تہل سے
ہمیں کیا لگتا۔ ہمیں تو نام ہے اُس وچاروں کی کیا پلٹ
ہے جو کالج کی مہمان پڑھنوسروں اور پڑھنے والی بہنوں
اور بہنوں میں ہوتی۔

—ہنگوئن دیس

راجدوت اصف علی صاحب کی دتھی

راج درت ارف علی صاحب کی رہی پہونچنے کی
خبر ملنے والوں کو دیکھو سے چھوٹے ہی ملی ویسے
ہی دلی شہر نے ہر مرد عورت چھوٹے اڑے، عروپ
اسہر، سب کے دل میں ایک ہل چل مچ گئی۔ ہم
جس بھر میں تھوڑے ہرٹے بھ آس ٹھہر کے اور پڑوس
کے بچوں کی نو یہ بھی اچھا ہوئی کہ وہ پالم ہوائی
لٹے پر پہونچ کر اُن کی رہی کو حسان دیں اور تارن
حل بھی ہو چھوٹیں جہاں ہی رہی چلتا کے درشدیں نے لئے
رہی جانے والی نہی۔ پر اُن بچوں کی یہ اچھا پوزی نہ ہو
سکی۔ دوسرے دن سہرے نو وہ بچے کسی طرح روئے نہ رہے اور
رہی کے درشدیں نے لئے چل ہی رہے۔ ہم بھی اُن رساتو ہو گئے۔
چھوٹے مسجد سے اچھوٹے گھٹ تک لوگوں نے تقے نے تقے لگے

آجیاز اور بھی ہے۔ انہیں صرف ایک پتہ آجیاز تھا جو ابھی ہندوستان میں نہیں بناتا، ویلاہت سے بنا بنایا جاتا ہے۔ یہ وہ بھی ضروری ہے۔ جو چھل میں اسکی ضرورت ہے۔ وہ صرف سراج کرنے کے کام آتا ہے۔ ان پندرہ آوازوں، دام کم سے کم پندرہ روپے اور زیادہ سے زیادہ بیس روپے۔ ایک واقعی آواز کو چھوڑ کر باقی سب آوازوں کی مرست نہایت ہی خود کرسکتا ہے یا کسی لوہار سے کروا سکتا ہے۔ و ضروری آوازوں کو چھوڑ کر باقی لہرہ یا تو کلاس کے لئے ضروری ہیں یا دکان کے لئے، کھریلو کام کے لئے نہیں۔

دو پہلوؤں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ جو چھل میں رہے ہوئے ہیں ان کی اپنے ہاتھ کی ہلی ہیں۔ ہم اسی سلسلے میں یہ تمہارے کہ چھل ساری کھریلو کام تب ہی ان سکتا جب کچھ پہلوؤں یہ پرتگیا کر لیں کہ وہ اپنے ہاتھ کی ہلی ہوئی ہی چھل میں پہنچا لگی۔ ہم نے اسی سلسلے میں یہ بھی تمہارے کہ ہم ابھی ہندوستان کے پوری کوئی دہائی ہوئی ملتی پوری ریاست سے آئے ہیں۔ وہاں کی ہر ہنر ہوا ہوا جانتی ہے۔ وہاں پوجا کے کام میں کمر کے ہرے کے سوائے دوسرا کچھ کام میں نہیں لایا جاتا، یہ سن کر ایک بہن فوراً پرتگیا کر بیٹھی کہ وہ آگے سے اپنے ہاتھ کی ہلی چھل میں پہنا کر لگی۔

ہاتھ ہاتھ میں ہم ایک بہن کے بارے میں یہ پوچھ رہے تھے کہ وہ کس ایئر میں پڑتی ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں سلسلے کو ملا :

آج کل ہمارے کالج کے استھان ہو رہے ہیں۔ یہاں اس وقت ویلاہت کوئی نہیں ہے۔ یہاں تو سب کالج کی روفیسر ہیں۔ ان میں جو ایک سفید بال والی بہن تھیں انہوں نے کالج ہوسٹل کی سہترن جن کا نام تھا شہبازی ہیں۔ پھر تو پتہ چلا ایک تھیں انگریزی لیکچرر، شریکسی ہانگرتھی پلے، کداری حارمیا تاسی، ہندی لیکچرر کداری ہولا، انڈر آل اور شریکسی سفید ہلا شریکسی، انہماں لیکچرر کداری انڈر نائر، سلسکرت لیکچرر کداری سہتا لکھی ہت، انکدامکس لیکچرر کداری سہتا کور..... انہیں میں دو اور تھیں وہ بہت اور وجہ بھانپا۔

ان بہنوں کو سوچی کا کام کرتے دیکھ کر کسی دیکھی نے دل میں یہ شک کہہ دیا کہ ہندوستان میں پوجا چھت کی ہماری ہے۔ یہ دیکھ کر ہم یہ پوچھنے کی شہت ہی نہ کرسکے کہ کس کس ورن کے ویلاہت میں ہے اس کام کو سیکھنا شروع کیا ہے۔ ہمارا وچار اندر اندر چل رہا تھا کہ ایک بہن آگے کھڑی ہوئی اور بولی—”ہم تو بہت پوجتے جوتے بھی گاتھ لیتی ہیں۔ کلاس میں ہی جوتے پہن رہے ہیں۔ پڑوسوں کے جوتے گاتھ لے میں بھی لکھن کوئی شرم نہیں معلوم ہوتی۔“ ہم نے کہ دیا

ان بہنوں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ جو چھل میں رہے ہوئے ہیں ان کی اپنے ہاتھ کی ہلی ہیں۔ ہم اسی سلسلے میں یہ تمہارے کہ چھل ساری کھریلو کام تب ہی ان سکتا جب کچھ پہلوؤں یہ پرتگیا کر لیں کہ وہ اپنے ہاتھ کی ہلی ہوئی ہی چھل میں پہنچا لگی۔ ہم نے اسی سلسلے میں یہ بھی تمہارے کہ ہم ابھی ہندوستان کے پوری کوئی دہائی ہوئی ملتی پوری ریاست سے آئے ہیں۔ وہاں کی ہر ہنر ہوا ہوا جانتی ہے۔ وہاں پوجا کے کام میں کمر کے ہرے کے سوائے دوسرا کچھ کام میں نہیں لایا جاتا، یہ سن کر ایک بہن فوراً پرتگیا کر بیٹھی کہ وہ آگے سے اپنے ہاتھ کی ہلی چھل میں پہنا کر لگی۔

ہاتھ ہاتھ میں ہم ایک بہن کے بارے میں یہ پوچھ رہے تھے کہ وہ کس ایئر میں پڑتی ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں سلسلے کو ملا :

آج کل ہمارے کالج کے استھان ہو رہے ہیں۔ یہاں اس وقت ویلاہت کوئی نہیں ہے۔ یہاں تو سب کالج کی روفیسر ہیں۔ ان میں جو ایک سفید بال والی بہن تھیں انہوں نے کالج ہوسٹل کی سہترن جن کا نام تھا شہبازی ہیں۔ پھر تو پتہ چلا ایک تھیں انگریزی لیکچرر، شریکسی ہانگرتھی پلے، کداری حارمیا تاسی، ہندی لیکچرر کداری ہولا، انڈر آل اور شریکسی سفید ہلا شریکسی، انہماں لیکچرر کداری انڈر نائر، سلسکرت لیکچرر کداری سہتا لکھی ہت، انکدامکس لیکچرر کداری سہتا کور..... انہیں میں دو اور تھیں وہ بہت اور وجہ بھانپا۔

ان بہنوں کو سوچی کا کام کرتے دیکھ کر کسی دیکھی نے دل میں یہ شک کہہ دیا کہ ہندوستان میں پوجا چھت کی ہماری ہے۔ یہ دیکھ کر ہم یہ پوچھنے کی شہت ہی نہ کرسکے کہ کس کس ورن کے ویلاہت میں ہے اس کام کو سیکھنا شروع کیا ہے۔ ہمارا وچار اندر اندر چل رہا تھا کہ ایک بہن آگے کھڑی ہوئی اور بولی—”ہم تو بہت پوجتے جوتے بھی گاتھ لیتی ہیں۔ کلاس میں ہی جوتے پہن رہے ہیں۔ پڑوسوں کے جوتے گاتھ لے میں بھی لکھن کوئی شرم نہیں معلوم ہوتی۔“ ہم نے کہ دیا

ہاتھ ہاتھ میں ہم ایک بہن کے بارے میں یہ پوچھ رہے تھے کہ وہ کس ایئر میں پڑتی ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں سلسلے کو ملا :

آج کل ہمارے کالج کے استھان ہو رہے ہیں۔ یہاں اس وقت ویلاہت کوئی نہیں ہے۔ یہاں تو سب کالج کی روفیسر ہیں۔ ان میں جو ایک سفید بال والی بہن تھیں انہوں نے کالج ہوسٹل کی سہترن جن کا نام تھا شہبازی ہیں۔ پھر تو پتہ چلا ایک تھیں انگریزی لیکچرر، شریکسی ہانگرتھی پلے، کداری حارمیا تاسی، ہندی لیکچرر کداری ہولا، انڈر آل اور شریکسی سفید ہلا شریکسی، انہماں لیکچرر کداری انڈر نائر، سلسکرت لیکچرر کداری سہتا لکھی ہت، انکدامکس لیکچرر کداری سہتا کور..... انہیں میں دو اور تھیں وہ بہت اور وجہ بھانپا۔

ان بہنوں کو سوچی کا کام کرتے دیکھ کر کسی دیکھی نے دل میں یہ شک کہہ دیا کہ ہندوستان میں پوجا چھت کی ہماری ہے۔ یہ دیکھ کر ہم یہ پوچھنے کی شہت ہی نہ کرسکے کہ کس کس ورن کے ویلاہت میں ہے اس کام کو سیکھنا شروع کیا ہے۔ ہمارا وچار اندر اندر چل رہا تھا کہ ایک بہن آگے کھڑی ہوئی اور بولی—”ہم تو بہت پوجتے جوتے بھی گاتھ لیتی ہیں۔ کلاس میں ہی جوتے پہن رہے ہیں۔ پڑوسوں کے جوتے گاتھ لے میں بھی لکھن کوئی شرم نہیں معلوم ہوتی۔“ ہم نے کہ دیا

ہاتھ ہاتھ میں ہم ایک بہن کے بارے میں یہ پوچھ رہے تھے کہ وہ کس ایئر میں پڑتی ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں سلسلے کو ملا :

معلوم ہونے لگا کہ ہم اچھے گھر میں ہیں اور ہماری بہن بے گناہی ہمیں ایسا کام دکھا رہی ہیں۔

چہلپوں کی گئی چہڑیاں انگ انگ تختوں پر چڑھی
 ہوئی، کہتے رہے، رہے رہی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے
 دو ایک تو بلا کا نمونہ تھیں۔ آرٹسٹ صاحب نے اُن کو
 ہوی ہوی ہادی ہادی سے دکھایا۔

ہاس ہی ڈاڑھ پورے پر لکھ ہوئے تھوئے 'چوہوئے' پچھوئے 'اچھوئے' چھوئے کے تکرارے دیکھنے کو ملے۔ ان سب پر تھوڑی تھوڑی ملائی گئی ہوئی تھی۔ اس نمازیں کو ہم بالکل نہ سمجھ پائے۔ کلاؤ سے پوچھنا ہوا، یہ کیا اور کس لئے ؟

حسینی صاحب پرلے، یہ ہوں چہل کی کترنہں، آپ
چاتے ہی مہں، آج کل، چموا کنڈا لراں ہے، ہم چدوے
کا ایک تگوا خراب نہیں جالے دیتے۔ یہ جو ان تگواں پر
سلائی کی ہوئی ہے یہ ہمارے سہکھلے والوں نے پہلے دن کا
کام ہے ہم پہلے پہل ان کو سلائی ہی سکھاتے ہوں۔ ان
کترنوں کو ہم چہلوں کی ایڑی مہں بتھا دیتے ہوں۔
ان کترنوں کو کارڈ بوت پر اس لئے لٹا رکھا ہے کہ وہ دیرتی
کو یہ دھماں دے اور اُسکی نظار کے سامنے دے کہ اُس نے
پہلے دن کھسی سلائی کی تھی، اور آج وہ کھسی کرتا ہے۔

ہاتھوں ہاتھوں میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک جڑی
 چھل 'نقانی سے لیکر سائی ہو کر ہر طرح تیار ہونے میں'
 کم سے کم 'قماری گھنٹہ' اور زیادہ سے زیادہ تین گھنٹہ لگتی
 ہے۔ 'اُس پر کچھ تلے کا کام کھا جائے تو زیادہ رقت ہوں
 لگ سکتا ہے۔ ایک چھل میں تین سے پانچ روپے تک کی
 قیمت لگتی ہے۔ اور بازار میں اُس کے دام چارے سے آٹھ تک
 آسانی سے مل سکتے ہوں۔ اُسچی دکان میں دس تک
 بھی بک سکتی ہے۔

میں 'قحطانی کہلتے' والی بات پر کچھ شک ہو رہا تھا۔ ہم سوال کرنے کو ہی تھے کہ ایک بہن نے اٹھ کر کہا "ایک دن ایک صحیح کالج میں لوکچر دیئے آئے، اُن کی چھل کا اُسی سے تاپ لیا گیا۔ اُن کا لوکچر ختم ہونے کے بعد کالج میں تھار کی ہوئی اُن کی چھل اُن کے پاؤں میں پھنسی گئی۔ اُن کے کلیجے پھونچ گئے، لوکچر ختم کرنے میں ۱۱۸ گھنٹے کا سہ لگا۔"

ہاتھیں ہاتھیں میں اوزاروں کی بات چل پڑی . معلوم ہوا 'چھل سازی کے اوزار تو دو ہی ہیں . ایک دانہ ہی' ایک ستارہ . دانہ کی کتنی ہے 'ستارہ سمجھتی ہے . دونوں کے دلم آتے آتے ہا ایک دوہرہ . یہ دونوں آسانی سے کوئی بھی ٹوٹا ہوا بھاگتا ہے . اسکی ٹوٹ پھوٹ چھل ہلانے والا خود کوڑھتا ہے . ٹوٹ پھوٹ ٹھوک کرے والے اوزار بھی توڑتی نہیں' کسی کے دلم بھی دوہرے آتے آتے . وہ اوزار بھی معمولی ٹوٹا ہوا ہے اس میں شک نہیں کہ چھل گلاس میں ٹوڑا

سہیوگ میں سکننا نا ممکن ہے، جناتا سرکار کے ساتھ سہیوگ کرنے کے لیے بے چین ہے، پر یہ سہیوگ جناتا کبھی یोजनाؤں میں کر سکتی ہے جو جناتا کے دین سہیوگ کی یोजनाؤں ن جناتا کے دین سہیوگ کی یोजनाؤں ن ہو سکتی ہیں۔

ہزاروں نوجوان ہیں جو دیہی کو آگے بڑھانے کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان نوجوانوں کی چوٹی ہوئی شکتی کسی دیہی کے نوجوانوں کی شکتی سے کم نہیں۔ پر آجکل جو لوگ ہیں ان کا دھن سہی، ان کا دھن اور ان کے وچار ان نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچے یا ان میں اسٹنگ پیدا کرنے کی جگہ آہوں اور دور ہٹاتے ہیں۔

مہاتما گاندھی بھارت اور بھارتیوں کو بھڑکی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہمارے لئے کامیابی کی ایک سب اور سہیوگ سڑک تیار کر دی ہے۔ پڑوسیوں کی جیت جانتی مٹا ہوا ہے ہم میں سہیوگ اور وچاروں پیدا کرنے کے لیے کافی ہوئی چاہتیں۔ اچھا ہو کہ اب بھی ہم میں اتنی سہیوگ اور انداز ہل آگے کہ ہم سہیوگ راستے پر چل سکیں۔ ہمارے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

—سندھ لال

ہندوستان کالج اور چپل سازی

کلاکار ہوسےنی ساہب نے جب چپل کلاس دیکھنے کی بات پہلے ۶۰ سندھ لال جی کے ساتھ ساتھ ہوسےنی ساہب نے کلاس میں سمجھ پایا۔

ہوسےنی ساہب ہندوستان کالج میں پروفیسر ہیں۔ مہینہ کے مہینہ ہوسےنی ساہب سے ہندوستان کالج کی کلاسوں کو چپل بنانے کا کام سیکھانے آئے ہوئے ہیں۔ ہوسےنی ساہب نے، ہندوستان کالج، چپل سازی، اور کلاکار !

دوسرے دن میں ہندوستان جی کے ساتھ ساتھ کالج پہنچ ہی تو کیا۔ کہا دیکھتا ہوں، آرٹسٹ صاحب دھرم میں ننگے سر ہماری طرف لہکے چلے آ رہے ہیں ! ہمیں کسی وجہ سے پانچ سات ملنے کی دیہی ہوگئی تھی۔ آرٹسٹ صاحب نے ہمیں معافی مانگنے تک کا موقع نہ دیا، توت ہم دیہیوں کو اپنی چپل کلاس میں لے گئے۔ چپل کلاس کہا تھی ایک دکان تھی جس میں کچھ لوہاں ایک آدمی ہوسےنی ساہب کی مانتی میں چوتے لکھنے کا کام کر رہی تھیں۔

توڑی دیہی میں ہم ان کے کوچے میں تھے اور آرٹسٹ صاحب ہمیں ان کے ہاتھوں سے چپلوں لے کر دیکھ رہے تھے۔ ملنے کی طرف ملنے کے بعد ہی ان دیہیوں میں سے کوئی کوئی اپنی چپل کلاس کا کام دیکھنے لگیں۔ اب ہمارے سر سے یہ بات نکل گئی کہ ہم کسی کلاس میں کچھ نہیں لکھا

سہیوگ میں سکننا ناممکن ہے۔ چلتا سرکار کے ساتھ سہیوگ کرنے کے لیے بے چین ہے۔ پر یہ سہیوگ جناتا کبھی یोजनाؤں میں کر سکتی ہے جو جناتا کے دین سہیوگ کی یोजनाؤں ن جناتا کے دین سہیوگ کی یोजनाؤں ن ہو سکتی ہیں۔

ہزاروں نوجوان ہیں جو دیہی کو آگے بڑھانے کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان نوجوانوں کی چوٹی ہوئی شکتی کسی دیہی کے نوجوانوں کی شکتی سے کم نہیں۔ پر آجکل جو لوگ ہیں ان کا دھن سہی، ان کا دھن اور ان کے وچار ان نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچے یا ان میں اسٹنگ پیدا کرنے کی جگہ آہوں اور دور ہٹاتے ہیں۔

مہاتما گاندھی بھارت اور بھارتیوں کو بھڑکی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہمارے لئے کامیابی کی ایک سب اور سہیوگ سڑک تیار کر دی ہے۔ پڑوسیوں کی جیت جانتی مٹا ہوا ہے ہم میں سہیوگ اور وچاروں پیدا کرنے کے لیے کافی ہوئی چاہتیں۔ اچھا ہو کہ اب بھی ہم میں اتنی سہیوگ اور انداز ہل آگے کہ ہم سہیوگ راستے پر چل سکیں۔ ہمارے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

—سندھ لال



ہندوستان کالج اور چپل سازی

کلاکار ہوسےنی ساہب نے جب چپل کلاس دیکھنے کی بات پہلے ۶۰ سندھ لال جی کے ساتھ ساتھ ہوسےنی ساہب نے کلاس میں سمجھ پایا۔

ہوسےنی ساہب ہندوستان کالج میں پروفیسر ہیں۔ مہینہ کے مہینہ ہوسےنی ساہب سے ہندوستان کالج کی کلاسوں کو چپل بنانے کا کام سیکھانے آئے ہوئے ہیں۔ ہوسےنی ساہب نے، ہندوستان کالج، چپل سازی، اور کلاکار !

دوسرے دن میں ہندوستان جی کے ساتھ ساتھ کالج پہنچ ہی تو کیا۔ کہا دیکھتا ہوں، آرٹسٹ صاحب دھرم میں ننگے سر ہماری طرف لہکے چلے آ رہے ہیں ! ہمیں کسی وجہ سے پانچ سات ملنے کی دیہی ہوگئی تھی۔ آرٹسٹ صاحب نے ہمیں معافی مانگنے تک کا موقع نہ دیا، توت ہم دیہیوں کو اپنی چپل کلاس میں لے گئے۔ چپل کلاس کہا تھی ایک دکان تھی جس میں کچھ لوہاں ایک آدمی ہوسےنی ساہب کی مانتی میں چوتے لکھنے کا کام کر رہی تھیں۔

توڑی دیہی میں ہم ان کے کوچے میں تھے اور آرٹسٹ صاحب ہمیں ان کے ہاتھوں سے چپلوں لے کر دیکھ رہے تھے۔ ملنے کی طرف ملنے کے بعد ہی ان دیہیوں میں سے کوئی کوئی اپنی چپل کلاس کا کام دیکھنے لگیں۔ اب ہمارے سر سے یہ بات نکل گئی کہ ہم کسی کلاس میں کچھ نہیں لکھا

کی سہا، شیکا اور سنگٹن میں اپنا سارا سرمایہ لگانا چاہیے۔ گاندھی جی کی سلاہ پر اگر اس سے عمل کیا جاتا تو ہمارے دیس کے شاموں اور چلتا کے بوجھ جو کھائی ہوہتی جا رہی ہے وہ پیدا ہی نہ ہوتی اور دیس میں ایک سچی چلتا کی سرکار قائم ہو سکتی۔

اس طرح ہمارے اندر جو کسی ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے لیے سامنے کوئی ٹھیک ٹھیک آدش نہیں ہوں اور گاندھی جی کے آدشوں اور انکی صلح میں ہمیں دشواس نہیں اسی لکھ ہم نے انہوں نہیں مانا۔

ہمارے ادھکار سرکاری محکموں میں غریب چلتا کا روہہ جس طرح ہائی کی طرح بہایا جا رہا ہے اُسکی تفصل میں چلے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ پورہوں تک ہم یہ شکایت کرتے رہے کہ انگریزی حکومت اس دیس کے لکھ بہت مہنگی ہے اور روہہ پورہہ مہنگی ہے۔ آج ہماری حکومت انگریزی حکومت سے کہوں زیادہ مہنگی ہے اور اُس کا خرچ ہوہتا چلا جا رہا ہے۔ اُنہلے بہار کے اندر ہمیں پتایا لیا ہے کہ کھول پولیس کا خرچ جو انگریزی راج نے سامنے لگ لگ 75 لاکھ روہہ سالانہ تھا اور جسکی ہمیں ہوی شکایت رہتی ہوی اب لگ لگ تھن کرور اسی لاکھ ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آزاد بہارت میں پولیس اور کم ہوگی۔ دوسرے محکموں میں ہوی اسی طرح کی تفصل خرچ اور دیس کی اصلی حالت پر نگاہ نہ دیکھ کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم باہر کے ملکوں کے ساتھ بالکل غور ضروری اور خطرناک مالی دیلداروں اور راجکاری الجھلوں میں پھلستے چلے جا رہے ہوں۔

چلتا کھلے اب دو ہی راستے ہوں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ آجکل کے شاموں پر اس بات کھلے کالی دباؤ نہ جائے کہ وہ اپنی لفظواہوں اور خرچوں کو کم کریں، معمولی شہریوں کی طرح معمولی کھروں میں رہیں، اپنے رہن سہن کو جہاں تک ہو سکے چلتا کے رہن سہن کے نزدیک لڑیں اور اس طرح ان لوگوں کھلے ایک مثال قائم کریں جو اس سے آدہ سے نہچے تک راج چلا رہے ہوں۔ چلتا سرکار کو مجبور کرے کہ وہ شاموں کے خرچ کو کم کرے اور کھوس خرچی، ہوشٹاچار اور ہکاری کو ختم کرے کا بچن دے۔

الوہہ نہ ہو سکے تو دوسرا راستہ چلتا کھلے یہ ہے کہ آجکل کے شاموں کی جگہ اس طرح کے آدسوں کو چلے اور ہوشٹاچار جو چاہے کسی بھی پارٹی کے ہوں یا نہ ہوں، ان سب باتوں کے کرلے کی ہرنگھا کریں۔

سرکار کے ساتھ سہوہگ کرلے کھلے چلتا میں جوہی پیدا کرلے کا یہی ایک مائے طریقہ ہے۔ آج کے حالات میں چلتا میں جوہی پیدا ہو سکتا اور سرکار کو

جس طرح ہمارے اندر جو کسی ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے لیے سامنے کوئی ٹھیک ٹھیک آدش نہیں ہوں اور گاندھی جی کے آدشوں اور انکی صلح میں ہمیں دشواس نہیں اسی لکھ ہم نے انہوں نہیں مانا۔

ہمارے ادھکار سرکاری محکموں میں غریب چلتا کا روہہ جس طرح ہائی کی طرح بہایا جا رہا ہے اُسکی تفصل میں چلے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ پورہوں تک ہم یہ شکایت کرتے رہے کہ انگریزی حکومت اس دیس کے لکھ بہت مہنگی ہے اور روہہ پورہہ مہنگی ہے۔ آج ہماری حکومت انگریزی حکومت سے کہوں زیادہ مہنگی ہے اور اُس کا خرچ ہوہتا چلا جا رہا ہے۔ اُنہلے بہار کے اندر ہمیں پتایا لیا ہے کہ کھول پولیس کا خرچ جو انگریزی راج نے سامنے لگ لگ 75 لاکھ روہہ سالانہ تھا اور جسکی ہمیں ہوی شکایت رہتی ہوی اب لگ لگ تھن کرور اسی لاکھ ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آزاد بہارت میں پولیس اور کم ہوگی۔ دوسرے محکموں میں ہوی اسی طرح کی تفصل خرچ اور دیس کی اصلی حالت پر نگاہ نہ دیکھ کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم باہر کے ملکوں کے ساتھ بالکل غور ضروری اور خطرناک مالی دیلداروں اور راجکاری الجھلوں میں پھلستے چلے جا رہے ہوں۔

چلتا کھلے اب دو ہی راستے ہوں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ آجکل کے شاموں پر اس بات کھلے کالی دباؤ نہ جائے کہ وہ اپنی لفظواہوں اور خرچوں کو کم کریں، معمولی شہریوں کی طرح معمولی کھروں میں رہیں، اپنے رہن سہن کو جہاں تک ہو سکے چلتا کے رہن سہن کے نزدیک لڑیں اور اس طرح ان لوگوں کھلے ایک مثال قائم کریں جو اس سے آدہ سے نہچے تک راج چلا رہے ہوں۔ چلتا سرکار کو مجبور کرے کہ وہ شاموں کے خرچ کو کم کرے اور کھوس خرچی، ہوشٹاچار اور ہکاری کو ختم کرلے کا بچن دے۔

الوہہ نہ ہو سکے تو دوسرا راستہ چلتا کھلے یہ ہے کہ آجکل کے شاموں کی جگہ اس طرح کے آدسوں کو چلے اور ہوشٹاچار جو چاہے کسی بھی پارٹی کے ہوں یا نہ ہوں، ان سب باتوں کے کرلے کی ہرنگھا کریں۔

سرکار کے ساتھ سہوہگ کرلے کھلے چلتا میں جوہی پیدا کرلے کا یہی ایک مائے طریقہ ہے۔ آج کے حالات میں چلتا میں جوہی پیدا ہو سکتا اور سرکار کو

جس طرح ہمارے اندر جو کسی ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے لیے سامنے کوئی ٹھیک ٹھیک آدش نہیں ہوں اور گاندھی جی کے آدشوں اور انکی صلح میں ہمیں دشواس نہیں اسی لکھ ہم نے انہوں نہیں مانا۔

بسر کرتے ہیں جس طرح مہاتما گاندھی کہتے تھے تو
ممکن ہے ہم یہ سمجھتے کہ گاندھی جی کی صلاح عمل
کرنے کی چیز نہیں تھی۔

گاندھی جی نے یہ بھی صلاح دی تھی کہ پارلیامینٹ
جیسی سب شاندار عمارتیں جو انگریز نئی دہلی میں
اٹھ رہے تھے یا تو اسکو لوٹ، کالجوں اور وٹو ودیالہوں کو دے
دی جاویں اور یا ان میں فریڈم کے لئے اسپتال کھول
دیئے جائیں، اور سوراخ سرکار کو اپنا سارا کاروبار اس طرح
کے سیدھے سادے مکانوں میں کرنا چاہئے جو بھارت جیسے
نردھن دیہی کے جہوں سے کہتے ہوئے ہوں۔ ہمیں یاد
رکھنا چاہئے کہ نئے جہوں میں سب پرالے محفل اور بڑی
بڑی عمارتیں فریڈم اور مزدوروں کو دے دی گئی تھیں
جی میں وہ لوگ اچھے مہلتے تھے تماشہ اور آمود پر سود کرتے
تھے اور جہوں میں وہ ورکرس کلچرل پبلکس کہتے تھے۔
چوتھی کے لوگوں کے سادہ اور کفایت شعاری کی زندگی بسر
کرنے سے ہی نچھٹے کے سرکاری افسروں اور نوکروں میں وہ
امٹک پیدا ہو سکتی ہے جو کہوس خوردی اور بہوشاچار
کو روک سکے۔

دیش کے آفاقیاد ہو جانے سے باء گاندھی جی نے جب
دیکھا کہ بھڑی شان کے خلیات میں پڑ کر کانگریس نہتا
ان کی صلاح نہیں مان رہے تھے تو انہوں نے ساہس کے
ساتھ اور صاف شہدوں میں سب کانگریس والوں سے کہا کہ وہ
دلی سرکار اور پرانتی سرکاروں کے سب عہدوں سے استعفیہ
دے دیں۔ سب دھارا سبھاؤں میں سے باہر نکل آویں
کانگریس سلکھتیں کو توڑ دیں اور گاؤں گاؤں میں جائے
جلتا کو سمجھا کر اس طرح سلکھت کر دیں کہ شاشن
چاہے کسی کے بھی ہاتھ میں رہے لوگوں میں اتنا ہل ا
جاوے کہ جہاں کہیں اور جب کہیں شاک اپنی شکتی کا
دراپھوگ کریں لوگ ان کا ہاتھ روک سکیں جس سے کوئی
سرکار جلتا کی اچھا کے وردہ جلنے کی ہمت نہ کر سکے۔

مہاتما گاندھی نے یہ پوچھن کوئی کر دی تھی کہ اگر
کانگریس والوں نے انکی صلاح پر عمل نہ کیا تو حکومت
ہاتھ میں آئے ہی کانگریس والوں کا چلن بکو جائے گا اور
وہ لوگوں کی نظروں میں گر جاویں گے جس سے جلتا اور
ادھک مصیبت میں پھنسے گی جس کی ساری ذمہ داری
کانگریس والوں پر ہوگی۔ کانگریسی رہتاؤں نے اس سے
گاندھی جی کی بات نہ سنی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی
کی پوچھن کوئی سچی نکلی۔

ہمیں کھٹھام سلکھت گھٹے نے جو بہار کی تصفیقات
کھلے پوچھے گئے تھے اپنی رپورٹ میں یہ بھی صلاح دی
تھی کہ کم سے کم بہار میں سب کانگریس والوں کو سرکاری
عہدوں سے استعفیہ دے دینا چاہئے، دھارا سبھاؤں سے نکل
آنا چاہئے اور جلتا میں جائے نہیں سال تک جلتا

ہممانداری پر سب کو بھروسہ تھا اس لئے آئندہ کیا کر لی کہونکہ اس پر یہ بوجھ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ کسی دوسرے اہم ہندوؤں کے لئے جو اوپر کے کانگریس اہلکاروں کا ادھک ہریم پاتر تھا ایسا نام واپس لے لے . اُسے ڈر لیا گیا . دیکھ میں ۱۹۲۰ء کو اس نے ایک خط ہندوتہ جواہر لال کے نام لکھ کر جس میں اس نے دہایا ہے کہ ہمارا راجکاجی جہوں کے لئے لکھا گیا ہے آئندہ کر لی . یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے ملتے جلتے اور بھی لکھنا نہیں ہوں .

ہماری آجکل کی مصیبتوں کے کارن کا اس سے کچھ پتہ چلتا ہے . وہ ہزاروں آدمی جو ابھی حال تک آزادی کے سہمی تھے اور جو ظاہر ہے اب اپنی ان سوراؤں کے لئے انعام چاہتے ہوں یا پائلوں کی طرح ستا حاصل کرنے یا اچے ہاتھ میں ستا بلانے دیکھ لی جی توڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہوں . اس پائل پن نے کارن ہمارا چوترا بے حد کر لیا ہے . اب ہمارے لئے مقصد اگر ٹھیک ہے تو اس تک پہنچنے کے لئے سادمن چاہے کتنے بھی خراب کہوں نہ ہوں کوئی ہرج بہرج نہیں . سچائی اور ایمانداری ہمارے لئے اس لئے ضروری ہے جو راج کا جی نہتوں کو شوبھا نہیں دیتے .

ہمارے راجکاجی جہوں کا یہ یمن ایسا نہیں ہے جس کا پہلے سے کسی کو انومان نہ ہوا ہو . مہاتما گاندھی شروع سے ہی اسے صاف صاف دیکھ رہے تھے . اس سے پہلے کے لئے ہی وہ ہمارے چوٹی کے لوگوں پر بار بار اس بات کے لئے اور دے رہے تھے کہ سوراچ مل جانے کے بعد بھی انہوں نے اچے جہوں کی سادمنی اور تہسنا اسی طرح بلانے دیکھی چاہئے . ایک بار شری راج گوبالاچاری نے رائے ظاہر کی نہ گاندھی جی نے ہر بڑے سے بڑے ہندوستانی سرکاری ہندو اہلکار کے لئے جو ادھک سے ادھک پانچ سو روپے ماموار کی تقاضا باندھ دی تھی وہ سکن ہے اس عہدے کی شان کو بلانے دیکھ کے لئے کافی نہ ہو . اس پر گاندھی جی نے جواب دیا تھا کہ پانچ سو روپے کی حد ہندوتہ جواہر لال جہوں کے لئے ہے جنہیں سچپن سے خاص طرح سے دھم کی عادت ہے لیکن راجا جی کو مستحکم یا گورنر ہونے کی صورت میں 75 روپے پہلے سے زیادہ ہرگز نہیں لیتا چاہئے . راجا جی ان دنوں 75 روپے ماموار میں ہی رہ رہ رہے .

گاندھی جی اس بات پر زور دیتے تھے کہ آزادی کے بعد ہمارے مستحکم اور گورنروں کو جہاں تک ہوسکے دیکھ کی عام چلتا کی طرح دھما اور زندگی بسر کرنا چاہئے اس معاملہ میں اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ کچھ دوسرے دیکھ کے شاکس جو ہمارے دیکھ سے بڑے دیکھ ہیں ٹھیک اسی طرح کی سادمنی اور تہسنا کی زندگی

ہممانداری پر سب کو بھروسہ تھا اس لئے آئندہ کیا کر لی کہونکہ اس پر یہ بوجھ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ کسی دوسرے اہم ہندوؤں کے لئے جو اوپر کے کانگریس اہلکاروں کا ادھک ہریم پاتر تھا ایسا نام واپس لے لے . اُسے ڈر لیا گیا . دیکھ میں ۱۹۲۰ء کو اس نے ایک خط ہندوتہ جواہر لال کے نام لکھ کر جس میں اس نے دہایا ہے کہ ہمارا راجکاجی جہوں کے لئے لکھا گیا ہے آئندہ کر لی . یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے ملتے جلتے اور بھی لکھنا نہیں ہوں .

ہماری آجکل کی مصیبتوں کے کارن کا اس سے کچھ پتہ چلتا ہے . وہ ہزاروں آدمی جو ابھی حال تک آزادی کے سہمی تھے اور جو ظاہر ہے اب اپنی ان سوراؤں کے لئے انعام چاہتے ہوں یا پائلوں کی طرح ستا حاصل کرنے یا اچے ہاتھ میں ستا بلانے دیکھ لی جی توڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہوں . اس پائل پن نے کارن ہمارا چوترا بے حد کر لیا ہے . اب ہمارے لئے مقصد اگر ٹھیک ہے تو اس تک پہنچنے کے لئے سادمن چاہے کتنے بھی خراب کہوں نہ ہوں کوئی ہرج بہرج نہیں . سچائی اور ایمانداری ہمارے لئے اس لئے ضروری ہے جو راج کا جی نہتوں کو شوبھا نہیں دیتے .

ہمارے راجکاجی جہوں کا یہ یمن ایسا نہیں ہے جس کا پہلے سے کسی کو انومان نہ ہوا ہو . مہاتما گاندھی شروع سے ہی اسے صاف صاف دیکھ رہے تھے . اس سے پہلے کے لئے ہی وہ ہمارے چوٹی کے لوگوں پر بار بار اس بات کے لئے اور دے رہے تھے کہ سوراچ مل جانے کے بعد بھی انہوں نے اچے جہوں کی سادمنی اور تہسنا اسی طرح بلانے دیکھی چاہئے . ایک بار شری راج گوبالاچاری نے رائے ظاہر کی نہ گاندھی جی نے ہر بڑے سے بڑے ہندوستانی سرکاری ہندو اہلکار کے لئے جو ادھک سے ادھک پانچ سو روپے ماموار کی تقاضا باندھ دی تھی وہ سکن ہے اس عہدے کی شان کو بلانے دیکھ کے لئے کافی نہ ہو . اس پر گاندھی جی نے جواب دیا تھا کہ پانچ سو روپے کی حد ہندوتہ جواہر لال جہوں کے لئے ہے جنہیں سچپن سے خاص طرح سے دھم کی عادت ہے لیکن راجا جی کو مستحکم یا گورنر ہونے کی صورت میں 75 روپے پہلے سے زیادہ ہرگز نہیں لیتا چاہئے . راجا جی ان دنوں 75 روپے ماموار میں ہی رہ رہ رہے .

گاندھی جی اس بات پر زور دیتے تھے کہ آزادی کے بعد ہمارے مستحکم اور گورنروں کو جہاں تک ہوسکے دیکھ کی عام چلتا کی طرح دھما اور زندگی بسر کرنا چاہئے اس معاملہ میں اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ کچھ دوسرے دیکھ کے شاکس جو ہمارے دیکھ سے بڑے دیکھ ہیں ٹھیک اسی طرح کی سادمنی اور تہسنا کی زندگی

کھلتی پھلتی رہی اب بھٹکتی جا رہی ہے۔ لگاتار ہر سو کے اندر ہمارا ہزاروں برس پرانا حالہ کے گردوں کا وہ کام جو تیرہ سو برس کی فکری پالیسی کے حصول سے بھی بچا رہا اب آخری سانس لیتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ سن 1947 تک بنارس کی ریشم کے کام میں لگاتار پانچ ہزار کرپے چلتے تھے۔ دسمبر 1952 میں ان پانچ ہزار میں سے چار ہزار بھٹ کرچکے تھے اور ہزاروں ہوشیار کاریگر اور ان کے بال بچے جو اس دستکاری سے پندرہ لاکھ روپے کے فائدہ کو

کامیابی کے بعد آدھے دل سے سرکار نے حال میں کھانسی اور کھانسی کے دھندے کو مدد دینے کے لئے جو قدم اٹھائے ہیں وہ کسی آرتھک پروجیکٹ کا حصہ نہیں ہیں بلکہ کھول لوگوں نے استغنیہ کو کم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ آج کل کی ہماری پوسٹہا میں ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا۔ دسایوں کی کوآپریٹو سوسائٹیاں کئی صوبوں میں انیسویں کے پورٹاچار اور بے ادھکار اچھے ہاتھوں میں رکھنے کی انسانی وجہ سے دسایوں کے لئے برکت کی جگہ لعلیت ثابت ہو چکی ہیں۔ ہمیں تو یہ نہ بلکروں کی کوآپریٹو سوسائٹیاں کا بھی یہی نتیجہ ہوگا

دیش کی کروڑوں چلتا ہے جنہوں سے سہولت دینے والے اور بہت سے دھندوں کی بھی یہی حالت ہے۔ غریبی اور بھکاری بڑھ رہی ہے۔ ہر سال دیش کے کسی نہ کسی حصے سے گرائی اور اکل اکی خبریں آتی دھتی ہیں۔ گھوس خوردی اور پورٹاچار بچے سے اوپر تک اتنا آدمک اور اتنی شکلوں میں دکھائی دیتے لگا ہے جتنا شاید پہلے دیش میں نہیں تھا۔ لوگوں نے ہر طرح کے کاروبار پر سرکار کا کنٹرول دن دن لے لے رہا ہے کہ جلتا پریہان اور ہرباد ہو رہی ہے۔

تعلیم دن دن آدھک مہنگی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ آدھک تو کتابیں جو ہمارے اسکول اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں انکی نکی، غلط، ساسہرائک زہر سے بھری ہوئی اور اشتہار کے مدھانے کے خلاف ہیں جتنی پانچ سال پہلے نہیں تھیں۔ یہ بات بڑے دنہ کی پر ہے کہ ہمارے دیش واسیوں میں سے بہت سے اب یہ سوچتے اور کہتے ہیں کہ اس دیشی راج سے ان کے لئے انگریزی راج زیادہ اچھا تھا۔ دیش کے چند حصوں میں ابی حال تک نونکھ راجہ مہاراجہ راج کرتے تھے۔ وہاں اب یہ لوگ انہوہو کرتے ہیں کہ اس سے کی حکومت سے ان کے راجہ کی حکومت زیادہ اچھی تھی۔ ان چوتھے چوتھے عاقبتوں میں بھی جو ابی تک ودیشی طاقتوں کے ادھیں میں سوتلے بھارت میں ملے لے لے جو آٹھ اور آٹھ لاکھ سال پہلے لوگوں میں تھی وہ اب صاف کھٹکی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔

کالی برہادی کے بعد آدھے دل سے سرکار نے حال میں کھانسی اور کھانسی کے دھندے کو مدد دینے کے لئے جو قدم اٹھائے ہیں وہ کسی آرتھک پروجیکٹ کا حصہ نہیں ہیں بلکہ کھول لوگوں نے استغنیہ کو کم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ آج کل کی ہماری پوسٹہا میں ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا۔ دسایوں کی کوآپریٹو سوسائٹیاں کئی صوبوں میں انیسویں کے پورٹاچار اور بے ادھکار اچھے ہاتھوں میں رکھنے کی انسانی وجہ سے دسایوں کے لئے برکت کی جگہ لعلیت ثابت ہو چکی ہیں۔ ہمیں تو یہ نہ بلکروں کی کوآپریٹو سوسائٹیاں کا بھی یہی نتیجہ ہوگا

دیش کی کروڑوں چلتا ہے جنہوں سے سہولت دینے والے اور بہت سے دھندوں کی بھی یہی حالت ہے۔ غریبی اور بھکاری بڑھ رہی ہے۔ ہر سال دیش کے کسی نہ کسی حصے سے گرائی اور اکل اکی خبریں آتی دھتی ہیں۔ گھوس خوردی اور پورٹاچار بچے سے اوپر تک اتنا آدمک اور اتنی شکلوں میں دکھائی دیتے لگا ہے جتنا شاید پہلے دیش میں نہیں تھا۔ لوگوں نے ہر طرح کے کاروبار پر سرکار کا کنٹرول دن دن لے لے رہا ہے کہ جلتا پریہان اور ہرباد ہو رہی ہے۔

تعلیم دن دن آدھک مہنگی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ آدھک تو کتابیں جو ہمارے اسکول اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں انکی نکی، غلط، ساسہرائک زہر سے بھری ہوئی اور اشتہار کے مدھانے کے خلاف ہیں جتنی پانچ سال پہلے نہیں تھیں۔ یہ بات بڑے دنہ کی پر ہے کہ ہمارے دیش واسیوں میں سے بہت سے اب یہ سوچتے اور کہتے ہیں کہ اس دیشی راج سے ان کے لئے انگریزی راج زیادہ اچھا تھا۔ دیش کے چند حصوں میں ابی حال تک نونکھ راجہ مہاراجہ راج کرتے تھے۔ وہاں اب یہ لوگ انہوہو کرتے ہیں کہ اس سے کی حکومت سے ان کے راجہ کی حکومت زیادہ اچھی تھی۔ ان چوتھے چوتھے عاقبتوں میں بھی جو ابی تک ودیشی طاقتوں کے ادھیں میں سوتلے بھارت میں ملے لے لے جو آٹھ اور آٹھ لاکھ سال پہلے لوگوں میں تھی وہ اب صاف کھٹکی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔

سکتا کی آزادی سے جو سماجی، مالی یا دوسرے کوئی کسی دیکھ کر ہوتے ہیں ان کو الگ دیکھ کر بھی آزادی خود ایک ہی قسمتی چیز ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی پچھلے پچاس برس کے اندر جب کہیں ہم نے اس دیکھ کر جلتا ہوں آزادی کا پریم اور اس کے لئے قربانی کی بہاؤنا پیدا کرنے کی کوشش کی تو ہم نے ہمیشہ انہیں یہ کہہ کر جوہں دلائی کہ آزادی سے انہیں یہ سماجی اور مالی فائدے ہونگے۔

ہم نے لوگوں کو بتایا کہ اٹھارویں صدی کے آدھے تک هندستان دنیا کے اندھک سے اندھک خوشحال دیہوں میں سے تھا اور انگریزی راج کے دو سو برس میں دھیرے دھیرے وہ دنیا کا سب سے غریب اور سب سے نادار دیہ بن گیا۔ ہم نے بتایا کہ کن کن طریقوں سے انگریزوں نے ہمارے پرانے ادیبوں کے دھندوں اور ہماری تجارت کو ایک ایک کر ختم کر دیا؛ ہمارے لاکھوں گاؤں کو برباد کر دیا اور ہمارے پرانے تعلیم کے سلسلے کو جس میں ہر گاؤں کے اندر ایک اسکول ہوتا تھا جان بوجھ کر مٹا ڈالا۔ ہم نے لوگوں کو یہ بھی سمجھایا کہ جو کچھ تہذیبی بہت تعلیم ہوں انگریزی راج میں دی جاتی تھی وہ بدیشی حکومت کھلنے دل پرزے اور ایجنٹ تیار کرنے کھلنے دی جاتی تھی، خوددار بھری پیدا کرنے کھلنے نہیں۔

ہم نے لوگوں کو یہ سب چھڑیں بتائیں اور انہیں اُسود دلائی کہ دیکھ کر آزاد ہونے پر یہ سب حالت بدل جائے گی، ہمارا چلن اُونچا ہو جائے گا، ہمارے ادیبوں کے دھندے پھر سے پھلنے پھولنے لگیں گے، اور دیکھ کر بچوں کی تعلیم پہلے سے کہیں اچھی اور سب کے لئے عام اور سستی ہوگی۔ کانگریس کے کام کرنے والوں نے گاؤں گاؤں جا کر کسانوں سے کہا کہ سوراخ ملنے پر کھیتی کی ساری زمین کے مالک دسان ہونگے، جو جوتے گا وہی زمین کا مالک ہوگا۔

تدریجی طور پر 15 اگست سن 1947 کو جب ملک کو سوراخ ملے تو لوگوں کو بڑی بڑی آہائیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ان سے جو بڑی بڑی باتیں کہی گئی ہیں وہ اب پوری ہونگی اور دیکھ صاف، سکھ، شانتی، خوشحالی اور ترقی کی طرف ہوتا ہوا دکھائی دے گا۔

لیکن ہماری پانچ برس کی آزادی کا نتیجہ کیا ہے؟ اُس دیکھ میں جو اندھک تر کھیتی ہمیشہ دیکھ ہے جس نے ہمیشہ اپنی ضرورت سے زیادہ اناج پیدا کیا ہے اور جو صدیوں باہر کی دنیا کے خاصے حصے کو کھانے کے لئے ناچ دیتا رہا ہے آج ہر سال لاکھوں من ناچ باہر لے دیکھیں سے مسئلہ ہماری آرتھک دہشت کا ایک اوشیک انگ بن گیا ہے۔ ہمارے وہ ادیبوں کے دھندے اور ہماری وہ دستکاریاں جو انگریزی راج تک میں

ہم نے لوگوں کو بتایا کہ اٹھارویں صدی کے آدھے تک هندستان دنیا کے اندھک سے اندھک خوشحال دیہوں میں سے تھا اور انگریزی راج کے دو سو برس میں دھیرے دھیرے وہ دنیا کا سب سے غریب اور سب سے نادار دیہ بن گیا۔ ہم نے بتایا کہ کن کن طریقوں سے انگریزوں نے ہمارے پرانے ادیبوں کے دھندوں اور ہماری تجارت کو ایک ایک کر ختم کر دیا؛ ہمارے لاکھوں گاؤں کو برباد کر دیا اور ہمارے پرانے تعلیم کے سلسلے کو جس میں ہر گاؤں کے اندر ایک اسکول ہوتا تھا جان بوجھ کر مٹا ڈالا۔ ہم نے لوگوں کو یہ بھی سمجھایا کہ جو کچھ تہذیبی بہت تعلیم ہوں انگریزی راج میں دی جاتی تھی وہ بدیشی حکومت کھلنے دل پرزے اور ایجنٹ تیار کرنے کھلنے دی جاتی تھی، خوددار بھری پیدا کرنے کھلنے نہیں۔

ہم نے لوگوں کو یہ سب چھڑیں بتائیں اور انہیں اُسود دلائی کہ دیکھ کر آزاد ہونے پر یہ سب حالت بدل جائے گی، ہمارا چلن اُونچا ہو جائے گا، ہمارے ادیبوں کے دھندے پھر سے پھلنے پھولنے لگیں گے، اور دیکھ کر بچوں کی تعلیم پہلے سے کہیں اچھی اور سب کے لئے عام اور سستی ہوگی۔ کانگریس کے کام کرنے والوں نے گاؤں گاؤں جا کر کسانوں سے کہا کہ سوراخ ملنے پر کھیتی کی ساری زمین کے مالک دسان ہونگے، جو جوتے گا وہی زمین کا مالک ہوگا۔

تدریجی طور پر 15 اگست سن 1947 کو جب ملک کو سوراخ ملے تو لوگوں کو بڑی بڑی آہائیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ان سے جو بڑی بڑی باتیں کہی گئی ہیں وہ اب پوری ہونگی اور دیکھ صاف، سکھ، شانتی، خوشحالی اور ترقی کی طرف ہوتا ہوا دکھائی دے گا۔

لیکن ہماری پانچ برس کی آزادی کا نتیجہ کیا ہے؟ اُس دیکھ میں جو اندھک تر کھیتی ہمیشہ دیکھ ہے جس نے ہمیشہ اپنی ضرورت سے زیادہ اناج پیدا کیا ہے اور جو صدیوں باہر کی دنیا کے خاصے حصے کو کھانے کے لئے ناچ دیتا رہا ہے آج ہر سال لاکھوں من ناچ باہر لے دیکھیں سے مسئلہ ہماری آرتھک دہشت کا ایک اوشیک انگ بن گیا ہے۔ ہمارے وہ ادیبوں کے دھندے اور ہماری وہ دستکاریاں جو انگریزی راج تک میں

'53 20

بھارتیہ شاسن

লেখক—भगवानदास केला, निकालने वाले—भारतीय ग्रंथमाला, दारागंज, प्रयाग, सफे 516, दाम तीन रुपए बारहवीं बार 1952.

यह वह किताब है जो पहली बार 1911 में छपी थी जब हिन्दी में इस चीज पर किताबें लिखने का सपने में भी किसी को खयाल नहीं हो सकता था. लेकिन धुन के पक्के और लगन के सच्चे केला जी ने अपना लेखक जीवन इस किताब से शुरू किया.

देश की बदलती हुई हालत के साथ केला जी के विचार भी बदलते गए और इस किताब में जगह पाते गए. देश के आजाद हो जाने के बाद उन्होंने गहराई से महसूस किया कि अगर भारतीय शासन अब भी वही रहता है जो पहले था तो उससे देश को असली स्वराज नहीं मिल सकता. इसलिये हमारे नये इन्तजामकारों का फर्क है कि पुराने ढांचे को बदल कर इसे वह शकल दें जो महात्मा गांधी ने बतलाई थी, यानी सर्वोदय राज कायम करने में जुट जायें.

तो तो यह किताब 343 सफे पर खतम हो जाती है लेकिन बाद में 68 सफे की एक और किताब जुड़ी हुई है—'सर्वोदय राज क्यों और कैसे?' इस पर हम अपनी राय पहले जाहिर कर चुके हैं. कुल मिला कर यह किताब एक बहुत अच्छी और ठोस चीज बन गई है. छपाई, काराज वगैरह सब चीज सुन्दर होने के अलावा किताब का दाम सिर्फ तीन रुपया है. हमें उम्मीद है कि राजनीति, इतिहास और अर्थशास्त्र के विद्यार्थी, शिक्षक और समाज सेवक सभी इससे पूरा फायदा उठाएंगे —सुरेश रामभाई

सर्वोदय संस्थान

লেখক—মহাত্মা গান্ধী और संत विनोबा; प्रकाशक—सर्वोदय संस्थान, पन्ने 56, दाम सात आने; पहली बार अगस्त 1952.

यह किताब सर्वोदय साहित्य संघ की देन है. सूची का कहीं पता नहीं. शुरू के चौदह पन्नों में सर्वोदय या सर्वोदय समाज के सम्बन्ध में महात्मा गांधी और विनोबा जी के कुछ लेख और स्पीचें जमा कर दी गई हैं. इसके बाद 'सर्वोदय की समीक्षा' नाम से छब्बीस पन्नों का एक लेख है जिसके लेखक का नाम नहीं दिया गया. बाद के दस पन्नों में सर्वोदय समाज की और सर्वोदय के लिये काम करने वाली कुछ प्रमुख संस्थाओं की जानकारी दी गई है और आखिर में किताबों की सूची है.

इस 54 पन्नों की बल्कि कहना चाहिये 14 पन्नों की किताब का दाम सात आने है जो जरूरत से थियारा है.

इस प्रकाशन संस्था को कामयाब होना है तो इसकी नीति और इन्तजाम में बहुत सुधार की जरूरत है.—सुरेश रामभाई

بھارتیہ شاسن

লেখক—भगवानदास केला; निकालने वाले—भारतीय ग्रंथमाला, दारागंज, प्रयाग, सफे 516, दाम तीन रुपए बारहवीं बार 1952.

یہ وہ کتاب ہے جو پہلی بار 1915 میں چھپی تھی جب ہندی میں اس چیز پر کتابیں لکھنے کا سہلے میں بھی کسی کو خیال نہیں ہو سکتا تھا. لیکن دھن کے پکے اور لگن کے سچے کےلا جی نے اپنا لکھک جہون اس کتاب سے شروع کیا.

دیہی کی بدلتی ہوئی حالت کے ساتھ کےلا جی کے دھار بھی بدلتے گئے اور اس کتاب میں جگہ پاتے گئے. دیہی کے آزاد ہو جانے کے بعد انہوں نے گہرائی سے محسوس کیا کہ اگر بھارتیہ شاسن اب بھی وہی رہتا ہے جو پہلے تھا تو اس سے دیہی کو اصلی سوراچ نہیں مل سکتا. اس لئے ہمارے نئے انتظام کاروں کا فرض ہے کہ پرانے ڈھانچے کو بدل کر اسے وہ شکل دیں جو مہاتما گاندھی نے بتلائی تھی، یعنی سرودے راج قائم کرنے میں جت جائیں.

یوں تو یہ کتاب 343 صفحہ پر ختم ہو جاتی ہے لیکن بعد میں 68 صفحہ کی ایک اور کتاب جوی ہوئی ہے—'سرودے راج کیوں اور کیسے؟' اس پر ہم اپنی رائے پہلے ظاہر کر چکے ہیں. کل مل کر یہ کتاب ایک بہت اچھی اور تھوس چیز بن گئی ہے. چھپائی، کافڈ وغیرہ سب چیزیں سنڈر ہونے کے علاوہ اس کتاب کا دام صرف تین روپے ہے. ہمیں اُمید ہے کہ راج نہتی، انتہاس اور ارتھ شاستر کے ویدارتھی، شکشک اور سماج سہوک سبھی اس سے پورا فائدہ اُٹھائیں گے. —سریش رام بھائی

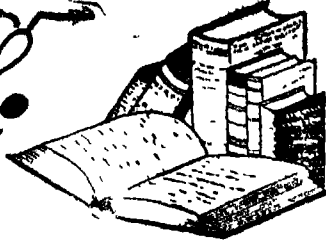
سرودے سنستھان

লেখক—মহাত্মা গান্ধী और संत विनोबा; प्रकाशक—सरुदे संस्थान; पन्ने 56, दाम सात आने; पहली बार अगस्त 1952.

یہ کتاب بھی سرودے ساہتیہ سنگھ کی دین ہے. سوچی کا کہیں پتہ نہیں. شروع کے چودہ پلوں میں سرودے یا سرودے سماج کے سبندھ میں مہاتما گاندھی اور ونوباجی کے کچھ لکھ اور اسپیچیں جمع کر دی گئی ہیں. اس کے بعد سرودے کی سمکھا نام سے چھبیس پلوں کا ایک لکھ ہے جس کے لکھک کا نام نہیں کہیں دیا گیا. بعد کے دس پلوں میں سرودے سماج کی اور سرودے کے لئے کام کرنے والی کچھ پرمکھ سنستھاؤں کی جانکاری دی گئی ہے اور آخیر میں کتابوں کی سوچی ہے.

اس 54 پلوں کی بلکہ کہنا چاہئے 14 پلوں کی کتاب کا دام سات آئے ہے جو ضرورت سے زیادہ ہے. اس پرکاشن سنستھا کو کامیاب ہونا ہے تو اس کی نہتی اور انتظام میں بہت سدھار کی ضرورت ہے. —سریش رام بھائی

کتابیں



کتابیں

نیسرگو آپچار آشرم کی اور سے

پراکاشک—بالکوبا भावे, उरुली कांचन, पूना;
सर्के 122, दाम बारह आने: पहली बार 1952.

पूना शिले के उरुली कांचन गांव में महात्मा गांधी ने जो प्राकृतिक चिकित्सा केन्द्र 1944 में खोला था वह अपने ढंग की अनोखी संस्था थी. लेकिन पूरबी बंगाल और उत्तर भारत के दूसरे हिस्सों में रहने की वजह से—जिस दौरान में उनका बलिदान भी हो गया—वह इसे कोई ठोस शकल नहीं दे सके थे. गांधी जी के बाद से विनोबा जी के छोटे भाई बालकوبا इसे मेहनत और लगन से चला रहे हैं. यह किताब इस केन्द्र की तरफ से एक प्रकाशन है जिसमें केन्द्र के बारे में जानकारी अच्छी तरह से मिल जाती है. साथ में सेवामाम आश्रम के पिछले मंत्री भाई कुरनचन्द्र के निजी अनुभव के बल पर लिखे गए भोजन संबंधी तीन क्रीमती लेख हैं.

तरह तरह के खानों, नहानों और उपवास के बारे में भी अच्छी तरह बतलाया गया है. आखिर का अध्याय गाय पालने के बारे में है. किताब के शुरू में ही बम्बई के मुख्य मंत्री श्री मोरार जी देसाई की भूमिका है.

उरुली कांचन का केन्द्र प्राकृतिक चिकित्सा का एक संस्था और जन हितकारी केन्द्र है. हर मुमकिन तरीके से इसकी मदद करना हमारे देशवासियों का फर्ज है.

—सुरेश रामभाई

एक गांव में

लिखने वाले—शिह युन; अनुवादक—आसिफ मिरजा;
निकालने वाले—अवामी किताब घर, बशीर मंसिल,
शाफीपुर; लिखावट उरदू; सर्के 77, दाम एक रुपया.

“एक गांव में” एक चीनी नाविल्ट का उरदू अनुवाद है. इस नाविल्ट का जमाना वह है जब चीन की अवामी कौर्जे चांग काई शेक से चीन को आजाद कराने की कोशिश कर रही थी. इस किताब को पढ़ कर जनता के जोश, फौज के अनुशासन और कौजियों के जन प्रेम का पता चलता है. कहानी सीधी सादी है, फिर भी असरदार है. दिल पर भी असर डालती है और दिमाग पर भी. उरदू जानने वाली जनता की अवामी किताब घर ने यह खबरदस्त खिदमत की है, इसलिये हम उसे शुभारंभ काव देते हैं.

—मुजीब रिजवी

नसरुगो अपचार आश्रम की اور سے
پراکاشک—بالکوبا भावे, उरुली कांचन, पूना; सर्के 122, दाम बारह आने: पहली बार 1952.

पूना शिले के उरुली कांचन गांव में महात्मा गांधी ने जो प्राकृतिक चिकित्सा केन्द्र 1944 में खोला था वह अपने ढंग की अनोखी संस्था थी. लेकिन पूरबी बंगाल और उत्तर भारत के दूसरे हिस्सों में रहने की वजह से—जिस दौरान में उनका बलिदान भी हो गया—वह इसे कोई ठोस शकल नहीं दे सके थे. गांधी जी के बाद से विनोबा जी के छोटे भाई बालकوبا इसे मेहनत और लगन से चला रहे हैं. यह किताब इस केन्द्र की तरफ से एक प्रकाशन है जिसमें केन्द्र के बारे में जानकारी अच्छी तरह से मिल जाती है. साथ में सेवामाम आश्रम के पिछले मंत्री भाई कुरनचन्द्र के निजी अनुभव के बल पर लिखे गए भोजन संबंधी तीन क्रीमती लेख हैं.

तरह तरह के खानों, नहानों और उपवास के बारे में भी अच्छी तरह बतलाया गया है. आखिर का अध्याय गाय पालने के बारे में है. किताब के शुरू में ही बम्बई के मुख्य मंत्री श्री मोरार जी देसाई की भूमिका है.

उरुली कांचन का केन्द्र प्राकृतिक चिकित्सा का एक संस्था और जन हितकारी केन्द्र है. हर मुमकिन तरीके से इसकी मदद करना हमारे देशवासियों का फर्ज है.

—सुरेश रामभाई

एक गांव में

लिखने वाले—शिह युन; अनुवादक—आसिफ मिरजा;
निकालने वाले—अवामी किताब घर, बशीर मंसिल,
शाफीपुर; लिखावट उरदू; सर्के 77, दाम एक रुपया.

“एक गांव में” एक चीनी नाविल्ट का उरदू अनुवाद है. इस नाविल्ट का जमाना वह है जब चीन की अवामी कौर्जे चांग काई शेक से चीन को आजाद कराने की कोशिश कर रही थी. इस किताब को पढ़ कर जनता के जोश, फौज के अनुशासन और कौजियों के जन प्रेम का पता चलता है. कहानी सीधी सादी है, फिर भी असरदार है. दिल पर भी असर डालती है और दिमाग पर भी. उरदू जानने वाली जनता की अवामी किताब घर ने यह खबरदस्त खिदमत की है, इसलिये हम उसे शुभारंभ काव देते हैं.

—मुजीब रिजवी

—प्रवासी

”آزادی“ کا پیغام دے رہے تھے اور اسی سوک ہو سامنے اٹھار
 بوجھ والے چلے رہے تھے۔ — یونٹ۔ — امریکہ میں کم گنت لوگوں
 پر اتنا چار ہوا گیا۔ امریکن یہودی کانگرس کی رپورٹ پڑھنے
 — نہگوں کو پھر سے کانگرس کے بھائی ہم سے سارے
 کی گولڈمن ہونٹائی ہیں؛ پڑھنے اُن کے ساتھ بہت ظلم
 ہو رہا ہے۔ — قلس صاحب پولیس چلنے سے کہہ رہے تھے۔ —
 تمہارے چہلچہ پر لکھا ہے۔ — ہمدانی آزادی کے لئے اور
 تمہاری آزادی کے لئے ! نہگوں کی آواز شاید اُن تک نہیں
 پہنچتی۔ — اُن کی آزادی کے لئے بھی؛ اُن کے وکس کے لئے
 بھی..... قلس صاحب کھ پلوں کو آزاد کرانے کے بچائے
 آزادی کا پرسانہ دے رہے ہانگوا شروع کریں۔ نہگوں کو آزاد
 کر دیں..... اُن کو وہ ادھکار دے دیں جو سفید جمہوری
 والوں کو ملے ہیں..... انہیں زندہ چلانے سے بچا لیں؛
 انہیں ہموں کا شکار ہونے سے بچا لیں..... اُن کو ترسکا
 سے بچا لیں..... انہیں غلامی سے نجات دلا دیں..... کھ
 قلس صاحب ایسا کر سکیں! کھ اُن میں اتنی سدبھاؤنا
 پیدا ہو سکے !!

— پروا می

عیسیٰ کا سندیش

لہجہک—قائمر ہے . سی . کما رہا .

انورادک—سرمیش دام بهائی.

اس کتاب میں حضرت مہسوں کے سندیس کی ویاکھیا
ایسے لاجواب قہنگ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا ہری
آسانی سے یہ سمجھ جائیگا کہ مہسائی دھرم کی خاص
تعلیم کیا ہے اور حضرت مہسوں نے انسان انسان کی براہری
بھائی چارے پریم اور امنسا پر کتنا زور دیا ہے ۔

مہالیا گندھی نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ—

”ہر آنکھ ہے‘ چاہے وہ عیسائی ہو یا کسی اور دھرم کے ماننے والا ہو‘ مہدی سفارش ہے کہ اسے پڑھ۔۔۔“

سندھ، چلند، پوھیا لاند، قریب سوا سو منصوبے کی کتاب کا دام صرف ایک روپے .

— ۱۳۶ —

مہاجر: 'نیا ہلدی' 145 مثنوی گلبرگ، الہ آباد .

ہواگسٹ جائے..... پھر کہا کرتے، موت اور زندگی اور زندگی اور
 موت! چند سالوں کا فاصلہ... پھر بھی بہت ہوا فاصلہ
 ہے، آدمی کب سے اس دردی کو ختم کرنے کی کوشش کرنا
 آیا ہے... ابھی تک وہ لالامواب رہا..... ابھی تک وہ موت
 پر فتح نہیں حاصل کر پایا ہے..... پھر—

ۛ موت کا وار عظمت، لوگوں کے حیات کا سر نہ جھک سکے گا
نئی طرح سے وہی زندگی کا عظیم دھارا نہ رک سکے گا

× × × ×
 بہت سے شہد مہن جن کا دنیا در آپوگ کرتی ہے .
 ”آزادی“ اُن مہن سے ایک ہے . امریکہ نے لئے وہ سب
 آزاد مہن جو اُس نے پہنچنے کے نیچے مہن . ملایا آزاد ہے
 فارموسا آزاد ہے ، فلمہائن آزاد ہے ، ویکنام آزاد ہے ، تھائی
 لینڈ آزاد ہے..... سب وہ دیہی آزاد مہن جو امریکہ نے
 ہاں مہن ماں ملاتے ہیں ، اُس نے اشارے پر چلتے مہن
فلام..... امریکہ مہن کوئی فلام نہیں ہے..... جو
 لوگ کہتے مہن کہ نہکروں کے ساتھ در بھوہار کھا جانا ہے
وہ جھوٹ کہتے مہن..... وہ دوس کے ایجنٹ مہن
 ... وہ امریکہ کے ورودھی مہن..... مسز روزولٹ بھی
 امریکہ کی ورودھی مہن..... کمپونستوں کی ایجنٹ مہن
 نہکرو سمسہا کا حال دنیا کو سنانی مہن..... ان
 آزاد بلندیوں کو فلام بلانی مہن..... نہکرو فلام نہیں مہن
 سامراج لوگوں کو فلام نہیں بلانا..... وہ آزادی دیتا
 ہے..... دنیا کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے..... وہ چاہتا ہے کہ
 سارے دیہوں مہن بھوہار بڑھے ، اُس کی ملتی بڑھے ، اُس
 کا قبضہ بڑھے..... یہی آزادی ہے ! لیکن کی آزادی کوئی
 اور دھی ہوگی..... واشنگٹن نے کوئی اور سہنا دیکھا ہوگا
 وہ اور کوئی ملتا ہوگی !..... شاید یہ سب کمپونست
 تھے..... روٹن روگ نے کڑے تھے ، لوٹمور کے استاد تھے.....
 ہزاروں امریکی شاعری پریموں کو یہ سیکھ دے گئے تھے !
 فانس صاحب اُس آزادی کو نہیں مانتے..... وہ اُن سب
 کو فلام مانتے مہن جو ان کے کٹ مہن نہیں مہن ، اُن
 کی دھار دھار نے نہیں مہن — روسی فلام مہن ، چینی
 فلام مہن ، پولینڈ والے فلام مہن..... امریکہ فلامی نہیں
 برداشت کر سکتا ، ”آزادی“ اُسے پھاری ہے..... ”آزادی“
 کا وہ علمبردار ہے..... فانس صاحب واشنگٹن مہن فرما
 رہے تھے۔ امریکہ پولینڈ کے لوگوں کے آزادی نے جھپٹے کی
 قدر کوٹا ہے..... اُسے آٹا ہے کہ پولینڈ کے لوگوں کی تمنا
 جلد پوری ہوگی..... اُس دانشور کی آزادی کو جو آزاد دھنا
 چاہتا ہے ، ظلم سے قابو مہن نہیں دہا جاسکتا..... دیکھتی
 اور دانشور دوسروں کی ”آزادی“ امریکہ کی پالیسی کا
 آٹھار ہے۔ ایک حال مہن فانس صاحب پولینڈ والوں کو

سنا تھا کہ چھٹی مہینہ ڈاکٹر کی خدمت ہوگئی ہے... کسان خود اپنی زمین کا مالک بن گئے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ ان کی حالت کچھ نہیں بدھتی، ان کی زمینداروں کی آمدنی اور چھٹی زمینداروں کی آمدنی میں کیا فرق ہے... بلکہ سندھ لال سے وہ ان سب سوالوں کا جواب سیکھ لیتے تھے۔ بلکہ چھٹی نے کہا: "آج کی سرکار جتنا ہی سرکار نہیں ہے، وہی بدھتی، وہی کل پردہ جو انگریزوں کے زمانے میں تھوڑی آج بھی موجود ہیں..... کسانوں، جب تم یہ طے کرلو گے کہ جواہر لال کے بدلے، راجندر بابو کے بدلے دلی کی گدی پر 45 برس کا کسان یا مزدور بیٹھ جائے تو اس کی اصل رائے ہوگی۔ راج چلانے کے لئے انگریزوں کو لے کر بڑے بڑے بارہوں کی ضرورت نہیں۔" کسانوں میں ایک لہر سی دوڑ گئی، ایک خوشی ان کے چہروں پر کھل اُٹھی، یہ سب سنا ہے، یہ سب بہم ہے..... کسان مزدور راج کیسے کر سکتے ہیں۔ پر وہ بلکہ سندھ لال کی باتوں سے کچھ دھڑکتے ہیں کی حالت وہاں کے کسانوں کی حالت وہ سیکھ رہے، سمجھ رہے..... ان کی آشا بدھتی رہی... نریشا ختم ہوتی رہی ہے۔ طاقت جی نے کہا: "ماری قسمت چھٹی کی قسمت، دوس کی قسمت، ہرما کی قسمت، ویکرام کی قسمت سے بدھتی ہے..... کسانوں! تمہیں ان ملتے جلتے چلتوں نے امریکہ کے ہاتھ ہڈ ستان کو بھیج دیا ہے، کسانوں اور مزدوروں کو اٹھانا ہے۔ چلتوں چھٹی سے پرہم ہے، دوس سے پرہم ہے، دنیا کی چلتا سے پرہم ہے....." کسانوں نے تالیاں پھٹی..... استریاں چلتیں..... سارا مجمع چلتا ہے۔ چھٹی اور بہارت کی دوستی زندہ باد! چھٹی اور بہارت کی دوستی زندہ باد!!

× × ×

فارچہ اس دنیا سے چلے گئے۔ دنیا نے اُن کی آواز دہانا
 کانگریس میں سلی تھی۔ اُنہوں نے کہا تھا— مجھے دو سو
 کی آزادی پہاڑی ہے، لیکن مجھے اپنی آزادی پہاڑی ہے!
 آزادی کا یہ پردہ آج نہیں دھا..... فرانس کی ایک
 سلطان سے فرانس کی کود خالی ہو گئی ہے..... نہیں
 زندگی سے ایک ہونہار ہستی کو موت نے چھین لیا ہے!
 موت زندگی پر ایسے وا کرتی دھتی ہے..... پر زندگی اس
 ہے تو زندگی کی ساری کوششوں اس میں۔ فارچہ کی لگن
 فارچہ کی سوچ بوجھ، فارچہ کا سمانو، یہیم نہیں مرا' وہ نہیں
 مر سکتا..... انسانوں کے دل میں فارچہ نے جگہ پائی ہے
 فارچہ شاعری کے مہدیان کے پودھا ہے اور شاعری کے
 مہدیان میں لڑائی کے مہدیان سے زیادہ تکلف نہیں ہوتی
 ہیں..... فارچہ کا تو نہیں ہے جو استعصان سے قور کو

× × ×
 फ़ारजे इस दुनिया से चले गए. दुनिया ले उनकी आवाज़
 बियना कांग्रेस में सुनी थी. उन्होंने कहा था—मुझे दूसरों
 की आज़ादी प्यारी है क्योंकि मुझे अपनी आज़ादी प्यारी है !
 आज का यह प्रेमी आज़ादी नहीं रहा... फ़्रांस की एक सन्तान
 से फ़्रांस की गोद खाली हो गई है ... नहीं जिन्दगी से एक
 होन्हार इसती की मौत ने छीन लिया है ! मौत जिन्दगी
 पर ऐसे बार करती रहती है ... पर जिन्दगी अमर है और
 जिन्दगी की सारी कोशिशें अमर हैं. फ़ारजे के लगन,
 फ़ारजे की सूझ बूझ, फ़ारजे का मानव प्रेम नहीं भरा, वह
 नहीं मर सकता ... इनसानों के दिल में फ़ारजे ने जगह
 बनाई ... फ़ारजे शान्ति के मैदान के बोझा थे और
 शान्ति के मैदान में लड़ाई के मैदान से फिखादा तकलीफें
 होती हैं ... फ़ारजे कायर नहीं थे जो इमतरान से डर कर

अमरीकी ब्योहार की कथा सुनाने आ रहे थे.....पीले थे
 दुबले थे.....बोमार थे.....उन्होंने सत्यामह कर दिया
 था ... अमरीकी गारडों के दुर ब्योहार से परेगान हो कर
 आगे बढ़ने से इनकार कर दिया था.....उन्होंने जुलूम
 का मुक़ाबला किया था ... किसी का पैर कटा था, किसी
 का हाथ गायब था, किसी की छाती पर गोली के निगान
 थे, कोई जख़म से कराह रहा था ... शायद अमरीकी
 तज़े ज़िन्दगी सिखाने के लिये इनके साथ यह ब्योहार
 किया जा रहा था ! ... मैंने एक कोरियाई कैदी से आगे
 बढ़ कर पूछा—तुम्हारी क्या कहानी है, तुम्हें कोजे के दीप
 की भी कुछ ख़बर है ? मेरी क्या पूछते हो. ज़बान से कहने
 की जरूरत नहीं है. मुझे प्रचार करने की आवश्यकता नहीं
 है. हमारी शकलें सब कुछ बता रही हैं, हमारी हानतें खुद
 गवाही दे रही हैं... कोजे !.....मेरे हृदय कांजे का
 तुम मतलब नहीं जानते होंगे ... कोजे का मतलब है
 स्वर्ग ! हमने इस सुन्दर दीप का नाम अपनी भाषा में स्वर्ग
 रखा था....यहां के सोन सोनरी, यहां की जलवायु, यहां
 के पूरे वातावरन में स्वर्ग का रूप झलकता था.....पर
 स्वर्ग और नरक का फ़रक़ हम भूल गए हैं.....हम सोचते
 हैं यदि स्वर्ग में ऐसा आनन्द आता है तो नरक कितनी
 भली जगह होगी, कितनी अच्छी तरह वहां हम जा कर रह
 सकेंगे.....तुम यह पूछना चाहते होंगे वहां दिन में कितनी
 बार गोलियां चलती हैं ... वहां कितनी बार टैंकों से
 हमें कुचला जाता है.....बड़ी लम्बी कहानी है, हम सुनाएं
 तो क्या सुनाएं.....तुम किसी भले अमरीकी से पूछ
 लेना ... किसी इन्सान से पूछ लेना ... और अगर कोई न
 बताए तो कांजे दीप की फ़िजाओं से पूछ लेना, वहां की
 धरती से पूछ लेना.....पर जुलूम ज़ियादा ।दनों नहीं
 फ़नता, जुलूम की गाड़ी बहुत दिनों नहीं चलती... ..

मैं उसकी शकल देखता रहा ... वह कहता रहा ...
 रोता रहा ... मैं चीन और कोरिया से आए अमरीकी
 कैदियों को देखता रहा ... मैं अमरीका के भेजे चीनों और
 कोरियाई कैदियों को देखता रहा ... मैं दुर ब्योहार देखता
 रहा और सद् ब्योहार को अत्याचार बताने वाले मिस्टर
 क्लार्क की शकल घूरता रहा ... मैं सब कुछ देखता रहा ...
 दुनिया सब कुछ देखती रही ... इन्सान सब कुछ समझता
 रहा ... मैं सपना देख रहा था ... पर यह सब हकीकत
 थी, असलियत थी यथार्थ था !

किसान जागते हैं !

हज़ारों हज़ार नहीं, चालीस हज़ार किसान दूर दूर
 से इकट्ठा हुए थे. कोई बूरा था, कोई जवान था कोई अंधेड़
 सबका भाँखों में एक चमक थी, सबके माँथों पर एक उपदेश
 लिखा था ... सबका एक तरफ़ ध्यान था उन्होंने चीन के
 किसान की खुशहाली के बारे में सुना था.....उन्होंने

अमरीकी ब्योहार की कथा सुनाने आ रहे थे.....पीले
 थे, दुबले थे.....बोमार थे.....उन्होंने सत्यामह कर दिया
 था.....अमरीकी गारडों के दुर ब्योहार से परेगान हो कर
 आगे बढ़ने से इनकार कर दिया था.....उन्होंने जुलूम
 का मुक़ाबला किया था ... किसी का पैर कटा था, किसी
 का हाथ गायब था, किसी की छाती पर गोली के निगान
 थे, कोई जख़म से कराह रहा था ... शायद अमरीकी
 तज़े ज़िन्दगी सिखाने के लिये इनके साथ यह ब्योहार
 किया जा रहा था ! ... मैंने एक कोरियाई कैदी से आगे
 बढ़ कर पूछा—तुम्हारी क्या कहानी है, तुम्हें कोजे के दीप
 की भी कुछ ख़बर है ? मेरी क्या पूछते हो. ज़बान से कहने
 की जरूरत नहीं है. मुझे प्रचार करने की आवश्यकता नहीं
 है. हमारी शकलें सब कुछ बता रही हैं, हमारी हानतें खुद
 गवाही दे रही हैं... कोजे !.....मेरे हृदय कांजे का
 तुम मतलब नहीं जानते होंगे ... कोजे का मतलब है
 स्वर्ग ! हमने इस सुन्दर दीप का नाम अपनी भाषा में स्वर्ग
 रखा था....यहां के सोन सोनरी, यहां की जलवायु, यहां
 के पूरे वातावरन में स्वर्ग का रूप झलकता था.....पर
 स्वर्ग और नरक का फ़रक़ हम भूल गए हैं.....हम सोचते
 हैं यदि स्वर्ग में ऐसा आनन्द आता है तो नरक कितनी
 भली जगह होगी, कितनी अच्छी तरह वहां हम जा कर रह
 सकेंगे.....तुम यह पूछना चाहते होंगे वहां दिन में कितनी
 बार गोलियां चलती हैं ... वहां कितनी बार टैंकों से
 हमें कुचला जाता है.....बड़ी लम्बी कहानी है, हम सुनाएं
 तो क्या सुनाएं.....तुम किसी भले अमरीकी से पूछ
 लेना ... किसी इन्सान से पूछ लेना ... और अगर कोई न
 बताए तो कांजे दीप की फ़िजाओं से पूछ लेना, वहां की
 धरती से पूछ लेना.....पर जुलूम ज़ियादा ।दनों नहीं
 फ़नता, जुलूम की गाड़ी बहुत दिनों नहीं चलती... ..

मैं उसकी शकल देखता रहा ... वह कहता रहा ...
 रोता रहा ... मैं चीन और कोरिया से आए अमरीकी
 कैदियों को देखता रहा ... मैं अमरीका के भेजे चीनों और
 कोरियाई कैदियों को देखता रहा ... मैं दुर ब्योहार देखता
 रहा और सद् ब्योहार को अत्याचार बताने वाले मिस्टर
 क्लार्क की शकल घूरता रहा ... मैं सब कुछ देखता रहा ...
 दुनिया सब कुछ देखती रही ... इन्सान सब कुछ समझता
 रहा ... मैं सपना देख रहा था ... पर यह सब हकीकत
 थी, असलियत थी यथार्थ था !

किसान जागते हैं !

हज़ारों हज़ार नहीं, चालीस हज़ार किसान दूर दूर
 से इकट्ठा हुए थे. कोई बूरा था, कोई जवान था कोई अंधेड़
 सबका भाँखों में एक चमक थी, सबके माँथों पर एक उपदेश
 लिखा था ... सबका एक तरफ़ ध्यान था उन्होंने चीन के
 किसान की खुशहाली के बारे में सुना था.....उन्होंने

آ کر رک گئیں۔ ان پر چھٹی ریت کراس سوسائٹی کا چھٹا لہرا رہا تھا۔ یہ سوسائٹی سے چلی تھیں... زخمی سواہیوں کو لے کر صلح کا پرہیز سداے شانتی کی آس بلند مانے۔ ایک طرف سے چھٹی اور کوریائی افسر اے دوسری طرف سے امریکی افسر... لکھا پوہی ہوئی... حسب لکھے طے ہو گیا۔ قہدی لڑیوں سے اترے لگے۔ ایک جرنلسٹ نے ہرہ کر پوچھا— تم لوگ بھوکوں مر گئے ہو گے... اس نے ہنس کر جواب دیا— ہم خراب نہاتے تھے، ہمیں بہت اچھا نہاں ملتا تھا— یہ واقعہ سب نے ایک مددگار کی حالت میں نوٹ کر لکھے۔ ان کے بہاؤ بتا رہے تھے کہ جیسے ان کے وچار قلم لکھے ہوں... جیسے ان کا بہرہ ٹوٹا ہو... سارے قہدی چوہں میں تھے، خوں تھے... پتلے ہوئے کے بجائے لال تھے، پتلے ہوئے کے بجائے لندرسٹ تھے... ایک نے کہا میں ہر طرح کا آرام تھا... دوسرے نے کہا میں پرارتہا کی اجازت تھی، میں ہائیلوں پوہنے کو ملتی تھیں... ایک جرنلسٹ سے نہیں دھا گیا... اس نے پوچھا ہی لیا— ہائیلوں کہاں کی چھٹی تھیں... یہ سوال کہیں تھا، اس کے دماغ میں یہ پرسن کہیں اٹھا؟ پر یہ پرسن تھا اور اس کا جواب ملا— روس! جرنلسٹوں نے اس بات کو بھی تھوڑی سے نوٹ کر لی... جیسے ہائیل کوئی نہا مٹھا ہوا، جیسے یہ کوئی بھونک ہم ہو جس کو روسوں نے ایجاد کیا ہو... شاید راستوں میں یہ زبونست مٹھا ہوا تھا... اس مٹھا ہوا سے لڑتے ہیں چھٹی جانچ آدمی چمکتے جاتے ہوں، ان کا من چھٹا جاتا ہے، ان کی آنا چھٹی جاتی ہے، ان کی سدہاؤنا چھٹی جاتی ہے! میں نے دیکھا کچھ جرنلسٹوں کے مکھڑوں پر شک کی دیکھا نہیں کھینچ گئیں... کچھ اس میں کا پوہی کر لے لگے... انہیں میں سے ایک نے دوسرے قہدی سے پوچھا— تم لوگوں کو کمونسٹ بدلنے کی کوشش کی جاتی تھی یا نہیں؟ ”بالکل نہیں۔“ جواب ملا— شاید اب بھی انہیں یقین نہیں آیا... انہوں نے ہر ایک سے یہ سوال کیا... ہر ایک کو شہدوں کے ہونڈر میں پھانس کر کچھ اچے مطلب کی باتیں اگلوئے کی کوشش ان لوگوں نے کیں... پر براعظا کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں لگا— اور اسی سے ایک چمپ پر مارک کلارک کی سولای ساہم آ گئی۔ انہوں نے اٹھ ہوکر سلوٹ دیا— جرنلسٹوں نے ان کے ٹوٹو لکھے... ان سے سوال پوچھتے شروع کر دیئے... کلارک صاحب نے ہنس کر کہا— ہمارے کافی سواہی کمونسٹ ہو گئے ہیں، ہمیں ہوشیار رہنا ہے... کمونسٹوں نے اچھے بوجھا اس لئے ان لوگوں نے ساتھ کئے ہیں نائے ان کو فداؤ بدلا سکیں، نائے ان میں بدورت پھٹ سکیں!... پور وہی لڑیاں رکھیں... وہی لکھا پوہی ہوئی... یہ کوریائی اور چھٹی قہدی تھے...

ठीक से व्यवहार भी नहीं कर सकता... अर्थ भी नहीं समझ सकता ... यह भी नहीं जानता कि यह गांव है या केवल एक पहाड़ी टीला यह कोई आबादी है या कौजियों का कोई केम्प ... पोन मोन जोन उस स्थान के रूप में मेरे सामने आता है जहां लड़ाई के भूत नहीं आ सकते, यह वह कुम्हल है जिसके चारों तरफ जंग की बड़ रुहें चीखती हैं, शोर मचाती हैं, डराती हैं ... पर जिसके अन्दर शान्ति की साधना हो रही है, शान्ति की देवी प्रकट हो इसके लिये कोशिशें की जा रही हैं।

मैं पोन मोन जोन जाना चाहता था ... पर यह मुमकिन न था ... मैंने एक करवट बदली, दो करवट बदली ... न जाने कब तक करवटें बदलता रहा, कब तक कोरिया की लड़ाई, जंगी कैंदियों के तबादले, कीटानु बम के सम्बन्ध में सोचता रहा सोचना एक बीमारी है और शायद दुनिया में कहीं भी इस बीमारी का इलाज नहीं ! जितना मैं सोने की काशिश करता रहा उतनी ही बेचैनी बढ़ती रही ... और न जाने कब मैं कोरिया पहुँच गया ... कहते हैं सपने कभी सच नहीं होते ... सपने सच हों या न हों पर सपनों में सच्ची बातें अवश्य दिखाई पड़ जाती हैं। मैं कोरिया में था ... उस गांव में मैं पहुँच गया जिस का नाम आषाद गांव है ... चारों तरफ लोग आखें फाड़ फाड़ कर देख रहे थे ... कोई केमरा लिये था, कोई काराज पेंसिल दबाए था, कोई दूरबीन लगाए कुछ देख रहा था ... यह कौन थे ... कौजी नहीं थे, इनके पास कोई वरदी नहीं थी ... यह अमरीकी भी थे, चीनी भी थे, कोरियाई भी थे, अंगरेज भी थे, फ्रानसीसी भी सभी रंग के लोग थे, सभी देशों से यह लोग आए थे। इन सब का नाम एक था—संवाददाता, खबर देने वाले ... जरनलिस्ट ... इन सबका एक ही काम था—सच का पता लगाना, दुनिया की जनता को सच की खबर पहुँचाना, भूट और सच को अलग करना इनका फर्ज था, दुनिया को अन्धेरे से निकाल कर रोशनी के पथ पर चलाना इनका पेशा था...पेशा ! कितना कुरूप शब्द है...कितना भयानक लगता है ... पेशा और जरनलिस्ट ! जरनलिज्म एक फर्ज, एक जिम्मेदारी है, इनसानी समाज के सेवा का एक साधन है पर पेशा ! ... जरनलिस्ट भी पेशा करता है...सच को भूट बनाने का पेशा, अन्धेरे को उजाला साबित करने का पेशा, हकीकत को भ्रम में तबदील करने का पेशा ! इस गिरोह में कितने जरनलिस्ट थे और कितने जरनलिज्म का का पेशा करते थे यह कहना मुश्किल है !—मैं इसी गिरोह में जा कमिल गया मैं भी देखता रहा ... दूर से लारियों की गुर्राहट सुनाई पड़ रही थी.....ऐसा लग रहा था जैसे चोटियों की एक कतार खाने की तलाश में चल पड़ी हो। हम देखते रहे और देखते देखते वह लारियाँ हमारे सामने

लपक से अचानक भी नहीं कर सका.....।रह भी नहीं समझ सकता.....।यह भी नहीं जानता कि यह गांव है या केवल एक पहाड़ी टीला यह कोई आबादी है या कौजियों का कोई केम्प.....।पोन मोन जोन उस स्थान के रूप में मेरे सामने आता है जहां लड़ाई के भूत नहीं आ सकते, यह वह कुम्हल है जिसके चारों तरफ जंग की बड़ रुहें चीखती हैं, शोर मचाती हैं, डराती हैं ... पर जिसके अन्दर शान्ति की साधना हो रही है, शान्ति की देवी प्रकट हो इसके लिये कोशिशें की जा रही हैं।

मैं पोन मोन जोन जाना चाहता था... पर यह मुमकिन न था... मैंने एक करवट बदली, दो करवट बदली ... न जाने कब तक करवटें बदलता रहा, कब तक कोरिया की लड़ाई, जंगी कैंदियों के तबादले, कीटानु बम के सम्बन्ध में सोचता रहा सोचना एक बीमारी है और शायद दुनिया में कहीं भी इस बीमारी का इलाज नहीं ! जितना मैं सोने की काशिश करता रहा उतनी ही बेचैनी बढ़ती रही ... और न जाने कब मैं कोरिया पहुँच गया ... कहते हैं सपने कभी सच नहीं होते ... सपने सच हों या न हों पर सपनों में सच्ची बातें अवश्य दिखाई पड़ जाती हैं। मैं कोरिया में था ... उस गांव में मैं पहुँच गया जिस का नाम आषाद गांव है ... चारों तरफ लोग आखें फाड़ फाड़ कर देख रहे थे ... कोई केमरा लिये था, कोई काराज पेंसिल दबाए था, कोई दूरबीन लगाए कुछ देख रहा था ... यह कौन थे ... कौजी नहीं थे, इनके पास कोई वरदी नहीं थी ... यह अमरीकी भी थे, चीनी भी थे, कोरियाई भी थे, अंगरेज भी थे, फ्रानसीसी भी सभी रंग के लोग थे, सभी देशों से यह लोग आए थे। इन सब का नाम एक था—संवाददाता, खबर देने वाले ... जरनलिस्ट ... इन सबका एक ही काम था—सच का पता लगाना, दुनिया की जनता को सच की खबर पहुँचाना, भूट और सच को अलग करना इनका फर्ज था, दुनिया को अन्धेरे से निकाल कर रोशनी के पथ पर चलाना इनका पेशा था...पेशा ! कितना कुरूप शब्द है...कितना भयानक लगता है ... पेशा और जरनलिस्ट ! जरनलिज्म एक फर्ज, एक जिम्मेदारी है, इनसानी समाज के सेवा का एक साधन है पर पेशा ! ... जरनलिस्ट भी पेशा करता है...सच को भूट बनाने का पेशा, अन्धेरे को उजाला साबित करने का पेशा, हकीकत को भ्रम में तबदील करने का पेशा ! इस गिरोह में कितने जरनलिस्ट थे और कितने जरनलिज्म का का पेशा करते थे यह कहना मुश्किल है !—मैं इसी गिरोह में जा कमिल गया मैं भी देखता रहा ... दूर से लारियों की गुर्राहट सुनाई पड़ रही थी.....ऐसा लग रहा था जैसे चोटियों की एक कतार खाने की तलाश में चल पड़ी हो। हम देखते रहे और देखते देखते वह लारियाँ हमारे सामने

प्रवासी की डायरी

इच्छा जितनी दबाई जाती है उतनी ही प्रबल होती जाती है. जितनी वह प्रबल होती जाती है उतनी ही बेचैनी बढ़ती जाती है, मन व्याकुल होने लगता है, दिमारा डांवा डोल होने लगता है, हर चीज एक नुक़ते पर आ कर केन्द्रित हो जाती है. छोटी मोटी इच्छा हो तो आदमी पूरी भी कर ले....पर उस इच्छा का क्या किया जाय जिसकी पूर्ति मुश्किल ही नहीं नामुमकिन भी हो...इच्छाओं पर जीत हासिल करने के लिये आदमी अथक कोशिश करता रहा है, तप करता रहा है, घरबार छोड़ता रहा है.....पर कितने ऐसे आदमी हैं जो इस लड़ाई को जीत सके हैं, कितनी ऐसी इच्छाएं हैं जिन्हें वह मार सके हैं! शायद इच्छाएं कभी मरती नहीं हैं, केवल रूप बदलती हैं, पूर्ति का दंग बदल देती हैं, अपना स्तर बदल देती हैं! ...मेरी इच्छा तो और भी अनोखी थी... मुझे जन्मत नहीं चाहिये थी....मुझे कोई महल नहीं चाहिये था..... मुझे अलाउद्दीन के चिराग की इच्छा नहीं थी. न कुछ पाने की इच्छा थी और न कुछ हासिल करने की..... मेरी इच्छा सरल थी बहुत ही मामूली थी.....शायद इसी कारन बहुत ही मुश्किल भी थी...कहां मैं और कहां कोरिया.....एक दंग भगड़े नहीं.....पास पोर्ट.....विसा बन.....नाम.....काम.....एक लम्बी लिस्ट है. इन्हें पार करना आसान नहीं! पर न जाने क्यों यह इच्छा पैदा हो गई, न जाने क्यों मैं कोरिया जाने के लिये बेचैन हो उठा ... दिल की इच्छा थी या दिमारा की तय करना मुश्किल है, शायद दोनों की, शायद पूरी आत्मा की... मैं कोरिया जाना चाहता था ... वहां नहीं जहां गोले बरसते हैं, वहां नहीं टैंक ज़मोन की छातियां रौंदते हैं, वहां नहीं जहां गोलियां हर आने वाले का स्वागत करती हैं, वहां नहीं जहां जहाज कीटानु बम उगलते हैं, वहां नहीं जहां मानव नंगा नाच नाचता है ... मैं वहां जाना चाहता था जहां गोलों को धमकता सुनाई पड़ता है पर जहां गोले नहीं गिरते ... जहां आदमी इथियारा से कैसला नहीं करते ... जहां आपस में बात चीत कर के भगड़ों को खतम करने की कोशिश होती है ... जहां इन्सान शैतान का लबादा छोड़ कर अपनी शकल में बाहिर होने की कोशिश करता है ... मैं वहां जाना चाहता था जहां आजादी न होते भी आजादी की बातें सुनाई पड़ती हैं ... पोल मोन जोन! ... मैंने कभी नाम नहीं सुना था ...

प्रवासी की डायरी

अच्छा जितनी दबाई जाती है उतनी ही प्रबल होती जाती है. जितनी वह प्रबल होती जाती है उतनी ही बेचैनी बढ़ती जाती है, मन व्याकुल होने लगता है, दिमारा डांवा डोल होने लगता है, हर चीज एक नुक़ते पर आ कर केन्द्रित हो जाती है. छोटी मोटी इच्छा हो तो आदमी पूरी भी कर ले....पर उस इच्छा का क्या किया जाय जिसकी पूर्ति मुश्किल ही नहीं नामुमकिन भी हो...इच्छाओं पर जीत हासिल करने के लिये आदमी अथक कोशिश करता रहा है, तप करता रहा है, घरबार छोड़ता रहा है.....पर कितने ऐसे आदमी हैं जो इस लड़ाई को जीत सके हैं, कितनी ऐसी इच्छाएं हैं जिन्हें वह मार सके हैं! शायद इच्छाएं कभी मरती नहीं हैं, केवल रूप बदलती हैं, पूर्ति का दंग बदल देती हैं, अपना स्तर बदल देती हैं! ...मेरी इच्छा तो और भी अनोखी थी... मुझे जन्मत नहीं चाहिये थी....मुझे कोई महल नहीं चाहिये था..... मुझे अलाउद्दीन के चिराग की इच्छा नहीं थी. न कुछ पाने की इच्छा थी और न कुछ हासिल करने की..... मेरी इच्छा सरल थी बहुत ही मामूली थी.....शायद इसी कारन बहुत ही मुश्किल भी थी...कहां मैं और कहां कोरिया.....एक दंग भगड़े नहीं.....पास पोर्ट.....विसा बन.....नाम.....काम.....एक लम्बी लिस्ट है. इन्हें पार करना आसान नहीं! पर न जाने क्यों यह इच्छा पैदा हो गई, न जाने क्यों मैं कोरिया जाने के लिये बेचैन हो उठा ... दिल की इच्छा थी या दिमारा की तय करना मुश्किल है, शायद दोनों की, शायद पूरी आत्मा की... मैं कोरिया जाना चाहता था ... वहां नहीं जहां गोले बरसते हैं, वहां नहीं टैंक ज़मोन की छातियां रौंदते हैं, वहां नहीं जहां गोलियां हर आने वाले का स्वागत करती हैं, वहां नहीं जहां जहाज कीटानु बम उगलते हैं, वहां नहीं जहां मानव नंगा नाच नाचता है ... मैं वहां जाना चाहता था जहां गोलों को धमकता सुनाई पड़ता है पर जहां गोले नहीं गिरते ... जहां आदमी इथियारा से कैसला नहीं करते ... जहां आपस में बात चीत कर के भगड़ों को खतम करने की कोशिश होती है ... जहां इन्सान शैतान का लबादा छोड़ कर अपनी शकल में बाहिर होने की कोशिश करता है ... मैं वहां जाना चाहता था जहां आजादी न होते भी आजादी की बातें सुनाई पड़ती हैं ... पोल मोन जोन! ... मैंने कभी नाम नहीं सुना था ...

इस बात की कोशिश करना चाहिये कि हम अपने पदार्थों का इस्तेमाल करें और घरेलू धन्यों को प्रोत्साहन दे कर इनसे वह सामान बनायें जिनकी हमें जरूरत है। हमें अपनी जरूरतों को इन्हीं सामानों से पूरी करना चाहिये जिससे कि हमारे सामानों के लिये बाजार पैदा हो सके। इस सम्बन्ध में शायद हमें बाहरी सामानों पर रोक लगानी पड़े और अपनी जरूरतों को भी कम करना पड़े। राष्ट्रों की स्वावलम्बी बनाने का काम मानवता की तरक्की के नेक काम का एक अंग समझ कर करना चाहिये। इसलिये दुनिया का भविष्य और जनता का शान्तिमय जीवन उस तेषी पर निर्भर है जिस तेषी से जनता अहिंसा और सच्चाई के रास्ते पर अमल करती है। शान्ति आन्दोलन भी ऐसी ही कोशिश का एक हिस्सा है। वह एक ऐसी सोसाइटी क्लायम करना चाहता है जिसमें एक आदमी दूसरे आदमी का गला नहीं काटेगा बल्कि जिसमें सब लोग मिल जुल कर हंसी, खुशी और शान्ति से रहेंगे और खुशहाली का वातावरण पैदा करेंगे।

इस बातकी कोशिश करना चाहते हैं हम अपने पदार्थों का इस्तेमाल करें और घरेलू धन्यों को प्रोत्साहन दे कर इनसे वह सामान बनायें जिनकी हमें जरूरत है। हमें अपनी जरूरतों को इन्हीं सामानों से पूरी करना चाहिये जिससे कि हमारे सामानों के लिये बाजार पैदा हो सके। इस सम्बन्ध में शायद हमें बाहरी सामानों पर रोक लगानी पड़े और अपनी जरूरतों को भी कम करना पड़े। राष्ट्रों की स्वावलम्बी बनाने का काम मानवता की तरक्की के नेक काम का एक अंग समझ कर करना चाहिये। इसलिये दुनिया का भविष्य और जनता का शान्तिमय जीवन उस तेषी पर निर्भर है जिस तेषी से जनता अहिंसा और सच्चाई के रास्ते पर अमल करती है। शान्ति आन्दोलन भी ऐसी ही कोशिश का एक हिस्सा है। वह एक ऐसी सोसाइटी क्लायम करना चाहता है जिसमें एक आदमी दूसरे आदमी का गला नहीं काटेगा बल्कि जिसमें सब लोग मिल जुल कर हंसी, खुशी और शान्ति से रहेंगे और खुशहाली का वातावरण पैदा करेंगे।

जंग न होने पाए

हृदय न जायं दुख सागर में बरखों की आशाएं
दूद न जायं बजते चूड़े मांगों उजड़ न जाएं
रोएं न अपने भागों को ममता की मारी माएं

गली गली में दया धरम की लाज न फिर लुट जाए
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

हम क्यों मानवता से साथी खून की हेली खेलें
बनवानों के लाभ की खातिर हम क्यों बिपता मेलें
मौत के कांटों से क्यों उलझें हम जीवन की बेलें

दे कर अपनी जान खरीदें हम क्यों रोग पराए
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

—नरेश कुमार 'शाद'

जंग न होने पाए

दुर्ब न जायें दुख सागर में बरखों की आशाएं
दूद न जायें बजते चूड़े मांगों उजड़ न जाएं
रोएं न अपने भागों को ममता की मारी माएं
गली गली में दया धरम की लाज न फिर लुट जाए
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

हम क्यों मानवता से साथी खून की हेली खेलें
बनवानों के लाभ की खातिर हम क्यों बिपता मेलें
मौत के कांटों से क्यों उलझें हम जीवन की बेलें
दे कर अपनी जान खरीदें हम क्यों रोग पराए
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

—नरेश कुमार 'शाद'

تو وہ بربادی کے ہتھیاروں کا संबंध نہ کہہ سکتا۔ ان ہتھیاروں سے ہوتا ہے جو لوگوں کے مروجے پر لگتے ہیں بلکہ ان سب کا تعلق اپنے اپنے گھروں میں ہوتا ہے۔ لیکن ہم 'ہم' گھروں اور ہتھیاروں کے ہم سے ہر ہر گھر میں موتیں ہوتی ہیں، ہر گھر برباد ہوا ہے۔ یہ اس کا بن سے ہوتا ہے کہ لڑائی میں جلتا ایک تھوڑے گروہ کے روپ میں شامل کر لی جاتی ہے۔ ان لڑائیوں کا سب سے بھانگ پہلو یہ ہے کہ رشتہوں کے بچے ندرت کی بھانڈا زوروں سے بھٹکتی جاتی ہے۔ اگر اس بھانڈا کو ہمیں روکنا ہے تو شانتی کے زمانے میں ہی ہمیں جلتا کو یہ سمجھنا ہوگا کہ لڑائی زندگی کا ایک نہیں ہے بلکہ انسانیت کے رشتے کا بھانگ کر رہا ہے۔

شانتی آندولن کی سہما یہ نہیں ہونی چاہئے کہ صرف موجودہ لڑائیوں کی آگ کو شانت کر دیا جائے بلکہ اس آندولن کو اس بات کی کوشش میں اپنے کو لگانا چاہئے کہ سماج کی دھجکا ایسی ہو جس میں ہم شانتی سے زندہ رہ سکیں۔ ندرت انسانی سماج کے لئے اچھی چیز نہیں ہے۔ اگر مائیں کو ترقی کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ سدبھانڈا اور سمجھداری کا جذبہ پیدا ہو۔

ہم جن باتوں کا اوپر ذکر کر چکے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ شانتی کی بھانڈا پیدا کرنے کے لئے ایک آندولن کی ضرورت ہے جو رشتہوں کی سمجھاؤں اور جھگڑوں کو سمجھ کر ان کا شانتی سے حل ڈھونڈنے کی کوشش کرے۔ جو لوگ شانتی آندولن میں آئے کے اچھک ہیں ان کے سامنے ہوتی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کو لڑائی کی جو کو حکم کرنا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکہ مکہ پدارتوں اور ہوتے ہوتے ہر بلے مار کی تجارت لڑائی پیدا کرتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس طرح کے بھوپار میں کسی کی جائے اور ہر رشتہ اپنے روز کی ضرورتوں کے سہمہ میں اپنے ہوتے ہوتے ہو جائے۔ گندھی جی نے ہمیں سکھایا تھا کہ ستیہ اور اہلسا کا واپس لے لیا ہو اور ان سدھانتوں کے آدھار پر ایک سماج بنانے کا پریشانی کیا جائے۔ اگر شانتی کے لئے ایسا آندولن نہ کھڑا ہوا تو یہ سب کچھ بھنگ چلی جائے گی۔

اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ شانتی آندولن میں والے آدمیوں کے مقابلے میں جلتا کے آدمیوں کا ہر چار کرتے ہیں کہ لڑائی آندولن کی زندگی کو کلثروں کیا جائے۔ شانتی آندولن میں آئے والوں کو چاہئے کہ وہ رشتہ بھوپار میں ہر طرح سے کسی کریں۔ ہم کو

تو وہ بربادی کے ہتھیاروں کا संबंध نہ کہہ سکتا۔ ان ہتھیاروں سے ہوتا ہے جو لوگوں کے مروجے پر لگتے ہیں بلکہ ان سب کا تعلق اپنے اپنے گھروں میں ہوتا ہے۔ لیکن ہم 'ہم' گھروں اور ہتھیاروں کے ہم سے ہر ہر گھر میں موتیں ہوتی ہیں، ہر گھر برباد ہوا ہے۔ یہ اس کا بن سے ہوتا ہے کہ لڑائی میں جلتا ایک تھوڑے گروہ کے روپ میں شامل کر لی جاتی ہے۔ ان لڑائیوں کا سب سے بھانگ پہلو یہ ہے کہ رشتہوں کے بچے ندرت کی بھانڈا زوروں سے بھٹکتی جاتی ہے۔ اگر اس بھانڈا کو ہمیں روکنا ہے تو شانتی کے زمانے میں ہی ہمیں جلتا کو یہ سمجھنا ہوگا کہ لڑائی زندگی کا ایک نہیں ہے بلکہ انسانیت کے رشتے کا بھانگ کر رہا ہے۔

شانتی آندولن کی سہما یہ نہیں ہونی چاہئے کہ صرف موجودہ لڑائیوں کی آگ کو شانت کر دیا جائے بلکہ اس آندولن کو اس بات کی کوشش میں اپنے کو لگانا چاہئے کہ سماج کی دھجکا ایسی ہو جس میں ہم شانتی سے زندہ رہ سکیں۔ ندرت انسانی سماج کے لئے اچھی چیز نہیں ہے۔ اگر مائیں کو ترقی کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ سدبھانڈا اور سمجھداری کا جذبہ پیدا ہو۔

ہم جن باتوں کا اوپر ذکر کر چکے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ شانتی کی بھانڈا پیدا کرنے کے لئے ایک آندولن کی ضرورت ہے جو رشتہوں کی سمجھاؤں اور جھگڑوں کو سمجھ کر ان کا شانتی سے حل ڈھونڈنے کی کوشش کرے۔ جو لوگ شانتی آندولن میں آئے کے اچھک ہیں ان کے سامنے ہوتی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کو لڑائی کی جو کو حکم کرنا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکہ مکہ پدارتوں اور ہوتے ہوتے ہر بلے مار کی تجارت لڑائی پیدا کرتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس طرح کے بھوپار میں کسی کی جائے اور ہر رشتہ اپنے روز کی ضرورتوں کے سہمہ میں اپنے ہوتے ہوتے ہو جائے۔ گندھی جی نے ہمیں سکھایا تھا کہ ستیہ اور اہلسا کا واپس لے لیا ہو اور ان سدھانتوں کے آدھار پر ایک سماج بنانے کا پریشانی کیا جائے۔ اگر شانتی کے لئے ایسا آندولن نہ کھڑا ہوا تو یہ سب کچھ بھنگ چلی جائے گی۔

اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ شانتی آندولن میں والے آدمیوں کے مقابلے میں جلتا کے آدمیوں کا ہر چار کرتے ہیں کہ لڑائی آندولن کی زندگی کو کلثروں کیا جائے۔ شانتی آندولن میں آئے والوں کو چاہئے کہ وہ رشتہ بھوپار میں ہر طرح سے کسی کریں۔ ہم کو

ان کاروں سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان باتوں کی کاٹ کی جائے مینکا پرچار کر کے عام जनता में नकरत के भाव पैदा किये जाते हैं और जनता को उसके हित की बातें साफ साफ बताई जायें. मिसाल के लिये अगर लन्दन के बाजार में जो तमबाकू खरच होती है उसकी पैदावार हिन्दुस्तान में होने वाली है तो यह पैदावार जिसके उन खेतों पर क्रवजा करने के बाद ही बढ़ाई जा सकती है जिन में आम जनता के इस्तेमाल के लिये खाली पैदा होता है क्योंकि पहले से ही जरूरत से ज्यादा खेत तमबाकू पैदा करने के काम में फंसे हुए हैं. जो लाग लन्दन में तमबाकू का ब्योपार करते हैं उनको तमबाकू पैदा करने वाले इलाकों की जनता की जरूरतों और हिंनों से कोई विलचस्पी नहीं है. नतीजा यह होता है कि ऐसे इलाकों की जनता के लिये खाने की कमी होती है और लोग मुफ्त से मरते हैं लेकिन लन्दन के आम लोग जो इसी तमबाकू का इस्तेमाल करते हैं मुश्किल से इस बात को महसूस करते हैं कि इस भुक्तमरी में उनकी भी कुछ नैतिक जिम्मेदारी है. इस तरह के कच्चे माल पर क्रवजा रखने के लिये यह भी जरूरी हो सकता है कि दूसरे देश पर राजकाजी कन्ट्रोल रखा जाय. इस लिये ही आजकल जो शान्ति आन्दोलन चल रहा है उसकी सखत जरूरत है. यह आन्दोलन आम जनता के बीच शान्ति क्रायम रखना चाहता है. इस आन्दोलन को उस प्रकार के खिलाफ आन्दोलन चलाना है जिसके जरिये पूंजीवादी और सामराजी जनता के बीच नकरत फैलाते हैं. इसलिये उन लोगों के लिये जो विश्व में शान्ति क्रायम करना चाहते हैं यह जरूरी है कि वह आज के अन्तर राष्ट्रीय झगड़ों के पीछे जो माली तिकड़में हैं उन्हें अच्छी तरह से समझें और उनके बारे में ठीक ठीक जानकारी हासिल करें.

इसके अलावा यह भी जरूरी है कि उन झगड़ों को भी दूर किया जाय जो आम जनता के बीच में मन मुटाव पैदा करते हैं. किराएदार और मालिक मजान के बीच जमींदार और बे खेत वाले किसानों के बीच जो झगड़े हैं उनका निपटारा होना जरूरी है. समाज में ऐसे अन्तर बढ़ने नहीं देने चाहिये जो ऐसी हालत पैदा कर दें जिसमें नकरत जब पकड़ने लगे और यह नकरत बरबादी की तरफ ले जाय.

अभी यह कारन हैं जो अन्त में विश्व व्यापी लड़ाई की तरफ ले जाते हैं. इस लिये जरूरी है कि इन को सर उठाने से पहले ही कुछ दिया जाय.

इस पहले कह चुके हैं कि पिछली लड़ाइयां लड़ने वाले गिरोहों तक ही सीमित रहती थीं लेकिन अब जनता एक ही लक्ष्य के रूप में बढ़ी हो गई है और इस

अब इन कारणों से यह जरूरी हो जाता है कि उन बातों की काट की जाय जो आम जनता में नकरत के भाव पैदा किये जाते हैं और जनता को उसके हित की बातें साफ साफ बताई जायें. मिसाल के लिये अगर लन्दन के बाजार में जो तमबाकू खरच होती है उसकी पैदावार हिन्दुस्तान में होने वाली है तो यह पैदावार जिसके उन खेतों पर क्रवजा करने के बाद ही बढ़ाई जा सकती है जिन में आम जनता के इस्तेमाल के लिये खाली पैदा होता है क्योंकि पहले से ही जरूरत से ज्यादा खेत तमबाकू पैदा करने के काम में फंसे हुए हैं. जो लाग लन्दन में तमबाकू का ब्योपार करते हैं उनको तमबाकू पैदा करने वाले इलाकों की जनता की जरूरतों और हिंनों से कोई विलचस्पी नहीं है. नतीजा यह होता है कि ऐसे इलाकों की जनता के लिये खाने की कमी होती है और लोग मुफ्त से मरते हैं लेकिन लन्दन के आम लोग जो इसी तमबाकू का इस्तेमाल करते हैं मुश्किल से इस बात को महसूस करते हैं कि इस भुक्तमरी में उनकी भी कुछ नैतिक जिम्मेदारी है. इस तरह के कच्चे माल पर क्रवजा रखने के लिये यह भी जरूरी हो सकता है कि दूसरे देश पर राजकाजी कन्ट्रोल रखा जाय. इस लिये ही आजकल जो शान्ति आन्दोलन चल रहा है उसकी सखत जरूरत है. यह आन्दोलन आम जनता के बीच शान्ति क्रायम रखना चाहता है. इस आन्दोलन को उस प्रकार के खिलाफ आन्दोलन चलाना है जिसके जरिये पूंजीवादी और सामराजी जनता के बीच नकरत फैलाते हैं. इसलिये उन लोगों के लिये जो विश्व में शान्ति क्रायम करना चाहते हैं यह जरूरी है कि वह आज के अन्तर राष्ट्रीय झगड़ों के पीछे जो माली तिकड़में हैं उन्हें अच्छी तरह से समझें और उनके बारे में ठीक ठीक जानकारी हासिल करें.

इस के علاवे यह भी जरूरी है कि उन झगड़ों को भी दूर किया जाय जो आम जनता के बीच में मन मुटाव पैदा करते हैं. किराएदार और मालिक मजान के बीच जमींदार और बे खेत वाले किसानों के बीच जो झगड़े हैं उनका निपटारा होना जरूरी है. समाज में ऐसे अन्तर बढ़ने नहीं देने चाहिये जो ऐसी हालत पैदा कर दें जिसमें नकरत जब पकड़ने लगे और यह नकरत बरबादी की तरफ ले जाय.

अभी यह कारन हैं जो अन्त में विश्व व्यापी लड़ाई की तरफ ले जाते हैं. इस लिये जरूरी है कि इन को सर उठाने से पहले ही कुछ दिया जाय.

इस पहले कह चुके हैं कि पिछली लड़ाइयां लड़ने वाले गिरोहों तक ही सीमित रहती थीं लेकिन अब जनता एक ही लक्ष्य के रूप में बढ़ी हो गई है और इस

یہ دوسرے کے آدمیوں کو مارتے یہ دوسرے جاہل و نادان ہوتے ہیں لیکن چونکہ اب ان لوگوں میں ہوری جلتا شامل ہونے لگی ہے اس لئے یہ ضرورت پیدا ہو گئی ہے کہ دونوں فریق جو لڑائی چاہتے ہیں اس میں جلتا کی دلچسپی کو بڑھایا جائے۔ اس آدمی کو حاصل کرنے کے لئے اتنا کافی نہیں تھا کہ لڑائی کے کارن ایک دو کر کے لگا دئے جائیں کہیں یہ سارے کارن ایسے ہوتے ہیں جن میں عام جلتا کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اگر برطانیہ ہندوستان کو ملحقہ کے روپ میں چاہتا ہے اور جرمن سوداگروں کی بھی اسی ملحقہ پر نظر ہے تو برطانیہ اور جرمنی کی ملحقہ سمیت ہی لڑائی میں برطانیہ اور جرمنی کی جلتا ایسا خون نہیں بہائے گی۔ اس لئے جرمنی اور برطانیہ کے عام لوگوں میں ایک دوسرے سے نفرت اور شک کے بڑے اہارے چائیں گے اور دیہی مردم کے یہ نعرے دئے جائیں گے کہ ”راجا اور دیہی“ کے لئے جلتا کو قربانی کرنا چاہئے۔ لیکن اصلیت میں راجا اور دیہی کے لئے یہ بھاؤ نہیں ہوتا بلکہ کچھ مال اور بھوپار کی دلچسپی کے لئے یہ نعرے دئے جاتے ہیں۔ اسی طرح سے جہاں جہاں ممکن ہوتا ہے انک الگ نسل کے گروہوں میں کھڑا اور ملحقہ کے بھاؤ ابھارتے جاتے ہیں آج کی لڑائیوں کو اس جلتا کے بھج من متاؤ پیدا کر کے زندہ رکھا جاتا ہے جس کی ان جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

بڑے بڑے بھوپاروں کا بھاؤ جو ہمارے لئے لیکن جلتا عام طریقہ سے چالیس ایک سال کی ایسی چھوٹی سی عمر شامتی اور آرام سے بسر کرنا چاہتی ہے۔ اس کارن سے اگر لڑائی کو اتردار بنانا ہے تو ضروری ہے کہ ان نسلوں کو ہوا دی جائے جو جلتا میں لڑائی کی ہواؤں پیدا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ہر چار ۲ ہتھار کو انکی ہی اہمیت دی جاتی ہے جتنی کہ لڑنے والی فوجوں کو۔ یہ ہر چار آندولن سماج کے ہمت کو نقصان پہنچانے والا آندولن ہے۔ ایسے آندولن کے ہتھار میں ہلکا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے میں ہلکا ہے اور اس سے جو نعرے نکلتے ہیں ان میں ہلکا ہے۔ بہت بولے بھائے قلعہ کے چرخیوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ نفرت کے گھم کا کر بہم کی اس اوستھا میں پہنچ جائیں جہاں ہ انگریز کو مار کر وہ یہ سمجھیں کہ وہ پلٹے کسا دے ہیں۔ نفرت بھوکاٹے والا یہ ہر چار آندولن لوگوں کو بھکا کر فوج میں بھرتی کرانا ہے لڑنے سے ہمت اور سامنے ہردان کرنا ہے اور مارکٹ کو ایک پاک مقصد کو حاصل کرنے کا سامنے کے روپ میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی روک تھام نہ ہو تو یونچسوانی ہمت اور سامراج کی ضرورتیں مل کر آخر میں عام جلتا کے بھج نفرت کی وہ پرستش پیدا کر دیتے ہیں جس میں لڑائی چھوٹی جلتا ہے۔

یہ دوسرے کے آدمیوں کو مارتے یہ دوسرے جاہل و نادان ہوتے ہیں لیکن چونکہ اب ان لوگوں میں ہوری جلتا شامل ہونے لگی ہے اس لئے یہ ضرورت پیدا ہو گئی ہے کہ دونوں فریق جو لڑائی چاہتے ہیں اس میں جلتا کی دلچسپی کو بڑھایا جائے۔ اس آدمی کو حاصل کرنے کے لئے اتنا کافی نہیں تھا کہ لڑائی کے کارن ایک دو کر کے لگا دئے جائیں کہیں یہ سارے کارن ایسے ہوتے ہیں جن میں عام جلتا کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اگر برطانیہ ہندوستان کو ملحقہ کے روپ میں چاہتا ہے اور جرمن سوداگروں کی بھی اسی ملحقہ پر نظر ہے تو برطانیہ اور جرمنی کی ملحقہ سمیت ہی لڑائی میں برطانیہ اور جرمنی کی جلتا ایسا خون نہیں بہائے گی۔ اس لئے جرمنی اور برطانیہ کے عام لوگوں میں ایک دوسرے سے نفرت اور شک کے بڑے اہارے چائیں گے اور دیہی مردم کے یہ نعرے دئے جائیں گے کہ ”راجا اور دیہی“ کے لئے جلتا کو قربانی کرنا چاہئے۔ لیکن اصلیت میں راجا اور دیہی کے لئے یہ بھاؤ نہیں ہوتا بلکہ کچھ مال اور بھوپار کی دلچسپی کے لئے یہ نعرے دئے جاتے ہیں۔ اسی طرح سے جہاں جہاں ممکن ہوتا ہے انک الگ نسل کے گروہوں میں کھڑا اور ملحقہ کے بھاؤ ابھارتے جاتے ہیں آج کی لڑائیوں کو اس جلتا کے بھج من متاؤ پیدا کر کے زندہ رکھا جاتا ہے جس کی ان جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

بڑے بڑے بھوپاروں کا بھاؤ جو ہمارے لئے لیکن جلتا عام طریقہ سے چالیس ایک سال کی ایسی چھوٹی سی عمر شامتی اور آرام سے بسر کرنا چاہتی ہے۔ اس کارن سے اگر لڑائی کو اتردار بنانا ہے تو ضروری ہے کہ ان نسلوں کو ہوا دی جائے جو جلتا میں لڑائی کی ہواؤں پیدا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ہر چار ۲ ہتھار کو انکی ہی اہمیت دی جاتی ہے جتنی کہ لڑنے والی فوجوں کو۔ یہ ہر چار آندولن سماج کے ہمت کو نقصان پہنچانے والا آندولن ہے۔ ایسے آندولن کے ہتھار میں ہلکا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے میں ہلکا ہے اور اس سے جو نعرے نکلتے ہیں ان میں ہلکا ہے۔ بہت بولے بھائے قلعہ کے چرخیوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ نفرت کے گھم کا کر بہم کی اس اوستھا میں پہنچ جائیں جہاں ہ انگریز کو مار کر وہ یہ سمجھیں کہ وہ پلٹے کسا دے ہیں۔ نفرت بھوکاٹے والا یہ ہر چار آندولن لوگوں کو بھکا کر فوج میں بھرتی کرانا ہے لڑنے سے ہمت اور سامنے ہردان کرنا ہے اور مارکٹ کو ایک پاک مقصد کو حاصل کرنے کا سامنے کے روپ میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی روک تھام نہ ہو تو یونچسوانی ہمت اور سامراج کی ضرورتیں مل کر آخر میں عام جلتا کے بھج نفرت کی وہ پرستش پیدا کر دیتے ہیں جس میں لڑائی چھوٹی جلتا ہے۔

شانتي آندولن

(ڈاکٹر جے سی. کومارپا)

میرے پاس बहुत سے خط آتے رہتے ہیں جن میں سے ایک شانتی آندولن کا उद्देश्य क्या है और इस आन्दोलन को जनता में फैलाने की इस समय क्या आवश्यकता है जब कि हिन्दुस्तान में लड़ाई नहीं हो रही है सरसरीनजर से देखने पर यह आन्दोलन पागल की बड़ के समान भावपूर्ण पड़ता है. इस आन्दोलन की आवश्यकता को समझने के लिये जरूरी है कि दुनिया के माली बांचे की बुनियाद का हम समझें क्योंकि दुनिया की माली बाबत इस बात की जबदस्त जरूरत पैदा करती है कि शान्ति आन्दोलन का स्थापना की जाय.

गुजरे जमानों में बादशाहों और दूसरे नेताओं के हितों के टकराव के कारन लड़ाइयां होती थीं और यह लोग अपनी खर खरीद चीज की सहायता से एक दूसरे से लड़ाई करते थे. अपना ताकत को बढ़ाना, इलाकों पर कब्जा करना, लूटमार और बदला ही जियादातर इन लड़ाइयों के कारन होते थे. यह लड़ाइयां लड़ने वालों और उनके साथियों तक सीमित रहती थीं. इस बात की आवश्यकता नहीं होती थी कि दोनों तरफ का जनता को जोश देकर एक दूसरे के खिलाफ उभारा जाय.

केन्द्रित उद्योगों के फैलाव के कारन हिंसा की मात्रा बढ़ गई है क्योंकि पूंजीवादियों का हित कच्चे माल पर कंट्रोल रखने, सस्ते मजदूर हासिल करने और अपने माल के लिये बाजार पैदा करने में है और इस हित का सुरक्षा बिना हिंसा के नहीं हो सकती. इस मकसद को पूरा करने के लिये लखोखा आदिमियां को राज काजी गुलामी या माली गुलामा के फन्दे में जकड़ कर रखा पड़ता है.

पहली बड़ी लड़ाई के शुरू होने का बहुत बड़ा कारन दुनिया के बाजार का बंटवारा ही था. बर्तानिया, जर्मनी और जापान के हित आपस में टकरा रहे थे. दूसरी लड़ाई के आरम्भ का मुख्य कारन यह था कि दुनिया के पेट्रोल के कुओ पर चीन शक्ति अपना कब्जा रखे कोरिया में चलने वाली आजकल की लड़ाई का कारन यह है कि उत्तरी कोरिया की तैमस्टीन खान की देखकर मेगनाज इस्पात के कारखानेदारों के मुंह में पानी भर घाया है.

पैसे सूरत में लड़ाई दोनों फरों तक ही सीमित नहीं रह सकती. लड़ाई में हिंसा लेने वालों के अज्ञान और इन लड़ाइयों के कारन आम जनता भी मुसीबत में फँसती है. अभी तक यह होता रहा है कि दो फरों आपस में लड़ते

شانتي آندولن

(ڈاکٹر جے سی. کومارپا)

میرے پاس بہت سے خط آتے رہتے ہیں جن میں سے ایک شانتی آندولن کا اُدیہش کیا ہے اور اس آندولن کو چلاتا ہوں یہ دیکھتے ہیں اس سے کیا اُدیہش ہے۔ جبکہ ہندوستان میں کوئی جہد ہو رہی ہے۔ سرحدوں نظر سے دیکھتے ہیں یہ آندولن باغی کی ہونے سے ان سے معلوم ہوتا ہے۔ اس آندولن کی اُدیہش کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کے مالی قہ نیچے کی بلحاظ کو ہم سمجھ لیں کہ دنیا کی مالی وابستہ اس بات کی وابستہ ضرورت پیدا کرتی ہے کہ شانتی آندولن کی استقامت کی جائے۔

گزرے زمانوں میں بادشاہوں اور دوسرے نسلوں کے ہتھوں نے تکرار کے کارن لوٹاں ہوتی تھیں اور یہ لوگ اپنی زر خرید فوج کی سہائتا سے ایک دوسرے سے لوٹائی دیتے تھے۔ اپنی طاقت کو دوجا علاقوں پر قبضہ کرتے تھے۔ لوطسار اور بدلا ہی زیادہ تر ان لوٹاں کے کارن ہوتے تھے۔ یہ لوٹاں لوتے والے اور ان کے ساتھ ہوں تک سہمت دیتی تھیں۔ اس بات کی اُدیہش میں ہوتی تھی کہ دونوں طرف کی جلتا ہو جوہی سے کہ ایک دوسرے کے خلاف ابھرا جائے۔

کھدرب آدلوں کے یہ لڑنے کے کارن ہلکا کی مائرا ہوہ گئی ہے۔ کہوہ پوہی وادیوں کا ہت نیچے مال پر فلتوں، دھلے، سستہ، دور حاصل کرنے اور اپنے مال کے لئے ہزار پیدا کرنے میں ہے اور اس ہمت کی سرکشا ہلکا ہلکا کے نہیں ہو سکتی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے لکھوہا آدلوں کو راج دیتی فلتی یا مالی فلتی کے ہلندے میں جکڑ کر دھلا ہوتا ہے۔

پہلی نئی لوٹائی کے شروع ہونے کا بہت ہوا کارن دنیا کے بازار کا ہتوارہ ہی تھا۔ برطانیہ، جرمنی اور جاپان کے ہمت آپس میں تھا۔ وہ تھے۔ دوسری لوٹائی کے آرمہ کا مکہ کارن یہ تھا کہ دنیا نے یقینوں کے فلوں پر دون شکتی اپنا قبضہ رکھے۔ کہوہ میں چلتے والی آجکل کی لوٹائی کا کارن یہ ہے کہ آئیو کوہی کی ننگستہن دھان کو دیکھ کر مومکھوہ اسات کے گرجتے داروں کے ہلندے میں پانی ہوہ آیا ہے۔

اپس صورت میں لوٹائی دونوں فریقوں تک ہو سکتی تھیں وہ شکتی۔ لوٹائی۔ دون حصہ لہلہ والوں کے علاقہ اپ ان لوٹوں کے کارن عام چلتا بھی مصہمت میں ہو سکتی ہے۔ ابھی تک یہ ہوتا رہا ہے کہ دو فریق آپس میں لڑتے

میں سफलता نہ मिलے، وہ بھی رہے اور افریقیہ نہ لڑیں۔
اس طرح وہ 19 سال انگلینڈ میں رہے۔

سن 1945 میں کینیا افریقیہ یونین کی تھاپنا
ہوئی۔ سن 1946 میں جیمز کینیڈا واپس آیا اور اس
سب کے ساتھ چلے گئے۔ اس سلسلہ کے خاص مقصد

(1) جیتنی زمین افریقیہ نے دیا ہے، وہ
واپس افریقیہ کو مل جائے۔

(2) جیتنی زمین خالی ہوئی ہے، اس کا وکس کرنے
کے لئے افریقیہ کو موقع دیا جائے۔

(3) وہاں کے شاسن میں افریقیہ کا بھی ہاتھ ہے۔

(4) جات پات کے فرق کی بہت سی مثالیں۔

یہ سلسلہ کچھ چالو ہوا ہے تھا کہ انگریزوں کو اس کے
بارے میں چلنا ہوئی۔ سن 1951 میں موروی میں
اس سلسلہ کی ساتھی میں ایک سبھا ہوئی تھی جس
میں 70 یا 80 ہزار افریقیہ تھے تھے۔ اس ایکسی
سبھا میں لگ بھگ 60 ہزار یونٹ کی راشی جمع
ہوئی تھی۔

انگریز افریقیہ کے اس سلسلہ سے بہت کھڑا ہے۔
انہوں نے چور ڈاکوؤں کو پکڑ کر انہوں ایک نیا نام
دیا—”ماو ماو“ جو بھی افریقیہ لوگوں میں کم کرنا
ہوا دھم یا کسی طرح کی دھمکی نکالی ہو، اسے پکڑ
کر قید کرتے، انہیں طرح کے ایوانے کرتے اور کہتے کہ ماو
ماو کے کارڈوں کو ہم نے پکڑا ہے۔ اس طرح انہاچار کر کے
انگریز افریقیہ کے سلسلہ کو دبا دینا چاہتے ہیں۔

ہماری ماں کا ایک گھرا اسر یہ تھا کہ برٹش
سرکار نے ایک کمیशन بنانا تھ کیا ہے، جو افریقیہ
کی زمین کی ماں کے بارے میں جانچ پڑتال کر کے
اپنا فیصلہ دے گا۔ لیکن وہاں کے انگریزوں کے اپنے
اس کا بہت وردہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس کا بہت وردہ کر
رہے ہیں۔ چرچل کی سرکار کے آئے پر افریقیہ پر انہاچار
ہوئے گئے ہیں اور ان پر ہلک کرانتی کاری ہونے کا اورد
لگا کر انہوں کو بھی کچلا جا رہا ہے۔

میرا भारत آنے کا مقصد

لگ بھگ تین چار سال پہلے پوری افریقیہ کے ہماری
راج دولت شری آپا صاحب پلت سے میری بھولت ہوئی
تھی۔ انہوں نے مجھے صلح دی تھی کہ ہندستان کے
بارے میں جاننے کے لئے آپ کو ہندستان خود جانا
چاہئے۔ میں خاصکر اس مقصد کو لے کر آیا تھا کہ کس
طرح مہاتما گاندھی نے اہلسا سے سوراچ لیا اور ان کی
شکست پرانی کیا تھی۔

ایک طرح کا (راج گرا کے سامان) اجا کا 2x ہے (اسمبل کے سامان) ہذا کر ہا جاتا ہے .

کھیتی کے کام میں مدد کرنے کے لیے کئی بار دوسرے لوگ ہذا بلاتے ہی آ جاتے ہیں .

بھاشا

افریقہ میں سیکڑوں جاہلیاں ہیں . ان کی ہر ایک کی بھاشا الگ الگ ہے . وہاں لگ بھگ 130 بھاشاں ہیں . زیادہ تر لوگ 'سواحلی' بھاشا بولتے ہیں—خاص طور سے بومے لکھ یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والے لوگ بڑا بھگ شالاؤں میں 'سواحلی' بھاشا ہی بولتے ہیں . اوپر کے درجوں میں انگریزی بھاشا پڑھائی جائے . اس پر انگریز لوگ کافی زور دیتے ہیں . لیکن افریقہ کے لوگ اس کا رد دہ کرتے ہیں . سواحلی بھاشا عربی اور افریقی بھاشا سے مل کر بنی ہے . یہ دیکھ لہی میں لکھی جاتی ہے .

بھاشا

افریقہ میں سیکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک آپنریٹس (نواباؤں) رہا ہے . وہاں پہلے سب زمینیں وہاں کے لوگوں کی ہی تھیں . لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب زمینیں پر قبضہ کر لیا اور افریقہ میں کو ہری طرح وہاں سے ہٹا دیا . تھوڑے استعمانیوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ جمانا .

دایہ کا جہر سمسٹانوں

افریقہ میں سیکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک آپنریٹس (نواباؤں) رہا ہے . وہاں پہلے سب زمینیں وہاں کے لوگوں کی ہی تھیں . لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب زمینیں پر قبضہ کر لیا اور افریقہ میں کو ہری طرح وہاں سے ہٹا دیا . تھوڑے استعمانیوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ جمانا .

راجہاڑی سمسٹاؤں

افریقہ میں سیکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک آپنریٹس (نواباؤں) رہا ہے . وہاں پہلے سب زمینیں وہاں کے لوگوں کی ہی تھیں . لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب زمینیں پر قبضہ کر لیا اور افریقہ میں کو ہری طرح وہاں سے ہٹا دیا . تھوڑے استعمانیوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ جمانا .

افریقہ میں سیکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک آپنریٹس (نواباؤں) رہا ہے . وہاں پہلے سب زمینیں وہاں کے لوگوں کی ہی تھیں . لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب زمینیں پر قبضہ کر لیا اور افریقہ میں کو ہری طرح وہاں سے ہٹا دیا . تھوڑے استعمانیوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ جمانا .

افریقہ میں سیکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک آپنریٹس (نواباؤں) رہا ہے . وہاں پہلے سب زمینیں وہاں کے لوگوں کی ہی تھیں . لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب زمینیں پر قبضہ کر لیا اور افریقہ میں کو ہری طرح وہاں سے ہٹا دیا . تھوڑے استعمانیوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ جمانا .

افریقہ میں سیکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک آپنریٹس (نواباؤں) رہا ہے . وہاں پہلے سب زمینیں وہاں کے لوگوں کی ہی تھیں . لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب زمینیں پر قبضہ کر لیا اور افریقہ میں کو ہری طرح وہاں سے ہٹا دیا . تھوڑے استعمانیوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ جمانا .

افریقہ میں سیکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک آپنریٹس (نواباؤں) رہا ہے . وہاں پہلے سب زمینیں وہاں کے لوگوں کی ہی تھیں . لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب زمینیں پر قبضہ کر لیا اور افریقہ میں کو ہری طرح وہاں سے ہٹا دیا . تھوڑے استعمانیوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ جمانا .

سب جزمین ईश्वर की है

गांव की सब जमीन पहले एक कबीले की होती थी. फिर वह एक बड़े परिवार की हुई, और अब अलग अलग परिवारों की है. वहां यह नियम है कि जो जमीन खाली हो, या अगर खेती का मालिक उस पर खेती न करता हो, तो कोई भी आदमी जो खेती करना चाहे, उससे जाकर मांग सकता है, कि यह जमीन मुझे खेती करने के लिये चाहिए. और वह जमीन उसे देनी पड़ती है. वहां लोग इस बात में यकीन रखते हैं, कि सब जमीन ईश्वर की है. उसके लिये उन्हें कोई लगान नहीं देना पड़ता.

वहां ऐसा कोई आदमी नहीं है जिसके पास जमीन न हो. और यही कारण है कि वहां खेतिहर मजदूर नहीं होते. हां, अभी कुछ सालों से भूमि की समस्या कहीं कहीं देखी जाती है, क्योंकि अंगरेजों ने क़रीब क़रीब सारी जमीन पर अपना क़बज़ा कर लिया है.

पत्नी का स्थान

अफ़्रीका में एक से ज़ियादा पत्नी रखने की प्रथा चालू है. किसान की जितनी पत्नियां होती हैं, उसी हिसाब से वह अपनी जमीन बांट देता है. पहली पत्नी घर की संचालिका समझी जाती है. सभी पत्नियां अलग अलग मकानों में रहती हैं और खाना भी अलग अलग खाती हैं. सभी पत्नियां अपने पकाए हुए खाने में से थोड़ा थोड़ा अपने पति और बच्चों के लिये एक केन्द्री स्थान (आम तौर से पति के घर) में ले आती हैं. सब लड़के एक साथ और सब लड़कियां भी एक साथ पहली और दूसरी पत्नियों के घरों के पास रहते हैं. मर्द को किसी चीज़ की ज़रूरत होती है तो वह अपनी बड़ी (पहली) पत्नी से ही मांगता है.

काम का बंटवारा

जंगल साफ़ करना पुरुष का काम है. उसके बाद खोदने का काम, निदाई, फसल काटना वगैरह काम पुरुष और स्त्री दोनों करते हैं. अनाज के ढोले बनाना खास तौर से पुरुष का काम है, उसमें अनाज भी वही भरते हैं. लेकिन अनाज भरने के बाद उसकी मालिक स्त्री बन जाती है. इस तरह हर एक पत्नी के अपने अनाज के ढोले होते हैं. कुछ खेती पुरुष की भी होती है. और उसमें से निकला हुआ अनाज वह अलग रखता है. वह अलग रखा हुआ अनाज खास खास मौकों पर काम में आता है.

रोज़ाना का काम

वहां मुख्य भोजन शाम का भोजन समझा जाता है. शाम को खेत से आकर स्त्रियां भोजन बनाती हैं. सुबह खेत में जाते समय शाम के भोजन में से बचा हुआ हिस्सा ही खाते हैं. इसी तरह दोपहर को भी, शाम को क़रीब 4 बजे

सब जमीन ईश्वर की है

गांव की सब जमीन पहले एक कबीले की होती थी. फिर वह एक बड़े परिवार की हुई, और अब अलग अलग परिवारों की है. वहां यह नियम है कि जो जमीन खाली हो, या अगर खेती का मालिक उस पर खेती न करता हो, तो कोई भी आदमी जो खेती करना चाहे, उससे जाकर मांग सकता है, कि यह जमीन मुझे खेती करने के लिये चाहिए. और वह जमीन उसे देनी पड़ती है. वहां लोग इस बात में यकीन रखते हैं, कि सब जमीन ईश्वर की है. उसके लिये उन्हें कोई लगान नहीं देना पड़ता.

वहां ऐसा कोई आदमी नहीं है जिसके पास जमीन न हो. और यही कारण है कि वहां खेतिहर मजदूर नहीं होते. हां, अभी कुछ सालों से भूमि की समस्या कहीं कहीं देखी जाती है, क्योंकि अंगरेजों ने क़रीब क़रीब सारी जमीन पर अपना क़बज़ा कर लिया है.

पत्नी का स्थान

अफ़्रीका में एक से ज़ियादा पत्नी रखने की प्रथा चालू है. किसान की जितनी पत्नियां होती हैं, उसी हिसाब से वह अपनी जमीन बांट देता है. पहली पत्नी घर की संचालिका समझी जाती है. सभी पत्नियां अलग अलग मकानों में रहती हैं और खाना भी अलग अलग खाती हैं. सभी पत्नियां अपने पकाए हुए खाने में से थोड़ा थोड़ा अपने पति और बच्चों के लिये एक केन्द्री स्थान (आम तौर से पति के घर) में ले आती हैं. सब लड़के एक साथ और सब लड़कियां भी एक साथ पहली और दूसरी पत्नियों के घरों के पास रहते हैं. मर्द को किसी चीज़ की ज़रूरत होती है तो वह अपनी बड़ी (पहली) पत्नी से ही मांगता है.

काम का बंटवारा

जंगल साफ़ करना पुरुष का काम है. उसके बाद खोदने का काम, निदाई, फसल काटना वगैरह काम पुरुष और स्त्री दोनों करते हैं. अनाज के ढोले बनाना खास तौर से पुरुष का काम है, उसमें अनाज भी वही भरते हैं. लेकिन अनाज भरने के बाद उसकी मालिक स्त्री बन जाती है. इस तरह हर एक पत्नी के अपने अनाज के ढोले होते हैं. कुछ खेती पुरुष की भी होती है. और उसमें से निकला हुआ अनाज वह अलग रखता है. वह अलग रखा हुआ अनाज खास खास मौकों पर काम में आता है.

रोज़ाने का काम

वहां मुख्य भोजन शाम का भोजन समझा जाता है. शाम को खेत से आकर स्त्रियां भोजन बनाती हैं. सुबह खेत में जाते समय शाम के भोजन में से बचा हुआ हिस्सा ही खाते हैं. इसी तरह दोपहर को भी, शाम को क़रीब 4 बजे

”تو پھر بچے کم پیدا کرو۔“

ایک گاؤں والے نے بہت نخرتا سے پرانی لڑکی—”ہمارے 10 اور 12 سال کے لڑکوں کو بھی کام کرنے کی اجازت دی جائے۔“

”نہیں، سرکار چاہتی ہے کہ بچے تاحیات اور تھکے نہ، توں لوگ انہیں اتنی جلدی کام پر لگا کر ان کے بدن کے روتے کو روک دیں۔“

”لیکن ہم اور ہمارے بچے بھوکے مر رہے ہیں، سرکار۔“

”بڑے پدا بچو لیکھا بچو۔“

اس پر گاؤں والا کیا کہنا چاہتا تھا یا کہہ رہا تھا وہ بات شورمیل میں سنائی نہیں دی۔

(پنکڑ)

”تو پھر بچے کم پیدا کرو۔“

ایک گاؤں والے نے بہت نخرتا سے پرانی لڑکی—”ہمارے 10 اور 12 سال کے لڑکوں کو بھی کام کرنے کی اجازت دی جائے۔“

”نہیں، سرکار چاہتی ہے کہ بچے طاقتور اور تھکے نہ، توں لوگ انہیں اتنی جلدی کام پر لگا کر ان کے بدن کے روتے کو روک دیں۔“

”لیکن ہم اور ہمارے بچے بھوکے مر رہے ہیں۔“

سرکار۔

”انہیں پرہاؤ لکھاؤ۔“

اس پر گاؤں والا کہا کہنا چاہتا تھا یا کہہ رہا تھا وہ بات شورمیل میں سنائی نہیں دی۔

(انس)

پُرबी افریقا کا سماج

(رام کیشور، سہاگرم، وردھا)

[پُرबी افریقا کے کینیا प्रदेश کے नेता श्री श्रीगंगा श्रीगंगा के साथ हिन्दुस्ताना तालीमों सघ के कार कर्ताओं का चर्चा का निबोध]

خاس خندا

پُرबी افریقا کے رہنے والوں کا خاس خندا خیتی باری ہے۔ کچھ لوگ جانور (گای، بھڑ، بھڑا) بھی پالتے ہیں۔ وہاں کے ہندوستانی خاص طور سے روزگار یا سرکاری دفتروں میں کام کرتے ہیں۔ افریقہ میں ایک بات خاص یہ ہے کہ کوہی باری کے زیادہ تر کام وہ سب مل جل کر کرتے ہیں۔ جس کسان کو کوہی کتلی ہو (یا مکان بلانا ہو) وہ گھر گھر جائے نمکتن دیتا ہے کہ آج اس کے یہاں فلاں کام کرنا ہے۔ سب گاؤں والے اس کے کام میں سہوگ دیتے ہیں اور اسی کے یہاں بھوجن بھی دیتے ہیں۔

لیکن اب کچھ دنوں سے انگریزی اثر کے کارن لوگوں میں سوانہ کی مائرا زیادہ بڑھتی جا رہی ہے۔ جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں اور کوہی کرنے کے لئے دیہاتوں میں جاتے ہیں، انہیں دیہاتی لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ وہ سوچتے ہیں کہ یہ ہمیشہ توہمے دنوں کے لئے اپنے سوانہ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اس طرح ایسے شہریوں کو پوری طرح دوسرے لوگوں کی سہائتا نہیں مل پاتی ہے۔

پوربی افریقہ کا سماج

(رام کیشور، سہاگرم، وردھا)

[پوربی افریقہ کے کولمبا پردیش کے نیوٹا شہر اور لکھا اردکا نے ساتھ ہندوستانی تعلیمی سلسلہ کے کارکنوں کی چرچا کا نچوڑ]

خاص دھندا

پوربی افریقہ کے دھند والوں کا خاص دھندا کوہی باری ہے۔ کچھ لوگ جانور (گائے، بھڑ، بھڑا) بھی پالتے ہیں۔ وہاں کے ہندوستانی خاص طور سے روزگار یا سرکاری دفتروں میں کام کرتے ہیں۔ افریقہ میں ایک بات خاص یہ ہے کہ کوہی باری کے زیادہ تر کام وہ سب مل جل کر کرتے ہیں۔ جس کسان کو کوہی کتلی ہو (یا مکان بلانا ہو) وہ گھر گھر جائے نمکتن دیتا ہے کہ آج اس کے یہاں فلاں کام کرنا ہے۔ سب گاؤں والے اس کے کام میں سہوگ دیتے ہیں اور اسی کے یہاں بھوجن بھی دیتے ہیں۔

لیکن اب کچھ دنوں سے انگریزی اثر کے کارن لوگوں میں سوانہ کی مائرا زیادہ بڑھتی جا رہی ہے۔ جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں اور کوہی کرنے کے لئے دیہاتوں میں جاتے ہیں، انہیں دیہاتی لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ وہ سوچتے ہیں کہ یہ ہمیشہ توہمے دنوں کے لئے اپنے سوانہ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اس طرح ایسے شہریوں کو پوری طرح دوسرے لوگوں کی سہائتا نہیں مل پاتی ہے۔

'68

سہا یوتا کے تئیر پر نوکاپڑی مژدہ

اس پرکار کے پانچ آدمی جن میں ایک 13 سال کا بालک بھی ہے ایک سرکاری بانڈ پر کام کرتے ہیں۔ وہاں ہر آدمی کو 60 چنبرگ فٹ زمین خودنے پر روچانا بارہ آنا ملتا ہے، اورت کو پچاس چنبرگ فٹ زمین خودنے کے دس آنے اور بालک کو چالیس چنبرگ زمین کے آٹھ آنے۔ وہ سوچھ سات بجے اپنے घर سے کام پر جاتے ہیں اور ساڑھے آٹھ بجے شام تک کام کرتے ہیں جہاں کام کرتے ہیں وہ جگہ ان کے گھر سے دو میل دور ہے۔

بڑے پھول سے زمین نہیں خودی جاتی اسلئے وہ کام پر نہیں جاتا۔ وہ شال بنانا جانتا ہے اسے اگر کوئی 500 روپے ادھار دے دے تو وہ 300 روپے کما سکتا ہے ہر سال یہ ہے کہ اسے 500 روپے ادھار کون دے؟

چوتے بڑے سب بستی لال میٹھ کے ساتھ باجری کی روٹی کھاتے ہیں۔ وہاں نہ تو کوئی ساگ باجری ہوتی ہے اور نہ ہی یا دھ۔ جب ہم سرکاری بانڈ کا کام بند ہو جائیگا۔ (کیونکہ اس کے لئے دو ہزار روپے کی مچھری دی ہے) تو انکو یہ روٹی بھی ملنا مشکل ہو جائیگی۔

یہ پوچھنے پر کہ ”جب یہ کام بند ہو جائیگا تب تم کیا کرو گے؟“

انہوں نے کہا—”ہم بھگوان سے پرارتھا کر رہے ہیں کہ اس پاس کوئی دوسرا کام شروع ہو جائے۔“

گلوں میں اسی دن شام کو ایک مندر میں پرارتھا کی گئی۔ وہ پرارتھا اس لئے تھی جس سے کہ بھگوان پرست ہو کر ادھک کام چالو کرا دیں اور پانی برسائے۔ یہ بھی پرارتھا تھی کہ بھوکے مرنے والے بھگوان دوسرے جنم میں سکھی بنائیں۔ پجاری نے مجھے دس گلم کا پرست دیا اور کہا کہ میرا بھائی ان کے سنگ دس گلم کھائے گا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ان گلوں کے غریب بھوکے ہریجنوں کی مدد کے واسطے کیا کیا ہے؟ پجاری کا جواب تھا—”یہ لوگ میں ہی بڑے بدقسمت۔“

یہاں پرست کا اگل پھسے کا اگل ہے کیونکہ ان کو آپ کے پاس پھسے ہو تو آپ ملکی سے جتنا چاہیں اناج خرید سکتے ہیں۔ یہاں کے غریبوں کو اب بھی یہ سوچنا نہیں ہے کہ بھوکے نہیں اکل ہے۔ وہاں کے کلکتہ کا مٹ ہے کہ اگل ہونے کے تمام سماچار چھوٹ ہیں اور مخالف راج کی پارٹیوں کا پروپیگنڈا ہے۔

”لوگ دھیر میں جو ایک استری بھوک سے مر گئی اس کے بارے میں آپ کا کیا مت ہے؟“

गांव के गांव खाखी

गांव के गांव खाखी

जिन लोगों के अनाज का स्टॉक खतम हो गया है वह थकावटपूर्ण अपने घरों से भाग रहे हैं। नौरंगदेसर नाम के गांव में जहां 30 नाइक (हरिजन) जात के परिवार रहते हैं उनमें से 27 परिवार अनाज और काम की तलाश में गांव छोड़ कर जा चुके हैं अपने घूमने के दौरान में हमने तनाम गांवों के घरों को देखा। इनमें एक तरह से ताले लगे थे। यह अपनी भूक कहानी खूद सुना रहे थे, कभी इन गांवों में भी इनसान और इनसान का प्रेम निवास करता था।

50 साला लक्ष्मन अपनी स्त्री और चार भूके बच्चों को लेकर 22 मील पैदल चल कर बीकानेर पहुँचा। रास्ते में वह सब भीक मांगते खाते गए और अन्त में एक सेठ की धर्मशाला के बाहर उन्होंने शरण ली। इस धर्मशाला में हर आदमी को एक पाव बाजरा दान की शक्ति में रोजाना मिलता है।

58 साला चन्नो भी (अपने सबसे छोटे तीन बरस के लड़के के साथ) अपने तीन लड़कों को लेकर घर से निकल पड़ा है और यह लोग अब भीक के सहारे जीते हैं और रेत के बिछौने पर खुले में रहते हैं। इस जगह दिन की गरमी और रात की ठंड से बचाव का कोई साधन नहीं है।

बीकानेर से मामसर गांव रेल से एक घंटे में आदमी पहुँच जाता है। वहाँ बाजरी भी है और पक्के घर भी हैं, वहाँ म्युनिसिपल बाँड भी है, गांव और रेल के स्टेशन के बीच एक मार्ग का रेगिस्तान है। ऊँट गाड़ियों में उस गांव के रईस लोग स्टेशन आते जाते हैं। मंदिरों के पुजारी महंत लोग वहाँ खूब ठाट बाट से रहते हैं।

इस गांव के रईस लोगों को अकाल का कोई ज्ञान तक नहीं है, लेकिन अगर आप हरिजन बस्तियों में जायें तो उनके घरों का अंधेरा और उनके पीठ में धँसे पेट खुद ही अपनी कहानी आपको सुना देंगे आप को पता लगेगा कि इनसान इनसान में कितना फरक है।

पेरूमल के परिवार में वह खुद, उसकी स्त्री, उसके दो बड़े लड़के, उन दोनों की बहूएँ और पेरूमल का एक छोटा लड़का और लड़की हैं। उनके पास 100 एकड़ जमीन है जिसमें दो 2 साल से कोई फसल नहीं हुई है। उसके पास एक ऊँट गाड़ी भी जो उसने बेच दी है। स्त्रियों के पास कोई गहने अब नहीं। पेरूमल ने कहा कि "अगर हम को तन डकने को कपड़ा और दो जून भोजन भी मिल जाय तो बस हम बावसाह हैं।"

जिन लोगों के अनाज का स्टॉक खतम हो गया है वे अधिकतर अपने घरों से भाग रहे हैं। नौरंग देसर नाम के गांव में जहाँ 30 नाइक (हरिजन) जात के परिवार रहते हैं उनमें से 27 परिवार अनाज और काम की तलाश में गांव छोड़ कर जा चुके हैं। अपने घूमने के दौरान में हमने तनाम गांवों के घरों को देखा। इनमें एक तरह से ताले लगे थे। यह अपनी भूक कहानी खूद सुना रहे थे, कभी इन गांवों में भी इनसान और इनसान का प्रेम निवास करता था।

50 साला लक्ष्मन अपनी स्त्री और चार भूके बच्चों को लेकर 22 मील पैदल चल कर बीकानेर पहुँचा। रास्ते में वह सब भीक मांगते खाते गए और अन्त में एक सेठ की धर्मशाला के बाहर उन्होंने शरण ली। इस धर्मशाला में हर आदमी को एक पाव बाजरा दान की शक्ति में रोजाना मिलता है।

58 साला चन्नो भी (अपने सबसे छोटे तीन बरस के लड़के के साथ) अपने तीन लड़कों को लेकर घर से निकल पड़ा है और यह लोग अब भीक के सहारे जीते हैं और रेत के बिछौने पर खुले में रहते हैं। इस जगह दिन की गरमी और रात की ठंड से बचाव का कोई साधन नहीं है।

बीकानेर से मामसर गांव रेल से एक घंटे में आदमी पहुँच जाता है। वहाँ बाजरी भी है और पक्के घर भी हैं, वहाँ म्युनिसिपल बाँड भी है, गांव और रेल के स्टेशन के बीच एक मार्ग का रेगिस्तान है। ऊँट गाड़ियों में उस गांव के रईस लोग स्टेशन आते जाते हैं। मंदिरों के पुजारी महंत लोग वहाँ खूब ठाट बाट से रहते हैं।

इस गांव के रईस लोगों को अकाल का कोई ज्ञान तक नहीं है, लेकिन अगर आप हरिजन बस्तियों में जायें तो उनके घरों का अंधेरा और उनके पीठ में धँसे पेट खुद ही अपनी कहानी आपको सुना देंगे आप को पता लगेगा कि इनसान इनसान में कितना फरक है।

पेरूमल के परिवार में वह खुद, उसकी स्त्री, उसके दो बड़े लड़के, उन दोनों की बहूएँ और पेरूमल का एक छोटा लड़का और लड़की हैं। उनके पास 100 एकड़ जमीन है जिसमें दो 2 साल से कोई फसल नहीं हुई है। उसके पास एक ऊँट गाड़ी भी जो उसने बेच दी है। स्त्रियों के पास कोई गहने अब नहीं। पेरूमल ने कहा कि "अगर हम को तन डकने को कपड़ा और दो जून भोजन भी मिल जाय तो बस हम बावसाह हैं।"

بیکانیر میں بھیکانک اگال

(گھانہلدر پرساد جین)

”اس تارک کب تک دین کاٹوگے؟“ میں نے چننوں سے پوچھا جو کہ بھیکانک میں بھیک مانگ کر آج دن کاٹ رہا ہے۔

سوال کو سن کر سنبھلے ہوئے کی کلہاڑی جھلک اُس کے چہرے پر کھل گئی۔ ”میں آج کھڑا ہوں، واپس لوٹ رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”میں آج کھڑا ہوں، واپس لوٹ رہا ہوں۔“

بھیکانک کی ساری سبھی اور بھیکانک کا بیکار دیکھ کر دل میں اچھل پھل رہتا ہے۔ 14 سال کی آبادی کے اس علاقے میں دو لاکھ گاؤں والے خطرناک اگال کے ساتھ میں پھنسے ہیں۔

ان ساری باتوں کی آوازوں میں آپ کو ایک فکریں کی بات سنائی دے گی جو آپ کے دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ اگال کے چہرے کو دیکھ کر آپ کو پتہ لگے گا کہ یہ کتنے ہی اگال ہیں! یہ کتنے ہی اگال ہیں! یہ کتنے ہی اگال ہیں!

ریگستان کے اس لمبے چوڑے کھلے علاقے میں آپ کو ایک فکریں کی بات سنائی دے گی جو آپ کے دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ اگال کے چہرے کو دیکھ کر آپ کو پتہ لگے گا کہ یہ کتنے ہی اگال ہیں! یہ کتنے ہی اگال ہیں! یہ کتنے ہی اگال ہیں!

بھیکانک میں سال میں ایک بار فصل ہوتی ہے اور یہ فصل بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں کے لوگ بھیک مانگتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بھیک مانگتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بھیک مانگتے ہیں!

1951 میں فصل خراب ہو گئی تھی، 1952 میں جو فصل خراب ہوئی تھی اسے نکالنا صاف کر دیا گیا۔ سن 50 کی فصل کا جو بچا ہوا اسٹاک تھا وہ اب قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔ دو ماہ سے بھیکانک کے لوگ ”بھیک“ نام کا بھیک مانگ رہے ہیں۔ یہ بھیکانک کے لوگ ہیں جو کہ یہ بھیکانک کے لوگ ہیں جو کہ یہ بھیکانک کے لوگ ہیں!

رہتی ہیں، وہ یہاں کے بولے بالے किसानों पर बड़े बड़े ट्रैक्टर वगैरہ ऐसे औजार लादना चाहते हैं, जो मनुष्य और जानवर दोनों को बेकार करने वाले हैं. उनका यहां की परिस्थितियों से कोई मेल नहीं खाता. जिनको न वह चला सकता है, न बना सकता है और न खिगड़ने पर सुधार ही सकता है. इसके अलावा आर्थिक नजर से भी किसान की पहुंच से बाहर है.

ऐसे औजार अगर हम भारती किसान के जीवन में पहुँचाते हैं या पहुँचने देते हैं तो उस पर आर्थिक बोझा तो लावते ही हैं और बहुत हद तक उसे दूसरों पर निर्भर बना कर उसकी आजादी का अपहरण भी करते हैं.

इस मुसीबत से किसानों का बचाने की जवाबदारी रचनात्मक कारकर्ताओं पर है. कई लोग हमारे विचारों को न समझ कर हम पर इलजाम भी लगाते हैं उन सब दोस्तों को जो भारतो किसान को लाखों करोड़ों (मनुष्य और जानवर जैसी) जीती जागती मशीनों को छोड़ यंत्रों की भयानक दावों में फंसा कर चौपट करना चाहते हैं उन्हें सोचना चाहिये कि हमारी खेती आज छोटे छोटे सैकड़ों हज़ारों टुकड़ों में बटी हुई है जब तक उसका सामुहीकरण नहीं होता तब तक खेती में मशीनों का इस्तेमाल नहीं किया जा सकता इसलिये ऐसे लोगों से हमारी अपेक्षा है कि किलहाल किसान को कल कांटों की बाहरी गलामी से बचा कर उसके गांवों की जानी पहचानी कारीगरी के जरिये पुराने औजारों को ही ज़ियादा कारगर बनाने में हमारा हाथ बटाना चाहिये चूंकि मौजूदा हालत में भारती खेती का पुराना तरीका ही हमारे सर्वथा माफ़क है उसमें खेती के काम के साथ साथ दूसरी तरह के ऐसे धन्दे भी किसान के हाथ में रहते हैं जो खाली समय में उसे बेकारी से बचाते हैं.

भारती खेती के पुराने औजारों में ही कुछ हेर फेर कर के उन्हें ज़ियादा काम में लाने और खुद बनाने की तरफ हमारी सारी कोशिश होनी चाहिये.

याद रहे कि इसी क्रिसम की एक कोशिश अखिल भारत सर्व सेवा संघ के कृषि गो सेवा विभाग की तरफ से की जा रही है जो कारकर्ताओं की जानकारी के लिये पत्र पत्रिकाओं में प्रकाशित किया जा चुका है. साथ ही उन सब माइनों से जो इस दिशा में कोशिश कर रहे हैं, अपील है कि हमारे इस काम में हाथ बटावें.

हमें उम्मीद है कि हर रचनात्मक कारकर्ता इस काम में ज़ियादा से ज़ियादा सहयोग दे कर अपनी ज़िम्मेदारी को निभाने की कोशिश करेगा.

وہی ہیں . وہ یہاں کے بولے بالے کسانوں پر بڑے بڑے ٹریکٹر وغیرہ ایسے اوزار لادنا چاہتے ہیں جو مनुष्य और जानवर दोनों کو बेकार करने वाले हैं. उनका यहां की परिस्थितियों से कोई मेल नहीं खाता. जिनको न वह चला सकता है, न बना सकता है और न खिगड़ने पर सुधार ही सकता है. इसके अलावा आर्थिक नजर से भी किसान की पहुंच से बाहर है.

ऐसे اوزار اگر ہم بھارتی کسان کے جھون میں پہنچاتے ہیں یا پہنچانے دیتے ہیں تو اُس پر آرتھک بوجھ تو لگتا ہی ہے اور بہت حد تک اُسے دوسروں پر نرہر ہذا کر اُسکی آزادی کا ابھرن بھی کرتے ہیں .

اس مصہبت سے کسانوں کو بچانے کی جواب داری دچھانک کارکرتاؤں پر ہے . کئی لوگ ہمارے دچھاؤں کو نہ سمجھ کر ہم پر الزام بھی لگاتے ہیں. اُن سب دوستوں کو جو بھارتی کسان کو لائیں کروڑوں (منشہہ اور جانور جیسی) جھتی جائگے مشہلوں کو چھوڑ پلندروں کی بھانک داؤدوں میں پھنسا کر چوریت کرنا چاہتے ہیں . انہوں نے چھٹا چھٹا کہ ہماری کھیتی آج چھوڑتے چھوڑتے سہکڑوں ہزاروں ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے . جب تک اُس کا ساموہی کن نہیں ہوتا تب تک کھیتی میں مشہلوں کا استعمال نہیں کیا جا سکتا . اس لئے ایسے لوگوں سے ہماری عرض ہے کہ فی الحال کسان کو کل کانٹوں کی باہری غلامی سے بچا کر اُس کے گاؤں کی چائی پہنچانی کاریگری کے ذریعہ پرانے اوزاروں کو ہی زیادہ کارگر بنانے میں ہمارا ہاتھ بٹانا چاہئے . چونکہ موجودہ حالت میں بھارتی کھیتی کا پرانا طریقہ ہی ہمارے ضرورتی موافق ہے . اس میں کھیتی کے کام کے ساتھ ساتھ دوسری طرح کے ایسے دھندے بھی کسان کے ہاتھ میں رہتے ہیں جو خالی سم میں اُسے بھکاری سے بچاتے ہیں .

بھارتی کھیتی کے پرانے اوزاروں میں ہی کچھ ہور ہور کر کے انہوں زیادہ کام میں لانے اور خود بنانے کی طرف ہماری ساری کوشش ہونی چاہئے .

یاد رہے کہ اسی قسم کی ایک کوشش انہل بھارت سرو سروا سنگھ کے کوشی کو سروا دھاک کی طرف سے کی جا رہی ہے جو کارکرتاؤں کی جان کاری کے لئے پتھر پتھرگوں میں پرکاشت کیا جا چکا ہے . ساتھ ہی اُن سب بھائیوں سے جو اس دشا میں کوشش دے رہے ہیں، اپیل ہے کہ ہمارے اس کام میں ہاتھ بٹاویں .

میں اُمید ہے کہ ہر دچھانک کارکرتا اِس کم میں زیادہ سے زیادہ سہدگ دے کر اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کرے گا .

खेतीबारी के औजार—एक समस्या

(चन्द्रमा सिंह वर्मा)

आज खियादा अनाज पैदा करो का जमाना है. यही एक बात सब की आवाज पर है. सभी कहते हैं कि अनाज की समस्या सुलझे बगैर देश आगे नहीं बढ़ेगा, लेकिन खियादा अनाज पैदा करने के साधन धरती और किसान दोनों ही जर जर हो गये हैं उनकी हालत शोचनीय है. जिस तरह धरती कुछ मुट्ठी भर लोगों के हाथ में चली गई है, उसी तरह किसान भी दूसरों का मुहताज हो गया है. वह भूका नंगा रह कर भी अपनी आप दिन की गाड़ी कमाई दूसरों को सौंप देता है या उससे छीन ली जाती है. वह साधन हीन हो गया है. अगर यही हालत रही तो खियादा अनाज पैदा करो की बात तो अलग रही, उल्टे देश तबाह हो जायगा.

इसलिये रचनात्मक संस्थाओं का ध्यान भूमि समस्या के साथ साथ किसान की दूसरी उलझनों को सुलझाने की तरफ भी जाना चाहिये आज किसान के अधूरे जीवन को सम्पूर्ण बनाने में ही भारत का सर्वोदय है, ऐसा मान कर चलना चाहिये.

आज भारत की खेती में जहां अच्छे बीज, खाद, सिंचाई बगैरा की जरूरत है वहां अच्छे औजारों की भी सख्त जरूरत है. जिस तरह हमने चरखा बगैरा ग्रामोद्योगों के दूसरे पहलुओं को सोच समझ कर नहीं नई तबदीलियां कर के उन्हें खियादा अच्छा बना कर जनता की सेवा की है, उसी तरह खेती बारी के औजारों में भी कुछ सुधार होना लाजमी है.

पुराने जमाने से चलते आए औजारों पर आधार रख कर चलने से आज की समस्या हल नहीं हो सकती उनमें कुछ ऐसे बुनियादी सुधारों की जरूरत है जो खियादा से खियादा काम दे सकें. लेकिन ऐसे औजार किसान के बूते से बाहर के न हों जिन्हें वह गांव के बड़ई लुहार की मदद से अपने आस पास की साधन सामग्री लेकर गांव में ही बना वा सुधार सके. ऐसा करने में एक बड़ा फायदा यह है कि उसे शहर या किसी बाहरी मेकेनिक का मुंह नहीं ताकना पड़ेगा. वह अपने क्षेत्र में ही स्वावलंबी बना रहेगा.

ध्यान रहे कि इस दिशा में सरकार की तरफ से कुछ ऐसे लोग भी लगे हैं जिनके दिमाग, मेस, भूसा आस और रहन-सहन का डंग यहां का नहीं है जो यहां के किसान की हैसियत से नहीं सोचते. जिनके विचारों में हस व अमरीका की बड़ी बड़ी स्कीमें चक्कर काटती

कृषि बारी के औजार—एक समस्या

(चन्द्रमा सिंह वर्मा)

आज खियादा अनाज पैदा करो का जमाना है. सभी कहते हैं कि अनाज की समस्या सुलझे बगैर देश आगे नहीं बढ़ेगा, लेकिन खियादा अनाज पैदा करने के साधन धरती और किसान दोनों ही जर जर हो गये हैं उनकी हालत शोचनीय है. जिस तरह धरती कुछ मुट्ठी भर लोगों के हाथ में चली गई है, उसी तरह किसान भी दूसरों का मुहताज हो गया है. वह भूका नंगा रह कर भी अपनी आप दिन की गाड़ी कमाई दूसरों को सौंप देता है या उससे छीन ली जाती है. वह साधन हीन हो गया है. अगर यही हालत रही तो खियादा अनाज पैदा करो की बात तो अलग रही, उल्टे देश तबाह हो जायगा.

इस लक्ष्य के लिए हमें किसानों के साधनों का ध्यान भूमि समस्या के साथ साथ किसान की दूसरी उलझनों को सुलझाने की तरफ भी जाना चाहिये. आज किसान के अधूरे जीवन को सम्पूर्ण बनाने में ही भारत का सर्वोदय है, ऐसा मान कर चलना चाहिये.

आज भारत की खेती में जहां अच्छे बीज, खाद, सिंचाई बगैरा की जरूरत है वहां अच्छे औजारों की भी सख्त जरूरत है. जिस तरह हमने चरखा बगैरा ग्रामोद्योगों के दूसरे पहलुओं को सोच समझ कर नहीं नई तबदीलियां कर के उन्हें खियादा अच्छा बना कर जनता की सेवा की है, उसी तरह खेती बारी के औजारों में भी कुछ सुधार होना लाजमी है. पुराने जमाने से चलते आए औजारों पर आधार रख कर चलने से आज की समस्या हल नहीं हो सकती उनमें कुछ ऐसे बुनियादी सुधारों की जरूरत है जो खियादा से खियादा काम दे सकें. लेकिन ऐसे औजार किसान के बूते से बाहर के न हों जिन्हें वह गांव के बड़ई लुहार की मदद से अपने आस पास की साधन सामग्री लेकर गांव में ही बना वा सुधार सके. ऐसा करने में एक बड़ा फायदा यह है कि उसे शहर या किसी बाहरी मेकेनिक का मुंह नहीं ताकना पड़ेगा. वह अपने क्षेत्र में ही स्वावलंबी बना रहेगा.

ध्यान रहे कि इस दिशा में सरकार की तरफ से कुछ ऐसे लोग भी लगे हैं जिनके दिमाग, मेस, भूसा आस और रहन-सहन का डंग यहां का नहीं है जो यहां के किसान की हैसियत से नहीं सोचते. जिनके विचारों में हस व अमरीका की बड़ी बड़ी स्कीमें चक्कर काटती

मुद्राबला करेंगे तो अहिंसा से यानी सत्याग्रह और असह-योग से. सत्याग्रही सिपाही के लिये खादी ही एक बाना है.

हमारे प्रधान मंत्री की बहुत बड़ी कोशिश है कि अमरीका और रूस से अलग दुनिया के अन्तर एक 'तीसरा इलाका' बन जाय लेकिन अगर इलाके में कोई ताकत न होगी तो उसकी कौन परबाह करेगा. बिना ताकत का इलाका वैसा ही है जैसे बिना सियाही के कलमदान. सबाल यह है कि इस इलाके में कौन सी ताकत जमा की जा सकती है, यह इलाका क्या खोर दुनिया को दिखा सकता है? अगर वह ताकत या खोर हिंसा के खरिये हुआ तो लाखमी तौर पर खियादा बड़ी हिंसा वाली ताकतों के आगे उसे माथा टेक देना पड़ेगा और वह कहीं का न रहेगा. इस इलाके में बस एक ही खोर कारगर हो सकता है—अहिंसा का, सत्याग्रह का यानी तरक्की पसन्द अहिंसा-त्मक असहयोग का. पंडित नेहरू से हमारी प्रार्थना है कि अगर वह अपने "इलाके" को मजबूत बनाना चाहते हैं तो सत्याग्रही बल से उसे लैस करें.

इस तरह हम देखते हैं कि खादी के बारे में प्रधान मंत्री ने जो चार बातें कहीं वह सब की सब खादी के खिलाफ और मिल या बड़े कारोबार के माफिक रहें. इससे हर कोई इस नतीजे पर पहुंचे बिना नहीं रह सकता कि सरकार खादी के साथ खिलवाड़ कर रही है और जो कुछ कर रही है वह खादी के जन्म दाता को नाम के वास्ते बढ़ावा देने या दिखावे के लिये. लेकिन इस तरह वह कब तक जनता की आंखों में धूल भोंकती रहेगी?

खादी बोर्ड वालों से

आखिर में हमारा सरकारी खादी बोर्ड के बुझुरगों से भी एक निवेदन है हम जानते हैं कि ऊपर जो कुछ हमने कहा है व नसे वह सहमत होंगे और खादी की गहराई को वह हम से कहीं खियादा समझते हैं. हमें यकीन है कि वह अपने बोर्ड की आगे की नीति सरकार के सामने बिल्कुल साफ कर लेंगे और खादी का जो असली मकसद है उसके पूरा करने में एक कदम भी पीछे नहीं हटेंगे. साथ ही साथ हमें यह भी कहना है कि बोर्ड की पहली बैठक में इसके प्रधान ने जो स्पीच दी जिसमें—जैसा कि 21 फरवरी के 'हरिजन' पत्रों में छपी है—उन्होंने कहा कि यह बोर्ड सलाह और खोज या रिसर्च का काम करेगा, उस तरीके से यह बोर्ड इकमत की नीति में खरा भी बुनियादी तबदीली नहीं करा पायगा और हमें डर है कि खादी के कारज को फायदे के बजाय मुकसान पहुंचाएगा. इसलिये बोर्ड को बहुत एहतियात और दूरन्देशी से चलना पड़ेगा. हम उसके कारनामों को बड़े चाव व ध्यान के साथ देखा समझा करेंगे.

—सुरेश रामभाई

مقابلہ کہیں کے تو اھلسا سے یعنی سٹھانہ اور اسپرک سے . سٹھا کر ہی سواھی کے لئے کھادی ہی ایک بانا ہے . ہمارے پردھان منتری کی بہت بڑی کوشش ہے کہ امریکہ اور روس سے الگ دنیا کے اندر ایک "تیسرا علاقہ" بن جائے . لیکن اگر علاقے میں کوئی طاقت نہ ہوگی تو اُسکی کون پرواہ کرے گا . بلا طاقت کا علاقہ ویسا ہی ہے جیسے بلا سواھی کے قلمدان . سوال یہ ہے کہ اس علاقے میں کون سی طاقت جمع کی جا سکتی ہے ' یہ علاقہ کہا زور دنیا کو دکھا سکتا ہے ؟ اگر وہ طاقت یا زور ہلسا کے فوہیمہ ہوا تو اسی طور پر زیادہ بڑی ہلسا والی طاقتوں کے آگے اُسے ماتوا ٹوک دینا پوے گا اور وہ کہیں کا نہ رہے گا . اس علاقے میں بس ایک ہی زور کارگر ہو سکتا ہے—اھلسا کا ' سٹھانہ کا یہی لڑکی پسند اھلساتمک اسپرک کا . بلڈت نہرو سے ہماری پرازنہا ہے کہ اگر وہ اپنی "علاقہ" کو مضبوط بنانا چاہتے ہوں تو سٹھانہ ہی بل سے اُسے لیس کریں .

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کھادی کے بارے میں پردھان منتری نے جو چار باتیں کہیں وہ سب کی سب کھادی کے خلاف اور مل یا بڑے کاروبار کے موافق رہیں . اس سے ہر کوئی اس فٹہج پر پہونچے بلا نہیں رہ سکتا کہ سرکار کھادی کے ساتھ کھلموڑ کر رہی ہے اور جو کچھ کر رہی ہے وہ کھادی کے جلم دان دو نام کے واسطے چوہاوا دیلنے یا دنہاوا کے لئے . لیکن اس طرح وہ کب تک چلتا کی آنکھوں میں دھول چھونکتی رہے گی .

کھادی بورڈ والوں سے

آخر میں ہمارا سرکاری کھادی بورڈ کے بزرگوں سے بھی ایک نو دین ہے . ہم جانتے ہیں کہ اوپر جو کچھ ہم نے کہا ہے اُس سے وہ سمجھتے ہونگے اور کھادی کی کھائی کو وہ ہم سے کہیں زیادہ سمجھتے ہوں . ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے بورڈ کی آگے کی لڑکی سرکار کے سامنے بالکل صاف گو لیں گے اور کھادی کا جو اصلی مقصد ہے اُس کے پورا کرنے میں ایک قدم بھی پہونچے نہیں ہٹیں گے . ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی نہیں ہٹتا کہ بورڈ کی پہلی ہمتیک میں اس کے پردھان نے جو اسپرک دی جس میں—جیسا کہ 21 فروری کے 'ہریجن' پترچوں میں چھپی ہے—اُنہوں نے کہا کہ یہ بورڈ صلاح اور کھوج یا رسرچ کا نام کرے گا ' اُس طریقے سے یہ بورڈ حکومت کی لڑکی میں ڈرا بھی بلھادی تبدیلی نہیں کرا پائے گا اور ہمیں ڈر ہے کہ کھادی کے کارج کو فائدے کے بجائے نقصان پہونچائے گا . اس لئے بورڈ کو بہت احتیاط اور دوراندیشی سے چلنے پوے گا ہم اُس کے کاربوں کو بڑے چار و دھیمان کے ساتھ دیکھا سمجھا لیں گے .

—سوریش رام بھائی

سرکاری مدد

پرمیان ملتی کا یہ کہا کہ اگر کھادی سرکاری مدد کا سہارا لیتی تو وہ اپنے بدوں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ سوال ہے کہ مصمم ہاں ہے۔ لیکن کیا ہم بوجھ سکتے ہیں کہ کون ایسا دروازہ جو آج اپنے بدوں پر کھڑا ہو؟ اگر سرکار انہیں مدد دے سکتی ہے تو اور سہجے نا سہجے ہاتھ بٹا سکتی ہے تو کھادی کو نہیں نہیں! لیکن کھادی کا ہر پریمی قبول کرے گا کہ سرکاری مدد سے کھادی کو سچی مدد نہیں پہنچ سکتی۔ حال ہی میں ایک سرکاری مدد کے ذریعے کھادی کا دام روپے پچھڑے لیکن اے کہ ہو گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ آج جو دیہی و دیہی طاقتوں یا حکومتیں ہندستان کی مدد کو تیار ہیں ان کے بل پر کھادی کا دام ادا یا چوڑھائی بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے کھادی جھلے والی نہیں ہے۔

کھادی اپنے پیراں پر تہی خدٰی ہو سکتی ہے جب حکومت اپنے پیراں پر خدٰی ہو اگر حکومت خود بڑے کاروبار کا رونا بپا کرے اور پھلے گی۔ اور حکومت اپنے بدوں پر نہیں کھڑی ہو سکتی ہے جب وہ سرکاری قلمک کے انتظام اور ہوی ہوی ملوں، کارخانوں اور جنگی ہتھیاروں پر فوجوں وغیرہ کا استعمال چھوڑ دے ہمیشہ کے لئے ترک کر دے اور سہواً بل یا ہریم بل کو دھن بل یا بشو بل سے اوسچی جگہ دے اور قبول کرے۔ حکومت اپنے بدوں پر کھڑی ہو کھادی بھی فوراً بھڑی ہو جائے گی۔

کھادی اور فوج

اپنی کھادی اور انوکھی ہوشا میں ہمارے پردھان ملتی کھادی کو آزادی کا بانا کہا کرتے تھے۔ پر آج وہ خود سے فوج کے لئے نامناسب ہتاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آزادی کے بعد کھادی کا سماں پہلو ختم ہو گیا۔ جو فوج اہلسا کے راستے سے چل کر اپنی منزل کو پہنچتی اس کے ساتھ سالار کے ایسے دچن سن نو کون دنگ نہیں رہ جائے گا۔ اگر 14 اگست 1947 تک کھادی آزادی کا بانا تھا تو آج وہ اس سے بومکر ہاتا ہے اور دن دن اسکی اہمیت بڑھتی ہے۔ کھادیکہ مل کا ڈیڑا پہلے اور ولانوں میں بلے ہتھیار تھامے ہمارے سماں امریکہ پر نہیں یا روس کے ہم نے لئے چارے کے سوالہ کچھ نہیں۔ ہم فعلی ہی فوجیں نہیں نہ کھڑی کر لیں ہم ہلسا سے کھدی بھی مقابلہ نہیں کر سکتے کہ دیہی طاقتوں کا یہ ہمارا ساوا فوجی آڈیٹر دہوے کا دھا ہے جس سے ہمارے کونی طاقت قزاقی ہے نہ کھداتی ہے۔

ہم نے آزادی اہلسا کے راستے پر چل کر لی۔ ہم آزادی اہلسا کے راستے پر ہی قائم رہ سکتے۔ دشمنی کا

سرکاری مدد

پرمیان ملتی کا یہ کہا کہ اگر کھادی سرکاری مدد کا سہارا لیتی تو وہ اپنے بدوں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ سوال ہے کہ مصمم ہاں ہے۔ لیکن کیا ہم بوجھ سکتے ہیں کہ کون ایسا دروازہ جو آج اپنے بدوں پر کھڑا ہو؟ اگر سرکار انہیں مدد دے سکتی ہے تو اور سہجے نا سہجے ہاتھ بٹا سکتی ہے تو کھادی کو نہیں نہیں! لیکن کھادی کا ہر پریمی قبول کرے گا کہ سرکاری مدد سے کھادی کو سچی مدد نہیں پہنچ سکتی۔ حال ہی میں ایک سرکاری مدد کے ذریعے کھادی کا دام روپے پچھڑے لیکن اے کہ ہو گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ آج جو دیہی و دیہی طاقتوں یا حکومتیں ہندستان کی مدد کو تیار ہیں ان کے بل پر کھادی کا دام ادا یا چوڑھائی بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے کھادی جھلے والی نہیں ہے۔

کھادی اپنے پیراں پر تہی خدٰی ہو سکتی ہے جب حکومت اپنے پیراں پر خدٰی ہو اگر حکومت خود بڑے کاروبار کا رونا بپا کرے اور پھلے گی۔ اور حکومت اپنے بدوں پر نہیں کھڑی ہو سکتی ہے جب وہ سرکاری قلمک کے انتظام اور ہوی ہوی ملوں، کارخانوں اور جنگی ہتھیاروں پر فوجوں وغیرہ کا استعمال چھوڑ دے ہمیشہ کے لئے ترک کر دے اور سہواً بل یا ہریم بل کو دھن بل یا بشو بل سے اوسچی جگہ دے اور قبول کرے۔ حکومت اپنے بدوں پر کھڑی ہو کھادی بھی فوراً بھڑی ہو جائے گی۔

کھادی اور فوج

اپنی کھادی اور انوکھی ہوشا میں ہمارے پردھان ملتی کھادی کو آزادی کا بانا کہا کرتے تھے۔ پر آج وہ خود سے فوج کے لئے نامناسب ہتاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آزادی کے بعد کھادی کا سماں پہلو ختم ہو گیا۔ جو فوج اہلسا کے راستے سے چل کر اپنی منزل کو پہنچتی اس کے ساتھ سالار کے ایسے دچن سن نو کون دنگ نہیں رہ جائے گا۔ اگر 14 اگست 1947 تک کھادی آزادی کا بانا تھا تو آج وہ اس سے بومکر ہاتا ہے اور دن دن اسکی اہمیت بڑھتی ہے۔ کھادیکہ مل کا ڈیڑا پہلے اور ولانوں میں بلے ہتھیار تھامے ہمارے سماں امریکہ پر نہیں یا روس کے ہم نے لئے چارے کے سوالہ کچھ نہیں۔ ہم فعلی ہی فوجیں نہیں نہ کھڑی کر لیں ہم ہلسا سے کھدی بھی مقابلہ نہیں کر سکتے کہ دیہی طاقتوں کا یہ ہمارا ساوا فوجی آڈیٹر دہوے کا دھا ہے جس سے ہمارے کونی طاقت قزاقی ہے نہ کھداتی ہے۔

ہم نے آزادی اہلسا کے راستے پر چل کر لی۔ ہم آزادی اہلسا کے راستے پر ہی قائم رہ سکتے۔ دشمنی کا

खादी की अन्दरूनी ताकत

کھادی کی اندرونی طاقت

प्रधान मंत्री की बातों से ऐसा लगता है कि मानो बड़े कारोबार में निजी अन्दरूनी ताकत हो और वह बिना सरकारी मदद के ही सहारे खिन्दा हैं। पंडित जवाहरलाल जैसे क्रांतिलु इतिहास کار और राज नेता के मुंह से ऐसे शब्द सुन کر बड़ा ताजुब और दुख होता है। कौन नहीं जानता कि बड़े कारोबार को सरकारी सहारे की जितनी जरूरत रहती है उतनी किसी दूसरे चीज को नहीं। पिछले इतिहास को जाने दीजिये। आज क्या शकल है। क्या सरकार देश के लोहे, कोयले, पदसन, चाय, कपड़े, चानी, वास्तविकी बौरा के कारखानों को शुरू से आखीर तक, यानी कच्चे माल से लेकर पक्के माल की बिक्री तक मदद नहीं दे रही है। पंडित नेहरू अगर यह बातें नहीं जानते तो फिर दूसरा कौन जान सकता है? और न पंडित जी को यह बतलाने की जरूरत है कि अगर उनकी सरकार आज भी बड़े कारोबार और छोटे बन्दे, दोनों को मैदान में खुला छोड़ कर बेलगम शकल इस्तीथार करे, तो बड़े कारखाने सहज ही में चारों खाने चित्त गिरेंगे और न पंडित जी को यह बतलाने की जरूरत है कि अमरीका, इंगलैन्ड, और रूस की तरह आज कल हकूमत या सरकार बड़े कारोबार के हाथ की कठपुतली होती है न कि एक सार सुखतार, आजाद और समदर्शी। हकूमत, बड़े कारोबार और सरकार में जहां देखिये दांत काटे का रोटी है, दोनों का बोली वामन का साथ है। सब पूछिये तो आज इन्तजाम हकूमत के माने हैं—बड़े कारोबार को चलाने वाला एक कानूनी इन्तजाम। यही नहीं, हकूमत खुद एक बड़ा कारोबार बन बैठी है जो दूसरे बड़े कारोबार के ऊपर सुनहरा है।

जब हकूमत और ब्योपार में इस तरह का गठबन्धन हो तो कहा जगह है खादी की? ऐसा सूरत में खादी के पनपने की उम्माद करना वैसा ही बेकार है जैसे फरिया और रानीगंज की खानों में गुलाब क फूल का उम्माद करना।

वह जमाने लड़ गए जब कोई बन्दा अपनी अन्दरूनी ताकत से अपने आप फल फूल सकता था। वह जमाने लड़ गये जब राजकाज और अर्थनाति अलग अलग की जा सकती थी। आज राजनीति और अर्थनीति में भेद ही नहीं रह गया है। इसलिये अन्दरूनी ताकत का सवाल ठठाना दूसरों की आखों में धूल फेंकना है। फिर भी खादी में अपना खासियत जरूर है जो इतने बिरोधी वातावरन होने पर भी खिन्दा है। वरना वह कब की खतम हो गई होती। विदेशी अ-रेका सरकार और स्वदेशी पूजा पतिया कानरेख सरकार ने उसे मिटान में कोई कदम उठा नहीं किया—केवल वह मरी नहीं, यह बरकत किस की है?

ہودمان، ملکی کی باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ مانو بڑے کاروبار میں نجی اندرونی طاقت ہو اور وہ بلا سرکاری مدد کے ہی سہارے زندہ ہیں۔ پندت جواہر لال جیسے قابل التباس کار اور راج नेता کے منہ سے ایسے شبد سنی کر ہوا تعجب اور دکھ ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ بڑے کاروبار کو سرکاری سہارے کی جتنی ضرورت ملتی ہے اتنی کسی دوسرے چیز کو نہیں۔ پچھلے التباس کو جانے دیجئے۔ آج کیا شکل ہے۔ کیا سرکار دیش کے لوہے، کوئلے، پتیس، چائے، کپڑے، چٹائی، پدسیتی وغیرہ کے کارخانوں کو شروع سے آخر تک، یعنی کچھ مال سے لے کر پکے مال کی بکری تک، مدد نہیں دے رہی ہے۔ طاقت نہیں اگر یہ باتیں نہیں جانتے تو پھر دوسرا کون جان سکتا ہے؟ اور نہ طاقت جی کو یہ بتائے کی صورت ہے کہ اگر اُن کی سرکار آج بھی بڑے کاروبار اور چھوٹے بندے، دونوں کو میدان میں کھلا چھوڑ کر بھاگ بھل اختیار کرے، تو بڑے کارخانے بھی مر جاتے ہیں۔ چاروں حالت چت کرینگے اور نہ طاقت جی کو یہ بتائے کی ضرورت ہے کہ امریکہ، انگلینڈ اور روس کی طرح آج کل حکومت یا سرکار بڑے کاروبار کے ہاتھ کی نگہبالی ہوتی ہے، نہ کہ ایک خود مختار آزاد اور سمدرشی۔ حکومت، بڑے کاروبار اور سرکار میں جہاں دیکھتے دانت کانٹے کی روٹی ہے، دوسروں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ سچ ہوچکے تو آج انتظام حکومت کے معنی ہوں—بڑے کاروبار کو چلانے والا ایک قانونی انتظام۔ یہی نہیں، حکومت خود ایک بڑا کاروبار بن چکی ہے جو دوسرے بڑے کاروبار کے اوپر ملحقہ ہے۔

جب حکومت اور کاروبار میں اس طرح کا لگہ بدم ہو تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ ایسی صورت میں کھادی کے پھلنے کی امید۔ اب ویسا ہی ہوکر ہے جیسے جہریا رانی گنج کی دھابوں میں گلاب کے پھول کی امید کرنا۔

وہ زمانے لڈ گئے جب دولی دھندا اپنی اندرونی طاقت سے آپ بیل بیل سکتا تھا۔ وہ زمانے لڈ گئے جب راج کاج اور ارقہ بھی ایک ایک کی جا سکتی تھی۔ آج راج نہتی اور ارقہ بھی میں بھد ہی نہیں رہ گیا ہے۔ اس نئے اندرونی طاقت کا سوال اٹھانا دوسروں کی آنکھوں میں دھول چھونکنا ہے۔ پھر بھی کھادی میں اپنی خاصیت ضرور ہے جو اندر درودھی واناوون ہونے پر بھی زندہ ہے۔ رونہ وہ لب کی ختم ہو گئی ہوئی۔ ویدیگی انگریزی سرکار و روسی پونتی پتیا کانگریس سرکار نے اسے مٹانے میں کوئی قدم اٹھا نہیں دیا—لیکن وہ مری نہیں، یہ برکت کس کی ہے؟

کے ساتھ ہونے کے راستے پر چل کر جی سکتے ہیں۔ اس کے خلاف چھوٹے دھندوں کے لئے وینڈری کون یعنی غیر مرکزیت اور غیر فوجیائی کی ضرورت ہے۔ بہت تھوڑی سی پونجی سے ہی وہ شروع کیے جاسکتے ہیں اور مقامی اوزاروں یا سامان کی مدد سے چلائے جاسکتے ہیں۔ ان کی ایک اہلی قدرتی شان اور جگہ ہوتی ہے۔ یہ، اہمیت ہوتے کاروبار کو بہت سا ہونے پر سکتا ہے لیکن دیہاتی دھندے کو نہیں۔ اس طرح دونوں میں زمین آمدن کا فرق ہے۔

اب سوال ہے ان دونوں کے ملنے کا سمجھ میں تو یہی بات آتی ہے کہ جب ان دونوں میں اتنا زیادہ فرق ہے تو ملنے کی گنجائش بہت تھوڑی ہے یا ہے ہی نہیں؟ پر ہمیں نہ بڑے کاروبار کا موہ ہے اور نہ چھوٹے دھندے کا۔ ہمارے سامنے تو بس ایک ہی چیز ہے انسان اور اس کی بہتری۔ اس لئے جو مشین انسان کی روزی چھون کر آئے پودوں پر ہلکے اور بھرا رکھے وہ نکمی جو آئے روزی سے لگائے اور اس نے کلمہ کو پالے وہ بھلی۔ اس لئے ہندوستان میں انہیں بڑے بڑے کاروباروں کے لئے جگہ مل سکتی ہے جو ہمارے انہوں کروروں کو اپنا ہی نہیں بنا دیتے۔ یہاں ہمیں دھندے پر توجہ دے کر اسے زیادہ آدھ میں جو انہوں نے کوئی مسرت روپوشانہ تھانے کے ایک ساودھانی بھرے لکھ کے جواب میں کہہ تے :-

”میں دیکھا ہے کہ کئی مریضوں کو کبیر کے بھجن سے آرام نہیں ہونچایا جاسکتا۔ ہمارے میں بھونکی چلتا کو بس ایک سوٹ چاہئے۔ جان دار خوراک اور یہ خوراک انہیں نہیں دی جاسکتی، انہیں خون کمانی ہوگی اور کمانے کے لئے انہیں اپنا خون پسٹھا چوٹی سے ایڑی تک بہانا ہوگا۔“

پسٹھا بہانے کے لئے کام ملنا چاہئے۔ پر ہمارے دھندے میں بڑی مہاشی میں اس کام کو ہی جینے لے رہی ہیں اور اسلئے تباہی بڑا رہی ہیں اس سے ساف ہے کہ جب تک دھندے میں وہ روتھگاری اور راریا کی آواز جیسی ڈاکٹ ہے تب تک جانے، کپڑے اور مکان سے نانا رکھنے والے سب کام تمام بھونگوں کے گریبے چلائے جائیں۔ اور ہر سب سے سمبندھ رکھنے والی کوئی چیز نہ مہاشی پر بنے اور نہ باہر سے لائی جائے۔ سرکار چاہے تو ریلے رکھے ڈیلی-کون یا ہر گز بھلا، دربار کے کارخانے رکھے لیکن کپڑے بناسپتی، تیل، چینی، برار کے کارخانوں، انماج پیسنے، بن کھڑنے برار کی بیللی سے چلنے والی بیللیوں کے لکھے اس بھت ہمارے یہاں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے۔ اسلئے ہمارا ماننا ہے کہ آج کی ہماری حالت میں بڑے بھونگوں اور بڑے دھندے کا میلان تہی ہو سکتا ہے جب ان کے گریبے بھلا بائد دیے جائیں۔

اب سوال ہے ان دونوں کے ملنے کا سمجھ میں تو یہی بات آتی ہے کہ جب ان دونوں میں اتنا زیادہ فرق ہے تو ملنے کی گنجائش بہت تھوڑی ہے یا ہے ہی نہیں؟ پر ہمیں نہ بڑے کاروبار کا موہ ہے اور نہ چھوٹے دھندے کا۔ ہمارے سامنے تو بس ایک ہی چیز ہے انسان اور اس کی بہتری۔ اس لئے جو مشین انسان کی روزی چھون کر آئے پودوں پر ہلکے اور بھرا رکھے وہ نکمی جو آئے روزی سے لگائے اور اس نے کلمہ کو پالے وہ بھلی۔ اس لئے ہندوستان میں انہیں بڑے بڑے کاروباروں کے لئے جگہ مل سکتی ہے جو ہمارے انہوں کروروں کو اپنا ہی نہیں بنا دیتے۔ یہاں ہمیں دھندے پر توجہ دے کر اسے زیادہ آدھ میں جو انہوں نے کوئی مسرت روپوشانہ تھانے کے ایک ساودھانی بھرے لکھ کے جواب میں کہہ تے :-

”میں دیکھا ہے کہ کئی مریضوں کو کبیر کے بھجن سے آرام نہیں ہونچایا جاسکتا۔ ہمارے میں بھونکی چلتا کو بس ایک سوٹ چاہئے۔ جان دار خوراک اور یہ خوراک انہیں نہیں دی جاسکتی، انہیں خون کمانی ہوگی اور کمانے کے لئے انہیں اپنا خون پسٹھا چوٹی سے ایڑی تک بہانا ہوگا۔“

پسٹھا بہانے کے لئے کام ملنا چاہئے۔ پر ہمارے دھندے میں بڑی مہاشی میں اس کام کو ہی جینے لے رہی ہیں اور اسلئے تباہی بڑا رہی ہیں اس سے ساف ہے کہ جب تک دھندے میں وہ روتھگاری اور راریا کی آواز جیسی ڈاکٹ ہے تب تک جانے، کپڑے اور مکان سے نانا رکھنے والے سب کام تمام بھونگوں کے گریبے چلائے جائیں۔ اور ہر سب سے سمبندھ رکھنے والی کوئی چیز نہ مہاشی پر بنے اور نہ باہر سے لائی جائے۔ سرکار چاہے تو ریلے رکھے ڈیلی-کون یا ہر گز بھلا، دربار کے کارخانے رکھے لیکن کپڑے بناسپتی، تیل، چینی، برار کے کارخانوں، انماج پیسنے، بن کھڑنے برار کی بیللی سے چلنے والی بیللیوں کے لکھے اس بھت ہمارے یہاں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے۔ اسلئے ہمارا ماننا ہے کہ آج کی ہماری حالت میں بڑے بھونگوں اور بڑے دھندے کا میلان تہی ہو سکتا ہے جب ان کے گریبے بھلا بائد دیے جائیں۔

खादी बोर्ड, सरकार और खादी

आज हमारे देश में ग्राम उद्योगों की और खास कर खादी और करचा उद्योग की जो दुर्दशा है उसे देख कर और भारत सरकार की माली और उद्योग नीति और दृष्टि की समझ कर हमारे ऊपर यह असर तेज़ी से पड़ रहा है कि अपने इस अभाग्य देश में किसी चीज़ के लिये जगह हो या न हो मगर ग्राम उद्योगों और खास कर खादी के लिये तो कम से कम कोई जगह नहीं है इस सम्बन्ध में जो कुछ शक्य वह उस स्पीच को पढ़ कर और भी दूर हो गए जा हमारे प्रधान मंत्री पंडित जवाहर लाल नेहरू ने पिछली 2 फरवरी को अखिल भारत खादी और ग्राम उद्योग बोर्ड का उद्घाटन करते वक्त्र दी. यह बोर्ड अभी हाल ही में बना है, जिस में श्री सतीशचन्द्र दास गुप्ता (सोनपुर), श्री लक्ष्मी बाबू (मुजफ्फरपुर), विचित्र भाई (यू. पी.), जाजू जी (बधा) और जेराजी नौजी (बम्बई) जैसे पुराने मंजें हुए और चोंटा के रचनात्मक कारकर्ता शामिल हैं. हां, नामो गांधी वादी अर्थ शास्त्रो डाक्टर जे सी. कुमारप्पा का उसमें न होना जरूर खटकता है

प्रधान मंत्री ने अपनी स्पच में जा कुछ कहा उसका निचोड़ यह है:—

(1) बड़े मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में कोई बुनियादी भगड़ा नहीं है और आज देश में दोनों के मिलान की बड़ी जरूरत है.

(2) खादी के अन्दर "अन्धरूनी तारुत" होनी चाहिये क्योंकि वह सरकारी मब्द के सहारे ज़िन्दा नहीं रह सकती.

(3) अगर खादी के लिये इमदाद ली गई तो वह अपने पैरों पर खड़ी नहीं हो सकती.

(4) खादी फौज के लायक नहीं है

हम यहां इन चारों बातों पर ज़रा तफसील के साथ बर्चा करना चाहते हैं.

मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में बुनियादी भगड़ा

बड़ी नज़रता पर गम्भीरता के साथ हमारा निवेदन है कि मशीनदार उद्योगों या बड़े कारोबार और ग्राम उद्योगों या छोटे घन्टों में बुनियादी भगड़ा भले ही न हो पर बुनियादी भेद जरूर है. और वह यह कि बड़े कारोबार के लिये बड़े बड़े मरकज़ी या केन्द्राय इन्तज़ाम, बड़ा बड़ा पूंजी या पूंजियाना की जरूरत होता है दूसरे लफ्ज़ों में बड़े कारोबार का सहारा नौकर शाही, ताना शाही (निजा या सरकारी) और फौजी शाही होती है और यह

खादी बोर्ड, सरकार और खादी

आज हमारे दिवस में ग्राम उद्योगों की और खास कर खादी और करचा उद्योग की जो दुर्दशा है उसे देख कर और भारत सरकार की माली और उद्योग नीति और दृष्टि की समझ कर हमारे ऊपर यह असर तेज़ी से पड़ रहा है कि अपने इस अभाग्य देश में किसी चीज़ के लिये जगह हो या न हो मगर ग्राम उद्योगों और खास कर खादी के लिये तो कम से कम कोई जगह नहीं है इस सम्बन्ध में जो कुछ शक्य वह उस स्पीच को पढ़ कर और भी दूर हो गए जा हमारे प्रधान मंत्री पंडित जवाहर लाल नेहरू ने पिछली 2 फरवरी को अखिल भारत खादी और ग्राम उद्योग बोर्ड का उद्घाटन करते वक्त्र दी. यह बोर्ड अभी हाल ही में बना है, जिस में श्री सतीशचन्द्र दास गुप्ता (सोनपुर), श्री लक्ष्मी बाबू (मुजफ्फरपुर), विचित्र भाई (यू. पी.), जाजू जी (बधा) और जेराजी नौजी (बम्बई) जैसे पुराने मंजें हुए और चोंटा के रचनात्मक कारकर्ता शामिल हैं. हां, नामो गांधी वादी अर्थ शास्त्रो डाक्टर जे सी. कुमारप्पा का उसमें न होना जरूर खटकता है

प्रधान मंत्री ने अपनी स्पच में जा कुछ कहा उसका निचोड़ यह है:—

(1) बड़े मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में कोई बुनियादी भगड़ा नहीं है और आज देश में दोनों के मिलान की बड़ी जरूरत है.

(2) खादी के अन्दर "अन्धरूनी तारुत" होनी चाहिये क्योंकि वह सरकारी मब्द के सहारे ज़िन्दा नहीं रह सकती.

(3) अगर खादी के लिये इमदाद ली गई तो वह अपने पैरों पर खड़ी नहीं हो सकती.

(4) खादी फौज के लायक नहीं है

हम यहां इन चारों बातों पर ज़रा तफसील के साथ बर्चा करना चाहते हैं.

मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में बुनियादी भगड़ा

बड़ी नज़रता पर गम्भीरता के साथ हमारा निवेदन है कि मशीनदार उद्योगों या बड़े कारोबार और ग्राम उद्योगों या छोटे घन्टों में बुनियादी भगड़ा भले ही न हो पर बुनियादी भेद जरूर है. और वह यह कि बड़े कारोबार के लिये बड़े बड़े मरकज़ी या केन्द्राय इन्तज़ाम, बड़ा बड़ा पूंजी या पूंजियाना की जरूरत होता है दूसरे लफ्ज़ों में बड़े कारोबार का सहारा नौकर शाही, ताना शाही (निजा या सरकारी) और फौजी शाही होती है और यह

ہے، لکشمی نیلا کی طرف धीरे-धीरे बढ़ रही है. उसने साफ बताया था कि उसकी दवा काफी नहीं है. वही दवा 'दवा' है, जिसे वह पहले से मांगती आई है—पिताजी के दर्शन.

वह कहा करते थे कि राबी के कारन माताएं प्रसव वेदना के साथ साथ अपने बच्चों को मार डालती हैं; पालतू जानवरों की तरह बेच डालती हैं; बच्चे ओढ़ने के कपड़े न रहने के कारन ठंड में पड़े रो-रोकर सिकुड़-सिकुड़कर मर जाते हैं वगैरा. वगैरा. अगर ऐसा हो, तो अपना ये दुख इतना बड़ा नहीं है. रुकमनी ने सोचा. यह बच्ची भी त्याग और दुख सहती है और अपना कर्ज अदा करती है. शायद वह सोचती होगी कि अगर उसका बोकू दूर हो जाय तो उसकी मां भी इस دم घुटनेवाली चहार-दीवारी से छुटकारा पा, पिता के काम में मदद देगी और अपना धर्म पूरा करेगी।

वहीं बैठे, आगे बढ़ रुकमनी ने बच्ची का गाल चूम लिया. बच्ची ने धीरे धीरे अपनी नन्ही अलसाई आंखें खोली. रुकमनी को लगा कि उसकी नज़र फोटो पर टिकी हुई है. मगर ऐसा कोई भाव आंखों से साफ नहीं था. उसके दोनों हथ मां से जैसे चिपट जाने के लिये ज़रा उठे पर कमज़ोर होकर बिछौने पर ही डबे पड़े रहे और वही पुराना सवाल—"बाबू जी कहाँ हैं?" आखिरी دم के साथ उसके पीले से होठों से आवाज़ आई, इतनी धोमी आवाज़ कि सिरक मां ही जान पाई.

—'दक्खिन भारत' से

हमने समझ रखा है कि साहित्य की रचना के लिये कल्पना की सूक्ष्म बूझ और तेज़ कलम काफी है; पर यही विचार हमारी अदबी गिरावट का कारन है आवर्श का फैलाव बढ़ा होने से भाषा अपने आप सरल हो जाती है..... जो साहित्यकार अमीरों का मुँह जोड़ने वाला है वह रईसी रचना शैली अपना है, जो जन साधारण का है वह जन साधारण की भाषा में लिखता है... प्रोपेगंडा बदनाम शब्द है, लेकिन आज का विचार पैदा करने वाला, ताकत देना वाला और स्वस्थ साहित्य प्रोपेगंडा के सिवा न कुछ है; न हो सकता है, न होना चाहिये और इस तरह के प्रोपेगंडा के लिये साहित्य से असरदार कोई साधन ब्रह्मा ने नहीं रचा.

—प्रेमचन्द

ہے، لکشمی نیلا کی طرف دھیرے دھیرے بڑھ رہی ہے۔ اُس نے صاف بتایا تھا کہ اُسکی دوا کافی نہیں ہے، وہی دوا 'دوا' ہے، جسے وہ پہلے سے مانگتی آئی ہے—پیتا جی کے درشن.

وہ کہا کرتے تھے کہ فریبی کے کارن مادائیں 'پرسو' دینا کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو مار ڈالتی ہیں؛ پالتو جانوروں کی طرح بچے ڈالتی ہیں؛ بچے اڑھنے کے کپڑے نہ ڈھلے کے کارن ٹھنڈ میں پڑے دو دو کر سکڑ سکڑ کر مر جاتے ہیں؛ دھیرے دھیرے. اگر ایسا ہو، تو ایسا یہ دکھ ایذا ہوا نہیں ہے؛ دکھلی نے سوچا. یہ بچہ بھی تھاک اور دکھ سہتی ہے اور ایسا فرض ادا کرتی ہے. شاید وہ سوچتی ہوگی کہ اگر اس کا بوجھ دور ہو جائے تو اُسکی ماں بھی اس دم ٹھنڈے والی چہار دیواری سے چھٹکارا پا، پیتا نے کام میں مدد دیگی اور ایسا دھرم پورا کریگی.

وہیں بیٹھے، آگے بڑھ دکھلی نے بچہ کا گال چوم لیا. بچہ نے دھیرے دھیرے اپنی بلی بلی آسانی آنکھیں کھولیں. دکھلی کو لگا کہ اُسکی نظر فوٹو پر ٹکی ہوئی ہے، مگر ایسا کوئی بھاؤ آنکھوں سے صاف نہیں تھا. اُسکے دونوں ہاتھ ماں سے جھسٹ جھٹ جانے کے لئے ڈرا اٹھے پر کمزور ہوکر بچھونے پر ہی ٹھنڈے پڑے رہے اور وہی پرانا سوال—"بابو جی کہاں ہیں؟" آخری دم نے ساتھ اُس نے ہونٹوں سے آواز آئی، اتنی دھیمی آواز کہ صرف ماں ہی جان پائی.

—'دکھن بھارت' سے

ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ سامعیت کی دھن کے لئے کلہا کی سوجھ بوجھ اور تیز قلم کافی ہے؛ پر یہی وجہ ہماری ادبی گوارا کا کارن ہے..... آدھی کا پھوٹا ہوا مولے سے بھاشا اپنے آپ سرل ہو جاتی ہے..... جو سامعیت کار اُسروں کا ملہ جو ملہ والا ہے وہ ونوسی دھن شملی اہلاتا ہے؛ جو جن سادھارن کا ہے وہ جن سادھارن کی بھاشا میں لکھتا ہے..... پروپگنڈا بدنام شبد ہے؛ لیکن آج کا وجہ پھندا کرلے والا طاقت دھلے والا اور سوسٹھ سامعیت پروپگنڈا کے سوانہ لکھتا ہے؛ نہ ہونا چاہئے اور اس طرح کے پروپگنڈا کے سامعیت سے اتردار کوئی سادھن برھیا نے نہیں دجا.

—پرم چند

ابھی! بابو جی کہاں ہیں؟

اسان؟ بابو جی کہاں ہوں؟

جواب دیا، تاملنی باہر کی۔ اس کے آگے وہ کرتے ہی کیا؟ ان کو بھی معلوم نہیں تھا، وہ کہاں ہوں۔ جو ان سے ملے تھے، وہ بھی تھک تھک جواب نہیں دے پائے۔ آخر کسی نے لکھا کہ سرکھٹ روپ سے سمر کرنے کی تھاری ہو جائے پر وہ بچی کے پاس آ جائیں گے۔ یہ جواب ملنے ہی دھمکی کو درا تسلی ہوئی۔

بابو جی سے ملے بیٹا ہی، بچی کی تکیہ تکیہ کھینچنے ہی دین غور ہوئے۔ اس کا شہر پر آمد کے فرہی سے کہنے کے اندر ہمارے والی نکات میں لایا گیا۔ وہ بالکل بول نہ پائی، آنکھوں میں شہل سے کہلاتی جب کہ کوئی بچہ اس کے پاس دور آنا اور بلانا تو بھی وہ فوراً آنکھوں نہ کہلاتی! آنکھوں کیلئے ہر بھی ہونٹ نہ ہلتی۔ وہ بڑی دیر تک آنکھوں میں دھمکی دھمکی چونک سی جاتی، جب وہ اپنی بچی کی طرف بصر پلک مارتے دیکھتی۔ بچی کی آنکھوں میں کھل جاتی اور ہونٹ ہلنے لگتی تو وہ اور بھی چونک جاتی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ کہاں پر ہے۔ وہی پرانا سوال ”بابو جی یہیں آئے؟“

بچی کی اس بڑی حالت پر اس نے ہر مہر میں اور کسی کو نہ اٹکی چلتا ہے، نہ دیکھ۔ اس میں اچھڑ ہی گیا ہے؟ بڑے پروردگار میں دو پرانوں کی کھلتی ہی کیا؟ اس پر ان سے سمجھنا ضروری ہے۔ دھمکی کے دن جہاں دوتے دوتے رہا کرتے ہیں وہاں دوسروں کے دن ملاقاتوں اور قدر پرانوں سے ملنے ہو آتے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی ذمہ داری تھی ہر روز ہونٹ کی جب ڈانٹر اور دوا کا انتظام کر دیا گیا۔

بھٹی کو ذرا بخار سا آیا کہ نہیں، بابو جی کا من کہہ دالے اٹھا اور نمک اچھڑ جاتی۔ مگر آج وہ کہاں ہیں؟ ان کی بھٹی کا شہر شہان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ کہیں گاندے میں گھر پر دوتے ہوئے کہا؟ بھٹی کو ایک آندہ ہوا دیکھنے کی اس نے غلطی کوشش کی ہوگی؟ مگر پھر بھی یہ اچھا ہی ہوا نہ وہ ان دشمنوں کے ہچے میں نہیں آئے۔ اسی کھڑ کے لوگ عی شائد ان کو پکڑوا دیتے۔ اس بچی کی بھٹی جان اگر بچھو گئی تو اس سے صرف دو پرانی ہی دیکھ ہونگی۔ اور اس دن کا کھاؤ جہون پھر نہ ہو رہا۔ پھر بھی دھمکی نے پرائیڈ کی کہ ان کو نقصان نہ ہو، کیونکہ ان کی جان ہواؤں کی بھائی کے لئے بہت ضروری ہے۔

یعنی اس فکر سے اپنے من کو الگ کر، دھمکی نے اپنی بچی کی طرف دیکھا۔ کتنی دیر سے وہ اس طرح آنکھوں میں دھمکی ہوئی ہے۔ شاید وہ سوتی ہوگی۔ نہیں تو.....

ہاں، وہ بھی ہم سکھا ہے۔ ڈانٹر کے ہاؤ بہاؤ سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ چھٹکا جو ابھی بچھلنے والی

جواب دیا، تاملنی باہر کی۔ اس کے آگے وہ کرتے ہی کیا؟ ان کو بھی معلوم نہیں تھا، وہ کہاں ہوں۔ جو ان سے ملے تھے، وہ بھی تھک تھک جواب نہیں دے پائے۔ آخر کسی نے لکھا کہ سرکھٹ روپ سے سمر کرنے کی تھاری ہو جائے پر وہ بچی کے پاس آ جائیں گے۔ یہ جواب ملنے ہی دھمکی کو درا تسلی ہوئی۔

بابو جی سے ملے بیٹا ہی، بچی کی تکیہ تکیہ کھینچنے ہی دین غور ہوئے۔ اس کا شہر پر آمد کے فرہی سے کہنے کے اندر ہمارے والی نکات میں لایا گیا۔ وہ بالکل بول نہ پائی، آنکھوں میں شہل سے کہلاتی جب کہ کوئی بچہ اس کے پاس دور آنا اور بلانا تو بھی وہ فوراً آنکھوں نہ کہلاتی! آنکھوں کیلئے ہر بھی ہونٹ نہ ہلتی۔ وہ بڑی دیر تک آنکھوں میں دھمکی دھمکی چونک سی جاتی، جب وہ اپنی بچی کی طرف بصر پلک مارتے دیکھتی۔ بچی کی آنکھوں میں کھل جاتی اور ہونٹ ہلنے لگتی تو وہ اور بھی چونک جاتی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ کہاں پر ہے۔ وہی پرانا سوال ”بابو جی یہیں آئے؟“

بچی کی اس بڑی حالت پر اس نے ہر مہر میں اور کسی کو نہ اٹکی چلتا ہے، نہ دیکھ۔ اس میں اچھڑ ہی گیا ہے؟ بڑے پروردگار میں دو پرانوں کی کھلتی ہی کیا؟ اس پر ان سے سمجھنا ضروری ہے۔ دھمکی کے دن جہاں دوتے دوتے رہا کرتے ہیں وہاں دوسروں کے دن ملاقاتوں اور قدر پرانوں سے ملنے ہو آتے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی ذمہ داری تھی ہر روز ہونٹ کی جب ڈانٹر اور دوا کا انتظام کر دیا گیا۔

بھٹی کو ذرا بخار سا آیا کہ نہیں، بابو جی کا من کہہ دالے اٹھا اور نمک اچھڑ جاتی۔ مگر آج وہ کہاں ہیں؟ ان کی بھٹی کا شہر شہان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ کہیں گاندے میں گھر پر دوتے ہوئے کہا؟ بھٹی کو ایک آندہ ہوا دیکھنے کی اس نے غلطی کوشش کی ہوگی؟ مگر پھر بھی یہ اچھا ہی ہوا نہ وہ ان دشمنوں کے ہچے میں نہیں آئے۔ اسی کھڑ کے لوگ عی شائد ان کو پکڑوا دیتے۔ اس بچی کی بھٹی جان اگر بچھو گئی تو اس سے صرف دو پرانی ہی دیکھ ہونگی۔ اور اس دن کا کھاؤ جہون پھر نہ ہو رہا۔ پھر بھی دھمکی نے پرائیڈ کی کہ ان کو نقصان نہ ہو، کیونکہ ان کی جان ہواؤں کی بھائی کے لئے بہت ضروری ہے۔

یعنی اس فکر سے اپنے من کو الگ کر، دھمکی نے اپنی بچی کی طرف دیکھا۔ کتنی دیر سے وہ اس طرح آنکھوں میں دھمکی ہوئی ہے۔ شاید وہ سوتی ہوگی۔ نہیں تو.....

ہاں، وہ بھی ہم سکھا ہے۔ ڈانٹر کے ہاؤ بہاؤ سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ چھٹکا جو ابھی بچھلنے والی

धीरे धीरे बचची भी बहुत कम सवाल करती, शायद यह समझ कर कि उसकी मां ठीक ठीक जवाब नहीं दे पाती. हां, दूसरे कारन भी थे जब वह पूछती कि बाबू जी मिट्टी के अन्धर हैं यह उनको बड़ों ने ही सिखाया था. यह सुन कर, रुकमनी ने एक दिन बच्चों को फटकारा. तब उसके बड़े भाई ने पैरवी की कि बच्चे सही कहते हैं, क्योंकि वह खंडरघाण्ड का तरजुमा भर तो करते हैं. रुकमनी की मां सवाल सुनते ही गालियां बरसा देती, "बाबू जी, बाबू जी, हमेशा यही बाबू जी! हम सब क्या आदमी नहीं, जानवर हैं? दुनिया की सुधारने का काम भरे फिरता है! उसके लिये अपनी बचची को मार डालना है क्या उस पाजी को!" ऐसा शुरू कर के गालियों की ककिया मीलों लम्बी हो जातीं उन सबकी राय थी कि रुकमनी उस रौतान से नाता ही तोड़ दे तभी उसकी भलाई होगी. उनकी नजर में उसके पति बाबू और कसाई से भी गए गुफरे हैं. उसने अपनी स्त्री और बचची को निजी स्वार्थ के लिये छोड़ा था क्या? आराम और आमोद में वह पले थे. उन्होंने अपनी स्त्री को और बचची को प्रानों से बढ़ कर प्यार किया था. उन दोनों से दूर, पुलिस की नजर से बचकर, भूकों रह, वह जीते हैं तो उनका रास्ता कितना ऊंचा है और उनका मकसद कितना महान है? सोचते सोचते रुकमनी का प्रेम और प्यार धीरे धीरे उनकी आराधना में बदल गया.

आप दिन बचची की खेलाइसी बिलकुल बन्द सी हो गई. वह पुराना सावाल भी बहुत कम करती आंगन में उछलते कूदते दूसरे बच्चों से दूर, बरामदे के किसी खंबे से पीठ लगाए, नन्हे नन्हे पैर फैलाए. अपने बाबू जी की राह देखती रहती. यह देख, रुकमनी का दिल फट सा जाता. अगर बैठी बैठी थक जाती तो वहीं लेट जाती, थकान से आंखें आप मुंद जाती. किसी की आइट सुनी कि नहीं वह फौरन उठ बैठती जब मालूम हो जाता कि बाबू जी नहीं हैं, दुबले पतले नन्हे हाथों से अपनी आंखें मलती और वहीं बैसे ही लेट जाती. यह देखते देखते रुकमनी को लगा कि वह पागल सी हो जायगी. मां बाप और पड़ोसियों ने जिस बचची को बिना फर्श पर बिठाए, पाला पोखा था, आज वह अपने पिता जी से अलग हो गई तो मां के घर वाले उसे पोदली की तरह ठोकरें मारते हैं. अगर पिता बेटी को देखते...! उनके साथियों में कोई देख लेता...

रुकमनी ने उन सब को खल लिखा, जिनका पता उसे मालूम था; "उनको एक बार, सिर्फ एक बार, किसी तरह पंहुचा दीजिए. अपने बाबू जी को एक बार देख, बचची खंगी ही जायगी." सभी सतों में बड़ी प्रार्थना थी. सब ने

दुसरे दुसरे बच्चे भी बहुत कम सवाल करती, शायद यह समझ कर कि उसकी मां ठीक ठीक जवाब नहीं दे पाती. हां, दूसरे कारन भी थे जब वह पूछती कि बाबू जी मिट्टी के अन्धर हैं यह उनको बड़ों ने ही सिखाया था. यह सुन कर, रुकमनी ने एक दिन बच्चों को फटकारा. तब उसके बड़े भाई ने पैरवी की कि बच्चे सही कहते हैं, क्योंकि वह खंडरघाण्ड का तरजुमा भर तो करते हैं. रुकमनी की मां सवाल सुनते ही गालियां बरसा देती, "बाबू जी, बाबू जी, हमेशा यही बाबू जी! हम सब क्या आदमी नहीं, जानवर हैं? दुनिया की सुधारने का काम भरे फिरता है! उसके लिये अपनी बचची को मार डालना है क्या उस पाजी को!" ऐसा शुरू कर के गालियों की ककिया मीलों लम्बी हो जातीं उन सबकी राय थी कि रुकमनी उस रौतान से नाता ही तोड़ दे तभी उसकी भलाई होगी. उनकी नजर में उसके पति बाबू और कसाई से भी गए गुफरे हैं. उसने अपनी स्त्री और बचची को निजी स्वार्थ के लिये छोड़ा था क्या? आराम और आमोद में वह पले थे. उन्होंने अपनी स्त्री को और बचची को प्रानों से बढ़ कर प्यार किया था. उन दोनों से दूर, पुलिस की नजर से बचकर, भूकों रह, वह जीते हैं तो उनका रास्ता कितना ऊंचा है और उनका मकसद कितना महान है? सोचते सोचते रुकमनी का प्रेम और प्यार धीरे धीरे उनकी आराधना में बदल गया.

आप दिन बचची की खेलाइसी बिलकुल बन्द सी हो गई. वह पुराना सावाल भी बहुत कम करती आंगन में उछलते कूदते दूसरे बच्चों से दूर, बरामदे के किसी खंबे से पीठ लगाए, नन्हे नन्हे पैर फैलाए. अपने बाबू जी की राह देखती रहती. यह देख, रुकमनी का दिल फट सा जाता. अगर बैठी बैठी थक जाती तो वहीं लेट जाती, थकान से आंखें आप मुंद जाती. किसी की आइट सुनी कि नहीं वह फौरन उठ बैठती जब मालूम हो जाता कि बाबू जी नहीं हैं, दुबले पतले नन्हे हाथों से अपनी आंखें मलती और वहीं बैसे ही लेट जाती. यह देखते देखते रुकमनी को लगा कि वह पागल सी हो जायगी. मां बाप और पड़ोसियों ने जिस बचची को बिना फर्श पर बिठाए, पाला पोखा था, आज वह अपने पिता जी से अलग हो गई तो मां के घर वाले उसे पोदली की तरह ठोकरें मारते हैं. अगर पिता बेटी को देखते...! उनके साथियों में कोई देख लेता...

रुकमनी ने उन सब को खल लिखा, जिनका पता उसे मालूम था; "उनको एक बार, सिर्फ एक बार, किसी तरह पंहुचा दीजिए. अपने बाबू जी को एक बार देख, बचची खंगी ही जायगी." सभी सतों में बड़ी प्रार्थना थी. सब ने

दूसरे दिन पुलिस ने घर की तलाशी ली. रुकमनी को पति से लहर मिली कि वह अपनी मां के घर चली जाय. उसने चिट्ठी लिख कर, मां के घर से किसी को बुलाया नहीं. वह अकेली अपनी बेटी को ले, मां के घर चली गयी. बिना इतिला के, जब अपनी बेटी और नातिन आ गई, तो मां को रंज हुआ. या खुशो यह रुकमनी समझ नहीं पाई. माता की आंखें, लबकी का गला, कलाई और कान नंगे पा, गुरुसे से जल गई. उस परिवार में ऐसा अब तक कोई न था जिसके शरीर पर सोना तिनका बराबर भी न हो. उस आदमी ने अपनी प्लिन्दगी बर्बाद तो की ही अपनी बी को भी न छोड़ा, जो उसकी स्त्री के पद के लिये खूब तैयार हो गई थी. उसको ताला (मंगल-सूत्र) तक उड़ा ली गई. उस नन्ही बच्ची को भी अपाहिज जैसी क्यों छोड़ गया.

दूसरों की अवहेलना भरी नज़र या तीखा तिरछा व्यंग रुकमनी सह लेती; उसका दर्द उसे महसूस नहीं होता. मगर उसके दिल को यह सवाल जरूर चोट करता कि 'अम्मा, बाबू जी कहाँ हैं ?' उसे पता नहीं, बेटी यह सवाल कब पूछ बैठती. दूसरे बच्चों से मिल, जब वह खेलती, उछलती, कूदती तो रुकमनी का मन शान्त हो जाता. मगर सन्तोश की सांस उसके दिल से निकल, हवा में लीन हुई कि नहीं, बच्ची बीड़ा बीड़ी आती, उसके घुटनों से चिपट जाती और वही सवाल पूछ बैठती—'अम्मा, बाबू जी कहाँ ?' आधी रात को वह सपने में अपने बाबू जी के वास्तव्य का अनुभव करती. कभी वह मुस्कराती, कभी उसके गालों पर लाला फैल जाती. यह देख, रुकमनी के मन में तसल्ली हो जाती और उसकी आंखें धीरे धीरे मुंद जाती. तभी बेटी फट उठ बैठती, आंखें मलती, वही सवाल करती—'अम्मा, बाबू जी अभी नहीं आए ?' यह सवाल उसके दिल को दहला देता और बुझते दुख को उबाल गरम आंसुओं में बहा देता. शुरू शुरू में उसे उनका पत्र मिलता. उसके बल पर यह कह सकती कि बिटिया 'बाबू जी अभी आएंगे.' मगर आए दिन खत भी ठीक ठीक न मिलता. बेटी भी इस सवाल से उसको ज़ियादा तंग भी न करती. मगर इससे ज़ियादा रुकमनी को और किसी चीज़ ने दुख दिया. बच्ची का उत्साह और जोश इधर कम होने लगा. रुकमनी को खूब मालूम था कि वह कितनी मुश्किल से एक खत उसके पास पहुंचते. मगर उस नन्ही बच्ची को वह क्या कहे ? उसके बाबू जी पर किसी की कबी निगाह है, इसलिये नहीं आ पाते और खत नहीं. खत पाते और लुक छिप चलते हैं—यह सब बता कर उस नन्ही दिल को डराना उसने ठीक नहीं समझा. वह हवा जाने कि वह कब आएंगे ? वह किसी समय आ सकते हैं और कभी नहीं भी आ सकते हैं.

दूसरे दिन पुलिस ने घर की तलाशी ली. रुकमनी को पति से लहर मिली कि वह अपनी मां के घर चली जाय. उसने चिट्ठी लिख कर, मां के घर से किसी को बुलाया नहीं. वह अकेली अपनी बेटी को ले, मां के घर चली गयी. बिना इतिला के, जब अपनी बेटी और नातिन आ गई, तो मां को रंज हुआ. या खुशो यह रुकमनी समझ नहीं पाई. माता की आंखें, लबकी का गला, कलाई और कान नंगे पा, गुरुसे से जल गई. उस परिवार में ऐसा अब तक कोई न था जिसके शरीर पर सोना तिनका बराबर भी न हो. उस आदमी ने अपनी प्लिन्दगी बर्बाद तो की ही अपनी बी को भी न छोड़ा, जो उसकी स्त्री के पद के लिये खूब तैयार हो गई थी. उसको ताला (मंगल-सूत्र) तक उड़ा ली गई. उस नन्ही बच्ची को भी अपाहिज जैसी क्यों छोड़ गया.

दूसरों की अवहेलना भरी नज़र या तीखा तिरछा व्यंग रुकमनी सह लेती; उसका दर्द उसे महसूस नहीं होता. मगर उसके दिल को यह सवाल जरूर चोट करता कि 'अम्मा, बाबू जी कहाँ हैं ?' उसे पता नहीं, बेटी यह सवाल कब पूछ बैठती. दूसरे बच्चों से मिल, जब वह खेलती, उछलती, कूदती तो रुकमनी का मन शान्त हो जाता. मगर सन्तोश की सांस उसके दिल से निकल, हवा में लीन हुई कि नहीं, बच्ची बीड़ा बीड़ी आती, उसके घुटनों से चिपट जाती और वही सवाल पूछ बैठती—'अम्मा, बाबू जी कहाँ ?' आधी रात को वह सपने में अपने बाबू जी के वास्तव्य का अनुभव करती. कभी वह मुस्कराती, कभी उसके गालों पर लाला फैल जाती. यह देख, रुकमनी के मन में तसल्ली हो जाती और उसकी आंखें धीरे धीरे मुंद जाती. तभी बेटी फट उठ बैठती, आंखें मलती, वही सवाल करती—'अम्मा, बाबू जी अभी नहीं आए ?' यह सवाल उसके दिल को दहला देता और बुझते दुख को उबाल गरम आंसुओं में बहा देता. शुरू शुरू में उसे उनका पत्र मिलता. उसके बल पर यह कह सकती कि बिटिया 'बाबू जी अभी आएंगे.' मगर आए दिन खत भी ठीक ठीक न मिलता. बेटी भी इस सवाल से उसको ज़ियादा तंग भी न करती. मगर इससे ज़ियादा रुकमनी को और किसी चीज़ ने दुख दिया. बच्ची का उत्साह और जोश इधर कम होने लगा. रुकमनी को खूब मालूम था कि वह कितनी मुश्किल से एक खत उसके पास पहुंचते. मगर उस नन्ही बच्ची को वह क्या कहे ? उसके बाबू जी पर किसी की कबी निगाह है, इसलिये नहीं आ पाते और खत नहीं. खत पाते और लुक छिप चलते हैं—यह सब बता कर उस नन्ही दिल को डराना उसने ठीक नहीं समझा. वह हवा जाने कि वह कब आएंगे ? वह किसी समय आ सकते हैं और कभी नहीं भी आ सकते हैं.

میں آئند کے آنسو ٹھہکتے تھے، 'آج اسی کو دیکھ دیکھ' (ووتے
ووتے آنسو بھی سڑکے گئے تھے)۔

چلتے جب سچ نکلے اور جہون نہا اُنکے کے صلہ
 میں چلتے لگی۔ ایک دن، یہ مطلب نہیں، اچانک
 ایک دن، وہ ایک دم بدل گئی۔ رکشہ نے پتی کو دوشی
 نہ ٹھہرایا، پہلے ہی دوسروں کی نظر میں وہ بھولوف یا
 موروکے میں کہیں نہ ہوں۔ اُس نے اُس کے بارے میں کوئی
 سوال تک اُن سے نہ پوچھا، نہ اُن کو اُس سے ہٹانے کی
 کوشش بھی کی۔ اُسے لگا، اُس کے وچار اور درہتی کون
 دھیرے دھیرے اُن کے انوکھل ہو رہے ہیں جس کا وہ شک
 کرتی تھی۔ وہی ہوا، اُنہوں نے اپنی نوکری سے استعفیٰ
 دے دیا۔ اچھی خاصی نلنواہ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اُسے
 تسلی ہوئی کہ اُس کے پتی نے اپنی ترقی کے لئے نہ
 حاکموں کی خوشامد کی، نہ اُنہیں دھوکا دی ہے۔ اُنہیں
 نے یہ بھی کہا کہ اس بات میں اُسے اُن کو بدعالی ہی
 دینی چاہئے۔ اپنی ضد اور اندیش کے مطابق چھوٹے موٹے
 کام کر، جو کچھ وہ کہتے، وہ دے دیتے۔ اس لئے یہ شکایت
 بھی نہ رہی کہ آخر سب کچھ برباد کر کے ماتا پتا کی شہن
 میں۔ دونوں اگئے۔ دونوں کے گھر سے جو خط آتے تھے، اُن
 میں ویلنگ اور دھمکیاں بھی دھتی تھیں۔ مگر پھر بھی
 رکشہ دیکھی نہیں ہوئی۔ وہ جہون کے پھالے کو کبھی خالی
 نہ ہونے دیتی تھی۔ اُسے تسلی اور پریم کی ہوندوں سے وہ
 پھر دیتی تھی۔ لیکن اُس کا من، اُس سے سونا سا ہو گیا
 تھا جب کہ وہ کہتا کہ گئی۔ رکشہ کو معلوم تھا کہ پتی پر
 سرکار کی کڑی نگاہ لگی تھی۔ پھر بھی جب اُس کی لڑکھ
 کی مٹھی سامنے دکھائی پڑی، وہ سن سی رہ گئی، باہر سے
 اپنے کو شانت دکھانے کی کوشش کی، مگر بھگا!

لوف! اُس رات کی گھٹیا کھلی تھوڑی آؤر دریا ک
 نہی . سانچہ ہوئی اور سانچہ رات ہوئی، تو رکھی کو لگا
 کہ اُس کے سامنے اور زندگی میں بھی اندھیرا چھا رہا ہو بابو
 جی کی انتظار میں ہوتی کی نفی نفی آنکھوں میں
 گھٹیں، رکھی نے اسے اپنی گود میں بیٹھا لیا اور بولی—
 ”تم کہیں اس طرح اُونگھتی ہو۔ بابو جی جب آتے ہیں،
 تمکو چمکا کر لیتی ہیں نہ؟ سو بچھا، مہدی گود میں سو
 جاؤ۔“ اور پھر؟

دکھائی کو یاد نہیں کہ کتنی دیر وہیں دیوار سے ہٹ کر لگائے رہا ہو گا وہی ۔ بابو جی کی آہستہ سانس کی ہلکی آوازوں کو وہی نہیں ۔ اُس نے ماں سے پوچھا—”ابو اسماں، بابو جی نہیں آئے؟“ وہ سوال مانو آنسوؤں سے گھلا تھا۔ کوسے اُس سوال کا جواب دے؟ اُس نے بھیجی کو اپنی چھاتی سے لگا لیا ۔ وہ چومنے سی اُٹھی۔ اُس کے سامنے سے قراولے نگاہوں کا لہبا ہوا جلوس چہرے نکل رہا ہو ۔

ماں باپ थोड़ी دیر بچھے کی तरफ देखते रहे. फिर पिता पालने को पकड़ लेता है और मां बचھے को झुककर उठा, अपनी गोद में ले लेती है अब बचھے का रोना बंद हो गया. बस, इतना ही और क्या हुआ रुकमनी समझ नहीं पाई. दीवार पर जो तीन परछाईयां दिखाई पड़ीं, मिल जुल, धुंधली हो, एक बड़ी परछाई में बदल गई, जिसकी कोई साफ छक्का सूरत नहीं थी.

रुकमनी की अलसाई आंखें फिर बच्ची पर आ लगीं. उसने भी, उसी तरह, शायद उससे बढ़कर, तीन आत्माएं एक ही, जीवन की मिठास, मीठे शरबत की तरह, कभी चख लिया था. उसकी खुशी देख, कितने ही दम्पति जलते भुनते थे. रुकमनी ने अपने जीवन संगी को बुद्धिमानी के के साथ चुना था—कितने ही लोगों ने बधाईयां दी थीं ? मगर आज ईर्ष्या की जगह अवहेलना है, बधाई की जगह हमदर्दी है !

रुकमनी ने ज़रा सिर उठाया. उसकी नज़र ऊपर टंगी फोटो पर टिक गई. उस फोटो के लिए एक बार किसी नुमायश में इनाम मिला था. फोटो में बचपन की मासूमियत और सरलता जाहिर हो रही थी. रिश्तेदारों की और जान-पहचान के लोगों से उस फोटो की अच्छी मांग थी और उसकी बहुत सी प्रतियां मंगवाई थीं ?

काश ! उनमें से कोई आज इस बच्ची को देख लेता ! कौन यक़ीन करेगा कि वह यही बच्ची है ? उस समय उसे अपनी अपनी गोद में लेने के लिये लोग ज़िद करते थे और आज ? आज खूने तक के लिये लोग नफरत करेंगे. उस बेजान फोटो में आत्मचैतन्य का धुंधलापन जाहिर होता है और इस जानदार बच्ची में मौत की 'ठंड' है जो रेंगती नज़दीक आ रही है.

रुकमनी की निगाह धीरे धीरे बच्ची के चेहरे से हट, दूसरे फोटो की तरफ गई वह वहां इसलिए टगी थी कि बच्ची आंख खुलते ही उसे देख ले. उसमें एक तन्द्रस्त और हंसमुख जवान है और उसके गले से चिपटी एक बच्ची भी, जो कमरे की तरफ देख, हंसी है, मोटी ताजी और चंचल—पिता और पुत्री. ऐसा लगता था कि दोनों आपसी रिश्ते पर फ़ख़ करते हों. बच्ची की आंखें मानां कह रही हों कि कितने अच्छे बाबू जी हैं और पिता का चेहरा कह रहा हो कि ऐसी बच्ची को कौन मिलना नहीं चाहेगा.

रुकमनी उस फोटो को बे पलक मारे देखती रही. उस ओजभरे जवान से ऐसी लाइ दुलारी बच्ची का मां जैसा प्यार पाने के लिए वह अपने मां बाप से लड़ी-मगड़ी थी. उन लोगों की नज़र में योग्य दामाद बनने के लिये उन्होंने कितनी मेहनत की और नौकरी भी हासिल की ! फिर ?.....उन दिनों जिस फोटो को देख, उसकी आंखों

मां बाप तूझी दیر بچھے کی طرف دیکھتے رہے . پھر بچھا پالنے کو پکڑ لیتا ہے اور ماں بچھے کو جھک کر اُٹھا، اپنی گود میں لے لیتی ہے . اب بچھے کا رونا بند ہو گیا . بس، اتنا ہی . اور کہا ہوا دیکھی سمجھ نہیں پائی . دیوار پر جو تین چھائیاں دکھائی پڑیں، مل جل، دھندلی ہو، ایک بڑی پرچھائی میں بدل گئی، جسکی کوئی صاف شکل صورت نہیں تھی .

دیکھی کی الٹائی آنکھوں پر بچی پر آ لگیں . اُس نے بھی 'اُسی طرح' شاید اُس سے بڑھکر، تین آتماں ایک ہو، جہوں کی مٹھاس مٹھ شربت کی طرح، کبھی چمک لیا تھا . اُسکی خوشی دیکھ، کتنے ہی دھپتی جلتے پہلے تھے . دیکھی نے اپنے جہوں سنکی کو بدھیمانی کے ساتھ چٹا تھا—کتنے ہی لوگوں نے بدھانیاں دی تھیں ؟ مگر آج ابرہا کی جگہ اڑھیلنا ہے، بدھائی کی جگہ ہمدردی ہے !

دیکھی نے ذرا سر اُٹھایا . اُس کی نظر اوپر ٹنگی فوٹو پر ٹک گئی. اُس فوٹو کے لئے ایک بار کسی زمانہ میں انعام ملا تھا. فوٹو میں بچپن کی معصومیت اور سرلحا ظاہر ہو رہی تھی . رشتہ داروں کی اور جان پہچان کے لوگوں سے اُس فوٹو کی اچھی مانگ تھی اور اُس کی بہت سی پریمیاں منگوائی تھیں ؟

ناہی ! ان میں سے کوئی آج اس بچی کو دیکھ اُٹھتا ! کون یقین کریگا کہ یہ وہی بچی ہے ؟ اُس سے بے اپنی اپنی گود میں لپیٹنے کے لئے لوگ ضد کرتے تھے اور آج ؟ آج چھوٹے نک کے لئے لوگ نفرت کریں گے . اُس نے جان فوٹو میں آتما چھلپے نا دھندلاپن ظاہر ہوتا ہے اور اُس جاندار بچی میں موت کی 'تھلڈ' ہے جو دھپکتی بودیک آ رہی ہے

دیکھی کی نگاہ دھڑے دھڑے بچی کے چہرے سے ہٹ، دوسرے فوٹو کی طرف گئی . وہ وہاں اُس لئے ٹنگی تھی کہ بچی آنکھ کھلتے ہی اسے دیکھ لے اُس میں ایک نغمہ صفت اور ہنس مکھ جوان ہے اور اُس کے گالے سے چھپتی ایک بچی بھی ہے، جو کمرے کی طرف دیکھ، ہلستے ہے، موٹی تازی اور چٹھل—پیتا اور پیتری . ایسا لگتا تھا کہ دونوں اُسی دھپے پر فخر کرتے ہوں . بچی کی آنکھیں سامو کم رہی ہوں کہ نعلیہ اچھے بابو جی میں اور پیتا کا چہرہ کم رہا ہو کہ ایسی بچی کو دون ملنا نہیں چاہیگا .

دیکھی اُس فوٹو کو بے پلک مارتے دیکھتی رہی. اُس اچھے بھڑے جوان سے ایسی لاف دلائی بچی نا من چوسا پھار پالنے کے لئے وہ اپنے ماں باپ سے بڑی جھگڑی تھی . اُن لوگوں کی نظر میں ہرک داساد ہلنے کے لئے اُنہیں نے کتنی مصحلت کی اور بولہوی بھی حاصل کی ! پھر ؟... اُن دنوں جس فوٹو کو دیکھ، اُس کی آنکھوں

بہ رہی ہے، تو لڑکیوں کو پداے بینا کام کسے چل سکتا ہے؟

ساویتری کی آواز جب کہی اونچی ہو جاتی تو رکمنی کا دھیان اس طرف جاتا۔ بلکہ کہتے، پتے اور سوئے اس نے بھی اسی طرح پڑھا تھا۔ جہوں کے وہ دن کتنے سنگھڑے تھے! دل میں سنگھڑے تھے، آنکھوں میں خارش۔ کوئی مہنگی کپڑا شاید ساڑی کو بچھ بیچ میں روک لیتی ہوگی۔ نوٹ بک کے ٹیسٹ ٹیوب اور بنسن برنر کے ڈیڑھ پیماس کے بیچ سے کسی نوجوان کی پتلی مونچھ اور چمکلی آنکھیں اس کے دل میں دکھائی پڑتی ہونگی۔ کون جالے؟ شاید اس لئے پڑھنے کی آواز بھی دھیمی ہو جاتی ہے۔ دوسری لڑکھوں کی طرح رکمنی کے جہوں میں بھی ایسی کئی باتیں کہتی تھیں، مگر ساڑی اتنی ہوشیار نہیں کہ وہ اسے کسی ساہسی جوان کو اپنی طرف کھینچ سکے جو اپنی پریمکا کے لئے مہا مہرو کی اونچی اونچی چوڑیوں پر بھی چڑھنے کا سہکچ نہ کرے۔ اسوں بھی ذرا شک ہے کہ اگر ساڑی ایک پریم کی چن لے، تو اس سے شادی کرنے کے لئے گھر والوں کو ملنا سہجی یا نہیں۔ یہ سب رکمنی خوب جانتی ہے۔

رکمنی کا دھیان اچانک اسکی دوسری بہن کی طرف لگا۔ دو چار دنوں میں اسکی شادی ہونے والی ہے۔ شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں یہی اس گھر کے شور شراب کا اور بھر بھر بھینے کا کارن ہے۔ لیکن بھائی کا افسانہ مانو دنوں دن کم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ باہر بیٹھا دیکھا بھی نہیں پڑتی۔ یہ بات نہیں کہ وہ دلہن کو نہیں چاہتی تھی یا گھر سے اس کے علاوہ اس سے کچھ کر بھی نہیں سکتی، شادی کے پہلے دن دل میں جو آہٹکا ہے مہربانی، انتہائی، رنج اور خوشی ہوتی ہے، ان کو وہ دور نہیں کر پاتی۔ وہ ایکسٹ چاہتی ہے۔ نہا سوامی، نہا گھر، نہا ماں باپ، وہ سب طرح سے مٹی زندہ کی ڈھیری پر کھڑی ہے۔ لکھنا کے دوار سے جب وہ چھانکتی ہے.....

رکمنی کا دھیان بکچے کے رانے سے لٹک گیا۔ اسنے اسی مڈرا میں بچے ہتھ پدا ملے قلم اپنی ہتھی کے چہرے سے نظر ڈالتا اس کمرے کی طرف دیکھا، جہاں سے بچے کی آواز آتی تھی۔ وہاں سے اس کمرے کا کچھ نہیں دکھائی پڑتا۔ مگر دیوار کی پرچھائوں سے وہ سمجھ گئی کہ بچہ پالنے میں پڑا چھٹکا رہا ہے۔ بچہ اس کے ہرے ہاتھ کا ہے۔ ان کی شادی پارسال ہوئی تھی۔ بچہ سوچا ہوا ہے، مگر پھر بھی اسے وہی چہرہ ہے وہ دونوں کہاں چلے گئے؟ ہاں، پالنے کی چھوٹی پرچھائوں کے پاس اور دو پرچھائوں دیکھ رہیں۔ ایک پردہ کی اور ایک استری کی۔

بہ رہی ہے، تو لڑکھوں کو پوہائے بلکہ کام کسے چل سکتا ہے؟

ساڑی کی آواز جب کہی اونچی ہو جاتی تو رکمنی کا دھیان اس طرف جاتا۔ بلکہ کہتے، پتے اور سوئے اس نے بھی اسی طرح پڑھا تھا۔ جہوں کے وہ دن کتنے سنگھڑے تھے! دل میں سنگھڑے تھے، آنکھوں میں خارش۔ کوئی مہنگی کپڑا شاید ساڑی کو بچھ بیچ میں روک لیتی ہوگی۔ نوٹ بک کے ٹیسٹ ٹیوب اور بنسن برنر کے ڈیڑھ پیماس کے بیچ سے کسی نوجوان کی پتلی مونچھ اور چمکلی آنکھیں اس کے دل میں دکھائی پڑتی ہونگی۔ کون جالے؟ شاید اس لئے پڑھنے کی آواز بھی دھیمی ہو جاتی ہے۔ دوسری لڑکھوں کی طرح رکمنی کے جہوں میں بھی ایسی کئی باتیں کہتی تھیں، مگر ساڑی اتنی ہوشیار نہیں کہ وہ اسے کسی ساہسی جوان کو اپنی طرف کھینچ سکے جو اپنی پریمکا کے لئے مہا مہرو کی اونچی اونچی چوڑیوں پر بھی چڑھنے کا سہکچ نہ کرے۔ اسوں بھی ذرا شک ہے کہ اگر ساڑی ایک پریم کی چن لے، تو اس سے شادی کرنے کے لئے گھر والوں کو ملنا سہجی یا نہیں۔ یہ سب رکمنی خوب جانتی ہے۔

رکمنی کا دھیان اچانک اسکی دوسری بہن کی طرف لگا۔ دو چار دنوں میں اسکی شادی ہونے والی ہے۔ شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں یہی اس گھر کے شور شراب کا اور بھر بھر بھینے کا کارن ہے۔ لیکن بھائی کا افسانہ مانو دنوں دن کم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ باہر بیٹھا دیکھا بھی نہیں پڑتی۔ یہ بات نہیں کہ وہ دلہن کو نہیں چاہتی تھی یا گھر سے اس کے علاوہ اس سے کچھ کر بھی نہیں سکتی، شادی کے پہلے دن دل میں جو آہٹکا ہے مہربانی، انتہائی، رنج اور خوشی ہوتی ہے، ان کو وہ دور نہیں کر پاتی۔ وہ ایکسٹ چاہتی ہے۔ نہا سوامی، نہا گھر، نہا ماں باپ، وہ سب طرح سے مٹی زندہ کی ڈھیری پر کھڑی ہے۔ لکھنا کے دوار سے جب وہ چھانکتی ہے.....

رکمنی کا دھیان بچے کے رانے سے لٹک گیا۔ اسنے اسی مڈرا میں بچے ہتھ پدا ملے قلم اپنی ہتھی کے چہرے سے نظر ڈالتا اس کمرے کی طرف دیکھا، جہاں سے بچے کی آواز آتی تھی۔ وہاں سے اس کمرے کا کچھ نہیں دکھائی پڑتا۔ مگر دیوار کی پرچھائوں سے وہ سمجھ گئی کہ بچہ پالنے میں پڑا چھٹکا رہا ہے۔ بچہ اس کے ہرے ہاتھ کا ہے۔ ان کی شادی پارسال ہوئی تھی۔ بچہ سوچا ہوا ہے، مگر پھر بھی اسے وہی چہرہ ہے وہ دونوں کہاں چلے گئے؟ ہاں، پالنے کی چھوٹی پرچھائوں کے پاس اور دو پرچھائوں دیکھ رہیں۔ ایک پردہ کی اور ایک استری کی۔

امام ! بابو جی کہاں ہیں ؟

(کے . سرسولی امام)

کئی گھنٹے گزر گئے، دکنی تھلکے فرش پر بیٹھی ہے۔ دونوں پیر ساکھ کے نیچے پتارے، سیر ہتھیلی پر رکھے۔ وہ اپنی دھاری مٹی کے چہرے سے اپنی آنکھیں ہٹا نہیں پا رہی ! بچی پیٹ کے بل لہٹی ہوئی ہے۔ بنگلے کے کمرے سے بچی کے بارہ بچنے کی آواز سنائی پڑی۔ پر وہ جیسے ہی بیٹھی رہی۔ اسے نہلت نہلتی آ رہی ہے۔ کسے آئے ؟ ایسا لگتا تھا، اس بچے کے ہاتھ چہرے کے نیچے جو دل ہے، اسکی دھڑکن جیسے کمزور ہوتی جا رہی ہو۔

اس بچے پر ہزار کے دوسرے لوگ بھی اُس کمرے میں آیا جایا کرتے تھے۔ مگر کسی نے دکنی سے نہیں کہا کہ وہ تھلکے فرش پر نہ بیٹھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کسی نو اسکی طرف دھیان دینے کا لاکھ ہی نہیں تھا۔ وہ اچھے اچھے کاموں میں مشغول تھے۔

دکنی بھی اپنی حالت سمجھتی ہو، ایسی بات بھی نہیں۔ اُس کا من بچے کے سچے چہرے کے چاروں طرف معلق رہا ہے۔ دوسروں کا کم میں مشغول ہونا اور اپنی پرانی یادگاروں میں اس کے من کو مشغول رہی ہیں۔ دوسروں نے وہ اپنی زندگی کی ہی جھلک دیکھ رہی تھی۔

اسکی چوتھی بہن سارنی داس کے کمرے میں بیٹھی ہو رہی ہے۔ اسکی پریشا بہت نزدیک ہے۔ انٹر میڈیٹ پریشا کوئی معمولی چھوٹے بچے کی بہن جانتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ دکنی ہی ہاتھوں میں زبانی یاد دہانی پڑتی ہیں اور دکنی ہی ہاتھوں پریشا کے کمرے میں کو کے دکنی ہوتی ہیں۔ یہ سبھی تھوڑی اور پریشا کے دلچسپی کی پریشاؤں کے لئے بس کافی ہے۔ مگر چھوٹے کی پریشاؤں کے لئے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ روزی کمار کے لئے بہت کچھ دوسری ہاتھوں میں پڑتی ہیں اور دھیرے دھیرے دکنی ہاتھوں میں ہوتی جاتی ہیں۔ اس بچے کے دل کی لولہوں کو پڑھانی کا ہرمان پڑ دکنی، دکنی کے لئے ہر در سارے سارے بچے کے لئے چھوڑا ہوئے نہیں تھا ہے۔ یہ بچے بھی ایسی پڑھائی اور اُس کے لئے انکی مشق ؟ لولہوں کے لئے چاہئے، اپنی سہیلوں کی پریشا اور ادھیانوں کا واسل ! موت کا منہ دھڑ دھڑ جیسے بدلتا ہے، دھیرے دھیرے سان بپ کو اچھے دلوں میں بدلنے پڑتے ہیں۔ اپنی اُسٹرو کی پریشا پڑھتا ہے پتی کی سچا میں موت پڑھتی ہے، ایسے صحیحیہ والے جوانوں کی سلیمہا جب

بصیرتوں، تلسیروں اور پورتنوں کا ہے۔ لاکھوں بصرکاروں نے ان بصرکاروں کو تلسیروں سے بنا دیا۔ ان میں کتنی سندر ہیں؟ کتنی ہیں جو بصرکار سمجھی جا سکتی ہیں؟ اور ان میں ہی کتنی ہیں جن کا نام رکھتی دنیا تک کلام رہے گا؟ بصرکار نام کی بصرکار کر دینا ان کو بصرکار کر دیا ہے۔ اسی بصرکار کی خاطر مرنے والوں کی یاد گاہیں بنائی جاتی ہیں اور یادگار کے نور پر ہی قبروں پر مورتیاں بنائی جاتی ہیں۔ ان میں کتنے ناچ مصل نکلے؟ ہزار دو ہزار نہ سہی دس بصرکار ہی کے نام لگا دیئے۔

دوسرے بصرکاروں کی طرح ہمارے شہر میں بھی پچھلے پچھلے بصرکاروں میں سے لاکھ لاکھ مکان بنائے گئے۔ ان میں ہزاروں مکان بنائے گئے ہیں جن کے مالک اپنے مکان کو بہت خوبصورت سمجھتے ہیں۔ روزانہ صبح صبح جلد ہی مکانوں میں جن میں تھوڑا بہت سندر ہے۔ روزانہ بقیہ سب معمولی بلکہ بے بصرکار ہیں۔

بصرکاروں کی سندریتا کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب ہمیں بصرکاروں سے لطف بنانے ہوں اور بصرکاروں کے بنانے پر سب سے زیادہ بصرکار سہیپن کا لٹاؤ رکھنا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر بصرکار کو ہنر یا تاج مصل یا بصرکار بنائے جائے۔ ان کی سندریتا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہزاروں میں خوبصورتی پیدا کرنا نہ فکرت سے ممکن ہوا۔ نہ کسی انسان سے۔ چاہو نہ چاہو سہاگہ پن زائر ہوگا۔ ہر مکان میں رنگا رنگی نہیں پیدا ہو سکتی۔

یہی حال بصرکاروں کا ہے۔ چاند بصرکاروں کو سندر بن جائے اور بات ہے مگر ہزاروں بصرکاروں کو بصرکار بنانا جو بصرکاروں سے سندر بھی ہیں کسی زبان میں ممکن نہ ہوا۔ لٹاؤ بصرکاروں کے لئے بصرکاروں میں خوبصورتی کی سہاگہ کرنا، سہاگہ کرنے والوں کی بھر ہے۔ ہمیں سیکر یہ دیکھنا چاہیے کہ بصرکار بصرکار اور بصرکار کو بصرکار بنانے کی ضرورت کو بصرکار میں یا نہیں۔ اگر نئے بصرکار بصرکار ہیں اور بصرکار بصرکار سے سہی ہوں تو کافی ہے۔

بصرکاروں کی سندریتا کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب ہمیں ہزاروں نئے بصرکار بنانے ہوں اور بصرکاروں کے بنانے پر سب سے زیادہ بصرکار سہیپن کا لٹاؤ رکھنا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر بصرکار کو ہنر یا تاج مصل یا بصرکار بنائے جائے۔ ان کی سندریتا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہزاروں میں خوبصورتی پیدا کرنا نہ فکرت سے ممکن ہوا۔ نہ کسی انسان سے۔ چاہو نہ چاہو سہاگہ پن زائر ہوگا۔ ہر مکان میں رنگا رنگی نہیں پیدا ہو سکتی۔

بصرکاروں کی سندریتا کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب ہمیں ہزاروں نئے بصرکار بنانے ہوں اور بصرکاروں کے بنانے پر سب سے زیادہ بصرکار سہیپن کا لٹاؤ رکھنا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر بصرکار کو ہنر یا تاج مصل یا بصرکار بنائے جائے۔ ان کی سندریتا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہزاروں میں خوبصورتی پیدا کرنا نہ فکرت سے ممکن ہوا۔ نہ کسی انسان سے۔ چاہو نہ چاہو سہاگہ پن زائر ہوگا۔ ہر مکان میں رنگا رنگی نہیں پیدا ہو سکتی۔

بصرکاروں کی سندریتا کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب ہمیں ہزاروں نئے بصرکار بنانے ہوں اور بصرکاروں کے بنانے پر سب سے زیادہ بصرکار سہیپن کا لٹاؤ رکھنا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر بصرکار کو ہنر یا تاج مصل یا بصرکار بنائے جائے۔ ان کی سندریتا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہزاروں میں خوبصورتی پیدا کرنا نہ فکرت سے ممکن ہوا۔ نہ کسی انسان سے۔ چاہو نہ چاہو سہاگہ پن زائر ہوگا۔ ہر مکان میں رنگا رنگی نہیں پیدا ہو سکتی۔

بصرکاروں کی سندریتا کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب ہمیں ہزاروں نئے بصرکار بنانے ہوں اور بصرکاروں کے بنانے پر سب سے زیادہ بصرکار سہیپن کا لٹاؤ رکھنا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر بصرکار کو ہنر یا تاج مصل یا بصرکار بنائے جائے۔ ان کی سندریتا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہزاروں میں خوبصورتی پیدا کرنا نہ فکرت سے ممکن ہوا۔ نہ کسی انسان سے۔ چاہو نہ چاہو سہاگہ پن زائر ہوگا۔ ہر مکان میں رنگا رنگی نہیں پیدا ہو سکتی۔

میری भाषाई शब्दावली बनाने में इस तरह काम हरगिज नहीं चल सकता. अगर हम हिन्दी या उर्दू को बिचाई भाषा बनाना चाहते हैं तो हमें बेबस हो कर नया रास्ता इच्छित्यार करना पड़ेगा. शायद आपको वही रास्ता चलना पड़े जो मैंने तलाश किया है. यानी इसम या केल से कैकयती इसम बनाओ, वह भी इस तरह से कि बनाने और समझने में आसानी हो इसीलिये मुझे यकीन है कि किकरा असूल के मुताबिक नये नये शब्द बनाए जायें तो चन्द दिनों में हम इस तरीके से इतने वाकिक और मानूस हो जायेंगे कि खुद बीसियों नये नये लफ्ज बना सकेंगे जैसे :

बिजली से बिजलियाना	याने	Electrify
बिजलियावा	"	Electrification
कोड से कोडयाना	"	Codify
कोडयावा	"	Codification
कोडयाया	"	Codified
ईसाई से ईसाइयाना	"	Christianize
ईसाइयावा	"	Chritianization
आसानी से आसानियाना	"	Simplify
आसानियावा	"	Simplification

मेरे बाप मित्रों का यह एतराज है कि यह लफ्ज खूबसूरत नहीं हैं. यह एतराज ठीक है. फिर भी मैं अपने भाषाई असूल को ठीक समझता हूँ और इतराज करने वाले मित्रों से दो बातें कहता हूँ एक तो यह कि न सिर्फ लफ्ज बल्कि भाषा का सुन्दरपन बड़ी हद तक मानूस होने पर है. बहुत से नये शब्द जो आज हमें भले नहीं लगते अगर चल पड़ें तो अच्छे मालूम होने लगेंगे क्योंकि इन शब्दों को सुनते सुनते हम इनको खुद बखुद पसन्द करने लगेंगे. दूसरी बात यह कहनी है कि असली संसार में सुन्दर चीजें कितनी कम हैं. जब परमात्मा और कुदरत ने बहुत सी सुन्दर चीजें पैदा नहीं की तो मुझ जैसा मामूली इन्सान सुन्दर सुन्दर शब्द जियादा तादाद में कहां से ला सकता है? हमारी भाषा के कितने शब्द सचमुच सुन्दर हैं? जब करोड़ों इन्सानों ने सैकड़ों बरस में गिनती के चन्व खूबसूरत लफ्ज बनाए हैं तो चन्द आदमी एक दो दहाइयों में हज़ारों सुन्दर लफ्ज क्यों कर बना सकेंगे? हमारे मुल्क और यहां की कलचर ज़बान को जाने दीजिये दुनिया में और भी तो कौमें हैं जो भांत भांत की ज़बानें बोलती हैं. इन सब की तादाद सैकड़ों बल्कि हज़ारों की है. सारे संसार में कितनी भाषाएं सुन्दर हैं? लाखों इन्सानों में दो तीन की सूरतें अच्छी होती हैं. करोड़ों इन्सान हैं जिनकी सूरतें बिलकुल मामूली हैं. इनमें कोई सुन्दरता नहीं है. इनके नाक नज़रों, रंग रूप में कोई कशिश नहीं. खूबसूरती तो जाने दीजिये बहुतेरे इन्सानों को सूरतें खराब हैं. यही हाल शहरों,

मेरी भाषाई शब्दावली बनाने में इस तरह काम हरगिज नहीं चल सकता. अगर हम हिन्दी या उर्दू को बिचाई भाषा बनाना चाहते हैं तो हमें बेबस हो कर नया रास्ता इच्छित्यार करना पड़ेगा. शायद आपको वही रास्ता चलना पड़े जो मैंने तलाश किया है. यानी इसम या केल से कैकयती इसम बनाओ, वह भी इस तरह से कि बनाने और समझने में आसानी हो इसीलिये मुझे यकीन है कि किकरा असूल के मुताबिक नये नये शब्द बनाए जायें तो चन्द दिनों में हम इस तरीके से इतने वाकिक और मानूस हो जायेंगे कि खुद बीसियों नये नये लफ्ज बना सकेंगे जैसे :

Electrify	याने	बिजली से बिजलियाना
Electrification	"	बिजलियावा
Codify	"	कोड से कोडयाना
Codification	"	कोडयावा
Codified	"	कोडयाया
Christianize	"	ईसाई से ईसाइयाना
Christianization	"	ईसाइयावा
Simplify	"	आसानी से आसानियाना
Simplification	"	आसानियावा

हरे बार मत्तों का یہ اعتراض ہے کہ یہ لفظ خوب صورت نہیں ہیں. یہ اعتراض تھوک ہے. یہ وہی مہن میں اپنے بھاشا نیاں اصول کو تھوک سمجھتا ہوں اور اعتراض کرنے والے ممتوں سے دو باتوں کہتا ہوں. ایک تو یہ کہ یہ صرف لفظ بلکہ بھاشا کا سندر پن بڑی حد تک مانوس ہونے پر ہے. بہت سے نئے شہد جو آج ہمیں بھلے نہیں لگتے اگر چل پڑیں تو اچھے مالم ہونے لگتے کہوں کہ ان شہدوں کو سقمہ سڈیہ ہم ان کو خد بخد پسند کرنے لگتے. دوسری بات یہ کہلی ہے کہ اصلی سندسار میں سندر چوڑیں نکلی کم ہوں. جب پرمانا اور قدرت نے بہت سی سندر چوڑیں پیدا نہیں کی تو مجھ جیسا مامولی انسان سندر سندر شہد پیدا تودان میں کہاں سے لاسکتا ہے؟ ہماری بھاشا کے کلمے شہد سچ سچ سندر ہوں؟ جب کروڑوں انسانوں نے سہکوں برس میں نکلی کے چلد خوب صورت لفظ بنائے ہیں او چلد آدمی ایک دو دھانوں میں ہزاروں سندر لفظ کہوں کر بنا سکتے؟ ہمارے ملک اور یہاں کی کلمہ اور زبان کو جانے دیجئے. دنیا میں اور بھی تو قومیں ہیں جو بھانت بھانت کی زبانیں بولتی ہیں. ان سب کی تعداد سہکوں بلکہ ہزاروں کی ہے. سارے سندسار میں کتنی بھاشاں سندر ہوں؟ لاکھوں انسانوں میں دو تین کی سورتوں اچھی ہوتی ہیں. کروڑوں انسانوں میں جن کی سورتوں ماکل مامول ہیں. ان میں کوئی سندر نہیں ہے ان کے ناک نقشہ رنگ روپ میں کوئی کھش نہیں. خوب سورتی تو جانے دیجئے بہت سے انسانوں کی سورتوں خراب ہوں. یہی حال شہروں،

تو بڑی کٹینائی ہوگی۔ Acidify کے لیے خٹا اور تڑپاؤ کے لیے Acidification اور Acidify کے لیے ہندی 'خٹا' یا 'تڑپاؤ' کا لفظ 'خٹا' یا 'تڑپاؤ' سے لیا گیا ہے۔ کیا انجمن ترقی اور ترقی والوں کو کہتے ہیں؟ انہی نے کہا ہے کہ اچھے دستور خانہ پر جگہ دینا تو بڑی بات ہے۔ اسے اپنی بوجھان دینا تو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے؟ اردو کا بھی جھکاؤ ہم ہندوستانی پریموں کو بہت کہتا ہے۔ اسی لیے ہندی کی تڑپاؤ اور تڑپاؤ سے ہی تڑپاؤ ہو کر ہم کوشش کر رہے ہیں کہ چالو لغزوں اور چالو چوروں سے نئے نئے لغز بنائے جائیں جو ویدیائی ایتھار سے بھی تھک ہوں۔ اسی لیے ہندوستانی میں:

Acidify	کے لیے	خٹانا یا خٹاڑیانا
Acidity	" "	خٹاؤ یا خٹاپن
Acidification	" "	خٹاڑیانا کے برابر یا سمجھا سکتے ہیں۔

اسی دنگ پر

Sulphurate	کے لیے	گدھکانا
Sulphuration	" "	گدھکاؤ

بن سکتے ہیں Sulphuration کا ترجمہ انجمن کی لغت میں 'گدھ' سے 'ساफ करना' کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ نہیں ہے، سمجھاؤ! ایک ایک لفظ کی بجائے چار چار لفظ استعمال کرنا ہو تو ہم پانچ لفظوں سے پانچ لفظوں کا ترجمہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سچموتی لٹریچر کے ایک مشہور پرائمر میں Giraffe کا ترجمہ چار لفظوں میں یہ کیا ہے: "ایک طرح کا گدھ"۔ اگر ہم اردو اور ہندی کے ان دونوں کی بدولت کرنا چاہیں تو پھر کہتا ہوں کہ ان دونوں کے ترجمہ کر سکتے ہیں اور Kangaroo کو "ایک طرح کا بکرا" اور Socialism کو "ایک طرح کا اشتراکیت" کہہ سکتے ہیں اور اگر چار لفظوں میں بھی ترجمہ نہ بن پڑے تو بابا! اردو کی بدولت Fraternize کا ترجمہ "بھائی چارہ پیدا کرنا" کریں اور اس نے ہمارے

Fraternization کا ترجمہ اسم مفہوم والا نہیں ہے۔ لکھ دیں! انہوں نے سچے سچے انجمن ترقی اور ترقی کی ڈکشنری میں

Economise کا ترجمہ اشتراکیت شعار کرنا، اشتراکیت اختیار کرنا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی

Economization کا ترجمہ اشتراکیت، اشتراکیت شعار کرنا، اشتراکیت اختیار کرنا کیا گیا ہے۔

نہی ہوئی کٹینائی ہوئی۔ Acidify کے لیے خٹا اور تڑپاؤ کے لیے Acidification اور Acidify کے لیے ہندی 'خٹا' یا 'تڑپاؤ' کا لفظ 'خٹا' یا 'تڑپاؤ' سے لیا گیا ہے۔ کیا انجمن ترقی اور ترقی والوں کو کہتے ہیں؟ انہی نے کہا ہے کہ اچھے دستور خانہ پر جگہ دینا تو بڑی بات ہے۔ اسے اپنی بوجھان دینا تو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے؟ اردو کا بھی جھکاؤ ہم ہندوستانی پریموں کو بہت کہتا ہے۔ اسی لیے ہندی کی تڑپاؤ اور تڑپاؤ سے ہی تڑپاؤ ہو کر ہم کوشش کر رہے ہیں کہ چالو لغزوں اور چالو چوروں سے نئے نئے لغز بنائے جائیں جو ویدیائی ایتھار سے بھی تھک ہوں۔ اسی لیے ہندوستانی میں:

Acidify	کے لیے	خٹانا یا خٹاڑیانا
Acidity	" "	خٹاؤ یا خٹاپن
Acidification	" "	خٹاڑیانا کے برابر یا سمجھا سکتے ہیں۔

کے برابر سمجھا سکتے ہیں۔ اسی قلمک پر

Sulphurate	کے لیے	گدھکانا
Sulphuration	" "	گدھکاؤ

بن سکتے ہیں Sulphuration کا ترجمہ انجمن کی لغت میں 'گدھ' سے 'ساफ करना' کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ نہیں ہے، سمجھاؤ! ایک ایک لفظ کی بجائے چار چار لفظ استعمال کرنا ہو تو ہم پانچ لفظوں سے پانچ لفظوں کا ترجمہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سچموتی لٹریچر کے ایک مشہور پرائمر میں Giraffe کا ترجمہ چار لفظوں میں یہ کیا ہے: "ایک طرح کا گدھ"۔ اگر ہم اردو اور ہندی کے ان دونوں کی بدولت کرنا چاہیں تو پھر کہتا ہوں کہ ان دونوں کے ترجمہ کر سکتے ہیں اور Kangaroo کو "ایک طرح کا بکرا" اور Socialism کو "ایک طرح کا اشتراکیت" کہہ سکتے ہیں اور اگر چار لفظوں میں بھی ترجمہ نہ بن پڑے تو بابا! اردو کی بدولت Fraternize کا ترجمہ "بھائی چارہ پیدا کرنا" کریں اور اس نے ہمارے

Fraternization کا ترجمہ اسم مفہوم والا نہیں ہے۔ لکھ دیں! انہوں نے سچے سچے انجمن ترقی اور ترقی کی ڈکشنری میں

Economise کا ترجمہ اشتراکیت شعار کرنا، اشتراکیت اختیار کرنا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی

Economization کا ترجمہ اشتراکیت، اشتراکیت شعار کرنا، اشتراکیت اختیار کرنا کیا گیا ہے۔

isation کے لیے
inter ”
counter ”
مقرر کر کے جانے تاکہ ہر لفظ کا اصل ہوا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ رہے اور بظنیہ کے ہستہماں اور بظنیہ ہستہماں کی باکفیت سے اسی نمونے کے اور بھی لفظ بنائے جا سکیں اور پھر ان کے مانے سمجھ میں آ سکیں۔

Indianize	ہندویانا
Indianization	ہندویاوا
Indianism	ہندویت
Gandhize	گاندھیانا
Gandhization	گاندھیواوا
Gandhism	گاندھییت
Nationalize	قومیانا
Nationalization	قومیواوا
Nationalism	قومیت
Mechanize	مکانیانا
Mechanization	مکانیواوا
Mechanism	مکانیت

ان اصطلاحوں کی ترقی اردو کی ”برعک اصطلاحات علمیہ“ اور الکلمہ اردو قلمی ”میں ہر لفظ کے یہ مراد دئے گئے ہیں۔

ان اصطلاحات کی ترقی اردو کی ”برعک اصطلاحات علمیہ“ اور الکلمہ اردو قلمی ”میں ہر لفظ کے یہ مراد دئے گئے ہیں۔

Acidify	تورشیانا
Acidity	تورشییت
Acidification	تورشیواوا
Commercialization	تجارتیانا
Indianization	ہندویانا
Economization	اقتصادیانا

وہابی بھاشا میں تجارتی بنانا Commercialize کا ترجمہ ہو سکتا ہے۔ Commercialization کے لیے ایسا لفظ بنانا چاہئے جو اس کی اصلیت کو ظاہر کرے۔ اسی ترقی Indianize کا ترجمہ ہندویانا ہو سکتا ہے مگر انجمن کی قاعدہ میں Indianization کا ترجمہ ہندویانا کیا گیا ہے۔ اس برای کو انجمن ترقی اردو والے مہم جوں نے کر سکی ہے (تورشی) کا ترجمہ اسم (سلکھا) سے کرنا دیکھنا نقص ہے۔ یہ تھوڑا ہے کہ ہمارے ہاں ہوں چلنے لہلہ ہوتے ہوئے اسم کے نور پر چالو ہوں چھوڑ لہاں مگر ہر لہلہ کو اسم کے نور پر استعمال کیا جائے گا

isation کے لئے	inter ”	Counter
آوا	انتہ	تور
Indianize	ہندویانا	
Indianization	ہندویاوا	
Indianism	ہندویت	
Gandhize	گاندھیانا	
Gandhization	گاندھیواوا	
Gandhism	گاندھییت	
Nationalize	قومیانا	
Nationalization	قومیواوا	
Nationalism	قومیت	
Mechanize	مکانیانا	
Mechanization	مکانیواوا	
Mechanism	مکانیت	

ان اصطلاحات کی ترقی اردو کی ”برعک اصطلاحات علمیہ“ اور الکلمہ اردو قلمی ”میں ہر لفظ کے یہ مراد دئے گئے ہیں۔

Acidify	تورشیانا
Acidity	تورشییت
Acidification	تورشیواوا
Commercialization	تجارتیانا
Indianization	ہندویانا
Economization	اقتصادیانا

وہابی بھاشا میں تجارتی بنانا Commercialize کا ترجمہ ہو سکتا ہے۔ Commercialization کے لیے ایسا لفظ بنانا چاہئے جو اس کی اصلیت کو ظاہر کرے۔ اسی ترقی Indianize کا ترجمہ ہندویانا ہو سکتا ہے مگر انجمن کی قاعدہ میں Indianization کا ترجمہ ہندویانا کیا گیا ہے۔ اس برای کو انجمن ترقی اردو والے مہم جوں نے کر سکی ہے (تورشی) کا ترجمہ اسم (سلکھا) سے کرنا دیکھنا نقص ہے۔ یہ تھوڑا ہے کہ ہمارے ہاں ہوں چلنے لہلہ ہوتے ہوئے اسم کے نور پر چالو ہوں چھوڑ لہاں مگر ہر لہلہ کو اسم کے نور پر استعمال کیا جائے گا

انسول، 'ان' بماتی میں ان پہل چور ہے اور گلو سے گلو، لودھ سے لہا، سوئے سے سدا میں 'ا' اور سسرال، نہمال، ددھمال میں 'ا' یا بھاڑ، لٹاڑ، پھہڑ، رکاڑ، سجاڑ، کوڑ میں 'ا' آخریہ میں .

ہندوستانی سے ہندوئی رکھنے والوں کو اردو سے ایک اہم شکایت یہ بھی ہے کہ اردو میں استعمال ہونے والے ہندی پہل جوروں اور آخریوں سے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا اور جب سے اردو میں مشکل پسندی اور اربابانہ اور فارسی زندگی کا جھکاؤ پیدا ہوا ہے، اسے لغزوں کا راولچ کم ہو رہا ہے جن میں ہندی پن ہے یا نہ جو تھوٹے ہندی میں یا ہندی جوروں کی مدد سے بنتے ہیں۔ ایک ایک کر کے اردو سے وہ پھارے پھارے لغز ترک کر دیتے گئے جنہیں اردو کے شایروں نے بھی استعمال کیا تھا۔ ہندی تشبیہیں جاتی رہیں، ہندوستانی خیالات کم ہوتے گئے، فارسی پن اور اربی پن کا یہ آمستہ آمستہ بڑھتا گیا۔ اردو میں ہندی فائدوں کا اصل دخل کم اور فارسی اربی کا زیادہ ہونے لگا۔ ہندوستانی پریمنوں کی اب یہ کوشش ہے اور ہونی چاہئے کہ اس کھوئے ہوئے لغزی سرمایہ کو دوبارہ حاصل کریں اور ہندوستانی کے خزانے میں ہزاروں نئے نئے سکے فعالہن جو جانے پہچانے سانچوں سے نکلیے گئے کارن آپ اچے کھرے پن کا ثبوت ہوں۔

اُردو میں هندستانی جز اور حصہ کو بڑھا کر ہی ہم اسی زبان قائم رکھ سکتے ہیں جو ساری قوم کی زبان ہو یا جو بھارت کے اندر ہسوں میں بولی اور سمجھی جا سکے۔ اسی زبان کو ترقی دینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایسے نئے نئے لغز بنائے جائیں جو ہندی میں بھی چل سکیں اور اُردو میں بھی۔

نئے زمانے کے نئے خیالوں، نئی ذہنوں اور نئی چیزوں کو راہر کرنے کے لئے ہمیں ہزاروں نئے نئے لغز درکار ہیں۔ اب ہوا اچھا سوتا ہے کہ ہم ایسے لغز بنائیں جو ہندسی اور اردو دونوں میں چل سکیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہندسی اور اردو میں رواج پانے والے پہلے چیزوں اور آخریوں سے نئے لغز بنائے جائیں جسکی ایک ترکیب یہ ہے کہ انگریزی اور ہندستانی پہلے چیزوں اور آخریوں کے برابرے (Equivalents) مقرر کر لئے جائیں اور ایسے سانسے تیار کئے جائیں، جن میں خاموشی نے متابقت اور یہی نئے نئے لغز بنائے جا سکیں۔

اسی اصول کے مطابق میں یہ سمجھاؤ پہنچ کرنا
ہیں کہ:

58-20000

دیش سے وہاں ہے۔ اس نئے انہیں یہ پسند نہیں کہ ان کا صوبہ چھٹا کمشنر صوبہ ہو۔ مئی پوری اگر آسام سے مل جائے تو آسانی سے گورنر صوبہ والے بن سکتے ہیں۔ پر وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آسام کے ساتھ ملنے سے ان کا وہ حال ہو جائے گا جو سنگ کا آٹھ میں ہوتا ہے۔ کہونکہ وہ کل تعداد میں چھ لاکھ سے زیادہ نہیں۔ ہندوستان جیسی بڑی سرکار چھ لاکھ آدمیوں کے لئے ایک الگ صوبہ کیسے بنا سکتی ہے؟ اور وہ چھ لاکھ کا صوبہ اپنے آپ کو کیسے سنبھال سکتا ہے؟ اور وہ بھی اُس وقت جب وہ دوسرے ملک کی سرحد سے لگا ہو۔

آخر میں ہم یہ کہہ کر اپنی بات ختم کرتے ہیں کہ پچھلے میں اگر کاشمیر کو قدرت نے سوگ بنا رکھا ہے تو پورب میں آدمی نے کئی نئی کر مئی پور کو سوگ میں بدل دیا ہے۔

—بھگواندین

—بھگواندین

ہندوستانی شبدیات کا چھٹا اسول : شبد جوڑوں کے ترجمہ

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندوستانی کے لیے نئے نئے شبدیات بنانے کا ایک اصول ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ آسان اور آسان سمجھ لفظوں کے ساتھ نئے لفظ بنائے جائیں اسی اصول کے انداز پر میں نے Prefix کا ترجمہ پہل جوڑ اور Suffix کا ترجمہ پھل جوڑ کیا۔ 'پہل جوڑ' کا لفظ سننے سے ہی پتا چلتا ہے کہ یہ لفظ پہلے آئے والا ہے۔ اسی تر آخریہ بہت زیادہ آسانی سے Suffix کے مانے واضح کرتا ہے۔

ہندوستانی کے لیے نئے نئے لفظ بنانے کا چھٹا اصول یہ ہونا چاہیے کہ ہر لفظ کا اصل لفظ یا لفظ جوڑا جہاں تک بن سکے پہل لفظ (Prefixes) اور پھل لفظ (Suffixes) کے برابر سے متروک کر لئے جائیں تاکہ نئے نئے لفظ کے بنانے میں سہولت ہو۔

ہر زبان میں لفظی ٹکڑے ہوتے ہیں جو کبھی اصل لفظ کے شروع میں، کبھی آخر میں لگائے جاتے ہیں۔ شروع میں آئے والے لفظی ٹکڑے کو پہل جوڑ اور آخر میں آئے والے کو آخریہ کہتے ہیں: جیسے 'انجان'، 'انسل'،

ہندوستانی شبدیات کا چھٹا اسول : شبد جوڑوں کے ترجمہ

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندوستانی کے لئے نئے نئے شبدیات بنانے کا ایک اصول ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ آسان اور آسان سمجھ لفظوں کے ساتھ نئے لفظ بنائے جائیں اسی اصول کے انداز پر میں نے Prefix کا ترجمہ پہل جوڑ اور Suffix کا ترجمہ پھل جوڑ کیا۔ 'پہل جوڑ' کا لفظ سننے سے ہی پتا چلتا ہے کہ یہ لفظ پہلے آئے والا ہے۔ اسی تر آخریہ بہت زیادہ آسانی سے Suffix کے مانے واضح کرتا ہے۔

ہندوستانی کے لیے نئے نئے لفظ بنانے کا چھٹا اصول یہ ہونا چاہیے کہ ہر لفظ کا اصل لفظ یا لفظ جوڑا جہاں تک بن سکے پہل لفظ (Prefixes) اور پھل لفظ (Suffixes) کے برابر سے متروک کر لئے جائیں تاکہ نئے نئے لفظ کے بنانے میں سہولت ہو۔

ہر زبان میں لفظی ٹکڑے ہوتے ہیں جو کبھی اصل لفظ کے شروع میں، کبھی آخر میں لگائے جاتے ہیں۔ شروع میں آئے والے لفظی ٹکڑے کو پہل جوڑ اور آخر میں آئے والے کو آخریہ کہتے ہیں: جیسے 'انجان'، 'انسل'،

کڑکٹ دیکھنے کو بھی نہیں ملے گا۔ سڑکوں پر بھی بہت صاف دھتلی۔ ان کا گھر بہت دیرسخت ملے گا۔ صاف تو ملے گا ہی۔

آسام میں کپڑے کا بہت رواج ہے۔ ہر گھر میں آپ کو کپڑا دیکھنے کو ملے گا۔ آسام کی قریب قریب ہر عورت ہلتا جانتی ہے۔ پھر چاہے وہ اس کے گھر والے کی ہو یا چاہے قریب کے گھر والے کی۔ براہمن ناری تو شائد ہی کوئی ملے جو ہلتا نہ جانتی ہو۔ ہاتھ کے پٹے کپڑوں کا رواج بہت پرانا ہے۔ پوجا میں تو مل کے کپڑے کام میں ہی نہیں آتے۔ ہاتھ کتے سوت کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اسکی وجہ یہاں کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مل کا سوت سمٹا ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ہاتھ کا کتا سوت کام میں لانا کم کر دیا ہے۔ پھر بھی یہاں کے لوگ ہاتھ کتے سوت کا کپڑا ہلتا جانتے ہیں اور یہی سکتے ہیں۔ مٹی پوری تو ہر ایک کے گھر میں کرکھا لگائے ہوئے ہے اور مٹی پوری ہر ایک ناری ہلتا جانتی ہی نہیں روز کپڑا ہلتی ہے۔ سبکوں کے گھر والے ایسے ہیں جن کا کپڑا ہلتا روز کا کام ہے اور اسی سے پیسے نکالتے ہیں۔ مٹی پوری یعنی اسمہال کا بازار جب ہم دیکھتے تھے تو وہاں ہمسو کپڑے کی ایک بھی دکان ایسی نہیں مٹی جس کا دوندار مرد ہو۔ معلوم ہوا مٹی پوری عورتیں ہی مضبوط ہوتی ہیں اور وہ خود دکان چلاتی ہیں۔ کپڑا ہی کر اور دکان چلا کر بھی وہ بہت سا وقت گھر کے کام کاج کے لئے نکال لیتی ہیں۔ مٹی پوری کی ناریاں ہندوستان کی اور ناریاں سے کھانے کی چیزیں زیادہ آزاد ہیں اور اوروں سے کہیں زیادہ شہل وٹی بھی ہیں۔ یہ سن کر تو پوچھنے والوں کو اچھڑا ہی ہوگا کہ مٹی پوری ناری اسکو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے کہ اس کا مرد بازار میں سودا خریدنے جائے۔ سلتہ میں کہ جس طرح کہیں عورتوں کا بازار میں گھومنا یا سودا کرنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے ویسے ہی مٹی پوری میں مردوں کا سودا خریدنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اور سچ سچ ہوں کم سے کم کپڑے کے بازار میں جتنے آدمی سودا کرتے ہیں وہ سب گھر مٹی پوری ہی تھے اور جتنی ناریاں سودا کرتی ہیں وہ سب مٹی پوری تھیں۔

مٹی پوری کے مرد یا تو نوکریاں کرتے ہیں یا فوجی کام کرتے ہیں۔ جنہوں نے انگریزی تعلیم پا لی ہے وہ بازار میں سودا کرنے سے بھی نہیں چوکتے پوچھا تو نہیں پر ہو سکتا ہے کہ ان کے گھر کی ناریاں نے ہلتے کام اگر چھوڑا نہ ہوگا تو کم ضرور کر دیا ہوگا۔ چھوڑ دے یوں نہیں سکتی کہ پوجا کے کام کے لئے ہاتھ کا ہلتا کپڑا اور وہ بھی گھر کی کسی ناری کا ہلتا کپڑا ہے۔

آسام میں کپڑے کا بہت رواج ہے۔ ہر گھر میں آپ کو کپڑا دیکھنے کو ملے گا۔ آسام کی قریب قریب ہر عورت ہلتا جانتی ہے۔ پھر چاہے وہ اس کے گھر والے کی ہو یا چاہے قریب کے گھر والے کی۔ براہمن ناری تو شائد ہی کوئی ملے جو ہلتا نہ جانتی ہو۔ ہاتھ کے پٹے کپڑوں کا رواج بہت پرانا ہے۔ پوجا میں تو مل کے کپڑے کام میں ہی نہیں آتے۔ ہاتھ کتے سوت کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اسکی وجہ یہاں کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مل کا سوت سمٹا ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ہاتھ کا کتا سوت کام میں لانا کم کر دیا ہے۔ پھر بھی یہاں کے لوگ ہاتھ کتے سوت کا کپڑا ہلتا جانتے ہیں اور یہی سکتے ہیں۔ مٹی پوری تو ہر ایک کے گھر میں کرکھا لگائے ہوئے ہے اور مٹی پوری ہر ایک ناری ہلتا جانتی ہی نہیں روز کپڑا ہلتی ہے۔ سبکوں کے گھر والے ایسے ہیں جن کا کپڑا ہلتا روز کا کام ہے اور اسی سے پیسے نکالتے ہیں۔ مٹی پوری یعنی اسمہال کا بازار جب ہم دیکھتے تھے تو وہاں ہمسو کپڑے کی ایک بھی دکان ایسی نہیں مٹی جس کا دوندار مرد ہو۔ معلوم ہوا مٹی پوری عورتیں ہی مضبوط ہوتی ہیں اور وہ خود دکان چلاتی ہیں۔ کپڑا ہی کر اور دکان چلا کر بھی وہ بہت سا وقت گھر کے کام کاج کے لئے نکال لیتی ہیں۔ مٹی پوری کی ناریاں ہندوستان کی اور ناریاں سے کھانے کی چیزیں زیادہ آزاد ہیں اور اوروں سے کہیں زیادہ شہل وٹی بھی ہیں۔ یہ سن کر تو پوچھنے والوں کو اچھڑا ہی ہوگا کہ مٹی پوری ناری اسکو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے کہ اس کا مرد بازار میں سودا خریدنے جائے۔ سلتہ میں کہ جس طرح کہیں عورتوں کا بازار میں گھومنا یا سودا کرنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے ویسے ہی مٹی پوری میں مردوں کا سودا خریدنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اور سچ سچ ہوں کم سے کم کپڑے کے بازار میں جتنے آدمی سودا کرتے ہیں وہ سب گھر مٹی پوری ہی تھے اور جتنی ناریاں سودا کرتی ہیں وہ سب مٹی پوری تھیں۔

آسام میں کپڑے کا بہت رواج ہے۔ ہر گھر میں آپ کو کپڑا دیکھنے کو ملے گا۔ آسام کی قریب قریب ہر عورت ہلتا جانتی ہے۔ پھر چاہے وہ اس کے گھر والے کی ہو یا چاہے قریب کے گھر والے کی۔ براہمن ناری تو شائد ہی کوئی ملے جو ہلتا نہ جانتی ہو۔ ہاتھ کے پٹے کپڑوں کا رواج بہت پرانا ہے۔ پوجا میں تو مل کے کپڑے کام میں ہی نہیں آتے۔ ہاتھ کتے سوت کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اسکی وجہ یہاں کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مل کا سوت سمٹا ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ہاتھ کا کتا سوت کام میں لانا کم کر دیا ہے۔ پھر بھی یہاں کے لوگ ہاتھ کتے سوت کا کپڑا ہلتا جانتے ہیں اور یہی سکتے ہیں۔ مٹی پوری تو ہر ایک کے گھر میں کرکھا لگائے ہوئے ہے اور مٹی پوری ہر ایک ناری ہلتا جانتی ہی نہیں روز کپڑا ہلتی ہے۔ سبکوں کے گھر والے ایسے ہیں جن کا کپڑا ہلتا روز کا کام ہے اور اسی سے پیسے نکالتے ہیں۔ مٹی پوری یعنی اسمہال کا بازار جب ہم دیکھتے تھے تو وہاں ہمسو کپڑے کی ایک بھی دکان ایسی نہیں مٹی جس کا دوندار مرد ہو۔ معلوم ہوا مٹی پوری عورتیں ہی مضبوط ہوتی ہیں اور وہ خود دکان چلاتی ہیں۔ کپڑا ہی کر اور دکان چلا کر بھی وہ بہت سا وقت گھر کے کام کاج کے لئے نکال لیتی ہیں۔ مٹی پوری کی ناریاں ہندوستان کی اور ناریاں سے کھانے کی چیزیں زیادہ آزاد ہیں اور اوروں سے کہیں زیادہ شہل وٹی بھی ہیں۔ یہ سن کر تو پوچھنے والوں کو اچھڑا ہی ہوگا کہ مٹی پوری ناری اسکو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے کہ اس کا مرد بازار میں سودا خریدنے جائے۔ سلتہ میں کہ جس طرح کہیں عورتوں کا بازار میں گھومنا یا سودا کرنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے ویسے ہی مٹی پوری میں مردوں کا سودا خریدنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اور سچ سچ ہوں کم سے کم کپڑے کے بازار میں جتنے آدمی سودا کرتے ہیں وہ سب گھر مٹی پوری ہی تھے اور جتنی ناریاں سودا کرتی ہیں وہ سب مٹی پوری تھیں۔

مٹی پوری کے مرد یا تو نوکریاں کرتے ہیں یا فوجی کام کرتے ہیں۔ جنہوں نے انگریزی تعلیم پا لی ہے وہ بازار میں سودا کرنے سے بھی نہیں چوکتے پوچھا تو نہیں پر ہو سکتا ہے کہ ان کے گھر کی ناریاں نے ہلتے کام اگر چھوڑا نہ ہوگا تو کم ضرور کر دیا ہوگا۔ چھوڑ دے یوں نہیں سکتی کہ پوجا کے کام کے لئے ہاتھ کا ہلتا کپڑا اور وہ بھی گھر کی کسی ناری کا ہلتا کپڑا ہے۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مٹی پوریوں کو لکھ

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مٹی پوریوں کو اپنے

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ملقب کی ہولی تین چار روز تک اسی طرح چلتی رہتی ہے۔ یہ ہے ہی ٹھیک۔ آخر اگلے آدھی اس طرح ملقبوں میں پہاگ کوہنگہ تو چار دن زیادہ نہیں ہیں۔ یہاں یہ دھماں دھ کہ مئی پوری لوگ آپس میں رنگ نہیں پہنکتے۔ ان کا پہاگ جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی ملقب کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ ہاں، اسہمال میں جو گھر مئی پوری لوگ ہیں جسے مارواڑی وغیرہ وہ اپنے قہنگ سے ہولی کھلتے ہیں۔ پوہلی والے اٹلا اور جان لیں کہ اس ملقب میں ان کو طرح طرح کے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لوگ ملنگے اور ایک ایک رنگ کے لوگ الگ الگ ملقبوں میں ہوتے ہیں۔ یعنی کچھ ایک دم پہلے کھڑے ہیں، کچھ ایک دم لال میں، کچھ ایک دم ہرے رنگ میں۔ ہرے اور لال رنگ والوں کی بات ہم پوچھتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ ہاں پہلے رنگ والوں کی بات ہم نے ضرور جان لی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ہم ملقب میں پہنچتے تھے تب پہلے رنگ والے وہاں موجود تھے، لال ہرے رنگ والے وہاں موجود نہ تھے۔ پہلے رنگ کے لوگ سردار لوگ ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ یہ راجہ کے خاندان سے ہیں۔ ان کا پہلاوا اپنے قہنگ کا الگ تھا۔ ان کی دھونی تھیلوں تک نہ تھی۔ جب کہ سفید مئی پوریوں کی دھونی کھنگوں سے کچھ ہی کافی پہنچے تک تھی۔ پہلے مئی پوریوں نے انگریز کھنگوں سے ابھی پہنچے تھے، تھیلوں تک لیا جائے تو ہرج بہرج، جب کہ سفید مئی پوریوں کی سرزنی آدھی جانتی ہے یہی آواز تھی۔ پہلے مئی پوری سکھوں کی طرح پڑے پڑے صاف باندھے ہوئے تھے۔ لال اور ہرے مئی پوریوں کی پوشاک تھی تو ایک سی پر پہلے اور سفیدوں سے نہیں ملتی تھی۔ مئی پوری اگلے صاف دھتے ہیں کہ یہ لیا جا سکتا ہے کہ ملقبستان میں تو لیا دھتھا ہر مئی پوری ایسا دھتے ہیں جو سماجی روپ سے اٹلا صاف دھتے ہو۔ مئی پوری فریب ہو یا اسہر۔ براہمن، چہتری، دیہی، شودر، لولی، ہرے، صاف کھڑے پہلے ملے گا۔ اگر لولی لندے کھڑے پہلے ہوئے مل جائے تو آپ بے کھنگے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مئی پوری نہیں ہے۔ ایک بار ہم نے ایک مئی پوری سے پوچھا—”لہا آپ روز کھڑے دھوتے ہیں؟“ آخر اگلے صاف آپ دھتے ہیں طرح میں؟ وہ بولے—”روز تو بہتر دوسرے تیسرے ضرور کھڑے دھوتے جاتے ہیں۔ اگلے صاف دھتالی دھتے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے باہر نکالے، کھڑے الگ ہوتے ہیں اور گھر میں پہلے کے انک۔ لہا والے کھڑے دھوتے تو روز جاتے ہیں ہر وہ اگلے سفید اور چمکدار نہیں ہوتے جتنے باہر والے کھڑے۔“

مئی پوری کپڑے ساک پہناتے ہیں، یہی بات نہیں کہ ہر طرح سے کپڑے پہنتے ہیں۔ مئی پوریوں نے مصلوں میں کھڑا

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ملقب کی ہولی تین چار روز تک اسی طرح چلتی رہتی ہے۔ یہ ہے ہی ٹھیک۔ آخر اگلے آدھی اس طرح ملقبوں میں پہاگ کوہنگہ تو چار دن زیادہ نہیں ہیں۔ یہاں یہ دھماں دھ کہ مئی پوری لوگ آپس میں رنگ نہیں پہنکتے۔ ان کا پہاگ جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی ملقب کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ ہاں، اسہمال میں جو گھر مئی پوری لوگ ہیں جسے مارواڑی وغیرہ وہ اپنے قہنگ سے ہولی کھلتے ہیں۔ پوہلی والے اٹلا اور جان لیں کہ اس ملقب میں ان کو طرح طرح کے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لوگ ملنگے اور ایک ایک رنگ کے لوگ الگ الگ ملقبوں میں ہوتے ہیں۔ یعنی کچھ ایک دم پہلے کھڑے ہیں، کچھ ایک دم لال میں، کچھ ایک دم ہرے رنگ میں۔ ہرے اور لال رنگ والوں کی بات ہم پوچھتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ ہاں پہلے رنگ والوں کی بات ہم نے ضرور جان لی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ہم ملقب میں پہنچتے تھے تب پہلے رنگ والے وہاں موجود تھے، لال ہرے رنگ والے وہاں موجود نہ تھے۔ پہلے رنگ کے لوگ سردار لوگ ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ یہ راجہ کے خاندان سے ہیں۔ ان کا پہلاوا اپنے قہنگ کا الگ تھا۔ ان کی دھونی تھیلوں تک نہ تھی۔ جب کہ سفید مئی پوریوں کی دھونی کھنگوں سے کچھ ہی کافی پہنچے تک تھی۔ پہلے مئی پوریوں نے انگریز کھنگوں سے ابھی پہنچے تھے، تھیلوں تک لیا جائے تو ہرج بہرج، جب کہ سفید مئی پوریوں کی سرزنی آدھی جانتی ہے یہی آواز تھی۔ پہلے مئی پوری سکھوں کی طرح پڑے پڑے صاف باندھے ہوئے تھے۔ لال اور ہرے مئی پوریوں کی پوشاک تھی تو ایک سی پر پہلے اور سفیدوں سے نہیں ملتی تھی۔ مئی پوری اگلے صاف دھتے ہیں کہ یہ لیا جا سکتا ہے کہ ملقبستان میں تو لیا دھتھا ہر مئی پوری ایسا دھتے ہیں جو سماجی روپ سے اٹلا صاف دھتے ہو۔ مئی پوری فریب ہو یا اسہر۔ براہمن، چہتری، دیہی، شودر، لولی، ہرے، صاف کھڑے پہلے ملے گا۔ اگر لولی لندے کھڑے پہلے ہوئے مل جائے تو آپ بے کھنگے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مئی پوری نہیں ہے۔ ایک بار ہم نے ایک مئی پوری سے پوچھا—”لہا آپ روز کھڑے دھوتے ہیں؟“ آخر اگلے صاف آپ دھتے ہیں طرح میں؟ وہ بولے—”روز تو بہتر دوسرے تیسرے ضرور کھڑے دھوتے جاتے ہیں۔ اگلے صاف دھتالی دھتے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے باہر نکالے، کھڑے الگ ہوتے ہیں اور گھر میں پہلے کے انک۔ لہا والے کھڑے دھوتے تو روز جاتے ہیں ہر وہ اگلے سفید اور چمکدار نہیں ہوتے جتنے باہر والے کھڑے۔“

مئی پوری کپڑے ساک پہناتے ہیں، یہی بات نہیں کہ ہر طرح سے کپڑے پہنتے ہیں۔ مئی پوریوں نے مصلوں میں کھڑا

कुर्ता, एक मिरछई पहने हुए था और पगड़ी बाँधे हुए था। हर एक के हाथ में एक रुमाल था। वह सब के सब इस तरह से आये, ऐसे बैठे और इस तरह से नाचे मानो वह कौज के सिपाही हों। नाच के वक़्त उनके पांव ऐसे ही चलते थे जैसे उन लड़कियों के जिनका चिक्र पहले किया जा चुका है। कुछ के हाथ में झंझ थी, वो एक के गले में खुदग थे, एकाध के हाथ में खंजरी थी। यह कभी बैठ कर गाते थे और कभी खड़े हो कर, फाग का दिन था। उत्तर प्रदेश वाले तो यही सोच रहे होंगे कि किन्हीं गंदे गीतों का सिलसिला चल रहा होगा। पर नहीं वहाँ गंदे गीत नाम को भी नहीं थे उसे फाग का गाना बजाना ही नहीं कहना चाहिये वह तो भक्ती से भरा कीर्तन था। उसमें या तो राधा कृष्ण के गीत थे या गौरीशंकर के गीत थे या गौरांग प्रभु के गीत थे। कुछ मनीपुरी बोली में थे, कुछ हिन्दी में थे, कुछ बिहारी में थे। बिहारी में विद्यापति के गीत थे, हिन्दी में सूर के और बंगला में गौरांग प्रभु के। यह मंडली जब थोड़ी देर कीर्तन कर चुकी तो मंदिर के वो आदमियों ने इनके ऊपर लाल रंग पिचकारी से छिड़क दिया। यह रंग बाल्टियों में भरा हुआ था। दोनों के पास बड़ी पिचकारियाँ थीं रंग छिड़कने के बाद मंडली जोश में आ गई और कीर्तन में पूरा रंग आ गया। इस मंडली ने आधे घंटे या इससे कम कीर्तन किया होगा। उसके बाद यह चली गई और दूसरी मंडली आ गई। हम ग्यारह बजे से चार बजे तक बैठे। आधा आधा घंटे के बाद बराबर मंडलियाँ आती रहीं। आखिर हम ऊब गये। इतनी देर भी हम इसलिये बैठे कि हमको यह मालूम था कि थोड़ी देर में मनीपुर के राजा आयंगे और वह गोपियों के साथ नाचेंगे। गोपियाँ उन पर रंग छिड़केंगी और वह शायद गोपियों पर रंग छिड़केंगे। पर वह चार बजे तक नहीं आए थे। पता लगा कि वह शहर से बाहर थे। इसमें शक नहीं कि सैकड़ों ही मनीपुर की नारियाँ गोपियों के नाम से मंडप में मौजूद थीं। सब के कपड़े ऐसे ही सफेद थे जैसे सर्वों के। हाँ उनका पहनावा दूसरे ढंग का था। गोपियों में हर उमर की नारियाँ थीं। बहुत छोटी लड़कियाँ नहीं थीं। हाँ ग्यारह बारह बरस की भी थीं, पर बहुत कम। गोपियों का फाग हम नहीं देख पाए। पर जिन लोगों ने वह फाग देखा था उनके मुँह से उसका हाल जान लिया। मनीपुर की नारियाँ पर्दा नहीं करती। पर जो गोपी बनकर फाग खेलने आई थीं, वह सब की सब बूँद निकाले थीं। उनका जूड़ा कुछ इस तरह बंधा हुआ था कि उनका सिर दुफ्फे के साथ ऐसे ही उठा हुआ दिखाई देता था जिस तरह हरयाने की जाटनियों का। फाग की गोपियों के सिवा और किसी मनीपुरी नारी का जूड़ा इस तरह बंधा हुआ नहीं देखा गया।

कहते हैं कि मनीपुरी पहले होते थे और पगड़ी पहने होते थे। हर एक के हाथ में एक रुमाल था। वह सब के सब इस तरह से आये, ऐसे बैठे और इस तरह से नाचे मानो वह कौज के सिपाही हों। नाच के वक़्त उनके पांव ऐसे ही चलते थे जैसे उन लड़कियों के जिनका चिक्र पहले किया जा चुका है। कुछ के हाथ में झंझ थी, वो एक के गले में खुदग थे, एकाध के हाथ में खंजरी थी। यह कभी बैठ कर गाते थे और कभी खड़े हो कर, फाग का दिन था। उत्तर प्रदेश वाले तो यही सोच रहे होंगे कि किन्हीं गंदे गीतों का सिलसिला चल रहा होगा। पर नहीं वहाँ गंदे गीत नाम को भी नहीं थे उसे फाग का गाना बजाना ही नहीं कहना चाहिये वह तो भक्ती से भरा कीर्तन था। उसमें या तो राधा कृष्ण के गीत थे या गौरीशंकर के गीत थे या गौरांग प्रभु के गीत थे। कुछ मनीपुरी बोली में थे, कुछ हिन्दी में थे, कुछ बिहारी में थे। बिहारी में विद्यापति के गीत थे, हिन्दी में सूर के और बंगला में गौरांग प्रभु के। यह मंडली जब थोड़ी देर कीर्तन कर चुकी तो मंदिर के वो आदमियों ने इनके ऊपर लाल रंग पिचकारी से छिड़क दिया। यह रंग बाल्टियों में भरा हुआ था। दोनों के पास बड़ी पिचकारियाँ थीं रंग छिड़कने के बाद मंडली जोश में आ गई और कीर्तन में पूरा रंग आ गया। इस मंडली ने आधे घंटे या इससे कम कीर्तन किया होगा। उसके बाद यह चली गई और दूसरी मंडली आ गई। हम ग्यारह बजे से चार बजे तक बैठे। आधा आधा घंटे के बाद बराबर मंडलियाँ आती रहीं। आखिर हम ऊब गये। इतनी देर भी हम इसलिये बैठे कि हमको यह मालूम था कि थोड़ी देर में मनीपुर के राजा आयंगे और वह गोपियों के साथ नाचेंगे। गोपियाँ उन पर रंग छिड़केंगी और वह शायद गोपियों पर रंग छिड़केंगे। पर वह चार बजे तक नहीं आए थे। पता लगा कि वह शहर से बाहर थे। इसमें शक नहीं कि सैकड़ों ही मनीपुर की नारियाँ गोपियों के नाम से मंडप में मौजूद थीं। सब के कपड़े ऐसे ही सफेद थे जैसे सर्वों के। हाँ उनका पहनावा दूसरे ढंग का था। गोपियों में हर उमर की नारियाँ थीं। बहुत छोटी लड़कियाँ नहीं थीं। हाँ ग्यारह बारह बरस की भी थीं, पर बहुत कम। गोपियों का फाग हम नहीं देख पाए। पर जिन लोगों ने वह फाग देखा था उनके मुँह से उसका हाल जान लिया। मनीपुर की नारियाँ पर्दा नहीं करती। पर जो गोपी बनकर फाग खेलने आई थीं, वह सब की सब बूँद निकाले थीं। उनका जूड़ा कुछ इस तरह बंधा हुआ था कि उनका सिर दुफ्फे के साथ ऐसे ही उठा हुआ दिखाई देता था जिस तरह हरयाने की जाटनियों का। फाग की गोपियों के सिवा और किसी मनीपुरी नारी का जूड़ा इस तरह बंधा हुआ नहीं देखा गया।

ساخ کی سہیلیاں انہیں انکی مدد کرتی ہیں۔ کورن کو اس ناکھ سے دیکھتی ہیں۔ مانو یہ کر رہی ہو کہ یہ تو منہ کھا کر دیا۔ اور پھر توڑی دیر میں رادھا کا بدلہ لے لیتے کے لئے وہ اپنے ہاتھ کا کلال جب کورن کی آنکھوں میں پھینکتی ہیں تب رادھا جی کو یہ اچھا نہیں لگتا اور وہ اپنی سہیلیوں کو اس طرح دیکھتی ہیں۔ مانو وہ یہ کہ وہی ہیں کہ یہ تم کہا کرتی ہو؟ یہ سب اس طرح کا ترہہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے تک دریا بھول جاتے ہیں۔ یہاں یہ بھی دھماکا دے کہ یہ سب کام ناچ کے ساتھ ہوتا ہے۔ تال سو کے اندر ہوتا ہے۔ ایک سہیلی کے لئے بھی ناچنے والوں کا پاؤں نہیں ٹکتا۔ ٹھہک اسی طرح سے جن ایسے ناچوں کا اُپر ذکر آیا ہے جیسے کورن ارجن اور لو کش کی استر شکھا، یہ سب کام بھی ناچ کے ذریعہ ہی ہوتے ہیں۔ استر شکھا میں بھی نہ ہاتھ میں کمان ہوتی ہے نہ تیر۔ سب کچھ ہاتھوں کے ذریعہ ہی دکھایا جاتا ہے۔

مندیپور کی ہر ایک مंडلی اپنا آراکسٹرا رکھتی ہے۔ جہاں ہم نے یہ ناچ دیکھے تھے ان کا بھی سب سے پہلا پروگرام آراکسٹرا کا تھا۔ ایک بار بچے میں بھی باجا بجا کر دکھایا تھا۔ ناچ کی طرح ہی ناچ کی کل میں بھی مندیپور بہت ترقی کر گئے ہیں۔ ذرا سے اسپہال شہر میں کٹلی ہی ٹانگ مڈلہاں میں اور یہ سب ٹکٹ لگا کر کام کرتی ہیں۔ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مندیپور کی کل کے کئی بھکت ہیں۔

انہی اب آپ کو یہاں کہلانے کے چلوں۔ مندیپور لوگ ہر جگہ یہاں نہیں کہلاتے۔ ان کے یہاں کہلانے کی ایک جگہ ہے۔ وہ اسپہال سے باہر ایک سندر کے پاس ہے۔ ان کا یہاں مڈلپ اپنا ہوا ہے جس میں سولہ بھس ہوا آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ بچے میں انکی جگہ چھٹی رہتی ہے جس میں پانچ سو آدمی سہاڑتے ہیں۔ مندیپور کی عیسیت کے بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح نہیں بھگتوں کے کہ بچے میں نکلتے کے لئے جگہ نہ رہے۔ ہزاروں کی ہزاروں میں سے بھی اگر کوئی نکلتا چاہے یا اندر آنا چاہے تو آسانی سے آ جاسکتا ہے۔

ہم اس مڈلپ میں گہارہ بچے پہنچ گئے تھے۔ بارہ بچے ہم تک مڈلپ کھنچا کھنچا ہو رہا تھا۔ جب ہم پہنچے تب ایک مڈلی اس بڑی جگہ میں جو بچے میں چھٹی رہتی ہے اور جس میں پانچ سو آدمیوں کے لئے جگہ ہوتی ہے، اپنا کمر بن کر رہی تھی۔ اس مڈلی کی جن سہیلیاں بچس بچس کے ہوتے رہی ہوگی۔ اس میں ہر عمر کے آدمی تھے۔ دو بارہ بچس کے بچے بھی تھے۔ سب کے سب سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج ہی دھل کر آئے ہیں۔ مڈلی کا ہر ایک آدمی دھوتی

مندیپور کی ہر ایک مंडلی اپنا آراکسٹرا رکھتی ہے۔ جہاں ہم نے یہ ناچ دیکھے تھے ان کا بھی سب سے پہلا پروگرام آراکسٹرا کا تھا۔ ایک بار بچے میں بھی باجا بجا کر دکھایا تھا۔ ناچ کی طرح ہی ناچ کی کل میں بھی مندیپور بہت ترقی کر گئے ہیں۔ ذرا سے اسپہال شہر میں کٹلی ہی ٹانگ مڈلہاں میں اور یہ سب ٹکٹ لگا کر کام کرتی ہیں۔ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مندیپور کی کل کے کئی بھکت ہیں۔

انہی اب آپ کو یہاں کہلانے کے چلوں۔ مندیپور لوگ ہر جگہ یہاں نہیں کہلاتے۔ ان کے یہاں کہلانے کی ایک جگہ ہے۔ وہ اسپہال سے باہر ایک سندر کے پاس ہے۔ ان کا یہاں مڈلپ اپنا ہوا ہے جس میں سولہ بھس ہوا آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ بچے میں انکی جگہ چھٹی رہتی ہے جس میں پانچ سو آدمی سہاڑتے ہیں۔ مندیپور کی عیسیت کے بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح نہیں بھگتوں کے کہ بچے میں نکلتے کے لئے جگہ نہ رہے۔ ہزاروں کی ہزاروں میں سے بھی اگر کوئی نکلتا چاہے یا اندر آنا چاہے تو آسانی سے آ جاسکتا ہے۔

ہم اس مڈلپ میں گہارہ بچے پہنچ گئے تھے۔ بارہ بچے ہم تک مڈلپ کھنچا کھنچا ہو رہا تھا۔ جب ہم پہنچے تب ایک مڈلی اس بڑی جگہ میں جو بچے میں چھٹی رہتی ہے اور جس میں پانچ سو آدمیوں کے لئے جگہ ہوتی ہے، اپنا کمر بن کر رہی تھی۔ اس مڈلی کی جن سہیلیاں بچس بچس کے ہوتے رہی ہوگی۔ اس میں ہر عمر کے آدمی تھے۔ دو بارہ بچس کے بچے بھی تھے۔ سب کے سب سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج ہی دھل کر آئے ہیں۔ مڈلی کا ہر ایک آدمی دھوتی

ہم اس مڈلپ میں گہارہ بچے پہنچ گئے تھے۔ بارہ بچے ہم تک مڈلپ کھنچا کھنچا ہو رہا تھا۔ جب ہم پہنچے تب ایک مڈلی اس بڑی جگہ میں جو بچے میں چھٹی رہتی ہے اور جس میں پانچ سو آدمیوں کے لئے جگہ ہوتی ہے، اپنا کمر بن کر رہی تھی۔ اس مڈلی کی جن سہیلیاں بچس بچس کے ہوتے رہی ہوگی۔ اس میں ہر عمر کے آدمی تھے۔ دو بارہ بچس کے بچے بھی تھے۔ سب کے سب سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج ہی دھل کر آئے ہیں۔ مڈلی کا ہر ایک آدمی دھوتی

لیجیئے ان کے بسنت راس کا حال سنیئے۔ اس سے بھی پہلے ایک بات اور سن لیجئے۔ بسنت راس میں لوکیاں ہی حصہ لیتی ہیں۔ کرشن بھی لوکی ہی بنتی ہے۔ کرشن ہلنے کے لئے ایک شرط ضروری ہے، لوکی کی عمر گھارہ برس سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ کوئی لوکی رادھا بن کر نہیں ناچ سکتی جب تک کہ وہ ایک بار کرشن نہ بن چکی ہو۔ اس لئے وہ گھرانہ اس فکر میں رہتا ہے کہ ان کی لونہوں کو گھارہ برس سے پہلے پہلے کرشن بن کر نرتھ کرنے کا موقع مل جائے وہی گھرانہ اپنے آپ کو بہت بھانپے شالی مانتا ہے جس گھرانے کی کوئی لوکی رادھا بن کر ناچنے کا موقع پا جائے۔ ان باتوں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نرتھ وہاں کوئی کلا نہیں، دھرم کا انگ بھی ہے۔ ہمارے پورے والے یہ بھی خیال رکھیں کہ ملی ہوریوں کا ناچ دیکھ کر ان کے من میں واسا نہیں چاک سکتی، اٹھا وہراگ جاکھتا۔ وادی من پوتر ہونے لگتا۔

اب ناچ دیکھئے۔ دیکھئے گھنٹی بجی، پردہ اٹھا، وہ دیکھئے دس گھارہ برس کے کرشن ناچتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ ہاتھ میں ہنسی نہیں ہے۔ ہر دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھے ہیں مانو ہنسی ہے۔ اور وہ ان کے ہونٹوں کو چوم رہی ہے۔ ناچتے ناچتے کچھ ملت بھی نہیں ہونتی نہ کرشن جی چل دیتے ہیں۔ اب دیکھئے رادھا جی اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ ناچتے آ رہی ہیں۔ تھیں ہی تھیں ایک رنگ کی ہیں۔ تھیں کے کپڑے بہت نولے پہنکے ہیں۔ بھلی ہی روشنی میں چما چم چمکتے ہیں۔ پہچ میں رادھا ہیں۔ ادھر ادھر ان کی دو سہیلیاں ہیں۔ تھیں ایسے ناچتی ہیں مانو کاتھ لی پتلیاں ہوں اور کسی ایسی چوکی پر جڑی ہوئی جس کے نیچے اسورنگ لگی ہو۔ اگر ہاتھ اٹھانے تو ایک ساتھ، گردن ہلانی تو ایک ساتھ۔ یہاں تک کہ آنکھوں کے اشارے بھی ایک ساتھ ہونگے اور ایک ہی طرح کے ہونگے۔ ان کے ناچنے میں اتنی سب کی بھلی ہلکائی دیکھا تھا کہ اگر وہ سچ سچ بتاؤں تو ناچتے تو بتاؤں نہ پھوٹتے۔ یہ ناچ چل ہی رہا تھا کہ کبھی جی پھر اُدھکتے ہیں اور اب پچکاری سے رنگ پھیلنے اور لال پھیلنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ پاتھوں کو دھیان دے نہ وہاں دسی کے ہاتھ میں پچکاری ہوتی ہے اور نہ لال۔ بس ہاتھ کے اشارے ہی یہ بتاتے ہیں کہ پچکاریاں چل رہی ہیں اور لال پھیلنا چاہتا ہے۔ کبھی رادھا اور کبھی سہیلیاں مل کر کرشن کو پہچ میں کھپ لیتی ہیں اور کبھی الگ ہو جاتی ہیں۔ جب کرشن جی دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں سے لال لہکر رادھا اور ان کی سہیلیوں کے منہ پر پھینکتے ہیں تو کچھ لال رادھا کی آنکھوں میں جا پڑتا ہے اور وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھوں سے قہقہہ لگتی ہیں اور آنسو گرا لے لگتی ہیں۔

पूजा करने के बाद उस कुटी की परीक्षा करते हैं यानी उसके चारों तरफ घूमते हैं। फिर गौरांग प्रभु की मूर्ती बाहर निकाल कर कुटी में आग लगा देते हैं। उत्तर प्रदेश की तरह जो या गेहूँ की बालें भूनने का रिवाज मनीपुरियों में नहीं है। यह कुटी सारा मोहल्ला मिलकर बनाता है। बांस हरे होते हैं, वह फूस के जलते जलते जल नहीं सकते। उन बचे बांसों की वह आदमी अपने घर ले जाता है जो उसमें आग लगाता है। इस तरह की होली से मनीपुरी यह बताना चाहते हैं कि किस तरह गौरांग, महाप्रभु ने अपना घर छोड़कर उसे हमेशा के लिये जला दिया।

मनीपुरियों में हिन्दुओं की तरह चारों वर्ग मिलते हैं। वह अपने आप को अर्जुन के बेटे ब्रह्मबाहन की औलाद मानते हैं। ब्रह्मबाहन चित्रागंदा से पैदा था। चित्रागंदा मनीपुर की थी। मनीपुरियों में मनीपुर का प्रेम इतना प्रियाया बढ़ गया है कि उसे कम करने की जरूरत है। वह दुनिया की कोई बात मनीपुर के बगैर सोच ही नहीं सकते। मनीपुरी पैदायशी कलाकर होते हैं। इस बात का पूरा वर्णन हम आगे करेंगे जब हम उनके रंग खेलने का जिक्र करेंगे। इस वक़्त तो हम यह दिखायेंगे कि वह कितना अच्छा गाना और बजाना जानते हैं और कितना अच्छा नाचकर दिखाते हैं। इसफ़ाल में "कला-भवन" नाम की एक संस्था है। होली के दिन उनके यहां गाने बजाने का प्रोग्राम था। उसे देखने के लिये हमें बुलावा मिल गया था हम सब उसे देखने पहुंचे। वहां हमको 9 तरह के नृत्य दिखाये गये। उनके नाम यह हैं :

1. बंसत रास.
2. खूबक चौलम. यानी ताली नृत्य.
3. खंजरी नृत्य.
4. चित्रागंदाजुन.
5. लिस्बां नृत्य यानी स्मृति नृत्य.
6. पुंगचोलंब.
7. कुरनार्जुन.
8. नागाओं का आदम जीवन.
9. लव-कुश अस्त्र शिक्षा.

इन नृत्यों के नाम सुनकर हमारे पढ़ने वाले जरूर अचरज में पड़ जायेंगे। चित्रागंदाजुन, कुरनार्जुन, अस्त्र शिक्षा। यह सब नाच कैसे? सचमुच यह नाच नहीं हो सकते। हम अपने पाठकों को समझाने की कोशिश जरूर करेंगे, पर उन्हें ठीक ठीक आनंद तो उसी वक़्त आ सकता है जब वह उन नाचों को खुद मनीपुर जा कर देखें।

गाने-बजाने और नृत्य की कला मनीपुरियों में इतनी तरज्जी कर गई कि वह हर काम नाच गाकर करते हैं। इस नाच गाने के सहारे उनमें शिस्त इतनी बढ़ गई है कि उनका हर काम ऐसा मालूम होता है मानो कोई मशीन कर रही हो। मनीपुरी हर काम खूबी के साथ करते हैं, उसको कला का रूप दे देते हैं। हमने उनकी होली देखी। उनका फाग नम के लिये फाग है। प्रियादातर तो वह कला का ही भाग है। उसका वर्णन हम अलग से ही करेंगे।

पूजा करने के बाद उस कुटी की परीक्षा करते हैं यानी उसके चारों तरफ घूमते हैं। फिर गौरांग प्रभु की मूर्ती बाहर निकाल कर कुटी में आग लगा देते हैं। उत्तर प्रदेश की तरह जो या गेहूँ की बालें भूनने का रिवाज मनीपुरियों में नहीं है। यह कुटी सारा मोहल्ला मिलकर बनाता है। बांस हरे होते हैं, वह फूस के जलते जलते जल नहीं सकते। उन बचे बांसों की वह आदमी अपने घर ले जाता है जो उसमें आग लगाता है। इस तरह की होली से मनीपुरी यह बताना चाहते हैं कि किस तरह गौरांग, महाप्रभु ने अपना घर छोड़कर उसे हमेशा के लिये जला दिया।

मनीपुरियों में हिन्दुओं की तरह चारों वर्ग मिलते हैं। वह अपने आप को अर्जुन के बेटे ब्रह्मबाहन की औलाद मानते हैं। ब्रह्मबाहन चित्रागंदा से पैदा था। चित्रागंदा मनीपुर की थी। मनीपुरियों में मनीपुर का प्रेम इतना प्रियाया बढ़ गया है कि उसे कम करने की जरूरत है। वह दुनिया की कोई बात मनीपुर के बगैर सोच ही नहीं सकते। मनीपुरी पैदायशी कलाकर होते हैं। इस बात का पूरा वर्णन हम आगे करेंगे जब हम उनके रंग खेलने का जिक्र करेंगे। इस वक़्त तो हम यह दिखायेंगे कि वह कितना अच्छा गाना और बजाना जानते हैं और कितना अच्छा नाचकर दिखाते हैं। इसफ़ाल में "कला-भवन" नाम की एक संस्था है। होली के दिन उनके यहां गाने बजाने का प्रोग्राम था। उसे देखने के लिये हमें बुलावा मिल गया था हम सब उसे देखने पहुंचे। वहां हमको 9 तरह के नृत्य दिखाये गये। उनके नाम यह हैं :

1. बंसत रास.
2. खूबक चौलम. यानी ताली नृत्य.
3. खंजरी नृत्य.
4. चित्रागंदाजुन.
5. लिस्बां नृत्य यानी स्मृति नृत्य.
6. पुंगचोलंब.
7. कुरनार्जुन.
8. नागाओं का आदम जीवन.
9. लव-कुश अस्त्र शिक्षा.

इन नृत्यों के नाम सुनकर हमारे पढ़ने वाले जरूर अचरज में पड़ जायेंगे। चित्रागंदाजुन, कुरनार्जुन, अस्त्र शिक्षा। यह सब नाच कैसे? सचमुच यह नाच नहीं हो सकते। हम अपने पाठकों को समझाने की कोशिश जरूर करेंगे, पर उन्हें ठीक ठीक आनंद तो उसी वक़्त आ सकता है जब वह उन नाचों को खुद मनीपुर जा कर देखें।

गाने-बजाने और नृत्य की कला मनीपुरियों में इतनी तरज्जी कर गई कि वह हर काम नाच गाकर करते हैं। इस नाच गाने के सहारे उनमें शिस्त इतनी बढ़ गई है कि उनका हर काम ऐसा मालूम होता है मानो कोई मशीन कर रही हो। मनीपुरी हर काम खूबी के साथ करते हैं, उसको कला का रूप दे देते हैं। हमने उनकी होली देखी। उनका फाग नम के लिये फाग है। प्रियादातर तो वह कला का ही भाग है। उसका वर्णन हम अलग से ही करेंगे।

बीज का। बड़ी से बड़ी लकड़ी और छोटे से छोटा लकड़ा, सबके साथ, चरख कार्यों में इतना होशियार हैं और इतनी पूर्णता से काम करते हैं जितना एक ऐसा बच्चा, जिसने किसी मकदूर के वहां जन्म लिया हो। यह सब भिन्न कर क्या हमको कुछ भी काम करने देते थे ? दस बरस की लकड़ी जब हमारे लिये दूध लाती थी और उसमें सब्जियाँ मिलाती थी तब देखते ही बनता था। उसके हाथ इस सफाई और ढंग से चलते थे कि यह नहीं कहा जा सकता था कि यह कि यह दस बरस की लकड़ी के हाथ हैं। किसी बच्चे के हाथ से कभी कोई चीज लिखते नहीं देखी। विस्तार बिज्ञाना, हाथ धुलाना, बात पर साधुन लाकर रख देना, साधुन लाकर रख देना, कोई काम ऐसा न था जिसे घर के सब बच्चे लूनी के साथ न कर सकते हों। बच्चों के मां बाप को बहुत कम हुक्म देने की जरूरत पड़ती थी। हमारा खयाल है मां की गैरहाजिरी में भी हमें कोई दिक्कत न होती। यह दूसरी बात है कि चार दिन में हमको कभी ऐसा मौका न मिला—कि घर की माताफिन गैरहाजिर हों।

नृत्य कला के लिये मनीपुर को मशहूर सुना था, देखा न था। यह कहाँ दिखाने के लिये ही श्री कामाख्याराम जी हमें मनीपुर ले गये थे। होली का मौक़ा भी अच्छा ढूँढा गया था। इस 27 की शाम को मनीपुर पहुँच गये। 28 शाम को होली जलने वाली थी। इच्छा हुई, होली जलने का तमाशा देखा जाय। आसम रास्ट्रभाषा प्रचार समिति के संचालक, श्री रजनीकांत चक्रवर्ती को साथ लेकर पंडित जी और हम होली देखने निकल पड़े। कुछ दूर चलने पर देखने की मिस्री, एक नई झाई हुई कोपड़ी। पूछने पर माखम हुआ। होली के लिये यह कोपड़ी बनाई गई है। इसी में आग लगाई जायगी। यह सुनकर हमारा अचरज जाग गया। हम पूछ बैठे, “यह कैसी होली ?” पता चला:

मनीपुर है तो नागाओं का देश और वहां के रहने वाले नागा ही थे, पर अब वहां उतने नागा नहीं रह गये मनीपुरी अब वैस्नव हैं. अब से वैस्नव हैं, पता नहीं. राधा-कृष्ण के भक्त हैं, और इसी सिक्कसिले में श्री गौरांगप्रसु के भक्त हैं. उन्ही गौरांग प्रसु का जन्म दिन वह होली के दिन से मनाते हैं.

मजीपुरियों की होली उली वस्त्र जलती है जिस वस्त्र और लोगों की, यह पहले कहा जा चुका है कि लकड़ियों का डेर लगाने की जगह मजीपुरी बाँलों की एक चौकोर कुटी फैला करते हैं जिस पर फूस का जप्पर लगा होता है, कुटी की दिवारों पर भी फूस लगा रहता है, होली जलने से पहले वह मोहरले के साथ छोटे कपड़े पहने हुए गाते-बोलते हलके होकर उस कुटी के आस-पास हैं, उस कुटी में लीखने मज्ज की सुरत होती है, इसकी वह पूजा करते हैं।

پانی کا۔ میں لڑکی اور چھوٹے سے چھوٹا لڑکا سب کے
جسٹ کھیلو گاموں میں اُنکے ہوشیار ہیں اور اُنکی ہڈی
سے کام کرتے ہیں جتنا ایک ایسا بچہ جس نے کسی
موتور کے پہلی چلم لیا ہو۔ یہ سب مل کر کیا ہنکو کچھ
ہوئی کام کرتے دیکھتے تھے؟ دس برس کی لڑکی جب ہمارے
اُنکے فونڈ لائی تھی اور اُس میں شکر ملتی تھی تب دیکھتے
ہی ہلتا تھا۔ اُس کے ہاتھ اُس صفائی اور تھلک سے چلتے
تھے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ یہ دس برس کی لڑکی
کے ہاتھ ہیں۔ کسی بچہ کے ہاتھ سے کبھی کوئی چھوڑ
غیرتقہ نہیں دیکھی۔ بستر بچھلتا، ہاتھ دھونا، وقت پر
صابن لا کر رکھ دینا، دانی لا کر رکھ دینا، کوئی کام ایسا نہ
لیا جسے گھر کے سب بچہ خوبی کے ساتھ نہ کر سکتے
ہوں۔ بچوں کے ماں باپ کو بہت کم حکم دینے کی ضرورت
پڑتی تھی۔ ہارا خیال ہے ماں کی گھر حاضری میں بھی
میں کوئی دقت نہ ہوتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ چار
دن میں ہنکو کبھی ایسا موقع نہ ملا کہ گھر کی مالکین
گھر حاضر ہوں۔

فریقہ کا کے لئے مئی پور کو مہرور عطا تھا، دیکھا نہ تھا۔ یہ کا دکھانے کے لئے ہی شری کاسانکھا دام جی میں مئی پور لے گئے تھے۔ ہولی کا سونفہ بھی اچھا دھونڈھا گیا تھا۔ ہم 27 کی شام کو مئی پور پہنچ گئے تھے۔ 28 کی شام کو ہولی چلنے والی تھی۔ اچھا ہونٹی ہولی چلنے کا تہہ دیکھا جائے۔ اہم واشتر بھاشا پر چار سمجی کے سنبھالکا، شری وجلی گنت چکرورتی کو ساتھ لے کر پختہ جی آرد ہم ہولی دیکھنے نکل پڑے۔ کچھ دور چلنے پر دیکھتے کو مئی، ایک نئی چھائی ہولی چھوڑی۔ پوچھتے پر معلوم ہوا، ہولی کے لئے یہ چھوڑی بلائی گئی ہے۔ اسی میں آگ لگائی جائے گی۔ یہ سن کر ہمارا اچھچھاگ گیا۔ ہم پوچھتے ہوئے، ”یہ کہی ہولی؟“ پتہ چلا!

مٹی پر ہے تو ناکوں کا دھبہ اور یہاں کے دھبے والے
 ناک ہی تھیں۔ پر اب یہاں آگے ناک نہیں رہ گئی۔ مٹی پر وہی
 سب دھبے ہیں، کب سے دھبے ہیں، پتہ نہیں۔ رانہا
 کپڑی کے ہونٹ ہیں، اور اسی سلسلے میں عربی گورنگ
 پر وہی کے ہونٹ ہیں۔ انہیں گورنگ پر وہی کا چلم دس رہا
 ہوئی کے نام سے مانتے ہیں۔

مٹی پوروں کی مٹی اسی وقت چلتی ہے جس وقت اور لیکن لی۔ یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ لکھنؤ کا قلعہ تانہ کی جگہ مٹی پوروں والوں کی ایک چوڑی گلی تھی۔ جس پر پورس کا چوڑا ہوا ہوتا ہے۔ مٹی کی چوڑیوں پر بھی پورس کا ہوتا ہے۔ مٹی چلتے سے پہلے اس مقام کے لوگ سفید گورے پہلے ہوتے آتے جاتے تھے۔ اور اس گلی کے پاس آتے ہیں۔ اس گلی میں کھانک پوروں کی سڑک ہوتی ہے۔ لیکن یہ دیکھا کرتے ہیں

[illegible]

ہم آسام کے شکشا منسٹر سے باتیں کر رہے تھے کہ
ملکیت سندو گل جی کو آسام کے گورنر شری جی رام
داس ولدیت رام کا بقاوا مل گیا۔ ملکیت جی جب
گورنر صاحب اور چیف منسٹر سے مل کر لوگ تب پتہ
چلا کہ ناگ پہاڑیوں میں کوہما جانے کے لئے پرمٹ کی
ضرورت پڑتی ہے۔ ویسا پرمٹ بھی وہ چیف منسٹر سے
لیتے آئے تھے۔ کوہما ملی پور پرائنٹ اور آسام ریاست کے
بیچ کی ایک پہاڑی ہے۔ 900 فٹ اونچی ہے اسی سے لگی
ایک دس ہزار فٹ اونچی پہاڑی جو جس پر چوہ کر
جاتے ہیں سے انگریزی فوج پر حملہ کیا گیا۔ اسی کوہما
سے 86 میل دور ملی پور کی راجدھانی 'اسوہال' ہے۔ ملی پور
ریاست میں داخل ہونے کے لئے یا اسوہال جانے کے لئے
کسی پرمٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسوہال اور کلکتہ
کے بیچ عوامی جہاز کا راستہ بھی ہے۔ کلکتہ سے اسوہال
تک کا فاصلہ جہاز کا کرایہ 95 روپے ہے۔

ملی پور چھوٹا لشکر پرست ہے۔ اسکی حد ہرما سے
ملی ہوئی ہے۔ آسام کا تو یہ حال ہے کہ اسکی حد ہرما
چوں 'بھال' بوٹان اور پانڈیمان پانچوں سے ملی ہوئی
ہے۔ ملی پور گانمہر کی طرح میدان میں ہوتا ہے۔
'بھال' نام کی ایک نسی میں ہے جو ملی پور پرست کے
ہیچ زمین ہو کر بہتی ہے۔ 31-0: ہل کر یہ نسی پہاڑ
پر اٹھ کر ہرما میں جا داخل ہوئی ہے۔

مہلی پور کے دروازے میں شہی کا سانپوہا رام جی ہمارے ساتھ تھے۔ اڑ پھال میں انہوں نے صکو ایلہی بھٹی کا مہمان بنایا۔ جوسہ ہر دم نے اُن کی بھٹی کے مکان میں قدم نہا ویسہ ہی شہی کا سانپوہا رام جی نے سب سے پہلی بات چہ ہمیں بتائی وہ یہ تھی، 'دیکھئے' اس کدہ میں ٹوٹی نوکر نہیں ہے۔ ہوں تو ہمیں نوکروں سے کام لینے کی عادت نہیں، ہر یہ سن کر ہم نے آؤر بھی ہر کام نے لئے اپنے من کو تیار کر لیا۔ ہر دو-رے ملک سے ہی ہمیں یہ سبکس ہوئے لگا کہ ہم ایک ایسے کدہ میں جہاں ایک نہیں، آؤ نوکر ہماری سواؤ نو تھاؤ ہوں۔ شہی کا سانپوہا رام جی کے سامان اچھوہر ہوں۔ ہزار روپے نظر آئے پاتے ہوں، ہر آن کی دھرم پٹنی، یعنی شہی کا سانپوہا رام جی، چھک چپ کی لڑکی، سارے کدہ کا کام اتنی اچھی طرح سلجھالے ہوئے تھی جتنی اچھی طرح ایک مہاراجن آؤر دو نہارن بھی نہیں سلجھال سکتوں۔ اُن نے چاو لولہاں ارد دو لولے دیے۔ سب سے بڑی لڑکی پندرہ برس کی ہے، سب سے چھوٹی نو برس کی۔ سب سے بڑا لڑکا آٹھ اور سب سے چھوٹا

53

انسان کی ہر چیز میں ایک نکتہ ایسا ضرورت ملی ۔ وہ تاریخی اس طرح ہوتا ہے کہ اس میں جان بوجھ کر ایسا نکتہ لگا دیا گیا ہو۔ اسے دیکھتے ہی ہمارا من سر کھٹے ہو کر ہاتھ بھول کر اس نکتے کی طرف چل پڑا۔ ہر شے میں یہی ہم پر نہ سمجھ پائے کہ آخر اس طرح کی شے کا کار کیا پائے چاہتا ہے؟ ہوسکتا ہے کسی جگہ کسی شے میں اس طرح کی شے کی ضرورت رہی ہو؟ پر کیا آج بھی اس ہاتھ کی ضرورت ہے کہ اس شے کا دیکھا جائے کسی جگہ کہا جائے جہاں ہر طرح کے اور ہر صورت کے آدمی ہر دم آئے جاتے ہیں ؟

دیہی کے مندر کے دروازے پر جب ہم پہنچے تب
دیہی کا گھاتھارام جی ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہری بھکتی
اور ہردہا سے اپنا ماتھا دوار کی تھہری پر ٹکا 'اور' پلذت
جی اور مجھے اندر چلنے کے لئے کہا۔ شروع میں پلذت
مندر لال جی کچھ تھکے، اندر نہ چلنے کے کچھ کارن
تھکے، پر چلتی رہی ہوئی۔ ہم تینوں مندر میں داخل
ہوئے۔ ہمارے دائیں طرف کے چھوٹے پر بکروں کے تھن
سے کتے پڑے تھے۔ پھر وہ دامن سوچنے لگا اور کسی طرح
نہ مان پایا کہ وہ ایک دیہی کے مندر میں ہوں۔ پلذت
مندر لال جی پودائشی نرامیں بھوجی نہیں، سن 1921
سے نرامیں بھوجی ہیں۔ ہم پودائشی نرامیں بھوجی
ہوں، پر ہم دیکھتے تھے کہ پلذت جی کے دل پر ان کتے
سروں کے دکھارے کا ہم سے زیادہ اثر تھا۔ ان کا چہرہ اس اثر
کو صاف بتانا معلوم ہوتا تھا۔

ملندز میں کچھ ہی آگے بڑھنے پر دن میں رات ہو گئی۔
 مسجد کم دکھائی دیتا ہے، میرے لئے چلنا مشکل ہو گیا۔
 آگے تھکا کھارام جی، اُن نے پوچھا تھ پختہ ملندز لال
 جی اور پختہ جی پکڑے ہوئے تھے میرا ہاتھ اور میں تھا
 سب کے پوچھو۔ ملندز میں آندھیرے کے ساتھ ساتھ بھڑو
 بھی کافی تھی۔ جنہوں نے اس کو ہم آس جگہ پہنچے جسے
 ملندز کی ویسی کہا جاسکتا ہے وہاں دیہک چل رہا تھا،
 پر ہم کچھ نہ دیکھ پائے۔ پختہ جی کے منہ سے یہ پتہ چلا
 کہ وہاں اسی طرح لنگ کی استعمال ہوتی جس طرح
 شہر جی کے ہر ملندز میں پائی جاتی ہے۔ وہاں کاماکھو
 دیوی کی کوئی صورت تھی یا نہیں اس کا پتہ نہ لگ پایا۔
 ہم نے کسی سے پوچھا ہی نہیں۔ وہاں سے من بھاری لئے
 ہم لوٹ آئے۔ بہت کچھ سوچنے پر بھی یہ طے نہ کر پائے
 کہ ہمسہیں صدی میں اس طرح کے ملندز اور اس طرح
 کی پوجا کہاں تک ضروری ہے؟

مسلک سے باہر آئے ہو یا اس ہی کچھ کبریاں دانہ چکنے
مسلک اُن کے بارے میں پوچھنے پر یہ پتہ چلا کہ دیہی ہو
کوتلوں کی بھی بلی دس جالی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ
لاکھنؤ دیہی پر لکھنؤ بھی بلی دئے جاتے ہیں۔

مनीپور اور کسا

27 برس کی عمر سے میں غمناک رہا ہوں۔ ہندوستان کے تین کونے نہیں، سات کونے غم کا ہیں۔ پورب کا آٹھواں کونا بچا ہوا یا اس کے دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ پندت سوندرلال جی کو اسام راجہ پراکاش پراکاش سمیٹا کا بھائی ملا۔ ساتھ ساتھ میرے لیے بھی بھائی کا پڑا۔ ہم دونوں چل دئے، اور جی کاماکیارام جی کے، گودادی میں، مہمان ہوئے۔ کاماکیارام جی مانیپور سٹیٹ میں جاکر رہ چکے تھے۔ 22 فروری کو کاماکیارام جی ہم کو کاماکیا دہی کا مندر دیکھانے لے گئے۔

کاماکیا دہی کا مندر بھاپور کے کنارے ایک چھوٹی پہاڑی پر ہے۔ اس پہاڑی کی ایک چوٹی سے بھاپور کا درجہ دیکھتے ہی ملتا ہے۔ بھاپور کی لہروں میں تین تاروں کے ساتھ دیکھائی دیتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ انہیں میں سے کسی ایک میں لگی بنا کر رہا جائے۔ دوسری چوٹی پر دہی کا مندر ہے۔ ہم جیسے ہی دہی کے مندر کے باہری دروازے پر پہنچے وہیں سے دیکھتے ہیں کہ دو جوان لوگ ایک بکرے کی ٹانگیں پکڑے چلے آ رہے ہیں۔ جب وہ بالکل پاس آئے تب پتہ لگا کہ وہ بکرا بے سر کا تھا، اس کا سر دہی کی بھولت ہو چکا تھا۔ یہ درجہ دیکھ کر ہمارے من میں جو چار دوز گئے انہیں نہیچے لکے دیکھ میں ہم کچھ حرج نہیں سمجھتے :

دنیا کے، کریم کریم، سب مہاپوروں کی جہولنی ہم نے فور سے پڑی ہے۔ کسی جہولنی سے ہم اس نکتہ پر نہیں پہنچتے کہ سر لگے بکرے کا جو درجہ ہم نے دیکھا وہ کسی کی جہولنی سے ملے جاتا ہو۔ پھر وہ جہولنی چاہے مہاپور سوامی کی ہو، بدھ بھگوان ہو، حضرت عیسیٰ کی ہو یا حضرت محمد کی۔ سب مہاپوروں نے اہلسا کا اہلسا دیا۔ جہاں تک ہیں سب اہلسا کو روکا آپ دیکھ لو کہ اسے انیسار ہر مہاپور نے اہلسا کے کم کر کے اور اس کی ضرورت کو کھاتے ہیں تو کی بات نہ آتا دیکھو۔ مہاپور کے انویائی دھرم کو لے کر سر پہنچا کر لیتے ہیں۔ یہی حال بدھ کے پیروں کا ہے۔ عیسیٰ کے انویائی دھرم کو لے کر کتے کتے کتے کتے ہیں، اس کا تھکانہ نہیں۔ محمد کے انویائی اس میں جس طرح لگتے رہے ہیں وہ کسی سے چھپا نہیں۔ آج بھی پاکستان میں قادیانوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے وہ گھنا نہیں جو حضرت محمد کے چہرے جی کسی طرح کھاتا ہے۔

منیپور اور کسا

27 برس کی عمر سے میں غمناک رہا ہوں۔ ہندوستان کے تین کونے نہیں، سات کونے غم کا ہیں۔ پورب کا آٹھواں کونا بچا ہوا تھا اس کے دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ پندت سوندرلال جی کو اسام راجہ پراکاش پراکاش سمیٹا کا بھائی ملا۔ ساتھ ساتھ میرے لیے بھی بھائی کا پڑا۔ ہم دونوں چل دئے، اور جی کاماکیارام جی کے، گودادی میں، مہمان ہوئے۔ کاماکیارام جی مانیپور سٹیٹ میں جاکر رہ چکے تھے۔ 22 فروری کو کاماکیارام جی ہم کو کاماکیا دہی کا مندر دیکھانے لے گئے۔

کاماکیا دہی کا مندر بھاپور کے کنارے ایک چھوٹی پہاڑی پر ہے۔ اس پہاڑی کی ایک چوٹی سے بھاپور کا درجہ دیکھتے ہی ملتا ہے۔ بھاپور کی لہروں میں تین تاروں کے ساتھ دیکھائی دیتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ انہیں میں سے کسی ایک میں لگی بنا کر رہا جائے۔ دوسری چوٹی پر دہی کا مندر ہے۔ ہم جیسے ہی دہی کے مندر کے باہری دروازے پر پہنچے وہیں سے دیکھتے ہیں کہ دو جوان لوگ ایک بکرے کی ٹانگیں پکڑے چلے آ رہے ہیں۔ جب وہ بالکل پاس آئے تب پتہ لگا کہ وہ بکرا بے سر کا تھا، اس کا سر دہی کی بھولت ہو چکا تھا۔ یہ درجہ دیکھ کر ہمارے من میں جو چار دوز گئے انہیں نہیچے لکے دیکھ میں ہم کچھ حرج نہیں سمجھتے :

دنیا کے، کریم کریم، سب مہاپوروں کی جہولنی ہم نے فور سے پڑی ہے۔ کسی جہولنی سے ہم اس نکتہ پر نہیں پہنچتے کہ سر لگے بکرے کا جو درجہ ہم نے دیکھا وہ کسی کی جہولنی سے ملے جاتا ہو۔ پھر وہ جہولنی چاہے مہاپور سوامی کی ہو، بدھ بھگوان ہو، حضرت عیسیٰ کی ہو یا حضرت محمد کی۔ سب مہاپوروں نے اہلسا کا اہلسا دیا۔ جہاں تک ہیں سب اہلسا کو روکا آپ دیکھ لو کہ اسے انیسار ہر مہاپور نے اہلسا کے کم کر کے اور اس کی ضرورت کو کھاتے ہیں تو کی بات نہ آتا دیکھو۔ مہاپور کے انویائی دھرم کو لے کر سر پہنچا کر لیتے ہیں۔ یہی حال بدھ کے پیروں کا ہے۔ عیسیٰ کے انویائی دھرم کو لے کر کتے کتے کتے کتے ہیں، اس کا تھکانہ نہیں۔ محمد کے انویائی اس میں جس طرح لگتے رہے ہیں وہ کسی سے چھپا نہیں۔ آج بھی پاکستان میں قادیانوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے وہ گھنا نہیں جو حضرت محمد کے چہرے جی کسی طرح کھاتا ہے۔

مانیپور میں قادیانوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے وہ گھنا نہیں جو حضرت محمد کے چہرے جی کسی طرح کھاتا ہے۔

शीशों का मसीहा कोई नहीं

जो हाथ बदे याबर हैं यहाँ
जो आँख उठे वह बसुतावर
यां धन दौलत का अन्त नहीं
हों घात में डाकू लाख मगर

कब लूट मरुट से हस्ती की
दूकानें खाली होती हैं
यां पर्वत पर्वत हीरे हैं
यां सागर सागर मोती हैं

कुछ लोग हैं जो इस दौलत पर
पर्वें लूटकाते फिरते हैं
हर पर्वत को, हर सागर को
नीलाम चढ़ाते फिरते हैं

कुछ वह भी हैं जो लड़ मिड़ कर
वह परदे नोच गिराते हैं
हस्ती के उठाईगीरों की
हर बाल उलझाए जाते हैं

इन दोनों में रन पड़ता है
नित बस्ती बस्ती, नगर नगर
हर बस्ते घर के सीने में
हर चलती राह के माथे पर

यह कालिक भरते फिरते हैं
वह जोत जगाते रहते हैं
यह आग लगाते फिरते हैं
वह आग बुझाते रहते हैं

सब सागर शीशे, लाल गोहर
इसी बाखी में बंद जाते हैं
जो सब खाली हाथों को
इस रन से बुलावे धाते हैं.

— 'दस्ते-सबा' से

हमारे देश का मसीहा कौन है

जो हाथ बड़े याबर हैं यहाँ
जो आँख उठे वह बसुतावर
यां धन दौलत का अन्त नहीं
हों घात में डाकू लाख मगर

कब लूट मरुट से हस्ती की
दूकानें खाली होती हैं
यां पर्वत पर्वत हीरे हैं
यां सागर सागर मोती हैं

कुछ लोग हैं जो इस दौलत पर
पर्वें लूटकाते फिरते हैं
हर पर्वत को, हर सागर को
नीलाम चढ़ाते फिरते हैं

कुछ वह भी हैं जो लड़ मिड़ कर
वह परदे नोच गिराते हैं
हस्ती के उठाईगीरों की
हर बाल उलझाए जाते हैं

इन दोनों में रन पड़ता है
नित बस्ती बस्ती, नगर नगर
हर बस्ते घर के सीने में
हर चलती राह के माथे पर

यह कालिक भरते फिरते हैं
वह जोत जगाते रहते हैं
यह आग लगाते फिरते हैं
वह आग बुझाते रहते हैं

सब सागर शीशे, लाल गोहर
इसी बाखी में बंद जाते हैं
जो सब खाली हाथों को
इस रन से बुलावे धाते हैं.

— 'दस्ते-सबा' से

याबर = मयदगार, बसुतावर = भाग्यवान, रन पड़ता है =
संघर्ष होता है.

याबर = मयदगार, बसुतावर = भाग्यवान, रन पड़ता है = संघर्ष होता है.

तुम मरक जगती में जिनसे
खिलाबत को समायो करते थे

जगदारी, कस्तूर, भूक और धम
इन सपनों से टकराते रहे
वे रहम का चौ मुल परबराव
वह कांच के हांचे क्या करते

या शायद इन ज़रों में कहीं
मोती है तुम्हारी इच्छत का
वह जिससे तुम्हारे इच्छ पे भी
समझाव ज्यों ने ररक किया

इस माल की धुन में फिरते थे
ताजिर भी बहुत, रहजन भी कई
हैं चोर नगर, यां मुफलिस की
गर जान बची तो ब्याल गई

यह सागर शीशे, लाल-बो-गौहर
साक्षिम हों वो क्रीमत पाते हैं
वू टुकड़े टुकड़े हो तो फलत
चुम्कते हैं, यह बलवाते हैं

तुम नाहक शीशे चुन चुन कर
दामन में छिपाए बैठे हो
शीशों का मसीहा कोई नहीं
क्या आस लगाए बैठे हो.

यादों के गरीबानों के रफू
पर दिल की गुजर कब होती है
एक बखिया उबेड़ा, एक सिया
वू बस बसर कब होती है

इस कार गहे हस्ती में जहां
यह सतार, शीशे ढलते हैं
हर सै का बदल मिल सकता है
सब दामन पुर हो सकते हैं

तुम मस्त جوانی میں جن سے
خبریت کو سجایا کرتے تھے

ناداری، دلتو، بھوک اور دم
ان سہلوں سے ٹکراتے رہے
یہ دم تھا چومکے پتھرا
یہ کالج کے تھانے کیا کرتے

یا شاید ان ذروں میں نہیں
موتی ہے تمہاری عیبت کا
وہ جس سے تمہارے معجز پہ بھی
شہان قیروں نے رشک کیا

اس سال کی دہن میں پھرتے تھے
ناجر بھی بہت، دھون بھی کئی
ہے چور نگر، یاں مفلس کی
گر جان بچی تو آن کئی

یہ ساغر شیشہ، لال و گہر
سالم میں تو لہمت پاتے ہیں
ہوں ٹکڑے ٹکڑے ہیں تو فقط
چمکتے ہیں، یہو روتاتے ہیں

تم ناحق شیشہ جن جن کر
دامن میں چھپائے ہوئے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا اس لئے ہوئے ہوئے ہو

یادوں کے گریبانوں کے رفو
پر دل کی گذر کب ہوتی ہے
اک بھیمہ اُدھیوا، ایک سہا
ہوں عمر بسر کب ہوتی ہے

اس کار کبھی ہستی میں جہاں
یہ ساغر، شیشہ ڈھلتے ہیں
ہر سہ کا بدل مل سکتا ہے
سب دامن پر ہو سکتے ہیں

खिलाबत = एकान्त; जगदारी = गरीबी; इच्छ = लाचारी;
रहजन = बहक; मोहर = मोदी; गरीबान = कुर्ता; कारगृहस्थी
= दुनिया; शब = बीक; बदल = बदल; पुर = अदे;

خبریت = اہکامت; ناداری = فریبی; معجز = لچاری;
دھون = ڈانٹ; گہم = مہر; فرجان = کرتا; کارگہستی = دنیا;
یہ = چور; بدل = بدلہ; پر = ہرے;

پیشکش کنندہ: پاکستان

پرائمری اسکول

24 NOV 1953

نیا ہند

جلد 14 مئی '53 نمبر 5 ، نمبر 5 مئی '53

جانتا بھارتی، پریم بھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پھیلے گا ہر ہر لیے پریم کی جھولی۔

جانتا آدمی، پریم دھرم ہے، ہندستانی بولی،
'نیا ہند' پھیلے گا گھر گھر لیے پریم کی جھولی۔

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

(فکڑ احمد 'فکڑ')

موتی ہو کی شیشا، جام کی دھڑ
جو ٹوٹ گیا، سو ٹوٹ گیا
کب بھڑکے سے جھڑک سکتا ہے
جو ٹوٹ گیا، سو ٹوٹ گیا

تو نہا کر ڈھکے چن چن کر
ہاتھ میں لپیٹ کر بیٹھ گیا
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کبھی بھڑک لگا کر بیٹھ گیا

بھارت کی بھڑکیوں میں کبھی
بھارت کے لیے ہے جس میں کبھی
بھارت سے جھڑک کر جاتی تھی
بھارت کے لیے جاتی تھی

فکڑ دنیا والوں نے تو سے
بھارت لے کر پھوڑ دیا
جو بھارت کی بھڑکی میں
بھارت کا بھڑک کر پھوڑ دیا

بھارت کے لیے ہے بھارت
بھارت کے لیے ہے بھارت

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

(فریض احمد 'فریض')

موتی ہو کہ شیشہ، جام کہ در
جو ٹوٹ گیا، سو ٹوٹ گیا
کب لپکے سے، جو سکتا ہے
جو ٹوٹ گیا، سو چھوٹ گیا

تم ناحق لکڑے چن چن کر
ہاتھ میں لپیٹ کر بیٹھ ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کبھی آس لکڑے بیٹھ ہو

شاید کہ انہوں نے تو سے نہیں
بھارت کے لیے جس میں نہیں
بھارت سے جھڑک کر جاتی تھی
بھارت کے لیے جاتی تھی

بھارت دنیا والوں نے تو سے
بھارت لے کر پھوڑ دیا
جو بھارت کی بھڑکی میں
بھارت کا بھڑک کر پھوڑ دیا

بھارت کے لیے ہے بھارت
بھارت کے لیے ہے بھارت

بھارت - بھارت - بھارت، بھارت - بھارت، بھارت - بھارت =
بھارت کی بھڑکی، بھارت - بھارت، بھارت کی بھڑکی - بھارت

بھارت - بھارت - بھارت، بھارت - بھارت، بھارت - بھارت =
بھارت کی بھڑکی، بھارت - بھارت، بھارت کی بھڑکی - بھارت

“نیا ہند”

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

مئی 1953

“نیا ہند”

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

نیا ہند سے	صفحہ نمبر	نیا کس سے
1- شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں (کویتا) — فاض احمد 'فاض'	227	1- شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں (کویتا) — فاض احمد 'فاض'
2- مانیپور اور کلا - بگوان دین	230	2- مانیپور اور کلا - بگوان دین
3- ہندوستانی شہدات کا چہرہ اسول - شہد حوزوں	241	3- ہندوستانی شہدات کا چہرہ اسول - شہد حوزوں
4- آرمیا! بھو جی کہاں ہے! — (کہانی) کے۔ سرسوتی امان	247	4- آرمیا! بھو جی کہاں ہے! — (کہانی) کے۔ سرسوتی امان
5- खादी बोर्ड, सरकार और खादी सुरेश रामभाई...	255	5- खादी बोर्ड, सरकार और खादी सुरेश रामभाई...
6- खेती बारी के औजार — एक समस्या चन्द्रमा सिंह वर्मा	260	6- खेती बारी के औजार — एक समस्या चन्द्रमा सिंह वर्मा
7- बीकानेर में भयानक अकाल — ज्ञानेन्द्र प्रसद जैन...	262	7- बीकानेर में भयानक अकाल — ज्ञानेन्द्र प्रसद जैन...
8- पूरबी अफ्रीका का समाज — राम किशोर	267	8- पूरबी अफ्रीका का समाज — राम किशोर
9- शान्ति आन्दोलन — डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा ..	271	9- शान्ति आन्दोलन — डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा ..
10- जंग न होने पाए — (कविता) नरेश कुमार 'शार'	275	10- जंग न होने पाए — (कविता) नरेश कुमार 'शार'
11- प्रवासी की डायरी — प्रवासी	276	11- प्रवासी की डायरी — प्रवासी
12- कुछ किताबें	283	12- कुछ किताबें
13- हमारी राय —	285	13- हमारी राय —
हम में क्या कमी है? — सुन्दरलाल; इन्द्रप्रस्थ कालेन और चप्पल साजी - बगवानदीन; राजदूत आफ्रिका अली का रथो — बगवानदीन; दो सर्टिफिकेट — सुरेश रामभाई; आइजनहावर का शान्ति सुभाव — मुजीब रिजवी		हम میں کیا کمی ہے؟ — ملندر لال؛ اندرپوستہ کالج اور چھل سازی — بگوان دین؛ راج دولت آف افریقہ علی کی رتھو — بگوان دین؛ دو سرٹیفکیٹ — سریش رام بھائی؛ آئزن ہاؤر کا شانتی سبھاؤ — محبوب دھوبی .

قیمت — ہندوستان میں چھ روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال، ایک پرچہ دس آنے .

مینیجر

‘نیا ہند’

145، سڈی گنج، اسلام آباد.

قیمت — ہندوستان میں چھ روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال، ایک پرچہ دس آنے .

مینیجر

‘نیا ہند’

145، مٹی کی گلی، الہ آباد

एडिटर—ताराचंद, भगवानदीन, मुजफ्फर हुसैन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

اديتور—تاراچند، بهگوان دین، مظفر حسو، بشیر رائے، سندرلال

ناयब एडिटर—सुरेश रामभाई, मुजीब रिजवी

نائب ادیتور—سویس رام بهانی، مستحب رضوی

✽

✽

✽

✽

✽

✽ मनीपुर और कला—भगवानदीन

✽ مانی پور اور کلا—بهگوان دین

✽ खादी बोर्ड, सरकार और खादी—मुरेश रामभाई

✽ خادی بورڈ، سارکار اور خادی—موریش رام بهانی

✽ बीकानेर में भयानक अकाल—ज्ञानेन्द्र प्रसाद त्रैलोक्य

✽ بہکونیر میں بھیانک اکال—جھانیندر پرساد تریلوکی

✽ शान्ती आन्दोलन—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा

✽ شانتی آندولن—ڈاکٹر جے سی. کماراپا

हमारी राय

ہماری رائے

✽ हम में क्या कमी है?—सुन्दरलाल

✽ ہم میں کیا کمی ہے؟—سندرلال

✽ राजदूत आमिक अली की रथी—भगवानदीन

✽ راجدوت آمیک علی کی رتھی—بهگوان دین

✽ दो सर्टिफिकेट—सुरेश रामभाई

✽ دو سرتیفیکٹ—سوریش رام بهانی

✽ आइजिनहावर का शान्ति मुकाव—मुजीब रिजवी

✽ آئین ہاوار کا شانتی سمدھ—مستحب رضوی

झंकार

सम्पादक—श्री रघुपति सहाय 'किराक'

جهنگار

سہاگ—عربی دیکھو بھی سہائے 'نراق'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह ख्याती दुनिया का छोड़ कर ज़िन्दगी की सच्चाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है. आज की उर्दू शायरी गुल व बुलबुल और वस्ल व किराक तक ही सीमित नहीं है. अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी. गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ऐसी आवाज़ सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी.

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों कलक मिलता है.....सजीव तथा साकार हैं... वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय है..."

23-2-52

—रोजाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहा तक भाव का सम्बन्ध है कविता उच्चस्तर की है."

6-3-52

—'विशाल भारत' कलकत्ता

"झंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से ओत प्रोत हैं."

17-2-52

—नव भारत टाइम्स' दिल्ली.

"हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह को अनन्त लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है"

13-1-52

—'अमृत पत्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, तात्त्विकता और सूत्र के क्रायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर भरल और बामशबरा है. कहीं कहीं तो हिन्दी है."

8-5-52

—'जीवन साहित्य' दिल्ली

"झंकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिल्कुल बोल चाल के निकट है"—'नया समाज' कलकत्ता नागरी लिखाबट में ऐसा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराख. उम्दा. छपाई बाम सिक्र तीन रुपया. दस किताबों को एम. राय खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

جهنگار پندرہ برس سے آج تک کی اردو کی چلی ہوئی کویتاؤں کا یہ سنگره پوچھ کر آپکو معلوم ہوگا کہ اردو کویتا نے کس طرح خھالی دنیا کو چھو کر زندگی کی سچائیوں سے اپنا نانا جوڑ لیا ہے. آج کی اردو شاعری گل و بلبل اور وصل و نراق تک ہی سمیت نہیں ہے. اب آپ کو اردو کویتا میں کسانوں اور مزدوروں کے دلوں کی دھڑکنیں سنائی دیں گی. فلاسی انھائے اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سنیں گے جو آپ کے دل کو گھرائیوں کو چھوئے گی.

"ان کویتاؤں میں انٹرواشنری نتھا واشتری دلوں جهنگار ملتی هوں... سچھو نتھا ساڈر هیں... واشتر هیں هندی حساس هیں یہ پریاس اویکا ه اور اردو سامتھ کے آدھک دور هیں آدنھ ه..."

23-2-52

—'روزانہ 'لوک وانی' جے پور

"جہاں تک بھاؤ کا سہجندہ ہے کویتاؤں آج اس آواز کی هیں."

6-3-52

—'وشال بھارت' لکھنؤ

"جهنگار میں پرکاشت 72 اردو کی کویتاؤں آج ہی کے ایک ہی سمسٹوں سے اوت پروت هیں."

17-2-52

—'نو بھارت ٹائمز' دہلی

"هندی کے پائیک اسلھہ اور چاؤ سے اس سنگره کا آئند لھنگہ اور ان سے پریکا کر هیں کریں گے یہ سچیت هے."

13-1-52

—'مرت پتریکا' الہ آباد

"هم ان کی (کویتاؤں کی) شکتی، تاژگی اور سوتور کے قیل هیں. وہ ایک نئے یگ کا سندھیں دیتی هیں..."

8-5-52

—'چون سامتھ' دہلی

"(جهنگار کی) رچتاؤں میں یک ہی پکار هے اور بهاشا بالکل بول چال کے نکت هے. —'نوا سماج' لکھنؤ

ناگرو لکھاوت میں ایسا بھرپور اردو کویتا کا سنگره آج تک نہیں نکلا. سنگره جلد. بوهوا کاغذ. سندھ چوهائی دام صرف تھن روپیه. دس کتابوں کی ایک ساتھ خریداری پر پچاس فیصدی کمیشن.

ملنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—

مینیجر 'نیا ہینڈ' 145, سوریگنج, इलाहाबाद.

ملھجر 'نیا ہینڈ' 145, مٹھی کالج الہ آباد.

هندستانی کلچر سوسائٹی

मक़सद

(1) एक ऐसी हिन्दुस्तानी कलचर का बढ़ाना, फैलाना और प्रचार करना जिसमें सब हिन्दुस्तानी शामिल हों.

(2) एकता फैलाने के लिये किनारों, अखबारों, रिसालों वगैरों का ध्यान.

(3) पढ़ाई घरों, किताब घरों, सभाओं, कानफरेन्सों, लेक्चरों से सब धर्मों, जातों, बिरादरियों और फिर्कों में आपस का मेल बढ़ाना

—:~:—

मोसाइटी के प्रेसीडेन्ट—मि० अब्दुल मजीद खाना,
बाइस प्रेसीडेन्ट—डा० भगवानदास और डा० अब्दुल
हक गवर्निंग बाडी के प्रेसीडेन्ट डा० भगवानदास;
सेक्रेटरी प० मन्दरलाल.

गवर्निंग बोर्ड के और मेम्बर—

डा० सैयद महमूद, डा० तागाचन्द, मौलवी सैयद मुलेमान नदवी, मि० मंजूर अली मोस्तता, श्री वी० जी० खेर, पं० विशम्भर नाथ, महात्मा भगवानदीन, सेठ पृतम चन्द रांका, क्राप्ती मोहम्मद अब्दुल्ला राफकार आर श्री आम प्रकाश पालीवाल.

मेम्बरी के कायदों के लिये लिखिये —

गुन्दरालाल

सेक्रेटरी, हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

145, मुद्रीगंज, इलाहाबाद

नोट- सोसाइटी के नए क्रायदे के अनुसार मेम्बरी की फीस सिर्फ एक रुपया कर दी गई है. "नया हिन्द" के जो ग्राहक मेम्बर बनना चाहें उनको सिर्फ छै रुपया पन्दा देने पर ही मेम्बर बना लिया जायेगा. अलग से मेम्बरी की फीस देने वाले सोसाइटी की निकली हुई कोई किताब जो एक रुपया दाम की होगी मुफ्त ले सकेंगे या ज्येदा दाम की किताबें लेने पर एक बार एक रुपया कम करा सकेंगे.

مقدمہ

(1) ایک ایسی ہندستانی کلچر کا بھانا، یہاں
اور پھر چار کا جس میں سب ہندستانی شامل ہیں۔

(2) ایکتا پہلے کے ائمہ کرام، احمادوں، رسالوں
 و غیرہ کا چھاپنا

(۱) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانسرسوں، لکچروں سے سب دھڑھڑھڑ جانوں، برادریوں اور فرقوں میں آجس کا مہاں بھابھا۔

- 4 -

موسیقی نے پیسہ دیا۔۔۔ مسٹر عبدالعزیز جواہر
وائس پیسہ دیا۔۔۔ ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالحق
ٹورنٹک ہائی نے پیسہ دیا۔۔۔ ڈاکٹر بھگوان داس
مکینٹی — بلڈ بلڈ لال ۔

گورنمنٹ ریلوے اور مندر

داکٹر سید منعمون، ڈائمنڈ تارا، چلند، مہلوی سید
 سلیمان بدوی، مسٹر مایحہ علی سمیعہ، شبی بی بی
 گوہر، یلڈز رشید، ناتھ، مہاراما بھگوان دین، سیٹھ بدیم
 چلند، رائے قاضی محمد عبدالغفار اور شبی اور بدکاش
 بالہوال

محمدی کے قواعدوں کے لئے اہمیت -

ملد، ۱۹۸۱

حکومتی و ملحد سرمایہ داروں کے لیے، سوچا جاتی ہے
(15) مضمون 'کلمج' 'الانار'

سات۔ سوسائٹی نے مجھے قاعدے کے انہماک ممدی کی
فیس صرف ایک روپیہ دینی تھی ہے ”بہا ہند“ کے
حوالہ سے ممد چاہوں ان کہ صرف چھ روپیہ چلندہ
دیلے یہ ہی ممد بلا لیا خانہ کا الگ سے ممدی کی
فیس دیلے والے سوسائٹی کی نعلی ہوئی کوئی نقاب دو
ارک روپیہ نام ہی ہوئی ممد نے سکھ کے یا زیادہ نام
کی کتابیں لکھنے پر ایک ہزار ایک روپیہ کم کر سکھ گئے

ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں

ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں

نوٹ:—یہ کتب گھر کون سے ہیں

نوٹ:—یہ کتب گھر کون سے ہیں

نام کتاب	لکھنے والا	رقم	رقم	رقم	رقم
1. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	8	0	0	0
2. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	8	0	0	0
3. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	8	0	0
4. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	3	0	0	0
5. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	3	0	0	0
6. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	3	0	0	0
7. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	6	0	0	0
8. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	0	0	0
9. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	0	0	0
10. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	0	0	0
11. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	5	0	0	0
12. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	4	0	0	0
13. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	8	0	0
14. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	8	0	0
15. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	3	0	0	0
16. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	5	0	0	0
17. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	3	0	0	0
18. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	4	0	0
19. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	8	0	0
20. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	1	4	0	0
21. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	1	8	0	0
22. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	3	8	0	0
23. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	2	0	0	0
24. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	1	8	0	0
25. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	1	8	0	0
26. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	3	0	0	0
27. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	1	0	0	0
28. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	0	8	0	0
29. ہمارے یہاں کون سے کتب گھر ہیں	شیخ ابوبکر	1	0	0	0

نکات:—

نکات:—

نکات:—

145

145

پیرکانہ پر باپ

سہماک—سری شریکرشن داس

اس پوسٹک میں سن 1921 سے سن 1948 تک گاندھی جی نے سامبرداپیتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملے گا۔

بھارت کے آزادی ہونے پر یہ خبری ہو گیا ہے کہ ہر ہارتواسی سامبرداپیتا کے نقصان کو سمجھ اور اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے۔

سندر جلد۔ اچھا کٹڈ۔ دو سو صفحے۔ قیمت دو روپے۔

بھاشا

لکھک—لالہ مدن کوپال

ہندی اردو اور ہندستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ والے اس کتاب میں آپ کو ملے گی۔ راشٹر بھاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا۔ سوچنے کی راہیں سوچیں گی، جانکاری بڑھ گی اور طرح طرح کی تنگ نظریاں مٹیں گی۔

تربیب سولہ صفحہ کی سندر کتاب، دام تیرہ روپے۔

भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राख इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नजरियां मिटेंगी।

करीब सवा सौ सफ्रे की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

بھاشا

لکھک—لالہ مدن کوپال

ہندی اردو اور ہندستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ والے اس کتاب میں آپ کو ملے گی۔ راشٹر بھاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا۔ سوچنے کی راہیں سوچیں گی، جانکاری بڑھ گی اور طرح طرح کی تنگ نظریاں مٹیں گی۔

تربیب سولہ صفحہ کی سندر کتاب، دام تیرہ روپے۔

700 PAGES.

32 ILLUSTRATION

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDRL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China. A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly infomative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic.. characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective.. To read it is veritabily like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी की किताबें

क्यास लक्ष्मण से कियावा दाम की किताबें खरीदने वालों को और मुकसेलरों को खास रिज्वायत दी जायेगी. पूरी जानकारी के लिए लिखिये.

ढाक या रेल खर्च हर हालत में ग्राहक के जिम्मे होगा.

भारत का विधान

पूरा हिन्दी अनुवाद

जो 26 जनवरी सन 1950 से सारे भारत में लागू हुआ.
'भारत में अंगरेजी राज' के लेखक पंडित सुन्दरलाल
दाश गुप्त अंगरेजी से अनुवादित.

हर भारतवासी का कर्ष है कि जिस विधान के अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आस्तान बामहाबरा भाशा. रायल अठपेजी बडा साइण्ड.
लम्बग्य चार सौ पन्ने. रुपये की सुन्दर जिल्द. क्रीमत केवल
साढ़े सात रुपय.

ईसा का सन्देश

लेखक—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा.

अनुवादक—सुरेश रामभाई.

इस किताब में हज़रत ईसा के सन्देश की व्याख्या ऐसे ताल्लुकाब ढंग से की गई है कि पढ़ने वाला बड़ी आसानी से यह समझ जायेगा कि ईसाई धर्म की आस ताल्लुकाब क्या है और हज़रत ईसा ने इन्सान-इन्सान की बराबरी, भाई भाई, प्रेम और अहिंसा पर कितना जोर दिया है.

महात्मा गांधी ने इस किताब के बारे में कहा है कि—

“हर आस्तिक से, चाहे वह ईसाई हो या किसी और
 धर्म का मानने वाला हो, मेरी सिफारिश है कि इसे पढ़े...”

मुन्दर सिद्ध, बढ़िया कामका, करीब सवा सौ सके की
किताब का नाम सिर्फ एक बन्या.

هندستاني ڪلچر سوسائٽي کي ڪتابين

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور پچاس روپوں کو خاص رعایت دی جائیگی۔ پوری جائگاری کے لئے لکھیے۔

قاعدہ یا ذیل خرچ ہر حالت میں گھک کے ذمے ہوگا۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندسی انفراد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لگو ہوا .
'بھارت میں انگریزی راج' کے لٹیکھک یقینت سنگدل
نوازا مول انگریزی سے انوادت .

ہر بھارت و اسی کا فرض ہے کہ جس وطن کے اندھن
سواندھن بھارت کا شاسن اِس سے چل رہا ہے اُسے اچھی
طرح سمجھے۔ بھارت کے جو گھر میں اُس ہستک کا دھنا
فیروزی ہے۔

آسان ہمسافروں بہاشا۔ دایاں اٹھ پھنسی ہوا سائز۔ لک
بھگ چار سو پندرہ۔ کھڑے کی سندھو جلد۔ قیمت کھول
سارے سات روپے۔

عیسیٰ کا سندھ پنشن

لیکھک—ڈاکٹر جے . سی . کماریاہا .

انور اکی سریش دام بهائی۔

اس کتاب میں حضرت موسیٰ کے ساندھیوں کی دیکھو
ایسے لاجواب تھلک سے ہی گئی ہے کہ پڑھنے والا ہر
آسانی سے یہ سمجھ جائیگا کہ مہمانی دھرم کی خاص
تعلیم کیا ہے اور حضرت موسیٰ نے انسان انسان کی برابری
بھائی چارے، دھرم اور امنسا پر کتنا زور دیا ہے ۔

مہاشا گاندھی نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ—
 ”جو آج تک ہے، چاہے وہ موسیقی ہو یا کسی اور شہرم
 کا مانتیہ والا ہو، مہرہ سفاہی ہے کہ اسے پڑھے۔“
 سید پرچند، پوہیا کافڈ، قریب سوا سو صفحے کی
 کتاب کا نام صرف ایک روز ہے۔

امریکیوں کی طرف سے چین پر دھمکا کرنے سے شائستگی کے ساتھ انکار کیا گیا۔

مسلما، چیننام، بربما، ہینڈ چین کے संबंध میں کیا رکھا گیا جائیگا۔ کیا کورییا کی لڑائی باندھ کر کے امریکا کے لیے جی سامان ملے گا، ہینڈ چین اور چیننام میں لاکھ لاکھ جاری رہے گا؟ امریکی لٹیر کے خلاف ان دیہوں کی جنگ لڑ کر کورییا کی لڑائی ہوئی ہے اور اسے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو باہر نکال دیا گیا ہے۔ ان کی لڑائی جاری رہے گی۔ کسی قیمت پر وہ صلح نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں کیا امریکا اپنے دوستوں کا ساتھ چھوڑ دے گا؟ یہ کہہ نہیں سکتے کہ اس ادارہ نے ان کے ملک میں بھرتی ہونے کا حق ہے اور انہوں نے اس نکتہ کا اعلان کیا ہے کہ وہ ایسا کرنا نہ ہونے میں کہہ سکتے ہیں کہ ہاتھ زبردستی خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ کورییا میں چین کو اس لیے جانا ہوا کہ امریکی فوجیں اسکی سرحد تک پہنچ گئی ہیں۔ ان دیہوں کی بھی سہولتیں چینی سے ملتی ہیں۔ کیا چینی اپنی سہولتوں کی دیکھ نہیں کرے گا؟ ظاہر بات ہے امریکا پر اعتبار کرنے کے لیے وہ اسے سر تک نہیں پہنچائے دے سکتا۔

امریکا کی طرف سے چینی پر دھمکا کرنے کے لیے شائستگی کے ساتھ انکار کیا گیا۔

مسلما، ہینڈ نام، بربما، ہینڈ چین کے संबंध میں کیا رکھا گیا جائے گا۔ کیا کورییا کی لڑائی باندھ کر کے امریکا کے لیے جی سامان ملے گا؟ امریکی لٹیر کے خلاف ان دیہوں کی جنگ لڑ کر کورییا کی لڑائی ہوئی ہے اور اسے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو باہر نکال دیا گیا ہے۔ ان کی لڑائی جاری رہے گی۔ کسی قیمت پر وہ صلح نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں کیا امریکا اپنے دوستوں کا ساتھ چھوڑ دے گا؟ یہ کہہ نہیں سکتے کہ اس ادارہ نے ان کے ملک میں بھرتی ہونے کا حق ہے اور انہوں نے اس نکتہ کا اعلان کیا ہے کہ وہ ایسا کرنا نہ ہونے میں کہہ سکتے ہیں کہ ہاتھ زبردستی خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ کورییا میں چین کو اس لیے جانا ہوا کہ امریکی فوجیں اسکی سرحد تک پہنچ گئی ہیں۔ ان دیہوں کی بھی سہولتیں چینی سے ملتی ہیں۔ کیا چینی اپنی سہولتوں کی دیکھ نہیں کرے گا؟ ظاہر بات ہے امریکا پر اعتبار کرنے کے لیے وہ اسے سر تک نہیں پہنچائے دے سکتا۔

جو اپنی لڑائی نے کیا ہے کہ ہمارے اور زخمی سہاروں کو لے کر، میں بھیج دیتے ہیں۔ بعد میں بھیج دیں۔ انہیں ایک نکتہ دیکھو، اس کے سہرے کو دیا جائے اور پھر ان کی مرضی معلوم کر کے تبادلہ کر لیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ کوسا نکتہ دیکھو جس نے سہرے کو نہک نام کیا جائے۔ ہونو لڑائی میں خود ایک فریق ہے۔ اسے نکتہ مانا نہیں جا سکتا۔ ایسے ہی یہ کام اس کے سہرے کرنے کا مطلب ہے کہ امریکا کو چھ سہرے دیے جائے۔ چینی والے بھارت کے سہرے یہ کام کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ لیکن کیا امریکا نے ملک کے دیہی اس بات کو سوچا کہ نہیں کرے؟

ساری باتیں کو صاف صاف سمجھ لیتے ہیں۔ بعد میں اس نکتہ پر پہنچتے ہیں کہ کورییا کی لڑائی میں کسی بہانے کے لیے شاید یہ لڑائی باندھ دی ہو جائے لیکن دور دورہ میں شائستگی قائم ہونا اس سے تک اسے سمجھو ہے جب تک یا تو امریکی ملک والے اپنی پوری فوجی نہ بدلتے اور ہر دفعہ یہ سوراخ دیکھنے کے سدھانت کو عمل میں نہ لائیں اور یہ روس کا شائستگی چکر اٹھا ہوا ہو جائے کہ وہ لڑائی کے دھوکے کو جو ہے ہی ختم کر دے۔ پھر بھی شائستگی کی باتیں یہ ہی دھوکے باندھتی ہیں اور جلتا میں وہ اس ہوشیاری کے نہ سہل چلے اس لیے میں بات چیت کرنے کے لیے ہوشیار رہ کر رہ سکتے ہیں۔ ہوشیاری کے لیے یہ ایک سہانہ سہولت ہے۔

یو۔ این۔ جی نے کہا ہے کہ بیمار اور کھلمی خیمہ دیہوں کو اپنے اپنے گھرانے میں بے جہت کے باوجود جو کھدائی رہے انہیں ایک تدریجی طور پر دیا جائے اور پھر ان کی مرضی معلوم کر کے تبادلہ کر لیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ کوسا نکتہ دیکھو جس نے سہرے کو نہک نام کیا جائے۔ ہونو لڑائی میں خود ایک فریق ہے۔ اسے نکتہ مانا نہیں جا سکتا۔ ایسے ہی یہ کام اس کے سہرے کرنے کا مطلب ہے کہ امریکا کو چھ سہرے دیے جائے۔ چینی والے بھارت کے سہرے یہ کام کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ لیکن کیا امریکا نے ملک کے دیہی اس بات کو سوچا کہ نہیں کرے؟

ساری باتیں کو صاف صاف سمجھ لیتے ہیں۔ بعد میں اس نکتہ پر پہنچتے ہیں کہ کورییا کی لڑائی میں کسی بہانے کے لیے شاید یہ لڑائی باندھ دی ہو جائے لیکن دور دورہ میں شائستگی قائم ہونا اس سے تک اسے سمجھو ہے جب تک یا تو امریکی ملک والے اپنی پوری فوجی نہ بدلتے اور ہر دفعہ یہ سوراخ دیکھنے کے سدھانت کو عمل میں نہ لائیں اور یہ روس کا شائستگی چکر اٹھا ہوا ہو جائے کہ وہ لڑائی کے دھوکے کو جو ہے ہی ختم کر دے۔ پھر بھی شائستگی کی باتیں یہ ہی دھوکے باندھتی ہیں اور جلتا میں وہ اس ہوشیاری کے نہ سہل چلے اس لیے میں بات چیت کرنے کے لیے ہوشیار رہ کر رہ سکتے ہیں۔ ہوشیاری کے لیے یہ ایک سہانہ سہولت ہے۔

—موسیٰ ریاضی

—موسیٰ ریاضی

7-4-53

मानवता पैदा कर दिया है कि कोई ताकत भी कदाई होने की विनम्र नहीं करेगी। दुनिया के किसी किसी कोने में खड़ाई होगी वरुण पर दुनिया की खड़ाई की शक्ति उसे हम न लेने देंगे, वह विश्वास कोरी बातें नहीं है बरिक्त इसके पीछे गहराई तक हैं। रूस वालों का कहना है कि हमें इन से लड़ने की जरूरत नहीं है, इनका माली बांधा खुद इतना मुक्त मुसा है कि वह इन्हे ले डूबेगा, इथियार बन्दी का सामना बाना जो यह बुन रहे हैं वह खुद इनकी ही जान लेकर छोड़ेगा, पंजीवादी व्यवस्था आखोरी सांसे ले रही है, इन देशों की जनता खुद इस व्यवस्था की भजिया उड़ा देगी, उनका यह भी कहना है कि अब दुनिया के सामने कम्युनिज्म के सिवाय कोई दूसरा रास्ता नहीं है, आज की परिस्थिति में यह नहीं कहा सकता कि यह विश्वास खड़ाई रोकने में कहां तक कामयाब होगा क्योंकि ताली बानों हथेलियों से बजती है, बड़ा मुश्किल हाता है कि कोई खड़ाई छोड़ने पर उतारु हो और दूसरा उसे ऐसा न करने दे, इस सम्बन्ध में रूस की कामयाबी दुनिया की जनता को उसकी खड़ाई के सामने झुका देगी !

एन लार्ड का सुभाष

यू एन लाई के सुझाव का फिकर हम ऊपर कर आए हैं। सवाल उठता है कि किस आधार पर कोरिया की लड़ाई बन्द हो सकती है। समस्या यह नहीं है कि कोरिया की लड़ाई बन्द हो जाय। इस में शक नहीं कि ऐसा होना जरूरी है। लेकिन समस्या यह है कि बरतानिया, फ्रांस और अमरीका दूर पूरब में कैसी नीति अपनाने जा रहे हैं। कोरिया में सुलह का मतलब है कि हर मगड़े पर समझौता किया जाय। सबसे पहले अमरीका को यह करना पड़ेगा कि वह उत्तर कोरिया और चीन की मूलों में जाइए स्थान हासिल करने दे। अमरीका वाले इससे बहुत बहराते हैं। बरतानिया के एक संवाददाता ने लिखा है कि अमरीका के लोग सोचते हैं कि—“अगर चियांग काई शेक को हमने आज छोड़ दिया तो ऐसा मालूम होगा कि हम सदा राजती पर रहे हैं। लोग हमारे त्तारे में क्या सोचेंगे” अमरीका को इस बहस को छोड़ना होगा।

बियांग काई रोक और सिंगसनरी क्या शान्ति होने
होगे ? अगर यूनी में नया चीन जाता है तो बियांग काई
रोक की सरकार खतम हो जाती है क्योंकि चीन की एक
ही सरकार हो सकती है. कारमोसा की सरकार को मान्य
मिलना आपदे के खिलाफ है क्योंकि सब लोग मानते
हैं कि कारमोसा चीन का है और चीन को मिलना चाहिये.
अगर के लिये यह पकरी भी है. क्या बांग काई रोक अपनी
आजाद तथा को स्वीकार करेंगे ? अगर यह स्वीकार नहीं
करते तो क्या कमोका उनका साथ छोड़ देगा और उन्हें
कोई सहायता नहीं देगा. और अगर साथ देगा और यह

[illegible]

جو این لاش کا سچھا

چو این لائی نے سجدہ کا فذر ہم اوپر کر آئے ہیں ۔
سوال تھا کہ نہ کس ادمار پر کوریا کی لڑائی بند ہو سکتی
ہے ۔ سمجھا یہ نہیں ہے نہ لڑیا کی لڑائی بند ہو جائے ۔
اس میں شک نہیں نہ ایسا ہونا ضروری ہے ۔ لیکن
سمجھا یہ ہے کہ بوطانہ ، فوانس اور امریکہ دور پورب
میں کبھی جتنی اپنائے جا رہے ہیں ۔ کوریا میں صلح
کا مطالبہ ہے کہ ہر چیز کو پر سمجھوتہ کیا جائے ۔ سب
ہے پہلے امریکہ کو یہ کرنا پڑے گا وہ اترو کوریا اور چین
کو دونوں میں جائز امتحان حاصل کرنے دے ۔ امریکہ والے
اس سے بہت ڈرتے ہیں ۔ بوطانہ نے ایک سماد دتا
نے لکھا ہے کہ امریکہ نے لوگ سوچتے ہیں کہ — ” اگر
چھانگ لائی شیک ہو ہم نے آج چھوڑ دیا تو ایسا معلوم
ہوگا کہ ہم سدا غلطی پر رہے ہیں ۔ لوگ ہمارے بارے
میں کیا سوچیں گے ؟ ” امریکہ کو اس وہم کو چھوڑنا ہوگا۔
چھانگ لائی شیک اور سلکین دی کیا شانتی ہونے
میں تیرے ؟ اگر دونوں میں کیا چین آتا ہے تو چھانگ لائی
شیک کی سرکار ختم ہو جاتی ہے توونکہ چین کی ایک
ہی سرکار ہو سکتی ہے ۔ غلامیسیا کی سرکار کو ماننا
سبنا قلمیہ کے خلاف ہے توونکہ سب لوگ مانتے ہیں کہ
غلامیسیا چین کا ہے اور چین کو سبنا چھانگ ۔ صلح نے لکھ
یہ ضروری نہیں ہے ۔ کیا چھانگ کی شیک اپنی آلم
کھینا کو سرکار میں لے لے کر وہ سرکار ابھی
کریں گے تو کیا امریکہ اور آسمان چھوڑ دے گا اور انہیں
کے ساتھ لے کر آئے گا اور اگر حالہ میں لے کر آئے

کی بات ہی یہی ہو سکتی۔ یہ بھی باتیں نہیں ہیں بلکہ وہ خود اپنے ہوش و حواس سے کہہ رہے ہیں۔ ان کو پورا ہوش و حواس ہے کہ روس ہر طرح سے شانتی چاہتا ہے۔ یہی بات روس کے نمائندوں کے بیان سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ وہ سوچنا کہ مالدکوف نے اپنی کمزوری دھمکتے کے لئے یہ قدم اٹھایا ہے بالکل غلط ہے۔ لیکن اس طرح سوچنے والے سوال پوچھتے ہیں کہ یہ قدم استعائن کے مرنے کے بعد ہی کیوں اٹھائے گئے؟ جن لوگوں نے استعائن کے لکھ اور بیان پڑھے ہیں انہیں معلوم ہے کہ مالدکوف نے اس سبب سے کوئی نئی نکتہ نہیں اپنایا۔ صرف استعائن کی نکتہ کو عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ اس سبب سے میں سمجھتا ہوں کہ روس کی خبریں ہی انہوں نے ملی ہیں : استعائن کی زندگی میں ہی جرجل نے مالدکوف کو لکھا تھا کہ وہ اپنا اثر قائل کر برطانیہ کے سویلین قیدیوں کو کوریا میں رہائی دلا دیں۔

مالکوف نے حامی بوری لی تھی اور کوشش شروع کر دی تھی۔ مالدکوف ہے کہ اس کوشش کا نتیجہ استعائن کے موت کے بعد نکل سکا۔ یہ خبر نیویارک ٹائمز نے دی ہے۔ استعائن کا بار بار دہرایا۔ قتلہ سب کو یاد ہے۔ دونوں مالی دوست تھے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس طرح صاف پتہ چلتا ہے کہ روس کی نکتہ میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ صرف عمل میں توڑی آگئی ہے اور اس کا استعائن کی موت سے کوئی سبب نہیں ہے۔ یہ سوچنا کہ روس کمزور ہے یہ بھی غلط ہے۔ جتنا روسوں کو آہ اور ہوش و حواس ہے اتنا امریکیوں کو ہوتا تو وہ توڑی ہاتھ نہ دیتے۔ لیبر پارٹی کے بھٹا مسٹر بیون نے تھک کہا ہے کہ روس کے یہ ادارہ کمزوری کے برعکس نہیں ہیں بلکہ اس کی طاقت کا پتہ دیتے ہیں۔

مالکوف نے حامی بوری لی تھی اور کوشش شروع کر دی تھی۔ مالدکوف ہے کہ اس کوشش کا نتیجہ استعائن کے موت کے بعد نکل سکا۔ یہ خبر نیویارک ٹائمز نے دی ہے۔ استعائن کا بار بار دہرایا۔ قتلہ سب کو یاد ہے۔ دونوں مالی دوست تھے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس طرح صاف پتہ چلتا ہے کہ روس کی نکتہ میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ صرف عمل میں توڑی آگئی ہے اور اس کا استعائن کی موت سے کوئی سبب نہیں ہے۔ یہ سوچنا کہ روس کمزور ہے یہ بھی غلط ہے۔ جتنا روسوں کو آہ اور ہوش و حواس ہے اتنا امریکیوں کو ہوتا تو وہ توڑی ہاتھ نہ دیتے۔ لیبر پارٹی کے بھٹا مسٹر بیون نے تھک کہا ہے کہ روس کے یہ ادارہ کمزوری کے برعکس نہیں ہیں بلکہ اس کی طاقت کا پتہ دیتے ہیں۔

کھانا ہانتی قائم ہوئی؟

اس بات پر سوچتے ہیں کہ روس کے ہاتھوں کا دھماکا رکھنا چاہئے : (1) کوریا کی لوائی سے امریکہ کی کمپنیوں کو بے حد مذاہع ہو رہا ہے۔ (2) لوائی بے حد ہوتے ہوئے امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (3) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (4) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (5) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (6) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (7) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (8) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (9) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (10) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔

مالکوف نے حامی بوری لی تھی اور کوشش شروع کر دی تھی۔ مالدکوف ہے کہ اس کوشش کا نتیجہ استعائن کے موت کے بعد نکل سکا۔ یہ خبر نیویارک ٹائمز نے دی ہے۔ استعائن کا بار بار دہرایا۔ قتلہ سب کو یاد ہے۔ دونوں مالی دوست تھے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس طرح صاف پتہ چلتا ہے کہ روس کی نکتہ میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ صرف عمل میں توڑی آگئی ہے اور اس کا استعائن کی موت سے کوئی سبب نہیں ہے۔ یہ سوچنا کہ روس کمزور ہے یہ بھی غلط ہے۔ جتنا روسوں کو آہ اور ہوش و حواس ہے اتنا امریکیوں کو ہوتا تو وہ توڑی ہاتھ نہ دیتے۔ لیبر پارٹی کے بھٹا مسٹر بیون نے تھک کہا ہے کہ روس کے یہ ادارہ کمزوری کے برعکس نہیں ہیں بلکہ اس کی طاقت کا پتہ دیتے ہیں۔

کیا شانتی کرایم ہوگی؟

اس بات پر سوچتے ہیں کہ روس کے ہاتھوں کا دھماکا رکھنا چاہئے : (1) کوریا کی لوائی سے امریکہ کی کمپنیوں کو بے حد مذاہع ہو رہا ہے۔ (2) لوائی بے حد ہوتے ہوئے امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (3) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (4) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (5) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (6) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (7) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (8) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (9) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔ (10) امریکہ کے ہاتھوں میں امریکہ والے کامپ آتے ہیں۔

کی سن '52 کا اس کا کل اثاثہ 15 کروڑ 17 لاکھ ڈالر ہے۔ سن '51 میں یہ اثاثہ 13 کروڑ 81 لاکھ ڈالر تھا۔

کیو پائنٹ وائٹنورس نامی کمپنی کو "موت کا سہارا" کہا جاتا ہے۔ یہ ہر سال اپنا اثاثہ بڑھا رہی ہے۔ اس کمپنی نے سن '52 میں 23 کروڑ 41 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا۔ یہ اثاثہ سن '51 سے 34 لاکھ ڈالر زیادہ ہے۔

موتور اور ہوائی جہاز بنانے والی کمپنیوں کو بھی کافی نفع ہو رہا ہے۔ کرسلر آٹو موبائل کارپوریشن نے سن '52 میں 7 کروڑ 86 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا، سن '51 میں اس کمپنی کا اثاثہ 7 کروڑ 19 لاکھ ڈالر تھا۔

وولس آف وولف آٹو موبائل کمپنی کا اثاثہ سن '51 کے مقابلے میں 50 کڑی سہی بڑھ گیا۔ یہ کمپنی فوجی گاڑیاں تیار کرتی ہے۔

ڈیولپمنٹ ایئر کرافٹ کارپوریشن نے سن '51 میں 1 کروڑ 8 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا۔ سن '50 میں اس کمپنی نے کل 69 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا تھا۔ سن '52 میں اس کمپنی نے 87 کڑی سہی سامان تیار کیا ہے۔

امریکن ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی میں موبائل اور راکٹ ٹیلی فونوں کی پونجی لگی ہے۔ سن '52 میں اس کمپنی نے 35 کروڑ 85 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا تھا جبکہ سن 1951 میں اس کا اثاثہ 32 کروڑ ڈالر تھا اور سن '50 میں 28 کروڑ 66 لاکھ ڈالر کا اثاثہ تھا۔

روس کی امداد کیسے ہوگی؟

روس اس تہیہ سے سولہ کے لیے آگے بڑھا ہے کہ اس کے منہ پر یہ سوال چڑھ گیا ہے—آخر یہ کیسے ہوگا؟ کچھ راہنماؤں کا کہنا ہے کہ روس نے اپنی پالیسی تبدیل نہیں کی بلکہ وہ اسے عرصے کے لیے درستہ بدل دیا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مائیکوف کی سرکار اپنی جہتیں مضبوط کرنے کی فکر میں ہے اس لیے اشتراکی اور اشتراکاتی معاملوں میں ادارہ دہا رہی ہے۔ دوسری بات وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امریکی سرکار دھوکا دہی دے رہی ہے اور وہ کسی طرح اسے قہراً کرنا چاہتے ہیں۔ امریکی والوں کا کہنا ہے کہ یہ امریکی مضبوطی نے روس کو مضبوط کر دیا ہے کہ وہ اسی تہیہ پر اکتفا کرے۔ امریکی افسروں کو یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ کوریا اور چین والوں کے ہاتھ کے خطرے کو ٹالنے کے لیے روس نے یہ سب کیا ہے۔ اس طرح کمونسٹ لیجن اپنی طاقت پر یقین رکھنے کی اور اچھی طرح اسے سمجھنے کی۔

جو امریکی روس گئے ہیں انہوں نے صاف صاف کہا ہے کہ روس والے رعبناشک کاموں میں ہاتھ ملانے سے گریز کریں گے۔

سن '52 کا اس کا کل اثاثہ 15 کروڑ 17 لاکھ ڈالر ہے۔ سن '51 میں یہ اثاثہ 13 کروڑ 81 لاکھ ڈالر تھا۔

کیو پائنٹ وائٹنورس نامی کمپنی کو "موت کا سہارا" کہا جاتا ہے۔ یہ ہر سال اپنا اثاثہ بڑھا رہی ہے۔ اس کمپنی نے سن '52 میں 23 کروڑ 41 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا۔ یہ اثاثہ سن '51 سے 34 لاکھ ڈالر زیادہ ہے۔

موتور اور ہوائی جہاز بنانے والی کمپنیوں کو بھی کافی نفع ہو رہا ہے۔ کرسلر آٹو موبائل کارپوریشن نے سن '52 میں 7 کروڑ 86 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا، سن '51 میں اس کمپنی کا اثاثہ 7 کروڑ 19 لاکھ ڈالر تھا۔

وولس آف وولف آٹو موبائل کمپنی کا اثاثہ سن '51 کے مقابلے میں 50 کڑی سہی بڑھ گیا۔ یہ کمپنی فوجی گاڑیاں تیار کرتی ہے۔

ڈیولپمنٹ ایئر کرافٹ کارپوریشن نے سن '51 میں 1 کروڑ 8 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا۔ سن '50 میں اس کمپنی نے کل 69 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا تھا۔ سن '52 میں اس کمپنی نے 87 کڑی سہی سامان تیار کیا ہے۔

امریکن ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی میں موبائل اور راکٹ ٹیلی فونوں کی پونجی لگی ہے۔ سن '52 میں اس کمپنی نے 35 کروڑ 85 لاکھ ڈالر اثاثہ کمایا تھا جبکہ سن 1951 میں اس کا اثاثہ 32 کروڑ ڈالر تھا اور سن '50 میں 28 کروڑ 66 لاکھ ڈالر کا اثاثہ تھا۔

روس کی امداد کیسے ہوگی؟

روس اس تہیہ سے صلیح کے لئے آگے بڑھا ہے کہ اس کے منہ پر یہ سوال چڑھ گیا ہے—آخر یہ کیسے ہوگا؟ کچھ راہنماؤں کا کہنا ہے کہ روس نے اپنی پالیسی تبدیل نہیں کی بلکہ وہ اسے عرصے کے لیے درستہ بدل دیا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مائیکوف کی سرکار اپنی جہتیں مضبوط کرنے کی فکر میں ہے اس لیے اشتراکی اور اشتراکاتی معاملوں میں ادارہ دہا رہی ہے۔ دوسری بات وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امریکی سرکار دھوکا دہی دے رہی ہے اور وہ کسی طرح اسے قہراً کرنا چاہتے ہیں۔ امریکی والوں کا کہنا ہے کہ یہ امریکی مضبوطی نے روس کو مضبوط کر دیا ہے کہ وہ اسی تہیہ پر اکتفا کرے۔ امریکی افسروں کو یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ کوریا اور چین والوں کے ہاتھ کے خطرے کو ٹالنے کے لیے روس نے یہ سب کیا ہے۔ اس طرح کمونسٹ لیجن اپنی طاقت پر یقین رکھنے کی اور اچھی طرح اسے سمجھنے کی۔

جو امریکی روس گئے ہیں انہوں نے صاف صاف کہا ہے کہ روس والے رعبناشک کاموں میں ہاتھ ملانے سے گریز کریں گے۔

لنگر جو چائیں، اس میں آپ تک جو حاصل کیا ہے
وہ سب چھون جائے گا۔ ہمیں 'نیگو' کا کلمہ ہر میدان
میں جاری رکھنا چاہئے۔ اسی پر ہماری سرکشا اور دنیا
کی بہالتی نرہر ہے۔" اس طرح صاف دکھائی ہو جاتا ہے
کہ روس کے اداکاروں کے جواب میں امریکہ والوں کی طرف
سے کوئی اہوا سن نہیں دیا گیا۔

دوس کی یہ بات کہ امریکہ لوائی اس لئے چھوڑا جاتا ہے کہونکہ اسی طریقہ سے وہ اپنی مالی وابستگیاں نئی کرنی دیوار کو تھام سکتا ہے۔ آج بہت صاف دنیا کے سامنے چمکتی لگی ہے۔ امریکہ میں صلح کی بات چھپ چکی ہے ہل چل مچ گئی ہے۔ ہر طالبہ کے ایک جرنلسٹ نے لکھا ہے کہ امریکہ کے اخباروں میں شانتی کے سبب سے بہت دو ٹیپاں ہوئی ہیں اُن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کے لئے بڑے بڑے اقتصادی پتی کرپا کی لوائی کا سواٹ کرتے ہیں کہونکہ اِس لوائی نے مٹی کے بہت سے چھٹکارا دلایا ہے اور دیوار کو اونچا اُٹھائے رکھا ہے۔ جولائی 1949ء میں یہو ایس نیوز ایجنڈ ورائڈ رپورٹ (یہ اخبار امریکہ کے شامکوں سے کافی (مزیدیک ہے) نے لکھا کہ— ”فعلی ہولناک اور ہرپاد کر دیلے والی چوٹ ہوئی اگر کریملن یکبارگی تھلڈی لوائی بلند کر دے۔ کانگریس کو اس بات پر راضی کرنے میں کافی دقت ہوگی نہ وہ لگانا پندرہ ہزار ملین ڈالر ہتھیار بندی پر خرچ کرنے کی اجازت دے دے۔“ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کو اس بات سے کافی ڈر ہے کہ کہیں روس یکبارگی شانتی کی طرف نہ جھک جائے۔ ایک سال پہلے آرنہ شاکٹر سمبندھی امریکی صدر کی کونسل کے چیرمین نے کہا تھا — ”کہونڈم کے دیوارکاروں نے اگر ہمیں لوائی کے خطرے میں نہ جھونک دیا ہوتا تو ہمیں جلد ہی شانتی سے پیدا ہونے والی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔“ کرپا کی لوائی میں امریکہ کی نیکی کھنڈوں نے زبردست فائدہ اُٹھایا ہے اِس کا ثبوت اُن کے سالانہ حساب سے ملتا ہے۔ اِن میں کھنڈوں کو چمکی سامان بنانے کا مرکزی ٹھہک ملتا تھا :

جنرل موٹرس کمپنی نے اعلان کیا ہے کہ تمام ٹیکسوں کی ادائیگی کے بعد سن 52 میں اسے اصلی منافع 55 کروڑ 87 لاکھ ڈالر ہوا ہے۔ سن 51 میں اس کمپنی نے 50 کروڑ 62 لاکھ ڈالر منافع کمایا تھا۔ یہاں 'بزنس ریک' نامی امریکی اخبار نے اندازے کو بھی ہمیں دھوکا دیا کہ لوہا چاہئے۔ اس کا کہنا ہے کہ یورپ کی لوائی نے آرمی سے اور اب تک جنرل موٹرس کو 5 ارب 40 کروڑ ڈالر کے جنگی سامان پہانے کے ٹھکرے ملے ہیں۔

موزکن جنرل الیگزینڈر کدھلی کا ایٹمی ہتھیاروں کے پیمانے میں زبردست ہاتھ ہے۔ اس کدھلی نے بتایا ہے

جہاں تک امریکہ کو یہ شک ہے کہ روس والے امریکی تہذیب اور اُسکی مالی وہوستہا کو سٹا کر اپنی طرح کی سرکار امریکی جلتا پر قدنا چاہتے ہیں اُسکی صفائی ایک بار نہیں ہزاروں بار روس نے کی ہے ۔ بار بار روس کی طرف سے کہا گیا ہے کہ امریکہ اور روس دونوں کے لئے اِس دنیا میں کافی جگہ ہے ۔ مالی وہوستہا کے دونوں قہنگ بلحا ایک دوسرے سے تکر لئے اپنے اپنے علاقوں میں پھول پھل سکتے ہیں ۔ مائیکوف نے بھی اِس بات کی صفائی دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ۔ لیکن امریکہ والوں کی طرف سے یہ بات نہیں کہی گئی کہ وہ روس کو سٹانا نہیں چاہتے ۔ دہی زبان سے وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ ہم جو فوجی دیواریں کھڑی کر رہے ہیں اُس سے روس کو خطرہ نہیں ہے ۔ آج جب روس شانتی کے لئے یہ حد اُلے ہو رہا ہے تب بھی امریکہ والے یہ اِشواں نہیں دلاتے کہ روس کے چاروں طرف جو فوجی جال کسا گیا ہے وہ ختم کر دیا جائے گا ۔ اِس کے خلاف قلمس صاحب کا کہنا ہے کہ اِس جال کو لیور مضبوط کیا جائے گا ۔ آلٹن ہاور کا کہنا ہے کہ "تھو" شانتی کا ہتھیار ہے ۔ پیچہم کو شانتی قائم رکھنے کے لئے اپنا اپنا لیور بڑھانا چاہئے کہونکہ کمزور راج شانتی کی رکھا نہیں کر سکتے ۔ مسٹر لیٹن نے بھی اپنے بیان میں کہا ہے — "میں اِس طرح کہتا ہوں چاہئے جس سے ہم اپنے ساتھیوں سے

ہونے کی ضمانتوں پر پورا ہو جائے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو انہیں اپنی مرضی سے اپنے وطن چلنا چاہتے ہیں انہیں فوراً رہا کر دیا جائے۔ کسی آندھار پر ہمارا اور انہیں سناہٹوں کے نمائندے کی تماریاں ہو رہی ہیں۔ باقی قوموں کے بارے میں جو اپنی لائی ہے کہا ہے کہ وہ ایک تعلقہ دیہی کے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ ان کی مرضی معلوم کر کے انہیں ان کے دیہی بھج دیا جائے۔ اس سچھاؤ کی دوست دشمن سب نے سراہا کی ہے۔ کمیونسٹ دنیا نے یہ سچھاؤ دیکھ کر جو اداکار دکھائی ہے اس کا دنیا کی چلتا پر بہت ہی اچھا اثر پڑا ہے۔

(2) برلین میں ٹریفک کو لے کر آگے بڑھ رہا کرتے ہیں۔ روس نے ٹریفک کے संबंध میں پانچویں برلین والوں کو کافی سونہائیں دے دی ہیں۔

(3) روس نے اتر کوریا والوں سے سیکاریس کی کہ وہ امریکا، برطانیہ اور فرانس کے سولہوں قوموں کو چھوڑ دے۔ ایسے قوموں چھوڑ دی گئے ہیں۔

(4) روسی کمانڈ نے برطانیہ کے ایک جہاز کو جرمنی میں گرا دیا تھا کہونکہ وہ روسی حملے میں چلا آیا تھا۔ روس نے اس درگتلفا پر دیکھ پرکٹ کیا اور برطانیہ کو لکھا کہ فرانس، برطانیہ، امریکہ اور روس بات چیت کر کے جہازوں کی ازان کے سمندر میں کچھ اداکار نہم ہمالوں۔ برطانیہ نے یہ سچھاؤ مان لیا ہے۔

(5) روس نے امریکہ کے دس جرمنلستوں کو ویتا دیا تاکہ وہ روس پوم سکنے اور چیپے خود اپنی آوازوں سے دیکھ سکیں۔

(6) سوویتن کے ملگری کو روس نے ہونو کے جملر حکمرانی کے روپ میں سوویت کر لیا۔

دنیا کی چلتا اور خاص کر ہواوت کی چلتا ہے اور اس بات کو نوٹ کیا ہے کہ روس اور روسی ٹک کے دوسرے دیہی تو کوہپائی لوائی بلند کرے اور تہلکی لوائی کو ختم کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھاتے جاتے ہیں لیکن امریکہ اور اس کے ٹک کے دیہی خاموش ہیں، سکوچ کرتے ہیں۔ روس نے سد بھاؤنا دیکھنے کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی۔ اس بچے اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ امریکہ والے قتل ہات ملان لہن تو صلح ہو سکتی ہے۔ ان کی نعتی یہ نہیں ہے کہ وہ سچھاؤ دیکھیں اور ان سچھاؤں کو دوسرے مانتے ہلکے وہ ایک راستہ نکال لیتے ہیں اور اس پر چل پڑتے ہیں۔ راستہ اتنا سیدھا اور چائو ہونا ہے کہ دوسروں کو سمجھ کر اس طرف قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ شاعری پسند لوگ روس کے ان اداکار

6. 4. '58

الگریسر کو سکے . اُس وقت کہا صورت پہلی جب امریکہ کو
پہلی اُس لکھن میں ساچی دار افغن دے فی ہوما مانگ
کرے گا . انگلینڈ نے وزیر مسٹر ایڈن نے ایک احتجاج دیا ہے
کہ ایک مہینہ مقرر کر دیا جائے جو اِس معاملے کی جانچ
پوچال کرے . لیکن لکھنائی ملکوں کو کشمکش کا پورا
تجربہ ہے . وہی محرم وہی جج کا قیامہ دوبارہ نہیں
دہرایا جاسکتا . ہونو نے جانچ کا سہ ہے اِس وقت
آزمائش کا سہ ہے . اگر ہوما کو انصاف نہیں ملتا ، اگر
لکھنائی مقتصدہ آواز ہووہو میں تھکرا دی جاتی ہے ، اگر
امریکہ کو الگریسر قرار نہیں دیا جاتا اور الگریسر کو
مذاسب سزا نہیں دی جاتی تو ہونو اپنی موت بلائیگی
اُس پر یہ بھی شرمدا بھی اُٹھ جائیگی .

مفتاح دہلی

6-4-'53

جگہ شانتی کی سہولیاتیں

(1) कोरिया की सुलह के राज्य में जंगी क़ैदियों की

معدنوں کے بعد دنیا کو یہ اُمید بلدی ہے کہ انگریزوں کی جھگڑے شانتی سے طریقے سے طے ہو سکتے ہیں۔
 اس اُمید بلدی کے سہرا روس کے سر ہے۔ روس اور چین
 نے ایسی ادارت دیلائی ہے کہ دنیا بھر کی جنگیں ہو گئی ہیں۔
 خاص کر امریکی ملک کے دیہاتوں کی جنگوں کو اور زیادہ
 اچھا ہوا ہے۔ سالوں کے روس وروہی پرچار نے اُن کے
 سامنے روس کو جنگ باز کے روپ میں پیش کیا تھا۔ لیکن
 آج جنگ کو دکھائی پڑ رہا ہے کہ وہ ”جنگ باز“ صلح اور
 ہنسی کے لئے تو آئے ہوئے رہا ہے لیکن اپنے کو سردوں سے بچانے
 والے سلنگیوں کو رہے ہیں۔

روس نے دو ایک جہازوں کے سمندر میں ہی اُدارنا نہیں دیا تھا بلکہ پوری 'تہلقلی لڑائی' کا رخ ہی پلٹ گیا ہے اور اشتراکیتوں پر جہازوں کو ہات چھینٹ کرے وہ ختم کر دینا چاہتا ہے ۔

(1) کوریا کی صلح نے راستے میں جنگی قیدیوں کی دھائی کا مسئلہ ایک روزا بن گیا تھا۔ روس جیٹوا قلمونین کے آدھار پر جنگی قیدیوں کی دھائی چاہتا تھا اور امریکہ والوں کا کہنا تھا کہ قیدیوں کو بقا ان کی مرضی معلوم کئے بعد دستی چھوڑ دیں اور کوریا واپس نہیں بھیجا جاسکتا۔ روس کا کہنا تھا کہ پہلے لوائی بند ہو جائے اور تب قیدیوں کا سوال حل کیا جائے کیونکہ یہی بشری لشکر (رواج ہے) پر امریکہ کا کہنا تھا کہ پہلے قیدیوں کے سوال پر سمجھوتہ ہو جائے تب لوائی بند کی جائے۔ اسی آدھار پر کوریا سمجھوتہ صلح کی بات چیت ہوئی ہوئی اور دنیا نے اسے مان لیا۔ لیکن چھوٹے بڑے روزوں کے ایک ہجے کا راستہ نکال دیا اور کوریا میں لوائی کے بند

اس طرح سے لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے کچھ لوگوں سے یہ بات کہی ہے۔ لیکن ہرما کی سرکار نے جو بات کہی ہے وہی بات کہی ہے۔ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ باتیں ہلکے کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ چانگ کٹی شہک کے ہی آدمی ہیں۔ ہرما کی سرکار نے کومینٹنگ والوں کی ایک ٹیم کو مارتا تھا۔ اس ٹیم میں تین امریکی بھی سرے ہیں جو ان لوگوں کو ٹریننگ دیتے تھے۔ امریکی سرکار شاید یہ کہہ دیتی کہ ہرما کی سرکار نے اس لئے ان لوگوں کو امریکی نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ان لوگوں کی جگہوں سے جو ڈائریاں ملی ہیں ان سے اس بات کا پتا ٹھیک ملتا ہے کہ وہ امریکی تھے۔ ڈائریوں میں ان کا پتہ ان کے رشتہ داروں کا پتہ اور ان کے خاندان والوں کی تصویروں بھی ملی ہیں۔ دوسرے کھنڈوں سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کا فارموسا سے پکا تعلق ہے اور انہیں تھائی لینڈ کی طرف سے ہتھیار وغیرہ کی سہائی ہوتی ہے۔ اب حال کے دورے کا ذکر کرتے ہوئے پلنگت ہرو نے ایک بات یہ بتائی ہے کہ—”دون“ (یہ تھائی لوگ ہیں اور ہرما سرکار سے ہتھیار لے کر لو رہے ہیں) وندوہ میں بہت سے مشہور بھی تھے۔ مل میں کھوئے یہ لوگ عیسائی ہیں۔ ”اخباروں میں خبر آچکی ہے کہ دون اور کومینٹنگ کے ساتھ مل جل کر ہرما سرکار کے خلاف لڑے ہیں۔ اگر اس سبب تو بھی امریکہ اور مشہوروں سے جوڑ دیا جائے تو دینی غلطی نہ ہوگی اور یہ بات صاف ہو جائے گی کہ کومینٹنگ والے ”دون“ والوں سے کھوں مل سکے۔

اس طرح سے لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے کچھ لوگوں سے یہ بات کہی ہے۔ لیکن ہرما کی سرکار نے جو بات کہی ہے وہی بات کہی ہے۔ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ باتیں ہلکے کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ چانگ کٹی شہک کے ہی آدمی ہیں۔ ہرما کی سرکار نے کومینٹنگ والوں کی ایک ٹیم کو مارتا تھا۔ اس ٹیم میں تین امریکی بھی سرے ہیں جو ان لوگوں کو ٹریننگ دیتے تھے۔ امریکی سرکار شاید یہ کہہ دیتی کہ ہرما کی سرکار نے اس لئے ان لوگوں کو امریکی نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ان لوگوں کی جگہوں سے جو ڈائریاں ملی ہیں ان سے اس بات کا پتا ٹھیک ملتا ہے کہ وہ امریکی تھے۔ ڈائریوں میں ان کا پتہ ان کے رشتہ داروں کا پتہ اور ان کے خاندان والوں کی تصویروں بھی ملی ہیں۔ دوسرے کھنڈوں سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کا فارموسا سے پکا تعلق ہے اور انہیں تھائی لینڈ کی طرف سے ہتھیار وغیرہ کی سہائی ہوتی ہے۔ اب حال کے دورے کا ذکر کرتے ہوئے پلنگت ہرو نے ایک بات یہ بتائی ہے کہ—”دون“ (یہ تھائی لوگ ہیں اور ہرما سرکار سے ہتھیار لے کر لو رہے ہیں) وندوہ میں بہت سے مشہور بھی تھے۔ مل میں کھوئے یہ لوگ عیسائی ہیں۔ ”اخباروں میں خبر آچکی ہے کہ دون اور کومینٹنگ کے ساتھ مل جل کر ہرما سرکار کے خلاف لڑے ہیں۔ اگر اس سبب تو بھی امریکہ اور مشہوروں سے جوڑ دیا جائے تو دینی غلطی نہ ہوگی اور یہ بات صاف ہو جائے گی کہ کومینٹنگ والے ”دون“ والوں سے کھوں مل سکے۔

ہرما نے یونو کے جنرل سکریٹری کو کھیل بھیج دیا ہے کہ وہ اس مسئلے کو جنرل اسمبلی کے سامنے رکھیں۔ کھلم کھلا بات کرنے کے لئے ہرما سرکار نے ایذا دامن بھی چھوڑا تھا ہے۔ پلنگت فور ایڈ کی مدد ہرما کو بھی امریکہ سے ملتی ہے۔ یہ فور ”ایڈ“ ایسی سرکشا قانون کے آدمیوں ملتی ہے۔ امریکہ کا بھلنا ہرما نے یہ یہ ضروری تھا کہ ہرما اس قانون سے چھٹکارا پالے۔ ہرما کی بات ہے کہ اس نے امریکہ کو تکنیکی سہموگ سمجھوتہ کو رد کر دیا ہے۔ اس نے اس سے اس سے اور امریکی شہشک دہاں سے ایذا ہرما کیساتھ ہاتھ دے رہے ہیں۔ دوسرے ایڈھائی ملکوں کو اس سے حق لہذا چاہئے کیونکہ جس خطرے کا آج ہرما کے آگے کر لیا ہے اسے انہیں گل کرنا ہی پڑے گا۔ قبل مذکورہ ہے جو زہر کھا کر زہر کے اثر کا پتہ نہیں لگاتا بلکہ دوسرے کی حالت دیکھ کر چوکتا ہو جاتا ہے۔

یونو کے سامنے یہ مسئلہ بھی دیکھیں کہ یونو نے کیا کیا ہے۔ یہ سمجھ ہے کہ ان ملکوں کے اخباروں پر جو ہرما سرکار بھیجے گئے ہیں وہ امریکہ کو

ہرما نے یونو کے جنرل سکریٹری کو کھیل بھیج دیا ہے کہ وہ اس مسئلے کو جنرل اسمبلی کے سامنے رکھیں۔ کھلم کھلا بات کرنے کے لئے ہرما سرکار نے ایذا دامن بھی چھوڑا تھا ہے۔ پلنگت فور ایڈ کی مدد ہرما کو بھی امریکہ سے ملتی ہے۔ یہ فور ”ایڈ“ ایسی سرکشا قانون کے آدمیوں ملتی ہے۔ امریکہ کا بھلنا ہرما نے یہ یہ ضروری تھا کہ ہرما اس قانون سے چھٹکارا پالے۔ ہرما کی بات ہے کہ اس نے امریکہ کو تکنیکی سہموگ سمجھوتہ کو رد کر دیا ہے۔ اس نے اس سے اس سے اور امریکی شہشک دہاں سے ایذا ہرما کیساتھ ہاتھ دے رہے ہیں۔ دوسرے ایڈھائی ملکوں کو اس سے حق لہذا چاہئے کیونکہ جس خطرے کا آج ہرما کے آگے کر لیا ہے اسے انہیں گل کرنا ہی پڑے گا۔ قبل مذکورہ ہے جو زہر کھا کر زہر کے اثر کا پتہ نہیں لگاتا بلکہ دوسرے کی حالت دیکھ کر چوکتا ہو جاتا ہے۔

یونو کے سامنے یہ مسئلہ بھی دیکھیں کہ یونو نے کیا کیا ہے۔ یہ سمجھ ہے کہ ان ملکوں کے اخباروں پر جو ہرما سرکار بھیجے گئے ہیں وہ امریکہ کو

کومینٹیشن کی کئی گونہ تبدیلیوں کے کام آئے گی اور برما سرکار نے ان کئیوں کو پوری قوت دے دی ہو گی کہ وہ اپنے کو کمیونیسٹوں کے खिलाف لڑنے کے لیے اچھی طرح تیار کر لیں۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ کونسی پرستشہی آج بدل گئی ہے جس سے برما نے کمیونٹیزنگ کے فوجوں کے سوال کو اتنا بے ہنگام بنا دیا ہے اور دنیا کے راج نہت میں ایک نئی گوت پھنسا دی ہے۔ انہیں جانکاروں کا کہنا ہے کہ یہ سب برطانیہ اور امریکہ کی آپسی ہرزہ کا نتیجہ ہے۔ ایسٹ میں ہر جگہ ہزاروں بوکسہ کرنے والی برطانیہ اور امریکہ دوز لگا رہے ہیں۔ برطانیہ ان بازاروں کا پرانا سوداگر ہے اور امریکہ جب آکر بڑھتا ہے تب اسے برطانیہ سے ٹکر لہنی پڑتی ہے۔ دونوں دیہی کمیونیسٹوں کے درودہ میں تو ایک دوسرے کا ایک دوسرے کا ہی درودہ وہ ہر سطح پر کرتے ہیں۔ برما کو برطانیہ نے صحت دلائی ہے اور اسے امریکہ کے خلاف ایک زبردست مہمہ بنا دیا ہے، دونوں کہ اگر برما نے کھلم کھلا امریکی کڑوتوں کا بھلکا بھڑکا تو امریکہ کا اثر ایسٹائی ملکوں پر ختم سا ہو جائے گا اور ہر جگہ امریکہوں پر اوشواس پھیل جائے گا۔

برما نے سیکوریٹی کونسل کے سامنے اپنا مفاد پشہ کرنے کے بجائے جنرل اسمبلی کے سامنے یہ مفاد پشہ رکھا ہے۔ یہ بات بڑی مہتمم کا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سیکوریٹی کونسل کے سامنے برما نے اس لیے مفاد پشہ نہیں رکھا کیونکہ اسے کمریہ کا حال مالم تھا اور اسے جانکاری تھی کہ سیکوریٹی کونسل میں کسے کچھ نہیں ہو پاوگا لیکن دیر بہت لگ جائیگی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ برما کے ہمدردوں کے لیے سیکوریٹی کونسل میں کمی ہے۔ کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ چونکہ امریکہ اور چانگ کائی شہک دونوں کے خلاف برما کی شکایت ہے اس کارن یہ دونوں دیہی پوری کوشش کریں گے کہ یہ معاملہ ایجنڈا پر نہ آئے۔ 'ویٹو' کا استعمال بھی ہوگا۔ ایسی حالت میں برطانیہ اور فرانس کی پوزیشن نازک ہو جائے گی۔ برطانیہ وہاں امریکہ کے خلاف کچھ کہ نہیں سکتا ہے اور امریکہ کی کڑوتوں کو ظاہر کرانے بنا اسے چھو ہی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں یہ تھک ہے کہ جنرل اسمبلی میں یہ سوال پشہ کیا جائے۔

امریکہ والے بھی معمولی کھلاڑی نہیں ہیں۔ انہوں نے ہر طرح سے پرجار کیا ہے کہ چھوٹے کے یہ سہمی چانگ کائی شہک کے آدمی نہیں ہیں بلکہ چھٹی دہائی کے سہمی ہیں جو بھیس بدل کر آئے ہیں اور برما کے کمیونیسٹوں کی مدد کرتے ہیں۔ اخباروں میں اس خبر کو

برما نے سیکوریٹی کونسل کے سامنے اپنا مفاد پشہ کرنے کے بجائے جنرل اسمبلی کے سامنے یہ مفاد پشہ رکھا ہے۔ یہ بات بڑی مہتمم کا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سیکوریٹی کونسل کے سامنے برما نے اس لیے مفاد پشہ نہیں رکھا کیونکہ اسے کمریہ کا حال مالم تھا اور اسے جانکاری تھی کہ سیکوریٹی کونسل میں کسے کچھ نہیں ہو پاوگا لیکن دیر بہت لگ جائیگی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ برما کے ہمدردوں کے لیے سیکوریٹی کونسل میں کمی ہے۔ کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ چونکہ امریکہ اور چانگ کائی شہک دونوں کے خلاف برما کی شکایت ہے اس کارن یہ دونوں دیہی پوری کوشش کریں گے کہ یہ معاملہ ایجنڈا پر نہ آئے۔ 'ویٹو' کا استعمال بھی ہوگا۔ ایسی حالت میں برطانیہ اور فرانس کی پوزیشن نازک ہو جائے گی۔ برطانیہ وہاں امریکہ کے خلاف کچھ کہ نہیں سکتا ہے اور امریکہ کی کڑوتوں کو ظاہر کرانے بنا اسے چھو ہی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں یہ تھک ہے کہ جنرل اسمبلی میں یہ سوال پشہ کیا جائے۔

امریکہ والے بھی معمولی کھلاڑی نہیں ہیں۔ انہوں نے ہر طرح سے پرجار کیا ہے کہ چھوٹے کے یہ سہمی چانگ کائی شہک کے آدمی نہیں ہیں بلکہ چھٹی دہائی کے سہمی ہیں جو بھیس بدل کر آئے ہیں اور برما کے کمیونیسٹوں کی مدد کرتے ہیں۔ اخباروں میں اس خبر کو

جیسے یہ بھی اسکی فوج کی ایک ٹکڑی ہو۔ اس سمبندھ میں برما کی سرکار کا کہنا ہے کہ وہ اپنے اندرونی جھگڑوں میں پھنس گئی اور اندر سے اسے دھماکا مل رہا ہے۔ یہ بات بھی دھماکے میں دھماکے کے لئے چھوٹی سرکار نے برما کی سرکار سے پرارتھا کی کہ وہ چھوٹے ساتھ سپورٹ کرے اور دونوں مل کر کومینٹانگ کی فوجوں سے چھٹکارا پالیں۔ لیکن برما کی سرکار نے یہ پرارتھا سبک دیا اور یہ کہہ کر دیا کہ وہ انٹر ریفری جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتی۔

برما کی سرکار کی یہ دلیلی نہیں جانتی کہ وہ انڈرونی کڑو کی وجہ سے کومینٹانگ کی فوجوں پر دھماکا نہیں دے سکی اور کھوئی میں جانے سے شک ہونے لگتا ہے کہ انڈرونی کڑو کی علاقہ کوئی دوسری چیز تھی جس نے سرکار کو کامیاب قدم اٹھانے سے روکا۔ سوچنے کی بات ہے کہ انڈرونی کڑو کا پہلے مقابلہ کیا جاتا ہے کہ باہری خطرے کا وہ بھی باہری خطرہ معمولی نہیں۔ کچھ ہتھیار بند سپاہی اندر اندر ملے مارتے، لوٹ کھسوٹ کرتے نہیں پھرتے بلکہ باقاعدہ چھاونی پگھلی ہے، ہوائی اڈا تیار ہوتا ہے، باہری ملکوں سے ان فوجوں کا سہارا ہوتا ہے، نئے نئے ہتھیار ملک کے اندر آتے ہیں، فوج کی پریڈ ہوتی ہے، نئے نئے رنگروت بھرتی کرتے لائے جاتے ہیں اور فوج کی تعداد روز بڑھتی جاتی ہے۔ برما کی سرکار باہری حملہ آور اور ہتھیار کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے کھڑے ہونے کے لئے ساری طاقت لگا دیتی ہے۔ مان لیا کھر کا دشمن بہت خطرناک ہے، وہ راج آلت دے گا اور موجودہ سرکار کو ختم کر دے گا۔ لیکن باہری دشمن تو وہ خطرہ ہے جو سرکار کو ہی ختم نہیں کرے گا بلکہ سارے دیس کو ہی ختم کر دے گا۔ سرکار نے جو رخ اس سمبندھ میں اختیار کیا اس سے دو باتوں صاف ہوتی ہیں: (1) موجودہ سرکار کو دیس کے مقابلہ میں اپنا زیادہ خیال ہے، اپنی اینٹ نہ کرنے دیس کی اسے زیادہ چلتا ہے۔ (2) باہر کا چاہے جتنا بڑا ہی خطرہ کیوں نہ ہو وہ اپنے دیس کے کمونسٹوں کے مقابلے میں اسے کم خطرہ سمجھتی ہے۔ اسکا ایک ماتر لکھی کمونسٹ وردہ ہے۔

یہ بات صاف ہے کہ برما پر برطانیہ کا کافی اثر رہا ہے اور انگلو امریکی پلاٹ چٹانگ کالی شیک کی ہتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ واپس نے برما کی سرکار کو دائر دی کہ وہ کمونسٹوں کو مقابلے میں باہری طاقت لگائے کیونکہ انہیں تو یہ کہہ ہی برما کی کمونسٹوں کو چھٹکارا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ

یہ بات صاف ہے کہ برما پر برطانیہ کا کافی اثر رہا ہے اور انگلو امریکی پلاٹ چٹانگ کالی شیک کی ہتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ واپس نے برما کی سرکار کو دائر دی کہ وہ کمونسٹوں کو مقابلے میں باہری طاقت لگائے کیونکہ انہیں تو یہ کہہ ہی برما کی کمونسٹوں کو چھٹکارا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ

یہ بات صاف ہے کہ برما پر برطانیہ کا کافی اثر رہا ہے اور انگلو امریکی پلاٹ چٹانگ کالی شیک کی ہتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ واپس نے برما کی سرکار کو دائر دی کہ وہ کمونسٹوں کو مقابلے میں باہری طاقت لگائے کیونکہ انہیں تو یہ کہہ ہی برما کی کمونسٹوں کو چھٹکارا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ

یہ بات صاف ہے کہ برما پر برطانیہ کا کافی اثر رہا ہے اور انگلو امریکی پلاٹ چٹانگ کالی شیک کی ہتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ واپس نے برما کی سرکار کو دائر دی کہ وہ کمونسٹوں کو مقابلے میں باہری طاقت لگائے کیونکہ انہیں تو یہ کہہ ہی برما کی کمونسٹوں کو چھٹکارا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ

کون سے علاقوں میں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ برطانیہ
مستحکم نہیں ہے بلکہ مستحکم ہونے کو ٹھکرانے کی ساری کوششیں
کریں برطانیہ پر ہے اور وہ ہر ممکنہ سے ایشیائی دہشوں
کو بڑھنے چماتے رکھنا چاہتا ہے۔

5. 4. '53

—مونیہ ریکارڈ

مستحکم برصغیر

5-4-'53

یونو اور برما

کوئی بھی ملک بیرونی فوجوں کو اپنی زمین پر
برصغیر نہیں کر سکتا۔ برما نے دیر ضرور کر دی پر
اس فیصلے میں جو قدم اٹھاتا ہے وہ سراسر ہتھیار ہے۔
جب اس مسئلہ پر سوچتے ہیں تو یہ کہہ کر یہ
سفاک ہوتا ہے کہ سن '49 سے لے کر اب تک برما
اس فیصلے میں خاموش کبھی رہا؟ کیا کبھی شہر
'49 میں چین کوڑھ کر مارے تھے اور چین کے ینان نامی
سے وہ اس وقت لڑنے والی فوج کی ایک ٹکڑی ہار
کر برما میں چھوٹ گیا۔ اس کی گینتیں دو ایک ہٹا کر
تھیں۔ اس ٹکڑی نے برما کی فوج کو اپنے ہتھیار سونپ
دئے اور ان سیپاہیوں کو ایک کلاس ہٹا کر ان کے
پتہ چلایا۔ برما کے بیرونی منتر کے کہنے سے
پتا چلتا ہے کہ سن '50 کے شروع میں 1,700 سیپاہی
اور برما میں چھوٹ گئے۔ ان سے بھی برما کی فوج نے
مانگ کی کہ وہ ہتھیار رکھ دے یا ملک کوڑھ کر
چلے جائیں۔ اس ٹکڑی نے برما کی فوج کی
مانگ کو پورا نہیں کیا اور اپنا ہتھیار وارث
میں لکھ رکھا۔ برما کی فوج کو اپنی مانگ منوانے کے لئے
ہتھیار اٹھانا پڑا۔ سن '50 کے پہلے میں کوئٹنگ کی
فوجیں برما کی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پچھم کی
طرف ہٹ گئیں اور انہوں نے برما اور تھائی لینڈ کی سرحد
پر مانگ زت میں اپنا ہتھیار وارث ہٹا لیا۔ تب سے ان
فوجوں میں دن پر دن بڑھتی ہوئی گئی۔ ینان اور چین
کے دوسرے سرحد میں کوئٹنگ کی فوجیں گئی
اور نئے نئے علاقے پر قبضہ کیا۔ مانگ زت میں انہوں نے
ہوائی جہاز اڑا دی ہٹا لیا جہاں برابر جہاز اترتے تھے
اور نئے نئے ہتھیار اور دوسرے سامان ان فوجوں کو
مہیا کرتے تھے۔ وہیں ملٹری کے بیان سے اور جہاں تک
ہماری جانکاری ہے برما سرحد کے دوسرے بیانوں سے یہ پتہ
نہیں چلتا کہ مانگ زت میں پہنچ جانے پر برما کی فوج
نے کیا رخ کیا؟ کیا لڑائی ہوئی تھی اور برما کی فوج انہیں
باہر نکالنے میں ناکام تھی؟ کیا ان فوجوں کو شکست
ہونے لگا تھا اور سرحد میں وہی؟ زیادہ جہاں ہم نے
یہ پتہ چلتا ہے کہ سرحد کے کوئٹنگ کی فوجوں کو
میں مانی کرتے ہیں اور انہیں دبا اور ایسا رخ اختیار کیا

یونو اور برما

کوئی بھی ملک بیرونی فوجوں کو اپنی زمین پر
برصغیر نہیں کر سکتا۔ برما نے دیر ضرور کر دی پر
اس فیصلے میں جو قدم اٹھاتا ہے وہ سراسر ہتھیار ہے۔
جب اس مسئلہ پر سوچتے ہیں تو یہ کہہ کر یہ
سفاک ہوتا ہے کہ سن '49 سے لے کر اب تک برما
اس فیصلے میں خاموش کبھی رہا؟ کیا کبھی شہر
'49 میں چین کوڑھ کر مارے تھے اور چین کے ینان نامی
سے وہ اس وقت لڑنے والی فوج کی ایک ٹکڑی ہار
کر برما میں چھوٹ گیا۔ اس کی گینتیں دو ایک ہٹا کر
تھیں۔ اس ٹکڑی نے برما کی فوج کو اپنے ہتھیار سونپ
دئے اور ان سیپاہیوں کو ایک کلاس ہٹا کر ان کے
پتہ چلایا۔ برما کے بیرونی منتر کے کہنے سے
پتا چلتا ہے کہ سن '50 کے شروع میں 1,700 سیپاہی
اور برما میں چھوٹ گئے۔ ان سے بھی برما کی فوج نے
مانگ کی کہ وہ ہتھیار رکھ دے یا ملک کوڑھ کر
چلے جائیں۔ اس ٹکڑی نے برما کی فوج کی
مانگ کو پورا نہیں کیا اور اپنا ہتھیار وارث
میں لکھ رکھا۔ برما کی فوج کو اپنی مانگ منوانے کے لئے
ہتھیار اٹھانا پڑا۔ سن '50 کے پہلے میں کوئٹنگ کی
فوجیں برما کی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پچھم کی
طرف ہٹ گئیں اور انہوں نے برما اور تھائی لینڈ کی سرحد
پر مانگ زت میں اپنا ہتھیار وارث ہٹا لیا۔ تب سے ان
فوجوں میں دن پر دن بڑھتی ہوئی گئی۔ ینان اور چین
کے دوسرے سرحد میں کوئٹنگ کی فوجیں گئی
اور نئے نئے علاقے پر قبضہ کیا۔ مانگ زت میں انہوں نے
ہوائی جہاز اڑا دی ہٹا لیا جہاں برابر جہاز اترتے تھے
اور نئے نئے ہتھیار اور دوسرے سامان ان فوجوں کو
مہیا کرتے تھے۔ وہیں ملٹری کے بیان سے اور جہاں تک
ہماری جانکاری ہے برما سرحد کے دوسرے بیانوں سے یہ پتہ
نہیں چلتا کہ مانگ زت میں پہنچ جانے پر برما کی فوج
نے کیا رخ کیا؟ کیا لڑائی ہوئی تھی اور برما کی فوج انہیں
باہر نکالنے میں ناکام تھی؟ کیا ان فوجوں کو شکست
ہونے لگا تھا اور سرحد میں وہی؟ زیادہ جہاں ہم نے
یہ پتہ چلتا ہے کہ سرحد کے کوئٹنگ کی فوجوں کو
میں مانی کرتے ہیں اور انہیں دبا اور ایسا رخ اختیار کیا

یہ پہلے کی ضرورت تھی کہ عبداللہ سلیم جانے پہچانے
انگریزی لکھتے تھے۔ حبلہ نے بعد انگریزوں نے جھوٹ
سے اس جنگ حبلہ کو دیا اور اعلان کیا کہ انہوں نے عبداللہ
کو ہٹا دیا ہے اور واقعی گورنر ان کا قیدی ہو گیا۔ بعد
میں یہ بھی اعلان ہوا کہ عبداللہ سلیم نے سلطان مسقط
کی بہن کی قسم کھا لی ہے۔

اس طرح برطانوی دھرمے دھرمے سمجھوتے کو توڑ کر آگے بڑھتا رہا۔

اسی سمجھوتے کی دھار 2 A میں لکھا ہے کہ انگریزوں نے جو دواؤں کا رکھی ہے کہ ہوائی جہاز ہوریسی پر نہ چلی اُڑان نہ پھریں یا مال اُدھر سے اُدھر نہ جائے وہ سب زد کر دی جائے گی اور عوام نے آتے جانے پر کوئی روک تھام نہیں ہوگی۔ سعودی عرب والے بھی کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے اشتعال پیدا ہو۔ دھار 3 D میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہوریسی میں شہنشاہ اور امن سے وہ سب سامان آ سکتا ہے جس کا سمبندہ لوائی سے نہیں ہے۔ لیکن اس سمجھوتے کی سیاہی بھی نہیں سوئگی اور نیچے لکھی گئی باتیں ہوتی رہیں :

(1) 20 مارچ یا اُس کے لگ بھگ برطانیہ نے
ہوریسی کے باہر ایک چوکی بیتھا دی تاکہ ہوریسی میں
سیٹائی نہ آ سکے۔

(2) سعودی عرب کی طرف سے یورپی نے اس پر 22 مارچ کو قبضہ کر لیا۔

(3) 24 مارچ کو 150 پورے کھجور دھلک سے
 بیرومی آدھ تھ۔ انہوں ہی برطانیہ والوں نے قلعہ میں
 کر لیا۔

(4) نہیں ہے ہوریسی کے جیج کے لئے فریجھو، آ دھا تھا
اے بھی فہط کر لھا لھا .

(5) 19 مارچ سے برطانیہ نے دہلی اور بورمی کے بیچ ٹرانسپورٹ روک لیا۔ اس علاقے میں ہتھیار بند کرنے سے پہلے کہا جائے گا تاہم بورمی کے اس وقت تک کوئی سامان نہ پہنچ سکے گا۔ ایک طرح سے ہوری ناکہ بندی کر دی گئی۔ اس ناکہ بندی سے پہلے میں تڑا تڑا مچھلی ہے۔

انگریز ایسی پرائی چالوں کو وہاں پہر آزما رہے تھے۔ یہاں پہرے کو بھنگام کرو اور پہر اسے مار دو۔ 26 مارچ کو انگریزوں نے یورپیوں کے ہاؤسوں میں جا کر آہدرو جوت سی لوگوں کو قہریا "ضلعکیا" اسکیا اور یہ سب اس لئے کیا تاکہ وہاں پہلو ہو جائے۔ پہلو دھانے کا بہانہ کر کے انگریز فوج وہاں پہلی حالت سے پہنچ جائے گی اور پہر شانتی قائم کرنے کے بہانے پہلو کے لئے پہلو قاتل ہے گی۔

یہ کہ یہ بات سنا کر نہیں ہے کہ کسی سرحد کہاں ختم ہوتی ہے اس لئے یہ جگہ جھگڑے کی چیز بن گئی ہے۔ برطانیہ اور ملکیوں کا صلہ ہے لیکن اس کے مطابق سرحد کا یہ پتہ نہیں چلتا، سلطان مسقط اور حکیم انگریزوں کی تگھائی میں۔ ان کی حالت ایسی ہی ہے جو ہمارے راجاؤں کی تھی۔ سعودی عرب والوں کا کہنا ہے کہ یورپی اُن کا ہے اور اُنہوں نے قبضہ میں ہے اور سن 51 میں سلطان مسقط کے ادمیکاروں نے دشا کا بہانہ کر کے انگریزوں نے فارس کی تھاری کی طرف سے ہمارے علاقے پر قبضہ کر دیا اور ہماری زمین پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کا کہنا ہے کہ سعودی عرب والوں نے سلطان مسقط کے علاقے پر قبضہ کر لیا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ان دونوں دعویٰ میں سے کونسا سچ ہے ہم صاف طور پر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ بات صاف ہے کہ یورپی کے علاقے کو لے کر جھگڑا شروع ہوا اور 26 اکتوبر سن 52 کو برطانیہ اور سعودی عرب میں سمجھوتہ ہوا۔ اس سمجھوتے کی دھارا 3 میں اس بات کا بھدھان ہے کہ دونوں پارٹیاں اپنی اپنی جگہ سے اُنکے نہ بڑھیں اور کسی طرح بھی اپنی فوجی طاقت نہ بڑھائیں۔ پہلی دفعہ کے سالہ کچھ سہاوی آسکتے ہیں اور تھکے سہاویوں کو قبولی پر سے ہٹانے کے لئے نئے سہاوی اُن کے بدلے میں آسکتے ہیں اس بات کی بھی اس سمجھوتے میں چھوٹ دی گئی تھی۔ لیکن جس دن سے یہ سمجھوتہ ہوا انگریزوں نے اسے توڑنا شروع کیا اور سعودی عرب نے ہر دفعہ اُراہٹا دیا لیکن اُس کا جواب یہ ملا کہ اور دوسری دفعہ سمجھوتہ توڑ دیا گیا۔ اصلیت پر روشنی ڈالنے کے لئے سچے لکھی گئی جانکاری ضروری ہے :

(1) 11 نومبر کو یورپی میں برطانیہ کے پولیٹیکل افسر دو کاروں اور دس سہاویوں کے ساتھ آئے۔

(2) مسقط سے 40 ہتھیار بلند آدمی لے کر ایک موٹر بوٹی آئی۔

(3) 19 نومبر کو برٹش پولیٹیکل افسر 30 سہاویوں کے ساتھ یورپی آئے۔

(4) 25 فروری سن 53 کو پولیٹیکل افسر چار چھوٹے سہاوی بھر کر آئے۔ دوسری موٹروں میں بہت سے صندوق آئے جن میں گولیاں بھی تھیں۔

(5) 9 مارچ کو تین ہتھیار لانے والی موٹریں آئیں۔ ان میں 20 سے زیادہ ہتھیار بلند سہاوی ساتھ آئے۔

(6) 19 مارچ کو صحیح قوامہ لکھا گیا۔ وائیٹ ہاؤس انگریزوں نے عبداللہ سلیم سے حملہ کر دیا۔

- (1) 11 نومبر کو یورپی میں برطانیہ کے پولیٹیکل افسر دو کاروں اور دس سہاویوں کے ساتھ آئے۔
- (2) مسقط سے 40 ہتھیار بلند آدمی لے کر ایک موٹر بوٹی آئی۔
- (3) 19 نومبر کو برٹش پولیٹیکل افسر 30 سہاویوں کے ساتھ یورپی آئے۔
- (4) 25 فروری سن 53 کو پولیٹیکل افسر چار چھوٹے سہاوی بھر کر آئے۔ دوسری موٹروں میں بہت سے صندوق آئے جن میں گولیاں بھی تھیں۔
- (5) 9 مارچ کو تین ہتھیار لانے والی موٹریں آئیں۔ ان میں 20 سے زیادہ ہتھیار بلند سہاوی ساتھ آئے۔
- (6) 19 مارچ کو صحیح قوامہ لکھا گیا۔ وائیٹ ہاؤس انگریزوں نے عبداللہ سلیم سے حملہ کر دیا۔

- (1) 11 نومبر کو یورپی میں برطانیہ کے پولیٹیکل افسر دو کاروں اور دس سہاویوں کے ساتھ آئے۔
- (2) مسقط سے 40 ہتھیار بلند آدمی لے کر ایک موٹر بوٹی آئی۔
- (3) 19 نومبر کو برٹش پولیٹیکل افسر 30 سہاویوں کے ساتھ یورپی آئے۔
- (4) 25 فروری سن 53 کو پولیٹیکل افسر چار چھوٹے سہاوی بھر کر آئے۔ دوسری موٹروں میں بہت سے صندوق آئے جن میں گولیاں بھی تھیں۔
- (5) 9 مارچ کو تین ہتھیار لانے والی موٹریں آئیں۔ ان میں 20 سے زیادہ ہتھیار بلند سہاوی ساتھ آئے۔
- (6) 19 مارچ کو صحیح قوامہ لکھا گیا۔ وائیٹ ہاؤس انگریزوں نے عبداللہ سلیم سے حملہ کر دیا۔

—मुजीब रिफ़्ती

कारण की जाती, बसावट, रोकटम और सड़ती करण
की क्षीयता की वजह से नष्ट का एक नकारित्वान है और

31-3-53

فارسی کی کتابی "سنگ" شہنشاہ اور سہولتی عرب
کی سہولتی اور شہنشاہ نام " ایک نفاذاتی ہے اور

پرسش اور خوف کا راجہ قائم کر رکھا ہے ، دوس دوس کی
انہیں انہیں کے پرچار کے ساندھوں سے دنیا نے استعائن کی
پر یہ بھی سفا کہ اپنے نہتا کے آخری درشن کرنے کے
لئے سبک آدھوں کی چوڑی لائن لگی ہوئی ہے اور اس
چوڑائی سے یہ لائن دس - ہل لک چلی گئی ہے ۔ آج کا
آدھی خوف اور شردھا میں فرق کر سکتا ہے ۔ سنگھوں
کے بل ہوتے پر اس جوش سے انسانی بھڑا اٹھا نہیں
کی جا سکتی ، دنیا اتنا سمجھ سکتی ہے !

(3) استالن کو ہمیشہ لوائی کا پتھاری تھپرایا جاتا تھا۔ پچھمی پرچارک یہ کہتے تھے کہ استالن اور دوس لوائی چاہتے ہیں اور ہم شانتی پریمی ہیں۔ پر استالن کی موت پر دنیا نے یہ جانا کہ استالن لوائی نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ شانتی کے کہنے تھے۔ انگلہلق کی چلتا اُن کی موت پر پیمت دکھی ہوئی۔ اخباروں کا کہنا ہے کہ عام چلتا اس بات سے چلتا میں پو گئی تھی کہ اب شانتی قائم رہ سکے گی یا نہیں کہونکہ وہ مستحسوس کردی تھی کہ ”جب تک استالن زندہ ہیں شانتی زندہ ہے۔“

استغاثی کا ہر دیکھ میں شوک مٹایا گیا۔ اخباروں میں جو خبر آئی ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر لوگوں نے استغاثی کے بارے میں دو ہی باتیں کہی ہیں : (1) وہ شاعری پڑھتی تھی۔ اُن نے دھتے بوائے کی سمجھانا نہیں تھی اور (2) وہ روس کی دچکا میں لگے تھے اور اُنہوں نے روس کو اپنی دچکا شہر کی بدولت ایک سہانہ دیکھ بنا دیا ہے۔ اسی سبب سے وہ روس کی خوشحالی اور اُس کے کاموں پر بھی کافی روشنی پڑی ہے ۔

دنہا کو پہلی بار یہ پتہ چلا کہ اسماعیل اور پچھمی سرکاروں کے سوچنے میں کیا فرق تھا۔ ڈانٹر، رادھا، فرشتوں نے دسوا کی بتایا کہ جب وہ اسماعیل سے ملے ہیں انہوں نے یہ کہی نہیں تھا۔ آپ بھارت سرکار پر زور ڈالنے کہ وہ ہمارے ملک میں ہوجائے۔ ہمیشہ وہ دچکا کی باتوں کرتے تھے اور انہیں ہر دیکھ کے ہمارے میں تفصیلی جانکاری ہوتی تھی۔ ڈانٹر، رادھا، فرشتوں نے یہ بھی بتایا کہ اسماعیل نے ایک ملاقات میں اُن سے کہا تھا۔ میں بدورہا ہو چکا ہوں کسی دن یہی مر سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ دیکھ کر شانتی سے پہلے پہلے چھوڑ کر جاؤں !

پہلے تو لہرو نے کہا کہ اس سال ہی ہمیشہ شانتی کی طرف
ہی چلے گا۔ انہوں نے روس میں بھارتی راجدھانی اور

کی انٹرنیشنل کالپنا میں سب انسان شامل ہے۔ سب نسلوں کے آدمی روسی لوکشاہی میں برابر کے ہرکار ہیں اور آج وہ سب اپنے اس نئے گھر کو جو چارچہا میں پیدا ہوا تھا، دہم اور ہمکئی سے یاد کرتے ہیں اور اس کے اٹھ جانے پر شوک منا رہے ہیں۔

ستالین جیسا بڑا آدمی کبھی کبھی ہی پیدا ہوتا ہے ہم آشا کرتے ہیں کہ ستالین کے योग्य उत्तराधिकاریوں کو اپنے नेता کی پالیسیوں اور پروگرام کو جاری رکھنے میں جیس سہیوگ کی ضرورت ہے وہ دنیا سے اٹھیں گے۔ ہماری بگوان سے پراپرنا ہے کہ دیکھتے ہوئے سماج کے لیے ستالین کے دل میں جو پرم یا وہ ہمارے دلوں میں بھی ہو، اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے اس میں جو ایکٹو تھی وہ ہم میں بھی ہو، اسکی نسوانہ لکن اور ہمارے مانو سماج کے لیے اسکی سی انٹ ادارت ہم سب میں پیدا ہو۔ انسانی قوم کا وہ اٹھا ہوا شوک تھا کہ بھگول کرے اسکی مثال کو سامنے رکھ کر ہم سب اپنے جہون کو ادھک سہل بنا سکیں۔

20. 3. '53.

جے۔ سی۔ کمارپا
سندرلال

ستالین جیسا بڑا آدمی کبھی کبھی ہی پیدا ہوتا ہے۔ ہم آشا کرتے ہیں کہ ستالین کے یوگ اترادھاریوں کو اپنے نئے گھر کو جو چارچہا میں پیدا ہوا تھا، دہم اور ہمکئی سے یاد کرتے ہیں اور اس کے اٹھ جانے پر شوک منا رہے ہیں۔

ستالین جیسا بڑا آدمی کبھی کبھی ہی پیدا ہوتا ہے۔ ہم آشا کرتے ہیں کہ ستالین کے یوگ اترادھاریوں کو اپنے نئے گھر کو جو چارچہا میں پیدا ہوا تھا، دہم اور ہمکئی سے یاد کرتے ہیں اور اس کے اٹھ جانے پر شوک منا رہے ہیں۔

جے۔ سی۔ کمارپا
سندرلال

20-3-'53

ستالین کی موت کے بعد

کہتے ہیں کہ مرنے والا ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ لیکن ستالین کی موت پر جو باتیں ظاہر ہوئی ہیں انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ کچھ مرنے والے ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو بھی سچ بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ستالین کی موت پر نئے لکھی باتوں پر روشنی پڑی :

(1) دیکھ دیں میں پرچار کیا تھا کہ روس میں کسی دھرم کا اثر نہیں ہوتا۔ مسیحیوں میں تالے لگا دیئے گئے ہیں، گرجے بند پڑے ہیں۔ مذہب کا نام لہنے والے کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اسی اٹھار پر پر روس میں جگہ جگہ بغاوت کی خبریں بھی پہنچ رہی تھیں کہ دنیا کو سنائے تھے لیکن جیسے ہی ستالین ہمارے پرے روس کے قتلے قتلے سے خبر آئی کہ مسیحیوں میں دھانوں مانگی لکھیں، گرجوں میں سروں ہولیں، پہوادیوں نے عبادت کی۔ لیکن دھماں دھ کہ روس کا یہ پرچار نہیں تھا کیونکہ پہلے ہی میں کے پتھر بار بار اسی اچھڑ ہدی بات کا اٹھائی خود کرتے دھتے تھے۔ پہلے پہلے سلسلے والوں کو کالی آنکھوں سی دھتی تھی۔ ان کی مسجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ دھتے پہلے سو بات کہتے تھے وہ سچ ہے یا یہ بات سچ ہے جو وہ اب کہہ رہے ہیں۔ شاید وہ سچ بولنے پر مجبور ہو گئے تھے !

ستالین کی موت کے بعد

کہتے ہیں کہ مرنے والا ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ لیکن ستالین کی موت پر جو باتیں ظاہر ہوئی ہیں انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ کچھ مرنے والے ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو بھی سچ بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ستالین کی موت پر نئے لکھی باتوں پر روشنی پڑی :

(1) دیکھ دیں میں پرچار کیا تھا کہ روس میں کسی دھرم کا اثر نہیں ہوتا۔ مسیحیوں میں تالے لگا دیئے گئے ہیں، گرجے بند پڑے ہیں۔ مذہب کا نام لہنے والے کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اسی اٹھار پر پر روس میں جگہ جگہ بغاوت کی خبریں بھی پہنچ رہی تھیں کہ دنیا کو سنائے تھے لیکن جیسے ہی ستالین ہمارے پرے روس کے قتلے قتلے سے خبر آئی کہ مسیحیوں میں دھانوں مانگی لکھیں، گرجوں میں سروں ہولیں، پہوادیوں نے عبادت کی۔ لیکن دھماں دھ کہ روس کا یہ پرچار نہیں تھا کیونکہ پہلے ہی میں کے پتھر بار بار اسی اچھڑ ہدی بات کا اٹھائی خود کرتے دھتے تھے۔ پہلے پہلے سلسلے والوں کو کالی آنکھوں سی دھتی تھی۔ ان کی مسجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ دھتے پہلے سو بات کہتے تھے وہ سچ ہے یا یہ بات سچ ہے جو وہ اب کہہ رہے ہیں۔ شاید وہ سچ بولنے پر مجبور ہو گئے تھے !

(2) پچھلی پرچارک یہ بھی کہتے تھے کہ ہم چلتا

(2) پچھلی پرچارک یہ بھی کہتے تھے کہ ہم چلتا

وہ جنگل کے قانون ہیں، سویت روس کی آرٹیک
پوستانٹا صاف دوسری طرح کی ہی چمک رہی ہے۔

یہ سچ ہے کہ یہ سب اہلسا سے کہا گیا۔ پر اہلسا نے
 کونہ کی قسم کس نے کہا رکھی ہے؟ ابھی تک گاندھی جی
 کی آواز بھول نکارخانے میں طوطی کی آواز ہے۔ ہم لوگوں
 نے جن کے ہاتھ ابھی تک اپنے بھائیوں کے خون سے لال
 تھے اہلسا اہلسا کی بات کرتے شرمانا چاہئے۔ جب
 تک ہمارے اپنی آنکھوں میں لکھا ہے تب تک ہم اپنے بھائی
 کی آنکھ کا تل پکڑ ہی کوسے سکتے ہیں !

استغاثین ایک زبردست اور بہادر آدمی تھے۔ اپنے دیہ
 واسیوں کے دلوں سے انہوں نے قدر نکال کر باہر کر دیا۔ اپنے
 دشمنوں کے دلوں میں انہوں نے اُن کی ہڈیاؤں کے بدلے خدا
 کا قدر بھر دیا۔ دنیا بھر کی فوجی طاقت کو انہوں نے اُنکے
 ہونٹ پر رک دیا۔ جنگ کے خلاف وہ ایک مضبوط دیوار
 تھے۔ اُن کا نام امن کی ضمانت تھا۔ جو لوگ بھی اُن
 کے اثر میں آئے اُن سب کو انہوں نے سلطنت کر کے چھانک
 لوسی کاموں میں لگا دیا۔ یہ سب چھانک لوسی کام
 کرنے والے اپنے نیک کام کو جاری رکھنے کے لئے امن قائم
 رکھنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے۔ باہر سے حملوں کا
 مقابلہ کرنے کے لئے سرکار تیزی سے اپنے ہتھیار کی تھارہاں
 ضرور کرتی رہی، پر روسی جلتا کے دلوں میں کسی دشمن
 کا قدر نہیں تھا۔ استغاثین دوسروں کو تلوار کھما کر نہیں
 قاتلے تھے۔ وہ طبعیت سے شانت اور گھبرائے نہیں تھے۔ اُن کی
 دروہتا نے کئی بار آتے ہوئے جنگ اور جھگڑوں کو روک
 دیا۔ یہ تھپک ہے کہ جس طرح کا امن وہ چاہتے تھے
 اُسکی بھاد اپنی آتما کو چھٹنے اور آتم سلیم پر نہیں
 تھی، بھر بھی اُن کے چاہے ہوئے امن نے اپنے دنوں تک
 سلسلہ کا بہت ہوا اُبکار کیا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھا
 کر انہیں کچھ کچھ سلگتی ہوئی بھول بٹا دینا بہت
 بڑی بات ہے۔

دہش کی رچلا کرنے میں وہ چستکاری سوجھ بوجھ کے
آدسی تھے۔ جن سادھلوں سے پہلے تھوڑے سے آدسی ہیش
عشرت میں ڈرے رہتے تھے انہوں سادھلوں کو بدل کر
انہوں نے ان کے ذہنی ساری جملہ تک تعلیم اور کلچر
پھونچا دی۔ گنا، بچانا، کلا، ڈرامہ، ناچ، ٹھیل آج روس
میں ہر آدسی کے سکھ کے سادھن میں۔ اچھا کھانا ملنا
اور تندرست رہنا، استقامت نے ہر آدسی کا جملہ سدھ ادھار
لیا ہے۔

سارا مانو سماج کس طرح ایک ہے اسے دیکھ کر انداز
ہوتا ہے۔ 'کالے'، 'دوسرے'، 'امیر'، 'غریب' اور 'انگ انگ' فہم
مذہبوں سے دنیا کے لوگ ایک دوسرے کے دشمن نہیں
ہو جاتے، یہ انہماکوں میں بند جاتے ہیں۔ اُستاد



ستالین

جب کبھی کسی دیس کے لوگوں پر بہت اندھک ظلم ہوتا ہے تو ایک سیمہ آتا ہے جب اُس دیس کو اُن ظلموں سے چھٹکارا دلانے، لوگوں کو اوپر اُٹھانے اور دیس کی پھر سے رچھا کرنے کے لئے ان میں کوئی آدمی پیدا ہوتا ہے۔ فرعون کے ظلم کے نتیجے اسرائیل قوم جس سے بس رہی تھی اُس سے حضرت موسیٰ اُن میں پیدا ہوئے جنہوں نے فرعون سے کہا کہ 'میری قوم کے لوگوں کو چھوڑ دو'۔ فرعون نے جب نہیں مانا تو مصر میں وہ سہارا بن گیا۔ پہلے جن سے انت میں مجبور ہو کر وہاں کے حاکموں نے کھلیے ٹھک دیئے۔ روم میں جب اٹھارہ حد کو پہنچ گیا تو حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ انہوں نے ادمت اور سداچار کے وہ اصول دنیا کے سامنے رکھے جن سے روسی سامراج کی لوکھوائی ہوئی عسارت آخر ختم ہو گئی۔ انگریزی سامراج شاہی نے مقدسین کو کھچ کر اُس کا بھونچا نکال دیا تھا۔ اُس سے گاندھی جی نے آکر کچلے ہوئے لوگوں میں پھر سے اُٹھا اور جان پیدا کی۔ لوگ پھر سے اپنا سر اُونچا کر کے کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ اپنی قربانیوں سے انہوں نے دیکھوں کو الگ کر دیا۔ استعمالوں نے زار کے سے کی سامت شاہی کو ختم کر کے دیے ہوئے اور نادار لوگوں کے لئے ایک نئی سہولت کو جنم دیا۔

استعمالوں کا خاص کام یہ تھا کہ اُس نے اُس دنیا کو جو رکھوں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں سے اُس بڑی ہوئی تھی، سامراج والوں نے جس کا خون چوس کر لہول ہار جام کا ایک قہقہہ بنا دیا تھا، اور بڑی بڑی فوجوں نے مالکوں کے جس کے لئے اُسہد کی کوئی کرن باقی نہیں رہی تھی اُس ناامیدی میں قوی ہوئی دنیا کو اُس نے جنوں کی ایک نئی راہ دکھا دی۔ اُس نے سب کے سامنے ہول کے لئے ایک اور اصول رکھا۔ جہاں اندھرا لوہا اُس نے روشنی پیدا کر دی۔ یہ لوگوں کو اُس نے کھانا دیا۔

نظروں کو اُس نے کھولا۔ روسی کے سامراج کے منہ پر سے پتھر لگا کر سامراج کی قاتلوں پر چلایا جا رہا تھا۔

ستالین کا خاص کام یہ تھا کہ اس نے اس دنیا کو جو ریسوں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں سے پکڑی ہوئی تھی، سامراج والوں نے جس کا خون چوس کر لہول ہار جام کا ایک قہقہہ بنا دیا تھا، اور بڑی بڑی فوجوں نے مالکوں کے جس کے لئے اُسہد کی کوئی کرن باقی نہیں رہی تھی اُس ناامیدی میں قوی ہوئی دنیا کو اُس نے جنوں کی ایک نئی راہ دکھا دی۔ اُس نے سب کے سامنے ہول کے لئے ایک اور اصول رکھا۔ جہاں اندھرا لوہا اُس نے روشنی پیدا کر دی۔ یہ لوگوں کو اُس نے کھانا دیا۔

بھائی کے پاس ہیں۔ آج کی ہر समस्या اور ہر شخصیت کا ہمسا نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ بےकारी کیسے ہے تو وہ ہم سے جانتے ہیں، لڑائی ہوتی ہے تو ان کا بلعدان دیا جاتا ہے۔ دنیا کو اور دیس کو بدلنے کی ہوتی ہے تو ان پر ہی ذمہ داری ہے۔ ہوش اور بچوں کے وہی دکھوالے اور سہارے ہیں۔ ایسی حالت میں انہیں ایک جگہ جمع ہو کر دیس اور دیس کے سوالوں پر ایک رائے ہونا چاہئے، اور انصاف کے لئے ہر طرح کی قربانی دینا چاہئے۔

ہمیں خوشی ہے کہ بھارتیہ راج میں نوجوانوں کا سنگٹھن مضبوط ہو رہا ہے اور آج سارے نوجوان "جن وادی نوجوان سنگھ" کے چھانڈے کے نیچے جمع ہو رہے ہیں۔ دوسرے راجوں میں بھی اس سنگٹھن کی سخت ضرورت ہے۔

"نوجوان" میں اچھے لکھ اور کھیتاں بھی ہیں۔ نوجوانوں کے افسر راجی سنگٹھن کی خبریں بھی کراچی میں اس پत्रیکا میں ملتی ہیں۔ اس پत्रیکا کو چننا رکھنا ہر نوجوان کا فرض ہے اور ہم اٹھا کرتے ہیں کہ نوجوان اپنی فرض سے ملے نہ ہوں گے۔

—محبوب رضوی

سلسلہ سچ

لکھنے والے—مہاتما بھگواندین؛ نیکالنے والے—بھارت جین مہا مंडल، ورधा؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ 42؛ داس دس پانے۔

بچوں کو بھلانے، پکانے اور شیل بنانے میں مہاتما بھگواندین جی کا بہت کم لگ سکتا ہے۔ اسکا کارن بچوں کے منوویژن کی جانکاری ہے۔ بچوں کے سادھت کی ہمارے دے میں کبھی کم ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مہاتما جی نے اس تراف پھان دیا ہے۔ "سلسلہ سچ" میں سچ کی سمسٹا کو کھانی کے رپ میں سمسٹا گیا ہے۔ جو بات ہنسی ہنسی میں اس کیتا سے بچے سمکھ لیتے ہیں اسکی جانکاری ہمارے پدے لکھے پتھوں کو بھی نہیں ہوتی۔ سچ کیا ہے، سچ کی کیتنی کیتھ میں ہے، سچ کا پالنے کیتھ کیا جا سکتا ہے، ان سب سبائی کا جواب ساک دنگ سے اس کیتا میں ملتا ہے اور ہر بات بچوں کے منوویژن کا پتہ دے کر سمسٹا کیتی ہے۔ بچوں کے لئے ہی فائدہ مند یہ کتاب نہیں ہے بلکہ بچوں کے ہوشوں کے دماغ کے بہت سے چالے اس سے صاف ہو جائیں گے اور سچ کو لے کر جوشک ان کے من میں اٹھا کرتے ہیں وہ دور ہو جائیں گے اور من کو شانتی ملے گی۔

سراکار کو چاہیے کہ "سلسلہ سچ" کو بچوں کے کورس میں شامل کر دے۔ اس کے پکانے سے ایک نئی چھٹا ان میں جائے گی، ایسا ہوا دھواں ہے۔

—محبوب رضوی

بھائی کے پاس ہیں۔ آج کی ہر समस्या اور ہر شخصیت کا ہمسا نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ بےकारी کیسے ہے تو وہ ہم سے جانتے ہیں، لڑائی ہوتی ہے تو ان کا بلعدان دیا جاتا ہے۔ دنیا کو اور دیس کو بدلنے کی ہوتی ہے تو ان پر ہی ذمہ داری ہے۔ ہوش اور بچوں کے وہی دکھوالے اور سہارے ہیں۔ ایسی حالت میں انہیں ایک جگہ جمع ہو کر دیس اور دیس کے سوالوں پر ایک رائے ہونا چاہئے، اور انصاف کے لئے ہر طرح کی قربانی دینا چاہئے۔

ہمیں خوشی ہے کہ بھارتیہ راج میں نوجوانوں کا سنگٹھن مضبوط ہو رہا ہے اور آج سارے نوجوان "جن وادی نوجوان سنگھ" کے چھانڈے کے نیچے جمع ہو رہے ہیں۔ دوسرے راجوں میں بھی اس سنگٹھن کی سخت ضرورت ہے۔

"نوجوان" میں اچھے لکھ اور کھیتاں بھی ہیں۔ نوجوانوں کے افسر راجی سنگٹھن کی خبریں بھی کراچی میں اس پत्रیکا میں ملتی ہیں۔ اس پत्रیکا کو چننا رکھنا ہر نوجوان کا فرض ہے اور ہم اٹھا کرتے ہیں کہ نوجوان اپنی فرض سے ملے نہ ہوں گے۔

—محبوب رضوی

سلسلہ سچ

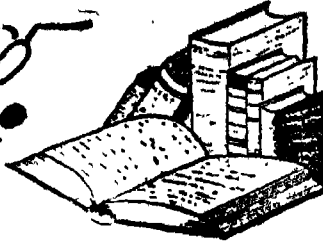
لکھنے والے—مہاتما بھگواندین؛ نیکالنے والے—بھارت جین مہا مंडल، ورधा؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ 42؛ داس دس پانے۔

بچوں کو بھلانے، پکانے اور شیل بنانے میں مہاتما بھگواندین جی کا بہت کم لگ سکتا ہے۔ اسکا کارن بچوں کے منوویژن کی جانکاری ہے۔ بچوں کے سادھت کی ہمارے دے میں کبھی کم ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مہاتما جی نے اس تراف پھان دیا ہے۔ "سلسلہ سچ" میں سچ کی سمسٹا کو کھانی کے رپ میں سمسٹا گیا ہے۔ جو بات ہنسی ہنسی میں اس کیتا سے بچے سمکھ لیتے ہیں اسکی جانکاری ہمارے پدے لکھے پتھوں کو بھی نہیں ہوتی۔ سچ کیا ہے، سچ کی کیتنی کیتھ میں ہے، سچ کا پالنے کیتھ کیا جا سکتا ہے، ان سب سبائی کا جواب ساک دنگ سے اس کیتا میں ملتا ہے اور ہر بات بچوں کے منوویژن کا پتہ دے کر سمسٹا کیتی ہے۔ بچوں کے لئے ہی فائدہ مند یہ کتاب نہیں ہے بلکہ بچوں کے ہوشوں کے دماغ کے بہت سے چالے اس سے صاف ہو جائیں گے اور سچ کو لے کر جوشک ان کے من میں اٹھا کرتے ہیں وہ دور ہو جائیں گے اور من کو شانتی ملے گی۔

سراکار کو چاہیے کہ "سلسلہ سچ" کو بچوں کے کورس میں شامل کر دے۔ اس کے پکانے سے ایک نئی چھٹا ان میں جائے گی، ایسا ہوا دھواں ہے۔

—محبوب رضوی

कविता



कविता

उदय पथ

लिखने वाले—'शील', निकालने वाले—पीपुल्स पब्लिशिंग हाउस, बम्बई 4; लिखावट हिन्दी, सफा 64, राम एक रुपया.

'शील' का नाम हिन्दी प्रेमी जनता के लिये नया नहीं है. 'उदय पथ' से पहले वह 'बंगदार्ड' और 'एक पग' में छप चुके हैं. शील की कविता में रस है, गंभीरता है और साथ ही साथ एक पैराम है. वह कविता करने की नियत से नहीं लिखते बल्कि क्रम इसलिये उठाते हैं कि बिछुड़ी जनता की चेतना को ऊपर उठा सकें. "नया आदमी मांग रहा है जीने का अधिकार" उस कविता की पहली लाइन है जिसे जब भी जनता में पढ़ा गया है लोग भ्रूम उठते हैं. सिनेमा के गानों की तरह हर लाइन खदान पर चढ़ गई है और लोग सबको पर गुनगुनाते रहे हैं इसका रहस्य यह है कि यह कविता आम भाषा में लिखी गई है और आम जनता के भावों की इसमें चरचा है.

इस संग्रह की कुछ कविताएं इलाहाबाद में लिखी गई हैं, कुछ कानपुर में और कुछ बम्बई में. कहते हैं बम्बई जा कर कलाकार मर जाता है और कला का व्योपार करने वाली संस्थाओं का मजदूर बन जाता है. लेकिन शील के बारे में यह सच नहीं है. बम्बई में लिखी कविताएं बाक़ी कविताओं से पिछावा अच्छी हैं—भाषा का निखार है, बिचारों की सफ़ाई है और उनमें दिल मोह लेने वाला असर पैदा हो गया है. शील से हम आशा करते हैं कि 'नया आदमी' 'आदमी का गीत', 'वस्तु की आवाज़' जैसी कविताएं और भी जनता को मंत्र कर देंगे.

—मुजीब रिज़वी

नौजवान

प्रहीटर—हरन चन्द्र चौधरी, रामावतार शास्त्री. लेज कालियन म्हा, कपिलमुनी तिबारी, पता—खजानची रोड, पटना 4; लिखावट हिन्दी, सफा 32, राम चार आना की कापी.

"नौजवान" वस्तु की एक बड़ी मांग को पूरा करता है. बिहार राज के बरसादी नौजवान अपनी कोशिश के लिये

अन्य पंथ

लेखने वाले—'शैल'; निकालने वाले—पीपुल्स पब्लिशिंग हाउस बम्बई 4; लिखावट हिन्दी; सफा 64; राम एक रुपया.

'शैल' का नाम हिन्दी प्रेमी जनता के लिये नया नहीं है. 'अन्य पंथ' से पहले वह 'अन्कौली' और 'एक पग' में छप चुके हैं. शैल की कविता में रस है, गंभीरता है और साथ ही साथ एक पैराम है. वह कविता करने की नियत से नहीं लिखते बल्कि क्रम इसलिये उठाते हैं कि बिछुड़ी जनता की चेतना को ऊपर उठा सकें. "नया आदमी मांग रहा है जीने का अधिकार" उस कविता की पहली लाइन है जिसे जब भी जनता में पढ़ा गया है लोग भ्रूम उठते हैं. सिनेमा के गानों की तरह हर लाइन खदान पर चढ़ गई है और लोग सबको पर गुनगुनाते रहे हैं इसका रहस्य यह है कि यह कविता आम भाषा में लिखी गई है और आम जनता के भावों की इसमें चरचा है.

इस संग्रह की कुछ कविताएं इलाहाबाद में लिखी गई हैं, कुछ कानपुर में और कुछ बम्बई में. कहते हैं बम्बई जा कर कलाकार मर जाता है और कला का व्योपार करने वाली संस्थाओं का मजदूर बन जाता है. लेकिन शैल के बारे में यह सच नहीं है. बम्बई में लिखी कविताएं बाक़ी कविताओं से पिछावा अच्छी हैं—भाषा का निखार है, बिचारों की सफ़ाई है और उनमें दिल मोह लेने वाला असर पैदा हो गया है. शैल से हम आशा करते हैं कि 'नया आदमी' 'आदमी का गीत', 'वस्तु की आवाज़' जैसी कविताएं और भी जनता को मंत्र कर देंगे.

—मुजीब रिज़वी

नौजवान

लेखने वाले—'शैल'; निकालने वाले—पीपुल्स पब्लिशिंग हाउस बम्बई 4; लिखावट हिन्दी; सफा 64; राम एक रुपया.

سب بھٹ جاتی ہیں۔ اس واسطے کہ ایک دفعہ وہ
دوخت کی جہنم سے نکل کر جانور کی جہنم میں آ جاتا
ہے۔ اور اگر اس جہنم میں پہلی مرتبہ سے اچھے کام
کرنا جائے تو پھر دو چار جہنموں کے بعد آدمی کی جہنم
میں آ جاتا ہے۔ اور اس جہنم میں بھی اچھے کام
کام کرے تو دفعہ دفعہ آدمیوں سے بھی اچھے اور اوپر کی
جہنم میں چلا جاتا ہے۔ یہاں اس دنیا میں تو آدمیوں
سے اوپر والی جہنم میں نہیں مگر اور جو دنیاؤں اور چاند
ہمارے سورج کے پا اور سورجوں کے بہت سے موجود ہیں ان
میں آدمی ہے کہ آدمیوں سے بھی اوپر والی نئی اچھی
جہنمیں ہونگی۔ اس واسطے آدمی کے بدن کو چھوڑ کر ان
دوسری دنیاؤں میں سے کسی میں چاکر کسی نہ کسی نئے پیدا
ہونے والے بدن میں آنا چلی جاتی ہے۔ اور جب اسی
طرح روز بروز زیادہ اچھے ہی اچھے کام کرتے کرتے آنا اسے
بدن، مٹی اور دل سے جا کر ملتی ہے کہ اس میں بالکل
کوئی باقی نہیں ہو تو پھر سب دنہ دور ہو جاتے ہیں۔
اپنے پہلے سب جہنموں کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ پچھلے
جہنموں میں جس جس سے پالا ہوا تھا، کوئی کسی جہنم
میں مٹی، کوئی کسی جہنم میں مٹی، کوئی بھائی
سب معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور اسی وقت مکتی ہو
جاتی ہے۔ پہلی بہت بار کا پیدا ہونا اور مرنے اور آنا کا
آنا جانا بلند ہو جاتا ہے۔ بہکوان کو اچھی طرح پہچان
لیجئے ہیں اور ہمیشہ اسی کے ساتھ رہ کر اس کی مہمما
کا حال معلوم کرتے رہتے ہیں۔ اسی وقت بہکوان کی مہمما
کے مطابق سب جہنم میں اور دکھ، درد، تکلیف، رنج، فکر
بالکل کچھ کسی قسم کا نہیں ہوتا۔ نہ آپس میں کسی
طرح کی لڑائی جھگڑا وغیرہ ہوتا ہے۔ پس اس سے تمہیں
معلوم ہوا ہوگا کہ اچھے ہی اچھے کام کرنا اور برے کاموں
کو چھوڑنا کیسا ضروری ہے۔ جو آدمی برے کام کرتے ہیں
ان کے رنج اور تکلیفیں روز بڑھتے جاتے ہیں اور جو اچھے
کام کرتے ہیں اور اپنی مٹی کو عقل کے پس میں رکھتے ہیں
ان کا رنج، فکر روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ اصل میں رنج،
فکر اور آداس دھرم سے بالکل کچھ ہی فائدہ نہیں ہے۔
اس واسطے آدمی کو چاہئے کہ ہمیشہ مجلس سکھ رہے
کسی بات پر بھی ملے نہ بٹائے نہ ناک بھونچو جائے۔
جو آدمی اپنے چہرے کو ہمیشہ خوں اور ہلستا ہوا دکھائے
کی کوہش کرتے ہیں اور اپنے دل کو بھی خواستہ خواہ
نہیں ہونے دیتے ان کا من کبھی آداس یا رنجہدہ نہیں
ہونے پاتا۔ جب کسی کو قصہ، رنج یا آداس ہوتی ہے تو
پہلے چہرہ بگڑتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی اپنے چہرے کو نہ
بگڑنے دے تو دل بھی خواب نہ ہوگا۔

بہنوں کی دنیا

بہنوں کی دنیا

سچوئی سچ

سچوئی سچ

سچ سوچنا، سچ بولنا، سچ کرم ہے اپنا
سچ رام ہے، رہمان ہے، سچ دھرم ہے اپنا۔

خوبی ن ہو، خوبی ن ہو، فوئی کی کھی ہو
جو بات کھی جاپی وہ مکی کی بلی ہو۔

کڑے ن مڑے، فوئی مڑے بات جو بولی
کولی نھی، کولی تو ہسانے کی مڑ کولی۔

لگتی ن کھی کھی دھ کر ن کھی تو
سچ ساک کھی جاپی موسیٰ تو سچوئی تو۔

سچ بات کھی کھی کی لگی ہو
کھی ن ہو کھی ن ہو وہ رس کی پگی ہو۔

—بھگواندین

سچ سوچنا، سچ بولنا، سچ کرم ہے اپنا
سچ رام ہے، رہمان ہے، سچ دھرم ہے اپنا۔

خوبی ن ہو، خوبی ن ہو، فوئی کی کھی ہو
جو بات کھی جاپی وہ مکی کی بلی ہو۔

کڑے ن مڑے، فوئی مڑے بات جو بولی
کولی نھی، کولی تو ہسانے کی مڑ کولی۔

لگتی ن کھی کھی دھ کر ن کھی تو
سچ ساک کھی جاپی موسیٰ تو سچوئی تو۔

سچ بات کھی کھی کی لگی ہو
کھی ن ہو کھی ن ہو وہ رس کی پگی ہو۔

—بھگواندین

مستقیم

13. 7. 06

مستقیم

13-7-06

بہن،

کھی کی پٹی میں لکھا تھا کہ جب کوئی بدن مرنا
ہے تو آتا اس بدن کو چھو کر کسی ایسے نئے بدن
والے بدن میں آ جاتی ہے کہ جس کا من اور دل بھی
تقریباً اسی طرح کا ہو جس طرح کا بدھ چھوڑا۔ اس طرح
آتا ہے بدھ ہونے کے وقت آجاتے اور مرنے کے وقت نکل جاتے
کو۔ جس وقت میں 'آواگن' کہتے ہیں۔ نہونکہ آواگن کے
میں بھی آ جاتا ہے۔ اب سچوئی جب کوئی آدمی کھی
چلے میں ہوا پر برے ہی برے کام کرنا چلا جائے یہاں
نک نہ مرنے کے وقت بالکل جانوروں کی سی اس کی
مانگیں ہیں، تو پھر اگلے جلم میں وہ جانور کی جون میں
چلا جاتا ہے۔ اور اگر جانور کی جون میں جا کر بھی برے
ہی برے کام کرنا دے تو پھر آخر کو دوسری کی جون
میں چلا جاتا ہے۔ مگر یہاں آ کر اس میں کوئی کام کرنے
کی طاقت اور عقل نہیں رہی۔ بالکل کھلی کی طرح ہو
جاتا ہے۔ اس واسطے جب بہت دن اس طرح کھلی
میں برے کام ہو جاتے ہیں تو پھر اس کی خراب مانگیں

ادھ

کھی کی پٹی میں لکھا تھا کہ جب کوئی بدن مرنا
ہے تو آتا اس بدن کو چھو کر کسی ایسے نئے بدن
والے بدن میں آ جاتی ہے کہ جس کا من اور دل بھی
تقریباً اسی طرح کا ہو جس طرح کا بدھ چھوڑا۔ اس طرح
آتا ہے بدھ ہونے کے وقت آجاتے اور مرنے کے وقت نکل جاتے
کو۔ جس وقت میں 'آواگن' کہتے ہیں۔ نہونکہ آواگن کے
میں بھی آ جاتا ہے۔ اب سچوئی جب کوئی آدمی کھی
چلے میں ہوا پر برے ہی برے کام کرنا چلا جائے یہاں
نک نہ مرنے کے وقت بالکل جانوروں کی سی اس کی
مانگیں ہیں، تو پھر اگلے جلم میں وہ جانور کی جون میں
چلا جاتا ہے۔ اور اگر جانور کی جون میں جا کر بھی برے
ہی برے کام کرنا دے تو پھر آخر کو دوسری کی جون
میں چلا جاتا ہے۔ مگر یہاں آ کر اس میں کوئی کام کرنے
کی طاقت اور عقل نہیں رہی۔ بالکل کھلی کی طرح ہو
جاتا ہے۔ اس واسطے جب بہت دن اس طرح کھلی
میں برے کام ہو جاتے ہیں تو پھر اس کی خراب مانگیں

شکار باغی نہ رہ جائیگا تو وہ ہمارا خون چوسے گا۔
اس سے پہلے کہ وہ ہمارے دانت نیکالے۔ ہم اسے روک
دینا چاہیے، اس کو ختم کر دینا چاہیے۔

ملاہا کے شاہیوں کی پکار یہی ہے، آجادی کی
لنکار یہی ہے، سارے ایشیا کی فریاد یہی ہے—ہندوستان-
نیا! ایک آواز ہو کر آنگرے کی روک دو کہ وہ ہماری زمین پر ملاہا کے
خون کے چھونٹے نہ بکھرائے !!

روشنی

سامپریایک باواورن ہمیں نیراش کر دیتا ہے۔ ہم
اُن کی باتیں سننے لگتے ہیں۔ ہمیں اِشواہ نہیں ہوتا کہ
ہندوستان پر کبھی سامپریایک مہل ملاہا کا آدرش بن
سکے گا۔ ہماری برسات جاتی ہے، مہل کی طرف
میں دھواں ہو جاتا ہے۔ اچھا مہل کا ایک ملندہ میں
روشنی دیتا ہے۔ میں دھواں دیتا ہے۔ آج نہیں، کل
نہیں، انگریزوں کے راج سے بہت پہلے—سات سو سال
پہلے حضرت قائد عالم بادشاہ مظہر ولی رحمۃ اللہ علیہ
اچھا مہل آئے تھے۔ وہ اچھے تھے، مہل پر بھی تھے، انسان
تھے—ابھی ہر دم ہر شخص میں، ہر دھرتی میں خدا
دہائی ہوتا تھا، وہ ہر دھرم کے پجاری تھے ہر کسی
دھرم کا اُن سے میلندہ نہیں تھا۔ اچھا مہل کے ملندہ راجہ
راجہ کو اُن کی ہائی بہا لگی، وہ اُن کا بھکت ہو گیا، تلواریں
کے آگے جو سر نہیں جھکے تھے انہیں ہر دم نے رام کر لیا تھا۔
شاہ صاحب کے مہل پر راجہ نے اپنے خاندانی ملندہ میں
اُن کی درگاہ بنا دی۔ وہ درگاہ آج بھی ہائی ہے۔ آج بھی
اُن کی پوجا ہوتی ہے—ملندہ مسلمان لوتے رہتے ہیں—
پر اُن کی بھکتی دونوں کرتے ہیں، دونوں اس ملندہ میں
میں جاتے ہیں—ملندہ درگاہ پر پھول چھاتے ہیں،
مسلمان ”شہر اللہ“ پر چرخ چلاتے ہیں، کسی میں
سائنس نہیں ہے کہ وہ لہر اُٹھائے اور کسی میں ہمت
نہیں ہے کہ وہ لہر و ماں سے ہٹا دے !

آج ہر دم ہر دھرم نہیں ہیں، آج بھی ہم ادا
ہیں، آج بھی ہم دھرم دھرم انسان بن جاتے ہیں—
سب بھول کر سارے فرقوں پر پردہ ڈال کر ہم ایک ساتھ
کھڑے ہو جاتے ہیں—مدراس کے ایک ہزارے ملندہ میں—
شہر کے دو سب سے بڑے ملندروں میں سے ایک ملندہ میں
ایک سما ہو رہی تھی۔ کسی ملندہ دیوتا کا جلم دن
نہیں تھا، کوئی ملندہ لہو ہار نہیں تھا—ملندہ ملندہ میں
حضرت مسند کا جلم دن ملایا جا رہا تھا، اُن کے جہیز
پر بھائی ہو رہے تھے۔ ملندہ کے لہو ہار میں ہی مسلمان
بھائی، برہمن، ہریجن، کٹریسی اور کمونسٹ جمع
نہیں تھے—سب مورتی کے پاس ہتھ تھے۔ سب مورتی
کو چہو رہے تھے—شہطان بھاگ رہا تھا، آدمی دھرم ختم
ہو رہا تھا—مہل دھرم، ہر دم دھرم جلم لے رہا تھا—اُن
میں تلواروں کی کلچ چھائی تھی !

ہندوؤں کی باتیں

ہندوؤں کی باتیں

ہندوؤں کی باتیں

ہندوؤں کی باتیں

100-443887-1

چون ہر حملہ کرنے کی پوری تہاوی ہوگئی تھی ۔
چھاترک بالی شہک کا پتہ قریب کر دیا گیا تھا ۔ آئزن ہاور
اس تینا میں سے وہ ایسٹا والوں کو ایسٹا والوں سے لوانے
کا اُن کا خواب سمجھا ہو ۔ ادھر اٹھارویں میں آئزن ہاور کے
مصلوبے کے جہلمند میں خبریں چھپیں اور ادھر ایک
فصے کی لہر دوڑ گئی۔ جگہ جگہ لوگوں نے سمجھاؤں کھیں۔
سب ایک جگہ آئے سب کی ایک آواز تھی—ایسٹا والے
ایسٹا والوں سے نہیں لویں گے وہ اپنے بھائیوں کا خون بہتا
ہوا نہیں دیکھو گے ۔ وہ یہ برداشت نہیں کریں گے کہ
اسود کا مارا پھر قرب جائے چہن پر پھر کھن لگ جائے ۔
ہر وچار ہر ہارتی کے لوگ ایک ایک جمع ہوئے اور آہوں
نے بلند آواز سے آئزن ہاور کو چہتاوی دی—تم اپنے قدم
روک دو، اپنی چالیں بند کرو ۔ ہمدستان اب جاگ رہا
ہے ہمدستانی چلتا کی آنکھوں میں اب دغول نہیں
چھوڑا جا سکتا۔ وہ جانتی ہے کون اس کا دوست ہے اور
کون اس کا دشمن !

ملایا کی بکار

ملایا میں ہلدستانوں کو گولیاں مار دی جانیں،
 انہیں پھانسی دے دی جائے... اور ہم چپ رہیں...
 یہ شرم کی بات ہے... ملایا نے چھٹیوں کو تباہ بہاد
 کر دیا جائے... اور ہم خاموش رہیں... قلوب مرنے
 کی جگہ ہے... ملائی جلتا کو پوسا جائے... اور ہم سنہ
 نائقے رہیں... لپکا لی بات ہے۔ اب جلتا زیادہ دسں خاموش
 نہیں رہ سکتی، اب زیادہ دسں ہمیں تماشے اسی نہیں ہلنا
 ہے۔ ملایا جل رہا ہے... وہ ہمیں پکار رہا ہے، ایسے ہماری
 سہانتا کی ضرورت ہے...

هندوستان میں 'آدمی' ایک آواز بن جاؤ، ایک طاقت
 بن جاؤ۔ انگریزوں کو سمجھو کہ دو۔ بھارت سرکار کو سمجھو
 کہ دو۔ ا صاف یہ کہ۔ هندستان کی زمین پر گورنر بھرتی
 نہیں ہو سکر، 'هندستان سلیا' والوں نے خون کے چھینٹے
 اچھے داس بن کر نہیں دیکھ سکتا... هندستان یہ ہر حالت
 میں فرسکتا ہے انگریزوں کی فوجیں ہماری زمین پر
 کھسپ ڈالے ہوئے رہیں... انگریز انگریز ہے... جب وہ آیا
 تھا تب بھی وہ انگریز تھا اور آج بھی وہ وہی انگریز ہے۔
 آزمائے ہوئے تو آسانا بھول ہے، جہالت ہے، ناسمجھ ہے۔
 اس وقت ابھی اس سے، انگریزی سولر کر رہے سہاگوں
 سے ہندوستان کی زمین صاف ہوئی چاہئے۔ اس طرح کے
 حارے سمجھوتے نہ ہونے چاہئیں، جگہ دیئے جائے چاہئیں
 سدا، پہاڑ چوک۔ انگریز کو بلانا ہے، آئے اچھے سر پر سدا
 بٹھانے رہنا ہے۔ وہ آوازوں کا خون چوسے گا اور جب کوئی

لوگ ہمارے کرتے ہیں... امریکی پر ہندو دنیا کی راکٹوں کی وجہ سے رہے اور گولیاں چلتی رہیں، ٹینک بے ہوش انسانی شہر کو کھینچتے رہے:

برلین کے لوگ... امریکی پر ہندو دنیا کی راکٹوں کی وجہ سے رہے اور گولیاں چلتی رہیں، ٹینک بے ہوش انسانی شہر کو کھینچتے رہے:

برلین کے لوگ	برلین کے لوگ
13 کوئے کے علاقے میں	11 کوئے کے علاقے میں
14 کوئے کے علاقے میں	15 کوئے کے علاقے میں
23 پوسٹل کے علاقے میں	9 کوئے کے علاقے میں
26 کوئے کے علاقے میں	76 مارے گئے
27 یانگ چوان کے علاقے میں	5 کوئے کے علاقے میں
28, 29, 30 کوئے کے علاقے میں	180 مارے گئے

برلین کے لوگ	برلین کے لوگ
13 کوئے کے علاقے میں	11 کوئے کے علاقے میں
14 کوئے کے علاقے میں	15 کوئے کے علاقے میں
23 پوسٹل کے علاقے میں	9 کوئے کے علاقے میں
26 کوئے کے علاقے میں	76 مارے گئے
27 یانگ چوان کے علاقے میں	5 کوئے کے علاقے میں
28, 29, 30 کوئے کے علاقے میں	180 مارے گئے

برلین کے لوگ	برلین کے لوگ
6 پوگام کے علاقے میں	21 کوئے کے علاقے میں
11 میچ کے علاقے میں	1 مارا گیا
16 کوئے کے علاقے میں	1 مارا گیا
25 کوئے کے علاقے میں	32 کوئے کے علاقے میں

برلین کے لوگ	برلین کے لوگ
6 پوگام کے علاقے میں	21 کوئے کے علاقے میں
11 میچ کے علاقے میں	1 مارا گیا
16 کوئے کے علاقے میں	1 مارا گیا
25 کوئے کے علاقے میں	32 کوئے کے علاقے میں

برلین کے لوگ	برلین کے لوگ
6 کوئے کے علاقے میں	11 کوئے کے علاقے میں
7 کوئے کے علاقے میں	1 مارا گیا
7 کوئے کے علاقے میں	1 کوئے کے علاقے میں
10 کوئے کے علاقے میں	1 مارا گیا
10 کوئے کے علاقے میں	10 کوئے کے علاقے میں
13 پوگام کے علاقے میں	87 مارے گئے
13 پوگام کے علاقے میں	120 کوئے کے علاقے میں

برلین کے لوگ	برلین کے لوگ
6 کوئے کے علاقے میں	11 کوئے کے علاقے میں
7 کوئے کے علاقے میں	1 مارا گیا
7 کوئے کے علاقے میں	1 کوئے کے علاقے میں
10 کوئے کے علاقے میں	1 مارا گیا
10 کوئے کے علاقے میں	10 کوئے کے علاقے میں
13 پوگام کے علاقے میں	87 مارے گئے
13 پوگام کے علاقے میں	120 کوئے کے علاقے میں

شاید ہندوؤں اور ٹینکوں سے امریکا والوں نے ان ٹینکوں کو یہ خوش خبری سنائی ہے کہ اب وہ اپنے دیہوں کو واپس نہیں جائیں گے اور ان ٹینکوں کو—خوشی سے موت آگئی ہے !!

شاید ہندوؤں اور ٹینکوں سے امریکا والوں نے ان ٹینکوں کو یہ خوش خبری سنائی ہے کہ اب وہ اپنے دیہوں کو واپس نہیں جائیں گے اور ان ٹینکوں کو—خوشی سے موت آگئی ہے !!

جگ شانتی کمیٹی کی बैठک

جگ شانتی کمیٹی کی बैठک

دنیا چکرا سی گئی ہے۔ ایک طرف اے اٹا ہندوئی ہے کہ لوائی ہندو ہوا جائے گی، سارے مسئلے حل ہو جائیں گے، دنیا بے لوائی کا اتارون ختم ہو جائے گا—دوسری طرف اے وہاں نہیں ہوتا... اے یقین نہیں آتا... لوائی کہہ ہندوئی، کھونکر ہندو ہوا... سامراج جب تک قائم رہے، امریکا جب تک موجود رہے، ایک ملک اور دوسرا ملک جب تک قبضہ کرتے ہیں، تب تک شانتی نہیں ہو سکتی ہے؟ دل کو سے صاف ہو سکتے ہیں، پھر کہہ ہو سکتا ہے۔ محبوب انجمن ہے، محبوب مسما ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہے، کیا کیا جائے۔ عالم انجمن آہا اور براہ میں لٹکا ہوا ہے۔

دنیا چکرا سی گئی ہے۔ ایک طرف اے اٹا ہندوئی ہے کہ لوائی ہندو ہوا جائے گی، سارے مسئلے حل ہو جائیں گے، دنیا بے لوائی کا اتارون ختم ہو جائے گا—دوسری طرف اے وہاں نہیں ہوتا... اے یقین نہیں آتا... لوائی کہہ ہندوئی، کھونکر ہندو ہوا... سامراج جب تک قائم رہے، امریکا جب تک موجود رہے، ایک ملک اور دوسرا ملک جب تک قبضہ کرتے ہیں، تب تک شانتی نہیں ہو سکتی ہے؟ دل کو سے صاف ہو سکتے ہیں، پھر کہہ ہو سکتا ہے۔ محبوب انجمن ہے، محبوب مسما ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہے، کیا کیا جائے۔ عالم انجمن آہا اور براہ میں لٹکا ہوا ہے۔

اسے سمجھنا ہوتا ہے۔ جگ شانتی کمیٹی کی बैठک ہو رہی ہے۔ چلتا کی آنکھوں میں دس اپریل سے پچاسہت کے آنے والی خبروں کے لئے ہے جن میں وہی کی !

اسے سمجھنا ہوتا ہے۔ جگ شانتی کمیٹی کی बैठک ہو رہی ہے۔ چلتا کی آنکھوں میں دس اپریل سے پچاسہت کے آنے والی خبروں کے لئے ہے جن میں وہی کی !

دیکھو، پرم کے آدھار پر جو کام ہوتا ہے اس میں نہیں کرتے۔ چینی نہیں ہوتی، قصہ نہیں ہوتا۔ جاپانی نسلاندوں کو پیدا کرتے ہوئے چینی نسلاندے قسبی لہوا چھٹک چھی لے کہا۔ ”جاپانی بھائی یہاں قانون کے داری طرح پابند رہے ہوں اور لوگ سرکار کی دیکھ دیکھ میں شامتی سے جہون بتا رہے تھے۔ میں اٹھا کرنا ہوں کہ جاپان میں بھی یہ شامتی اور سکھ کا جہون بتا سکوں کہ اس بلدا پر کہ یہ چینی میں رہتے تھے اور کام کرتے تھے۔ جاپانی سرکار ان کے ساتھ نہ تو کسی طرح کا ہمد ہوا ہوتے ہی اور نہ انہوں کوئی تکلیف پہنچانے کی۔“

انہوں نے یہ بھی کہا۔ ”آج جاپان میں ہمسوہوں ہزار چینی رہ رہے ہیں۔ ان میں بہت سے اپنے وطن واپس آنا چاہتے ہیں۔ میری آپ لوگوں سے پراپہا ہے کہ آپ ان کی سہانغا کوچکے تانہ وہ آسانی سے اپنے دیہی آسکوں۔ ان کے واپس لوٹنے میں جو بھی خرچ ہوگا چھون کی طرف سے پائی پائی چکا دیا جائے گا۔“

کتنی اہلا ہیں کہ اس بھاشن میں، کتنا مابو پرم ہے! جاپانیوں کی آنکھوں میں اسی گزن احسان ملدی ہے آنسو بہر آئے۔ انہوں کوئی کے بھانک سہوں ارشہ یاد آئے ہونگے۔ شاید تبھی ہمارک ہو کر ایک جاپانی نے وہیں ملچ سے اعلان کیا۔ ”پدم کے دنوں میں جن چینی فہدیوں کی جاپان میں موت ہوئی ہے ان کے ہول چھون واپس آئیں، اس کی ہم ہوسک کوشش کریں گے۔“

جہاں انصاف ہوتا ہے وہاں پارٹیاں کسی کو دہانے کے بجائے ایک دوسرے کو کونگ کرنے میں ہور لگانی ہوں۔ چینی اور جاپانی چلتا ہی ہی یہ جوت نہیں ہے، اس کا شریہ انہوں دیہوں کو نہیں ہے، اس بات سے ہوا جگ شامتی آندوں کو ہے جس نے یہ وائورون پھدا کر دیا ہے جس میں یہ چمتکرو رہے ہوں۔ آج چمتا تو وشواس ہو چلا ہے کہ ہر بات، ہر سمسہا شامتی سے طریقہ سے مل جل کر حل ہو سکتی ہے اور اچھی طرح حل ہو سکتی ہے!

کہرا لہوتا

سرا سوتا

یونو کی جنرل اسمبلی میں امریکا کے پرانیدی کہ رہے تھے۔ ”کوریہ اور چین کے کڑی کمونیسٹوں کے گولام بننا نہیں چاہتے۔ وہ ”آپااد“ رہنا چاہتے ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ اگر انہیں وینا انکی سرکاری کے واپس بےجا گوا تو وہ آتھما دتھا کر لینگے۔ ہم ان کڑیوں کے ساتھ شیاوہی نہیں کر سکتے.....“

اور دوسری طرف جنگی فہدیوں کے کہہوں میں امریکی کوئی چلا رہے تھے، ٹیلک سے انہوں کچل رہے تھے۔ انہی یہ شکست تھی کہ یہ فہدی کمونسٹ گانے گانے میں لہو کھی آپا ہلکا کا بھانہ تھا کہ ہمارے اسروں پر یہ

پرم کے آدھار پر جو کام ہوتا ہے اس میں نہیں کرتے۔ چینی نہیں ہوتی، قصہ نہیں ہوتا۔ جاپانی نسلاندوں کو پیدا کرتے ہوئے چینی نسلاندے قسبی لہوا چھٹک چھی لے کہا۔ ”جاپانی بھائی یہاں قانون کے داری طرح پابند رہے ہوں اور لوگ سرکار کی دیکھ دیکھ میں شامتی سے جہون بتا رہے تھے۔ میں اٹھا کرنا ہوں کہ جاپان میں بھی یہ شامتی اور سکھ کا جہون بتا سکوں کہ اس بلدا پر کہ یہ چینی میں رہتے تھے اور کام کرتے تھے۔ جاپانی سرکار ان کے ساتھ نہ تو کسی طرح کا ہمد ہوا ہوتے ہی اور نہ انہوں کوئی تکلیف پہنچانے کی۔“

انہوں نے یہ بھی کہا۔ ”آج جاپان میں ہمسوہوں ہزار چینی رہ رہے ہیں۔ ان میں بہت سے اپنے وطن واپس آنا چاہتے ہیں۔ میری آپ لوگوں سے پراپہا ہے کہ آپ ان کی سہانغا کوچکے تانہ وہ آسانی سے اپنے دیہی آسکوں۔ ان کے واپس لوٹنے میں جو بھی خرچ ہوگا چھون کی طرف سے پائی پائی چکا دیا جائے گا۔“

کتنی اہلا ہیں کہ اس بھاشن میں، کتنا مابو پرم ہے! جاپانیوں کی آنکھوں میں اسی گزن احسان ملدی ہے آنسو بہر آئے۔ انہوں کوئی کے بھانک سہوں ارشہ یاد آئے ہونگے۔ شاید تبھی ہمارک ہو کر ایک جاپانی نے وہیں ملچ سے اعلان کیا۔ ”پدم کے دنوں میں جن چینی فہدیوں کی جاپان میں موت ہوئی ہے ان کے ہول چھون واپس آئیں، اس کی ہم ہوسک کوشش کریں گے۔“

جہاں انصاف ہوتا ہے وہاں پارٹیاں کسی کو دہانے کے بجائے ایک دوسرے کو کونگ کرنے میں ہور لگانی ہوں۔ چینی اور جاپانی چلتا ہی ہی یہ جوت نہیں ہے، اس کا شریہ انہوں دیہوں کو نہیں ہے، اس بات سے ہوا جگ شامتی آندوں کو ہے جس نے یہ وائورون پھدا کر دیا ہے جس میں یہ چمتکرو رہے ہوں۔ آج چمتا تو وشواس ہو چلا ہے کہ ہر بات، ہر سمسہا شامتی سے طریقہ سے مل جل کر حل ہو سکتی ہے اور اچھی طرح حل ہو سکتی ہے!

کہرا لہوتا

یونو کی جنرل اسمبلی میں امریکا کے پرانیدی کہ رہے تھے۔ ”کوریہ اور چین کے کڑی کمونیسٹوں کے گولام بننا نہیں چاہتے۔ وہ ”آپااد“ رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر انہوں بلدا ان کی سرکاری کے واپس بےجا گوا تو وہ آتھما دتھا کر لینگے۔ ہم ان کڑیوں کے ساتھ شیاوہی نہیں کر سکتے.....“

اور دوسری طرف جنگی فہدیوں کے کہہوں میں امریکی کوئی چلا رہے تھے، ٹیلک سے انہوں کچل رہے تھے۔ انہی یہ شکست تھی کہ یہ فہدی کمونسٹ گانے گانے میں لہو کھی آپا ہلکا کا بھانہ تھا کہ ہمارے اسروں پر یہ

نہیں۔ سیمینٹری بنگاروں کی ہے اور سیمینٹری کے سارے نوکر بنگاروں کے ہیں، لہذا کے سبک ہیں، رانی ایلنبریک کے تابعدار ہیں۔ دشمنوں کے یہ سولے فیصد کالمسٹ کب تک ہمارے سینیوں پر مگ دلتے رہیں گے! یہ جتنا کب تک ہمارے سر پر سوار رہے گا۔ آخر یہ کب تک!

کاش آج کے ہندوستان میں وہ شاعر زندہ ہوتا، اپنی آواز سے وہ دیکھ لیتا کہ اس کا شعر غلط ہے، اس کے بہار غلط ہیں۔ یہاں شہیدوں کی چٹاؤں پر مہلے نہیں ہوتے، شہید کرنے والوں کو سزا ملتا ہے، ان کی سزا دی جاتی ہے۔۔۔۔۔ وہ اس سے، پورا یقین ہے، اپنی ان باتوں کی ہر بات کو آگ میں جلا دیتا۔

”شہیدوں کی مجسروں پر جڑیں ہر برس مہلے بٹن پہ مرنے والوں کا یہی باکلی نیشاں ہوگا۔“

شانتی آندولن کا چمٹکار

15 فروری کو پیکنگ کے ایک سندر ہال میں دو प्रतिनिधि مंडل मिल रहे थे. शायद उस दिन दुनिया के दूसरे हा नों में भी प्रतिनिधि मिले हों! पर इन प्रतिनिधियों की रूप रेखा निराली थी, दूसरे प्रतिनिधि मंडलों से बिल्कुल अलग, यह सरकार के मुमाइन्दे नहीं थे, यह जनता की आवाज थे. इन्हें कूटनीति नहीं आती थी, यह तो केवल प्रेम भाव के उपासक थे चरचित आइजनहायर भी मिले हैं, ईडन और डलेस भी मिले हैं. यूनो में रोज ही प्रतिनिधि मंडल मिलते रहते हैं—दूसरे प्रतिनिधि मंडल शायद समस्याएं पैदा किया करते हैं, भागड़ों का हवा दिया करते हैं पर यह प्रतिनिधि शान्ति से बैठ भागड़े का फ़ैसला कर रहे थे. यहां बात इस बात से शुरू नहीं हुई कि कौन किसका दुश्मन है, किसने किसके साथ ज़ियादती की. यह गुजरी हुई बात थी और गुजरी हुई बातों पर ख़राब करने के लिये इनके पास समय नहीं था. इनके पास समस्या थी, सुलह की इच्छा थी, प्रेम का आधार था, विश्वास था और सामने खूबसूरत भविष्य नाच रहा था.

बहुत से जापानी चीन में रहते हैं. इन लोगों को वापस जाने की समस्या पर गौर करने के लिये जापान रेड क्रॉस सोसाइटी, जापान शान्ति कमेटी और चीन जापान मैत्री संघ के मुमाइन्दे चीन आए थे. चीन रेड क्रॉस सोसाइटी, चीन शान्ति कमेटी और चीन जापान मैत्री संघ के प्रतिनिधियों ने उनका स्वागत किया. जापान रेडक्रॉस सोसाइटी के श्री शिमा जो ने कहा—”हमारी बातचीत की सफलता यह बात साबित करती है कि शान्ति, दोस्ती और सच्चे मानव प्रेम के आधार पर हर तरह की कठिनाई पर काबू पाया जा सकता है”

बातचीत सफल हो गई, मामले तय हो गए. 5 मार्च को एक सम्मेलन पर दोनों प्रतिनिधियों ने दस्तावेज कर

16 فروری کو پیکنگ کے ایک سندر ہال میں دو پرتگیزی مڈل مل رہے تھے. شاید اُس دن دنیا کے دوسرے ہالوں میں بھی پرتگیزی ملے ہوں! پر ان پرتگیزیوں کی روپ ریکھا برائی تھی، دوسرے پرتگیزی مڈل سے بالکل الگ، یہ سرکار کے نمائندے نہیں تھے، یہ جنگی آواز تھے. انہیں کوئی فکری نہیں آتی تھی، یہ تو کھول پریم بہار کے ایک تھک تھک. چرچل آئزن ہاور بھی ملے تھے، ایڈن اور فائس بھی ملے تھے، یونو میں روز ہی پرتگیزی مڈل ملتے رہتے تھے۔ دوسرے پرتگیزی مڈل شاید سمسائیں پیدا کیا کرتے تھے، جھگڑوں کو ہوا دیا کرتے تھے۔۔۔۔۔ پر یہ پرتگیزی شانتی سے بڑھ کر چھڑنے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ یہاں بات اس بات سے شروع نہیں ہوئی کہ کون کس کا دشمن ہے، کس نے کس کے ساتھ زیادتی کی. یہ گزری ہوئی بات تھی اور گزری ہوئی باتوں پر خراب کرنے کے لئے ان کے پاس سے نہیں تھا. ان کے پاس سمسائیں تھیں، صلح کی اچھا تھی، پریم کا ادھار تھا، وشواس تھا اور سامنے خوبصورت ہوشیہ ناچ رہا تھا.

بہت سے جاہلی چین میں دھتے ہیں. ان لوگوں کو واپس جانے کی سمسائیں پر غور کرنے کے لئے جاپان ریڈکراس سوسائٹی، جاپان شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے نمائندے چین آئے تھے، چین ریڈکراس سوسائٹی، چین شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے پرتگیزیوں نے ان کا سواکت کیا. جاپان ریڈکراس سوسائٹی کے شری شما زو نے کہا—”ہماری بات چیت کی سہولت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ شانتی، دوستی اور سچے مانو پریم نے ادھار پر ہر طرح کی کٹھناں پر قابو لایا جاسکتا ہے“.

”شہیدوں کی مجسروں پر جڑیں ہر برس مہلے بٹن پہ مرنے والوں کا یہی باکلی نیشاں ہوگا۔“

شانتی آندولن کا چمٹکار

بہت سے جاہلی چین میں دھتے ہیں. ان لوگوں کو واپس جانے کی سمسائیں پر غور کرنے کے لئے جاپان ریڈکراس سوسائٹی، جاپان شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے نمائندے چین آئے تھے، چین ریڈکراس سوسائٹی، چین شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے پرتگیزیوں نے ان کا سواکت کیا. جاپان ریڈکراس سوسائٹی کے شری شما زو نے کہا—”ہماری بات چیت کی سہولت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ شانتی، دوستی اور سچے مانو پریم نے ادھار پر ہر طرح کی کٹھناں پر قابو لایا جاسکتا ہے“.

بہت سے جاہلی چین میں دھتے ہیں. ان لوگوں کو واپس جانے کی سمسائیں پر غور کرنے کے لئے جاپان ریڈکراس سوسائٹی، جاپان شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے نمائندے چین آئے تھے، چین ریڈکراس سوسائٹی، چین شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے پرتگیزیوں نے ان کا سواکت کیا. جاپان ریڈکراس سوسائٹی کے شری شما زو نے کہا—”ہماری بات چیت کی سہولت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ شانتی، دوستی اور سچے مانو پریم نے ادھار پر ہر طرح کی کٹھناں پر قابو لایا جاسکتا ہے“.

بہت سے جاہلی چین میں دھتے ہیں. ان لوگوں کو واپس جانے کی سمسائیں پر غور کرنے کے لئے جاپان ریڈکراس سوسائٹی، جاپان شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے نمائندے چین آئے تھے، چین ریڈکراس سوسائٹی، چین شانتی کمیٹی اور چین جاپان میٹری سنگھ کے پرتگیزیوں نے ان کا سواکت کیا. جاپان ریڈکراس سوسائٹی کے شری شما زو نے کہا—”ہماری بات چیت کی سہولت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ شانتی، دوستی اور سچے مانو پریم نے ادھار پر ہر طرح کی کٹھناں پر قابو لایا جاسکتا ہے“.

प्रवासी की डायरी

इसफाल की खमीन पर क्रयम रखते ही बीती यावें ताखा हो जाती हैं. संघर्ष की, धान्दोलन की, त्याग की तस्वीरों का एक अटूट तांत बंध जाता है. कमी मनुष्य सिहर उठता है, जिसमें कंपन पैदा होता है और कमी उतसाह ज्वाल होता है, डारस बंधती है, कानों में "करो या मरो" का नारा गूँज उठता है. और इन्हीं चित्रों के बीच घूमते घूमते एक जगह विचार आकर रुक जाते हैं. आखिरी दृष्टी है—वन्हें जिन्होंने देश से बहुत दूर आजादी का मंडा लहराया था, जिन्होंने गुलामी की मक्खन रोटी से आजादी की धास को बेहतर समझा था. जिन्होंने दिल्ली पहुँचने की शपथ ली थी, जिन्होंने मात्र भूमि पर अपना अधिकार जमाने के लिये तन मन धन की काफ़ी लगा दी थी. वह बीर दिल्ली नहीं पहुँचे पर इसफाल जरूर आए थे. देश को वह आजाद नहीं देख सके पर आजादी के पौधे को वह अपने खून से जरूर सींच गए. इसफाल में उस समय फिलिपी खुशियां मनाई गई होंगी, कैसा मुहाना समां बंधा होगा जब आजाद हिन्द फौज के सिपाहियों ने "आजाद हिन्द" का मंडा पहली बार लहराया होगा—पर यह सब यादें हैं, मुलाई हुई बातें !

इसफाल में उनकी यादगार होनी चाहिये थी, हमारे देश भक्तों की समाधि होनी चाहिये थी. ...पर यहां मामला उल्टा है, यहां उलटी गंगा बहती है, जो अंगरेजों के साथी थे, जिन्होंने देश भक्तों पर गोली चलाई थी उनका आदर है, मान है, उनकी समाधि है. और देश भक्तों को ! याद के किसी कोने में मरोड़ कर डाल दिया गया.

इसफाल की सिमेटरी को देख कर एक बारगी मन बोझिल हो जाता है, विमारा चकराने लगता है. बकायक खवाल उठता है—यहां राज किसका है—भारत वालों का या अंगरेजों का. अंगरेज के नमस्कारों की समाधि पर हफ्तों खप खरब होते हैं, भारत सरकार कुल खरब का इस की सदी खुद खावा करती है.पर आजाद हिन्द के सिपाहियों ने कौन सी खता की है कि उनकी समाधि नहीं है, उनके कारनामों की याद की जरूरत नहीं है. शायद वह अंगरेज के बारी थे और बसियों को सम्मान देना साम्राज्यवादी की रानी को नाखुश करना होगा !!

देश हमारा, धन हमारा, आदमी हमारे पर सिमेटरी के प्रश्न पर हमारा कोई अधिकार नहीं, कोई ज़ुबान

پرواسی کی ڈائری

اسفہال کی زمین پر قدم رکھتے ہی بیٹی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں. ملکپرہی کی 'اندولن کی' تھاک کی تصویریں کا ایک اثر لٹکا ہلکا جاتا ہے. کہیں ملکپرہی سہر اٹھتا ہے 'جسم میں کہیں پیدا ہوتا ہے اور کہیں آنسو اٹھتا ہوتا ہے' دھارس بندھتی ہے 'کاس میں "کرو یا مرو" کا نعرہ گونج اٹھتا ہے. اور انہیں چتروں کے بیچ گھومتے گھومتے ایک جگہ وچار آکر رک جاتے ہیں. انکھیں دھونڈھتی ہیں—انہیں جلیوں نے دیش سے بہت دور آزادی کا چھلکا لہرایا تھا 'جلیوں نے غلامی کی مکھن روٹی سے آزادی کی گھاس کو بہتر سمجھا تھا. جلیوں نے دلی پہنچنے کی شہتہ لی تھی 'جلیوں نے مائر بہرہی پر لہلا اندھکار جمائے کے لئے تن من دھن کی بازی لگائی تھی. وہ ویر دلی نہیں پہنچے پر اسفہال ضرور آئے تھے. دیش کو وہ آزاد نہیں دیکھ سکے پر آزادی کے پردے کو وہ اپنے خون سے ضرور سلج گئے. اسفہال میں اس سم قلعی خوشیاں ملانی گئی ہونگی 'تھسا سہانا سماں بدلھا ہوگا جب آزاد ہند لوچ کے سپاہیوں نے "آزاد ہند" کا چھلکا پہلی بار لہرایا ہوگا—پر یہ سب یادیں ہیں 'بھلائی ہوئی باتیں !

اسفہال میں ان کی یادگار ہونی چاہئے تھی 'ہمارے دیش بھکتوں کی سادھی ہونی چاہئے تھی.....پر یہاں معاملہ الٹا ہے 'یہاں اتنی قلکا بھتی ہے. جو انگریزوں کے ساتھی تھے 'جلیوں نے دیش بھکتوں پر گولی چلائی تھی ان کا آدر ہے 'مان ہے 'ان کی سادھی ہے. اور دیش بھکتوں کو ! یاد کے کسی کونے میں مروڑ کر ڈال دیا گیا.

اسفہال کی سیمٹری کو دیکھ کر ایک بارگی من بوجھل ہو جاتا ہے 'دماغ چکرائے لگتا ہے. یکایک سوال اٹھتا ہے— یہاں راج کس کا ہے—بھارت والوں کا یا انگریزوں کا. انگریز کے نمکھڑوں کی سادھی پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں 'بھارت سرکار کل خرچ کا دس فی صدی خود ادا کرتی ہے... پر آزاد ہند کے سپاہیوں نے کونسی خطا کی ہے کہ ان کی سادھی نہیں ہے 'ان کے کارناموں کی یاد کی ضرورت نہیں ہے. شاید وہ انگریز کے ہائی تھے اور بلخوں کو سماں دینا کس لئے کی 'وہی کو ناخوش کرنا ہوتا !!

دیش ہمارا 'دھن ہمارا 'آدھی ہمارے پرسونہ کی ہے پر ہند پر ہمارا کوئی اختیار نہیں 'کوئی انکھ

بغیر کسی شک و شبہ کے کہ اس میں سب سے پہلے اس کے لیے جگہ نہیں ہے تو کیا پورا ملک کے لیے جگہ ہے۔ ان کو تو جلتا کا حوصلہ بڑھانا چاہیے کہ وہ 'مٹھا کر' سچے مٹھا کر کے لگے ہمیشہ دل جان سے تیار رہے۔

آج کے دور کے سب سے پہلے کے سب سے پہلے میں ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے یہ قدم مجبور ہو کر لا چاہی کی حالت میں اٹھایا۔ ان کا یہ قدم سرکار کی اپرواہی کا نتیجہ ہے نہ کہ ان کی اپنی بے چینی کا۔ یہ سوال یہ ہے کہ ان کے آگے دوسرا راستہ تھا ہی کیا؟ لکھا ہو ہی چلتا ہو رہتا ہو وہ کافی کر چکر اور کوئی راستہ نہ دیکھ کر انہوں نے ان میں شروع کیا یا یہ اٹل قدم اٹھایا۔ انہوں نے یہ ہوا اچھا کیا کہ پنجاب کے ادھیان کی طرح ان پر دھن والوں نے مکمل ہرنال نہیں کی اور اچھے کام پر قیام دیا۔ اس سے ان نے نیک اداؤں کا پتہ چلتا ہے۔

سرکار کا فرض

اوپر کی تفصیل سے ہر کوئی محسوس کر سکتا ہے کہ ادھیان کی جو باتیں دہی میں وہ 'انسانیت' ایمان اور انصاف کی باتیں ہیں اور ان کے ملوانے کے لئے جو قدم اٹھایا گیا وہ سرکار کو خوددار کو دینے کے لئے۔ سرکار کا فرض ہے کہ انصاف ہی ان باتوں پر انصاف سے سچے انصاف سے فیصلہ دے اور ان پر انصاف سے چلے اور دوسروں کو چلوائے۔ ہم یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ سرکار کے پاس ہوسے نہیں ہے۔ دام پور، بنارس یا دہلی نال میں سرکار کا لالچ چلے کر ہزاروں روپیہ سواہا کر سکتی ہے جب وہ دہلی پر موجود رہتی یا فالتو کے کارخانے کھول کر لائیں روپیہ برباد کر سکتی ہے اور جب پختہ پختہ کے شہدوں میں "بڑے بڑے پر اندر سے ٹھونکنے" وہاں جیسے پلاننگ، پلاننگ اور سپرگ وغیرہ کی من چلی ہو جلاؤں میں کروڑوں روپیہ بھونک سکتی ہے۔ تو دیہات کے (سکولوں میں پڑھانے والے ادھیان کے لئے تعلقہ دیہات کا انتظام نہیں کر سکتی؟ کر سکتی ہے۔ دل کی ضرورت ہے، دل چاہئے۔

آخر میں ہماری مرضی ہے کہ سرکار کو چاہئے کہ تعلیم یا شکر کو سولہویں بلانے اور دیہاتی دستکاری کے طریقہ تعلیم ہی جائے۔ اس کے لئے سرکار کو اپنی ادھیان ہوتی ہو نہ ہوتی ہو یہی تعلیم وغیرہ کو بدل کر سولہویں اور وکیلہ کیوں کے راستے پر لانا ہوگا۔ اور ایسا کرنے میں اسے نام کے لوگ لہان کار یا دیہاتی راج کی جگہ سچے مانو ہتکاری یا سرورہ آدھی کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ اگر اس طرف سرکار چلتی ہے تو ہمت دیکھنے کو لیا ادھیان اور کیا چلتا ہے اس کا ساتھ دیں گے۔

سرکار کا فرض

اوپر کی تفصیل سے ہر کوئی محسوس کر سکتا ہے کہ ادھیان کی جو باتیں دہی میں وہ 'انسانیت' ایمان اور انصاف کی باتیں ہیں اور ان کے ملوانے کے لئے جو قدم اٹھایا گیا وہ سرکار کو خوددار کو دینے کے لئے۔ سرکار کا فرض ہے کہ انصاف ہی ان باتوں پر انصاف سے سچے انصاف سے فیصلہ دے اور ان پر انصاف سے چلے اور دوسروں کو چلوائے۔ ہم یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ سرکار کے پاس ہوسے نہیں ہے۔ دام پور، بنارس یا دہلی نال میں سرکار کا لالچ چلے کر ہزاروں روپیہ سواہا کر سکتی ہے جب وہ دہلی پر موجود رہتی یا فالتو کے کارخانے کھول کر لائیں روپیہ برباد کر سکتی ہے اور جب پختہ پختہ کے شہدوں میں "بڑے بڑے پر اندر سے ٹھونکنے" وہاں جیسے پلاننگ، پلاننگ اور سپرگ وغیرہ کی من چلی ہو جلاؤں میں کروڑوں روپیہ بھونک سکتی ہے۔ تو دیہات کے (سکولوں میں پڑھانے والے ادھیان کے لئے تعلقہ دیہات کا انتظام نہیں کر سکتی؟ کر سکتی ہے۔ دل کی ضرورت ہے، دل چاہئے۔

آخر میں ہماری مرضی ہے کہ سرکار کو چاہئے کہ تعلیم یا شکر کو سولہویں بلانے اور دیہاتی دستکاری کے طریقہ تعلیم ہی جائے۔ اس کے لئے سرکار کو اپنی ادھیان ہوتی ہو نہ ہوتی ہو یہی تعلیم وغیرہ کو بدل کر سولہویں اور وکیلہ کیوں کے راستے پر لانا ہوگا۔ اور ایسا کرنے میں اسے نام کے لوگ لہان کار یا دیہاتی راج کی جگہ سچے مانو ہتکاری یا سرورہ آدھی کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ اگر اس طرف سرکار چلتی ہے تو ہمت دیکھنے کو لیا ادھیان اور کیا چلتا ہے اس کا ساتھ دیں گے۔

—سرخ رام بھائی

—سرخ رام بھائی

کے جیسے کام تو سہی بناتے تھے۔ اور، کبھی کبھی کہیں
کون سا کونسا کونسا کے پاس کیتنا ہے کیتنا نہیں اور کون
کے مंत्री کی مقرر یہ चुनाव میں कांग्रेस کو جیتانے پر۔

اس طرح चुनाव کال کا کامیابی کا آج کل ہمارے
کونسا کونسا کو مقرر پڑ رہا ہے۔

کدام سہی یا رات

اب سوال یہ ہے کہ ادھاپکوں نے جو یہ ان میں کیا
یا ادھاپک ملنے کے فیصلے کے انصار اب جو سہا
چل رہا ہے وہ مصمم ہے یا غلط۔ پردیس کے مکہ ملتوی
نے اسے بھجوا دیا تھا اور نئے مکہ ملتوی نے رات
پتا کی دھائی دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ تو ایسا کام نہیں
نہیں کرتے اور ضرور غلط نہ ہوتے۔ شکھا ملتوی نے یہ
بھی دھمکی دی کہ اگر ادھاپک کام پر نہیں آتے تو اسی
تلفظ پر نئے آدمی بدلتی کر لگے جائیں گے۔ ادھر ہمیں
یہ بھی پتہ چل گیا ہے—نہاں تک مصمم ہے ہم نہیں کہ
سکتے—کہ سرکار نے ضلع مستشرقین کو لکھا ہے
کہ جو پتواری استعفیوں دے دیئے ہیں ان کی جگہ ادھاپکوں
کو پتواری بنا دو !!

اگر پردیس کے شکھا ملتوی نے جس قدر داری کا
اظہار ادھاپکوں کے معاملے میں کیا ہے اس سے بہتوں کو
شہ ہے کہ مکہ ملتوی کی یہ پسند نہاں تک تھیک
یا کارگر تھی۔ پر ہمارا تو صرف یہ کہنا ہے کہ شکھا ملتوی
کو رات پتا کی دھائی دینا اچھا نہیں لگتا۔ رات پتا
کے نام لہنے کے پہلے ہمارے دستوروں کو بلند رہا باغ کی
کوٹھیں، فورق یا استیغ پرکھ کی ولایتی موٹوں اور کانپور
کے رئیسوں کے آرام گاہوں میں بہت کم دینا چھوڑا ہوا۔
شکھا ملتوی کو مل شکھا ملتوی کی کسی پر ہوتھانہ
جائے سے باہر کے نام پر کسی کو پھانسی کے ادھاپکوں نہیں
بن جاتے۔ ہم اس سلسلہ میں زیادہ نہ کہہ کر شکھا
ملتوی سے پر رات پتا کی دھائی دینا راجندر بابو کا
17 جنوری 1953 کو گاندھین سمندر میں نئی دلی میں
دیا ہوا بھاشن دھان سے پڑھیں اور ملن کریں۔ اس میں
رات پتا کی نے کہا ہے کہ بھارت سرکار نے گندھی جی کے
کہا آرٹیکل، کیا راج کاجی، کسی کاویہ کرم کو نہیں اٹھایا
اور اس لئے وہ (راجندر بابو) بابو کا نام لہنے لائق ہے
کو نہیں سمجھتے۔ یہاں رات پتا کی نے یہ نمر اور سچی
باسی اور کہاں اگر پردیس کے شکھا ملتوی کی یہ اگر
اور دھمکی !!

اگر پردیس کے مکہ ملتوی اکثر کرتے ہیں کہ
ہر جا لکھ میں سہا کے لئے لکھ جگہ نہیں ہے۔ معجب
ہے کہ یہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ اور بزرگ لکھ ایسی
بات لکھتے ہیں۔ کوٹھانہ لکھ کے ہمارا کہنا ہے کہ اگر
سہا کے لئے لکھ میں سہا کے لئے لکھ ہے تو ہمیں ہر جا
اس کی جگہ ہے وہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ نہیں ہے۔

قدم مصمم یا غلط

اگر پردیس کے مکہ ملتوی اکثر کرتے ہیں کہ
ہر جا لکھ میں سہا کے لئے لکھ جگہ نہیں ہے۔ معجب
ہے کہ یہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ اور بزرگ لکھ ایسی
بات لکھتے ہیں۔ کوٹھانہ لکھ کے ہمارا کہنا ہے کہ اگر
سہا کے لئے لکھ میں سہا کے لئے لکھ ہے تو ہمیں ہر جا
اس کی جگہ ہے وہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ نہیں ہے۔

اگر پردیس کے مکہ ملتوی اکثر کرتے ہیں کہ
ہر جا لکھ میں سہا کے لئے لکھ جگہ نہیں ہے۔ معجب
ہے کہ یہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ اور بزرگ لکھ ایسی
بات لکھتے ہیں۔ کوٹھانہ لکھ کے ہمارا کہنا ہے کہ اگر
سہا کے لئے لکھ میں سہا کے لئے لکھ ہے تو ہمیں ہر جا
اس کی جگہ ہے وہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ نہیں ہے۔

اگر پردیس کے مکہ ملتوی اکثر کرتے ہیں کہ
ہر جا لکھ میں سہا کے لئے لکھ جگہ نہیں ہے۔ معجب
ہے کہ یہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ اور بزرگ لکھ ایسی
بات لکھتے ہیں۔ کوٹھانہ لکھ کے ہمارا کہنا ہے کہ اگر
سہا کے لئے لکھ میں سہا کے لئے لکھ ہے تو ہمیں ہر جا
اس کی جگہ ہے وہ لکھ میں سہا کے لئے لکھ نہیں ہے۔

نے گاؤں کا مہسوس ایک رپٹا مانگا۔ بےچارے अध्यापक کے پاس رپٹا کہاں تھا، گاؤں روک لے گیا۔ پھر کبھی سے ہاتھ پیر جوڑ کر ایک رپٹا اٹھا کر آیا، تب گاؤں ملتی ملی اور اس کے باوجود وہ شہر کی ہڈی بڑھ کر نکلنے لگا !

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ادھیپکوں کی تمام مانگیں ٹھیک نہیں ہوتی۔ یہ مانگیں کھولے انصاف چاہتی ہیں اور کسی بھی انصاف پسند حکومت یا سرکار کو ان پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ انہیں خوشی ہونی چاہئے کہ ادھیپک ورگ جگا ہوا ہے اور اپنی ذمہ داری سمجھ سکتا ہے۔

یہ مصیبت کھوں؟

ہر ایک کو خیال پھلا ہوگا کہ جب قیلا-بوائے अध्यापकों کو تنخواہ نہیں دے سکتے تو انہیں ادھیپک رکھ کر اسکول بڑھائے گئے۔ کہا ضلع بورڈوں کے سہایتی یا مفتری کو اپنے بھرت و فہرہ کا کوئی انداز نہیں تھا؟ اس سمجھد میں ہمیں جو جادواری اودہ کے ایک ضلع سے ملی ہے وہ یہ ہے: نومبر دسمبر 1951 میں چٹاؤ کا بول بالا تھا اور کانگریس انہیں جھٹلے کے لئے پوری طاقت جگا رہی تھی۔ یہاں پر ضلع بورڈوں نے سہایتی کانگریسی تھے، سرکار کے نامزد تھے۔ یہی نہیں، ان میں سے کچھ، تو خود بھی اسمبلی کونسل یا پارلیامنٹ کی ممبری کے لئے امیدوار تھے۔ اس لئے ضرورت پڑی گاؤں گاؤں گھوم کر اسے بچھ دے کر روک پکڑنے والوں کی۔ لہذا یہ ہوا کہ جو کوئی بھی اچھا بولنے والا ملا اور وہ مقال پاس ہوا تو اس سے کہہ دیا کہ 'چٹاؤ میں کام کرو' ادھیپک بڈاؤ لگے۔ اس طرح انٹر ضلع بورڈوں کی ساوی مشورہ کانگریس کی طرف سے چٹاؤ میں پھر دی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر دسمبر جنوری فروری (1951-52) انٹر اسکولوں میں گئی گئی دن دن مذمتوں تک پڑھانے والے ماسٹروں کا پتہ ہی نہ ہوا۔ چٹاؤ کی گرمی میں نہ حکو مت کو، نہ کانگریس کو، نہ ضلع بورڈ کے افسروں کو کچھ دھیان ہی رہا کہ اسکولوں کی کیا گت ہونے جا رہی ہے۔

یہ جو نئے نئے چٹاؤ ایجنٹ رکھے گئے ان کی تنخواہ چٹاؤ کے دوران کی، یعنی نومبر، دسمبر، جنوری کی نو دے دی گئی۔ پھر ایک بعد—جب کانگریس اکثریت سے اسمبلی پارلیامنٹ میں آگئی—جو سستی آئی اس میں کہاں ضلع بورڈ اور کہاں بےچارے ادھیپک! ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بورڈ کا پورا پورا پدمت خرچ بورڈ کا مفتری کرتا ہے، لیکن ماسٹروں کی تنخواہ کے بل ذمہ اتھوکتھوکتے اسکول نام کے پداذیکاری کیا کرتے ہیں ان کے پاس جب نومبر-دسمبر 1951 جنوری 1952 میں अध्यापकों

نے گاؤں کا مہسوس ایک روپٹہ مانگا۔ بےچارے ادھیپک کے پاس روپٹہ کہاں تھا؟ گاؤں روک لے گئی۔ یہ کہیں سے ہاتھ پیر جوڑ کر ایک روپٹہ ادھار لے کر آیا، تب گاؤں ملی اور اس کے بعد وہ شہر کی حد چھوڑ کر نزدیک کے گاؤں میں جا کر رہنے لگا !

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ادھیپکوں کی تمام مانگیں ٹھیک ہیں۔ یہ مانگیں کھولے انصاف چاہتی ہیں اور کسی بھی انصاف پسند حکومت یا سرکار کو ان پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ انہیں خوشی ہونی چاہئے کہ ادھیپک ورگ جگا ہوا ہے اور اپنی ذمہ داری سمجھ سکتا ہے۔

یہ مصیبت کھوں؟

ہر ایک کو خیال پھلا ہوگا کہ جب ضلع بورڈ ادھیپکوں کو تنخواہ نہیں دے سکتے تو انہیں ادھیپک رکھ کر اسکول بڑھائے گئے۔ کہا ضلع بورڈوں کے سہایتی یا مفتری کو اپنے بھرت و فہرہ کا کوئی انداز نہیں تھا؟ اس سمجھد میں ہمیں جو جادواری اودہ کے ایک ضلع سے ملی ہے وہ یہ ہے: نومبر دسمبر 1951 میں چٹاؤ کا بول بالا تھا اور کانگریس انہیں جھٹلے کے لئے پوری طاقت جگا رہی تھی۔ یہاں پر ضلع بورڈوں نے سہایتی کانگریسی تھے، سرکار کے نامزد تھے۔ یہی نہیں، ان میں سے کچھ، تو خود بھی اسمبلی کونسل یا پارلیامنٹ کی ممبری کے لئے امیدوار تھے۔ اس لئے ضرورت پڑی گاؤں گاؤں گھوم کر اسے بچھ دے کر روک پکڑنے والوں کی۔ لہذا یہ ہوا کہ جو کوئی بھی اچھا بولنے والا ملا اور وہ مقال پاس ہوا تو اس سے کہہ دیا کہ 'چٹاؤ میں کام کرو' ادھیپک بڈاؤ لگے۔ اس طرح انٹر ضلع بورڈوں کی ساوی مشورہ کانگریس کی طرف سے چٹاؤ میں پھر دی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر دسمبر جنوری فروری (1951-52) انٹر اسکولوں میں گئی گئی دن دن مذمتوں تک پڑھانے والے ماسٹروں کا پتہ ہی نہ ہوا۔ چٹاؤ کی گرمی میں نہ حکو مت کو، نہ کانگریس کو، نہ ضلع بورڈ کے افسروں کو کچھ دھیان ہی رہا کہ اسکولوں کی کیا گت ہونے جا رہی ہے۔

یہ جو نئے نئے چٹاؤ ایجنٹ رکھے گئے ان کی تنخواہ چٹاؤ کے دوران کی، یعنی نومبر، دسمبر، جنوری کی نو دے دی گئی۔ پھر ایک بعد—جب کانگریس اکثریت سے اسمبلی پارلیامنٹ میں آگئی—جو سستی آئی اس میں کہاں ضلع بورڈ اور کہاں بےچارے ادھیپک! ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بورڈ کا پورا پورا پدمت خرچ بورڈ کا مفتری کرتا ہے، لیکن ماسٹروں کی تنخواہ کے بل ذمہ اتھوکتھوکتے اسکول نام کے پداذیکاری کیا کرتے ہیں ان کے پاس جب نومبر-دسمبر 1951 جنوری 1952 میں अध्यापकों

کراس کر سلسلہ کے مینسٹر نے جو کچھ ہتھیار کیا (جس کی بچاؤ ہم جانے کرے) اس سے پتا چلتا تھا کہ سرکار کی انتہاؤں کے دیت کا رسی سر بھی لکھا نہیں ہے۔ مگر ہر کر انتہاؤں نے بڑے پیمانے پر سلسلہ شروع کیا۔ وہ 12-15-20 کے جتنے بنا کر آتے ہیں اور گرتا کر لکھے جاتے ہیں۔ یہی آج چل رہا ہے۔

انتہاؤں کی مانگ

اوپر دیے ہتھیار سے ساک ہو جاتا ہے کہ ہمارے انتہاؤں کی مانگ کھول توں ہوں :

(1) 1949 کی سلسلے کے अनुसार انکی تکرار و سلسلہ ہتھے دئے جائیں۔

(2) جو انکی پیکر تکرار باکی ہے وہ سب چکا دی جائے۔

(3) آگے ہر مہینے کی تکرار مہینہ ختم ہونے پر سلسلہ ملتی رہا کرے۔

ان میں سے پہلی مانگ یہی ہے جو چار برس پہلے خود پر دیکھ کر لے طے کی تھی۔ لوکل باقی پے کھیتی کے انوسار ضلع بورڈ کے ہر کمرچاری کو تکرار مل رہی ہے سوائے انتہاؤں کے ! اس لئے انتہاؤں کا یہ کہنا کہ ہمیں بھی اسی کھیتی کے فاصلے کے مطابق تکرار ملے کسی طرح قلم نہیں لیا جاسکتا۔ اگر اس سلسلہ میں سرکار یہ کہہ کہ ضلع بورڈوں کا یہ ”نچی“ معاملہ ہے اور ہم دخل نہیں دیکھتے تو یہ ویسا ہی ہوا جیسے کوئی پتا کہ دے کہ بچے کے پالنے خرچ کی پوری ذمہ داری ماں کی ہے کھولتے وہ اسی کے ہمت سے جلتا ہے !

دوسری تیسری مانگوں سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے ضلع بورڈوں کی حالت ”تھوڑا چلتا ہوا“ جیسی ہو رہی ہے۔ پر دیکھ کر لے لوکل سلیف ڈورنمنٹ ویاہ کی 1951-52 کی جو رپورٹ نکلتی ہے اس میں ضلع بورڈوں کے کام کی ترقی کی گئی ہے اور خاص کر اس بات پر کہ اسکولوں کی تعداد 26, 671 سے 27, 951 ہو گئی اور ضلع بورڈوں نے 2, 266 نجی یا پرائیویٹ اسکولوں کو بھی مدد دی ! کہاں یہ تعریف اور کہاں انتہاؤں کے بال بچوں کا ادھار ہمت ہوئے دھنا ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پرنسپل ضلع میں حال ہی میں مارچ 1952 سے اکتوبر 1952 تک کی تکرار دی گئی ہے اور پوری کی نہیں۔ وہاں کم افراد ہیں کہ پوری کی تکرار لول کوئی جانوگی ! والٹر ہائی ضلع میں بھی مارچ سے اکتوبر کا ایک ہفتہ نہیں دیا گیا۔ وہاں نے ایک انتہاؤں کا قصہ ہمیں معلوم ہے۔ اس نے پاس کھلتے ہوئے کہہ نہ دیا تو اس نے اپنی سرکار سے ایک لکھی لکھی۔ ضلع کی حد پر چلتی دلائیں

لوکل باقی پے کھیتی کے انوسار ضلع بورڈ کے ہر کمرچاری کو تکرار مل رہی ہے سوائے انتہاؤں کے ! اس لئے انتہاؤں کا یہ کہنا کہ ہمیں بھی اسی کھیتی کے فاصلے کے مطابق تکرار ملے کسی طرح قلم نہیں لیا جاسکتا۔ اگر اس سلسلہ میں سرکار یہ کہہ کہ ضلع بورڈوں کا یہ ”نچی“ معاملہ ہے اور ہم دخل نہیں دیکھتے تو یہ ویسا ہی ہوا جیسے کوئی پتا کہ دے کہ بچے کے پالنے خرچ کی پوری ذمہ داری ماں کی ہے کھولتے وہ اسی کے ہمت سے جلتا ہے !

انتہاؤں کی مانگ

اوپر دیے ہوئے ہتھیار سے صاف ہو جاتا ہے کہ ہمارے انتہاؤں کی مانگ کھول توں ہوں :

(1) 1949 کی سوسٹی کے انوسار ان کی تکرار و سلسلہ ہتھے دئے جائیں۔

(2) جو ان کی پیکر تکرار باقی ہے وہ سب چکا دی جائے۔

(3) آگے ہر مہینے کی تکرار مہینہ ختم ہونے پر سلسلہ ملتی رہا کرے۔

ان میں سے پہلی مانگ یہی ہے جو چار برس پہلے خود پر دیکھ کر لے طے کی تھی۔ لوکل باقی پے کھیتی کے انوسار ضلع بورڈ کے ہر کمرچاری کو تکرار مل رہی ہے سوائے انتہاؤں کے ! اس لئے انتہاؤں کا یہ کہنا کہ ہمیں بھی اسی کھیتی کے فاصلے کے مطابق تکرار ملے کسی طرح قلم نہیں لیا جاسکتا۔ اگر اس سلسلہ میں سرکار یہ کہہ کہ ضلع بورڈوں کا یہ ”نچی“ معاملہ ہے اور ہم دخل نہیں دیکھتے تو یہ ویسا ہی ہوا جیسے کوئی پتا کہ دے کہ بچے کے پالنے خرچ کی پوری ذمہ داری ماں کی ہے کھولتے وہ اسی کے ہمت سے جلتا ہے !

دوسری تیسری مانگوں سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے ضلع بورڈوں کی حالت ”تھوڑا چلتا ہوا“ جیسی ہو رہی ہے۔ پر دیکھ کر لے لوکل سلیف ڈورنمنٹ ویاہ کی 1951-52 کی جو رپورٹ نکلتی ہے اس میں ضلع بورڈوں کے کام کی ترقی کی گئی ہے اور خاص کر اس بات پر کہ اسکولوں کی تعداد 26, 671 سے 27, 951 ہو گئی اور ضلع بورڈوں نے 2, 266 نجی یا پرائیویٹ اسکولوں کو بھی مدد دی ! کہاں یہ تعریف اور کہاں انتہاؤں کے بال بچوں کا ادھار ہمت ہوئے دھنا ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پرنسپل ضلع میں حال ہی میں مارچ 1952 سے اکتوبر 1952 تک کی تکرار دی گئی ہے اور پوری کی نہیں۔ وہاں کم افراد ہیں کہ پوری کی تکرار لول کوئی جانوگی ! والٹر ہائی ضلع میں بھی مارچ سے اکتوبر کا ایک ہفتہ نہیں دیا گیا۔ وہاں نے ایک انتہاؤں کا قصہ ہمیں معلوم ہے۔ اس نے پاس کھلتے ہوئے کہہ نہ دیا تو اس نے اپنی سرکار سے ایک لکھی لکھی۔ ضلع کی حد پر چلتی دلائیں

کون کون سے प्रदेशوں میں کیا سرکار ہے، ہم یہی دیتے ہیں :

پنجاب کی سرکار	35-4-2-75-5-2-80
مध्य प्रदेश	30-1-40-2-60
مध्य भारत	40-5-70
ہریانہ	65-3-95-4-115
پنجاب	50-3-80-4-100
دہلی	55-3-85-4-125-5-130

کہیں کہیں جیسے دہلی اور مध्य प्रदेश میں سرکاروں کو پانچ اور پندرہ روپے کے بجائے ہر ماہ مکان بھی دیا جاتا ہے ۔

جب گھنٹہ دس سےر کا تھا اور پی سب سےر کا تھا پھر پندرہ کے سرکار کے لیے 25 روپے بھی کم نہیں تھے۔ پھر سرکار کا گاڑی و ساج میں آدہ تھا ۔ اس لیے خاص سرکاروں پر دیکھنے کے طور پر بھی دیکھتے تھے کہ یہ کچھ لے آتا تھا۔ لیکن جب ان کے گھر کو سات یا دو گنا اور آدہ یا تو غالب یا ڈھائی تھیں چھٹانک پر آ گئے وہ دیکھنا ملتا آدہ سے بعد ہوئی اور گھر کا خرچ پورا ہونا آدہ سے بعد ہوا ۔ اس لیے سرکار پریشان ہو کر ہمارے آدہ ہائیں نے 1949 میں ہرنال کی ۔

یہ ہرنال جس میں پندرہ کے سبھی 'چالرس ہزار کے ایک ہیک' آدہ ہائیک شریک تھے بہت سہل ہوئی اور سرکار نے یہ طے کیا کہ لوکل باڈیز کے کمیٹی (Local Bodies' Pay Committee) کے سرکار کے آدہ ہائیکوں کو دیکھنا و مہلتا وغیرہ دی جائے۔ یہ یہ فہرست کاغذ پر ہی رہ گئی اور جب ضلع بورڈوں کے چارج میں اسکول آئے تو ان میں سے زیادہ تر آدہ مانگ سے نکلائے ۔ جنہوں نے مانا بھی ان میں سے کچھ کہیں دیکھتے تھے اور کہیں نہیں۔ مطلب یہ کہ خوب من مانی چلتی تھی اور آدہ ہائیکوں کے دیکھ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ اس لیے انہوں نے اپنی مصیبتوں سرکار کے آدہ ہائیں کہیں لیکن کوئی سہولتی نہیں ہوئی۔ بار بار مانگ بھی کی گئی پر سرکار کی طرف سے ہاں میں ہو کر رہ جاتی اور بات ٹل جاتی۔ اس لیے اس بار آدہ ہائیکوں نے زیادہ سمجھ بوجھ کر اور تھوس قدم اٹھایا ۔

وہ آدہ ایسے اسکولوں میں برابر پڑھاتے تھے لیکن کلمہ چلے پڑتی تھیں نے سارے آدہ ہائیکوں کی طرف سے قربانی کے لیے دھاندلی طے کی اور آدہ ہائیں ان میں نہیں کی گئیں میں شروع کیا ۔ ان میں کرنے والے دو تین روز بعد اسپتال بھیجے جاتے تھے 'ان کے اندر زبردستی ضرورت پونجائی جاتے تھے اور پھر سرکار نے ایجاد کیا کہ جس جگہ یہ آدہ ہائیں کڑھتے تھے وہاں مٹائی ہے ۔ اس لیے گرفتاریاں شروع ہو گئیں ۔ ساتھ ہی ساتھ اسپتال و کونسل میں سرکاری جانچیں

... کے ...

35-4-2-75-5-280	پنجاب کی سرکار
30-1-40-2-60	مध्य प्रदेश
40-5-70	مध्य भारत
65-3-95-4-115	ہریانہ
50-3-80-4-100	پنجاب
55-3-85-4-125-5-130	دہلی

کہیں کہیں جس میں پندرہ کے سبھی 'چالرس ہزار کے ایک ہیک' آدہ ہائیک شریک تھے بہت سہل ہوئی اور سرکار نے یہ طے کیا کہ لوکل باڈیز کے کمیٹی (Local Bodies' Pay Committee) کے سرکار کے آدہ ہائیکوں کو دیکھنا و مہلتا وغیرہ دی جائے۔ یہ یہ فہرست کاغذ پر ہی رہ گئی اور جب ضلع بورڈوں کے چارج میں اسکول آئے تو ان میں سے زیادہ تر آدہ مانگ سے نکلائے ۔ جنہوں نے مانا بھی ان میں سے کچھ کہیں دیکھتے تھے اور کہیں نہیں۔ مطلب یہ کہ خوب من مانی چلتی تھی اور آدہ ہائیکوں کے دیکھ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ اس لیے انہوں نے اپنی مصیبتوں سرکار کے آدہ ہائیں کہیں لیکن کوئی سہولتی نہیں ہوئی۔ بار بار مانگ بھی کی گئی پر سرکار کی طرف سے ہاں میں ہو کر رہ جاتی اور بات ٹل جاتی۔ اس لیے اس بار آدہ ہائیکوں نے زیادہ سمجھ بوجھ کر اور تھوس قدم اٹھایا ۔

یہ ہرنال جس میں پندرہ کے سبھی 'چالرس ہزار کے ایک ہیک' آدہ ہائیک شریک تھے بہت سہل ہوئی اور سرکار نے یہ طے کیا کہ لوکل باڈیز کے کمیٹی (Local Bodies' Pay Committee) کے سرکار کے آدہ ہائیکوں کو دیکھنا و مہلتا وغیرہ دی جائے۔ یہ یہ فہرست کاغذ پر ہی رہ گئی اور جب ضلع بورڈوں کے چارج میں اسکول آئے تو ان میں سے زیادہ تر آدہ مانگ سے نکلائے ۔ جنہوں نے مانا بھی ان میں سے کچھ کہیں دیکھتے تھے اور کہیں نہیں۔ مطلب یہ کہ خوب من مانی چلتی تھی اور آدہ ہائیکوں کے دیکھ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ اس لیے انہوں نے اپنی مصیبتوں سرکار کے آدہ ہائیں کہیں لیکن کوئی سہولتی نہیں ہوئی۔ بار بار مانگ بھی کی گئی پر سرکار کی طرف سے ہاں میں ہو کر رہ جاتی اور بات ٹل جاتی۔ اس لیے اس بار آدہ ہائیکوں نے زیادہ سمجھ بوجھ کر اور تھوس قدم اٹھایا ۔

یہ ہرنال جس میں پندرہ کے سبھی 'چالرس ہزار کے ایک ہیک' آدہ ہائیک شریک تھے بہت سہل ہوئی اور سرکار نے یہ طے کیا کہ لوکل باڈیز کے کمیٹی (Local Bodies' Pay Committee) کے سرکار کے آدہ ہائیکوں کو دیکھنا و مہلتا وغیرہ دی جائے۔ یہ یہ فہرست کاغذ پر ہی رہ گئی اور جب ضلع بورڈوں کے چارج میں اسکول آئے تو ان میں سے زیادہ تر آدہ مانگ سے نکلائے ۔ جنہوں نے مانا بھی ان میں سے کچھ کہیں دیکھتے تھے اور کہیں نہیں۔ مطلب یہ کہ خوب من مانی چلتی تھی اور آدہ ہائیکوں کے دیکھ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ اس لیے انہوں نے اپنی مصیبتوں سرکار کے آدہ ہائیں کہیں لیکن کوئی سہولتی نہیں ہوئی۔ بار بار مانگ بھی کی گئی پر سرکار کی طرف سے ہاں میں ہو کر رہ جاتی اور بات ٹل جاتی۔ اس لیے اس بار آدہ ہائیکوں نے زیادہ سمجھ بوجھ کر اور تھوس قدم اٹھایا ۔

وہ آدہ ایسے اسکولوں میں برابر پڑھاتے تھے لیکن کلمہ چلے پڑتی تھیں نے سارے آدہ ہائیکوں کی طرف سے قربانی کے لیے دھاندلی طے کی اور آدہ ہائیں ان میں نہیں کی گئیں میں شروع کیا ۔ ان میں کرنے والے دو تین روز بعد اسپتال بھیجے جاتے تھے 'ان کے اندر زبردستی ضرورت پونجائی جاتے تھے اور پھر سرکار نے ایجاد کیا کہ جس جگہ یہ آدہ ہائیں کڑھتے تھے وہاں مٹائی ہے ۔ اس لیے گرفتاریاں شروع ہو گئیں ۔ ساتھ ہی ساتھ اسپتال و کونسل میں سرکاری جانچیں

का संवाण

उत्तर प्रदेश की राजधानी लखनऊ की कौन्सिल हाउस के सामने आजकल रोष गिरफ्तारियां हुज्जा करती हैं क्योंकि कुछ लोग वहाँ के पास एक ऐसी जगह घुस आते हैं जहां मनाही है, यह घुसने वाले लोग हमारे सूबे के 52 जिला बोर्डों के मातहत चलने वाले स्कूलों में पढ़ने वाले अध्यापक हैं और वह जगह महकमे तामीगत की बताई जाती है, खर्ची यह है कि यह अध्यापक भाई उस जगह पर जब शुरू शुरू में, फरवरी के आखरी हफ्ते में आए तब तो कोई पतलाच नहीं किया, लेकिन दस बारह रोष बाद लखनऊ के हाकिमों को पता चला कि यह जगह हर खास-आम के लिये खुली नहीं है, अध्यापकों के इस आन्दोलन को आज एक महीने से ऊपर हो गया और लखनऊ की ताजी खबर है कि कल 24 मार्च को 13 अध्यापक गिरफ्तार किये गए, जिसके बाद कुल गिरफ्तारियों की तादाद 8 मार्च से ले कर—उत्तर प्रदेश अध्यापक मंडल ने सत्याग्रह करने का तय किया—अब तक 367 हो जाती है, इन में से 104 अध्यापकों के खिलाफ चार्ज शीट अदालत में फाइल कर दिया गया है और 89 के ऊपर मुकदमा चलने वाला है।

अध्यापकों के इस आन्दोलन की शुरुआत 23 फरवरी को तीन मास्टर्स के अनशन से शुरू हुई और 8 मार्च को बातावफा सत्याग्रह शुरू हुआ, जब अध्यापकों के जत्थे के जत्थे कौन्सिल हाउस के सामने आ कर जमा होने लगे। यह देखने के पहले कि अध्यापकों की मांगें क्या हैं और यह कहां तक ठीक हैं। हम पहले अध्यापकों के सवाल के इतिहास पर सरसरी निगाह डालेंगे।

पिक्कला इतिहास

हमारे देश के प्रदेशों में उत्तर प्रदेश की सबसे बड़ी आबादी है जो साढ़े छै करोड़ के लगभग है. इसलिये लड़के लड़कियों और उनके स्कूलों की तादाद भी हमारे इस प्रदेश में सबसे खियादा है और उनको पढ़ाने वाले अध्यापकों की भी. इन स्कूलों का प्रबन्ध और शिक्षा का पूरा धिम्मा सूबे की सरकार का था. मगर पहली नवम्बर 1950 को देशांतों के स्कूलों का इस्तफ़साम शिक्षा बोर्डों के सुपुर्द कर दिया गया, हात्ताकि उनके ऊपर निगाह, मुआयना, पढ़ाई जोडा बनिर का धिम्मा सरकार का ही रहा.

कारसे से हमारे प्रणयपत्रों को जी तनखा ही जाती है वह 26 रुपये को शुरू हो कर 45 तक बढ़ती है. इसके खिलाफ

ہمارے ضلع بورڈوں کے ادھیابکوں

کا سوال

اگر پردیس کی واپس دھانی لکھنؤ کی کونسل ہاؤس کے سامنے آج کل روز گرفتاریاں ہوا کرتی تھیں کیونکہ کچھ لوگ وہاں کے پاس ایک ایسی جگہ گھس آتے تھے جہاں ملالہ ہے۔ یہ گھسنے والے لوگ ہمارے صوبے کے 52 ضلع بورڈوں کے ماتحت چلنے والے اسکولوں میں پڑھانے والے ادھیایک ہیں اور وہ جگہ محکمہ تعلیمات کی بتائی جاتی ہے۔ خوبی یہ ہے کہ یہ ادھیایک بھائی اس جگہ پر جب شروع شروع میں 'فروری کے آخری ہفتے میں آئے تب تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لیکن دس بارہ روز بعد لکھنؤ کے حاکموں کو پتہ چلا کہ یہ جگہ ہر خاص عام کے لئے کھلی نہیں ہے۔ ادھیایکوں کے اس استدلال کو آج ایک مہینے سے اوپر ہو گیا اور لکھنؤ کی تازی خبر ہے کہ کل 24 مارچ کو 13 ادھیایک گرفتار کئے گئے جس کے بعد کل گرفتاریوں کی تعداد 8 مارچ سے لیکر—اگر پردیس ادھیایک منقل نے ستمیاری کرنے کا طے کیا—اب تک 367 ہو جاتی ہے۔ ابن میں سے 104 ادھیایکوں کے خلاف چارج شہیت عدالت میں داخل کر دیا گیا ہے اور 89 کے اوپر مقدمہ چلنے والا ہے۔

ادھاپکیوں کے اِس آندولن کی شروعات ۱۹۳۸ء فروری کو
نئون ماسٹروں کے اُن دنوں سے شروع ہوئی اور ۸ مارچ کو
بالادہ سنگھار شروع ہوا۔ جب ادھاپکیوں نے جتھے کے
جتھے کھنسل ہاؤس کے سامنے آکر جمع ہونے لگے، یہ
دیکھنے کے پہلے کہ ادھاپکیوں کی مانگیں کیا ہیں اور وہ
کہاں تک تھک گئے ہیں، ہم پہلے ادھاپکیوں کے اِنہاس
پر سرسری نگاہ ڈالنے لگے۔

پچھلے اٹھاس

ہمارے دیس کے پردیسوں میں آکر پردیس کی سب سے بڑی آہاںسی ہے جو سارے چھ کروڑ نے لگ بھگ ۵۰ لاکھ لکے لکے لوگوں اور ان کے اسکولوں کی تعداد بھی ہمارے اس پردیس میں سب سے زیادہ ہے اور ان کو پڑھانے والے اٹھ لاکھوں کی ہیں۔ ان اسکولوں کا پرستار اور سکھا کا پورا قصہ صوفی کی سرکار کا تھا۔ مگر پہلی نومبر ۱۹۵۰ کو دیہاتوں کے اسکولوں کا انتظام ضلع بورڈوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اس وقت ان کے پورے نظام، معائنہ، پڑھائی اور پڑھنے کا قصہ سرکار کا ہی رہا۔

25 مئی 1947ء کو پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس کے خلاف

دیجا لکھیں اب سب لوگوں میں دیش بھکتی کی भावना इतनी भर गई है कि अब अधिक कंट्रोल की जरूरत नहीं रह गई.

(8) सरकार बजार पर हर वस्तु ध्यान रखती है. जहां भी किसी चीज की कमी हुई सरकार खुद माल खरीद कर उस जगह पहुंचा देती है. इससे भाव एक सा बना रहता है.

(9) चीन के दलालों, सट्टा बाणों का सरकार ने बिल्कुल खात्मा कर दिया है. चीन में यह व्योपार नहीं हो सकता.

(10) सरकार ने जनता की माली हालत दुखस्त कर दी है. किसानों को अपनी अपनी जमीन मिल गई है. वह जियादा पैदा करते हैं. उनके माल की बिक्री का भी अच्छा प्रबन्ध है. चूंकि उनकी जेब में पैसा होता है इसलिये वह जियादा से जियादा सामान खरीदते हैं. चूंकि जियादा बिक्री होती है इसलिये कारखाने जियादा पैदा करते हैं. अब चीनी दुकानदारों के पास हर समय और हर मौसम में गाहकों की भीड़ लगी रहती है.

(11) देश भक्ति की भावना ने पूंजीपति और मजदूर दोनों को एक राय बना दिया है. हर मजदूर समझता है कि वह देश के लिये काम करता है और बिना किसी हिचक के उसको उसका जायज हिस्सा मिल जाता है. हर काम मालिक और मजदूर के सहयोग से होता है. कारखाने की पैदावार की पिलानिंग करने और उसके हित की देख रेख करने के लिये एक कमेटी होती है. इस कमेटी में पांच मजदूर यूनियन के नुमाइन्दे होते हैं और पांच कारखाने दार के इस कमेटी की दो हफ्ते के बाद मीटिंग होती है. एक वफा सदात मजदूर करता है तो दूसरी वफा कारखाने दार. कमेटी के सारे फैसले सब के हित की ध्यान में रखकर किये जाते हैं और हमेशा एक राय से होते हैं. अगर कभी यह कमेटी फैसला न कर सके तो मजदूर अदावतों को वह मामला सुपुर्व कर दिया जाता है.

मुनाफे की गारन्टी और सरकारी सहयोग के कारन पूंजी पतिथों में ईमानदारी और देश भक्ति की भावना पैदा हो गई है. मजदूर और मालिक दोनों को अपना अपना जायज हक मिल जाता है. बैंक का सूख कम हो गया है. इस कारन लोग उद्योगों में अपनी पूंजी लगाते हैं. स्वदेशी की भावना इतनी तेज हो गई है कि चीनी विदेशी माल के इस्तेमाल को नीची नजर से देखते हैं. यही कारन है कि वह स्वावलम्बी हो गये हैं और दिन दूनी रात चौगुनी तरक्की कर रहे हैं.

—मुजीब रिखवी

چینا لیکن اب سب لوگوں میں دیش بھکتی کی भावना इतनी भर गई है कि अब अधिक कंट्रोल की जरूरत नहीं रह गई.

(8) सरकार بازار پر هر وقت دھيان رکھتی ہے . جہاں بھی کسی چیز کی کمی ہوئی سرکار خود مال خرید کر اس جگہ پہنچا دیتی ہے . اس سے بھاؤ ایک سا بنا رہتا ہے .

(9) بوجے کے دلالوں، سٹے بازوں کا سرکار نے بالکل خاتمہ کر دیا ہے . چین میں یہ بھوپار نہیں ہو سکتا .

(10) سرکار نے چلتا کی مالی حالت درست کر دی ہے . کسانوں کو اپنی اپنی زمینوں مل گئی ہے . وہ زیادہ پیدا کرتے ہیں . ان کے مال کی بکری کا بھی اچھا بندھ ہے . چونکہ ان کے جھب میں پیسہ ہوتا ہے اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ سامان خریدتے ہیں . چونکہ زیادہ بکری ہوتی ہے اس لئے کارخانے زیادہ پیدا کرتے ہیں . اب چھٹی دکانداروں کے پاس ہر سہ اور ہر موسم میں گاہکوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے .

(11) دیہی بھکتی کی بھاؤنا نے پونجی پتی اور مزدور دونوں کو ایک رائے بنا دیا ہے . ہر مزدور سمجھتا ہے کہ وہ دیہی کے لئے کام کرتا ہے اور ہر کسی جھک کے اسکو اسکا جائز حصہ مل جاتا ہے . ہر کام مالک اور مزدور کے سہوگ سے ہوتا ہے . کارخانے کی پیداوار کی پلاننگ کرنے اور اس کے ہت کی دیکھ دیکھ کرنے کے لئے ایک کمیٹی ہوتی ہے . اس کمیٹی میں پانچ مزدور یونین کے نمائندے ہوتے ہیں اور پانچ کارخانے دار کے . اس کمیٹی کی دو ہفتے کے بعد مہنگہ ہوتی ہے . ایک دفعہ صدارت مزدور کرتا ہے تو دوسری دفعہ کارخانے دار . کمیٹی نے سارے فیصلے سب کے ہت کو دھیان میں رکھ کر کئے جاتے ہیں اور ہر ایک رائے سے ہوتے ہیں . اگر کبھی یہ کمیٹی فیصلہ نہ کر سکے تو مزدور عدالتوں کو وہ معاملہ سپرد کر دیا جاتا ہے .

ملاح کی گارنٹی اور سرکاری سہوگ کے کارن پونجی پتیوں میں ایمانداری اور دیہی بھکتی کی بھاؤنا پیدا ہو گئی ہے . مزدور اور مالک دونوں کو اپنا اپنا جائز حق مل جاتا ہے . بھلک کا سود کم ہو گیا ہے . اس کارن لوگ ادھروں میں اپنی پونجی لگاتے ہیں . سودیشی کی بھاؤنا انکی تیز ہو گئی ہے کہ چھٹی ویشی مال کے استعمال کو بھی نظر سے دیکھتے ہیں . یہی کارن ہے کہ وہ سواولمبی ہو گئے ہیں اور دن دینی رات چوٹلی ترتی کر رہے ہیں .

—محمود رفوی

یہ سب میں سرکار نے ایک بڑی رکن سرکاری کارخانوں میں بھرتی کر دی تھی۔ جہاں کسی کارخانے کے مال کی بکری میں کوئی آڑھن ہوئی ہو تو اس مال کو خرید لیا۔ کبھی کبھی تو بھرتی سے بھی ایک مال سرکار دیتی تھی۔

(ii) سرکار نے پیپلس بینک سے بڑے بڑے کرپٹ بینک بھی کارخانوں کی بڑی مدد کی۔ کومین ٹانگ کے زمانے میں روٹا سہ کئی کئی فی صدی ہوتا تھا اور ہر کرپٹ بدل جاتا تھا۔ نئی سرکار کے آنے پر سن 49 میں سود کا در 66.5 فی صدی مہینہ تھا۔ سن 1950 کے شروع میں یہ در کمیت کر 28.5 فی صدی ہو گیا۔ جون سن 1950 میں کل 3 فی صدی مہینہ ہی سود رہ گیا۔ اب ادھوک دھندوں سمیت فی صدیوں کا در 1.05 اور 1.65 فی صدی کے بیچ میں رہ گیا ہے۔

(iii) سرکار نے ایک اچھی ٹیکس پالیسی اپنائی اور کمرل-بیسڈ طریقے کو ختم دیا۔ اس پالیسی میں سب کا خیال رکھا گیا۔ ٹیکس کے در عام طریقے سے ہوتے تھے۔ دیہاتوں کے مقابلے میں کم ہوں۔ دیہات کے مقابلے میں ادھوکوں پر کم ٹیکس ہے۔ ضروری سامانوں پر غیر ضروری سامانوں کے مقابلے میں کم ٹیکس ہے۔ 5 فی صدی سے لے کر 30 فی صدی تک ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ خاص خاص چیزوں اور ادھوکوں پر ٹیکس میں چھوٹ بھی دیتی ہے۔

مہینے بٹانے والے کارخانوں اور کوئلہ لوہا پودا کرنے والے کارخانوں کو 10 سے 40 فی صدی تک چھوٹ ملتی ہے۔ وہ سامان جن سے چلتا کا ملبورنچن ہوتا ہے انکی ہی چھوٹ پاتے ہیں۔ گھریلو دھندوں کے ساتھ ٹیکس وغیرہ میں خاص رعایت کی جاتی ہے۔

(6) چین کے دیہاتی رجسٹر دیکھ اور بے ایمانی کرنے میں مشہور ہے۔ سرکار نے "سان فنان" آئینہ لیا۔ بے ایمانی کے سارے رجسٹروں کی تصدیق بنوائی اور انکی انجھ جگہ پرکاشی کی۔ اس طرح چلتا یہ سمجھ گئی کہ کس کس طرح بے ایمانی سے اُسکو لوٹا جاتا ہے اور وہ ہوشیار ہو گئی۔ اس سمیت وہیں سے دیہاتی پکڑے گئے۔ لیکن کل ایک فی صدی پر مقدمہ چلایا گیا۔ سرکار کا مقصد اُنکو سزا دینا نہیں تھا بلکہ انہیں سدھارنا تھا۔

(7) چینی کے سارے ادھوکوں کا ادھار مذاق نہ ہو کر آدمی ہے۔ آدمی کو مذاق کا سادھن نہیں بلایا گیا بلکہ ہر کام آدمی کی بہتری کے لئے کیا جاتا ہے۔ ان کے سامانوں کو کوئی مہلت نہیں دیا جاتا۔ ضرورت کی چیزیں پودا کرنے کا ہر ایک کو دھنیا دھتا ہے۔ سرکار نے انہیں اس سمیت میں پوری دیکھ دیکھ کی اور دیہاتوں کی پالیسی میں کارخانے کاروں کو صلح مشورہ

(ii) سرکار نے پمپلس بینک سے بڑے بڑے کرپٹ بینک بھی کارخانوں کی بڑی مدد کی۔ کومین ٹانگ کے زمانے میں روٹا سہ کئی کئی فی صدی ہوتا تھا اور ہر کرپٹ بدل جاتا تھا۔ نئی سرکار کے آنے پر سن 49 میں سود کا در 66.5 فی صدی مہینہ تھا۔ سن 1950 کے شروع میں یہ در کمیت کر 28.5 فی صدی ہو گیا۔ جون سن 1950 میں کل 3 فی صدی مہینہ ہی سود رہ گیا۔ اب ادھوک دھندوں سمیت فی صدیوں کا در 1.05 اور 1.65 فی صدی کے بیچ میں رہ گیا ہے۔

(iii) سرکار نے ایک اچھی ٹیکس پالیسی اپنائی اور کمرل-بیسڈ طریقے کو ختم دیا۔ اس پالیسی میں سب کا خیال رکھا گیا۔ ٹیکس کے در عام طریقے سے ہوتے تھے۔ دیہاتوں کے مقابلے میں کم ہوں۔ دیہات کے مقابلے میں ادھوکوں پر کم ٹیکس ہے۔ ضروری سامانوں پر غیر ضروری سامانوں کے مقابلے میں کم ٹیکس ہے۔ 5 فی صدی سے لے کر 30 فی صدی تک ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ خاص خاص چیزوں اور ادھوکوں پر ٹیکس میں چھوٹ بھی دیتی ہے۔

(6) چین کے دیہاتی رجسٹر دیکھ اور بے ایمانی کرنے میں مشہور ہے۔ سرکار نے "سان فنان" آئینہ لیا۔ بے ایمانی کے سارے رجسٹروں کی تصدیق بنوائی اور انکی انجھ جگہ پرکاشی کی۔ اس طرح چلتا یہ سمجھ گئی کہ کس کس طرح بے ایمانی سے اُسکو لوٹا جاتا ہے اور وہ ہوشیار ہو گئی۔ اس سمیت وہیں سے دیہاتی پکڑے گئے۔ لیکن کل ایک فی صدی پر مقدمہ چلایا گیا۔ سرکار کا مقصد اُنکو سزا دینا نہیں تھا بلکہ انہیں سدھارنا تھا۔

(7) چینی کے سارے ادھوکوں کا ادھار مذاق نہ ہو کر آدمی ہے۔ آدمی کو مذاق کا سادھن نہیں بلایا گیا بلکہ ہر کام آدمی کی بہتری کے لئے کیا جاتا ہے۔ ان کے سامانوں کو کوئی مہلت نہیں دیا جاتا۔ ضرورت کی چیزیں پودا کرنے کا ہر ایک کو دھنیا دھتا ہے۔ سرکار نے انہیں اس سمیت میں پوری دیکھ دیکھ کی اور دیہاتوں کی پالیسی میں کارخانے کاروں کو صلح مشورہ

60 فی صدی خرچ ہو۔ 15 فی صدی سے کم کسی صورت میں ملانی چاہی اور صلائی پر نہ خرچ کیا جائے۔ 15 فی صدی اور اس سے زیادہ سڑکوں کی بہتری اور ان کو انعام وغیرہ کی مدد میں دیا جائے۔

مژدوروں کو اسی دھبے کے مطابق دیتے ملتے تھے جو سرکار نے مقرر کر دیا تھا۔ اس میں کسی ضرورت کو بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ چھوٹے ایک مزدور کی تنخواہ کم سے کم 100 روپے تھی۔ یہ تنخواہ عام نے بھاؤ نے آدھا کر دیے کی جاتی تھی۔ جتنی مہنگائی بڑھتی تھی اتنی ہی تنخواہ بھی بڑھ جاتی تھی۔ اس طرح مزدور کو کبھی دولت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مژدوروں کو تین وقت کھانا ملتا تھا۔ کھانے کی لاگت کا آدھا حصہ کارخانے کو ادا کرنا پڑتا تھا۔

کاؤرخانے کی طرف سے مزدوروں کو دھمکے کے لئے مفت
مکتب ملے ہیں۔ مزدوروں اور اُن کے خاندانوں کو علاج
مفت ہوتا ہے۔ اس علاج میں ٹاسٹ وغیرہ بھی شامل ہیں۔
انسپکشن بھی مفت نکلانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کی سہاڑی
پر نمودار مزدور کو شکایتی پہونچانے والا ٹیسا بھی ہلدا دلم
دیبا جاتا ہے ۔

آرام کرنے کے لئے ٹیمپ ہوتے ہیں۔ ان میں مردوروں کو ہر طرح کی سہولتوں کی جانی ہوتی ہے۔ ہر سال تقویمہ سمیت انہیں ایک سہولت کی چھٹی ملتی ہے جس میں وہ ان لوگوں میں جانور آرام کرسکتے ہیں۔

مدرسوں کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے کچھ نہیں دینا پڑتا۔ اُن کو بھی تعلیم دی جاتی ہے ۔ کارخانے میں اُن کی سکھا کا پورا پرہندہ ہوتا ہے ۔

سارے کاوختوں میں دل بہاؤ کا پرہیز ہوتا ہے ۔
 مقررہ ٹیم کے تحت ناچنے گانے اور دوسرے مقررہ نچنے کا
 اہلک لیتے ہیں ۔

ہو گا وہاں کے سب سے اچھے مزدور کو ”الکھڑا“ کو
 کہہ رکھی دی جاتی ہے اور اُس کا رشتہ بہر میں رہا اور
 کہا جاتا ہے جو کسی زمانے میں رائے بہادروں اور خان
 بہادروں کا ہمارے دیہے میں ہوا کرتا تھا ۔

(5) چھٹی سرکار اہلکاروں کو پوری سہائتا دیتی ہے۔ جس کا رواج نے ہمت کو بچانے کے لئے چھٹی رکھا ہے ضرورت ہوتی ہے سرکار اس کی اتنی ہی دیکھ دیکھ کرتی ہے۔ بچانے لکھی سہائتا سرکار کا رواجوں کو دیتی ہے :

(۱) سوکار ٹھہرا مال سہانی کرتی ہے، بکری کے سامنے جنگلی ہے اور مٹامع کی گرنٹی کرتی ہے۔

153

(2) چین میں "پورٹا" اور کھوسرستی کو باغ کا بنایا گیا تھا اور ضرورت کا لحاظ رکھا گیا تھا:

کھواجا احمد علی احمد کو ایک انجینیئر اپنی کھائی جیپ دیا تھا یا اس نے کہا جیپ تو بن گئی ہے مگر وہی ہے۔ کھواجا احمد علی احمد نے اس پر جواب دیا—نہی ٹیک ہے۔ اس جیپ نے اس کو کہا—ہم جانتے ہیں کہ یہ خوبصورت نہیں ہے۔ یہ یہ چلتی ہے، کام نکال دیتی ہے اور ہمیں کھار ہے کہ اسے چین نے خود بنایا ہے۔ دو چار سال میں ہم اسے خوبصورت بھی بنا لیں گے۔ یہ سوڈیشی ہواؤں ان کو آئے پھرتی ہے۔

(3) چینی سرکار کو اپنے کپڑے اور جنمات پر بھروسہ ہے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ سب کچھ بنا امریکہ کی مدد سے بنا سکتے ہیں۔ جہاں چاہے وہاں راہ نکل آتی ہے۔ ان کے پاس "ہاتھ" ہیں اور وہ ہاتھ کا پورا استعمال کر کے جادو جگاتے چلے جا رہے ہیں۔

(4) چین میں ہزاروں سالوں سے کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔

اگر آپ کو پتی مزدوری کی ذمہ داری، دیکھا اور مزدور سبیل دہی قانونوں کی پابندی کرتے ہیں تو انہیں بھاری سے بھاری فائدہ اٹھانے کا چین میں حق حاصل ہے۔ ہر طرح کی سہولت دی جاتی ہے کہ کوشاں فائدہ حاصل کریں۔ انہیں بھاری بھاری پتی بھاری میں بے ایمانی نہیں کرتے اور سرکار کی پالیسی اور قانون کا انکوائری نہیں کرتے۔ سب تک ان کے منافع سرکشت ہے۔ اسے کوئی اسچ نہیں آسکتی۔ چین میں دس سے لے کر تیس فی صدی تک منافع لیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی پونجی پتی ایماندار دھوکہ سے لگتا کہ کم لے اور سارے قانونوں کی پابندی کرتے ہوئے اور گاہکوں کے منافع کا دھیان رکھتے ہوئے اس سے بھی زیادہ فائدہ لے لے تو بھی اس منافع پر کوئی روک نہیں ہے۔ منافع کی یہ ذمہ داری پتی دیکھوں سے بھی زیادہ ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ ہندوستان کا پونجی پتی بھی شکریہ سرکار کے مقابلہ میں چین کی کمپنیز سرکار کا موازنہ کرے گا۔ سرکار نے کھول کھول کر منافع دیا ہے۔ پونجی ایماندار دھوکہ لے کر دوسری سہولتوں کو دے بلکہ منافع کی ذمہ داری بھی کرتی ہے۔ سرکار کی ایک فی صدی ہے کہ چھوڑا چھوڑا ہوتا ہے۔

منافع کے بقول پر روک ضرور ہے: (1) پیکلی پیکلی پورا کرنے اور ٹیکس دینے کے بعد جو منافع بچے اس کا 10 فی صدی ضرور لگے گا۔ (2) منافع کا 8 فی صدی سے زیادہ ہر ایک حصہ داروں کو نہ دیا جائے گا۔ (3) اس ایماندار کے بعد جو دھوکہ دے گا بقول اس طرح ہو گا: "میں نے دھوکہ دیا"۔

(2) چین میں "پورٹا" اور کھوسرستی کو باغ کا بنایا گیا تھا اور ضرورت کا لحاظ رکھا گیا تھا:

(3) چینی سرکار کو اپنے کپڑے اور جنمات پر بھروسہ ہے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ سب کچھ بنا امریکہ کی مدد سے بنا سکتے ہیں۔ جہاں چاہے وہاں راہ نکل آتی ہے۔ ان کے پاس "ہاتھ" ہیں اور وہ ہاتھ کا پورا استعمال کر کے جادو جگاتے چلے جا رہے ہیں۔

(4) چین میں ہزاروں سالوں سے کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔

اگر آپ کو پتی مزدوری کی ذمہ داری، دیکھا اور مزدور سبیل دہی قانونوں کی پابندی کرتے ہیں تو انہیں بھاری سے بھاری فائدہ اٹھانے کا چین میں حق حاصل ہے۔ ہر طرح کی سہولت دی جاتی ہے کہ کوشاں فائدہ حاصل کریں۔ انہیں بھاری بھاری پتی بھاری میں بے ایمانی نہیں کرتے اور سرکار کی پالیسی اور قانون کا انکوائری نہیں کرتے۔ سب تک ان کے منافع سرکشت ہے۔ اسے کوئی اسچ نہیں آسکتی۔ چین میں دس سے لے کر تیس فی صدی تک منافع لیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی پونجی پتی ایماندار دھوکہ سے لگتا کہ کم لے اور سارے قانونوں کی پابندی کرتے ہوئے اور گاہکوں کے منافع کا دھیان رکھتے ہوئے اس سے بھی زیادہ فائدہ لے لے تو بھی اس منافع پر کوئی روک نہیں ہے۔ منافع کی یہ ذمہ داری پتی دیکھوں سے بھی زیادہ ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ ہندوستان کا پونجی پتی بھی شکریہ سرکار کے مقابلہ میں چین کی کمپنیز سرکار کا موازنہ کرے گا۔ سرکار نے کھول کھول کر منافع دیا ہے۔ پونجی ایماندار دھوکہ لے کر دوسری سہولتوں کو دے بلکہ منافع کی ذمہ داری بھی کرتی ہے۔ سرکار کی ایک فی صدی ہے کہ چھوڑا چھوڑا ہوتا ہے۔

وہ پیدوار کی طاقت میں جوڑ دیا جائے اور چھوٹی چھوٹی مہنگی ہو جائیں گی۔ جو رقم مزدور کو ملی ہو وہ اس طرح ہمارے پاس بچاؤ آجائے گی۔ مزدور کو تو بہت نقصان نہیں ہوا لیکن کسان کا تو چھپ ہی گئی ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم چین کی کامیابی پر روشنی ڈالیں یہ ضروری ہے کہ سن 49ء سے پہلے کی پرستہٹی کو سمجھ لیں۔ کومینٹانگ کے راج میں چھٹی انڈیوگ صنعتیں چین میں پڑے تھے۔ گریٹو لوٹائی اور بڑی جنگ نے ان کی عمر اور بھی توڑ دی تھی۔ 1947 میں شنگھائی کے 6418 کارخانوں میں سے کل 582 کسی صورت کام کر رہے تھے۔ جس وقت موجودہ سرکار نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی تو تین سو کے 70 فی صدی، رنگتار کے 50 فی صدی، ٹیکسٹائل کے 30 فی صدی کارخانے بند پڑے تھے۔ دیہی میں ہر چھوٹی کمی تھی اور بلتلیوں نوٹ سے دیا سلائی کا ایک دانہ ملنے میں بھی وقت ہوتی تھی۔

سرکار نے باگ دوڑ سنبھالنے ہی یہ پالیسی طے کی: ”اُن سارے کارخانوں کو جو کہ دیہی کے مالی ڈھانچے کو مضبوط دیتے ہیں اور جنگ کے دھن میں اسے کو اُنچا اُٹھانے میں مددگار ہیں سرکار پروتساہن دے گی کہ وہ پوری طاقت کے پیدوار بوجھانے میں لگ جائیں اور اُن کو طرح سے مدد کرے گی۔“ اس نے بعد سرکار نے نجی کارخانوں پر انکس دینے کے لئے ایک ریگولیشن پاس کیا۔ اس ریگولیشن میں پروتساہن دیا گیا تھا کہ لوگ نجی کارخانوں میں پونجی لگائیں، اُن کو جائز منافع کی گرانٹی کی گئی تھی اور منافع کے بقوارے کا در طے کیا گیا تھا۔

سرکار نے آج دو طرح کا بھویار ہے: ایک سرکار کے قبضے میں ہے اور دوسرا پرائیویٹ ہاتھوں میں۔ پر ان دونوں میں ٹکڑ نہیں ہوتی بلکہ دونوں سپورٹ کرتے ہیں۔ کولٹہ، بجلی اور اسٹیل کے کارخانے سرکار کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان میں کوئی نجی پونجی نہیں لگی۔ دوسرے اکیڑوں میں نجی پونجی لگی ہے اور سرکار اُس کی سپلائر کرتی ہے۔ آج نجی کارخانے دار خوش ہیں اور ہمیشہ سے زیادہ اور اہمیت داری سے فائدہ کھا رہے ہیں۔

اس پروتسی کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم چھٹی سرکار کی تہتی کو سمجھ لیں:

(1) نئی چینی سرکار نے سامراجیوں کی لٹ سے اپنے کو بچا لیا اور انکی مالی طاقت کی لٹ سے اپنا کھنڈا۔ سامراجیوں نے اسکو ڈرایا دھمکایا اور ناکامی بھی کی۔ پر ان سب کارواہیوں سے چین کو اور ہوسلا دھما کہ وہ اپنے پیروں پر لڑا ہوا جائے۔ امریکا نے جیتنے والے پہلے چھٹیوں نے اُنکا ہی اُٹھائی اور بوجھانیا۔

سرکار نے باگ دوڑ سنبھالنے ہی یہ پالیسی طے کی: ”اُن سارے کارخانوں کو جو کہ دیہی کے مالی ڈھانچے کو مضبوط دیتے ہیں اور جنگ کے دھن میں اسے کو اُنچا اُٹھانے میں مددگار ہیں سرکار پروتساہن دے گی کہ وہ پوری طاقت کے پیدوار بوجھانے میں لگ جائیں اور اُن کو طرح سے مدد کرے گی۔“ اس نے بعد سرکار نے نجی کارخانوں پر انکس دینے کے لئے ایک ریگولیشن پاس کیا۔ اس ریگولیشن میں پروتساہن دیا گیا تھا کہ لوگ نجی کارخانوں میں پونجی لگائیں، اُن کو جائز منافع کی گرانٹی کی گئی تھی اور منافع کے بقوارے کا در طے کیا گیا تھا۔

سرکار نے آج دو طرح کا بھویار ہے: ایک سرکار کے قبضے میں ہے اور دوسرا پرائیویٹ ہاتھوں میں۔ پر ان دونوں میں ٹکڑ نہیں ہوتی بلکہ دونوں سپورٹ کرتے ہیں۔ کولٹہ، بجلی اور اسٹیل کے کارخانے سرکار کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان میں کوئی نجی پونجی نہیں لگی۔ دوسرے اکیڑوں میں نجی پونجی لگی ہے اور سرکار اُس کی سپلائر کرتی ہے۔ آج نجی کارخانے دار خوش ہیں اور ہمیشہ سے زیادہ اور اہمیت داری سے فائدہ کھا رہے ہیں۔

اس پروتسی کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم چھٹی سرکار کی تہتی کو سمجھ لیں:

(1) نئی چینی سرکار نے سامراجیوں کی لٹ سے اپنے کو بچا لیا اور ان کی مالی فلاحی کے جوئے کو اُنار پھینکا۔ سامراجیوں نے اُس کو ڈرایا دھمکایا اور ناکامی بھی کی۔ پر ان سب کارواہیوں سے چین کو اور ہوسلا دھما کہ وہ اپنے پیروں پر لڑا ہوا جائے۔ امریکا نے جیتنے والے پہلے چھٹیوں نے اُنکا ہی اُٹھائی اور بوجھانیا۔

اس پروتسی کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم چھٹی سرکار کی تہتی کو سمجھ لیں:

(1) نئی چینی سرکار نے سامراجیوں کی لٹ سے اپنے کو بچا لیا اور ان کی مالی فلاحی کے جوئے کو اُنار پھینکا۔ سامراجیوں نے اُس کو ڈرایا دھمکایا اور ناکامی بھی کی۔ پر ان سب کارواہیوں سے چین کو اور ہوسلا دھما کہ وہ اپنے پیروں پر لڑا ہوا جائے۔ امریکا نے جیتنے والے پہلے چھٹیوں نے اُنکا ہی اُٹھائی اور بوجھانیا۔

نہی دیتی۔ کچھ کارخانہداروں نے سرکاری مشین پر کھانا جھا لیا ہے اور سرکاری سہاوتہ انکی ہجارت-داری ہو گئی ہے۔ اس ہجارتدار گٹ سے جو عیوگ پتی اکتاگ ہیں وہ ساہارا ہیں اور موت اور زندگی کے بیچ ساٹس لے رہے ہیں۔

(5) سرکار کےवल ہجارتدار پوجیپتییوں کے ہیت کا اکتال رکتی ہے اور مکتدروں اور کتوتے کتوتے کارخانہ-داروں کے ہیت کو تکتا دیتی ہے۔

(6) ٹیکس پالیتی کتوت ہی ناچاکت ہے۔ سرکار منمانے ہنگ سے عیوگوں پر ٹیکس لگاتی ہے۔ ہجارتدار پوجیپتی ٹیکس میں کتوتالا کر جاتے ہیں اور کتار تک نہیں لہتے۔ دوسرے اکتوگ پتی کتوتے جاتے ہیں۔ ان کا دل رکتے کے لئے سرکار انہیں کتوت دے دیتی ہے کہ وہ من مانے کتوت سے مزدور کا شوشن کریں اور عام جلتا کو لوتیں۔

(7) آج کی ہرستکتی میں ہجارتداروں میں "ایمانداری" کا مطلب ہے زبورت کتاتا، ہذا رشوت کے ایک تکتا بھی نہیں کتایا جاسکتا۔

(8) ہمارے اکتوگوں کا آکھار ہے "مناکا"۔ آکھامی کےवल مناکے کا ساکھن ہے۔ اس کارن روتامروں کی کتاررتوں کا اکتال کتوتے کتتا وہ کتوتے ہمارے کتوت میں کتوتی ہیں جن پر زیادہ منافع ہوتا ہے۔ اس طرح عام جلتا نے کام آئے والے سامان پر آرام طلبی کے سامان کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر کتوتے سے زیادہ منافع لپ اکتاگ میں ہوتا ہے تو ہمارے اکتوگ پتی لپ لکتاگ ہٹانے لکتیں گے۔

(9) سکتا کاکھی دام کتوتی رکتی ہے۔ سرکار اس پر کوئی روگ نہیں لگا پاتی۔

(10) کتوت کے دتال کا مناکا کتوت جاتا رہا ہے اور اس کتوتی کا ہمار جلتا کے کتوتوں پر پوتا ہے۔

(11) جلتا کی مالی کتال کتوت ہے۔ اس کے پاس مال کتوتنے کے لیتے پتے ہی نہیں ہیں تو مال کتوتے کتاتے۔ ہمار سرکار نہ تو اپنے عیوگی سامانوں کے لیتے کتوتی مارکت میں کتوتکالی پتدا کر سکتی اور نہ باہری ملکوں میں ان کے لئے کوئی بازار کتوتک پاتی۔

(12) مزدوروں کے کتوت کا کتال کتوت نہیں رکتا جاتا۔ سرکار نے لہجارتدروں کتوت ہٹائے ہیں۔ پر اس سے مزدوروں کو کوئی کتوت نہیں ہوتا۔ کتوت کے ایک اکتوگ پتی نے اپنے ایک لکتوت میں لکتا ہٹا : سرکار ہم سے جاکتی ہے کہ ہم مزدوروں کو زیادہ مزدوری دیں، انہیں آکھان دیں، انہیں لہجارتدروں کی سوتکھان دیں۔ اس میں ہمارا کوئی کتوت نہیں ہے۔ ہم اپنے کتوتوں میں سے تو کتوتی کتوت نہیں کریں گے۔ رکتا یہ کتوت کو

نہیں دیتی۔ کتوت کتوتالے ہاروں نے سوکری مشین پر کتوت جھا لیا ہے اور سوکری سہانتا ان کی ہجارتداری ہوگئی ہے۔ اس ہجارتدار کتوت سے جو اکتوگ پتی لکتاگ ہیں وہ بے سہارا ہیں اور موت اور زندگی کے بیچ ساٹس لے رہے ہیں۔ (5) سرکار کتوت ہجارتدار پونکتی کتوتوں کے کتوت کا کتال رکتی ہے اور مزدوروں اور کتوتے کتوتے کارخانہداروں کے کتوت کو کتوتا دیتی ہے۔

(6) ٹیکس کی پالیتی بہت تاجاگ ہے۔ سرکار من مانے کتوت پر اکتوگوں پر ٹیکس لگاتی ہے۔ ہجارتدار پونکتی پتی ٹیکس میں کتوتالا کر جاتے ہیں اور کتار تک نہیں لہتے۔ دوسرے اکتوگ پتی کتوتے جاتے ہیں۔ ان کا دل رکتے کے لئے سرکار انہیں کتوت دے دیتی ہے کہ وہ من مانے کتوت سے مزدور کا شوشن کریں اور عام جلتا کو لوتیں۔

(7) آج کی ہرستکتی میں ہجارتداروں میں "ایمانداری" کا مطلب ہے زبورت کتاتا، ہذا رشوت کے ایک تکتا بھی نہیں کتایا جاسکتا۔

(8) ہمارے اکتوگوں کا آکھار ہے "مناکا"۔ آکھامی کےवल مناکے کا ساکھن ہے۔ اس کارن روتامروں کی کتاررتوں کا اکتال کتوتے کتتا وہ کتوتے ہمارے کتوت میں کتوتی ہیں جن پر زیادہ منافع ہوتا ہے۔ اس طرح عام جلتا نے کام آئے والے سامان پر آرام طلبی کے سامان کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر کتوتے سے زیادہ منافع لپ اکتاگ میں ہوتا ہے تو ہمارے اکتوگ پتی لپ لکتاگ ہٹانے لکتیں گے۔

(9) سکتا ہازی دام کتوتی رکتی ہے۔ سرکار اس پر کوئی روگ نہیں لگا پاتی۔

(10) کتوت کے دتال کا منافع ہوتا جاتا رہا ہے اور اس کتوتی کا ہمار جلتا کے کتوتوں پر پوتا ہے۔

(11) جلتا کی مالی کتال کتوت ہے۔ اس کے پاس مال کتوتنے کے لئے پتے ہی نہیں ہیں تو مال کتوتے کتاتے۔ ہمار سرکار نہ تو اپنے اکتوگی سامانوں کے لئے کتوتی مارکت میں کتوتکالی پتدا کر سکتی اور نہ باہری ملکوں میں ان کے لئے کوئی بازار کتوتک پاتی۔

(12) مزدوروں کے کتوت کا کتال کتوت نہیں رکتا جاتا۔ سرکار نے لہجارتدروں کتوت ہٹائے ہیں۔ پر اس سے مزدوروں کو کوئی کتوت نہیں ہوتا۔ کتوت کے ایک اکتوگ پتی نے اپنے ایک لکتوت میں لکتا ہٹا : سرکار ہم سے جاکتی ہے کہ ہم مزدوروں کو زیادہ مزدوری دیں، انہیں آکھان دیں، انہیں لہجارتدروں کی سوتکھان دیں۔ اس میں ہمارا کوئی کتوت نہیں ہے۔ ہم اپنے کتوتوں میں سے تو کتوتی کتوت نہیں کریں گے۔ رکتا یہ کتوت کو

(1) سامراجی دہشوں کی باہرک غلامی سے آزاد ہونے کا मतलब ہے کہ ان سے دشمنی سول لی جائے۔ اس دشمنی کا چھار کونے یہ سرکار غالب آتی ہے۔ بڑے بڑے فسادات، سرکاری لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت اس پرستہتی میں نہیں ہیں کہ سامراجی لوٹ سے چھٹکارا پاسکیں۔ وہ فوراً ایران کی مثال سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم بریں کا چھتہ نہیں چھوونا چاہتے۔ دھمکے دھمکے ہم چھٹکارا پالیں گے۔ لیکن چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ اور زیادہ سے زیادہ رعایتیں ہادی پونجی کو دیتے جاتے ہیں اور ایسی شرمناک شرطوں پر قرض لیتے جاتے ہیں جو کسی دیہی کو بھی شرمناک نہیں دیتے۔ یہ ہی وہ وجہ ہے جس کے ادھار پر ہماری سرکار دیہی بھویا کرتی ہے۔

(2) "ضرورت" کا لٹھاا باء میں رکھا جاتا ہے اور "خوبصورتی" کا پہلے، جو چیزیں ہوں ہم ہمانوں وہ خوبصورت ہوں، "پرلکٹ" ہوں اور امریکہ سے تکر لیتی ہوں۔ پر اس استر کو پیدا کرنے کے لئے مشینوں کی ضرورت ہے۔ یہ مشینیں امریکہ ہی دے سکتا ہے۔ اس لالچ میں ہم اس کے بعد بھگتے رہتے ہوں اور اُسے خوش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہوں۔ پر امریکہ والے یہ کہہ نہیں دیتے۔ ایسے وہ ہوتوف ہوں نہیں ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ چین کے بعد ہندستان ہی ان کی سب سے بڑی منقلی ہے۔ اگر ہندستان میں سامان پیدا ہونے لگا تو امریکی مال سو جائے گا۔

(3) ہماری سرکار کو اپنی جناتا اور اسکی بুদ্ধی پر ویرباس نہیں ہے۔ وہ یہ غومان ہی نہیں کر سکتی کہ "ہندوستانی" بھی اس یاگ ہیں کہ اگر انھیں سادھن دیے جاز تو ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لگابم وہ ہر سامان بنا سکتے ہیں۔ یہ بات ہمارے نہتاؤں کی سمجھ سے بڑے ہے کہ مشین کو تھونک بہت کے کسی آدمی نے ہی بنایا تھا اور پھر اس ہاتھ کی مشین سے آج کی ساری مشینیں جلمی ہوں۔ جو آدمی صدیوں پہلے مشین بنا سکتا تھا آج وہی آدمی پھر مشین بنا سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی چھڑیں "پرلکٹ" نہیں ہوں گی، خوبصورت نہیں ہوں گی لیکن ہماری ضرورت لوٹنے پر آکر نہیں کی۔ کوشش کرتے ہم انھیں خوبصورت بھی ہمانیں کہ اور ہو سکتا ہے کہ اس دور میں ہم اوڑوں سے آگے نکل جائیں۔ پر ہماری سرکار کے لئے امریکہ کی مشینیں آخری ہیں اور ان سے آگے ترقی کی کنجائش نہیں ہے۔

(4) ہماری سرکار اڈیوں کو چوستی ضرور ہے پر ان میں خیرن قابلے کی کوشش نہیں کرتی۔ کچھا مال رکھ رکھے کارخانوں کو ملے، سرکار اس بات کو سہو

(1) سامراجی دہشوں کی باہرک غلامی سے آزاد ہونے کا मतलब ہے کہ ان سے دشمنی سول لی جائے۔ اس دشمنی کا چھار کونے یہ سرکار غالب آتی ہے۔ بڑے بڑے فسادات، سرکاری لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت اس پرستہتی میں نہیں ہیں کہ سامراجی لوٹ سے چھٹکارا پاسکیں۔ وہ فوراً ایران کی مثال سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم بریں کا چھتہ نہیں چھوونا چاہتے۔ دھمکے دھمکے ہم چھٹکارا پالیں گے۔ لیکن چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ اور زیادہ سے زیادہ رعایتیں ہادی پونجی کو دیتے جاتے ہیں اور ایسی شرمناک شرطوں پر قرض لیتے جاتے ہیں جو کسی دیہی کو بھی شرمناک نہیں دیتے۔ یہ ہی وہ وجہ ہے جس کے ادھار پر ہماری سرکار دیہی بھویا کرتی ہے۔

(2) "ضرورت" کا لٹھاا باء میں رکھا جاتا ہے اور "خوبصورتی" کا پہلے، جو چیزیں ہوں ہم ہمانوں وہ خوبصورت ہوں، "پرلکٹ" ہوں اور امریکہ سے تکر لیتی ہوں۔ پر اس استر کو پیدا کرنے کے لئے مشینوں کی ضرورت ہے۔ یہ مشینیں امریکہ ہی دے سکتا ہے۔ اس لالچ میں ہم اس کے بعد بھگتے رہتے ہوں اور اُسے خوش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہوں۔ پر امریکہ والے یہ کہہ نہیں دیتے۔ ایسے وہ ہوتوف ہوں نہیں ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ چین کے بعد ہندستان ہی ان کی سب سے بڑی منقلی ہے۔ اگر ہندستان میں سامان پیدا ہونے لگا تو امریکی مال سو جائے گا۔

(3) ہماری سرکار کو اپنی جناتا اور اسکی بুদ্ধی پر ویرباس نہیں ہے۔ وہ یہ غومان ہی نہیں کر سکتی کہ "ہندوستانی" بھی اس یاگ ہیں کہ اگر انھیں سادھن دیے جاز تو ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لگابم وہ ہر سامان بنا سکتے ہیں۔ یہ بات ہمارے نہتاؤں کی سمجھ سے بڑے ہے کہ مشین کو تھونک بہت کے کسی آدمی نے ہی بنایا تھا اور پھر اس ہاتھ کی مشین سے آج کی ساری مشینیں جلمی ہوں۔ جو آدمی صدیوں پہلے مشین بنا سکتا تھا آج وہی آدمی پھر مشین بنا سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی چھڑیں "پرلکٹ" نہیں ہوں گی، خوبصورت نہیں ہوں گی لیکن ہماری ضرورت لوٹنے پر آکر نہیں کی۔ کوشش کرتے ہم انھیں خوبصورت بھی ہمانیں کہ اور ہو سکتا ہے کہ اس دور میں ہم اوڑوں سے آگے نکل جائیں۔ پر ہماری سرکار کے لئے امریکہ کی مشینیں آخری ہیں اور ان سے آگے ترقی کی کنجائش نہیں ہے۔

(4) ہماری سرکار اڈیوں کو چوستی ضرور ہے پر ان میں خیرن قابلے کی کوشش نہیں کرتی۔ کچھا مال رکھ رکھے کارخانوں کو ملے، سرکار اس بات کو سہو

نئے چین میں کارخانے

امریکا کے ایک لکھک نے چین پر ایک کتاب لکھی ہے اور اس کا نام رکھا تھا "چائیس کروڑ گاھک"۔ اس نے "چین ایک ملک نہیں تھا بلکہ ایک ملحقہ تھی۔ چینی آدمی نہیں تھے بلکہ "گاھک" تھے۔ چینی سہیلہ کی کتاب کا اس سے اچھا نام وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس میں کوئی اچرج بھی نہیں ہے۔ چین سچ سچ ہی سن 49 تک امریکا، برطانیہ اور جاپان کی ملحقہ تھی۔ چینی کی کسی دکان پر چلے جائے، آپ کو دکان بھروسہ شاید ہی کوئی چینی کی بنی چیز مل سکے۔ یہ سامان تہذیبی سے چھوٹے پائے ہندوؤں سے اندر لائے جاتے تھے۔ آخر کہ دنوں میں تو ایک امریکی کو ہی کسٹم انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن سن 49 کے بعد یہ ملحقہ ختم ہو گئی۔ اس کی زبردست کھوج ہے اور امریکا کے دل میں وہ رہ کر تھمس اٹھتی ہے۔ یہی نہیں کہ چین نے امریکا اور دوسرے سامراجی دیکھوں کی لہجہ سے اچے کو بچا لیا بلکہ اس نے خود سب سامان بلانا شروع کر دیا۔ دکانوں سامانوں سے لکھی تھیں، دن بھر گھنوں کی بھڑ لگی رہتی ہے۔ لیکن ایک زبردست فرق ہے۔ اب ان دکانوں میں ساری چیزیں چینی کی بنی ہوئی ہیں۔

چین اور ہندوستان کی باہمی میں یہی فرق ہے۔ ہندوستان کے پاس چینی سے زیادہ کل کارخانے تھے پھر بھی آج ہندوستان کے بازار امریکی سامانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف چینی خود ہر چیز بلانے لگا ہے اور جو چیز وہ نہیں بنا پاتا اس کا یا استعمال ہی نہیں کرتا اور اگر ضرورت کے مطابق کرتا بھی ہے تو اچھے اچھے آزادی پسند نہیں حاصل کرتا۔ چینی میں باہری مال کی کھجور نہیں ہے اور ہندوستانی میں امریکی مال کو اتنا پروتساہن مل رہا ہے کہ وہ ہمارے آئیٹمز کو بھی غصہ لگے جا رہا ہے۔ آج ان باتوں کو سامنے رکھ کر سمجھنا ہے کہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ چینی والے کہیں سوالنامہ کی طرف توجہ اور سہل قدمی اٹھانے میں کامیاب ہیں اور ہم کہیں اپنی جگہ سے ہلچلے ہوئے جا رہے ہیں!

ہندوستان اور چین کے اس فرق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دونوں ملکوں کی معیشت کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ معیشتی معیشت سے ہی ایک مملکت اور دیگر مملکت کا ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک کی معیشت یہ ہے:

چین اور ہندوستان کی آزادی میں یہی فرق ہے۔ ہندوستان کے پاس چینی سے زیادہ کل کارخانے تھے پھر بھی آج ہندوستان کے بازار امریکی سامانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف چینی خود ہر چیز بلانے لگا ہے اور جو چیز وہ نہیں بنا پاتا اس کا یا استعمال ہی نہیں کرتا اور اگر ضرورت کے مطابق کرتا بھی ہے تو اچھے اچھے آزادی پسند نہیں حاصل کرتا۔ چینی میں باہری مال کی کھجور نہیں ہے اور ہندوستانی میں امریکی مال کو اتنا پروتساہن مل رہا ہے کہ وہ ہمارے آئیٹمز کو بھی غصہ لگے جا رہا ہے۔ آج ان باتوں کو سامنے رکھ کر سمجھنا ہے کہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ چینی والے کہیں سوالنامہ کی طرف توجہ اور سہل قدمی اٹھانے میں کامیاب ہیں اور ہم کہیں اپنی جگہ سے ہلچلے ہوئے جا رہے ہیں!

ہندوستان اور چین کے اس فرق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دونوں ملکوں کی معیشت کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ معیشتی معیشت سے ہی ایک مملکت اور دیگر مملکت کا ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک کی معیشت یہ ہے:

گھر کو انعام کا دھڑک کر دیا گیا۔ اس طرح
مقامی درجے کے کسانوں کو اور پھیلا سہارا ملا۔
مقامی اور غریب کسانوں کے بنانا کی کثیمت پھیلا
رہی تھی۔ اس کے سحرانے میں بڑے کارکنوں اور ریاستی
کارکنوں کے بنانا کی کثیمت کم رہی تھی۔ اس طرح
مقامی اور غریب کسانوں کو ان کی کم پیدوار
کا پھیلاش پےسا ملنے لگا اور اس طرح ان کی
حالت اور اچھی ہو گئی۔ دوسری طرف بڑے کسانوں
کی دولت میں کمی آئی تھی۔ اس طرح وہ بڑے کھنچ کر
گلیوں کے معمولی کسانوں میں پھیلنے لگا۔ ان کو کھنچتی
پاؤں کا سامان بھی دیا گیا۔

ایک قانون کے ذریعہ مالکداری کم کر دی گئی۔
موجودوں نے بھی کسانوں کی بھی سہانگی کی۔ انہوں نے
فصل کے سے ان کا ہاتھ پکڑنے کے لئے والٹر پھیل
جو ان کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ
کسانوں کی سوچ بوجھ بھی بڑھ گئی۔

ادھر دو سالہ پوجنا کے پورے ہو جانے کے کارن کسانوں
کے چہروں پر بھی ہوا اچھا اثر ہوا۔ ملک کی صنعتی پیدوار
بھمت بڑھ گئی۔ اب ایسے سامان ہلنے لگے جو کھنچتی ہاری
کے لئے طریقوں میں سہانگی دے سکتے تھے۔ کسانوں نے
مل چکر بھی کھنچتی ہاری کے اوزار خریدنے شروع کر دیئے۔
سرکار نے بھی کسانوں کی بڑی مدد کی اور سہکاری کھنچتی
ہاری کے کھنچنے کو خوب پھار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ کچھ دنوں میں چھوٹے چھوٹے فارم بڑے بڑے فارموں
میں بدل گئے

پر یہ پھار دیہی ہمارا، لوٹ شوہن کا مارا،
خون چوسنے والی، جونکھن، ابھی یہاں کرتیں پر ہارا
شاسن اُن کا، راشن اُن کا، قانونوں پر آسن اُن کا
گولی، گولی، ہندوؤں پر دھا ھ سٹکھاسن اُن کا
گاؤں، گلی، شہروں، نگرؤں کو چکوتے ہوں ہمت مار
نہا اُسی مانگ دھا ھ جھلے کا ادھکار
—'شیل'

پر یہ پھار دیہی ہمارا، لوٹ شوہن کا مارا،
خون چوسنے والی، جونکھن، ابھی یہاں کرتیں پر ہارا
شاسن اُن کا، راشن اُن کا، قانونوں پر آسن اُن کا
گولی، گولی، ہندوؤں پر دھا ھ سٹکھاسن اُن کا
گاؤں، گلی، شہروں، نگرؤں کو چکوتے ہوں ہمت مار
نہا اُسی مانگ دھا ھ جھلے کا ادھکار
—'شیل'

پر یہ پھار دیہی ہمارا، لوٹ شوہن کا مارا،
خون چوسنے والی، جونکھن، ابھی یہاں کرتیں پر ہارا
شاسن اُن کا، راشن اُن کا، قانونوں پر آسن اُن کا
گولی، گولی، ہندوؤں پر دھا ھ سٹکھاسن اُن کا
گاؤں، گلی، شہروں، نگرؤں کو چکوتے ہوں ہمت مار
نہا اُسی مانگ دھا ھ جھلے کا ادھکار
—'شیل'

پر یہ پھار دیہی ہمارا، لوٹ شوہن کا مارا،
خون چوسنے والی، جونکھن، ابھی یہاں کرتیں پر ہارا
شاسن اُن کا، راشن اُن کا، قانونوں پر آسن اُن کا
گولی، گولی، ہندوؤں پر دھا ھ سٹکھاسن اُن کا
گاؤں، گلی، شہروں، نگرؤں کو چکوتے ہوں ہمت مار
نہا اُسی مانگ دھا ھ جھلے کا ادھکار
—'شیل'

پر یہ پھار دیہی ہمارا، لوٹ شوہن کا مارا،
خون چوسنے والی، جونکھن، ابھی یہاں کرتیں پر ہارا
شاسن اُن کا، راشن اُن کا، قانونوں پر آسن اُن کا
گولی، گولی، ہندوؤں پر دھا ھ سٹکھاسن اُن کا
گاؤں، گلی، شہروں، نگرؤں کو چکوتے ہوں ہمت مار
نہا اُسی مانگ دھا ھ جھلے کا ادھکار
—'شیل'

या मामूली दरजे के किसानों और मजदूर वर्ग का। चेकोस्लोवाकिया के इतिहास के इस हिस्से को हम दो भाग में बांट सकते हैं: पहला, 1945 से 1947 तक का जमाना, जब विदेशी जागीरदारों की ज़मीन जब्त कर ली गई और चेकोस्लोवाकिया के खेत मजदूरों और गरीब किसानों में बांट दी गईं। दूसरा जमाना फरवरी 1948 के बाद से शुरू होता है जिसके अनुसार सामन्त काल की बची खुबी जागीरदारी परम्परा को बिल्कुल ख़तम कर दिया गया। इन्क़लाब के पहले ज़माने में सब से पहला सबाल तो यह उठा कि खेत मजदूरों या ऐसे कारतकारों को भी ज़मीन दी जाय जिन के पास अपनी ज़मीन नहीं है और दूसरों के यहां मजदूरी करने पर मजबूर हैं। इसके अनुसार ज़रमनों की ज़मीनें भी जब्त की गईं। यह ज़रमन हिटलर के ज़माने में चेकोस्लोवाकिया आकर ज़मीन के मालिक बन बैठे थे। साथ ही साथ ऐसे लोगों की ज़मीनें भी छीनी गईं जिन्होंने देस के साथ ग़हारी की थी। यह काम बड़ी तेज़ी से अमल में लाया गया फिर बाद में यही ज़मीनें मामूली किसानों और खेत मजदूरों में बांट दी गईं। इस तरह विदेशी ज़ाप ख़तम कर दी गईं।

इस तरह चेकोस्लोवाकिया की क्रान्ति का पहला दौर ख़तम हुआ और खेती सुधार का दौर शुरू हुआ।

फरवरी 1948 में सरकार ने अपने खेती सुधार पर एक नज़र और डाली। इसके अनुसार बड़े बड़े जागीरदारों और गिरजाघरों की बड़ी रियासतों का अन्त कर दिया गया। और इसके साथ ही ज़मीनों को बंटाई पर देने का तरीक़ा भी ख़तम हो गया। और अब मालूम हुआ कि जो तज़रूबा रूस में किया गया था वह चेकोस्लोवाकिया की हालत के अनुसार ही था। इस नई योजना के अनुसार किसानों को ज़मीनें तो मिल गई थीं, लेकिन वह पैदावार को न बढ़ा सकते थे। इसका कारन यह था कि नए खेती सुधार के अनुसार ज़मीन बहुत छोटे छोटे टुकड़ों में बांट गई थी और इन खेतों में मशीनों का इस्तेमाल नहीं हो सकता था। इस व्यवस्था में छोटे पैमाने पर खेतीबारी से किसानों की हालत न सुधर सकती थी। यही कारन तो था जो नई सरकार ने सहकारी खेती को बढ़ावा दिया ताकि हर इलाक़े में मिल जुल कर काम हो सके। हर गांव में सहकारी खेती के अनुसार काम चालू हो गया। इस प्रोग्राम में किसान अपनी मरफ़ी से सामिल हो सकते थे। बड़े किसानों के अधिकार पारर कम कर दिये गए। इसका नतीजा बड़ा अच्छा हुआ। खेती बारी में खूब उन्नति हुई और देस उन्नति की तरफ़ बढ़ने लगा।

सहकारी खेती के अलावा देस में बड़े बड़े रियासती कारन भी हैं जो बड़े जागीरदारों से नई सरकार ने छीने हैं।

नया ज़माना हमारे किसानों को मजदूर वर्ग का। चेकोस्लोवाकिया के इतिहास के इस हिस्से को हम दो भाग में बांट सकते हैं: पहला, 1945 से 1947 तक का जमाना, जब विदेशी जागीरदारों की ज़मीन जब्त कर ली गई और चेकोस्लोवाकिया के खेत मजदूरों और गरीब किसानों में बांट दी गईं। दूसरा जमाना फरवरी 1948 के बाद से शुरू होता है जिसके अनुसार सामन्त काल की बची खुबी जागीरदारी परम्परा को बिल्कुल ख़तम कर दिया गया। इन्क़लाब के पहले ज़माने में सब से पहला सबाल तो यह उठा कि खेत मजदूरों या ऐसे कारतकारों को भी ज़मीन दी जाय जिन के पास अपनी ज़मीन नहीं है और दूसरों के यहां मजदूरी करने पर मजबूर हैं। इसके अनुसार ज़रमनों की ज़मीनें भी जब्त की गईं। यह ज़रमन हिटलर के ज़माने में चेकोस्लोवाकिया आकर ज़मीन के मालिक बन बैठे थे। साथ ही साथ ऐसे लोगों की ज़मीनें भी छीनी गईं जिन्होंने देस के साथ ग़हारी की थी। यह काम बड़ी तेज़ी से अमल में लाया गया फिर बाद में यही ज़मीनें मामूली किसानों और खेत मजदूरों में बांट दी गईं। इस तरह विदेशी ज़ाप ख़तम कर दी गईं।

इस तरह चेकोस्लोवाकिया की क्रान्ति का पहला दौर ख़तम हुआ और खेती सुधार का दौर शुरू हुआ।

फरवरी 1948 में सरकार ने अपने खेती सुधार पर एक नज़र और डाली। इसके अनुसार बड़े बड़े जागीरदारों और गिरजाघरों की बड़ी रियासतों का अन्त कर दिया गया। और इसके साथ ही ज़मीनों को बंटाई पर देने का तरीक़ा भी ख़तम हो गया। और अब मालूम हुआ कि जो तज़रूबा रूस में किया गया था वह चेकोस्लोवाकिया की हालत के अनुसार ही था। इस नई योजना के अनुसार किसानों को ज़मीनें तो मिल गई थीं, लेकिन वह पैदावार को न बढ़ा सकते थे। इसका कारन यह था कि नए खेती सुधार के अनुसार ज़मीन बहुत छोटे छोटे टुकड़ों में बांट गई थी और इन खेतों में मशीनों का इस्तेमाल नहीं हो सकता था। इस व्यवस्था में छोटे पैमाने पर खेतीबारी से किसानों की हालत न सुधर सकती थी। यही कारन तो था जो नई सरकार ने सहकारी खेती को बढ़ावा दिया ताकि हर इलाक़े में मिल जुल कर काम हो सके। हर गांव में सहकारी खेती के अनुसार काम चालू हो गया। इस प्रोग्राम में किसान अपनी मरफ़ी से सामिल हो सकते थे। बड़े किसानों के अधिकार पारर कम कर दिये गए। इसका नतीजा बड़ा अच्छा हुआ। खेती बारी में खूब उन्नति हुई और देस उन्नति की तरफ़ बढ़ने लगा।

सहकारी खेती के अलावा देस में बड़े बड़े रियासती कारन भी हैं जो बड़े जागीरदारों से नई सरकार ने छीने हैं।

इस तरह चेकोस्लोवाकिया की क्रान्ति का पहला दौर ख़तम हुआ और खेती सुधार का दौर शुरू हुआ।

तो वह अधिक जमीन ख़सब कर ली जावगी. इस क़ानून के अनुसार एक करोड़ एकड़ जमीन ख़सब करली गई जो 200 जमींदारों के क़ब्ज़े में थी. मगर इसका बहुत थोड़ा हिस्सा किसानों को मिला. इसको इस तरह तक्कीमी किया गया कि लगभग एक तिहाई जमीन पुराने मालिकों से कम दरजे के जमींदारों में बांटी गई, जो सब के सब ज़रमन या हुंगेरियन थे. पन्द्रह फी सदी जमीन जो बड़े बड़े जागीरदारों से छीनी गई थी वह बजाय इसके कि सबकी सब खेत मज़दूरों और गरीब किसानों में बांट दी जाती उसको दो हज़ार टुकड़ों Residuary Estates में बांट दिया गया. हर टुकड़ा 250 एकड़ का था. इस तरह जब यह जमीन टुकड़ों में बंट गई तो इस में से छै फी सदी जमीन सट्टे बाज़ों के हाथ बेच दी गई, जिसके पास रुपया था वह ही जमीन ख़रीद सकता था. इसके बाद जो जमीन बची वह बहुत ख़राब थी. उसको छै लाख तीस हज़ार गरीब खेत मज़दूरों में बांट दिया गया. इस तरह हर घराने के हिस्से में मुश्किल से द्वाई एकड़ जमीन आई. यही हाल जंगलों का भी हुआ. बेचारे गरीब किसान इमसे भी कोई लाभ न उठा सके. सरकार ने चौथाई जंगल तो अपने अधिकार में ले लिये और बाक़ी तीन चौथाई दो हज़ार बड़े बड़े जमींदारों में बांट दिये.

इस तरह हम देखते हैं कि शुरू शुरू के सुधार बिल्कुल असफल हुए. किसानों की हालत अच्छी न हो सकी. लगभग पांच लाख किसान ऐसे थे जो अपने घर बार की जरूरतों को पूरा नहीं कर सकते थे.

मगर ज़रमन फ़ासिस्त अधिकार के अन्तम होने पर 1945 में जो नई सरकार बनी उसने खेती बारी के बारे में यह सिद्धान्त बनाया कि जो खुद बोए जोते उसको ही ज़मीन मिलनी चाहिये. इस असूल के अनुसार ज़मीन फिर से बाँटी गई और यह तय किया गया कि हर घराने की ज़रूरत को सामने रख कर 25 और 33 एकड़ के अन्दर ज़मीन मिलनी चाहिये. इस तरह दो लाख किसानों को ज़मीन मिली और वह संतोष से रहने लगे. जिन लोगों की ज़मीन ज़ब्त की गई उनको कोई मावज़ा नहीं दिया गया. इसके साथ ही किसानों को बड़ी मुश्त बाँटे फ़रजों दिये गए. कास्तकारों की सहकारी संस्थाएं बनाई गई जो इन फ़रजों के अदा करने के विषय में सुरतें बनाबंगी. इस तरह चेकोस्लोवाकिया के जन आन्दोलन ने एक नई मंज़िल का तरक तद्वम बढ़ाया. देसी पूंजीप्रतियों और विदेसी सामराजियों की साख़िश के खिलाफ़ एक नया मोरचा बनने लगा. और यह मोरचा

نو چہ ایک ہیکڑ زمین ضبط کرنی چاہیگی۔ اس قانون کے انحصار
 ایک ہیکڑ زمین ضبط کرنی لگی جو 200 زمینداروں کے
 حصے میں تھی۔ مگر اس کا بہت تھوڑا حصہ کسانوں
 کو ملا۔ اس کو اس طرح تقسیم کیا گیا کہ لگ بھگ ایک
 تہائی زمین پرانے مالکوں سے کم درجے کے زمینداروں میں
 بانٹ لی گئی، جو سب کے سب چرواہے یا ہلنگریں تھے۔
 پندرہ فی صدی زمین جو بڑے بڑے جاگیرداروں سے چھینی
 گئی تھی وہ بھائیہ اس کے لئے سب کی سب کھیت
 میوزیموں اور فریب کسانوں میں بانٹ دی جانی اس
 کی دو ہلنگریوں Residuary Estates میں بانٹ دیا
 گیا۔ ہر گھوڑا 250 ایکڑ کا تھا۔ اس طرح جب یہ زمین
 لکڑیوں میں بانٹ گئی تو اس میں سے چھ فی صدی اچھی
 زمین سگہ ہاؤس نے ہاتھوں بھیج دی گئی۔ جس کے پاس
 زمین نہ تھی وہ زمین خرید سکتا تھا۔ اس کے بعد جو زمین
 بچی وہ بہت خراب تھی۔ اس کو چھ لاکھ تیس ہزار
 فریب کھیت میوزیموں میں بانٹ دیا گیا۔ اس طرح ہر
 گھوڑے کے حصے میں مشکل سے ڈھائی ایکڑ زمین آئی۔
 یہی حال جنگلیوں کا بھی ہوا۔ بھارے فریب کسان اس
 سے بھی کوئی لاپہ نہ اٹھا سکے۔ سرکار نے چوتھائی جنگل
 کو اچے ادھوکار مہوں نے لئے اور باقی تین چوتھائی دو ہزار
 بڑے بڑے زمینداروں میں بانٹ دیئے۔

ایس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شروع شروع کے سدھار بالکل آسان ہوتے۔ کسانوں کی حالت اچھی نہ ہوسکتی۔ لگ بھگ پانچ لاکھ کسان ایسے تھے جو اپنے گھر بار کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتے تھے۔

مگر جرمین فاسسٹ اڈھکار کے ختم ہونے پر 1945 میں جو نئی سرکار بنی اس نے کھیتی باڑی کے بارے میں یہ سبھاوت بنایا کہ جو خود ہوئے جوتے اس کو ہی ملنی چاہئے۔ اس اصول کے اسرار زمین پر سے بانگنی گئیں اور یہ طے کیا گیا کہ ہر کھڑے کی ضرورت کو سامنے رکھ کر 25 اور 33 ایکڑ کے اندر زمین ملنی چاہئے۔ اس کے طرح دو لاکھ کسانوں کو زمین ملی اور وہ سبھوں سے رہنے لگے۔ جن لوگوں کی زمین ضبط کی گئی ان کو کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی کسانوں کو ہوی مدد والے قرضے دئے گئے۔ کاشتکاروں کی سبھکاری سلسلہ انھوں بنائی گئیں جو ان قرضوں کو ادا کرنے کے رشتہ میں شرطوں بنائیں گی۔ اس طرح چھوٹوسلوواکیا نے جن آندولن نے ایک نئی منزل کی طرف قدم بڑھایا۔ دیسی پولیتی پتوں اور بدھسی سامراجیوں کی سازش کے خلاف ایک نیا مورچا بننے لگا۔ اور یہ مورچہ

(अतहर परवेण)

सन 1918 में जब चेकोस्लोवाकिया में पहली लोक-
साही क्रान्ति हुई तो जर्मनी को खत करने का भी कानून
बनाया गया, जिस के अनुसार यह तय हुआ कि अगर किसी
व्यक्ति के पास यौन चार सौ एकड़ से अधिक जमीन होगी

(3474 7461)

یورپ میں ہونجی واں نے جھمے ہی زور پکونا شروع کیا تو اس کے اثر سے چھکوسلوراکھا بھی نہ بچ سکا اور کھیتی کی پرتھا میں ہونجی وادی طوبقہ بھی شامل ہوگیا۔ پچھلے سو قیڑہ سو سال میں جب کہ ہونجی واں اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا، غریب کسان زمین کی کسی کے کارن پریشان تھ۔ پر اس بچ میں زمیندار، بھٹک کے مالک، اور ستھہ بازوں وغیرہ کا زور بڑھنے لگا۔ انہوں نے اپنی زمینوں کی بدولت خوب دولت سمیٹی اور زمین کا مول اور اس کا لگان بھی بڑھا دیا۔ بھجڑے کسان، جن کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا، مضبوط ہوکر ان ہونجی وادیوں کی شرط کے انوسار کام کرتے تھ۔ لگر ایسا نہ کرتے تو پھر کیا کرتے۔ شہر میں ان کے لئے کوئی کام بھی تو نہ تھا۔ یہ حالت چھکوسلوراکھا میں سن 1918 تک رہی۔ اس سال وہاں پہلی لوک شاہی قائم ہوئی۔ اس سے ملک کی ایک تھائی دھرتی پر ویسی ہونجی پتھوں اور بدھتی ہونجی پتھوں کا ادھکار تھا۔ سن 1918 میں جب چھکوسلوراکھا میں پہلی لوک شاہی قائم ہوئی تو زمین کو ضبط کرنے کا بھی قانون بنایا گیا۔ جس کے انوسار یہ طے ہوا کہ لگر کسی زمینگی کے پاس پونے چار سو ایک سو سے آدھک زمین ہوگی

پر کبھی کبھی ہوا کرتی تھی۔ دوسرا ناکا اور، بدمعاش ہوا تھا۔ وہ پتلا بھی نہ تھا۔ ہم نے جب ان کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ اس بات کی نشانی ہے کہ ان کے خاندان میں سے کوئی ناکا دوشمن کے دو سر کاٹ کر لیا تھا۔ کوئی ناکا دروازے پر ہرچھ لگا کر نہیں دیکھ سکتا جس کے خاندان کا کوئی آدمی دوشمن کے سر کاٹ کر نہ لیا ہو۔ جتنے سر کاٹ کر لائے گئے ہیں انہی ہرچھ نشان کے طور پر دروازے پر لگے رہ سکتے ہیں۔

عورت کا سر کاٹ کر لانا مرد کے سر سے زیادہ شان کی بات سمجھا جاتا ہے۔ پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اس ناصرفی کے کام کو بے مطلب ہی شان دی گئی ہے۔ کوئی ناکا کبھی انہی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا اور نہ خالص عورتوں کے جھلڈ پر حملہ کرتا۔ عام طور سے ناکا عورتوں پر ہلوچی عورتوں کی طرح مضبوط تو بہت ہوتی ہیں۔ لوائی میں شامل نہیں ہوتیں۔ لوائی کے موقع پر وہ سب ایک جگہ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور مرد جان پر کھیل کر ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی ناکا ان آدمیوں کے جھلڈ کو چھو کر دوشمن کی کسی عورت کا سر کاٹ لائے تو عورت کا وہ سر مرد کے سر سے زیادہ شاندار سمجھا جاتا ہے۔

دھرمے دھرمے ایسی باتوں میں بہت دم دہکتے ہیں پر ان کی شان قائم ہے۔

دھرمے دھرمے ایسی باتوں میں بہت دم دہکتے ہیں پر ان کی شان قائم ہے۔

دھرمے دھرمے ایسی باتوں میں بہت دم دہکتے ہیں پر ان کی شان قائم ہے۔

—بھگواندین

—بھگوان دین

بہت کم تر م بھوت وہ نہیں جیسے بولا جاتا ہے بلکہ وہ جس پر چھا جاتا ہے۔

—کلاک

—کلاک

کسی نے آخرت سے پوچھا، 'آدمی بھوت بول کر کیا پاتا ہے؟' یہ نہ جب وہ سچ بولتا ہے اس کا کبھی وشواس نہیں کیا جاتا۔ اس نے جواب دیا۔

کسی نے اوسط سے پوچھا، 'آدمی جھوٹ بول کر کیا پاتا ہے؟' یہ نہ جب وہ سچ بولتا ہے اس کا کبھی وشواس نہیں کیا جاتا۔ اس نے جواب دیا۔

—الہات

—الہات

بھوتوں کے سوائے اور کوئی جھوٹ نہیں بولتے۔

بھوتوں کے سوائے اور کوئی جھوٹ نہیں بولتے۔

—مرفی

—مرفی

بھوتے سے دے اور مرنے والے دونوں بڑا کرتے ہیں۔ بھوتا بھوت بولتا ہے، کیونکہ وہ سچائی کو تسلیم کرنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔

بھوتے سے دے اور مرنے والے دونوں بڑا کرتے ہیں۔ بھوتا بھوت بولتا ہے، کیونکہ وہ سچائی کو تسلیم کرنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔

—سر والٹر رے

—سر والٹر رے

ناگہا کھیلوں کا سارا چھوڑ دلی سرکار کے ماتحت ہے۔ یوں اسکا سیدھا संबंध আসام کے گورنر سے ہے۔ پار আসام کے منتری منڈل سے نہیں۔ یہ سرکار کی خواہا کھیسماتی ہی سمجھتے کی آجکل جو ڈی. سی. پی. ڈی. سی. اور ہائی اسکول کے ہڈ ماسٹر کوہیما میں ہیں وہ اتنے ہوگ اور پلوت ہوں جتنے اور جگہ بہت کم دیکھنے کو ملے۔ جو قی. سی. آج کل کوہیما میں ہیں، پتہ لگا، وہ پوشائی پہاڑوں میں بھی وہ چمک ہوں اور انہوں نے صلح سے تحصیل تک پہنچیں لیکن ایک سوک وہوں کے لوگوں کی مدد سے بلوائی تھی، جسے گاؤں والوں نے خود ہڈایا تھا، جس میں سرکار کا ایک پوسٹ بھی خدج نہیں ہوا تھا۔ جو قی. سی. سرکار کو کوہیما میں ملے ہوئے ہوں ویسا ایک بھی چیف ماسٹر اور کسی ریاست کو مل جائے تو کیا چہیں جو سی لہرے پوسٹ ہمارے دیہوں میں پیدا نہیں ہو سکتی؟

پنڈت سندرلال جی میشن کے پادری سے ملے۔ وہ ایک امریکی سجن ہوں۔ وہ دل کھول کر ملے۔ بڑے صاف صاف بولنے والے تھے۔ بولے:

”دیکھو، جب یہاں انگریزوں کا راج نہ تھا تب سے ہم یہاں کام کر رہے ہیں۔ اور جو کام ہم نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ انگریزی راج میں بھی ہم کام کرتے رہے۔ سن 47 سے ہندوستان آزاد ہوا، اور جب سے ہم آزاد ہندستان میں کام کر رہے ہیں۔ ہمارا راج کچی معاملوں سے کوئی سمجھ نہیں۔ ہم اچے دھرم کا پرچار کرتے ہوں۔ ناگہا لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ یہ تھیک ہے نہ ناگہا چرچ کا سمجھ امریکہ چرچ سے ہے، پر امریکہ چرچ ناگہا چرچ پر شاسن نہیں کرنا۔ اس کو صلح دیتا ہے۔ ناگہا چرچ بالکل خود مختار ہے کہ وہ امریکہ چرچ کی صلح مانے یا نہ مانے۔ ناگہا چرچ کا اپنا سلکھن ہے۔ اس میں ناگہا مہسانہوں کے سوا اور کوئی شامل نہیں۔“

کوہیما میں ایک وار سمیٹری یعنی پچھلے جنگ میں مرے والوں کا قبرستان بھی ہے۔ ویسا ہی ایک قبرستان ایمپال میں بھی ہے۔ یہ سب قبرستان ہوتے کاسٹریبلتھ کے ماتحت ہیں۔ اس کا ہوا دفتر انکلیٹ میں ہے۔ ان قبرستانوں پر جو خرچ ہوتا ہے اس کا دس فی صدی یا کچھ کم زیادہ ہندوستانی سرکار دیتی ہے پر ہند سرکار کا خرچ میں کوئی دخل نہیں۔ اس میں جو لوگ کم کرتے ہیں وہ سب انکلیٹ دفتر کے ماتحت ہیں۔

کوہیما کے انگریزی ناگہا سرکاری نہیں وہ لگے۔ یہ بھی اس کا اپنی مانی ضرور مانتے ہیں۔ کوہیما گاؤں کے مکھیا کے یہاں جب ہم گئے تو اس کے دروازے کے دائیں طرف دو بڑے گھر تھے۔ ایک کافی پرانا تھا جس

کوہیما کے انگریزی ناگہا سرکاری نہیں وہ لگے۔ یہ بھی اس کا اپنی مانی ضرور مانتے ہیں۔ کوہیما گاؤں کے مکھیا کے یہاں جب ہم گئے تو اس کے دروازے کے دائیں طرف دو بڑے گھر تھے۔ ایک کافی پرانا تھا جس

پنڈت سندرلال جی میشن کے پادری سے ملے۔ وہ ایک امریکی سجن ہوں۔ وہ دل کھول کر ملے۔ بڑے صاف صاف بولنے والے تھے۔ بولے:

”دیکھو، جب یہاں انگریزوں کا راج نہ تھا تب سے ہم یہاں کام کر رہے ہیں۔ اور جو کام ہم نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ انگریزی راج میں بھی ہم کام کرتے رہے۔ سن 47 سے ہندوستان آزاد ہوا، اور جب سے ہم آزاد ہندستان میں کام کر رہے ہیں۔ ہمارا راج کچی معاملوں سے کوئی سمجھ نہیں۔ ہم اچے دھرم کا پرچار کرتے ہوں۔ ناگہا لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ یہ تھیک ہے نہ ناگہا چرچ کا سمجھ امریکہ چرچ سے ہے، پر امریکہ چرچ ناگہا چرچ پر شاسن نہیں کرنا۔ اس کو صلح دیتا ہے۔ ناگہا چرچ بالکل خود مختار ہے کہ وہ امریکہ چرچ کی صلح مانے یا نہ مانے۔ ناگہا چرچ کا اپنا سلکھن ہے۔ اس میں ناگہا مہسانہوں کے سوا اور کوئی شامل نہیں۔“

کوہیما میں ایک وار سمیٹری یعنی پچھلے جنگ میں مرے والوں کا قبرستان بھی ہے۔ ویسا ہی ایک قبرستان ایمپال میں بھی ہے۔ یہ سب قبرستان ہوتے کاسٹریبلتھ کے ماتحت ہیں۔ اس کا ہوا دفتر انکلیٹ میں ہے۔ ان قبرستانوں پر جو خرچ ہوتا ہے اس کا دس فی صدی یا کچھ کم زیادہ ہندوستانی سرکار دیتی ہے پر ہند سرکار کا خرچ میں کوئی دخل نہیں۔ اس میں جو لوگ کم کرتے ہیں وہ سب انکلیٹ دفتر کے ماتحت ہیں۔

کوہیما کے انگریزی ناگہا سرکاری نہیں وہ لگے۔ یہ بھی اس کا اپنی مانی ضرور مانتے ہیں۔ کوہیما گاؤں کے مکھیا کے یہاں جب ہم گئے تو اس کے دروازے کے دائیں طرف دو بڑے گھر تھے۔ ایک کافی پرانا تھا جس

رہا تھا۔ اس میں میں کسی نے پ. ڈی. سی. پرنسپل سےن کو خبر دی کہ ناگہا کے ایک گاؤں نے دوسرے گاؤں پر چڑھائی کر دی۔ وہ فوراً اٹھ کر وہاں سے چل دیئے۔ دوسرے دن جو حال انہوں نے سنا، وہ یہ تھا :

ایک گاؤں نے دوسرے گاؤں پر چڑھائی تو نہیں کی تھی، چڑھائی کی تھاری کر رہا تھا۔ پولیس کی مدد سے اس کو روک دیا گیا۔ چڑھائی کی وجہ یہ تھی کہ گاؤں کے ایک آدمی کو دوسرے گاؤں والوں نے مار ڈالا تھا۔ خون کا بدلہ لہذا ضروری تھا۔ پولیس نے مارنے والے کو پکڑ لیا۔ پکڑنے میں کوئی خراس دیکھت نہ تھی۔ نہ مارنے والے کا پتا لگانے میں دیر لگی۔ اس سبب میں پولیس کی مستعدی بھر تو اپنی تھی۔ باکلی سب کام تو گاؤں والوں کا تھا اور خود مارنے والے کا۔ نہ گاؤں والوں نے قاتل کو بتائے میں آنا کئی کی اور نہ قاتل نے اپنے کو پکڑنے میں کچھ اچان ڈالی۔ اس نے سچ سچ بات ایسے بے دلی سے کہی کہ وہ نہ ہو۔

وہ بولا، مارنے والے نے مجھ کو کچھ مزدوری تھہرا کر سامان لانے کے لئے راضی کیا۔ میں راضی ہو گیا۔ کچھ دور چل کر میں نے اپنی مزدوری مانگی۔ وہ بولا، کدور چل کر دوں گا۔ میں نے کہا، میں یہیں لوں گا۔ میں نے یہ بھی کہا، میں ہمارے پر اگر تم مجھے مہری مزدوری نہیں دو گے تو میں تمہارا سر کاٹ لوں گا۔ میں نے توں ہار مہری مانگی۔ اس نے نہیں دی۔ میں نے داؤ سے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور دیکھتے صاحب، میں اپنی بات کا پورا پکا رہا۔ میں نے صرف اس کا سر کاٹا ہے اور کہیں داؤ نہیں سارا۔

اب کہتے، ایسے سچ بولنے والوں کے لئے وہل ہیوسٹر کی کیا ضرورت۔ میں پورنہندو میں صاحب سے یہ بھی پتہ چلا کہ سرکار کی طرف سے کوہما گاؤں کی ایک پمچائیت پٹی ہوئی ہے، ایک پمچائیت کدور ہی بنا ہوا ہے۔ پمچائیت کدور دیکھنے کی بات ہم پہلے کہ چکے۔ کوہما گاؤں کی پمچائیت کو بہت اختیار حاصل ہیں۔ وہ فوجداری دیوانی سبھی طرح کے مقدمے سکتے ہیں۔ کہیں کہیں پمچائیت لکڑی کے مقدموں کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ وہی جو گاؤں والے مقدمے اس پمچائیت تک لے جاتے ہیں۔ پمچائیت جو سزا دیتی ہے اس میں سرکاری عدالت کوئی دخل نہیں دیتی۔ گاؤں والے ہی اسے خوشی سے مان لیتے ہیں۔ پمچائیت کی سزا کو برداشت کرنے میں وہ سب سے مانع ہیں، دیکھ نہیں۔ وہ یہ مرکز نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

حال، کچھ معاملے سرکاری کچھری میں ہی آتے ہیں۔ پر ناگہا وہاں بھی سچ ہی بولتے ہیں۔ اور کچھری کے انصاف کو بھی سر مانے ایسے ہی چوتھے ہیں جو پمچائیت کے انصاف کو۔

وہ بولا، مارنے والے نے مجھ کو کچھ مزدوری تھہرا کر سامان لانے کے لئے راضی کیا۔ میں راضی ہو گیا۔ کچھ دور چل کر میں نے اپنی مزدوری مانگی۔ وہ بولا، کدور چل کر دوں گا۔ میں نے کہا، میں یہیں لوں گا۔ میں نے یہ بھی کہا، میں ہمارے پر اگر تم مجھے مہری مزدوری نہیں دو گے تو میں تمہارا سر کاٹ لوں گا۔ میں نے توں ہار مہری مانگی۔ اس نے نہیں دی۔ میں نے داؤ سے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور دیکھتے صاحب، میں اپنی بات کا پورا پکا رہا۔ میں نے صرف اس کا سر کاٹا ہے اور کہیں داؤ نہیں سارا۔

اب کہتے، ایسے سچ بولنے والوں کے لئے وہل ہیوسٹر کی کیا ضرورت۔ میں پورنہندو میں صاحب سے یہ بھی پتہ چلا کہ سرکار کی طرف سے کوہما گاؤں کی ایک پمچائیت پٹی ہوئی ہے، ایک پمچائیت کدور ہی بنا ہوا ہے۔ پمچائیت کدور دیکھنے کی بات ہم پہلے کہ چکے۔ کوہما گاؤں کی پمچائیت کو بہت اختیار حاصل ہیں۔ وہ فوجداری دیوانی سبھی طرح کے مقدمے سکتے ہیں۔ کہیں کہیں پمچائیت لکڑی کے مقدموں کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ وہی جو گاؤں والے مقدمے اس پمچائیت تک لے جاتے ہیں۔ پمچائیت جو سزا دیتی ہے اس میں سرکاری عدالت کوئی دخل نہیں دیتی۔ گاؤں والے ہی اسے خوشی سے مان لیتے ہیں۔ پمچائیت کی سزا کو برداشت کرنے میں وہ سب سے مانع ہیں، دیکھ نہیں۔ وہ یہ مرکز نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

حال، کچھ معاملے سرکاری کچھری میں ہی آتے ہیں۔ پر ناگہا وہاں بھی سچ ہی بولتے ہیں۔ اور کچھری کے انصاف کو بھی سر مانے ایسے ہی چوتھے ہیں جو پمچائیت کے انصاف کو۔

اب کہتے، ایسے سچ بولنے والوں کے لئے وہل ہیوسٹر کی کیا ضرورت۔ میں پورنہندو میں صاحب سے یہ بھی پتہ چلا کہ سرکار کی طرف سے کوہما گاؤں کی ایک پمچائیت پٹی ہوئی ہے، ایک پمچائیت کدور ہی بنا ہوا ہے۔ پمچائیت کدور دیکھنے کی بات ہم پہلے کہ چکے۔ کوہما گاؤں کی پمچائیت کو بہت اختیار حاصل ہیں۔ وہ فوجداری دیوانی سبھی طرح کے مقدمے سکتے ہیں۔ کہیں کہیں پمچائیت لکڑی کے مقدموں کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ وہی جو گاؤں والے مقدمے اس پمچائیت تک لے جاتے ہیں۔ پمچائیت جو سزا دیتی ہے اس میں سرکاری عدالت کوئی دخل نہیں دیتی۔ گاؤں والے ہی اسے خوشی سے مان لیتے ہیں۔ پمچائیت کی سزا کو برداشت کرنے میں وہ سب سے مانع ہیں، دیکھ نہیں۔ وہ یہ مرکز نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

حال، کچھ معاملے سرکاری کچھری میں ہی آتے ہیں۔ پر ناگہا وہاں بھی سچ ہی بولتے ہیں۔ اور کچھری کے انصاف کو بھی سر مانے ایسے ہی چوتھے ہیں جو پمچائیت کے انصاف کو۔

चलती है नहीं तो नागा लोग बुरा मानते हैं। हमको यह बात प. डी. सी. साहब पूर्णेंद्र सेन ने समझा दी थी। चावल की इस शराब को तैयार करने के लिये कचौरी जितनी बड़ी सकेब सकेब रोटियां बाजार में बिकती हैं। यह रोटियां देखने में खांड के बने हुए गिबोंडे जैसी होती हैं। हां, कहीं कहीं उसमें काले निशान होते हैं। यह काले निशान उस बेल के पत्ते के होते हैं जिनकी मदद से यह रोटी तैयार की जाती है। उस बेल का नाम नागा बोली में 'होम' है। याद रहे 'स' और 'ह' आपस में बदल जाते हैं। आसाम वाले आसाम को असम लिखते हैं पर बोलते हैं उसे 'अहम'। इसलिये यह होम बेल वही सोम बेल है जिसको वैदिक समय के आर्य लोग इस्तेमाल करते थे। हम दो चार दिन अगर और ठहरते तो उस होम या सोम बेल का नमूना जरूर साथ लाते। पर बैसा न कर सके। अब भी कोई चाहे तो वहां से वह बेल मंगा सकता है और उसका मिलान उस सोम बेल के बयान से कर सकता है जो वेदों की रिचाओं में मौजूद है।

हमारी अपनी यह राय है कि नागों का जीवन बहुत कुछ वेद के समय के आर्यों से मिलता है। हां, नागाओं की शकल सूरत आर्यों से नहीं, मंगोलियों से खियादा मिलती है शिखा सूत्र में से शिखा उनके पास है, सूत्र यानी जनेऊ नहीं। पर शिखा सूत्र दोनों का वेदों में कहीं खिकर नहीं मिलता। सूत्र यानी जनेऊ तो आज भी न सन्ध्यासी पहनते हैं और न धौरतें।

हमारे पिताजी सन 87 में इनजीनियर की हैसियत से नागा पहाड़ियों में काम कर चुके थे। वह हमें बताया करते थे कि नागा लोग न भूट बोलते हैं, न चोरी करते हैं, न छद्म लेते देते हैं। अगर किसी की चीज गिर जाय तो सात रोज तक वहीं पड़ी रहेगी। सात रोज के बाद गांव के मुखिया के पास जायगी। उसके बारे में डोंडी पीटी जायगी। जिसकी हो उसको मिल जायगी। 50-60 बरस पहले की इतनी ऊंची सचाई तो सब नागा लोगों में अब नहीं रह गई पर आज भी कसम दिलाने पर कोई नागा भूट नहीं बोल सकता। इस बारे में सरकारी अफसरों को कोई शिकायत नहीं। अगर चीनी सरकार ने अपने यहां से बकीलों को खतम कर दिया है तो हिन्दुस्तान के नागों ने भूट न बोलने की कसम खा कर बकीलों को बेकार बना दिया है। प. डी. सी. पूर्णेंद्र सेन तो इस मामले में नागों की तारीफ करते कभी अघाते ही न थे। कभी कभी तो वह इतने गव गव हो जाते थे कि उसका चेहरा देखने के लायक होता था।

दो मार्च 1953 का खिकर है : पंडित सुन्दर लाल जी का ग्राम के बलत कोहिमा की साहित्य सभा में भाषण हो

जब भी मैंने नागा लोग बुरा मानते हैं। हम को यह बात प. डी. सी. साहब पूर्णेंद्र सेन ने समझा दी थी। चावल की इस शराब को तैयार करने के लिये कचौरी जितनी बड़ी सकेब सकेब रोटियां बाजार में बिकती हैं। यह रोटियां देखने में खांड के बने हुए गिबोंडे जैसी होती हैं। हां, कहीं कहीं उसमें काले निशान होते हैं। यह काले निशान उस बेल के पत्ते के होते हैं जिनकी मदद से यह रोटी तैयार की जाती है। उस बेल का नाम नागा बोली में 'होम' है। याद रहे 'स' और 'ह' आपस में बदल जाते हैं। आसाम वाले आसाम को असम लिखते हैं पर बोलते हैं उसे 'अहम'। इसलिये यह होम बेल वही सोम बेल है जिसको वैदिक समय के आर्य लोग इस्तेमाल करते थे। हम दो चार दिन अगर और ठहरते तो उस होम या सोम बेल का नमूना जरूर साथ लाते। पर बैसा न कर सके। अब भी कोई चाहे तो वहां से वह बेल मंगा सकता है और उसका मिलान उस सोम बेल के बयान से कर सकता है जो वेदों की रिचाओं में मौजूद है।

हमारी अपनी यह राय है कि नागों का जीवन बहुत कुछ वेद के समय के आर्यों से मिलता है। हां, नागाओं की शकल सूरत आर्यों से नहीं, मंगोलियों से खियादा मिलती है शिखा सूत्र में से शिखा उनके पास है, सूत्र यानी जनेऊ नहीं। पर शिखा सूत्र दोनों का वेदों में कहीं खिकर नहीं मिलता। सूत्र यानी जनेऊ तो आज भी न सन्ध्यासी पहनते हैं और न धौरतें।

हमारे पिताजी सन 87 में इनजीनियर की हैसियत से नागा पहाड़ियों में काम कर चुके थे। वह हमें बताया करते थे कि नागा लोग न भूट बोलते हैं, न चोरी करते हैं, न छद्म लेते देते हैं। अगर किसी की चीज गिर जाय तो सात रोज तक वहीं पड़ी रहेगी। सात रोज के बाद गांव के मुखिया के पास जायगी। उसके बारे में डोंडी पीटी जायगी। जिसकी हो उसको मिल जायगी। 50-60 बरस पहले की इतनी ऊंची सचाई तो सब नागा लोगों में अब नहीं रह गई पर आज भी कसम दिलाने पर कोई नागा भूट नहीं बोल सकता। इस बारे में सरकारी अफसरों को कोई शिकायत नहीं। अगर चीनी सरकार ने अपने यहां से बकीलों को खतम कर दिया है तो हिन्दुस्तान के नागों ने भूट न बोलने की कसम खा कर बकीलों को बेकार बना दिया है। प. डी. सी. पूर्णेंद्र सेन तो इस मामले में नागों की तारीफ करते कभी अघाते ही न थे। कभी कभी तो वह इतने गव गव हो जाते थे कि उसका चेहरा देखने के लायक होता था।

2 मार्च 1953 का खिकर है : पंडित सुन्दर लाल जी का ग्राम के बलत कोहिमा की साहित्य सभा में भाषण हो

ناگہا کی دو جات آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتیں۔ عام طور سے ایک جات دوسری جات کو دہانے کی کبھی نہیں دیتی ہے۔ ہوں جات جات میں دشمنی بلی رہتی ہے۔ بچوں کا بدلہ کبھی چک ہی نہیں پاتا۔ آئے دن بات بات پر لڑائی جھگڑا جاتی ہے اور دسیوں کو جان سے ہاتھ دھو پکاتا ہے۔

اب تک ناگہا کے پاس آج کے ہتھیار نہ تھے۔ گاو، بڑائی، ہاتھ ہی تھے۔ اب سرکار کی طرف سے مامولی بندوقوں کا لائسنس بھی مل گیا ہے۔

ناگہا کی سب لڑکیاں بوننا جانتی ہیں اور بہت بڑا کپڑا بونتی ہیں۔ کاتنے کا رواج بیلکول نہیں سوت سب میل کا ہستہ مال ہوتا ہے۔ کوہیما ہے تو ڈنڈا—4900 فٹ ڈنڈا—پر ہم نے کسی اور ت مرق کے پاس ان کی کپڑے نہیں دیکھے۔ ہاں، جو سرکاری نوکر ہیں ان سب کو دھاری والے آؤں کی لکڑی ملے ہوئے ہیں جس کو وہ اس طرح پہنتے رہتے ہیں جس طرح ہودہ سادھو اپنی چادر اڑھتے ہیں۔ ناگہا مرد عام طور سے ایک کپڑا کمر سے اس طرح لپھتے رہتے ہیں جس طرح مہاتما گاندھی لپھتے رہتے تھے۔ وہ کپڑا لٹ فٹ فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں ہوتا۔ اس کپڑے پر کچھ دھاریاں بلی رہتی ہیں جو اس بات کا نشان ہیں کہ پہلے والے کو ناگہا سماج سے نکلا اور پراپت ہے۔ ایک دوسرا کپڑا وہ اڑھتے رہتے ہیں۔ اس کی چوڑائی بھی کمر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہم نے جونا پہلے کسی ناگہا کو نہ دیکھا۔ ہاں جو ناگہا میسائی ہوئے ہیں ان میں اور ہم سب میں اڑھتے پہنارے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ ناگہا میسائی لوگ اس سے ہی کپڑے پہنتے ہیں جو میسائی کے اور میسائی۔ عام طور سے ناگہا رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ میسائی ناگہا لوگ یا تو چمکی لوگ یا معلوم ہوئے ہیں یا ہورہی۔

اب تک ناگہا کے پاس آگ کے ہتھیار نہ تھے۔ گاو، بڑائی، ہاتھ ہی تھے۔ اب سرکار کی طرف سے معمولی بندوقوں کا لائسنس بھی مل گیا ہے۔

ناگہا کی سب لڑکیاں بوننا جانتی ہیں اور بہت بڑا کپڑا بونتی ہیں۔ کاتنے کا رواج بالکل نہیں سوت سب میل کا ہستہ مال ہوتا ہے۔ کوہیما ہے تو ڈنڈا—4900 فٹ ڈنڈا—پر ہم نے کسی اور ت مرق کے پاس ان کی کپڑے نہیں دیکھے۔ ہاں، جو سرکاری نوکر ہیں ان سب کو دھاری والے آؤں کی لکڑی ملے ہوئے ہیں جس کو وہ اس طرح پہنتے رہتے ہیں جس طرح ہودہ سادھو اپنی چادر اڑھتے ہیں۔ ناگہا مرد عام طور سے ایک کپڑا کمر سے اس طرح لپھتے رہتے ہیں جس طرح مہاتما گاندھی لپھتے رہتے تھے۔ وہ کپڑا لٹ فٹ فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں ہوتا۔ اس کپڑے پر کچھ دھاریاں بلی رہتی ہیں جو اس بات کا نشان ہیں کہ پہلے والے کو ناگہا سماج سے نکلا اور پراپت ہے۔ ایک دوسرا کپڑا وہ اڑھتے رہتے ہیں۔ اس کی چوڑائی بھی کمر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہم نے جونا پہلے کسی ناگہا کو نہ دیکھا۔ ہاں جو ناگہا میسائی ہوئے ہیں ان میں اور ہم سب میں اڑھتے پہنارے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ ناگہا میسائی لوگ اس سے ہی کپڑے پہنتے ہیں جو میسائی کے اور میسائی۔ عام طور سے ناگہا رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ میسائی ناگہا لوگ یا تو چمکی لوگ یا معلوم ہوئے ہیں یا ہورہی۔

ناگہا مرد ہینڈوؤں کی طرح موٹی موٹی چوٹی رکھتے ہیں۔ ناگہا مردوں کی طرح موٹی چوٹی رکھتے ہیں۔

کھان پان کے معاملے میں وہ چھوٹے سے بالکل ملتے ہیں۔ لگ بھگ سب طرح کے جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ گائے پالتے ہیں پر گائے کا دودھ نہیں پیتے۔ اور نہ اس کو دودھ کے لئے پالتے ہیں۔ وہ تو ان کی بکری ہے۔ جن ناکوں نے میسائی دھرم سونکر کر لیا ہے وہ کتے بلی کا ماسس چھوڑ دیتے ہیں۔ ناگہا کھروں میں مڈوں سوکھا ماسس لٹکا دیتا ہے پر اس میں ہر نہیں آتی۔

کھان پان کے معاملے میں وہ چھوٹے سے بالکل ملتے ہیں۔ لگ بھگ سب طرح کے جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ گائے پالتے ہیں پر گائے کا دودھ نہیں پیتے۔ اور نہ اس کو دودھ کے لئے پالتے ہیں۔ وہ تو ان کی بکری ہے۔ جن ناکوں نے میسائی دھرم سونکر کر لیا ہے وہ کتے بلی کا ماسس چھوڑ دیتے ہیں۔ ناگہا کھروں میں مڈوں سوکھا ماسس لٹکا دیتا ہے پر اس میں ہر نہیں آتی۔

چاول سے ناگہا ایک پہلے کی چھوٹا تھار کرتے ہیں جس کو وہ 'اجی' کہہ پکارتے ہیں۔ وہ ایک طرح کی شراب ہے۔ اے پوجا کے وقت خوب پیتے پاتے ہیں۔ مہمانوں کو بھی کرتے ہیں۔ ہمیں بھی ایک ایک گلاس بھی کھا کھا تھا۔ ہم نے پتا تو نہیں پر ہونٹوں کے پاس پتک ضرور لے جانا ہوا۔ دھرم کے ایسا کرنا مہمان کے لئے

اسکول پڑھنے والے بچوں کی تعلیم کے لئے اس میں کیا ہے۔ اب نہیں ہے۔ اب اسکول کے ہالوں میں ہے۔ اب اس میں کسی خاص دھرم کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ پر سنا یہ تھا کہ ہائی اسکول سے نکلے ہوئے ناک و دیواروں کی تعلیم ہو جانے پر عام طور پر عیسائی دھرم سونپ کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے یہ بات اب کم ہوگئی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تعلیم پانے پر دھرم کی بھوک چلتی ہے۔ ناکوں کا اپنا پروانا دھرم الگ ہے۔ جو کھول کچھ سوچے سادے رواجوں اور رسموں کا سمو ہے۔ آگے کی تعلیم کا کوہما میں کوئی انتظام نہیں۔ آگے کی تعلیم پانے کے لئے ناک و دیواروں کی تعلیم چاہئے آگے ہیں۔ کلکتہ کا مشن کالج ان کا ہر طرح کا سمجھتا کر دیتا ہے اور ان کے دھرم کی بھوک بھی مٹا دیتا ہے۔ ہائی اسکول میں لوگ لڑکی ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں۔

یہ بھی پتہ چلا کہ ناک لوگ ان آدمیوں کو جو عیسائی دھرم سونپ کر لیتے ہیں اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے ان کو جو عیسائی دھرم سونپ کر لیتے ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا کہ عیسائی ناک اور غیر عیسائی دونوں خاصہ مل جل کر رہتے ہیں۔ غیر عیسائی ناک لوگوں کی لڑکیاں عیسائی ناکوں سے شادی کر لیتی ہیں اور شادی ہونے پر انٹر عیسائی دھرم بھی سونپ کر لیتی ہیں۔ عیسائی لوگوں نے غیر عیسائی ناکوں سے شادی کی ہو ایسی کوئی مثال نہیں ملی۔ اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غیر عیسائی ناک پڑھ لکھ نہیں ہیں۔

انسانی ایک بولی بھی ہے۔ انسانی جات کے ناک اسی بولی کو بولتے ہیں۔ اس بولی میں تھوڑا بہت ساہتیہ بھی ہے۔ پر وہ سب کا سب رومن لپی میں ہے۔ اس بولی کی کوئی چھوڑ ناکری لپی میں لکھی ہوئی نہیں ملتی۔ بلکالی لپی۔ میں ادھر ادھر سے انسانی بولی کے دو چار شہد ہونے ہی مل جاویں۔ انسانی جات کے گروپ قریب سب ناک انسانی بولی سمجھ لیتے ہیں۔ انسانی رہائش گاہوں پر بہت بول ہی لیتے ہیں۔ ہائی اسکول کے سب ناک و دیواروں کی تعلیم اچھی انگریزی سمجھتے ہیں اور چلتی انگریزی بول سکتے ہیں انکی نہ انسانی سمجھتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں۔ کوہما کے اس پاس کے گروہ والے ناک اسی بولی کے شہد سمجھ لیتے ہیں اور بول لیتے ہیں۔

کوہما میں سروکار کے پاس کچھ دیہات کے گروہ ہیں۔ جنہوں میں بول چال میں کمی ہے۔ یہ جانا ہے۔ یہ انسانی لہجہ سمجھتے ہیں۔ کم چھوڑ ہندی سمجھ لیتے ہیں۔ اس بولی میں ہندی شہد بول ہی لیتے ہیں۔ تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے ہیں۔

پڑھنے والے ناک اور یاد رکھیں کہ ناکوں کی ہر جات کی بولی الگ الگ ہے۔

یہ بھی پتا چلا کہ ناگا لوگ ان آدمیوں کو جو عیسائی دھرم سونپ کر لیتے ہیں اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے ان کو جو عیسائی دھرم سونپ کر لیتے ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا کہ عیسائی ناک اور غیر عیسائی دونوں خاصہ مل جل کر رہتے ہیں۔ غیر عیسائی ناک لوگوں کی لڑکیاں عیسائی ناکوں سے شادی کر لیتی ہیں اور شادی ہونے پر انٹر عیسائی دھرم بھی سونپ کر لیتی ہیں۔ عیسائی لوگوں نے غیر عیسائی ناکوں سے شادی کی ہو ایسی کوئی مثال نہیں ملی۔ اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غیر عیسائی ناک پڑھ لکھ نہیں ہیں۔

انسانی ایک بولی بھی ہے۔ انسانی جات کے ناگا اسی بولی کو بولتے ہیں۔ اس بولی میں تھوڑا بہت ساہتیہ بھی ہے۔ پر وہ سب کا سب رومن لپی میں ہے۔ اس بولی کی کوئی چھوڑ ناکری لپی میں لکھی ہوئی نہیں ملتی۔ بلکالی لپی۔ میں ادھر ادھر سے انسانی بولی کے دو چار شہد ہونے ہی مل جاویں۔ انسانی جات کے گروپ قریب سب ناک انسانی بولی سمجھ لیتے ہیں۔ انسانی رہائش گاہوں پر بہت بول ہی لیتے ہیں۔ ہائی اسکول کے سب ناک و دیواروں کی تعلیم اچھی انگریزی سمجھتے ہیں اور چلتی انگریزی بول سکتے ہیں انکی نہ انسانی سمجھتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں۔ کوہما کے اس پاس کے گروہ والے ناک اسی بولی کے شہد سمجھ لیتے ہیں اور بول لیتے ہیں۔

کوہما میں سرکار کے پاس کچھ دیہات کے گروہ ہیں۔ جنہوں میں بول چال میں کمی ہے۔ یہ جانا ہے۔ یہ انسانی لہجہ سمجھتے ہیں۔ کم چھوڑ ہندی سمجھ لیتے ہیں۔ اس بولی میں ہندی شہد بول ہی لیتے ہیں۔ تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے ہیں۔

پڑھنے والے ناک اور یاد رکھیں کہ ناکوں کی ہر جات کی بولی الگ الگ ہے۔

था, पर इस तरह की बारदात बरस में एक दो बार होती है क्योंकि मोहाटी के बिलकुल आसपास हाथियों के रहने का काम करने जंगल नहीं है हां, जिस जंगल में होकर सुबह के काम हमारी गाड़ी गुजर रही थी वह इतना घना था कि उसमें हाथी रह सकते थे पर उसमें सबमुच कहीं तिल रखने की जगह न थी, हमें तो यह समझना पुरि हो गया कि ऐसे घने जंगल में हाथी कैसे समाता होगा और हाथी के मुँह कैसे एक जगह से दूसरी जगह जाते होंगे, पर श्री काशप्रसाद राम जी ने एक क्षण में हमारी तसल्ली कर दी, वह यह कि आवामी की जांघ जितने मांटे पेड़ हाथी के लिये बास से ज्यादा मूल्य नहीं रखते और इस बलबल वाले जंगल में तो वह पेड़ हाथी की उलटी मदद करते हैं, अपने आप जंगली कैलों के पेड़ों से तो जंगल ऐसा भरा मालूम होता था मानो किसी ने खेती कर रखी हो, और यह कैलों के पेड़ हाथियों के लिये ऐसा ही चारा है जैसे बास गाय भैरों के लिये, इन जंगलों को पार करती हुई हमारी गाड़ी बीमापुर पहुँच गई बीमापुर का दूसरा नाम मनीपुर रोड है,

गाड़ी लोट होने से जहाँ प्राकृतिक हरय देखने का आनन्द मिला, वहाँ एक दिक्कत भी सामने आई, वह यह कि कोहिमा जाने वाली बस छूट चुकी थी, लेकिन आसाम की खातिरदारी ने हमें एक मिनट भी दिक्कत महसूस न होने दी, बास बाबू नामी एक सज्जन मिल गए, उन्होंने हमें ऐसे ही अपनाया मानो हम उनके सगे रिश्तेदार हों, उनके दामाद बीमापुर में पुलिस में नौकर थे, बस वह अपनी बेटी के घर ले गए और एक मिनट में उसके इतनी जाम पहचान करा दी कि हम उसे बेटी समझने लगे और वह हमें बाप, और फिर क्या किसी तरह की दिक्कत बाक़ी रह गई !

वह लिखना हम भूल गए कि सोहन सिंह नामी एक लिख सरदार हमें गाड़ी में ही मिल गए थे, और वह भी हम से इतना दिल खोलकर मिले कि हमेशा के लिये भाई बन बैठे, इन सरदार जी और बास बाबू की मदद से हमारी बस निकल जाने की दिक्कत भी हल हो गई एक ट्रक की अगली सीट पर मुझे और पंडित जी को जगह मिल गई और सरदार जी ने हमारी सारी तकलीफ अपने सिर ओढ़ ली, वह खूब हम सबके साथ ट्रक में सवार हो गए,

कोहिमा में

हम कोहिमा ठीक वक़्त से पहुँच गए, सरकिट हाउस जगह मिल गई,

पहुँचे वाले इतना और जान लें कि कोहिमा जाने के लिये, कुछ दिनों से, सरकारी परमिट की जरूरत होने लगी है, पहले नहीं होती थी, यह परमिट हमें उस वक़्त ही मिल गया था जब हम मोहाटी से विदांग गए थे,

हम, जो उस तरह की वादत हमें एक ही बार ही मिली है, कोहिमा पहुँचने के बालक़ल आस पास हाथियों के रहने की जगह जंगल में नहीं है, हां, जिस जंगल में सुबह के काम हमारी गाड़ी गुजर रही थी वह इतना घना था कि उसमें हाथी रह सकते थे पर उसमें सबमुच कहीं तिल रखने की जगह न थी, हमें तो यह समझना पुरि हो गया कि ऐसे घने जंगल में हाथी कैसे समाता होगा और हाथी के मुँह कैसे एक जगह से दूसरी जगह जाते होंगे, पर श्री काशप्रसाद राम जी ने एक क्षण में हमारी तसल्ली कर दी, वह यह कि आवामी की जांघ जितने मांटे पेड़ हाथी के लिये बास से ज्यादा मूल्य नहीं रखते और इस बलबल वाले जंगल में तो वह पेड़ हाथी की उलटी मदद करते हैं, अपने आप जंगली कैलों के पेड़ों से तो जंगल ऐसा भरा मालूम होता था मानो किसी ने खेती कर रखी हो, और यह कैलों के पेड़ हाथियों के लिये ऐसा ही चारा है जैसे बास गाय भैरों के लिये, इन जंगलों को पार करती हुई हमारी गाड़ी बीमापुर पहुँच गई बीमापुर का दूसरा नाम मनीपुर रोड है,

गाड़ी लोट होने से जहाँ प्राकृतिक हरय देखने का आनन्द मिला, वहाँ एक दिक्कत भी सामने आई, वह यह कि कोहिमा जाने वाली बस छूट चुकी थी, लेकिन आसाम की खातिरदारी ने हमें एक मिनट भी दिक्कत महसूस न होने दी, बास बाबू नामी एक सज्जन मिल गए, उन्होंने हमें ऐसे ही अपनाया मानो हम उनके सगे रिश्तेदार हों, उनके दामाद बीमापुर में पुलिस में नौकर थे, बस वह अपनी बेटी के घर ले गए और एक मिनट में उसके इतनी जाम पहचान करा दी कि हम उसे बेटी समझने लगे और वह हमें बाप, और फिर क्या किसी तरह की दिक्कत बाक़ी रह गई !

वह लिखना हम भूल गए कि सोहन सिंह नामी एक लिख सरदार हमें गाड़ी में ही मिल गए थे, और वह भी हम से इतना दिल खोलकर मिले कि हमेशा के लिये भाई बन बैठे, इन सरदार जी और बास बाबू की मदद से हमारी बस निकल जाने की दिक्कत भी हल हो गई एक ट्रक की अगली सीट पर मुझे और पंडित जी को जगह मिल गई और सरदार जी ने हमारी सारी तकलीफ अपने सिर ओढ़ ली, वह खूब हम सबके साथ ट्रक में सवार हो गए,

कोहिमा में

हम कोहिमा ठीक वक़्त से पहुँच गए, सरकिट हाउस जगह मिल गई,

पहुँचे वाले इतना और जान लें कि कोहिमा जाने के लिये, कुछ दिनों से, सरकारी परमिट की जरूरत होने लगी है, पहले नहीं होती थी, यह परमिट हमें उस वक़्त ही मिल गया था जब हम मोहाटी से विदांग गए थे,

नागा जीवन की एक झलक

असम राष्ट्रभाषा प्रचार समिति के समावर्तन (कनवोकेशन) के सिलसिले में पंडित सुन्दरलाल जी के साथ साथ मुझे भी गोहाटी जाने का बुलावा मिला था, सामावर्तन खतम होते ही राष्ट्र भाषा प्रचार समिति के संचालक, श्री रजनी कान्त चक्रवर्ती ने हम म शिलांग, को हिमा और इमफाल देखने की इच्छा जगादी. और वह यह ही हमको उन जगहों को देखने के लिये ले गए. इससे बढ़कर उन्होंने एक बात और की, वह यह कि उन्होंने हमारे साथ जाने के लिये श्री कामाख्या राम जी को तैयार कर दिया गोहाटी में हम कामाख्या राम जी के यहां हो ठहरे हुए थे. कामाख्या राम जी इमफाल में मनीपुर रियासतके चीफ जज रह चुके थे. उनके साथ होने से हमने एक हफ्ते के दौरे में इतनी जानकारी हासिल कर ली जो अकेले घूमकर महीनों में हासिल नहीं कर सकते थे. मनीपुर, नागा कबीले और आसाम की जानकारी के लिहाज से कामाख्या राम जी को अगर इनसाइक्लोपीडिया यानी विश्व कोष कहा जाय तो बेजा न होगा. अगर यह सज्जन हमारे साथ न होते तो हम नीचे जो कुछ लिख रहे हैं वह इतने विस्तार के साथ न लिख सकते.

रेल का सफ़र

गोहाटी का असली नाम है, गोहा हाटी. जिसका हिन्दी तरजुमा होगा—सुपारी मंडी. आज तो नहीं, हां कभी आसाम सुपारियों के लिये बेहद मशहूर था. कवियों ने आसाम की तारीफ करते हुए बड़ी शान के साथ लिखा है, जब पान की बेलें सुपारी के पेड़ पर चढ़ी हुई दिखाई देती हैं तब आदमी में शृंगार जाग उठता है और आसाम छोड़ने को जी नहीं चाहता. गोहाटी का दूसरा नाम 'कामरूप' है और 'कामरूप' का जाबू देश के कोने कोने में मशहूर है. आज कामरूप अलग जिला भी है. कामरूप का एक नाम प्राग ज्योतिष पुर भी है.

हां, तो जब हम दीमापुर होते हुए कोहिमा जाने के लिये तैयार हुए तब यह जानकर कि हमें रात की आठ बजे की गाड़ी से गोहाटी छोड़ना होगा, हमारे दिल में एक हलका सा दुख महसूस हुआ; और वह इसलिये कि हम रातको सबक के बाएं बाएं के दृश्य न देख सकेंगे और न जंगली जानवरों की आवाज सुन सकेंगे. होनहार की बात, रास्ते में किसी वजह से गाड़ी लेट हो गई, और सुबह के दो दाईं घंटे उन बने जंगलों में बीते जिनको देखने की हमारी बड़ी इच्छा थी.

यों तो हमारे गोहाटी पहुँचने के एक दिन पहले ही एक बड़े दांतों वाला हमारी गोहाटी में शिकार किया जा चुका

नागा जीवन की एक झलक

اسم راہنگر بھاشا پرچار سمیٹی کے سمارٹن (کنووکیشن) کے سلسلے میں ملکات سندھ لال جی کے ساتھ ساتھ مجھے بھی کوہاٹی جانے کا بلاوا ملا تھا. سمارٹن ختم ہوتے ہی راہنگر بھاشا پرچار سمیٹی کے سڈجائنگ شری رجلی کاسٹ چکرورتی نے ہم میں شلنگ 'نوہیما اور ایمہال دیکھنے کی اچھا جگہ دی. اور وہ خود ہی ہمکو ان جگہوں کو دیکھنے کے لئے لے گئے. اس سے پتہ چل گیا کہ انہوں نے ایک بات اور کی وہ یہ کہ انہوں نے ہمارے ساتھ جانے کے لئے شری کاماکیہا رام جی کو تیار کر دیا. کوہاٹی میں ہم کاماکیہا رام جی کے یہاں ہی ٹھہرے ہوئے تھے. کاماکیہا رام جی ایمہال میں ملی پور ریاست کے چیف جج رہ چکے تھے. ان کے ساتھ ہونے سے ہم نے ایک ہفتے کے دورے میں انکی جان کاری حاصل کر لی جو اگلے کھم کو مہمیں میں حاصل نہیں کرسکتے تھے. ملی پور' ناگا قبیلے اور آسام کی جان کاری کے لحاظ سے کاماکیہا رام جی کو اگر اپنی سائی لکری کہا جلتی وشر کوہا کہا جائے تو بوجھا نہ ہوگا. اگر یہ سچن ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہم نہایت چو کچھ لکھ رہے ہیں وہ انکی دستار کے ساتھ لکھ سکتے.

ریل کا سفر

کوہاٹی کا اصلی نام 'ہ' کوہاٹائی. جس کا ہندی ترجمہ ہوگا—سہاری. ملحق. آج تو نہیں 'ہاں' کہی آسام سہاری کے لئے بے حد مشہور تھا. کوہوں نے آسام کی تعریف کرتے ہوئے بڑی شان کے ساتھ لکھا ہے 'جب پان کی بھلن سہاری کے پتہ پر چڑھی ہوئی دہائی دیتی ہیں تب آدسی میں شونگار جاگ اٹھتا ہے اور آسام چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا. کوہاٹی کا دوسرا نام 'کام روپ' ہے اور 'کام روپ' کا جادو دیہی کے کولے کولے میں مشہور ہے. آج کام روپ الگ ضلع بھی ہے. کام روپ کا ایک نام پراگ جھوٹن پور بھی ہے.

ہاں' تو جب ہم دیماپور ہوتے ہوئے کوہیما جانے کے لئے تیار ہوئے تب یہ جان کر کہ ہمیں رات کی آٹھ بجے کی گاڑی سے کوہاٹی چھوڑنا ہوگا ہمارے دل میں ایک ہلکا سا دکھ محسوس ہوا! اور وہ اس لئے کہ ہم رات کو سوک کے دائیں بائیں نے درخشہ نہ دیکھ سکیں اور نہ جنگلی جانوروں کی آواز سن سکیں. ہونہار کی بات' راستے میں کسی وجہ سے گاڑی لٹ ہوگئی' اور صبح کے دو بجے کوہاٹی پہنچے ان کھلے جنگلوں میں ہاتھ جن کو دیکھنے کی ہماری بڑی اچھا تھی.

یوں تو ہمارے کوہاٹی پہونچنے کے ایک دن پہلے ہی ایک بڑے دائیں والا ہائی کوہاٹی میں شکار کیا جا چکا

دین میں بچوں کے لیے دھوپ پر سولے گھنٹے ہیں۔ ان کے لیے دین میں ناگتہ واپس کا بھی پروگرام ہے۔ ماہیں صبح کے سب سے کم پر جاتے وقت ان کو لا کر دے جاتی ہیں۔ دن میں ضرورت پڑنے پر جیسے دودھ پلانے کے لیے ماں کو بلا دیا جاتا ہے۔ شام کو ماہیں بچوں کو کھانا لے جاتی ہیں۔ قرا ہوا عمر کے بچے کنگڈ گارٹن اسکول میں پڑھائے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو کھانا پلایا اور اس طرح سے سکھایا جاتا ہے کہ جس سے وہ آگے کی تعلیم کے قابل بن سکیں۔ اسکول جانے والے لڑکوں کے لیے 'پالیمور مینل' ہونٹ ہیں۔ یہ عمارتیں پہلے ڈار کے کچھ دولت مند ماہیوں اور افسروں کے قبضے میں تھیں۔ اب ان شاندار عمارتوں کو بچوں کے لئے نرسری اسکولوں میں بدل دیا گیا ہے۔ یہ نرسری اسکول بہت ہی سوچ سمجھ کے ساتھ قائم کئے گئے ہیں۔ بچوں کے لئے لائبریری، ریڈنگ روم، مینل ٹریڈنگ وغیرہ کا خاص پروگرام ہے۔ یہ دھیان اس لئے رکھا جاتا ہے کہ آگے جا کر بچے ہی دیہی کے بہانہ و دھانا بڑھکے، وہی دیہی کی قسمت کا فیصلہ کرینگے۔ بچوں کی دیکھ دیکھ خاص جان کاروں کی مانتی میں کی جاتی ہے۔ اس دیکھ دیکھ کا سب خرچہ سرکار دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر بڑے سے بڑے جان کاروں سے سہولتیں بچوں کے لئے لی جاتی ہیں۔

محنت اور بھلائی

ان تمام کوششوں کے علاوہ تمام چلتا کے ہمت کے لئے سوائے سدھار کا پروگرام ہے۔ ڈاکٹروں میں 80 فیصدی عورتیں ہیں۔ جو مرد یا عورتیں ڈاکٹری کا پیشہ کرتے ہیں وہ نجی پریکٹس نہیں کرتے۔ چلتا کی سہوا ہی ان کا مقصد ہے۔ وہ کوئی تجارت یا پیشہ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ محنت ہوا اچھڑ ایک بات پر ہوا وہ یہ کہ اسپتالوں میں اسپیشل مورتی وارڈ نہیں تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ زچاؤں کو بڑے اسپتالوں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ سب ماؤں کے لئے تھوڑے فاصلوں پر زچہ خانہ کی تمام سہولتیں ہیں۔ یہ سہولتیں کام کرنے والوں کے گھروں سے بہت قریب ہیں۔ اگر کوئی چھو بھار کا کس ہو جاتا ہے تو اس کو بڑے اسپتالوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ سروریت سرکار کتنا ادھک چلتا کے ہمت کا دھیان رکھتی ہے اور ان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ وہاں کی چلتا نیم اور شصت کے انوسار دھتی ہے۔ پر اسے کوئی "ہلسا" نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے دیہی میں اھلسا بھی محبوب رہی ہے لگتی ہے۔ ہم زبانیں سے جہاں چاہے تھوک دیتے ہوں، جو جہاں چاہے میں آگے گدگدی کر دیتے ہوں۔ یہ بات ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہاں کے چاروں طرف سب جگہ کرتے دھتے ہیں۔ یہ بات دوسری میں نہیں ہوتی۔ اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی کسی دوسرے ملک کے اچھے شہری چہرہ کی تمویذ کرنے پر کون لڑائی ہو۔

اسکول جانے والے لڑکوں کے لیے 'پالیمور مینل' بنے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے پہلے چار کے کچھ دولت مند ساتھیوں اور افسروں کے قبضے میں تھے۔ اب ان شاندار عمارتوں کو بچوں کے لیے نرسری اسکولوں میں بدل دیا گیا ہے۔ یہ نرسری اسکول بہت ہی سوچ سمجھ کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں۔ بچوں کے لیے لائبریری، ریڈنگ روم، آزمائی ٹریننگ وغیرہ کا خاص پروگرام ہے۔ یہ دھیان اس لئے رکھا جاتا ہے کہ آگے جا کر بچے ہی دیہی کے بہانہ و دھانا بڑھکے، وہی دیہی کی قسمت کا فیصلہ کرینگے۔ بچوں کی دیکھ دیکھ خاص جان کاروں کی مانتی میں کی جاتی ہے۔ اس دیکھ دیکھ کا سب خرچہ سرکار دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر بڑے سے بڑے جان کاروں سے سہولتیں بچوں کے لئے لی جاتی ہیں۔

سہت اور بھلائی

ان تمام کوششوں کے علاوہ تمام چلتا کے ہمت کے لئے سوائے سدھار کا پروگرام ہے۔ ڈاکٹروں میں 80 فیصدی عورتیں ہیں۔ جو مرد یا عورتیں ڈاکٹری کا پیشہ کرتے ہیں وہ نجی پریکٹس نہیں کرتے۔ چلتا کی سہوا ہی ان کا مقصد ہے۔ وہ کوئی تجارت یا پیشہ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ محنت ہوا اچھڑ ایک بات پر ہوا وہ یہ کہ اسپتالوں میں اسپیشل مورتی وارڈ نہیں تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ زچاؤں کو بڑے اسپتالوں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ سب ماؤں کے لئے تھوڑے فاصلوں پر زچہ خانہ کی تمام سہولتیں ہیں۔ یہ سہولتیں کام کرنے والوں کے گھروں سے بہت قریب ہیں۔ اگر کوئی چھو بھار کا کس ہو جاتا ہے تو اس کو بڑے اسپتالوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ سروریت سرکار کتنا ادھک چلتا کے ہمت کا دھیان رکھتی ہے اور ان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ وہاں کی چلتا نیم اور شصت کے انوسار دھتی ہے۔ پر اسے کوئی "ہلسا" نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے دیہی میں اھلسا بھی محبوب رہی ہے لگتی ہے۔ ہم زبانیں سے جہاں چاہے تھوک دیتے ہوں، جو جہاں چاہے میں آگے گدگدی کر دیتے ہوں۔ یہ بات ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہاں کے چاروں طرف سب جگہ کرتے دھتے ہیں۔ یہ بات دوسری میں نہیں ہوتی۔ اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی کسی دوسرے ملک کے اچھے شہری چہرہ کی تمویذ کرنے پر کون لڑائی ہو۔

کھانسی دیکھ کر ہمیں کھانسی پھیلنے سے روکنا پڑتی ہے۔ ہمیں کھانسی سے روکنا پڑتی ہے۔ ہمیں کھانسی سے روکنا پڑتی ہے۔

کھانا پینا

آج کے موسم میں کھانا پینے کی چیزوں کی ضرورت بھی کم نہیں ہے۔ ہر آدمی کو نہ صرف کھانے کی چیزیں ہی بلکہ پینے سے بھی کھانا پینے کو ملتا ہے۔ موسم کے اعتبار سے کھانے کی چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔ جہاں تک پینے کا معاملہ ہے اس کا حل بھی آسانی سے مل جاتا ہے۔

تالیف

تالیف میں بھی تعلیم سے تعلق ہے۔ رات دن اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سب کام کرنے والوں کی صلاحیتیں بڑھیں۔ شام کو کھانا پینے کی چیزیں اور دوسری چیزیں پر ان لوگوں کو تعلیم دی جاتی ہے جو تعلیم حاصل کر کے آمدنی کرنا چاہتے ہیں۔ مرد اور عورت سب اپنی اپنی پسند کا کام چن لیتے ہیں۔ اس کام میں ان کو تربیت دی جاتی ہے۔ کھانا پینے کے لیے اچھے ماسٹر پڑھانے کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے محلوں اور حویلوں کو اب مزدوروں کے لیے مصلحت بنا دیا گیا ہے۔ ماسٹر اور لیٹن گراؤ جیسے بڑے بڑے شہروں میں مزدوروں کی آمدنی شام کے بعد تعلیم اور تربیت مل جاتی ہے۔

اس صلی تربیت کے علاوہ لوگوں کو کلا سیکھانی باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ گانا، بجانا، چترکاری، ڈراما اور اس طرح کی دوسری کلاؤں کی ترقی دی جاتی ہے۔ سیکھانے والے خود بھی کلاؤں کی ترقی دیتے ہیں۔ ان کا کام بہت اچھا ہے۔ ان کا کام بہت اچھا ہے۔ ان کا کام بہت اچھا ہے۔

بچے

بچوں کو تعلیم سے بھی تعلق ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔

کھانسی دیکھ کر ہمیں کھانسی پھیلنے سے روکنا پڑتی ہے۔ ہمیں کھانسی سے روکنا پڑتی ہے۔ ہمیں کھانسی سے روکنا پڑتی ہے۔

کھانا پینا

آج کے موسم میں کھانا پینے کی چیزوں کی ضرورت بھی کم نہیں ہے۔ ہر آدمی کو نہ صرف کھانے کی چیزیں ہی بلکہ پینے سے بھی کھانا پینے کو ملتا ہے۔ موسم کے اعتبار سے کھانے کی چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔ جہاں تک پینے کا معاملہ ہے اس کا حل بھی آسانی سے مل جاتا ہے۔

تعلیم

تعلیم میں بھی تعلیم سے تعلق ہے۔ رات دن اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سب کام کرنے والوں کی صلاحیتیں بڑھیں۔ شام کو کھانا پینے کی چیزیں اور دوسری چیزیں پر ان لوگوں کو تعلیم دی جاتی ہے جو تعلیم حاصل کر کے آمدنی کرنا چاہتے ہیں۔ مرد اور عورت سب اپنی اپنی پسند کا کام چن لیتے ہیں۔ اس کام میں ان کو تربیت دی جاتی ہے۔ کھانا پینے کے لیے اچھے ماسٹر پڑھانے کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے محلوں اور حویلوں کو اب مزدوروں کے لیے مصلحت بنا دیا گیا ہے۔ ماسٹر اور لیٹن گراؤ جیسے بڑے بڑے شہروں میں مزدوروں کی آمدنی شام کے بعد تعلیم اور تربیت مل جاتی ہے۔

اس صلی تربیت کے علاوہ لوگوں کو کلا سیکھانی باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ گانا، بجانا، چترکاری، ڈراما اور اس طرح کی دوسری کلاؤں کی ترقی دی جاتی ہے۔ سیکھانے والے خود بھی کلاؤں کی ترقی دیتے ہیں۔ ان کا کام بہت اچھا ہے۔ ان کا کام بہت اچھا ہے۔ ان کا کام بہت اچھا ہے۔

بچے

بچوں کو تعلیم سے بھی تعلق ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔ بچوں کی کلاؤں کی ترقی دینی ہے۔

ہیسا

کیسے شلک میں بھی ہنگامہ ہوتا ہے اور جہاں کا ماحولیاتی تبدیلیاں نہ ہو جہاں کے ماحول پر لگا دیا جاتا ہے وہاں ہنگامہ کا ہونا ضروری ہے۔ روس کا ہنگامہ ایسی طرح کی ایک مثال ہے۔ اس انقلاب نے روس کے سارے سماجی شعبوں کو متاثر کیا۔ اس لیے وہاں ماحول کا ہونا ضروری تھا۔ انہوں نے ہنگامہ کا بھی دعویٰ نہیں کیا۔ ان کے سامنے کوئی اور دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ ان کے پاس مہانہ گنتی جیسا راہ دکھانے والا نہ تھا۔ ان کو جو روشنی دکھائی دی تھی اس میں انہوں نے جو قدم بڑھایا وہ اچھے ہی آئے۔

روس میں ہنگامہ ہوئی ہے یہ بات اداکٹر امریکی حلقوں سے ہی سنیے میں آئی ہے۔ امریکی اس معاملہ میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اگر ہم اس سے ہنگامہ کے سوال پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے امریکہ نے علم والے حلقوں میں ہنگامہ میں سب سے آگے بڑھ کر ہیں۔ دنیا کی لڑائی ایک جمعی جتنی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں تک ہمارے لیے دیئے گئے سوال کے ہیں اس مہمان میں ایک بہت اچھا بہت مل گیا۔ ہمیں خود تو اپنے ہمارے نئے گاندھی جی نے اصولوں کی روشنی میں ہی چلنا چاہئے۔ ان کے اصولوں میں وشواس رکھنا چاہئے۔ ہماری ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

میں اپنے نیچے انہوں نے بل پر کہہ سکتا ہوں کہ آج سوویت میں ہنگامہ نہیں ہے برابر ہے۔ اس معاملہ میں آج سے 30 سال پہلے روس میں کیا ہوا اس پر غور کرنا ہے معنی ہے۔ آج کا روس 30 سال پہلے کا روس نہیں ہے۔ نئی بڑھتی کے لوگوں نے اس میں بڑی بڑی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ سمجھ کی گئی کے اصولوں میں آج آپ کو بدلا ہے۔ اپنے حلقوں اور طریقوں میں بدل گئی ہے۔ 30 برس پہلے کے روس کی آپ آج کا روس کے ساتھ زیادتی کرنا ہوگا۔ آج کے روس کی آج کا روس 30 سال پہلے کے روس کے آدھار پر کرنا ایسا ہی ہے جیسا آج کے ہنگامہ کے ہنگامہ کے آدھار پر کرنا۔

آج کل میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک طرف روس کی فوجی ہنگامہ پر دانتوں تلے آگئی ہے دوسری طرف ہمارے چلتا ہے کارکن ایک دوسرے سے ہڑتال ہے وہ ہیں اور امریکہ کی چلتی ہوئی کمیونٹی ہنگاموں میں ہنگامہ ہے وہ ہیں۔ امریکہ کی ہنگامہ کے کوئی چلتے ہوئے انسان زندگی چلتی ہوئی مشینیں بنا دیئے جاتے ہیں۔ امریکہ کے ہنگامہ کے لیے اور تندرست مریضوں کو ہنگاموں کو ہنگامہ کی تندرست دیکھتے ہیں۔ انسانوں کو ہنگاموں کے لیے ہنگامہ جاتے ہیں۔ کیا یہ

روس میں ہنگامہ ہوئی ہے یہ بات اداکٹر امریکی حلقوں سے ہی سنیے میں آئی ہے۔ امریکی اس معاملہ میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اگر ہم اس سے ہنگامہ کے سوال پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے امریکہ نے علم والے حلقوں میں ہنگامہ میں سب سے آگے بڑھ کر ہیں۔ دنیا کی لڑائی ایک جمعی جتنی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں تک ہمارے لیے دیئے گئے سوال کے ہیں اس مہمان میں ایک بہت اچھا بہت مل گیا۔ ہمیں خود تو اپنے ہمارے نئے گاندھی جی نے اصولوں کی روشنی میں ہی چلنا چاہئے۔ ان کے اصولوں میں وشواس رکھنا چاہئے۔ ہماری ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

میں اپنے نیچے انہوں نے بل پر کہہ سکتا ہوں کہ آج سوویت میں ہنگامہ نہیں ہے برابر ہے۔ اس معاملہ میں آج سے 30 سال پہلے روس میں کیا ہوا اس پر غور کرنا ہے معنی ہے۔ آج کا روس 30 سال پہلے کا روس نہیں ہے۔ نئی بڑھتی کے لوگوں نے اس میں بڑی بڑی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ سمجھ کی گئی کے اصولوں میں آج آپ کو بدلا ہے۔ اپنے حلقوں اور طریقوں میں بدل گئی ہے۔ 30 برس پہلے کے روس کی آپ آج کا روس کے ساتھ زیادتی کرنا ہوگا۔ آج کے روس کی آج کا روس 30 سال پہلے کے روس کے آدھار پر کرنا ایسا ہی ہے جیسا آج کے ہنگامہ کے ہنگامہ کے آدھار پر کرنا۔

آج کل میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک طرف روس کی فوجی ہنگامہ پر دانتوں تلے آگئی ہے دوسری طرف ہمارے چلتا ہے کارکن ایک دوسرے سے ہڑتال ہے وہ ہیں اور امریکہ کی چلتی ہوئی کمیونٹی ہنگاموں میں ہنگامہ ہے وہ ہیں۔ امریکہ کی ہنگامہ کے کوئی چلتے ہوئے انسان زندگی چلتی ہوئی مشینیں بنا دیئے جاتے ہیں۔ امریکہ کے ہنگامہ کے لیے اور تندرست مریضوں کو ہنگاموں کو ہنگامہ کی تندرست دیکھتے ہیں۔ انسانوں کو ہنگاموں کے لیے ہنگامہ جاتے ہیں۔ کیا یہ

آج کل میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک طرف روس کی فوجی ہنگامہ پر دانتوں تلے آگئی ہے دوسری طرف ہمارے چلتا ہے کارکن ایک دوسرے سے ہڑتال ہے وہ ہیں اور امریکہ کی چلتی ہوئی کمیونٹی ہنگاموں میں ہنگامہ ہے وہ ہیں۔ امریکہ کی ہنگامہ کے کوئی چلتے ہوئے انسان زندگی چلتی ہوئی مشینیں بنا دیئے جاتے ہیں۔ امریکہ کے ہنگامہ کے لیے اور تندرست مریضوں کو ہنگاموں کو ہنگامہ کی تندرست دیکھتے ہیں۔ انسانوں کو ہنگاموں کے لیے ہنگامہ جاتے ہیں۔ کیا یہ

روس کا राज जनता کے ہمنام کا राज ہے

(ڈاکٹر جے. سی. کمارپا)

گاندھی آج، سرکار کے لوگوں نے ڈاکٹر جے. سی. کمارپا سے کچھ سوال کیے تھے۔ نیچے ہم ان کے سوال اور ڈاکٹر جے. سی. کمارپا کے جواب کا خلاصہ دے رہے ہیں۔

سوال

”آپ ہمیشہ اس چیز کی بھڑائی دیکھتے رہتے ہیں جو گاندھی جی کے خیالات سے نہیں ملتی۔ پر روس میں دنیا سے اور بڑی بڑی کال مینوں سے کام لیا جاتا ہے اور یہی آپ روس کی ترقی کرتے نہیں دیکھتے؟“ یہ تھا بات ہے۔

جواب

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جس چیز میں گاندھی جی کی نگاہ نہیں اٹھاتی جاتی اس کی میں نندا کرتا ہوں۔ پھر بھی اگر روس کی کسی بات میں میں سراہنا کرتا ہوں تو اس کے کئی صاف کارن ہوں۔

مکمل

میں دو باتوں سے ہر سرکار کی جانچ کرتا ہوں : ایک یہ کہ اس سرکار کے جملے کے کشتوں کا حل ہوتا ہے یا نہیں اور دوسرے یہ کہ اس سے جملے کھسے ترقی کرتی ہے۔

روس کی سوویت سرکار نے اپنا پورا دھیان مزدوروں کی بھلائی کی طرف لگا دیا ہے۔ روس میں ہر طرف لوگ کم کم ہلکے ہوئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال سرکار کرتی ہے۔ سب کے کھانے پینے کا خیال، کپڑے لٹے اور مکان وغیرہ کا دھیان سرکار کو رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ضرورت کی معمولی چیزیں بھی سرکار مہیا کرتی ہے۔ سب کام کرنے والوں کے ہولے پر سرکار جو اچوک دھیان رکھتی ہے وہ سراہنا کے قابل ہے یہ بات سرمایہ دار ملکوں میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ جہاں تک ہمارے دیس کا سمجھنا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں جملے کے دکھوں پر بالکل دھیان نہیں دیا جاتا۔ ان ہی تمام باتوں کو دیکھ کر میں سوویت روس کی سراہنا کرتا ہوں۔ سہارے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ہم روس کے آپاہوں یا سادھوں میں جو چاہے دھن نکالیں پر جس منزل یا مقصد کی طرف وہ بڑے ہیں وہ تعریف کے قابل ہے۔ شہطان کے اندر بھی اگر کوئی بھلائی ہو تو اس بھلائی کو ہمیں سرنگار کرنا چاہئے۔ سہارے کہنے کا مطلب یہ ہوگا نہیں ہے کہ میں روس کی ہر چیز پسند کرتا ہوں یا ان کے سب اصولوں کو ماننا ہوں۔

روس کا راج جتنا کے بھلے کا راج ہے

(ڈاکٹر جے. سی. کمارپا)

گاندھی آج، سرکار کے لوگوں نے ڈاکٹر جے. سی. کمارپا سے کچھ سوال کیے تھے۔ نیچے ہم ان کے سوال اور ڈاکٹر جے. سی. کمارپا کے جواب کا خلاصہ دے رہے ہیں۔

سوال

”آپ ہمیشہ اس چیز کی بھڑائی دیکھتے رہتے ہیں جو گاندھی جی کے خیالات سے نہیں ملتی۔ پر روس میں دنیا سے اور بڑی بڑی کال مینوں سے کام لیا جاتا ہے اور یہی آپ روس کی ترقی کرتے نہیں دیکھتے؟“ یہ تھا بات ہے۔

جواب

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جس چیز میں گاندھی جی کی نگاہ نہیں اٹھاتی جاتی اس کی میں نندا کرتا ہوں۔ پھر بھی اگر روس کی کسی بات میں میں سراہنا کرتا ہوں تو اس کے کئی صاف کارن ہوں۔

مقصد

میں دو باتوں سے ہر سرکار کی جانچ کرتا ہوں : ایک یہ کہ اس سرکار کے جملے کے کشتوں کا حل ہوتا ہے یا نہیں اور دوسرے یہ کہ اس سے جملے کھسے ترقی کرتی ہے۔

روس کی سوویت سرکار نے اپنا پورا دھیان مزدوروں کی بھلائی کی طرف لگا دیا ہے۔ روس میں ہر طرف لوگ کم کم ہلکے ہوئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال سرکار کرتی ہے۔ سب کے کھانے پینے کا خیال، کپڑے لٹے اور مکان وغیرہ کا دھیان سرکار کو رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ضرورت کی معمولی چیزیں بھی سرکار مہیا کرتی ہے۔ سب کام کرنے والوں کے ہولے پر سرکار جو اچوک دھیان رکھتی ہے وہ سراہنا کے قابل ہے یہ بات سرمایہ دار ملکوں میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ جہاں تک ہمارے دیس کا سمجھنا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں جملے کے دکھوں پر بالکل دھیان نہیں دیا جاتا۔ ان ہی تمام باتوں کو دیکھ کر میں سوویت روس کی سراہنا کرتا ہوں۔ سہارے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ہم روس کے آپاہوں یا سادھوں میں جو چاہے دھن نکالیں پر جس منزل یا مقصد کی طرف وہ بڑے ہیں وہ تعریف کے قابل ہے۔ شہطان کے اندر بھی اگر کوئی بھلائی ہو تو اس بھلائی کو ہمیں سرنگار کرنا چاہئے۔ سہارے کہنے کا مطلب یہ ہوگا نہیں ہے کہ میں روس کی ہر چیز پسند کرتا ہوں یا ان کے سب اصولوں کو ماننا ہوں۔

Unwithering
Unwritten
Vegetarian
Zero hour

اس اصول کا فائدہ ہیں اچھی ترقی سمجھنے کے لئے یہ
 ضروری ہے کہ ہم اپنی پیمائش کی جوئی استقامتوں کا مقابلہ
 ہماری آوازوں کے باز لغزوں سے کریں ۔

ہم نے Fossil کا ترجمہ پتھراؤ کیا ہے جس کا مطلب
برابر یا (Equivalent) اُکھانت (بضائیت) اور جواہر
(جواہرات) دیا گیا ہے۔ یہ شہد بھی مادی میں
چلوس مگر وہ آم توہ پر نہیں چل پاتے اور ان کا مطلب
سمجھنا عموماً مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کم ہوش لکھ لوگ
بھی پتھراؤ کے مانے خود بخود سمجھ جائیں گے کیونکہ ہواؤ
جواہر، لداؤ کی تہہ اور انہوں نے کہاں پر یہ شہد بھی
دیا گیا تھا۔

ایک اور مسئلہ **Export اور Import** کو ملحقہ ہے۔
 دو ملکی ممالک میں آہات اور نریات کہتے ہیں۔ اردو میں درآمد اور برآمد، برآمد تو بھی پریشانی پیدا کرتا ہے۔ درآمد کے مانے سہی ہوتے ہیں؛ اندر آیا یا اندر آئی ہوئی چیزیں۔ مگر ہر آمد قہق کہ نہیں۔ اس کے مانے باہر آیا یا باہر آئی ہوئی چیزوں کے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا مطلب باہر کئی ہوئی چیزیں ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اگر درآمد کے اُلٹا برزوات کہتے تو بھی بہتر ہوتا۔ نریات کے مشکلون اور درآمد پر آمد کے الجھاؤ سے بچنے کے لئے میں نے ان کے برابر آہات اور جاہات ہلانے ہیں۔ آہات سے اسی والی چیزیں مراد ہیں۔ یہ ملکی کا مستعد شدہ ہے۔ آہات کے مقابلہ میں جاہات سے جانے والی چیزیں قہاس کرنا بہت آسان ہے۔

کہا، لگاؤ، مٹاؤ بہت اُم لگڑ ہوں جن کے ساتھ ہر
 شخص جانتا ہے کہ کھانے والا، لپٹانے والا، مٹانے والا ہوتے
 ہوں۔ بکڑو۔ مکن سے مراد بکڑی والا مکن ہے۔ اسی وزن یا
 Oscilleting Fan کے لگڑ ہیں مکن ہوں: چوبیس
 کے لئے کھانا چکھنے والے کی دھڑلے والا چکھنا۔

Neutralization	بے جان بنانا
New Rich	نئی بامیاد-نئی بامیاد
Oasis	درختستان
Obstructionist	دعا دہ باز
Ocean	مہا سمندر
Oceanica	سمندرستان
Octagon	آٹھ کونیا
Octagonal	آٹھ کونی
Optimism	مضبب پسندی
Oscillating Fan	پنماہ پنکھا
Panmovements	کشمکش تھریکے
Parricide	باپ ہتھ
Pathology	رোগ بیا
Peace-feelers	شانتی خواہی
Peninsula	ٹاپو نما
Physiology	تن بیا
Prism	پنکھا، پربکھا،
Psychology	من بیا
Quadrangle	چار کونیا
Quadrangular	چار کونی
Quadruplicate	چوگانا
Quadruplication	چوگانا
Radiate	کرنانا
Radiation	کرناب
Ranarium	معدک ہر
Reflect	عکسنا
Reversal	پیکھانا
Reverse	پیکھانا
Script	لکھنا
Semicircle	اڈھ کھرا
Semicircular	اڈھ کھرا، اڈھ کھری
Soluble	مضبب سکنی
Insoluble	بمضبب سکنی
Stratification	پرکھانا
Stratify	پرکھانا
Treacherous	داسوئی-داسوئی
Triangle	تیکونیا
Triplicate	تیکانا
Triplication	تیکانا
Unapproachable	بمضبب
Unbearable	بمضبب، بربھنی
Unbelievable	بمضبب
Undeniable	بمضبب
Unwatered	بمضبب

بے جان بنانا
نئی بامیاد - نئی بامیاد
درختستان
دعا دہ باز
مہا سمندر
سمندرستان
آٹھ کونیا
آٹھ کونی
مضبب پسندی
پنماہ پنکھا
کشمکش
باپ ہتھ
رোগ بیا
شانتی خواہی
ٹاپو نما
تن بیا
پنکھا، پربکھا،
من بیا
چار کونیا
چار کونی
چوگانا
چوگانا
کرنانا
کرناب
معدک کھرا
عکسنا
پیکھانا
پیکھانا
لکھنا
اڈھ کھرا
اڈھ کھرا، اڈھ کھری
مضبب سکنی
ان مضبب سکنی
پرکھانا
پرکھانا
کھانا-کھانا
تیکونا
تیکونا
تیکونا
بمضبب
ان مضبب، بربھنی
بمضبب
ان مضبب
ان مضبب
ان مضبب

Neutralisation
New Rich
Oasis
Obstructionist
Ocean
Oceanica
Octagon
Octagonal
Optimism
Oscillating Fan
Panmovements
Parricide
Pathology
Peace-feelers
Peninsula
Physiology
Prism
Psychology
Quadrangle
Quadrangular
Quadruplicate
Quadruplication
Radiate
Radiation
Ranarium
Reflect
Reversal
Reverse
Script
Semicircle
Semicircular
Soluble
Insoluble
Stratification
Stratify
Treacherous
Triangle
Triplicate
Triplication
Unapproachable
Unbearable
Unbelievable
Undeniable
Unwatered

Compressible	संपीड्य	فشار پذیر	Compressible
Continent	महादेश, महाखण्ड	میان قاره	Continent
Cosmopolitanism	परदेशियत्व	عالمیت	Cosmopolitanism
Cremation	अग्निच्छा	کرماسیون	Cremation
Current Account	चालू खाता	حساب جاری	Current Account
Deprivable	महसूस सकनी	محرورم سکتی	Deprivable
Diarchy (du'raj दुर राज)	दुराज	دو راج (du' raj)	Diarchy
Dipsomaniac	शराब जन्मिवा, शराब जन्मी	شراب جلولها شرابی جلولی	Dipsomaniac
Discriminate	फिरकाना	فراقنا	Discriminate
Discrimination	फिरकाव	فراق	Discrimination
Elastic	लचकदार	لچکدار	Elastic
Electrification	विजलियावा	بجلیاوا	Electrification
Electrify	विजलियाना	بجلیانا	Electrify
Eugenics	नसल सुधारयात	نسل سدهاریات	Eugenics
Export and Import	जायात और आयात	جایات اور آیات	Export and Import
Fishery	मछियारी, मछलीकारी	مچھلی کاری	Fishery
Flirt	ठठोसनी	تھلھولنی	Flirt
Floral tribute	फूल चढ़ावा	پھول چھواوا	Floral tribute
Forge	शुफ्ताना	شفتان	Forge
Fossil	पथराव	پتھراو	Fossil
Fossilate	पथराना	پتھرانا	Fossilate
Fossilization	पथरयावा	پتھراوا	Fossilization
Fossilized	पथरावा हुआ	پتھراوا ہوا	Fossilized
Gastrology	पक्वान विद्या	پکوان ویدیا	Gastrology
Gastronomy	पक्वान	پکوان	Gastronomy
Half hearted	अधविही-अधविला	ادھ دلی - ادھ دل	Half hearted
Half heartedness	अधविलापन	ادھ دلہی	Half heartedness
Hemisphere	अध गोला	ادھ گولہ	Hemisphere
Hexagon	छैकोनिवा	چھ کونہا	Hexagon
Hexagonal	छैकोनी	چھ کونی	Hexagonal
Informant	समाचारवा	سماچاروا	Informant
Invertebrate	वेरीइवा	پیرمروہا	Invertebrate
Irredeemable debt	अन्न पुकाव कर्ष (वह कर्ष जो पुकाया न जा सके)	آن چکو قرضی (وہ قرض جو چکھا نہ جاسکے)	Irredeemable debt
Isthmus	कसीन जोड़	زمین جوڑ	Isthmus
Kakistocracy	कुम्हेराज	فلتنة راج	Kakistocracy
Labor force	मजदूर दल	مزدور دل	Labor force
Misrepresentation	बदल बयानी	بدل بھانی	Misrepresentation
Multiplication	फरव	فرب	Multiplication
Multiply	फरवाना	فروانا	Multiply
Mutual	आपसी	آپسی	Mutual
Negligence	अपरवानी	اُپرسانی	Negligence
Neolithic Age	नया पत्थर युग	نیا پتھر جگ	Neolithic Age

نے مجھے بتایا تھا کہ آج کل ڈاکو خالی لٹکاکر بھج کر ڈاکو ڈاکو کرتے ہیں۔

لیلا : کتنے بتایا تھا۔ (خوب زور سے ہنستی ہے)

پुरु : ہاں! ہنستی کیوں ہے۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔

لیلا : (اسی طرح ہنستے ہنستے) بتاچی، کل پہلی اپریل تھی۔ (ہنستی.....)

سہی : بھت تیرے کی۔ یں ہی سارے گھر کو دھنستا دیا۔

—بھگواندین

لیلا : کتنے بتایا تھا کہ آج کل ڈاکو خالی لٹکاکر بھج کر ڈاکو ڈاکو کرتے ہیں۔

پہلی : (خوب زور سے ہنستی ہے)

پہلی : ہاں! ہنستی کیوں ہے۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔

پہلی : (اسی طرح ہنستے ہنستے) بتاچی، کل پہلی اپریل تھی۔ (ہنستی.....)

پہلی : بھت تیرے کی۔ یں ہی سارے گھر کو دھنستا دیا۔

—بھگواندین

ہندوستانی شبدیات کا پانچواں اصول: آسان لفظوں سے نئے شبد

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندوستانی کے لیے نئے نئے شبد بنانے کا یہ اصول بھی ہونا چاہیے کہ جہاں تک بن پڑے والے لفظوں سے نئے لفظ بنائے جائیں، مسلمان :

Agnostic	انجانانیا
Agnosticism	انجانانپن
Alternative	بدلتا
Amphibian, Amphibians	جالتھلیا، جالتھلیے
Anesthesiology	بہوشیات
Appeasement	فیسلا
Aquarium	سمندر
Arctic Region	شمالیہ علاقہ، شمالیہ علاقہ
Assets & Liabilities	لے داریاں اور دے داریاں، ہاسٹیا داریاں اور بار داریاں
Bimetalism	دوہاتھت
Biology	جیون ویڈیا
Black marketeer	کالا بازاریا
Black out	اندھارنا، اندھار
Burial	دفن
Cardiology	دل ویڈیا
Cognizability	پہچان
Colorblind	رنگ بین
Color blindness	رنگ بینگی
Comet	جوت تارا، روت تارا
Compressibility	دھن داری

ہندوستانی شبدیات کا پانچواں اصول: آسان لفظوں سے نئے شبد

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندوستانی کے لیے نئے نئے شبد بنانے کا یہ اصول بھی ہونا چاہیے کہ جہاں تک بن پڑے والے لفظوں سے نئے لفظ بنائے جائیں، مسلمان :

Agnostic	انجانانیا
Agnosticism	انجانانپن
Alternative	بدلتا
Amphibian, Amphibians	جالتھلیا، جالتھلیے
Anesthesiology	بہوشیات
Appeasement	فیسلا
Aquarium	سمندر
Arctic Region	شمالیہ علاقہ، شمالیہ علاقہ
Assets & Liabilities	لے داریاں اور دے داریاں، ہاسٹیا داریاں اور بار داریاں
Bimetalism	دوہاتھت
Biology	جیون ویڈیا
Black marketeer	کالا بازاریا
Black out	اندھارنا، اندھار
Burial	دفن
Cardiology	دل ویڈیا
Cognizability	پہچان
Color blind	رنگ بین
Color blindness	رنگ بینگی
Comet	جوت تارا، روت تارا
Compressibility	دھن داری

پुरुشا : بھڑکا ! (کڑھ رک کر) بھٹا ، آج ہمارے گھر میں ڈاکہ پڑنے والا ہے ۔

لیلا : ڈاکہ ! کس کا ڈاکہ !

سہی : یہی کہ ڈاکہ آج آئے گا اور ڈاکہ ڈالے گا ہمارے گھر میں ۔

لیلا : ڈاکہ آج آئے گا ! ڈاکہ ڈالے گا ! ہمارے گھر میں ! ڈاکہ کبھی آگیا ہو گا !

پुरुشا : نہیں بھٹا ، یہ سچا نہیں ہے ۔ بھٹکنا سبھی بات ہے ۔ انہوں نے ہمیں پہلے سے خبر دی ہے کہ وہ آج رات کو ہمارے گھر ڈاکہ ڈالے گا ۔

لیلا : خبر دے دی ہے کس نے ۔ کون خبر لایا تھا ۔

پुरुشا : یہ خالی لٹاکا ۔

لیلا : خالی لٹاکا ! کس کا خالی لٹاکا !

سہی : بھٹکنا خالی ۔

پुरुشا : دیکھو بھٹا ! یہ ہے وہ لٹاکا ۔ کیشور نے مجھے دیا ہے ۔

لیلا : دیکھو پھر یہ لٹاکا ۔ یہ تو کل آپ کی سوز پر رکھا تھا ۔

پुरुشا : میری سوز پر !

لیلا : ہاں ، ہاں ۔

پुरुشا : آج یہ تو آج کی ڈاک سے آیا ہے ۔

لیلا : آج کی ڈاک سے آیا ہے ! تو کیشور پھر میرے لٹاکے کی جگہ اسی کو کھال ڈال آیا ہوگا ۔ میں بڑی حیران ہوں ۔ کیشور کہتا تھا میں لٹاکہ ڈال آیا اور میرا لٹاکہ وہیں سوز پر ہی پڑا تھا ۔

پुरुشا : (حیرانی میں) یہ تم کہا کہ رہی ہو ۔

لیلا : یہ دیکھتے نہ ! اس پر ہمیں کی سوز ہوئی ہے ۔

پुरुشا : تو یہ خالی کہوں ہے ۔

لیلا : یہ میں کیا جانوں ۔

[یوگا بیرام (بھٹکا)]

پुरुشا : آج ہو ، اب یاد آیا ۔ (زور سے ہلستا ہے اور ہلستا رہتا ہے)

لیلا : آج ، آپ ہنس کیوں رہے ہیں ! اور اس خالی لٹاکے سے ڈاکہ پڑنے کی بات آپ کسے سوچ رہے ہیں ۔

پुरुشا : بھٹا ، ہنسنا تو میں نہیں تھا کہ لٹاکہ واقعی میں میرا ہی تھا ۔ کوئی دو برس پہلے کا ہے ، تب سے میں نے اسے اپنی ایک کتاب میں رکھ رکھا تھا ۔ تب سے میں نے اسے کل میں وہ کتاب پر رکھا تھا اور وہ اس میں سے نکل کر سوز پر گر گیا تھا ۔ اگلے دن میں وہ چھک کر پور بند نہیں ہو گیا تھا اور کیشور نے غلطی سے لٹاکہ ڈال دیا ۔ ڈاکہ کی بات یہ ہے کہ کل میرے دوست

پرش : اچھا ! (کچھ رک کر) بھٹا ! آج ہمارے گھر میں ڈاکہ پڑنے والا ہے ۔

لیلا : ڈاکہ ! کس کا ڈاکہ !

پرش : یہی کہ ڈاکہ آج آئے گا اور ڈاکہ ڈالے گا ہمارے گھر میں ۔

لیلا : ڈاکہ آج آئے گا ! ڈاکہ ڈالے گا ! ہمارے گھر میں ! ڈاکہ کبھی آگیا ہو گا !

پرش : نہیں بھٹا ! یہ مذاق نہیں ہے ۔ بالکل سچی بات ہے ۔ انہوں نے ہمیں پہلے سے خبر دی ہے کہ وہ آج رات کو ہمارے گھر ڈاکہ ڈالے گا ۔

لیلا : خبر دے دی ہے کس نے ۔ کون خبر لایا تھا ۔

پرش : یہ خالی لٹاکہ ۔

لیلا : خالی لٹاکہ ! کس کا خالی لٹاکہ !

پرش : بھٹکنا خالی ۔

پرش : دیکھو بھٹا ! یہ ہے وہ لٹاکہ ۔ کیشور نے مجھے دیا ہے ۔

لیلا : دیکھو پھر یہ لٹاکہ ۔ یہ تو کل آپ کی سوز پر رکھا تھا ۔

پرش : میری سوز پر !

لیلا : ہاں ، ہاں ۔

پرش : آج یہ تو آج کی ڈاک سے آیا ہے ۔

لیلا : آج کی ڈاک سے آیا ہے ! تو کیشور پھر میرے لٹاکے کی جگہ اسی کو کھال ڈال آیا ہوگا ۔ میں بڑی حیران ہوں ۔ کیشور کہتا تھا میں لٹاکہ ڈال آیا اور میرا لٹاکہ وہیں سوز پر ہی پڑا تھا ۔

پرش : (حیرانی میں) یہ تم کہا کہ رہی ہو ۔

لیلا : یہ دیکھتے نہ ! اس پر ہمیں کی سوز ہوئی ہے ۔

پرش : تو یہ خالی کہوں ہے ۔

لیلا : یہ میں کیا جانوں ۔

[تھوڑا دیر (وقفہ)]

پرش : آج ہو ، اب یاد آیا ۔ (زور سے ہلستا ہے اور ہلستا رہتا ہے)

لیلا : آج ، آپ ہنس کیوں رہے ہیں ! اور اس خالی لٹاکے سے ڈاکہ پڑنے کی بات آپ کسے سوچ رہے ہیں ۔

پرش : بھٹا ، ہنسنا تو میں نہیں تھا کہ لٹاکہ واقعی میں میرا ہی تھا ۔ کوئی دو برس پہلے کا ہے ، تب سے میں نے اسے اپنی ایک کتاب میں رکھ رکھا تھا ۔ تب سے میں نے اسے کل میں وہ کتاب پر رکھا تھا اور وہ اس میں سے نکل کر سوز پر گر گیا تھا ۔ اگلے دن میں وہ چھک کر پور بند نہیں ہو گیا تھا اور کیشور نے غلطی سے لٹاکہ ڈال دیا ۔ ڈاکہ کی بات یہ ہے کہ کل میرے دوست

سہی : ہاں ہم ہی کپڑے پہنا رہے ہیں۔ کپڑے پہن کر میں تالا لگاؤں اور سب راتوں رات یہی رہوں گا۔

پوچھ : بات تو کچھ جھجکتی ہے۔ اور پھر جو کچھ مال مٹاؤں وہ بھی لے چلوں۔ (کچھ سوچ کر) مگر سنا ہے کہ ڈاکو بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر ہم کہیں چلے جائیں تو ان کی نظروں میں یہ اور بھی ہے۔ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہمارے پاس مال ہے، اور پھر تو وہ جہاں بھی ہم ہوں گے وہیں ہم پر دھاوا بولیں گے۔

سہی : تو پھر ہم یہاں چائیں۔

پوچھ : کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے۔ یہ لیلیٰ کو بھی آج ہی کالینج میں جانا تھا۔ نہ جانے کس وقت کبھی ہو جائے۔ اگر اس کے آتے سے پہلے ہی ڈاکوؤں نے.....

(دروازے پر دستک)

پوچھ : (دھڑک سے اٹھ کر) اے، کون آیا۔ لیلیٰ کی ماں کبھی چپ جاکر جاکر جلدی کرو۔ ہاں بھگوان !

سہی : اے یہ اتنا ڈرنے سے کیا ہوگا۔ ڈھرو پورا دیکھنے تو دو کون آیا ہے۔

(دروازے پر پھر دستک۔ دُور سے لڑکی کی آواز)

لیلیٰ : اُمّی ! اُمّی ! دروازہ کھولو۔

سہی : لہو، یہ تو لیلیٰ ہے۔ آپ دیکھ ہی کر رہے تھے۔ اچھا میں دروازہ کھولوں۔

پوچھ : تو مجھے کیا پتا تھا، ڈاکو کوئی وقت بٹا کر پہنچے ہی آئے ہیں۔

(پوچھ کر کے)

لیلیٰ : پیتا جی، پیتا جی، اُمّی کھ رہی ہیں آپ کی تکیہ تکیہ نہیں ہے۔ کیا ہوا آپ کو۔

پوچھ : کچھ نہیں بھتا، میں ہی ذرا تھکا ہوا ہوں۔

لیلیٰ : تھکا تھکا کچھ نہیں بھتا جی، آپ نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔ اُمّی کی کمزوری ہوئی۔ آئیے چلتے کھانا کھاؤں۔ اُمّی مجھے تو بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ اچھا جلدی جلدی ہی ختم ہوگیا۔ مجھے تو کوئی خاص اچھا بھی نہیں لگا اور آنکھوں دیکھی ہی سوکھنے لگیں۔ آئیے نہ پتا جی، آئیے چلتے۔

پوچھ : اچھا بھتا چلتا ہوں۔ مگر آج بھوک بالکل نہیں لگی۔

لیلیٰ : واہ، روز تو آپ کو اندر بھوک لگتی ہے کہ آتے ہی فوراً کھا دیتے ہیں۔ آج کھا ہوگیا۔

سہی : مہرا خیال ہے لیلیٰ کو ساری بات بتا دیں گی۔ اُمّی بڑی ہوشیار ہے، کالینج میں پکڑتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہیں بھی بات سمجھا دے۔

سہی : تو ہم ہی کہیں یہاں رہیں۔ چلو گھر میں لگاؤ اور سب رہو یہی جی کے یہاں۔

پوچھ : ہاں تو کچھ چلتی ہے۔ اور پھر جو کچھ مال مٹاؤں وہ بھی لے چلوں۔ (کچھ سوچ کر) مگر سنا ہے کہ ڈاکو بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر ہم کہیں چلے جائیں تو ان کی نظروں میں یہ اور بھی ہے۔ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہمارے پاس مال ہے، اور پھر تو وہ جہاں بھی ہم ہوں گے وہیں ہم پر دھاوا بولیں گے۔

سہی : تو پھر ہم یہاں چائیں۔

پوچھ : کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے۔ یہ لیلیٰ کو بھی آج ہی کالینج میں جانا تھا۔ نہ جانے کس وقت کبھی ہو جائے۔ اگر اس کے آتے سے پہلے ہی ڈاکوؤں نے.....

(دروازے پر دستک)

پوچھ : (گھبراہٹ سے اچھل کر) اے، کون آیا۔ لیلیٰ کی ماں کبھی چپ جاکر جاکر جلدی کرو۔ ہاں بھگوان !

سہی : اے یہ اتنا ڈرنے سے کیا ہوگا۔ ڈھرو پورا دیکھنے تو دو کون آیا ہے۔

(دروازے پر پھر دستک۔ دُور سے لڑکی کی آواز)

لیلیٰ : اُمّی ! اُمّی ! دروازہ کھولو۔

سہی : لہو، یہ تو لیلیٰ ہے۔ آپ دیکھ ہی کر رہے تھے۔ اچھا میں دروازہ کھولوں۔

پوچھ : تو مجھے کیا پتا تھا، ڈاکو کوئی وقت بٹا کر پہنچے ہی آئے ہیں۔

(پوچھ کر کے)

لیلیٰ : پیتا جی، پیتا جی، اُمّی کھ رہی ہیں آپ کی تکیہ تکیہ نہیں ہے۔ کیا ہوا آپ کو۔

پوچھ : کچھ نہیں بھتا، میں ہی ذرا تھکا ہوا ہوں۔

لیلیٰ : تھکا تھکا کچھ نہیں بھتا جی، آپ نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔ اُمّی کی کمزوری ہوئی۔ آئیے چلتے کھانا کھاؤں۔ اُمّی مجھے تو بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ اچھا جلدی جلدی ہی ختم ہوگیا۔ مجھے تو کوئی خاص اچھا بھی نہیں لگا اور آنکھوں دیکھی ہی سوکھنے لگیں۔ آئیے نہ پتا جی، آئیے چلتے۔

پوچھ : اچھا بھتا چلتا ہوں۔ مگر آج بھوک بالکل نہیں لگی۔

لیلیٰ : واہ، روز تو آپ کو اندر بھوک لگتی ہے کہ آتے ہی فوراً کھا دیتے ہیں۔ آج کھا ہوگیا۔

سہی : مہرا خیال ہے لیلیٰ کو ساری بات بتا دیں گی۔ اُمّی بڑی ہوشیار ہے، کالینج میں پکڑتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہیں بھی بات سمجھا دے۔

پوراش : بھئی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ جیتنا سچیتا ہے پھر ادا ہوتی جاتی ہے کیونکہ بیشمبہر کھاتا یا کہ یہ ماملا بیکول سچ ہے۔ وہ لوگ اس طرح سے قاتل قاتل ہیں۔ مجھے تو پکا پتہ ہے کہ آج ہمارے ہاں قاتل پروہے۔

بھئی : مگر کیوں پروہے۔ یہاں سے قاتلوں کو کیا ملے گا۔

پوراش : ملے گا یا نہیں یہ میں نہیں جانتا۔ مگر خالی لٹائیے کو بات چھوٹی نہیں ہو سکتی۔ (اور گھبرا کر) لہذا کی ماں، پرا میری نظر تو دیکھنا۔ میرا تو جی بہت گھبرا رہا ہے۔

بھئی : ارے تو آپ پھر اتنے کہیں ہیں۔ گھبرا لے سے کیا کم چلتا۔ لہذا یہاں ہلنگ پر لٹ جاتا۔ ہاں بس۔ فورا چمت کو ہانت لہذا۔ میں لہذا پانی لائی ہوں۔

(دروازہ کھولنے کا اشارہ)

پوراش : ہے بھگوان۔ اب کیا ہوگا۔

(دروازہ بند ہونے کا اشارہ)

بھئی : لہجیے، پانی پی لہجیے۔ تھکات سبمل جاپگی۔

(پانی پی کر کھڑے ہونے سے)

پوراش : لہلا کی ماں، اب دیکھو جی میں کھڑے وہی کرنا ہوگا۔

بھئی : کیا کرنا ہوگا۔

پوراش : پہلے تو کیشور اور بھیمل کو یہاں سے کورن رانا کر دو، ان دونوں کو آج یہاں نہیں سونا چاہئے۔ آج یہ اپنے چاچا کے گھر سو رہیں گے۔

بھئی : اچھی بات ہے۔ ابھی کھانا کھا کر اور کھڑے بدلو کر بھیمل دیتی ہوں۔

پوراش : اور ہاں لہلا سے یہ بات بالکل نہیں کہنی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اسے بھی کیشور اور بھیمل کے ساتھ ہی بھیج دینا چاہئے۔

بھئی : مگر وہ تو بڑی ہو گئی ہے۔ پوچھگی کہ کیا بات ہے، اسے تو کچھ نہ کچھ بتانا ہی ہوگا۔

پوراش : ارے کچھ نہ کچھ بات سوچ لہنا اس سے کہنے کے لیے۔ مگر اسے یہاں ایک پل بھی نہیں دیکھنا ہے۔ اور ہاں، جو کچھ کیشور کہتا ہے، اسے فوراً ہی کہیں چھپا دینا چاہئے۔ میرے خیال میں تو ہم کیشور کے گھر کا پتہ پتہ آتا تو اسے وہاں گھر دیں۔ شاید قاتلوں کی نظر چمک جائے۔

بھئی : استغریٰ : اور اگر نہیں چوکی تو۔ قاتل کیسی باتیں ہی جلتی تو کہتے ہیں۔

پوراش : ارے، نہیں چوکی تو لے جائیں گے۔ ہاں کھیر ملانا اگر نہیں نہیں لے جائیں گے۔

پوراش : بھئی : تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ جیتنا سچیتا ہے پھر ادا ہوتی جاتی ہے کیونکہ بیشمبہر کھاتا یا کہ یہ ماملا بالکل سچ ہے۔ وہ لوگ اس طرح سے قاتل قاتل ہیں۔ مجھے تو پکا پتہ ہے کہ آج ہمارے ہاں قاتل پروہے۔

بھئی : مگر کیوں پروہے۔ یہاں سے قاتلوں کو کیا ملے گا۔

(دروازہ کھولنے کا اشارہ)

پوراش : ہے بھگوان۔ اب کیا ہوگا۔

(دروازہ بند ہونے کا اشارہ)

بھئی : لہجیے، پانی پی لہجیے۔ تھکات سبمل جاپگی۔

(پانی پی کر کھڑے ہونے سے)

پوراش : لہلا کی ماں، اب دیکھو جو میں کھڑے وہی کرنا ہوگا۔

بھئی : کیا کرنا ہوگا۔

پوراش : پہلے تو کیشور اور بھیمل کو یہاں سے فوراً روانہ کر دو۔ ان دونوں کو آج یہاں نہیں سونا چاہئے۔ آج یہ اپنے چاچا کے گھر سو رہیں گے۔

بھئی : اچھی بات ہے۔ ابھی کھانا کھا کر اور کھڑے بدلو کر بھیمل دیتی ہوں۔

پوراش : اور ہاں لہلا سے یہ بات بالکل نہیں کہنی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اسے بھی کیشور اور بھیمل کے ساتھ ہی بھیج دینا چاہئے۔

بھئی : استغریٰ : مگر وہ تو بڑی ہو گئی ہے۔ پوچھگی کہ کیا بات ہے، اسے تو کچھ نہ کچھ بتانا ہی ہوگا۔

پوراش : ارے کچھ نہ کچھ بات سوچ لہنا اس سے کہنے کے لیے۔ مگر اسے یہاں ایک پل بھی نہیں دیکھنا ہے۔ اور ہاں، جو کچھ کیشور کہتا ہے، اسے فوراً ہی کہیں چھپا دینا چاہئے۔ میرے خیال میں تو ہم کیشور کے گھر کا پتہ پتہ آتا تو اسے وہاں گھر دیں۔ شاید قاتلوں کی نظر چمک جائے۔

بھئی : استغریٰ : اور اگر نہیں چوکی تو۔ قاتل کیسی باتیں ہی جلتی تو کہتے ہیں۔

پوراش : ارے، نہیں چوکی تو لے جائیں گے۔ ہاں کھیر ملانا اگر نہیں نہیں لے جائیں گے۔

کیشور : (کھڑا بچہ سے) پیتا جی، اس میں تو
چिट्टی مالوم نہیں ہوتی۔

پुरुش : (بھرا کر) کیا کھا، کیا کھاتے ہو کیشور،
چिट्टی مالوم نہیں ہوتی، لیکافا خالی ہے۔

کیشور : ہاں پیتا جی، بیلکول خالی۔

پुरुش : (بھراہٹ بد गई) لاओ मुझे दिखाओ۔

(काराण फड़फड़ाने का शब्द)

لیکافا باکڑی خالی ہے، راجب ہو گیا۔

کشی : (کھڑا بچہ سے) کیوں کیا ہو گیا ؟

پुरुش : کھڑا نہیں یوں ہی، تو بچوں کو خانا
खिलाओ, फिर मेरे पास आना۔

کشی : کیا بات ہے، آپ ایک دم بھرا کیوں اُٹے۔

پुरुش : (बहुत दुखी और अनमना) कूड़ा नहीं लीला
की मां, यूं ही कुछ तबियत खराब हो रही है, इस वक़्त में
खाना नहीं खाऊंगा۔

کشی : यह एक دم आपको क्या हो गया, अभी तो
आप खाने को तैयार थे, आखिर में भी तो जानूं कि यह
माजरा क्या है, बेटा केशोर, तुम अभी जाओ, अभी थोड़ी
दیر में खانا लग जायगा तो बुला लूंगी۔

(किवाड़ का बन्द करना)

ہاں، تو بتاؤ کیا بات ہے۔

پुरुش : (बिल्कुल हताश) क्या बताऊं, लीला की मां,
तुम ने भी तो अपनी आंखों से देखा है कि लिकफा खाली
था, उसमें कुछ नहीं था۔

کشی : तो क्या हुआ, भेजने वाला उसमें चिट्टी रखना
भूल गया होगा, और यूं ही लिकफा बन्द कर के डाक में
बाल दिया होगा, ऐसी गलतियां अकसर हो जाती हैं۔

پुरुش : नहीं लीला की मां, यह बात नहीं है, यह खालی
لیکافا بچے مانی رکتا ہے، विशम्भर कल ही बता रहा था
कि कुछ दिन हुए, उसने अखबार में पढ़ा था कि डाकूओं ने
डाका डालने का एक अजीब तरीका निकाला है, वह किसी
پैसे والے کے ہاں خالی چिट्टی भेज देते हैं और उसी दिन
उसके हां डाका पड़ जाता है, अब तक ऐसी तीन बार बातें
हो चुकी हैं۔

کشی : मगर हमारे घर में कोई क्यों डाका डालेगा
हम कैसे पैसे वालों में शुमार होने लगे अरे यहां तो यह
हाल है कि महीने के दो दिन बीते हैं और तनखा खतम,
बेवर भी होंगे तो सौ दो सौ से खियादा के न निकलेंगे,
हमारे घर में डाका डालने की किसी को कैसे सूख
सकती है۔

کیشور : (کھڑا بچہ سے) پیتا جی، اس میں تو
چिट्टی مالوم نہیں ہوتی۔

پرش : (کھڑا کر) کیا کھا، کیا کھاتے ہو کیشور،
چिट्टی مالوم نہیں ہوتی، لیکافا خالی ہے۔

کیشور : ہاں، پیتا جی، بالکل خالی۔

پرش : (گہراہٹ بڑھ گئی) لاؤ مجھے دکھاؤ۔

(कण्ठ परबोले का शब्द)

لیکافا واقعی خالی ہے، غصب ہو گیا۔

استری : (کھڑا بچہ سے) کہوں کیا ہو گیا ؟

پرش : کھڑا نہیں یوں ہی، تم بچوں کو کھانا کھاؤ،
پھر میرے پاس آنا۔

استری : کیا بات ہے، آپ ایک دم کھڑا کہوں اُٹے۔

پرش : (بہت دکھی اور انصاف) کھڑا نہیں لہا کی
ماں، یوں ہی کھڑا طبیعت خراب ہو رہی ہے، اس
وقت میں کھانا نہیں کھاؤنگا۔

استری : یہ ایک دم آپ کو کیا ہو گیا، ابھی تو آپ کھاتے
کو تیار تھے، آخر میں بھی تو جانوں کہ یہ ماجرا کیا ہے،
پوچھا کیشور تم ابھی جاؤ، ابھی تھوڑی دیر میں کھانا لگ
جائے گا تو بلا لونگی۔

(کواڑ کا بند کرنا)

ہاں، تو بتاؤ کیا بات ہے۔

پرش : (بالکل ہتاش) کہا بتاؤں، لہا کی ماں، تم
نے بھی تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لیکافا خالی تھا،
اُس میں کچھ نہیں تھا۔

استری : تو کیا ہوا، بھولنے والا اُس میں چٹھی
رکھنا بھول گیا ہوگا، اور یوں ہی لیکافا بند کر کے ڈاک
میں ڈال دیا ہوگا، ایسی غلطیاں اکثر ہو جاتی ہیں۔

پرش : نہیں لہا کی ماں، یہ بات نہیں ہے، یہ
خالی لیکافا بچے مانی رکھتا ہے، بشمبہر کل ہی بتا رہا
تھا کہ کچھ دن ہوئے، اُس نے اخبار میں پڑھا تھا کہ
ڈاکوؤں نے ڈاک ڈالنے کا ایک عجیب طریقہ نکالا ہے، وہ
کسی پیسے والے کے ہاں خالی چٹھی بھیج دیتے ہیں
اور اُسی دن اُس کے ہاں ڈاک پڑ جاتا ہے، اب تک ایسی
تین وارداتیں ہو چکی ہیں۔

استری : مگر ہمارے گھر میں کوئی کہوں ڈاک ڈالے گا،
ہم کسے پیسے والوں میں شمار ہونے لگے، ارے یہاں تو
یہ حال ہے کہ مہینے کے دو دن بھتے ہیں اور تلخوہ
ختم، زور بھی ہونگے تو سو دو سو سے زیادہ کے نہ نکلیں گے،
ہمارے گھر میں ڈاک ڈالنے کی کسی کو کسے سوچہ
سکتی ہے۔

خواجی لیکچر

(یہ ریڈیو پر 31 جولائی 1952 کو اسلام آباد
ریڈیو سٹیشن سے پراسارিত ہو چکا ہے)

پانچ

پوش	40 برس
سُتری	35 ”
لیلا	16 ”
کیشور	10 ”

(دروازے پر دستک دو بار)

پوش : آگے آئیے دروازہ کھولو۔

سُتری : (دُور سے) ابھی آئی (دروازہ کھولنے کا
شब्द) آج ابھی دُور ہو گئی ہے ؟

پوش : ہاں جی، کام ہو گیا تھا۔ کبھی لیلا
کہاں ہے ؟

سُتری : اب تو کالج گئی ہے۔

پوش : کالج ؟ رات میں کالج کبھی ؟

سُتری : کبھی نہیں امریکہ کا کوئی جانور لایا ہے،
تمہارے دیکھا ہے۔

پوش : کب تک لوتے کو کم لگتی ہے ؟

سُتری : ابھی گیارہ بارہ تک آئے کو کم لگتی ہے۔

پوش : (کچھ دُک کر) اچھا ! اب کہاں کے لئے
اُس کا انتظار کرنا تو فصول ہے۔ کشور اور بمل کہاں ہیں۔

سُتری : وہ تو یہیں ہیں۔ تو کھانا لگاؤں۔

پوش : ہاں ہاں، لگاؤ، میں دُرا کھڑے اُتار لوں۔

(پتا کو آیا سن بھاگ کر اُن کو)

پوش : پتا جی، پتا جی۔

پوش : کبھی ! کبھی ! کبھی !

پوش : پتا جی، آپ کی ایک چٹھی آئی ہے۔

پوش : (اچھٹے سے) مہری چٹھی۔

پوش : ہاں پتا جی، آپ کی۔

پوش : ابھی مہری چٹھی کہاں سے آ سکتی ہے۔

میں نے کسی کو کوئی خط نہیں لکھا۔ مہری دوست
ہی کوئی ایسے نہیں ہیں جو مجھے چٹھی لکھتے
ہوں۔ پتا چٹھی کبھی۔

پوش : آگے، تو آپ کھول کر دیکھ لیں نہیں لکھتے
کہ کسی کی چٹھی ہے۔

پوش : ہاں، لانا تو چٹھی کشور۔

پوش : لیلا پتا جی، یہ ہے چٹھی۔ لکھ لکھ
کہول دیں۔

(لیلا پتا جی کا شہد پور کچھ دُور لکھنے کا شہد
جیسے لکھنے میں چٹھی لکھ رہا ہو اور وہ
مل رہی ہو)

پوش : پتا جی، چٹھی چٹھی لکھ۔

خالی لفافہ

(یہ ریڈیو پر 31 جولائی 1952 کو اسلام آباد)

(ریڈیو اسٹیشن سے پراساریت ہو چکا ہے)

پانچ

پوش	40 برس
سُتری	35 ”
لیلا	16 ”
کیشور	10 ”

(دروازے پر دستک دو بار)

پوش : آگے آئیے دروازہ کھولو۔

سُتری : (دُور سے) ابھی آئی (دروازہ کھولنے کا شہد)
آج ابھی دُور ہو گئی ہے ؟

پوش : ہاں، دُرا کام ہو گیا تھا۔ کبھی لیلا کہاں ہے ؟

سُتری : وہ تو کالج گئی ہے۔

پوش : کالج ؟ رات میں کالج کبھی ؟

سُتری : کبھی نہیں امریکہ کا کوئی جانور لایا ہے،
تمہارے دیکھا ہے۔

پوش : کب تک لوتے کو کم لگتی ہے ؟

سُتری : ابھی گیارہ بارہ تک آئے کو کم لگتی ہے۔

پوش : (کچھ دُک کر) اچھا ! اب کہاں کے لئے
اُس کا انتظار کرنا تو فصول ہے۔ کشور اور بمل کہاں ہیں۔

سُتری : وہ تو یہیں ہیں۔ تو کھانا لگاؤں۔

پوش : ہاں ہاں، لگاؤ، میں دُرا کھڑے اُتار لوں۔

(پتا کو آیا سن بھاگ کر اُن کو)

پوش : پتا جی، پتا جی۔

پوش : کبھی ! کبھی ! کبھی !

پوش : پتا جی، آپ کی ایک چٹھی آئی ہے۔

پوش : (اچھٹے سے) مہری چٹھی۔

پوش : ہاں پتا جی، آپ کی۔

پوش : ابھی مہری چٹھی کہاں سے آ سکتی ہے۔

میں نے کسی کو کوئی خط نہیں لکھا۔ مہری دوست
ہی کوئی ایسے نہیں ہیں جو مجھے چٹھی لکھتے
ہوں۔ پتا چٹھی کبھی۔

پوش : آگے، تو آپ کھول کر دیکھ لیں نہیں لکھتے
کہ کسی کی چٹھی ہے۔

پوش : ہاں، لانا تو چٹھی کشور۔

پوش : لیلا پتا جی، یہ ہے چٹھی۔ لکھ لکھ
کہول دیں۔

(لیلا پتا جی کا شہد پور کچھ دُور لکھنے کا شہد
جیسے لکھنے میں چٹھی لکھ رہا ہو اور وہ
مل رہی ہو)

پوش : پتا جی، چٹھی چٹھی لکھ۔

आपका कहना यह भी सही है, यह इरादा वाणी प्रेम में
नहीं है, और प्रेम ही जगत है।”

اندر آید و چون بگویند که این دو حدیثی یعنی درم
نیز که درم از درم می چلتد که

ہندو دھرم میں جن تین گلیں کو سب 'آئند اور
چیت نام دیا گیا ہے انہیں نو اسلام میں وجود' شہوت
اور علم کہا گیا ہے۔ سب 'آئند اور چیت تینوں چوتلہ
میں جا ملتے ہیں۔ اسلام میں چوتلہ کو نور کہا گیا
ہے۔ وہی 'پرم چوتلی' یا 'نور قاهر' بھی ہے۔ اسی نور
سے سارا جہان روشن ہے۔ چوتلی کا دھرم میں ان تینوں
کا نام 'شنگ' چیت اور چیت ہے۔ یہی پرمھا' شہو اور
وشتو ہیں۔ یہی 'گمالک' الرزاقی اور العلم ہیں۔
ایسی طرح یہودی' موسائی' بودھ اور پارسی دھرموں
میں بھی ان کے الگ الگ نام ہیں۔ ان کے علاوہ ہندو
دھرم میں وشتو کے ہزار نام ہیں۔ قرآن میں اللہ کے
سو ہرے نام گنائے گئے ہیں۔ اسی طرح اور دھرموں میں۔
ناموں سے ہمت کر جن دہیوں میں وہ بے نام اور بے
روپ اپنے کو ظاہر کرتا ہے وہ بھی اسکت اور بے شمار ہیں۔
اوپر کہا جا چکا ہے کہ یہودی' ہونی روحیں بھی 'اوتاروں'
مسیحوں اور رسولوں کے روپ میں سب پرانہوں کے پہلے
کے لئے جلم لیتی رہتی ہیں۔

مہا بھارت میں دشمن نے کہا ہے :—
 داسہم ایشوریہ راندین گھانسی نام تو گرو مہم
 یعلیٰ۔ سب کا ایشور ہوتے ہوئے ہی میں سب
 پرانوروں کے لئے داس یعلیٰ غلام کا کام کرتا ہوں۔

یہی بات مولیٰ نے ان شدیدوں میں کہی ہے :-
 ”کیسے مرد تمام است از تمامی
 کلد با خواجهی کار فلامی“

پعلی—جو مرد کامل ہے وہ اپنے کامل ہوئے ہی کی وجہ سے سب کا مالک ہوتے ہوئے سب کی فلاحی پعلی خدمت کرتا ہے۔

معتقد صاحب فی ایک حدیث ہے :
 ”مہذ النعم خادم ہم“

یعنی—جو قوم کا لیڈر ہے وہی ہے قوم کا سب سے بڑا خاتمہ ہے۔
 صوفی نے کہا ہے:—

پہلی۔ جس کسی نے خدمتِ پہلی سہوا کی وہ
مستظوم پہلی مراکب بن گیا۔ اور جس نے کھول اپنی
طرف دیکھا وہ ایک آٹھا کر بھونک دیا گیا۔

انجیل میں لکھا ہے :—
 "تم میں جو سچے سچے ایمان رکھتے ہو، تمہارا سبک دیا"

سب سے اچھا دوست وہی بن سکتا ہے جو سب سے زیادہ آزاد ہو، اور یہ وہی ہو سکتا ہے جس نے پوری طرح اس بات کو دیکھ لیا، جان لیا اور سمجھ لیا ہو کہ ایک ہی اتنا ہم سب کے اتنا ہم کو رہی ہے۔ یہی سب مشہور کے اندر زندگی کا آئینہ ہے۔ یہی ایسا نور اللہ کو پاتا ہے۔

हिन्दू धर्म में जिन तीन मुणों को सत, आनन्द और चित नाम दिया गया है उन्हीं को इसलाम में वज्रूद, शुहूद और इलम कहा गया है. सत, आनन्द और चित तीनों चैतन्य में जा मिलते हैं. इसलाम में चैतन्य को नूर कहा गया है वही 'परम ज्योति' या 'नूर काहिर' भी है. उसी नूर से सारा जहान रोशन है. चीनी ताओ धर्म में इन तीनों का नाम शिंग, चीह और ची है. वही ब्रह्मा, शिव और विष्णु हैं. यही अल मालिक, अल रफ्वाक़ और अल अलीम हैं. इसी तरह यहूदी, ईसाई, बौद्ध और पारसी धर्मों में भी इनके अलग अलग नाम हैं. इनके अलावा हिन्दू धर्म में विष्णु के हज़ार नाम हैं. क़ुरान में अल्लाह के सौ बड़े नाम गिनाए गए हैं. इसी तरह और धर्मों में.

नामों से हट कर जिन रूपों में वह बे नाम और बे रूप अपने को जाहिर करता है वह भी अनन्त और बे ग्युमार है। ऊपर कहा जा चुका है कि पहुँची हुई रूहें भी अवतारों, मसीहों और रसूलों के रूप में सब प्राणियों के भले के लिये जन्म लेती रहती हैं।

महाभारत में कृष्ण ने कहा है :—
 दास्यम् पेश्वर्यं वादेन ज्ञातीनाम् तु करोमि-अहम्
 यानी—सब का ईश्वर होते हुए भी मैं सब प्राणियों
 के लिये दास यानी गलाम का काम करता हूँ.

यही बात सूफी ने इन शब्दों में कही है :—

“कसे मर्दे तमाम अस्त अज तमामी
कल्ल हा रूखा जमी कारे गतामी”

यानी—जो भर्दे कामिल है वह अपने कामिल होने
ही की वजह से सब का मालिक होते हुए सब की गुलामी
यानी शिबभक्त करता है.

मोहम्मद साहब की एक हदीस है :—
“सच्चावत्त कौम खादिम हम”

यानी - जो क्रौम का लीडर है वही क्रौम का सबसे

“आ कि सिद्धमत कर्दऊ मखदूम शुद

यानी—जिस किसी ने खिड़मत यानी सेवा की वह

मखदम यानी मालिक बन गया. और जिसने केवल अपनी

“यह है कि यह केवल है जहाँ हमारा मोक्ष होगा”

सोच समझ कर सब से अच्छा सेवक वही बन सकता है जो सब से बिबादा आजाद हो, और यह वही हो सकता है जिसने पूरी तरह इस बात को देख लिया, जान लिया और समझ लिया हो कि एक ही आत्मा हम सब के अन्दर काम कर रही है, वही सब मनुष्यों के अन्दर शिवगुणी का आकाश व्याप्त है, वही हरबर अन्तःशक्ति को पाना है.

— 44 —

”جو دنیا سے بیدار نہیں ہے وہ اس ہمیشہ کے وار
کو نہیں جان سکتا۔ سوائے بے زبان کان کے اور کوئی زبان
کی بات نہیں سن سکتا۔ جو جاگ رہا ہے وہ اصلیت
میں خواب کی حالت میں ہے، اُس کا جالدا اُس کے
سولے سے بدتر ہے، اور جو اس دنیا کی طرف سے
سویا ہوا ہے وہی اصل میں جاگتا ہے۔ اُس کی غفلت
میں وہیں ہوشیاری ہے۔“

ایک اور صوفی نے کہا ہے :-

”ہو یا ایسا کہ ہر شیے میں نہاں ہے

نہاں ایسا کہ ہر شے سہوہر ہواں ہے۔"

یعنی—وہ اصل حقیقت اس قدر کہانی ہے کہ ہر چیز کے اندر چھپی ہوئی ہے، اور انہی چھپی ہوئی ہے کہ ہر چیز کے اندر سے چمک رہی ہے۔

ہو کھوجی کے دل میں بار بار سوالیں اور شکوں کا پیدا ہونا قدرتی اور لازمی ہے، چاہے وہ کسی بھی دھرم کا ماننے والا کہوں نہ ہو۔ یہ سوال اور شک لمحہ فکریہ، فکر، دھیان اور مغن سے ہی حل ہوسکتے ہیں۔

ایک پرانی چھل نہات ہے :-

”فل مہیں اُمید لئے سفر کرنا مقبول پر پہنچ جائے
سہ گھبرا اچھا ہے۔“

شہرہ معلوم ہے 'ما ملکنا' مہر کہا ہے :-

”جو جہان میں ہمیشہ ہو چکے ظاہر ہو رہا ہے“ وہ مہربی آنکھوں میں نہیں سماتا! جس کی کہیں کوئی جگہ نہیں ہے، میں حودان میں نہ وہ ہو ولس ہو جگہ موجود ہے! اندر اور باہر! آگ اور پتھر! دائیں اور بائیں! نیچے اور اوپر! وہ دوئی کے لباس میں نہیں سماتا، چونکہ وہ اپنی پختائی کے لئے مشہور ہے۔ رات کو ایک کہنے والے نے دود بھرے دل سے اور پریم میں بہ کر منہ سے کہا—اے آدمی! دل کی آنکھوں سے کسی کو بھی سوائے دوست کے اور کچھ مت دیکھ، یہ جان لے کہ جو کچھ تو دیکھتا ہے سب اُس پریم کا ظہور ہے!“

اس سوال کا جواب بھی کہ جو یہی ہوتا ہے اس میں اچھا کہیں اور کہہ پھڑا ہوئی اور 'احد' 'ہرم' سے 'خالق' 'ہرم' کہہ بن گیا، اور انہی میں سوچنے سے ہی مل سکتا ہے۔ انہی میں سے اسے اُھاڑوں میں بہان

”اے نفس مطمئنہ! یعنی اے وہ روح جسے اللہ
میں اطمینان حاصل فرماتا ہے! اپنے رب کی طرف مڑ
و توجہ دے، تجھی اور تو اس سے خوش ہو۔ پھر اللہ کے این
بلدوں میں جا کر رہ۔ جہنم میں داخل ہو، جو روحیں
سب کے لئے مقرر ہیں، اللہ کو یہیں دیکھتیں، وہ ایک
دوسرے سے ایک جگہ ہیں۔“ اُن جو روحیں ایک دوسرے کے

وہر میں لکھا ہے :-

”اللہ! اے سونے، پہلی انگلی ہے۔ وہ سب پرانوں اور سب گلوں سے آلود ہے۔ جب یہ چھوڑیں ہٹ جاتی ہیں تو نہ کوئی گن دے جاتا ہے نہ کوئی روپ: اے کھول یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں، کہ کر ہی بہانہ کیا جا سکتا ہے ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اللہ کیا ہے۔ ہم کھول یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا نہیں ہے۔ دنیا اسی سے نکلی ہے۔ اس نے لئے اس انگلی میں کچھ گن یا صنعتیں بھی آ گئیں۔ گن یا صنعتیں کوئی انگلی نہیں ہوسکتیں۔ ان کا اصل وجود کچھ نہیں۔ اسی سے دنیا میں اندھیرا آرز برائی پیدا ہوئے۔ یہ وہ پردے ہیں جو سچائی کو ڈھک رکھتے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ برائی ہے وہ دھوکہ پہلی ملایا ہے، فریب ہے، پر کچھ نہیں۔ آدمی کا فرض ہے کہ اس انگلی کے ساتھ پورے مافیہ کی کوشش کرے۔ انگلی کو چھوڑ کر آدمی کا سجدوں پہلی سمتہ چھوڑیں کی طرف جانا ہی برائی ہے۔ اسلمت کی کھوج میں چل کر ہی آدمی اسلمت تک پہنچ سکتا ہے۔ وہی اس کا گھر ہے، وہی اس کی اصل ہے۔“

اوپر جو اہرائی بھاشا کا شہد 'ان سوف' آیا ہے وہ شاید عربی 'ہن سوف' یا 'ہن صاف' پڑھا جائے تو اُس کے معنی وہی ہوں گے جو فلسفہ کرتا ہے "ہدہ جہنمہ" کے ہیں۔

مصر میں ایک کھاونے مشہور ہے جس کا مطلب ہے:—
 ”میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں جو
 کچھ بھی خفاں آ سکتا ہے اللہ وہ نہیں ہے۔“

دنیا کے پریمی راہ دکھائے والے ہمیں یہی بتاتے رہیں
ہوں کہ ہرائی کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ دنیا کے دنہ درد
سب پہلے کی طرح اُٹے جانے ہوں۔ دھوڑے دھوڑے کھوجی
آنا کو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ہرائی اور دنہ کوئی
چوڑ نہیں اُسی طرح دنیا کی پہلائی اور سکھ بھی کوئی
چوڑ نہیں۔ یہاں کی پہلائی کھول یہاں کی ہرائی کے
مقابلے میں وجود دھکتی ہے۔ ایسے ہی یہاں کے سکھ
کھول یہاں کے دنکھوں کے مقابلے میں اپنا وجود دھکتے
ہوں۔ سفسار کی اسی لہلہ میں کھوجی کا فرض پہلائی
کی طرف دھکا ہے۔ پر اُنت میں اُس اُنت سے ملنے کا
سکھ کچھ اور ہی ہے۔ وہ اُن سب سکھ دنکھوں سے اوپر ہے۔
وہاں نہ ہرائی دھکتی ہے اور نہ پہلائی۔ جلدی پا دیر میں
سب کو اُسی راستے پر چلتا ہے۔ وہی پرماتند ہے۔

—: انتہول میں لکھا ہے :—

”وہ اٹھ اٹھا۔ اس کا کوئی دوسرا نہیں۔ اُس کے نہ
بچے، نہ بیوی۔“

بہشتی بہشتی ہے۔ پرائی پرائی ہے ۔ سمجھو سمجھو ہے ۔
نا سمجھوں نا سمجھوں ہے ۔ یو پہ سب ایک ہی نالک
ہے دیوار ہے ۔ تو آتا ہو جو یہ "خدا کا بہشتا" بننے کے لئے

जो सब के अन्दर एक ही आत्मा को
देखे वही दुनिया का सच्चा खादिम हो
सकता है

(डाक्टर भगवानदास)

ईश्वर अस्ताह के नपदीक पहुँचने के भी बहुत से वरजे हैं। योग और वेदान्त में इन वरजों को सालोक्य, सामीप्य, सारूप्य, सायुज्य, आवेश, कलावतार, अंशावतार और पूर्णावतार, कहा गया है। तत्सम्बुध में इन्हें ब्रह्म, जगन्नाथ, वस्तु, कुरवे, करायण, कुरवे, नवाफिल, बुरुष, दुल्ल और मफहरे अतम्म नामों से पुकारा गया है। यही कमास यानी पूर्णता की सीढ़ियाँ हैं। यह की इस चढ़ाई को संस्कृत में 'आरोह' और अरबी में 'उरुज' कहते हैं। इसके तीन खास वरजे हैं। पहला वरजा 'ब्रैत' यानी 'ईजादिया' है। दूसरा 'बिशिष्टा ब्रैत' यानी 'शुद्ध दिया' है। तीसरा 'अब्रैत' यानी 'बजूदिया' है। पहला सबसे कम समझ वाले लोगों के लिये है। दूसरा विद्वानों और साइन्सवानों के लिये। तीसरा आरिफों यानी ज्ञानियों के लिये। हिन्दू किलासफ़ी में इन्हें आरम्भवाद, परिणामवाद और विवर्तवाद भी कहा गया है। सूफी इन तीनों हासतों को 'हमा अज ऊस्त', 'हमा-बाऊस्त' और 'हमाऊस्त' कह कर भी बाहिर करते हैं।

यही बात इंगीज़ में दूसरी तरह लिखी है :—

"सब चीज़ें उसी से निकली हैं, उसी से हैं, उसी में हैं।"

यह तीनों बातें एक दूसरे के खिलाफ नहीं हैं। बल्कि एक दूसरे को काटने को यह एक दूसरे को पूरा करती हैं। कामिल होकर ही इनसान महसूस करता है कि सच्ची सिद्धमते खलक यानी दुनिया की सेवा, सच्चा इरक यानी प्रेम, और सच्ची मारफ़ल यानी ज्ञान तीनों एक हैं।

तब समझ में आता है कि वह आते लासिफ़ात, वह निरंजननिरविरोध, वह रायबउल रायूब यानी परम अव्यक्त केवल 'नेमि नेमि' (यह भी नहीं, यह भी नहीं) कह कर यानी केवल 'तनबीह' से ही बयान किया जा सकता है। उसकी कोई तनबीह नहीं, उसकी कोई मिसाल नहीं। नाम रूप का वहाँ कोई काम नहीं।

कौह और जैन धर्म दोनों इस बात पर जोर देते हैं कि उस अस्तम इलाक़त की कोई शब्द बयान नहीं कर सकते। उसे 'यह भी नहीं' 'यह भी नहीं' कह कर ही बताया जा सकता है। सच्ची ज़रफ़ीयों ने भी यही कहा है। सच्ची किलास

जो सब के अन्दर एक ही आत्मा को
दیکھے وہی دنیا کا سچا خادم
ہو سکتا ہے

(ڈاکٹر بہکول داس)

ایشور اللہ کے نزدیک پہونچنے کے بھی بہت سے درجے ہیں۔ یوگ اور وحدانیت میں ان درجوں کو سالوکہ، سامہیہ، سارہیہ، حابوچہ، آریہ، کلونار، انھاوتار اور ہوناوتار کہا گیا ہے۔ تصوف میں انہوں کو 'جد' 'جذبہ' 'میل' 'قرب' 'تراش' 'قرب' 'نائل' 'بروز' 'حلول' اور 'مظہار' ناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہی کمال یعنی پہونچنے کی سہولتیں ہیں۔ روح کی اس چوہائی کو سڈسکوت میں 'آروح' اور عربی میں 'مروج' کہتے ہیں۔ اس کے تین خاص درجے ہیں۔ پہا درجہ 'دوبیت' یعنی 'ایجادیا' ہے۔ دوسرا 'وہشتا دولت' یعنی 'شہودیا' ہے۔ تیسرا 'ادوبیت' یعنی 'وجودیا' ہے۔ پہا سب سے کم سمجھ والے لوگوں کے لئے ہے۔ دوسرا ودوانوں اور سائنسدانوں کے لئے۔ تیسرا عارفوں یعنی گھانوں کے لئے۔ ہندو فلسفی میں انہیں آرمیہ 'وار' پر نام 'واد' اور دورت 'واد بھی کہا گیا ہے۔ صوفی ان گھانوں حالتوں کو 'ہمہ از اوست' 'ہمہ بااوست' اور 'ہمہ اوست' کہہ بھی ظاہر کرتے ہیں۔

یہی بات انجیل میں دوسری طرح لکھی ہے :—
"سب چھڑیں اسی سے نکلی ہیں، اسی سے ہیں، اسی میں ہیں۔"

یہ گھانوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں۔ بچائے ایک دوسرے کو کالہ کو یہ ایک دوسرے کو پورا کرتی ہیں۔ کامل ہو کر ہی انسان مستحسن کرتا ہے کہ سچی خدمت خلق یعنی دنیا کی سہوا، سچا عشق یعنی پریم اور سچی معرفت یعنی گھان گھان ہیں۔

تب سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ذات 'اصدات' وہ نولین نورمہیں وہ فائز الفہوب یعنی پریم اوریمت کھول 'نہتی' 'نہتی' (یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں) کہہ کر یعنی کھول 'للفیج' سے ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کی کوئی شہدہ نہیں۔ اس کی کوئی مثال نہیں۔ نام روپ کا وہاں کوئی کام نہیں۔

ہرمہ اور جنم ہرمہ دونوں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس اصل حقیقت کو کوئی شہد بیان نہیں کر سکتا۔ اے 'یہ بھی نہیں' 'یہ بھی نہیں' کہہ کر ہی بتایا جا سکتا ہے۔ یہی گھانوں نے بھی بھی کہا ہے۔ یہی کلاسی

परोक्षां हाथ नगे पांव गुंजलक बाल भी सर के
कहा उसने निहायत इच्छा से आंखों को नम कर के

कि भगवन तुम तो हो बिरला के इस मेहमान खाने में
तुम्हें क्या, बीत्ती क्या है शरीरों पर जमाने में

तुम्हें तो भोग दीनों बल्ल मिल जाता है बे खटके
तुम्हें क्या, भूक के मारे कहाँ किस किस तरह बहके

यहां तुम को तो दौलत गोद में भूखा सुलाती है
पता उनका भी है कुछ जिनसे नींव आंखें चुराती है

यहां तुमको तो सुख की सेज है मखमल का बिस्तर है
कुछ उनकी भी है सुब गूद भी जिनको ना मेघस्यर है

सुना है आज हिन्दुस्तान का है जहन आजादी
रची है हिन्द के इशरत कदे में हर तरफ शादी

यह आजादी मगर दुखियों की आजादी नहीं हरगिष
अमीरों की है, मजदूरों की यह शादी नहीं हरगिष

यक्रीन हम वसी दिन जहन आजादी मनायेंगे
कि जिस दिन क्रैब 'बिरला' से तुम्हें भगवन छुड़ायेंगे

परेशान हाल ललाके पांज लड्डक बाल भी सर के
कहा उसने निहायत इच्छा से आंखों को नम कर के

कि भगवन तुम तो हो बिरला के इस मेहमान खाने में
तुम्हें क्या, बीत्ती क्या है शरीरों पर जमाने में

तुम्हें तो भोग दीनों बल्ल मिल जाता है बे खटके
तुम्हें क्या, भूक के मारे कहाँ किस किस तरह बहके

यहां तुम को तो दौलत गोद में भूखा सुलाती है
पता उनका भी है कुछ जिनसे नींव आंखें चुराती है

यहां तुमको तो सुख की सेज है मखमल का बिस्तर है
कुछ उनकी भी है सुब गूद भी जिनको ना मेघस्यर है

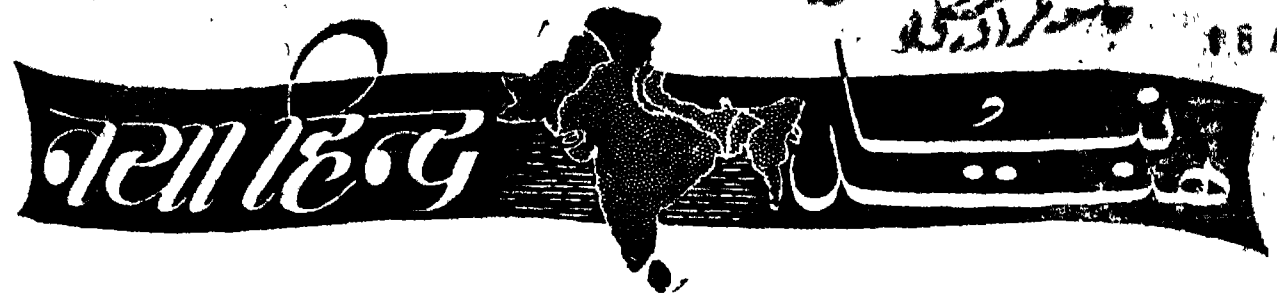
सुना है आज हिन्दुस्तान का है जहन आजादी
रची है हिन्द के इशरत कदे में हर तरफ शादी

यह आजादी मगर दुखियों की आजादी नहीं हरगिष
अमीरों की है, मजदूरों की यह शादी नहीं हरगिष

यक्रीन हम वसी दिन जहन आजादी मनायेंगे
कि जिस दिन क्रैब 'बिरला' से तुम्हें भगवन छुड़ायेंगे

खिजल = शरमिन्दा, देशोत्तरव = रंगरसियां, परिस्तर
= पुजारी, इमारत = अमीरी, बिहारत = दर्शन, गुंजलक =
उलझे हुए, इच्छा = नम्रता, नामोबस्सर = न मिलना,
इशरत कहा = सुख का घर,

खिजल = खिजल, देशोत्तरव = देशोत्तरव, परिस्तर
= पुजारी, इमारत = अमीरी, बिहारत = दर्शन, गुंजलक =
उलझे हुए, इच्छा = नम्रता, नामोबस्सर = न मिलना,
इशरत कहा = सुख का घर,



जिल्द 14

अप्रैल, सन '53

नम्बर 4

نمبر 4

اپریل '53 سن

جلد 14

जात आदमी, प्रेम धर्म है, हिन्दुस्तानी बोली,
'नया हिन्द' पहुँचेगा घर घर लिये प्रेम की भोली.

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لئے پریم کی جھولی.

बिरला मंदिर

'नाजुक' इलाहाबादी

नई दिल्ली में बिरला का जो आलीशान मंदिर है
वह जन्मत ही नहीं है बल्कि जन्मत से भी बढ़कर है

खिजल है आसमां पर इन्द्र की अमरावती इससे
अगर चाहें तो शोभा मांग लें कमला पती इससे

यहां ऐशोत्तरब का शोर है दौलत की मस्ती है
जिधर देखो उधर आकाश से मस्ती बरस्ती है

यहां बस लक्ष्मी ही के परिस्तारों का दंगल है
यहां कल्याण है निर्वाण है मुक्ति है मंगल है

अगरचे है यह जीता जागता जादू इमारत का
मगर आखिर तो मंदिर है जरिया है इबादत का

यहां हर देवता का इक नया मेहमान खाना है
यहां के ठाट सब शाही हैं शाही कारखाना है

पुजारी तक यहां वा चैन की बंसी बजाता है
कि जो भगवान से पहले ही मोहन भोग पाता है

यहां भक्तों को दर्शन प्रेम से भगवान देते हैं
उपासक को अचल भक्ति वह अपनी दान देते हैं

वियारत को हफ्तारों आदमी मंदिर में आते हैं
यहां आते ही सब दुनिया के दुख सुख भूल जाते हैं

अचानक एक दिन रंजी मशकूत का थकाहारा
कहीं से आ गया मंदिर में एक मजदूर बेचारा

बोला मंदिर

('नाउक' अलहादी)

नئی دلی میں ہرلا کا جو عالی شان مندر ہے
وہ جانت ہی نہیں ہے بلکہ جانت سے بھی بڑھکر ہے

خجتل ہے آسماں پر اندر کی امراوتی اس سے
اگر چاہیں تو شوبہا مانگ لیں کلمہ پتی اس سے

یہاں عیش و طرب کا شور ہے دولت کی مستی ہے
جدھر دیکھو اُدھر آکاش سے مستی برستی ہے

یہاں بس لکشمی ہی کے پرستاروں کا دنگل ہے
یہاں کلہان ہے نروان ہے مکتی ہے منگل ہے

اگرچہ یہ جھٹکا جائدا جادو عمارت کا
مگر آخر تو مندر ہے ذریعہ ہے عبادت کا

یہاں ہر دیوتا کا ایک نیا مہمان خانہ ہے
یہاں کے تھاک سب شاہی مہن شاہی کارخانہ ہے

پجاری تک یہاں کا چہن کی بلسی بجاتا ہے
کہ جو بھگوان سے پہلے ہی موہن بھوک پاتا ہے

یہاں بھکتوں کو درشن پریم سے بھگوان دیتے ہیں
آپاسک کو اچل بھکتی وہ اپنی دان دیتے ہیں

زیارت کو ہزاروں آدمی مندر میں آتے ہیں
یہاں آتے ہی سب دنیا کے دکھ سکھ بھول جاتے ہیں

اچانک ایک دن رنج و مشقت کا تھکا ہارا
کہیں سے آگیا مندر میں اک مزدور بھھارا

”نیا ہند“

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

اپریل 1953

”نیا ہند“

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

کتاب کا نام	صفحہ نمبر	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1. بیرلا مندر (کविता) — ’ناجک‘ इलाहाबादी	149	1. برلا مندر (کविता) — ’ناجک‘ الہ آبادی	...
2. जो सब के अन्दर एक ही आत्मा को देखे वही दुनिया का सच्चा खादिम हो सकता है — डाक्टर भगवानदास	151	2. جو سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھے وہی دنیا کا سچا خادیم ہو سکتا ہے — ڈاکٹر بھگوان داس	...
3. खाली ’लकाफा‘ (रेडियाई ड्रामा) — भगवानदीन	156	3. خالی لکافا (ریڈیائی ڈرامہ) — بھگوان دیں	...
4. हिन्दुस्तानी शब्दियात का पांचवां असून : आसान लफ्जा से नए शब्द — डाक्टर जाफर हसन	161	4. ہندوستانی شہدیات کا پانچواں اسول : آسان لغتوں سے نئے شہد — ڈاکٹر جعفر حسن	...
5. روم کا राज जनता के भले का राज है — डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा	165	5. روم کا راج جنم کے بہلے کا راج ہے — ڈاکٹر جے. سی. کمارپا	...
6. नागा जीवन की एक झलक — भगवानदीन	169	6. ناگا جیون کی ایک جھلک — بھگوان دیں	...
7. नए चेकोस्लोवाकिया में खेती बारी की तरक्की — अतहर परवेज़	178	7. نئے چیکو - سلوواکیا میں کھیتی باڑی کی ترقی — اطہر پرویز	...
8. नए चीन में कारखाने — मुजीब रिजवी	182	8. نئے چین میں کارخانے — مجیب رضوی	...
9. हमारे जिला बोर्डों के अध्यापकों का सवाल — सुरेश रामभाई	190	9. ہمارے ضلع بورڈوں کے اداہ پکوں کا سوال — سوریہ رام بھائی	...
10. प्रवासी की डायरी	196	10. پرواسی کی ڈائری	...
11. बच्चों की दुनिया	202	11. بچوں کی دنیا	...
12. कुछ किताबें	204	12. کچھ کتابیں	...
13. हमारी राय	206	13. ہماری رائے	...
स्तालीन — جے. سی. कुमारप्पा, सुन्दर लाल; स्तालीन की मौत के बाद — मुजीब रिजवी, बरतानिया का सऊदी अरब पर हमला — मुजीब रिजवी; बरमा और यूनी — मुजीब रिजवी; जग शान्त की समस्याएं — मुजीब रिजवी;		استالین — جے. سی. کمارپا؛ ملدر لال؛ کے موت کے بعد — مجیب رضوی؛ مطاوعہ کا — موزی عرب پر حملہ — مجیب رضوی؛ برما اور یونی — مجیب رضوی؛ جنگ شفق کی مسئلہ نہیں — مجیب رضوی۔	

قیمت — ہندوستان میں دس روپے سال، باہر دس روپے سال، ایک پرچہ دس آنے۔

مینیجر

”نیا ہند“

145، مونیمنٹ، इलाहाबाद.

”نیا ہند“

مینیجر

”نیا ہند“

145، مونیمنٹ، الہ آباد.

نیا ہند

پڈیٹر—تارا چند، بھگوان دین، مہاشکر ہسن، بھیشم نار، سندر لال

ایڈیٹر—نارا چند، بھگوان دین، مہاشکر ہسن، بھیشم نار، سندر لال

ناایب پڈیٹر—سوریش رام بھائی، مونیب ریجیوی

نائب ایڈیٹر—سوریش رام بھائی، مونیب ریجیوی

✽ ✽ ✽ ✽ ✽

★ روس کا راج جنات کے بلے کا راج ہے۔ ڈاکٹر جے سی. ڈاویڈ

★ ناگا جیون کی ایک کلک—بھگوان دین

★ آج کے دن کی ایک کلک—بھگوان دین

★ نئے چین میں کارخانے—مونیب ریجیوی

★ نئے چین میں کارخانے—مونیب ریجیوی

★ ہمارے جیلا بورڈ کے اذیاد کو کا مبال—
سوریش رام بھائی

★ ہمارے جیلا بورڈ کے اذیاد کو کا سوال—
سوریش رام بھائی

ہماری راج—

ہماری راج

★ سٹالین—جے. سی. کمار پپا، سندر لال

★ سٹالین—جے. سی. ڈاویڈ، سندر لال

★ برتانییا کا سڈی ارب پر
ہملا—مونیب ریجیوی

★ برتانییا کا سڈی ارب پر حملہ
—مونیب ریجیوی

★ برما اور یونو—مونیب ریجیوی

★ برما اور یونو—مونیب ریجیوی

★ جگ شانتی کی مسما—
مونیب ریجیوی

★ جگ شانتی کی مسما—
مونیب ریجیوی

اپریل 1953

ہنگار

مجموعہ شری رگھوپتی سہائے 'مراق'

جھنگار

سمپادک—شری رگھوپتی سہائے 'مراق'

مجموعہ شری رگھوپتی سہائے 'مراق' سے آج تک کی اردو کی چلی ہوئی کہانوں کا یہ سنگم ہے۔ یہ اردو کی زندگی کی سچائیوں سے ایسا نانا چور لہا ہے آج کی اردو شاعری تل و بلبل اور وصل و فراق تک ہی سمیت نہیں ہے۔ اب آپ کو اردو کہتا ہوں کسانوں اور مردوروں کے دلوں کی دھڑکنوں سنائی دینگی۔ غلامی اٹھائے اور موت و سہارے کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سنہلے جو آپ کے دل و گہرائیوں کو چھوٹے گی۔

"ان دویموں میں اندر اشتہی تھا، اشتہی دلوں جھانکوں ملتی تھی... ساتھ ساتھ ساگر میں... راتوں میں ہلندی مسار... یہ پریاس اٹھتا ہے اور راتوں کے آدھک دور... ہن آتے ہیں..."

23-2-52 —'ریحانہ' لاہور

"جہاں تک باور کا سمبندھ ہے کہانوں، زحیراتر کی ہیں"

6-3-52 —'ویشال ہمارے' کلکتہ

"ہنگار میں شکاری 72 اردو کی کہانیاں آج کی کے یوں کی سمبندھ سے آتے ہیں"

17-2-52 —'نہ ہمارے ڈاکٹر' دہلی

"ہندی کے پاٹھک سنہ اور باور سے اس سمبندھ کا آواز آتے ہیں اور ان سے پریاس آتے ہیں۔ یہ مشیت ہے"

13-1-52 —'آزمین پریاس' لاہور

"ہم ان کی (کہانوں کی) شکتی، تاجروں اور سحر کے کاویل ہیں۔ یہ ہر نئے یوں کا سندھ دیتی ہیں۔ آواز آتے ہیں اور ہمارے ہاں آتے ہیں۔"

8-5-52 —'آزمین پریاس' دہلی

"ہنگار کی رچنا میں یوں کی ہنگار ہے اور ہنگار بالکل ہل چال کے ہنگار ہے۔" —'نہ ہمارے' کلکتہ

ناگوری لکھنؤ میں ایسا ہنگار اردو کہتا ہے سنگم آج تک نہیں نکلا۔ سنگم جلد ہوگا۔ ہنگار ہنگار کے ساتھ ساتھ دھم دھم آتے ہیں۔ دس دھم کی ایک ساتھ دھم دھم آتے ہیں۔

میلنے کا پتا —

مینیجر 'نہ ہندی' 145، مڈیگن، لاہور۔

میلنے کا پتا —

مینیجر 'نہ ہندی' 145، مڈیگن، لاہور۔

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

مکتبہ

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایک کتابچہ کے لیے، کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پڑائی، غروں، کتابوں، سبھاؤں، کانفرنسیوں، لکچروں سے سبھی، جاتوں، بھارتیوں اور برصغیر میں آپس کا میل بڑھانا۔

—: ۰ :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—می۰ ابرار علی محمد خاں،
وائس پریسیڈنٹ—ڈا۰ بھوانی داس اور ڈا۰ ابرار علی محمد
ہج۰ گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ— ڈا۰ بھوانی داس،
سکرٹری— پی۰ سندرلال۔

گورننگ باڈی کے اراکین

ڈا۰ سید محمد، ڈا۰ ناز احمد، مولوی سید
موسلمان ندوی، می۰ منیر علی خان، شری ۰ جی۰
نور، پی۰ بشیمبر ناتھ، مہاتما بھوانی داس، سید پونم
چند رانکا، کاجی محمد ابرار اور شری ۰ آرم
پراکاش پالیوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لیے لکھتے—

سندرلال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145، مڈل گنج، ایلہا آباد

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے مطابق ممبری کی
فیس صرف ایک روپیہ کرنی چاہیے۔ ”نیا ہند“ کے
جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ
دیلے پر ہی ممبر بنا لیا جائے گا۔ الگ سے ممبری کی
فیس دیلے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو
ایک روپیہ دام کی ہوئی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام
کی کتابیں لے لیں ہر ایک بار ایک روپیہ کم کیا سکیں گے۔

مکتبہ

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا

اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایک کتابچہ کے لیے، کتابوں، اخباروں، رسالوں
وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پڑائی، غروں، کتابوں، سبھاؤں، کانفرنسیوں،
لکچروں سے سبھی، جاتوں، بھارتیوں اور برصغیر میں
آپس کا میل بڑھانا۔

—: ۰ :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—مسٹر عبدالجہد خواجہ،
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھوانی داس اور ڈاکٹر عبدالصق،
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ— ڈاکٹر بھوانی داس،
سکرٹری— پلانت سندرلال۔

گورننگ باڈی کے اراکین

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر ناز احمد، مولوی سید
مسلمان ندوی، مسٹر مظہر علی سوختہ، شری بی۔ جی۔
نور، پلانت بشیمبر ناتھ، مہاتما بھوانی داس، سید پونم
چند رانکا، قاضی محمد عبدالغفار اور شری ۰ آرم
پراکاش پالیوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لیے لکھتے—

سندرلال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145، مڈل گنج، ایلہا آباد۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے مطابق ممبری کی
فیس صرف ایک روپیہ کرنی چاہیے۔ ”نیا ہند“ کے
جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ
دیلے پر ہی ممبر بنا لیا جائے گا۔ الگ سے ممبری کی
فیس دیلے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو
ایک روپیہ دام کی ہوئی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام
کی کتابیں لے لیں ہر ایک بار ایک روپیہ کم کیا سکیں گے۔

हमारे पढ़ाई मिशन वाली कुछ और किताबें

हमारे पढ़ाई मिशन वाली कुछ और किताबें

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नोट:—ये किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नाम किताब	लेखक	वाम	लेखक	नाम किताब
शेर और शायरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	8 0 0	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	1. शेर और शायरी
2. शेर और सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर और सुखन
3. महेरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. महेरे पानी पैठ
4. हमारे आस्था	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3 0 0	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	4. हमारे आस्था
5. संस्मरण	"	3 0 0	"	5. संस्मरण
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	श्री जगदीशचन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण प्रसाद जैन	6 0 0	श्री नारायण प्रसाद जैन	7. ज्ञान गंगा
8. पथ चिन्ह	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	2 0 0	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	8. पथ चिन्ह
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	शान्ति एम. ए.	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के तारे धरती के फूल
11. मुक्ति दूत	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	5 0 0	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	11. मुक्ति दूत
12. मिलन यामिनी	श्री बच्चन	4 0 0	श्री बच्चन	12. मिलन यामिनी
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर रामकुमार वर्मा	13. रजत रश्मि
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुखारिया	2 8 0	श्री तन्मय बुखारिया	14. मेरे बापू
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	15. विश्व संघ की ओर
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	5 0 0	श्री भगवानदास केला	16. भारतीय अर्थशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और उनका पतन	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और उनका पतन
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन
21. सदीय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. सदीय अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	22. हमारी आदिम जातियां
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ठ, भगवानदास केला	2 0 0	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ठ, भगवानदास केला	23. अर्थशास्त्र शब्दावली
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	24. नागरिक शिक्षा
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	श्री दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र मंडल शासन
26. जवाही	महात्मा महाबानदीन	3 0 0	महात्मा महाबानदीन	26. जवाही
27. भारते की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. भारते की हिम्मत !
28. सहीना सच	"	0 8 0	"	28. सहीना सच
29. मेरे साथी	"	1 0 0	"	29. मेरे साथी

मिशन को पता—

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, सुदीर्गम, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, सुदीर्गम, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'नया हिन्द'

फिरकाबन्दी पर बाणू

सम्पादक—श्री श्रीहरन दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सबाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के मुक़द्दसों को समझे और इस जादू को अपने अन्तर से साफ़ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा काराज. दो सौ सफ़े. क़ीमत दो रुपया.

भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तफ़रार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी. राष्ट्र भाषा के सबाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फ़ायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी.

क़रीब सबा सौ सफ़े की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

फ़तह बन्दी पर बाणू

सिपाक—श्री श्रीहरन दास

इस पुस्तक में सन 1921 से सन 1948 तक फ़तह बन्दी जी ने साम्प्रदायिकता के सबाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के मुक़द्दसों को समझे और इस जादू को अपने अन्तर से साफ़ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा काराज. दो सौ सफ़े. क़ीमत दो रुपया.

बिहाशा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तफ़रार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी. राष्ट्र भाषा के सबाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फ़ायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी.

क़रीब सबा सौ सफ़े की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

700 PAGES,

32 ILLUSTRATION

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDRI

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—شری ملنظر علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ کہتے پہلے مہاتما گاندھی نے لاکھپس کو لوگ سہواً سلکھ میں بدل دیئے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیہس کے نام انکی آخری وصیت ہے اور سہی دیاںہیا گاندھی جی کے پریم بھکت شری ملنظر علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھلے اور اپنالے والے دیہس کے لئے کئے لوگوں میں سے ایک ہوں۔

گاندھی واد کو سمجھلے کے لئے اسکا پوہنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحہ کی سندر جلد ہندی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—شری ملنظر علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑ کر آپکو پتا چلےگا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اہلساتمک دنگ سے دیش میں ہنگلاہ لایا جا سکتا ہے۔

پہلیس پنے کی کتاب، دام سیرک چار آنے۔

آج کے شہید

لکھک—شری رتن لال بھسل

ان بہادروں کی کہانیاں جنہوں نے بیदेशی حاکموں کی پہلائی فوٹ کی آغا میں ہنسائییت کو بھسم ہوتے دکھ جان کی بھی دیر نہ کی اور اسے بھمانے کی کوشش میں اپنی جان کربان کر دی۔ دام سیرک ڈاڑھ روپا۔

مسلم دیش بھکت

سندھک—شری رتن لال بھسل

ان مسلمان دیہس بھکتوں کے جہوں کا حال جاننے والے اپنی جان بھٹائی ہے۔ دیکھو ہندوستان اور دیہس میں دھتے ہوئے بھارت مانتا کہ قاضی کی رنجیروں سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ کتاب بڑے دلچسپ قلمک سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپہ ہارے آنے۔

مسلم دیش بھکت

سندھک—شری رتن لال بھسل

ان مسلمان دیہس بھکتوں کے جہوں کا حال جاننے والے اپنی جان بھٹائی ہے۔ دیکھو ہندوستان اور دیہس میں دھتے ہوئے بھارت مانتا کہ قاضی کی رنجیروں سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ کتاب بڑے دلچسپ قلمک سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپہ ہارے آنے۔

میلے کا پتہ—

پتہ—145، سڈھیا، دھاکھار۔

میلے کا پتہ—

گاندھی بابا

لکھک—کدسسیا جیدی

دو شبد—جواہر لال نہرو

یہ انمول کتاب جلم سے بلیدان تک کی گاندھی جی کی پوری اور سچی جہونی ہی ہے اور کہانی بھی۔ ہمارے یہی وہی ہے پوانا رواج رہا ہے کہ سالوں آج بچوں کو سپاہیوں کے جہون چوت کہانی کے روپ میں سناتی ہوں۔ اس طرح کی کہانیاں عام طور پر ویر راجاؤں اور ان کے پدھوں کی کہانیاں ہوتی ہوں۔ بہکم کدسہ زیدی نے جو مہاتما گاندھی کی پریم بھکت ہوں، اپنی اس کتاب میں گاندھی جی کی جہونی اور ان کا ستہ، اہلسا، پریم اور تہاک کا ایدیش بچوں کو ایسی پھاری سیدھی سانی بولی میں اور ایسے قلمک سے سنایا ہے کہ بچوں کے دل میں اترنا چلا جاتا ہے۔ ہندی میں گاندھی جی کے اوپر بچوں کے لئے اس سے بڑھ کر کتاب نہیں ہے۔ اس میں کہانی کا دس ہی ہے اور بچوں کو اونچا اٹھالے والے ایدیش بھی۔

پلخت جواہر لال نہرو نے اپنے 'دو شبد' میں لکھا ہے—

"انہوں نے (کدسہ زیدی نے) یہ چھوٹی سی کتاب سچے دل سے لکھی ہے۔ وہ اسے صرف ایک کتاب نہیں سمجھتے۔ ان کے لئے گاندھی جی کی کہانی ایک بہت ہی مہتم کی اور پھاری چیز ہے..... مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب لکھی گئی ہے۔"

موتے کلف پر، موتے ٹائپ میں، بہت سی رنگوں تصویریں، آرٹ پھیر پر سنددر رنگوں کور اور دلتی کی مشورہ جلد—دام قبول دو روپہ۔

وینوبا کا سندیش

لکھک—سوریش رامभाई

اک شبد—مہاتما بگواندین

وینوبا جی کے بھوان-یہ سے آج سارا دیش باکریک ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں آپکو ملےگا کہ یہ بھوان-یہ کب اور دھس شروع ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ صفحے 25، دام قبول دو آئے۔

میلے کا پتا—

میں نے، 'نیا ہند'

145 میلے، ہلاکھاپ

وینوبا کا سندیش

لکھک—سوریش رامभाई

ایک شبد—مہاتما بگواندین

وینوبا جی کے بھواندین یہ کہہ سے آج سارا دیش وائف ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں آپکو ملےگا کہ یہ بھواندین یہ کہ اور دھس شروع ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ صفحے 25، دام قبول دو آئے۔

میلے کا پتا—

میں نے، 'نیا ہند'

145 میلے، ہلاکھاپ

میں نے، 'نیا ہند'

145 میلے، ہلاکھاپ

लेखक—पंडित सुन्दरलाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इसलाम दोनों के मेल की बर्त, गीता का बर्णन, गीता के एक एक अध्याय का निबोध, कुरान का बर्णन, लगभग 16 ख़ास ख़ास मज़मूनों पर कुरान की क़रीब 500 आयतों का लफ़्ज़ी तर्जुमा बरौर दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफ़े की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क़ीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बह चार लेखर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कम्प्लीमेंटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफ़े की किताब, क़ीमत सिर्फ़ बारह आने।

महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी किरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजदूरी और इतिहासी पहलू से विचार और हलका इलाज, जिसने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क़ीमत बारह आने।

पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दौरे के बाद वहां की भयंकर क़त्ली और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आईं उन का वर्णन वर्णन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क़ीमत चार आने।

बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के किरक़ेबाराना भयंकों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भयंकों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क़ीमत सिर्फ़ दो आने।

लिखने का पता—

पंडित, 'नया दिन' 145, उद्दिगांव, इलाहाबाद।

लेखक—पंडित सुन्दर लाल किता और कुरान

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتوں، کھتا کا بڑھن، کھتا کے ایک ایک اہم اہم کا لکچر، قرآن کا بڑھن، لک بھگ 16 خاص خاص مضمونوں پر قرآن کی قریب 500 آیتوں کا لفظی ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بنیادی یکتہ کو جاننا اور سمجھنا چاہیں ان کے لئے یہ کتاب اصول ہے۔
پولے تین سو صفحے کی سندر جلد ہندی کتاب کی قیمت صرف قہائی روپہ، ڈاک خرچ الگ۔

ہندو مسلم ایکتا

اس کتاب میں وہ چار لکچر جمع کئے گئے ہیں جو پندت جی نے کلسھنٹری بورڈ کوالیار کی دعوت پر کوالیار میں دیئے تھے۔
سو صفحے کی کتاب، قیمت صرف بارہ آئے۔

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

سامہر دایکتا یعنی فرقہ پرستی کی بیماری پر راج کا جی، مدامی اور انہاسی پہلو سے وچار اور اسکا علاج جس نے آخر میں دیہی پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے ہوج میں نہ رہنے دیا۔
قیمت بارہ آئے۔

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

مہاتما گاندھی کی صلح سے اکتوبر سن 1947 میں پچھمی اور پوربی پنجاب کے دورے کے بعد وہاں کی بھگت پرہاسی اور آپسی مار کاٹ کے کارن لوگوں پر جو مصیبتیں آئیں ان کا دردناک درن۔ اس چھوٹی سی کتاب میں آجکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سچائی بھی پشی کئے گئے ہیں۔ قیمت چار آئے۔

بنگل اور اُس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1949-50 میں پوربی اور پچھمی بنگال کے فرقہوارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے جھگڑوں کو مصیبت کے لئے ختم کرنے کی ترسیب بھی سکھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آئے۔

لیکھنے کا پتہ—

پندت، 'نیا دن' 145، حقی علی، الہ آباد۔

ہندوستانی کلچر سو سائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹوروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سٹارچ ہر حالت میں گاہک کے ذمے ہوگا۔

ہندوستانی کلچر سو سائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹوروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔
ڈاک یا ریل سٹارچ ہر حالت میں گاہک کے ذمے ہوگا۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انیوادی

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔
'بھارت میں بھنگرےپی راج' کے لکھک پندت سندرلال دھارا مूल بھنگرےپی سے انیوادیات۔

ہر بھارتواسی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावरा भाशा. रायल अठपेजी बड़ा साइज. लगभग चार सौ पन्ने. कपडे की सुन्दर जिल्द. कीमत केवल साढ़े सात रुपये.

ईसा का सन्देश

लेखक—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा.

अनुवादक—सुरेश रामभाई.

इस किताब में इस्फरत ईसा के सन्देश की व्याख्या ऐसे लाजवाब ढंग से की गई है कि पढ़ने वाला बड़ी आसानी से यह समझ जायेगा कि ईसाई धर्म की खास तालीम क्या है और इस्फरत ईसा ने इन्सान-इन्सान की बराबरी, भाई बाने, प्रेम और अहिंसा पर कितना जोर दिया है.

महात्मा गांधी ने इस किताब के बारे में कहा है कि—

“हर आस्तिक से, चाहे वह ईसाई हो या किसी और धम का मान्ने वाला हो, मेरी सिफारिश है कि इसे पढ़े...”

सुन्दर जिल्द, बढिया कालज, करीब सवा सौ सफे की किताब का नाम सिर्फ एक रुपया.

मिलने का पता—

मिशनरी प्रेस, 145 सुबिगन, इलाहाबाद.

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انیوادی

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔
'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھک پندت سندرلال دھارا مूल انگریزی سے انیوادیات۔

ہر بھارت واسی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावरा भाशा. रायल अठपेजी بड़ा साइज. लगभग चार सौ पन्ने. कपडे की सुन्दर जिल्द. कीमत केवल साढ़े सात रुपये.

عیسائی کا سندیسی

لکھک—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا.

انیوادی—سریش رام بھائی.

اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کے سندیسی کی دیکھا ایسے لاجواب قلمنگ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا پوری آسانی سے یہ سمجھ جائے گا کہ عیسائی دھرم کی خاص تعلیم کیا ہے اور حضرت عیسیٰ نے انسان انسان کی بربادی بھائی چارے، پریم اور اهدسا پر کتنا زور دیا ہے.

مہاتما گاندھی نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ—
“ہر آستیک سے، چاہے وہ عیسائی ہو یا کسی اور دھرم

کا ماننے والا ہو، میری سفارش ہے کہ اسے پڑھے...”

سندر جلد، بڑھیا کالڈ، قریب سوا سو صفحے کی

کتاب کا دام صرف ایک روپہ.

میلے کا پتہ—

میشنری، 145 سوبیگن، ایلاہاباد.

چیراغا बुझ गया !

سٹالین چیراغا سے پر ریشمی نہیں ہے۔ وہ ایک یوگ سے پر سمجھ نہیں ہے۔ وہ ایک ڈاڑھ سے پر کُچا نہیں ہے۔ وہ ایک پتھر سے پر ساہ نہیں ہے۔ وہ ایک مہان انسان سے پر انسانیت نہیں ہے۔ موت نے دنیا سے اسٹالین چھین لیا ہے۔ اُس نے چیراغا بجھا دیا ہے، اُس نے ہیک کا است کر دیا ہے، اُس نے ڈاڑھ کرا دیا ہے، اُس نے پتھر کا دیا ہے، اُس نے انسان کو مودہ کر دیا ہے۔ پر روشنی قائم ہے، سمجھ کا بہاؤ جاری ہے، اُونچائی اب بھی انسانیت کو اپنی طرف ہٹ رہی ہے، سایہ اب بھی ہائی ہے۔ انسانیت اُس ہے، آج ہے۔ چیراغا بجھ جانے پر اُس سمجھ تک چکا چودہ ہوتا ہے جب تک دوسرا چیراغا روشن نہیں ہو جاتا۔ ہیک کی ترقی میں روزا اٹک جاتا ہے جب تک کوئی دوسرا ہیک نورمانا پھدا نہیں ہوتا۔ ڈاڑھ کُچا جانے پر اُس وقت تک اُونچائی کا اندازہ لگانے میں دقت ہوتی ہے جب تک کوئی دوسرا ڈاڑھ نہ کھڑا ہو جائے۔ پتھر کے کُچا جانے سے اُس سمجھ تک سونا سونا لگتا ہے جب تک وہاں کسی اور چھوڑ کا نورمان نہ ہو جائے۔ انسانیت کی پرکھی رک جاتی ہے جب تک کوئی دوسرا انسان اُس پرکھی کا علمبردار بن کر سامنے نہ آ جائے۔ اسی کارن دنیا کو دھندا تھا، وہ اسٹالین کی موت کو سوچ کر ایک کسی سی محسوس کرنے لگتی تھی۔ انسان اُس سے تک قرتا ہے، اُس کا سوچنا بھی پاپ سمجھتا ہے، جب تک وہ کھٹلا نہ ہو جائے۔ آج جب وہ کھٹلا ہو گئی ہے تو سب اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں، قرت کی جگہ ہمت نے لے لی ہے۔ ایسے قرت کو بھکا کر ہمت پھدا کر دیلا مرنے والے کی آتما کا کرشمہ ہے۔ آج ہم سوویت روس کی حالت پر جب غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روسوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہا ہے، ہمیں لگتی ہے اُن کے دل میں ایکٹا کی کام کرنے کی شاعری قائم کرنے کی بہاؤنا لیز ہو رہی ہے۔ یہ اسٹالین کی آتما کا کرشمہ ہے۔ اسٹالین کی زندگی جتنی شاندار تھی اُن کی موت کے بعد کی کھٹلاؤں سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی موت بھی اُن کی شاندار ہے !

اسٹالین کی ایک بھڑا تھی کہ 'دنیا میں شامیت کرایم ہو جائے، لکھاؤ کا نام نشان تک مٹ جائے۔ جب یہ وہ کسی کیسے کیسے سے ملے گا تو یہ نہیں کہتے تھے کہ جبارہ ستارہ ہو جاؤ۔ اُن کی یہی اچھا ہوتی تھی۔ اُوں ہم تم میں کوئی عینا میں شاعری قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اسٹالین کی کوئی یادگار اگر نہیں کی جا سکتی ہے تو وہ 'جنگ شاعری' ہے۔ روس کی جنگ اور اُن سب لہجوں کا جو اسٹالین کو بہاؤ کرتے ہیں یہ کرب ہے کہ وہ شاعری قائم کرنے کے لئے اپنے سارا زور لگا دیں۔ اسٹالین کا جو خواب زندگی میں پورا نہ ہو سکا اُسے موت کے بعد پورا ہو رہا چاہئے !!

— یو جی ریگھی

چیراغا بجھ گیا !

اسٹالین چیراغا سے پر روشنی نہیں ہے۔ وہ ایک ہیک سے پر سمجھ نہیں ہے۔ وہ ایک ڈاڑھ سے پر کُچا نہیں ہے۔ وہ ایک پتھر سے پر ساہ نہیں ہے۔ وہ ایک مہان انسان سے پر انسانیت نہیں ہے۔ موت نے دنیا سے اسٹالین چھین لیا ہے۔ اُس نے چیراغا بجھا دیا ہے، اُس نے ہیک کا است کر دیا ہے، اُس نے ڈاڑھ کرا دیا ہے، اُس نے پتھر کا دیا ہے، اُس نے انسان کو مودہ کر دیا ہے۔ پر روشنی قائم ہے، سمجھ کا بہاؤ جاری ہے، اُونچائی اب بھی انسانیت کو اپنی طرف ہٹ رہی ہے، سایہ اب بھی ہائی ہے۔ انسانیت اُس ہے، آج ہے۔ چیراغا بجھ جانے پر اُس سمجھ تک چکا چودہ ہوتا ہے جب تک دوسرا چیراغا روشن نہیں ہو جاتا۔ ہیک کی ترقی میں روزا اٹک جاتا ہے جب تک کوئی دوسرا ہیک نورمانا پھدا نہیں ہوتا۔ ڈاڑھ کُچا جانے پر اُس وقت تک اُونچائی کا اندازہ لگانے میں دقت ہوتی ہے جب تک کوئی دوسرا ڈاڑھ نہ کھڑا ہو جائے۔ پتھر کے کُچا جانے سے اُس سمجھ تک سونا سونا لگتا ہے جب تک وہاں کسی اور چھوڑ کا نورمان نہ ہو جائے۔ انسانیت کی پرکھی رک جاتی ہے جب تک کوئی دوسرا انسان اُس پرکھی کا علمبردار بن کر سامنے نہ آ جائے۔ اسی کارن دنیا کو دھندا تھا، وہ اسٹالین کی موت کو سوچ کر ایک کسی سی محسوس کرنے لگتی تھی۔ انسان اُس سے تک قرتا ہے، اُس کا سوچنا بھی پاپ سمجھتا ہے، جب تک وہ کھٹلا نہ ہو جائے۔ آج جب وہ کھٹلا ہو گئی ہے تو سب اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں، قرت کی جگہ ہمت نے لے لی ہے۔ ایسے قرت کو بھکا کر ہمت پھدا کر دیلا مرنے والے کی آتما کا کرشمہ ہے۔ آج ہم سوویت روس کی حالت پر جب غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روسوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہا ہے، ہمیں لگتی ہے اُن کے دل میں ایکٹا کی کام کرنے کی شاعری قائم کرنے کی بہاؤنا لیز ہو رہی ہے۔ یہ اسٹالین کی آتما کا کرشمہ ہے۔ اسٹالین کی زندگی جتنی شاندار تھی اُن کی موت کے بعد کی کھٹلاؤں سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی موت بھی اُن کی شاندار ہے !

اسٹالین کی ایک اچھا تھی کہ دنیا میں شاعری قائم ہو جائے، لکھاؤ کا نام نشان تک مٹ جائے۔ جب یہ وہ کسی کیسے کیسے سے ملے گا تو یہ نہیں کہتے تھے کہ جبارہ ستارہ ہو جاؤ۔ اُن کی یہی اچھا ہوتی تھی۔ اُوں ہم تم میں کوئی عینا میں شاعری قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اسٹالین کی کوئی یادگار اگر نہیں کی جا سکتی ہے تو وہ 'جنگ شاعری' ہے۔ روس کی جنگ اور اُن سب لہجوں کا جو اسٹالین کو بہاؤ کرتے ہیں یہ کرب ہے کہ وہ شاعری قائم کرنے کے لئے اپنے سارا زور لگا دیں۔ اسٹالین کا جو خواب زندگی میں پورا نہ ہو سکا اُسے موت کے بعد پورا ہو رہا چاہئے !!

— یو جی ریگھی

پو. نو. اُس وقت تک ساری دنیا غی ہے۔ بس
اور ہے لاگ پڑھا ہے۔ بس یہی جا سکتی ہے۔
وہ لگتا ہے اور ہاتھوں میں کو لکھیں ہے۔ مگر ہر
نہیں ہے۔

یہ خبر ہر آدمی کے منہ پر ہے کہ ایتم ہم دیکھتے ہیں
 زبردستی بدنامے جا رہے ہیں ، دیکھتے ہیں کہ سائے زبردستی
 کرنا ایک ملک پر چوہائی کرنے سے زیادہ آگوشی ہے ۔
 آگوشی سے بدنام چوہا آگوشی کا ہی نام کر سکتا ہے ۔
 دیکھتے لوگ دھرم سائنس کی طرح جان پر کوئل جانے والے
 ہوئے ہیں ۔ سوچتے ہیں کہ آگوشی سے قابو نہیں پا سکتے
 وہ آگوشی سے بھرا نام کرنے کے لئے کسے تیار ہو گئے
 ایسی باتیں ہیں ایک خبر ہر ایک کی زبان پر ہے ۔ وہ یہ
 کہ آگوشی نے ایتم ہم بدنامے والی سرکاروں سے یہ قسم لے لی
 ہے کہ وہ ایتم ہمیں کو نہ سوچنے کے کسی ملک پر گرائیں گے
 نہ امریکہ کے کسی ملک پر اور نہ آسٹریلیا کے ۔ بس اب
 یہ وہ آگوشی ، آگوشی | اب تک دو ہم جاپان پر کر چکے جو
 آگوشی کا ملک ہے ۔ کوریا پر ہم گرائے جانے کی دھمکی دی
 جا رہی ہے ، کوریا بھی آگوشی ملک ہے ۔ چین پر ایتم ہم
 گرائے کی تحریروں کو دیکھ جا رہے ہیں وہ بھی آگوشی
 ملک ہے ۔

ایسا اور اذیت دینا ہی اس کے نشانے کھوہ پائیے کہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نگہانی اس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ یا تو بڑی ہی ہیں یا امروسی۔

لیکن ہم اگر بھی کا حق مانو تو یہ ہی ہر یہ اگرچہ سن سے
بھی سوا یا ہو جاتا ہے جب اس کے زعم میں آ کر کوئی
ملک چکرورنی ہوئے کی سوچ ہوتا ہے ۔ یعنی سب
ملکیوں کے مالک ہیں ہوتے کی بات سوچتا ہے اور اس
نامہ ائمہ مددہ یکوہ کی طرح قابل مددہ یکوہ کرنے کی
قماری کرنے لگتا ہے ۔

[illegible]

ہر میں شائستگی بٹائی رکھنے کے لئے کھانوں سے شائد ہی کبھی کام لیتا ہو، ہاں دوسرے ملکوں پر چڑائی کرنے میں یہ سب سے آگے ہوتی ہیں۔

پنڈلیوں جیسی سب سے مہرین بھی پچاس کی سدی آگر ہیسو پکرن ہیں تو پچاس کی سدی ریسو پکرن بھی ہیں۔ کیونکہ چڑھائی کے وقت یہ سمندر میں پہرہ دینے کے کام آتی ہیں، پر اُن کے بہت کم دکھو اُپکرن اور بہت زیادہ ہنسو اُپکرن ہیں۔ ٹھیکوں کی طرح یہ اُن کے بھی ایسے ہو سکتے ہیں جن پر یو۔ نو۔ کچھ پابندی لگائے۔

زمینی اور سمندری دونوں بھی برابر کی ہنسو اُپکرن اور دکھو اُپکرن ہیں۔ دوسرے اور ہتھیار بھی اس کسوٹی پر کس کر دیکھے جا سکتے ہیں۔

وہ سب سے بھانک ہتھیار ایٹم بم اور اسی کا دادا گر ہائیڈروجن بم جس کے بارے میں کچھ کا کہنا ہے: بن کھا کچھ کا کہنا ہے، بنا نہیں ہے، بلکہ کی تیاری میں ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ ابھی یہ کوری کھلا ہے۔ یہ دونوں ہتھیار سولہویں آفہ ہنسو اُپکرن ہیں۔ یہ ہتھیار کے کام میں آ ہی نہیں سکتے۔ ان سے تو حملہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کے ہتھیار ہیں۔

امریکہ کے پاس ایٹم بم ہے، اگر کوئی ملک ہندوہوں میں ہتھیار یا چھتریوں سے آ کر چوری چوری توہمارک یا واشنگٹن پر حملہ بول دے تب امریکہ کبھی بھی ہتھیاروں میں توہمارک یا واشنگٹن پر ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم گرانے کی ہوتوئی نہیں کرے گا۔ ان دونوں بھانک ہتھیاروں میں یہ بہت بڑی کمی ہے۔ جس طرح شور کی چھاتی بے حد کمزور ہوتی ہے ویسے ان دونوں بھانک بموں کا دل بے حد کمزور ہے۔ یہ دونوں بم اپنے دیش کو کھڑے کھڑے برباد ہوتے دیکھتے دھمکے اور سہمے کھڑے دھمکے۔

لندن، پیرس، آٹاوا، ماسکو اپنے پاس ایٹم بم رکھتے ہیں اپنی بربادی سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں ان کی بربادی سے بچانے کی ہتھیاریں ہیں۔ ان سے زیادہ ان کی تلواریں، اُن سے کم ان کی توپیں اور ہتھیاروں اور ہتھیاروں کے، توہلک اُن کے اور سب سے زیادہ ہتھیار وہ ہے۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

ایٹم بم ہر طرح ہر معلوں میں اگیشن کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اُس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ اگر ہوسر۔ وہ ملک کم اگر ہوسر نہیں چر کسی ملک کی دوسرے ملک پر ایٹم بم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اُس کے خلاف آواز نہ اُٹھائے! یو۔ نو۔ سلسلہ بھی اگر ہوسر ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اُس ملک کو نہ دھمکے جس نے کسی دوسرے ملک پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی ہو۔

تھیں۔ گویا جو مٹی تو آج تک شامل نہیں ہوئی۔
ایک طرح سے ساری دنیا کی ایک تہائی آبادی کی یہ
پونو نام دھاری پنجابیت ابھی تک نمائندگی یعنی
پرستی نہیں کرتی اور کل دنیا کی پنجابیت بنی
ہوئی ہے۔

یہ نام دھاری ہندوچیت لہک کی طرح ایک دن
لہکا دم توڑنے کی کہا ہی اچھی ہو اگر دم توڑنے سے
پہلے یہ ایک آواز زور کی اٹھا دے کہ جو ہتھیار کسی
طرح رکھو لیکن نہیں ہیں یعنی رکشا کے کام نہیں آتے وہ
کوڑے ہتسولیکرن نہیں ہیں یعنی دوسرے ملکوں پر ہتھکنڈے
کام آسکتے ہیں۔ وہ سب ہتھیار لکڑیوں پر لکڑی کے مالے
چالوں اور جن جن کے پاس ہتھیار وہ سب لکڑی
قرار دے دئے چالوں۔

دکھو! بکرون اور مٹسوا بکرون سے ہمارا کیا مطلب ہے،
 اُس کو ہم صاف کر دیتا چاہتے ہیں۔

آدمی نے جن ہتھیاروں کو اپنی جان بچانے کے لئے
تیار کیا وہ سب ہتھیار وکسواپکرن ہیں۔ یہ دوسری بات
ہے کہ وکسواپکرن سے بھی ملسواپکرن کا کام لیا جاتا ہے۔
یہ بات سب کی سمجھ میں آجائے اس لئے ہم اسی کو
پہوں صاف کرتے ہیں کہ چالو ایک آپکرن ہے، چالو
سے جب قلم بنایا جائے تب وہ گھان آپکرن کہلائے گا۔
گھان آپکرن معلم گھان کا اوزار۔ اسی چالو سے پھوڑا چمڑے
کے لئے نہتر کا کام لیا جائے تب وہ وکسواپکرن کہلائے گا
یعنی پھوڑا کا اوزار۔ اسی چالو سے جب نسیئی گردن
ساری جائے تب وہ ملسواپکرن کہلائے گا یعنی جان لولہ
والا اوزار۔

ہماری اُدھر کی کسوٹی پر جب ہم نے سارے ہتھیاروں کو کسا تب اُنہی ایتھم ہم ہی ایسا ہتھیار نکلا جو ہر طرح ایک مصلحہ مہوں ہندوؤں پر ہے ۔

فلوار، چوہی، بھلے حملہ کرنے میں کام آسکتے ہیں اور
اُس نائے ہنسواپکرن کہہ جاسکتے ہیں، پر اُن سے اپنا
بچھاؤ بھی کیا جاتا ہے۔ اِس نائے دکھاپکرن ہیں۔ اصل
میں یہ ہتھیار چمپ بلے تھے، تب جان بچانے کی نوبت
آئی بلے تھے۔

آگ کے ہتھیار جو جسے ہلدورق اور توپ یہ حملے کے کام
میں آسکتے ہیں اور آتے ہیں، پر ان سے زیادہ اور کام
بچاؤ کا ہی لیا جاتا ہے۔ ایک ملک اپنے اوپر دوسرے
ملک کی چوڑھائی کے لیے اپنے قلعوں پر جو توپیں چڑھاتا ہے
وہ بچاؤ کے لئے ہوتی ہیں، حملے کے لئے نہیں۔ اس لئے توپ
ہلدورق بھی کبھی کبھی دانشور یا کمون ہوتے ہیں۔ سچے سچ
ان کی ایجاد بھی آدمی نے جنگلی جانوروں سے بچنے
کے لئے کی۔

ملک ہوشک بہت کم دکھوا پکرن اور بہت زیادہ
دکھوا پکرن ہے۔ لہذا ہندوؤں کی طرح کوئی ملک ایسے

یہ چاروں صورتیں (جن کو 'عقوب' نے بیان کیا ہے) گہروائی، منجھلی، دھن کی جھب تک سامراجی طاقتوں اپنا قدم رکھانے والی ہیں۔ ایرانی ملحقہ کو چاہئے کہ شاہ اور مصدق کے جھگڑے کو چھوڑ کر وہ اپنی سامراجیوں کو یکجہزے اور انہیں دھن لگا دینے میں پوری طاقت لگائے۔ اسی میں اس کا بہت ہے اور اسی طرح ایران میں شانتی ہو سکتی ہے !

مستطاب و مقبول

ایتم جم اور یونو

لہگ کی طرح پڑو بھی سسک سسک کر اپلا جھون
بتا دہی ہ۔ لہگ انگریزوں کے ہاتھ کی کٹھپتلی بن کر
دوسری لڑائی کا گان ہونے لگی، پڑو امریکہوں کے ہاتھ کا
کھلونا بن کر دنیا کی تیسری لڑائی بلا کر دے گی۔

تھسری لڑائی کے ہوج اُس وقت ہو گئے تھے، جب جرمنی کئی طاقتوں میں بانٹا گیا، کوریا کے دو ٹکڑے بن گئے، جاپان میں امریکی ہوائی اڈے بنائے گئے اور فارموسا کو چین سے الگ کر کے اُس کے چاروں طرف امریکہ نے جہازی گھبرا ڈالا۔

یہی تو کے دیکھتے دیکھتے یہ بیچ چہن کے ٹھہریلو لڑائی
کے روپ میں قائم ہوئے کو تیار ہے اور جلسہ ہی ایسے
ہی کلمہ چرمی میں ہوت نکلتے والے ہوں ۔

یونہی ہوئی تو اس لئے چاہئے کہ وہ دنیا کی فوجی طاقتوں کا معمول بلحاظِ رتبہ پر جانے لے جائے وہ اس معمول کو چمکی ہی بگاڑ دیتی ہے اور شانتی کی سلسلہ ہونے کی جگہ لڑائی کی سلسلہ بن بیٹھتی ہے۔ ایسا کہیں ہو جاتا ہے ؟ اس کی وجہ اس کے سوائے کچھ ہوسکتی ہے کہ لہجہ اور یونہی جھسی کل دنیا بدچالیت چلم لہتی ہیں اُن طاقتوں کے ہاتھ سے جو لڑائی پرہہ ہوتے ہیں اور جن کا پلوا دنیا کی لڑائی میں بھاری ہوتا رہا ہے ۔ کل دنیا کی بدچالیت شانتی رکھنے میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ یا تو لوک شاہی دھنک سے نہ بلائی گئی ہو یا اُن ہتھیاروں کو دنیا سے باہر نکال نہ کر دیں جو کسی بھی طرح رکھو آپریشن یعنی رکھا کے ہتھیار نہیں ہیں ۔

یہ تو ایک شاعری قلمک کی بلالی ہوئی پڑھا ہے
 نہیں ہے کوئی قصہ اس کو دینا کے سب ملکوں کے فائدوں
 کے لکھ چکے ہیں اس کو کبھی دستور ہوا کر نہیں دیا۔
 جہی چھوڑا ہوا ملک اس میں شامل نہیں، بلکہ کسی
 جرمی؟ چھوڑا ہوا ملک جو ملک بھی شامل نہیں

کو پھانسی دے دی گئی اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ ایران کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

اس اعلان کے بعد تہران میں ایک تھلکا مچ گیا۔ ڈاکٹر موسدق کا گھر گھر لپیٹا گیا، ہر سڑک پر پرنسپل ہونے لگے۔ ایک طرف شاہ کے ہمہ گیر ہوتے ہوئے اور دوسری طرف ڈاکٹر موسدق نے کورنر ہی حالات پر قابو پا لیا اور بینک آف اسٹاک کو اور 17 کڑی افسروں کو گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں پر چارج یہ ہے کہ انہوں نے شاہ کو دھوکا دیا ہے کہ شاہ سے ہمہ گیر رکھنے والے پولیس کے افسروں کو بھی آزاد کر دیا ہے۔ تہران کی حالت اب بھی نازک ہے اور جگہ جگہ شاہ کے ہمہ گیر اور موسدق کے ہمہ گیروں میں تھلکا ہو رہا ہے۔

شاہ نے دہش چھوڑنے کا فیصلہ اب واپس لے لیا ہے۔ شاہ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا تھا کہ انہوں نے اپنے افسر کا ہتھیار ہوا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے پتہ چل گیا کہ موقع پڑے گا تو شاہ لوگ شاہ کا ساتھ دے سکتے ہیں اور ان کی حالت شاہ فاروق کی سی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر موسدق نے بھی اس بات کو شاید سمجھ لیا ہے اور وہ شاہ کو چلتا ہے ہاتھوں میں شکست دینا چاہتے ہیں اس سے سرکار ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کے ہاتھوں میں انہوں نے فوج اور پولیس پر بھی قبضہ جما لیا ہے، چلتا ہے ان کے ساتھ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ شاہ کی طرح شاہ کے محل کو گھر سکتے ہیں۔ اس سے ڈاکٹر موسدق کا دودھ ضرور ہوتا لیکن دھوکے سے بچ چلتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو جیت ان کی ہی ہوگی۔ لیکن انہوں نے جیلر نجیب کا راستہ نہیں اپنایا۔ انہوں نے مجلس سے کہا ہے کہ وہ ان کے تمام حقوق دے دیں تو وہ چلتا ہے۔ اس سوال پر مانگیں گے۔ اگر چلتا ہے ڈاکٹر موسدق کا ساتھ دینا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شاہ کے سپہ سالاروں کو جانوں کے اور ان کے مقاصد کو دھکا دے گا اور شاہ کو سچے سچے دہش چھوڑنا پڑے گا۔ ایسی کامیابی ڈاکٹر موسدق کے لئے ایشیائی دیہوں کی جلتا ہے۔ میں سدھارنا ہوتا ہے کی اور اگر ان کو کامیابی ہوگی تو بھی ان کی موت لوگوں کی نظروں میں ہوگی۔

سامراجیاد اب اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ شاہ اور ڈاکٹر موسدق دونوں کا اثر ایران پر ہے اور دونوں کی لڑائی میں سامراج کا فائدہ نہیں ہے۔ انہوں نے صاف دیکھ لیا ہے کہ اس سے شاہ اور ڈاکٹر موسدق کا مہل ان کے ہت میں ہے۔ امریکہ کے راج دولت مستور ہندوستان نے ڈاکٹر موسدق سے ہتوں باتوں کی ہیں اور کوشش جاری ہے کہ شاہ اور ڈاکٹر موسدق مل جائیں۔

شاہ نے دہش چھوڑنے کا فیصلہ اب واپس لے لیا ہے۔ شاہ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا تھا کہ انہوں نے اپنے افسر کا ہتھیار ہوا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے پتہ چل گیا کہ موقع پڑے گا تو شاہ لوگ شاہ کا ساتھ دے سکتے ہیں اور ان کی حالت شاہ فاروق کی سی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر موسدق نے بھی اس بات کو شاید سمجھ لیا ہے اور وہ شاہ کو چلتا ہے ہاتھوں میں شکست دینا چاہتے ہیں اس سے سرکار ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کے ہاتھوں میں انہوں نے فوج اور پولیس پر بھی قبضہ جما لیا ہے، چلتا ہے ان کے ساتھ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ شاہ کی طرح شاہ کے محل کو گھر سکتے ہیں۔ اس سے ڈاکٹر موسدق کا دودھ ضرور ہوتا لیکن دھوکے سے بچ چلتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو جیت ان کی ہی ہوگی۔ لیکن انہوں نے جیلر نجیب کا راستہ نہیں اپنایا۔ انہوں نے مجلس سے کہا ہے کہ وہ ان کے تمام حقوق دے دیں تو وہ چلتا ہے۔ اس سوال پر مانگیں گے۔ اگر چلتا ہے ڈاکٹر موسدق کا ساتھ دینا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شاہ کے سپہ سالاروں کو جانوں کے اور ان کے مقاصد کو دھکا دے گا اور شاہ کو سچے سچے دہش چھوڑنا پڑے گا۔ ایسی کامیابی ڈاکٹر موسدق کے لئے ایشیائی دیہوں کی جلتا ہے۔ میں سدھارنا ہوتا ہے کی اور اگر ان کو کامیابی ہوگی تو بھی ان کی موت لوگوں کی نظروں میں ہوگی۔

شاہ نے دہش چھوڑنے کا فیصلہ اب واپس لے لیا ہے۔ شاہ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا تھا کہ انہوں نے اپنے افسر کا ہتھیار ہوا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے پتہ چل گیا کہ موقع پڑے گا تو شاہ لوگ شاہ کا ساتھ دے سکتے ہیں اور ان کی حالت شاہ فاروق کی سی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر موسدق نے بھی اس بات کو شاید سمجھ لیا ہے اور وہ شاہ کو چلتا ہے ہاتھوں میں شکست دینا چاہتے ہیں اس سے سرکار ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کے ہاتھوں میں انہوں نے فوج اور پولیس پر بھی قبضہ جما لیا ہے، چلتا ہے ان کے ساتھ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ شاہ کی طرح شاہ کے محل کو گھر سکتے ہیں۔ اس سے ڈاکٹر موسدق کا دودھ ضرور ہوتا لیکن دھوکے سے بچ چلتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو جیت ان کی ہی ہوگی۔ لیکن انہوں نے جیلر نجیب کا راستہ نہیں اپنایا۔ انہوں نے مجلس سے کہا ہے کہ وہ ان کے تمام حقوق دے دیں تو وہ چلتا ہے۔ اس سوال پر مانگیں گے۔ اگر چلتا ہے ڈاکٹر موسدق کا ساتھ دینا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شاہ کے سپہ سالاروں کو جانوں کے اور ان کے مقاصد کو دھکا دے گا اور شاہ کو سچے سچے دہش چھوڑنا پڑے گا۔ ایسی کامیابی ڈاکٹر موسدق کے لئے ایشیائی دیہوں کی جلتا ہے۔ میں سدھارنا ہوتا ہے کی اور اگر ان کو کامیابی ہوگی تو بھی ان کی موت لوگوں کی نظروں میں ہوگی۔

شاہ نے دہش چھوڑنے کا فیصلہ اب واپس لے لیا ہے۔ شاہ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا تھا کہ انہوں نے اپنے افسر کا ہتھیار ہوا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے پتہ چل گیا کہ موقع پڑے گا تو شاہ لوگ شاہ کا ساتھ دے سکتے ہیں اور ان کی حالت شاہ فاروق کی سی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر موسدق نے بھی اس بات کو شاید سمجھ لیا ہے اور وہ شاہ کو چلتا ہے ہاتھوں میں شکست دینا چاہتے ہیں اس سے سرکار ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کے ہاتھوں میں انہوں نے فوج اور پولیس پر بھی قبضہ جما لیا ہے، چلتا ہے ان کے ساتھ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ شاہ کی طرح شاہ کے محل کو گھر سکتے ہیں۔ اس سے ڈاکٹر موسدق کا دودھ ضرور ہوتا لیکن دھوکے سے بچ چلتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو جیت ان کی ہی ہوگی۔ لیکن انہوں نے جیلر نجیب کا راستہ نہیں اپنایا۔ انہوں نے مجلس سے کہا ہے کہ وہ ان کے تمام حقوق دے دیں تو وہ چلتا ہے۔ اس سوال پر مانگیں گے۔ اگر چلتا ہے ڈاکٹر موسدق کا ساتھ دینا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شاہ کے سپہ سالاروں کو جانوں کے اور ان کے مقاصد کو دھکا دے گا اور شاہ کو سچے سچے دہش چھوڑنا پڑے گا۔ ایسی کامیابی ڈاکٹر موسدق کے لئے ایشیائی دیہوں کی جلتا ہے۔ میں سدھارنا ہوتا ہے کی اور اگر ان کو کامیابی ہوگی تو بھی ان کی موت لوگوں کی نظروں میں ہوگی۔

شاہ نے دہش چھوڑنے کا فیصلہ اب واپس لے لیا ہے۔ شاہ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا تھا کہ انہوں نے اپنے افسر کا ہتھیار ہوا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے پتہ چل گیا کہ موقع پڑے گا تو شاہ لوگ شاہ کا ساتھ دے سکتے ہیں اور ان کی حالت شاہ فاروق کی سی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر موسدق نے بھی اس بات کو شاید سمجھ لیا ہے اور وہ شاہ کو چلتا ہے ہاتھوں میں شکست دینا چاہتے ہیں اس سے سرکار ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کے ہاتھوں میں انہوں نے فوج اور پولیس پر بھی قبضہ جما لیا ہے، چلتا ہے ان کے ساتھ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ شاہ کی طرح شاہ کے محل کو گھر سکتے ہیں۔ اس سے ڈاکٹر موسدق کا دودھ ضرور ہوتا لیکن دھوکے سے بچ چلتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو جیت ان کی ہی ہوگی۔ لیکن انہوں نے جیلر نجیب کا راستہ نہیں اپنایا۔ انہوں نے مجلس سے کہا ہے کہ وہ ان کے تمام حقوق دے دیں تو وہ چلتا ہے۔ اس سوال پر مانگیں گے۔ اگر چلتا ہے ڈاکٹر موسدق کا ساتھ دینا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شاہ کے سپہ سالاروں کو جانوں کے اور ان کے مقاصد کو دھکا دے گا اور شاہ کو سچے سچے دہش چھوڑنا پڑے گا۔ ایسی کامیابی ڈاکٹر موسدق کے لئے ایشیائی دیہوں کی جلتا ہے۔ میں سدھارنا ہوتا ہے کی اور اگر ان کو کامیابی ہوگی تو بھی ان کی موت لوگوں کی نظروں میں ہوگی۔

باز سے بھی انہیں بچا سکتے ہیں۔ تیل کے راشن کران کے مسئلے کو رد نہ کر کے کچھ ایسا بھیجے گا، آئندہ ناکامی میں کوئی حرج نہیں ہے کہ برطانیہ پھر ایرانی تیل کے کارخانے چالے لگے اور ایران کی مالی حالت درست ہو۔ امریکہ سے فوجی سمجھوتہ کرنے میں اور ڈالر کی مدد لینے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

ڈاکٹر موسدیک کا کہنا ہے: اب سوال سمجھوتہ کا نہیں بلکہ سہم کا ہے۔ سہم ہی خود فیصلہ کر دے گا۔ جو دیش صبر سے کام لے گا وہ جیتے گا۔ اس بڑے فائدے کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ اس انتظار میں قربانی بھی دینی پڑے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم خرچ کم کریں، زیادہ سے زیادہ سونے کو دیں تاکہ کام چلتا رہے۔ کچھ عرصے کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا اور تیل کا سارا فائدہ ہم کو ملے گا۔

شاہ نے کوشش کی کہ ان کی چلے اور مصدق راستے سے ہٹ جائے۔ انہوں نے مجلس کو آدھیں دیا کہ وہ قوام السلطنت کو ہوا وزیر چلے۔ قوام السلطنت دو روز بھی راج نہ کر پائے، چلتا آؤ پڑی اور اس نے مجلس کو اپنا فیصلہ واپس لینے کے لئے مجبور کر دیا۔ قوام السلطنت کہیں نظر بند کر دیئے گئے اور ڈاکٹر مصدق نے مانگ کی کہ انہیں فوراً معمولی طاقتوں میں مجلس دے دے۔ مجلس کو دینا پڑا۔ شاہ کی ہار ہوئی سو ہوئی۔ ان کے اندھیکاروں پر بھی اثر ہوا۔ فوج تک ڈاکٹر مصدق نے اپنے ہاتھ میں کر لی اور بہت سے افسروں کو رہتائو کر دیا۔

اس کہنا سے امریکی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ امریکہ کا کہنا تھا: شاہ کی مصدق کے سامنے کوئی حقیت نہیں ہے۔ شاہ اور مصدق کے تکرار میں شاہ کے ساتھ دینے کے کمپوزم مضبوط ہوا اور مصدق کا ساتھ میں اتردار کمپوزم رو دھیں ہتھیار ہاتھ لگے گا۔ برطانیہ والوں کی رائے دوسری تھی۔ مصدق ضد میں ایران کی مالی حالت بتاتے چلتے گئے اور آخر میں کمپوزم آ جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی ڈاکٹر مصدق پر زیادہ دوزے ڈالنے لگے اور برطانیہ والوں نے شاہ پر اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

دیش کی مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹیکہ رکھنے کے لئے ڈاکٹر موسدیک نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تنخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جاہلیانہ رویہ پر بھی ہنسنے لگا دیا اور جو رقم شاہ دین کے مدت میں ہر مہینے ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصیبت میں تھا اور شاہ کا کہنا تھا کہ پوری قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک کام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ

شاہ نے کوشش کی کہ ان کی چلے اور مصدق راستے سے ہٹ جائے۔ انہوں نے مجلس کو آدھیں دیا کہ وہ قوام السلطنت کو ہوا وزیر چلے۔ قوام السلطنت دو روز بھی راج نہ کر پائے، چلتا آؤ پڑی اور اس نے مجلس کو اپنا فیصلہ واپس لینے کے لئے مجبور کر دیا۔ قوام السلطنت کہیں نظر بند کر دیئے گئے اور ڈاکٹر مصدق نے مانگ کی کہ انہیں فوراً معمولی طاقتوں میں مجلس دے دے۔ مجلس کو دینا پڑا۔ شاہ کی ہار ہوئی سو ہوئی۔ ان کے اندھیکاروں پر بھی اثر ہوا۔ فوج تک ڈاکٹر مصدق نے اپنے ہاتھ میں کر لی اور بہت سے افسروں کو رہتائو کر دیا۔

اس کہنا سے امریکی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ امریکہ کا کہنا تھا: شاہ کی مصدق کے سامنے کوئی حقیت نہیں ہے۔ شاہ اور مصدق کے تکرار میں شاہ کے ساتھ دینے کے کمپوزم مضبوط ہوا اور مصدق کا ساتھ میں اتردار کمپوزم رو دھیں ہتھیار ہاتھ لگے گا۔ برطانیہ والوں کی رائے دوسری تھی۔ مصدق ضد میں ایران کی مالی حالت بتاتے چلتے گئے اور آخر میں کمپوزم آ جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی ڈاکٹر مصدق پر زیادہ دوزے ڈالنے لگے اور برطانیہ والوں نے شاہ پر اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

دیش کی مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹیکہ رکھنے کے لئے ڈاکٹر موسدیک نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تنخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جاہلیانہ رویہ پر بھی ہنسنے لگا دیا اور جو رقم شاہ دین کے مدت میں ہر مہینے ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصیبت میں تھا اور شاہ کا کہنا تھا کہ پوری قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک کام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ

دیش کی مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹیکہ رکھنے کے لئے ڈاکٹر موسدیک نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تنخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جاہلیانہ رویہ پر بھی ہنسنے لگا دیا اور جو رقم شاہ دین کے مدت میں ہر مہینے ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصیبت میں تھا اور شاہ کا کہنا تھا کہ پوری قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک کام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ

دیش کی مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹیکہ رکھنے کے لئے ڈاکٹر موسدیک نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تنخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جاہلیانہ رویہ پر بھی ہنسنے لگا دیا اور جو رقم شاہ دین کے مدت میں ہر مہینے ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصیبت میں تھا اور شاہ کا کہنا تھا کہ پوری قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک کام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ

فیک نہیں کر سکتا ہے اور دیسی کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہے ؟
 چندنائی دہلی سامنے آ رہی ہیں جیسے ہم برطانوی
 سامراج کا دشمن سمجھتے ہیں وہ امریکی سامراج کا متر بن جاتا
 ہے اور جو امریکی سامراج کے خلاف زہر اگلتا ہے وہ برطانیہ
 کا ساتھ دیتا ہے۔ ایک کے چمکے سے بچنے کے لئے یہ ملک
 دوسرے سامراج کا سہارا لیتے ہیں لیکن نتیجے میں اور
 بڑی طرح سے چمکے میں پھنس جاتے ہیں ۔

شاہ اور ڈاکٹر موسدیک کا मतभेद بڑے مہینے پہلے
 شروع ہوا تھا ۔ اس کے کان دو ہی ہو سکتے ہیں : ایک ،
 موسدیکوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے کی موسدیک شاہی
 خاندان کو متاعے کی کوفٹیں کر رہے ہیں اور ان کی سازش
 ختم کرنے کے لئے انہیں بڑے وزیر کے ہڈ سے ہٹا دیا جائے ۔
 اس بات کا گہرا اثر بھی شاہی خاندان کے لوگوں پر دکھائی
 پڑتا ہے ۔ اس عرصہ میں شاہ کے نئی دشمنی کے بھائی اور
 پہلے ملک چھوڑ کر چلی گئی ہیں اور ویشوں
 میں رہنے لگی ہیں ۔ لیکن ڈاکٹر مصدق کی کسی بات
 سے یہ بے پناہ نہیں چلتا کہ وہ شاہ کو خدمت کوکے ایران کو
 رہنما بنا چاہتے ہیں ۔ کافی اخباروں اور اثر دار لوگوں
 کا خیال ہے کہ وہ شاہ کے بہت ہیں ۔ پر یہ بات بھی
 دھماکہ میں رکھتی چاہئے کہ موجودہ شاہ کے پتا کے ڈاکٹر
 مصدق کو نظر بند کیا تھا اور ڈاکٹر مصدق آخر سم
 تک ان کا وردہ کرتے رہے تھے ۔ بہر حال ایران کے اندر کیا
 صورت ہو لیکن باہر کی دنیا کو مصدق کی طرف سے
 شاہ کے لئے کسی خطرے کا ابھاس نہیں ہوتا ۔

دوسرے ، ویشی ایجنٹوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے
 — دیسی کی مالی حالت بگڑ رہی ہے ، سارا دیسی فریبی
 کا شکار ہے ، مالی دہستہ چھوٹ رہی ہے ۔ ایسی حالت
 میں کمونزم طاقت پکوتا ہے ۔ کمونزم کو روکنا ہے تو
 فوراً ایران کی مالی حالت درست ہو جانی چاہئے ۔
 اس مالی حالت کو سدھارنے کے دو آپاٹے ہیں : برطانیہ کا
 کہنا ہے کہ شد اور ہٹ کو چھوڑ کر سمجھوتہ کر لیا جائے اور
 آج یہ ایران میں نول کے کارخانے چلانے کی اجازت مل
 جائے ۔ اس بار وہ نفع کا ایک ہوا حصہ تک ایران کو دینے
 کو تیار ہے ۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ وہ ڈالر سے ایران کی مدد
 کرنے کو تیار ہے ، دسویہ ملک سے بھی قرض ملوا سکتا ہے ۔
 اس طرح ایران اپنی مالی حالت درست کر کے کمونزم
 کو دبا سکے گا ۔ ڈاکٹر مصدق کو کہہ گوار کر واشنگٹن لے
 بھی جایا گیا ہے اور بات بھی چلائی گئی ہے لیکن ابھی
 تک کوئی سمجھوتہ نہیں ہو پایا ہے ۔

شاہ کو صاف دکھائی ہو رہا ہے : برطانیہ اور
 امریکہ کی دوستی میں ہی رہا ہے اور کمونزم کی

فیک نہیں کر سکتا ہے اور دیسی کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہے ؟
 چندنائی دہلی سامنے آ رہی ہیں جیسے ہم برطانوی
 سامراج کا دشمن سمجھتے ہیں وہ امریکی سامراج کا متر بن جاتا
 ہے اور جو امریکی سامراج کے خلاف زہر اگلتا ہے وہ برطانیہ
 کا ساتھ دیتا ہے۔ ایک کے چمکے سے بچنے کے لئے یہ ملک
 دوسرے سامراج کا سہارا لیتے ہیں لیکن نتیجے میں اور
 بڑی طرح سے چمکے میں پھنس جاتے ہیں ۔

شاہ اور ڈاکٹر مصدق کا मतभेद بڑے مہینے پہلے
 شروع ہوا تھا ۔ اس کے کان دو ہی ہو سکتے ہیں : ایک ،
 موسدیکوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے کی موسدیک شاہی
 خاندان کو متاعے کی کوفٹیں کر رہے ہیں اور ان کی سازش
 ختم کرنے کے لئے انہیں بڑے وزیر کے ہڈ سے ہٹا دیا جائے ۔
 اس بات کا گہرا اثر بھی شاہی خاندان کے لوگوں پر دکھائی
 پڑتا ہے ۔ اس عرصہ میں شاہ کے نئی دشمنی کے بھائی اور
 پہلے ملک چھوڑ کر چلی گئی ہیں اور ویشوں
 میں رہنے لگی ہیں ۔ لیکن ڈاکٹر مصدق کی کسی بات
 سے یہ بے پناہ نہیں چلتا کہ وہ شاہ کو خدمت کوکے ایران کو
 رہنما بنا چاہتے ہیں ۔ کافی اخباروں اور اثر دار لوگوں
 کا خیال ہے کہ وہ شاہ کے بہت ہیں ۔ پر یہ بات بھی
 دھماکہ میں رکھتی چاہئے کہ موجودہ شاہ کے پتا کے ڈاکٹر
 مصدق کو نظر بند کیا تھا اور ڈاکٹر مصدق آخر سم
 تک ان کا وردہ کرتے رہے تھے ۔ بہر حال ایران کے اندر کیا
 صورت ہو لیکن باہر کی دنیا کو مصدق کی طرف سے
 شاہ کے لئے کسی خطرے کا ابھاس نہیں ہوتا ۔

دوسرے ، ویشی ایجنٹوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے
 — دیسی کی مالی حالت بگڑ رہی ہے ، سارا دیسی فریبی
 کا شکار ہے ، مالی دہستہ چھوٹ رہی ہے ۔ ایسی حالت
 میں کمونزم طاقت پکوتا ہے ۔ کمونزم کو روکنا ہے تو
 فوراً ایران کی مالی حالت درست ہو جانی چاہئے ۔
 اس مالی حالت کو سدھارنے کے دو آپاٹے ہیں : برطانیہ کا
 کہنا ہے کہ شد اور ہٹ کو چھوڑ کر سمجھوتہ کر لیا جائے اور
 آج یہ ایران میں نول کے کارخانے چلانے کی اجازت مل
 جائے ۔ اس بار وہ نفع کا ایک ہوا حصہ تک ایران کو دینے
 کو تیار ہے ۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ وہ ڈالر سے ایران کی مدد
 کرنے کو تیار ہے ، دسویہ ملک سے بھی قرض ملوا سکتا ہے ۔
 اس طرح ایران اپنی مالی حالت درست کر کے کمونزم
 کو دبا سکے گا ۔ ڈاکٹر مصدق کو کہہ گوار کر واشنگٹن لے
 بھی جایا گیا ہے اور بات بھی چلائی گئی ہے لیکن ابھی
 تک کوئی سمجھوتہ نہیں ہو پایا ہے ۔

شاہ کو صاف دکھائی ہو رہا ہے : برطانیہ اور
 امریکہ کی دوستی میں ہی رہا ہے اور کمونزم کی

ہمارا ستار

ڈاکٹر موسدیکر اور شاہ

جہاں تیل کے کھنڈے ہوتے ہیں، جہاں سامراجवाद کے پیر جمنے لگتے ہیں، جہاں شاہ اور ان کے موسادھیب ہوتے ہیں وہاں ساکھیش ہوتا ہی کرتی ہیں۔ ایران کی بدقسمتی ہے کہ یہ تیلوں کی تیلوں وہاں موجود ہیں۔ ڈاکٹر موسدیکر نے کہا کہ ان درگاہوں کے پیر و دیوہوں کا ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر مصدق نے بھی شاہ پر الزام لگایا ہے کہ وہ بنا ان کی ہاتھوں کے دیوہی پرتیہدہوں سے ساز گاہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ شاہ کے مصاحب لکڑاں سازشیں کر رہے ہیں۔ جہاں تک مصاحبوں کی سازش کا سوال ہے وہ وراثتاً چلی آئی ہے اور اس کے طریقہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایسی پرتیہ کو ہی ختم کر دیا جائے۔ شاہ کے مصاحبوں کی ایک پالیسی ہوتی ہے کہ اپنا اثر قائم کی پوری کوشش کرتے ہیں اور شاہ جو وراثتی ادھار چلتا کو سونپتے ہیں اور اس وراثت کے ادھار پر جو سرکار بنتی ہے اس کی دوسری پالیسی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں لکڑاں تکر ہوتی رہتی ہے۔ مصاحب چلتا کے پرتیہدہوں کے خلاف شاہ کے کان بھرتے رہتے ہیں۔

دوسری جنگ کے بعد سے بیچ یورپ میں بہت سے سیاسی قتل ہو چکے ہیں اور ہر تیل یا گوبی کے پیر و دیوہی ہاتھ دیکھائی پڑتا ہے۔ ان طاقتوں کو امریکی سامراج واد برطانیہ کی جائداد سمجھتا تھا لیکن حال کی صورت نے اس کی فطرت کا رخ بدلا دیا ہے۔ ایک کے بجائے دو سامراجی طاقتیں سازشیں کرنے پر آتی ہیں۔ یہ طاقتیں آپ آپ کے حدود پھیل کر رہی ہیں۔ دیہی دیوہوں کو جملہ دیوہی ہیں اور آپ کے راستے کے لکڑوں کو صاف کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی برطانیہ کے راستے میں روڑا بن جاتا ہے اور کوئی امریکہ کے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں طاقتیں اپنے اپنے کو طاقت کی کوشش کرتی ہیں۔ عام آدمی کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جو برطانیہ کا دشمن ہے کیا وہ سچ سے سچ نہیں ہے۔

جہاں تیل کے کھنڈے ہوتے ہیں، جہاں سامراج واد کے پیر جمنے لگتے ہیں، جہاں شاہ اور ان کے مصاحب ہوتے ہیں وہاں سازشیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ایران کی بدقسمتی ہے کہ یہ تیلوں کی تیلوں وہاں موجود ہیں۔ ڈاکٹر موسدیکر نے کہا کہ ان درگاہوں کے پیر و دیوہوں کا ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر مصدق نے بھی شاہ پر الزام لگایا ہے کہ وہ بنا ان کی ہاتھوں کے دیوہی پرتیہدہوں سے ساز گاہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ شاہ کے مصاحب لکڑاں سازشیں کر رہے ہیں۔ جہاں تک مصاحبوں کی سازش کا سوال ہے وہ وراثتاً چلی آئی ہے اور اس کے طریقہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایسی پرتیہ کو ہی ختم کر دیا جائے۔ شاہ کے مصاحبوں کی ایک پالیسی ہوتی ہے کہ اپنا اثر قائم کی پوری کوشش کرتے ہیں اور شاہ جو وراثتی ادھار چلتا کو سونپتے ہیں اور اس وراثت کے ادھار پر جو سرکار بنتی ہے اس کی دوسری پالیسی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں لکڑاں تکر ہوتی رہتی ہے۔ مصاحب چلتا کے پرتیہدہوں کے خلاف شاہ کے کان بھرتے رہتے ہیں۔

دوسری جنگ کے بعد سے بیچ یورپ میں بہت سے سیاسی قتل ہو چکے ہیں اور ہر تیل یا گوبی کے پیر و دیوہی ہاتھ دیکھائی پڑتا ہے۔ ان طاقتوں کو امریکی سامراج واد برطانیہ کی جائداد سمجھتا تھا لیکن حال کی صورت نے اس کی فطرت کا رخ بدلا دیا ہے۔ ایک کے بجائے دو سامراجی طاقتیں سازشیں کرنے پر آتی ہیں۔ یہ طاقتیں آپ آپ کے حدود پھیل کر رہی ہیں۔ دیہی دیوہوں کو جملہ دیوہی ہیں اور آپ کے راستے کے لکڑوں کو صاف کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی برطانیہ کے راستے میں روڑا بن جاتا ہے اور کوئی امریکہ کے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں طاقتیں اپنے اپنے کو طاقت کی کوشش کرتی ہیں۔ عام آدمی کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جو برطانیہ کا دشمن ہے کیا وہ سچ سے سچ نہیں ہے۔

یہی باتنا تھی جس نے 85 برسوں کے 1686 प्रतिनिذیوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کا دورہ کرتے تھے، ایک ایک دوسرے کو ماننے والے تھے، پر لڑائی کا دورہ کرنے کے لئے سب ایک رائے تھے، سب کی ایک باتنا تھی۔

یونو اور ویانا شانتی کانگریس میں کافی فرق تھا۔ یونو میں سرکار کے نمائندے بیٹھے تھے اور ویانا میں جمہور کے آدمی شانتی قائم کرنے کے راستے کی تلاش کر رہے تھے۔ یونو میں فیصلے لائے جاتے تھے لیکن شانتی کانگریس کا جو فیصلہ تھا وہ سب کو ماننے تھا۔ یونو میں صلح کے بجائے جنگ اور بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہاں جھگڑے کا ہر پہلو صلح کا رخ اختیار کر لیتا تھا۔ پرانی دشمنیاں لوگ بھول جاتے تھے، مسست ہو اُٹھتے تھے، شانتی اور صلح کے گیتوں سے حال گُج جاتا تھا :

فرانس اور جرمنی کی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ ذرا سے اشتعال ہے، بھی دونوں طرف کی جنگا آپس میں تو سکتی ہے، کیونکہ نفرت نے کھڑ کر لیا ہے اور وہ ایک دوسرے کو مٹانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ فرانس کے ایک بڑے ویران شانتی پریمی نے اپنے ہمارے میں جرمن اور فرانس کے نیویوں سے اہل کی وہ آپس نفرت کو بھول جائیں، ایک ہو جائیں، مانوسیت کے لئے چہرے مٹانے فریقوں کو ختم کر دیں۔ بولنے والا ابھی بولتا ہی ہے یاہا تھا کہ تالیاں بچنے لگیں۔ لوگ کھڑے ہوئے، تالیاں بھجی رہیں۔ انہوں تالوں کی کونج میں گانوں کی آواز سنائی دی۔ ایک طرف فرانسیسی لڑکے لوگ تھے اور دوسری طرف جرمن نوجوان۔ دونوں کا دھڑ دھڑا دوسرے سے اٹھ کر دھڑ دھڑا، ہن کر دھڑ دھڑا، وہ ایک دوسرے کا خون نہیں بہاتے تھے۔ وہ بل کر، ایک ہو کر وشوشانتی کی دکھا کریں گے، اپنی دکھا کریں گے، اپنے دیشوں کی دکھا کریں گے، اپنے ساتھ اور کل کی دکھا کریں گے، اُن سب کی دکھا کریں گے جو اُن کے پاس دھروہر ہے !

ملاپا کی ایک لڑکی بولنے کے لیے تھکی ہوئی تھی۔ اس نے کسی کو گالی نہیں دی، کسی کو برا بھلا نہیں کہا۔ کھول کھولائیں دھرائی رہیں۔ ہر تھ لڑ ملایا کے نمائندے دور دور ہتھے ہوئے تھے۔ لیکن ملایا کی لڑکی نے جو سہ می تقریر ختم کی لوگوں نے دیکھا کہ انگلینڈ کے ایک بادی نے اُس لڑکی کو گود میں اٹھا لیا ہے، وہ ناچ رہا ہے۔ سارا حال کھوا ہو گیا۔ ایک گھمبیر وائرون چھا گیا۔ یادری نے جب اُس لڑکی کو گود سے الگ کیا تو ایسا سین تھا جو سہ ہاتھ ہتھی کو بدلا دے رہا ہو۔ دونوں کی آنکھیں چھل چھل چھل اُٹھیں تھیں، دونوں کی آنکھیں نفرت کو بھول کر پریم کا اسرت ہوا رہی تھیں۔

یونو اور ویانا شانتی کانگریس میں کافی فرق تھا۔ یونو میں سرکار کے نمائندے بیٹھے تھے اور ویانا میں جمہور کے آدمی شانتی قائم کرنے کے راستے کی تلاش کر رہے تھے۔ یونو میں فیصلے لائے جاتے تھے لیکن شانتی کانگریس کا جو فیصلہ تھا وہ سب کو ماننے تھا۔ یونو میں صلح کے بجائے جنگ اور بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہاں جھگڑے کا ہر پہلو صلح کا رخ اختیار کر لیتا تھا۔ پرانی دشمنیاں لوگ بھول جاتے تھے، مسست ہو اُٹھتے تھے، شانتی اور صلح کے گیتوں سے حال گُج جاتا تھا :

فرانس اور جرمنی کی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ ذرا سے اشتعال ہے، بھی دونوں طرف کی جنگا آپس میں تو سکتی ہے، کیونکہ نفرت نے کھڑ کر لیا ہے اور وہ ایک دوسرے کو مٹانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ فرانس کے ایک بڑے ویران شانتی پریمی نے اپنے ہمارے میں جرمن اور فرانس کے نیویوں سے اہل کی وہ آپس نفرت کو بھول جائیں، ایک ہو جائیں، مانوسیت کے لئے چہرے مٹانے فریقوں کو ختم کر دیں۔ بولنے والا ابھی بولتا ہی ہے یاہا تھا کہ تالیاں بچنے لگیں۔ لوگ کھڑے ہوئے، تالیاں بھجی رہیں۔ انہوں تالوں کی کونج میں گانوں کی آواز سنائی دی۔ ایک طرف فرانسیسی لڑکے لوگ تھے اور دوسری طرف جرمن نوجوان۔ دونوں کا دھڑ دھڑا دوسرے سے اٹھ کر دھڑ دھڑا، ہن کر دھڑ دھڑا، وہ ایک دوسرے کا خون نہیں بہاتے تھے۔ وہ بل کر، ایک ہو کر وشوشانتی کی دکھا کریں گے، اپنی دکھا کریں گے، اپنے دیشوں کی دکھا کریں گے، اپنے ساتھ اور کل کی دکھا کریں گے، اُن سب کی دکھا کریں گے جو اُن کے پاس دھروہر ہے !

ملاپا کی ایک لڑکی بولنے کے لیے تھکی ہوئی تھی۔ اس نے کسی کو گالی نہیں دی، کسی کو برا بھلا نہیں کہا۔ کھول کھولائیں دھرائی رہیں۔ ہر تھ لڑ ملایا کے نمائندے دور دور ہتھے ہوئے تھے۔ لیکن ملایا کی لڑکی نے جو سہ می تقریر ختم کی لوگوں نے دیکھا کہ انگلینڈ کے ایک بادی نے اُس لڑکی کو گود میں اٹھا لیا ہے، وہ ناچ رہا ہے۔ سارا حال کھوا ہو گیا۔ ایک گھمبیر وائرون چھا گیا۔ یادری نے جب اُس لڑکی کو گود سے الگ کیا تو ایسا سین تھا جو سہ ہاتھ ہتھی کو بدلا دے رہا ہو۔ دونوں کی آنکھیں چھل چھل چھل اُٹھیں تھیں، دونوں کی آنکھیں نفرت کو بھول کر پریم کا اسرت ہوا رہی تھیں۔

کرتا تھا۔ اس کو بھی مہلک ٹکی رو: گزر گئے۔ میں
میں سرسوی کہہ رہا تھا۔ میں مونا دھا مگر روٹی کی
حالت بہتر نہ ہو سکی۔ لگ بھگ ایک مہینے تک یہ
اور اس کے دوست ایوی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر ناکام رہے
اور 600 ڈالر بھی خرچ ہو گئے۔ آخر ایک دن جب
مریضہ آدھی پہنچ رہی تھی اس نے اسے صبح ہی صبح
امریکہ کے صدر کی رہنے کی جگہ وراثت دے اس کے سامنے
لے جا کر سوک پر ڈال دیا اور خود بھاگ آیا۔ مریضہ کو
سمجھا دیا تھا کہ نام ظاہر نہ کرے۔ یہی ایک ترکش
تھی اسپتال میں داخل ہوئے کی۔ ترکش کا لڑکا ہوئی۔
پولیس کو مریضہ کا چارج لے لیا ہوا۔ اسپتال میں داخلہ
تو مل گیا مگر پچھارو پانچ دن بعد مر گئی۔

یہ امریکہ ہے۔ دنیا بھر کا سب سے اچھا، سب سے
طاقتور، سب سے بڑا ملک! اسے ریپبلک ڈیموکریسی کا
آئینہ دکھا کرتے تھے!! امریکا جو مالتی "مادد"
دوسرے ملکوں کی کر رہا ہے اسکا انتہائی بھی کرنا
مشرک ہے۔ ہر روز ہزاروں ڈالر کی مالیت کے ہتھیار
اور دوسرے کسٹم کے جंगی سامان باہر جاتے ہیں اور ہر
وہ ملک کو جاتے ہیں جو کمنیونسٹ نہیں ہے۔ اس بات کو
خود کر اس پر غور کیجیے کہ ہتھیار کے بنانے اور
ریسچ کرنے پر یہاں کتنی رکتیں خرچ ہو رہی ہیں۔ ایک
سال جو ہتھیار بناتے ہیں وہ دوسرے سال پورے
ہو جاتے ہیں..... (رسالہ "ادب" کراچی کے سالانہ نمبر سے)

فلم کا ٹیٹل "امریکہ" تھا: امریکہ میں کوئی فریب
نہیں ہے، کوئی دھوکہ نہیں ہے، سب کے پاس کار ہے، سب
کے پاس آرنجے اور آرنجے مکان ہیں۔ کوئی بھڑا وہاں نہیں
پوتا۔ وہاں گھر بھلے علاج ہو جاتا ہے۔

میں اس سوچ میں پڑ گیا اس فلم کی بات مان
یا اپنے اس ہائیکانی دوست کی جو امریکہ کا پرنسپل
ہوئی ہے اور سہایک بھی!!

ویانا کانگریس

آسٹریا کے صوبہ سیرت شہر ویانا میں شانتی کانگریس
ہوئی تھی۔ یہ کانگریس دنیا کے انہاس میں ایک نیا
یک شروع کر رہی ہے۔ آج تک اٹل الگ الگ وچاروں کے
لوگ ایک ساتھ کبھی ایک نقطہ پر ایک رائے نہیں
ہوئے تھے۔ سائے نے ٹھیک ہی کہا تھا—"میں
کمونیسٹوں کا ورودہ کرتا ہوں" اب بھی کرونگا "زندگی بھر
کرتا رہونگا۔ مہرا ورودہ اپنی جگہ پر ہے۔ پر میں شانتی
کا ورودہ نہیں کر سکتا۔ تیسری لوائی میں کمونیسٹ
بھی ختم ہو جائیں گے اور میں بھی ارد مہری وچار
دھارا کے دوسرے لوگ بھی۔ میں کمونیسٹوں کا ورودہ
کرونگا پر تیسری لوائی کا بھی ورودہ کرونگا۔"

ویانا کانگریس

اسٹریا کے صوبہ سیرت شہر ویانا میں شانتی کانگریس
ہوئی تھی۔ یہ کانگریس دنیا کے انہاس میں ایک نیا
یک شروع کر رہی ہے۔ آج تک اٹل الگ الگ وچاروں کے
لوگ ایک ساتھ کبھی ایک نقطہ پر ایک رائے نہیں
ہوئے تھے۔ سائے نے ٹھیک ہی کہا تھا—"میں
کمونیسٹوں کا ورودہ کرتا ہوں" اب بھی کرونگا "زندگی بھر
کرتا رہونگا۔ مہرا ورودہ اپنی جگہ پر ہے۔ پر میں شانتی
کا ورودہ نہیں کر سکتا۔ تیسری لوائی میں کمونیسٹ
بھی ختم ہو جائیں گے اور میں بھی ارد مہری وچار
دھارا کے دوسرے لوگ بھی۔ میں کمونیسٹوں کا ورودہ
کرونگا پر تیسری لوائی کا بھی ورودہ کرونگا۔"

کھات لیتا تھا۔ وہ کمیونسٹ نہیں ہے، کیونکہ وہ کسب کا کام کر کمیونسٹوں کو گالی دینے کے لیے مہم چلا رہے ہیں۔ مہاشی نے ایک پیراگراف پر آ کر رک گئی :

”پچھلے مہینے میں ایک ہفتے کے لیے ہسپتال گیا تھا۔ وہاں کی کچی کچی عمارتوں میں میرے لیے کوئی کھانا نہ تھا۔ پر میرا خیال بروکلین (Brooklyn) کی گلیوں پر پڑ گیا۔ اس علاقے میں حبشی نہیں بلکہ سفید امریکیوں کا غریب طبقہ رہتا ہے۔ گراچی میں رہتے ہوئے مجھے یہ گمان تھا کہ گورے امریکی تو سب دولت مند ہوں گے۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ غریب ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن بروکلین کے واسطوں کی غریبی تو سخت بھانک قسم کی ہے۔ اگر خدا نخواستہ بیماری آ جائے تو گھر کے پرزوں تک ہٹ جاتے ہیں۔ اسپتال میں پہلے تو داخلہ ہونے میں مشکل ہے اور اگر مل بھی جائے تو مریض کو کوئی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ جسمانی مرض سے تو ممکن ہے تندرست ہو جائے مگر اسپتال سے نکلنے کے وقت ہلکے بوجھ تلے دب کر مر جانا پڑتا ہے۔ یہ لفاظی نہیں بلکہ اصلیت ہے۔ کچھ ہفتے گزرے کہ ایک گورے امریکی کا بچہ بیمار ہوا۔ ڈاکٹر گھر پر نہ ملے۔ باپ اسپتال لے گیا۔ وہاں کسی نے دیکھا نہ دیا۔ کم دیا گیا کہ امیرین کھلاؤ۔ بچہ بیمار ہو کر گھر آیا۔ بچہ کھلا سا گیا تھا۔ ماں نے گھر کو قریب کی ایک نرس کو بلایا۔ نرس نے دیکھ کر کہا کہ بچے کو آکسیجن نہیں مل رہا ہے۔ فوراً اسپتال لے جاؤ۔ ماں باپ پھر اسپتال پہنچے۔ وہاں پہلے سا سلوک ہوئے لگا۔ جب یہ دونوں آ گئے تو ایک نرس نے بچے کی ماں کا ہاتھ پکڑا اور ایک ڈاکٹر کو بلا کر دونوں کو باہر نکالوا دیا۔ بچے کی ماں نے آپ سے باہر ہو کر چلنا شروع کر دیا جسے سن کر کئی لوگ اٹھا ہوئے۔ دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ جب لوگوں نے بات سنی تو صبح نے نکتہ ملامت اور پتہ کار کی۔ اب اسپتال والوں نے مجبور ہو کر بچے کو آکسیجن دینا شروع کیا۔ مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ بچے کا رنگ نیلا پڑ چکا تھا۔ آکسیجن آئے نہ بچا سکا۔ وہ وہیں مر گیا۔ اس بچے کے ماں باپ کہتے ہیں کہ اگر ہم اور ہمارے جیسے دوسرے امریکی کمیونسٹ ہو جائیں تو ہمیں کون الزام دے سکتا ہے۔

ایک اور اس قسم کا بے رحمی کا واقعہ خود میرے امریکی دوستوں میں سے ایک کو پیش آیا۔ یورپ سے آن کی دور کی ایک دھند دار عورت آئی ہوئی تھی۔ وہ بیمار ہو گئی۔ گھر پر علاج کرنا بے حد مشکل تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اسپتال میں داخل کرائیں کہیں جگہ نہ ملی۔ ایک اسپتال سے دوسرے میں جاتے تھے اور کوئی داخل نہ

ہو سکتا تھا۔ وہ کمیونسٹ نہیں تھے، کیونکہ وہ کسب کا کام کر کمیونسٹوں کو گالی دینے کے لیے مہم چلا رہے تھے۔ مہاشی نے ایک پیراگراف پر آ کر رک گئی :

”پچھلے مہینے میں ایک ہفتے کے لیے ہسپتال گیا تھا۔ وہاں کی کچی کچی عمارتوں میں میرے لیے کوئی کھانا نہ تھا۔ پر میرا خیال بروکلین (Brooklyn) کی گلیوں پر پڑ گیا۔ اس علاقے میں حبشی نہیں بلکہ سفید امریکیوں کا غریب طبقہ رہتا ہے۔ گراچی میں رہتے ہوئے مجھے یہ گمان تھا کہ گورے امریکی تو سب دولت مند ہوں گے۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ غریب ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن بروکلین کے واسطوں کی غریبی تو سخت بھانک قسم کی ہے۔ اگر خدا نخواستہ بیماری آ جائے تو گھر کے پرزوں تک ہٹ جاتے ہیں۔ اسپتال میں پہلے تو داخلہ ہونے میں مشکل ہے اور اگر مل بھی جائے تو مریض کو کوئی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ جسمانی مرض سے تو ممکن ہے تندرست ہو جائے مگر اسپتال سے نکلنے کے وقت ہلکے بوجھ تلے دب کر مر جانا پڑتا ہے۔ یہ لفاظی نہیں بلکہ اصلیت ہے۔ کچھ ہفتے گزرے کہ ایک گورے امریکی کا بچہ بیمار ہوا۔ ڈاکٹر گھر پر نہ ملے۔ باپ اسپتال لے گیا۔ وہاں کسی نے دیکھا نہ دیا۔ کم دیا گیا کہ امیرین کھلاؤ۔ بچہ بیمار ہو کر گھر آیا۔ بچہ کھلا سا گیا تھا۔ ماں نے گھر کو قریب کی ایک نرس کو بلایا۔ نرس نے دیکھ کر کہا کہ بچے کو آکسیجن نہیں مل رہا ہے۔ فوراً اسپتال لے جاؤ۔ ماں باپ پھر اسپتال پہنچے۔ وہاں پہلے سا سلوک ہوئے لگا۔ جب یہ دونوں آ گئے تو ایک نرس نے بچے کی ماں کا ہاتھ پکڑا اور ایک ڈاکٹر کو بلا کر دونوں کو باہر نکالوا دیا۔ بچے کی ماں نے آپ سے باہر ہو کر چلنا شروع کر دیا جسے سن کر کئی لوگ اٹھا ہوئے۔ دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ جب لوگوں نے بات سنی تو صبح نے نکتہ ملامت اور پتہ کار کی۔ اب اسپتال والوں نے مجبور ہو کر بچے کو آکسیجن دینا شروع کیا۔ مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ بچے کا رنگ نیلا پڑ چکا تھا۔ آکسیجن آئے نہ بچا سکا۔ وہ وہیں مر گیا۔ اس بچے کے ماں باپ کہتے ہیں کہ اگر ہم اور ہمارے جیسے دوسرے امریکی کمیونسٹ ہو جائیں تو ہمیں کون الزام دے سکتا ہے۔

प्रवासी की डायरी

उसका नाम पता मैं नहीं जानता, जानने की जरूरत भी नहीं है। इतना परिचय काफी है कि वह एक अमरीकन थी, एक औरत थी और कहने को एक मिशनरी थी। मैं रायबरेली की एक सड़क पर चलते चलते एक भीड़ की तरफ न जाते क्यों मुड़ गया। शामियाना लगा हुआ था और एक अमरीकी महिला 'शुद्ध हिन्दी' में कुछ कह रही थीं। मेरे पहुंचने पर उन्होंने बात खतम कर के रेशम की लच्छियां और मिठाइयां बांटने का काम शुरू कर दिया। बच्चे मिठाई पर टूट पड़े और औरतों ने रेशम की लच्छियों के लिये हाथ फैलाए। हर एक को कुछ न कुछ देकर वह महिला मुस्करा देती थीं। उस मुस्कराहट को बहुत से माने पहनाए जा सकते हैं। पर मेरे लिये तो वह मुस्कराहट तिरस्कार भरी थी, उससे बड़बड़हम टपकता था, घमण्ड आदिर होता था। यह काम खतम करके उन्होंने पेलान किया कि एक फिलम का प्रदर्शन किया जायगा। थोड़ी देर में फिलम परदे पर आ गई। लेकिन मेरा अचरज सीमा को लांघ गया। फिलम का हज़रज ईसू के जीवन से सम्बन्ध न था, उनकी सीख से इसका ताल्लुक नहीं था। ईसाई धर्म के किसी पहलू से इसका नाता नहीं था। इसमें अमरीका के इस्काईफेर दिखाई पड़ रहे थे, अमरीकी माली व्यवस्था की गुनगान की गई थी। दिखाई पड़ रहा था कि अमरीका में सब अमीर हैं, सब खुश हैं, सब मौज कर रहे हैं।

"अमरीका में सब सुखी हैं" एक नौजवान ने मेरे बराबर से कहा।

"यह सब प्रचार है" दूसरे ने जवाब दिया।

एक नौजवान फिलम के नज़ारों को सच मान रहा था। और दूसरा उसे धोका। उनकी बहस गरम हो चली थी, और मुझे उसमें मज़ा आने लगा था। पर अन्धेरा खतम हो गया, फिलम गायब हो गई, सब खतम हो गया। मेरा ध्यान उन महिला की तरफ फिर गया। वह कह रही थीं :

"आपने देखा अमरीका कितना दौलतमन्व देश है। अमरीका आपकी सहायता करना चाहता है। अमरीका हिन्दुस्तान को अमरीका बनाना चाहता है.....हम अपना देश, अपना सुख चैन छोड़ कर आपकी सेवा करने आए हैं.....आप पूछेंगे कि हमने अमरीका का सुख चैन क्यों छोड़ दिया और भारत में क्यों आ गए। मैं अपना पूरा क्रिस्ता आपको सुना देना चाहती हूँ। एक दिन मैं एक खूबसूरत होटल में सो रही थी। रात को मैंने देखा कि

प्रवासी की डायरी

अस का नाम पत्ते में नहीं जानता, जानने की जरूरत भी नहीं है। इतना परिचय काफी है कि वह एक अमरीकन थी, एक औरत थी और कहने को एक मिशनरी थी। मैं रायबरेली की एक सड़क पर चलते चलते एक भीड़ की तरफ न जाते क्यों मुड़ गया। शामियाना लगा हुआ था और एक अमरीकी महिला 'शुद्ध हिन्दी' में कुछ कह रही थीं। मेरे पहुंचने पर उन्होंने बात खतम कर के रेशम की लच्छियां और मिठाइयां बांटने का काम शुरू कर दिया। बच्चे मिठाई पर टूट पड़े और औरतों ने रेशम की लच्छियों के लिये हाथ फैलाए। हर एक को कुछ न कुछ देकर वह महिला मुस्करा देती थीं। उस मुस्कराहट को बहुत से माने पहनाए जा सकते हैं। पर मेरे लिये तो वह मुस्कराहट तिरस्कार भरी थी, उससे बड़बड़हम टपकता था, घमण्ड आदिर होता था। यह काम खतम करके उन्होंने पेलान किया कि एक फिलम का प्रदर्शन किया जायगा। थोड़ी देर में फिलम परदे पर आ गई। लेकिन मेरा अचरज सीमा को लांघ गया। फिलम का हज़रज ईसू के जीवन से सम्बन्ध न था, उनकी सीख से इसका ताल्लुक नहीं था। ईसाई धर्म के किसी पहलू से इसका नाता नहीं था। इसमें अमरीका के इस्काईफेर दिखाई पड़ रहे थे, अमरीकी माली व्यवस्था की गुनगान की गई थी। दिखाई पड़ रहा था कि अमरीका में सब अमीर हैं, सब खुश हैं, सब मौज कर रहे हैं।

"अमरीका में सब सुखी हैं" एक नौजवान ने मेरे बराबर से कहा।

"यह सब प्रचार है" दूसरे ने जवाब दिया।

एक नौजवान फिलम के नज़ारों को सच मान रहा था। और दूसरा उसे धोका। उनकी बहस गरम हो चली थी, और मुझे उसमें मज़ा आने लगा था। पर अन्धेरा खतम हो गया, फिलम गायब हो गई, सब खतम हो गया। मेरा ध्यान उन महिला की तरफ फिर गया। वह कह रही थीं :

"आपने देखा अमरीका कितना दौलतमन्व देश है। अमरीका आपकी सहायता करना चाहता है। अमरीका हिन्दुस्तान को अमरीका बनाना चाहता है.....हम अपना देश, अपना सुख चैन छोड़ कर आपकी सेवा करने आए हैं.....आप पूछेंगे कि हमने अमरीका का सुख चैन क्यों छोड़ दिया और भारत में क्यों आ गए। मैं अपना पूरा क्रिस्ता आपको सुना देना चाहती हूँ। एक दिन मैं एक खूबसूरत होटल में सो रही थी। रात को मैंने देखा कि

لکھاؤں کے میدان میں لانا چاہتے تھے اور انہیں اچھے سچے سچے جہان بنانا چاہتے تھے۔ جینےند جی نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا اور اپنے ساہتی کے ماہی سے اس فیچار کا فیچار کیا۔ اسی بات کو اٹھ بٹایا اور نہتک سمجھا۔

‘سرخدا’ کے پاڑ پاٹک کو اپنی طرف آکاشیت نہی کرتے بلکے جینےند جی کی شیلی پاٹک کو باڈے رختی ہے اور آگے پڈنے کے لیے مآبؤر کرتی ہے۔—سؤجیہ ریکڑی

ویرت

لیکھنے والے—جینےند کمار؛ نیکالنے والے—پوڑیہ پکاشن، دلی؛ لیکھاوٹ ہندی؛ سفا 230؛ دام چار روپے چار آنے۔

‘سرخدا’ کے باڈ جینےند جی نے ‘ویرت’ کا وپہار پاٹکوں کا مٹ کیا ہے۔ سرخدا اور ویرت میں کٹاوستو کا بڈت بڈا فکڑ نہی ہے۔ اسی گاندھی جی کے پہلے کے کرائیکاری ریک کا ورن اس ناول میں بھی ہے۔ لکھنے نے اٹھ لکھ کو بار بار دہرایا ہے—ایسے کرائیکاریوں کو خود اٹھ کو پولیس کے حوالے کر دینا چاہتے تھے نہتک بھی ہے۔ لکھ بھی ہے۔ لکھ کے خاص پاڑ جینےند نے اس بات کو سوچا بھی تھا اور عمل میں لایا۔ اس کے بڈلے لکھ نے اپنی ‘ناول کے ناکا کی’ ناکا کی پٹی کی، یہاں تک پولیس کے سپرنٹنڈنٹ تک کی ہمدردیاں جینےند کو پردان کر دیں۔ یہی ناول کا لکھ تھا اور یہیں اس کا اٹت ہوٹا۔

سدا کی طرح اس ناول کے پاڑ بھی عام نہیں بلکے خاص ‘نائب’ میں اور ایسے ‘نائب’ میں کہ یہ سوچتا ہوتا ہے کہ ایسے ویکتی دنھا کے پردے پر مل بھی سکتے ہیں یا نہیں؟

‘سرخدا’ اور ‘ویرت’ دونوں میں ایک چھوٹے سے کڈمب کا چٹرن ہے۔ دونوں کی ناکاؤں اٹھ پتھوں پر پورا کنٹرول وکیتی ہیں۔ دونوں پٹی بہت شول ہیں، ہر دشت کرتے ہیں، پٹی کے ہر سکھ میں اپنا سکھ سمجھتے ہیں، سب کچھ قربان کرلے کو تیار ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں جلسی چٹن بھی نہیں ہے اور اپنی پتھوں کو دوسروں سے پریم کرلے کی بھی آجائز دیلے کو تیار دیکھائی پڑتے ہیں۔

دونوں ناولوں کے پاڑوں میں سے کسی کے ساتھ ہمدردی قائم نہیں دیتی اور ناول ستم کرلے کے بعد دماغ پر کوئی اثر بھی ہالی نہیں دیتا ہے۔ ‘پتھوں’ پر ضرور رحم آتا ہے!

جینےند جی کی شیلی بڈت آسردار ہے اور آگر نپ فیچاروں کو ہش شیلی کا سہارا دیا جا سکے تو آسردار ساہتی کو آنم دیا جا سکےگا!—سؤجیہ ریکڑی

نوٹ: جینےند کمار کے ناول ‘سرخدا’ اور ‘ویرت’ کے پاڑوں میں لکھاؤں کے میدان میں لانا چاہتے تھے اور انہیں اچھے سچے سچے جہان بنانا چاہتے تھے۔ جینےند جی نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا اور اپنے ساہتی کے ماہی سے اس فیچار کا فیچار کیا۔ اسی بات کو اٹھ بٹایا اور نہتک سمجھا۔

‘سرخدا’ کے پاڑ پاٹک کو اپنی طرف آکاشیت نہی کرتے بلکے جینےند جی کی شیلی پاٹک کو باڈے رختی ہے اور آگے پڈنے کے لیے مآبؤر کرتی ہے۔—سؤجیہ ریکڑی

وورت

لکھنے والے—جینےند کمار؛ نیکالنے والے—پوڑیہ پکاشن، دلی؛ لیکھاوٹ ہندی؛ سفا 230؛ دام چار روپے چار آنے۔ ‘سرخدا’ کے بعد جینےند جی نے ‘وورت’ کا آپہار پاٹکوں کو بھیت کیا ہے۔ ‘سرخدا’ اور ‘وورت’ میں ورتو کا بہت ہوا فرق نہیں ہے۔ اسی گاندھی جی کے پہلے کے کرائیکاری ریک کا ورن اس ناول میں بھی ہے۔ لکھنے نے اٹھ لکھ کو بار بار دہرایا ہے—ایسے کرائیکاریوں کو خود اٹھ کو پولیس کے حوالے کر دینا چاہتے تھے نہتک بھی ہے۔ لکھ بھی ہے۔ لکھ کے خاص پاڑ جینےند نے اس بات کو سوچا بھی تھا اور عمل میں لایا۔ اس کے بڈلے لکھ نے اپنی ‘ناول کے ناکا کی’ ناکا کی پٹی کی، یہاں تک پولیس کے سپرنٹنڈنٹ تک کی ہمدردیاں جینےند کو پردان کر دیں۔ یہی ناول کا لکھ تھا اور یہیں اس کا اٹت ہوٹا۔

سدا کی طرح اس ناول کے پاڑ بھی عام نہیں بلکے خاص ‘نائب’ میں اور ایسے ‘نائب’ میں کہ یہ سوچتا ہوتا ہے کہ ایسے ویکتی دنھا کے پردے پر مل بھی سکتے ہیں یا نہیں؟

‘سرخدا’ اور ‘وورت’ دونوں میں ایک چھوٹے سے کڈمب کا چٹرن ہے۔ دونوں کی ناکاؤں اٹھ پتھوں پر پورا کنٹرول وکیتی ہیں۔ دونوں پٹی بہت شول ہیں، ہر دشت کرتے ہیں، پٹی کے ہر سکھ میں اپنا سکھ سمجھتے ہیں، سب کچھ قربان کرلے کو تیار ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں جلسی چٹن بھی نہیں ہے اور اپنی پتھوں کو دوسروں سے پریم کرلے کی بھی آجائز دیلے کو تیار دیکھائی پڑتے ہیں۔

دونوں ناولوں کے پاڑوں میں سے کسی کے ساتھ ہمدردی قائم نہیں دیتی اور ناول ستم کرلے کے بعد دماغ پر کوئی اثر بھی ہالی نہیں دیتا ہے۔ ‘پتھوں’ پر ضرور رحم آتا ہے!

جینےند جی کی شیلی بہت آسردار ہے اور آگر نپ فیچاروں کو ہش شیلی کا سہارا دیا جا سکے تو آسردار ساہتی کو آنم دیا جا سکےگا!—سؤجیہ ریکڑی

کچھ کتابیں

سُخدا

لکھنے والے—جئےنڈر کومار؛ نیکالنے والے—پُربوہدے پرکاشن
 پکاشن، دِللی؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ 210؛ دام چار روپے۔

ہندی ساہتیہ کو جئےنڈر نے جو دین دی ہے وہ بے مثال ہے۔ آلوچکوں کا کہنا ہے کہ جئےنڈر کے روپ میں ہندی ساہتیہ کو ایک 'شرت چنڈر' مل گئے ہیں۔

جئےنڈر کا ساہتیہ پڑنے کی جیتنی پیاس بڑی اتنا تھا کہ اس نے اپنے کرمات سے باغنے لگا۔ دس سال تک تو وہ سوپ سے ہی رہے۔ اس خاموشی کے بعد جب 'سُخدا' کا ایک भाग 'धर्मयुग' ने पाठकों को दिया तो साहित्यिक क्षेत्र में एक हल चल मच गई. 'धर्म युग' अभी पूरा नाबिल छाप भी न पाया था कि चार चार भाषाओं में इसके अनुवाद की मांग आने लगी.

जो लोग जैनेन्द्र जी को करीब से जानते हैं उनका कहना है कि उनकी कहानियों और नाविलों का आधार कोई न कोई सच्ची घटना होती है 'सुखदा' का भी आधार सच्चा है और जैनेन्द्र जी की रोचक, गम्भीर दिल को छूने वाली शैली और उनके अपने दर्शन ने इस घटना में जान डाल दी है. 'सुखदा' की नायिका एक "टाइप" है और यह टाइप भाग्य से ही देखने को मिलता है!

'सुखदा' में उस समय का वर्णन है जब गांधी जी राज-काजी मैदान में नहीं आये थे और देश भक्त छोटी छोटी टुकड़ियां बनाते थे, कुछ तोड़ फोड़ करते थे. भागे भागे फिरते थे. इन टुकड़ियों का जनता से सम्पर्क नहीं होता था और लुके छिपे ही सारा काम होता था. इन टुकड़ियों के मेम्बर भी एक 'टाइप' होते थे—शक्ती, कट्टर, बेलाग यह सब मिल कर किसी एक की पूजा करने लगते थे और जब पूजा से ऊब जाते थे तो आपस में लड़ पड़ते थे, दल भंग हो जाता था. कुछ इन्हीं में से सी. आई. डी. बन जाते थे और कुछ रालत शक पर एक दूसरे की जान तक ले लेते थे. इस युग का और ऐसे आदमियों की एक झलक इस नाविल में मिलती है.

किसी जमाने में इस बात की जरूरत गांधी जी ने महसूस की थी कि पुराने "इन्कलाबी दल" के लोगों के दिल को मोहा जाये और उन्होंने ऐसे लोगों से अपील की थी कि वह अपने को खुद पुलिस के हवाले कर दें. इस तरह गांधी जी ऐसे बेलाग लोगों को खुल्लस खुला

सुखदा

लکھنے والے—جئےنڈر کمار؛ نیکالنے والے—پُربوہدے پرکاشن
 دلی؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ 210؛ دام چار روپے۔

ہندی ساہتیہ کو جئےنڈر نے جو دین دی ہے وہ بے مثال ہے۔ آلوچکوں کا کہنا ہے کہ جئےنڈر کے روپ میں ہندی ساہتیہ کو ایک 'شرت چنڈر' مل گئے ہیں۔

جئےنڈر کا ساہتیہ پڑنے کی جیتنی پیاس بڑی اتنا تھا کہ اس نے اپنے کرمات سے باغنے لگا۔ دس سال تک تو وہ سوپ سے ہی رہے۔ اس خاموشی کے بعد جب 'سُخدا' کا ایک भाग 'धर्मयुग' ने पाठकों को दिया तो साहित्यिक क्षेत्र में एक हल चल मच गई. 'धर्म युग' अभी पूरा नाबिल छाप भी न पाया था कि चार चार भाषाओं में इसके अनुवाद की मांग आने लगी.

जो लोग जैनेन्द्र जी को करीब से जानते हैं उनका कहना है कि उनकी कहानियों और नाविलों का आधार कोई न कोई सच्ची घटना होती है 'सुखदा' का भी आधार सच्चा है और जैनेन्द्र जी की रोचक, गम्भीर दिल को छूने वाली शैली और उनके अपने दर्शन ने इस घटना में जान डाल दी है. 'सुखदा' की नायिका एक "टाइप" है और यह टाइप भाग्य से ही देखने को मिलता है!

'सुखदा' में उस समय का वर्णन है जब गांधी जी राज-काजी मैदान में नहीं आये थे और देश भक्त छोटी छोटी टुकड़ियां बनाते थे, कुछ तोड़ फोड़ करते थे. भागे भागे फिरते थे. इन टुकड़ियों का जनता से सम्पर्क नहीं होता था और लुके छिपे ही सारा काम होता था. इन टुकड़ियों के मेम्बर भी एक 'टाइप' होते थे—शक्ती, कट्टर, बेलाग यह सब मिल कर किसी एक की पूजा करने लगते थे और जब पूजा से ऊब जाते थे तो आपस में लड़ पड़ते थे, दल भंग हो जाता था. कुछ इन्हीं में से सी. आई. डी. बन जाते थे और कुछ रालत शक पर एक दूसरे की जान तक ले लेते थे. इस युग का और ऐसे आदमियों की एक झलक इस नाविल में मिलती है.

किसी जमाने में इस बात की जरूरत गांधी जी ने महसूस की थी कि पुराने "इन्कलाबी दल" के लोगों के दिल को मोहा जाये और उन्होंने ऐसे लोगों से अपील की थी कि वह अपने को खुद पुलिस के हवाले कर दें. इस तरह गांधी जी ऐसे बेलाग लोगों को खुल्लस खुला

رہتا رہتا کوئی جنموں کے باوجود سب کچھ بندھ ہی اچھا ہو جاتا ہے۔ مگر جو آدھی بڑے کام کرتے ہیں، اچھے کاموں کو چھوڑتے ہیں اور بھگوان کے حکموں کے برخلاف کام کرتے ہیں ان کا من، دل اور بدن خراب ہوتے جاتے ہیں۔ اور موت کے وقت بھی خراب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو دوسرے جنم میں خراب من، خراب دل اور خراب بدن ملتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی ایسے کام کرتا ہے کہ ان سے من اور دل اچھا ہوتا جائے مگر ایسے کوئی کام نہیں کرتا کہ جس سے بدن بھی اچھا ہوتا جائے تو اس کو الگے جنم میں، من اور دل تو اچھا ملتا ہے مگر بدن خراب ملتا ہے۔ اور جو آدمی اس جنم میں ایسے کام کرتا ہے کہ جن سے بدن تو اچھا ہوتا جائے اور من اور دل خراب ہوتا جائے تو پھر الگے جنم میں اس کو بدن تو اچھا ملتا ہے مگر من اور دل خراب ملتا ہے۔ فرض یہ کہ جیسے جیسے کام کوئی آدمی ایک جنم میں کرتا ہے انہیں کے مطابق بدن، من اور دل سے اس کی اتنا دوسرے جنم میں مل جاتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک دفعہ برا بدن یا من یا دل مل جائے تو ہمیشہ برا ہی چلا جائے۔ نہیں بلکہ اتنا میں بھگوان نے ہی طاقت رکھی ہے۔ اتنا ہی کوشش سے ہم بڑے سے بڑے بدن کو بھی اچھا کر سکتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور کرنا چاہئے کہ ہر ایک کام اور بات میں ٹھیک بھگوان کی مرضی اور بھگوان کے ہمارے ہونے کے قاعدے قانونوں کے مطابق چلیں۔

دیکھو! کئی جنموں کے بعد سب کچھ بہت ہی اچھا ہو جاتا ہے۔ مگر جو آدمی بڑے کام کرتے ہیں، اچھے کاموں کو چھوڑتے ہیں اور بھگوان کے حکموں کے برخلاف کام کرتے ہیں ان کا من، دل اور بدن خراب ہوتے جاتے ہیں۔ اور موت کے وقت بھی خراب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو دوسرے جنم میں خراب من، خراب دل اور خراب بدن ملتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی ایسے کام کرتا ہے کہ ان سے من اور دل اچھا ہوتا جائے مگر ایسے کوئی کام نہیں کرتا کہ جس سے بدن بھی اچھا ہوتا جائے تو اس کو الگے جنم میں، من اور دل تو اچھا ملتا ہے مگر بدن خراب ملتا ہے۔ اور جو آدمی اس جنم میں ایسے کام کرتا ہے کہ جن سے بدن تو اچھا ہوتا جائے اور من اور دل خراب ہوتا جائے تو پھر الگے جنم میں اس کو بدن تو اچھا ملتا ہے مگر من اور دل خراب ملتا ہے۔ فرض یہ کہ جیسے جیسے کام کوئی آدمی ایک جنم میں کرتا ہے انہیں کے مطابق بدن، من اور دل سے اس کی اتنا دوسرے جنم میں مل جاتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک دفعہ برا بدن یا من یا دل مل جائے تو ہمیشہ برا ہی چلا جائے۔ نہیں بلکہ اتنا میں بھگوان نے ہی طاقت رکھی ہے۔ اتنا ہی کوشش سے ہم بڑے سے بڑے بدن کو بھی اچھا کر سکتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور کرنا چاہئے کہ ہر ایک کام اور بات میں ٹھیک بھگوان کی مرضی اور بھگوان کے ہمارے ہونے کے قاعدے قانونوں کے مطابق چلیں۔

نہی کا سفر

(ہامید ulla اکسر)

نہی ! دیر دیر چلنا
نہی ! میری دھبہ نہ جاو
جنگل میں سے ہو کے نکلنا
جھاڑوں کا جھپٹ سا دھبہ
جھپٹ رہ رہ کے مچلنا
ہر کے مارے جی بھراو
ہتھی دیر ابھی ہے چلنا
کوئی دھبہ بھی تو نہ پاو
('آجکل' سے)

نہی کا سفر

(حامد اللہ افسر)

نہی ! دھبے دھبے چلنا
نہی ! میری قرب نہ جائے
جنگل میں سے ہو کے نکلنا
جھاڑوں کا جھپٹ سا دھبہ
جھپٹ رہ رہ کے مچلنا
ہر کے مارے جی بھراو
ہتھی دیر ابھی ہے چلنا
کوئی دھبہ بھی تو نہ پاو
('آجکل' سے)

بہنوں کی دنیا

بچوں کی دنیا

مستان

12. 7. 06.

مستان

12. 7. 06

راہ،

راہ،

کمال کی دنیا میں ہستیوں کے ہاں لکھا تھا۔ سنسکرت میں ہستیوں کو 'پرمانو' کہتے ہیں۔ انہیں پرمانو سے مل کر سارا جگت اور اس میں جتنی چیزیں ہیں سب ہی ہیں۔ اور پرمانو سب کے سب ہنگوان کی شکتی کے بلے ہوئے ہیں۔ اس واسطے سارا جگت ہی ہنگوان کی شکتی سے بنا ہوا ہے۔ آدمی کا سارا بدن ہی پرمانوؤں سے بنا ہوا ہے۔ مگر پرمانوؤں میں بے انتہائی تیز رفتاری سے ہر ایک آدمی کو مالا مال ہوتا ہے کہ میں ہوں۔ اس طرح ہر ایک آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ میں ہوں اس طرح پرمانوؤں کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی میں پرمانوؤں کے سوائے کچھ اور بھی ہے جس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ 'میں ہوں' اس کچھ کو جس سے آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ 'میں ہوں' آتما کہتے ہیں۔ ہر ایک آدمی 'جانور اور درخت میں آتما ہوتا ہے۔ مگر جنوں کوئی اچھا اچھا کام کرنا چاہتا ہے تو اس کی آتما ہوتی جاتی ہے اور اس کی کام کرنے کی طاقت اور عقل بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مگر جنوں کوئی بڑے بڑے کام کرنا چاہتا ہے تو اس کی آتما ہوتی جاتی ہے اور اس کی کام کرنے کی طاقت اور عقل بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ آتما بھی نہیں مرنے بلکہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ مگر آدمی کا بدن پہلے پیدا ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ بڑھتا اور طاقور ہوتا جاتا ہے اور پھر جوان ہو جاتا ہے۔ پھر کھٹکا اور کمزور ہونا شروع ہوتا ہے۔ پھر بڑھا ہو جاتا ہے اور آخر کار مر جاتا ہے۔

جب بدن مر جاتا ہے تب آتما اس میں سے نکل کر دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے۔ اور پھر پہلی طرح سے بدن بڑھتا شروع ہوتا ہے۔ جو آدمی اچھا اچھا کام کرنا چاہتا ہے تو اس کی آتما ہوتی جاتی ہے اور اس کی کام کرنے کی طاقت اور عقل بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ آتما بھی نہیں مرنے بلکہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ مگر آدمی کا بدن پہلے پیدا ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ بڑھتا اور طاقور ہوتا جاتا ہے اور پھر جوان ہو جاتا ہے۔ پھر کھٹکا اور کمزور ہونا شروع ہوتا ہے۔ پھر بڑھا ہو جاتا ہے اور آخر کار مر جاتا ہے۔

جب بدن مر جاتا ہے تب آتما اس میں سے نکل کر دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے۔ اور پھر پہلی طرح سے بدن بڑھتا شروع ہوتا ہے۔ جو آدمی اچھا اچھا کام کرنا چاہتا ہے تو اس کی آتما ہوتی جاتی ہے اور اس کی کام کرنے کی طاقت اور عقل بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ آتما بھی نہیں مرنے بلکہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ مگر آدمی کا بدن پہلے پیدا ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ بڑھتا اور طاقور ہوتا جاتا ہے اور پھر جوان ہو جاتا ہے۔ پھر کھٹکا اور کمزور ہونا شروع ہوتا ہے۔ پھر بڑھا ہو جاتا ہے اور آخر کار مر جاتا ہے۔

नागरिकों के हाथ में रहने चाहिये. मुनाकों पर टैक्स लगे हुए हैं. मुनाको और पूंजी की रकम देश के बाहर नहीं जा पाती. विदेशी कम्पनी अपनी मर्जी के माफिक मजदूरों और कर्मचारियों को बरखास्त नहीं कर सकती वगैरह.

अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं कि यह तमाम बन्धन खतम हो जायें, तमाम इस तरह के क्रायदे कानून रद्द हो जायें, ताकि फिर वह बड़े पैमाने पर अपनी पूंजी वहां लगा सकें और अपनी पैलियां भर सकें.

विदेशी विभाग की उसी किताब में लिखा है:

“तकनीकी सहयोग का कार्य क्रम खुद इस सवाल पर मुकामी सरकारों का रुख बदलवाने में सहायक सिद्ध हो सकता है.”

यह झूठी उम्मीद नहीं है, इसका सबूत यह है कि भारत के साथ तकनीकी समझौता होने के लगभग साथ साथ भारत सरकार स्टैन्डर्ड आयल और कैलटैक्स कम्पनियों को वह तमाम सुविधाएं देना कबूल कर लिया जो अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं. मिसाल के लिये ये कम्पनियां तेल साफ करने के जो कारखाने यहां खोलेंगी, उनके सिर्फ 25 फ्रीसदी हिस्से हिन्दुस्तानियों के हाथ में रहेंगे 30 साल तक राष्ट्रीकरण नहीं होगा, उसके बाद भी होगा तो पूरा मुआवाजा दिया जायगा; मुनाके और पूंजी की रकम बिना रांक टोक के अमरीका भेजी जा सकेंगी, सरकार का उद्योग नियंत्रण कानून नये का खानों पर लागू नहीं होगा, वगैरह.

संक्षेप में अमरीकी मदद के तीन साफ आर्थिक मकसद हैं:

- (1) भारत के कच्चे माल और खनिज पदार्थों के साधनों की इधियाना;
- (2) भारत में अपनी पूंजी लगा कर मोटे मुनाके कमाना;
- (3) पूंजी लगाने के रास्ते में जितनी आर्थिक या राजकाजी कठिनाइयां हैं, उन्हें इस मदद के जरिये दूर करना.

इस मदद को लेना भारत की आर्थिक व्यवस्था को अमरीकी सरमाया दारों को सौंप देना है. इस मदद को कबूल करना भारत को छूटने में अमरीकी धन्ना सेठों की मदद करना है.

सवाल है कि हमारी सरकार क्यों यह ना समझी का कदम उठा रही है? और कौन लोग हैं जो हमारे देश को अमरीकीबो के हाथ बेच देने पर तुले हुए हैं? इस सवाल पर हम अगले अंक में रोशनी डालेंगे.

लार्कों के हाथ में रहने चाहते हैं. मुनाकों पर टैक्स लगे हुए हैं. मुनाको और पूंजी की रकम देश के बाहर नहीं जा पाती. विदेशी कम्पनी अपनी मर्जी के माफिक मजदूरों और कर्मचारियों को बरखास्त नहीं कर सकती वगैरह.

अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं कि यह तमाम बन्धन खतम हो जायें, तमाम इस तरह के क्रायदे कानून रद्द हो जायें, ताकि फिर वह बड़े पैमाने पर अपनी पूंजी वहां लगा सकें और अपनी पैलियां भर सकें.

विदेशी विभाग की उसी किताब में लिखा है: “तकनीकी सहयोग का कार्य क्रम खुद इस सवाल पर मुकामी सरकारों का रुख बदलवाने में सहायक सिद्ध हो सकता है.”

यह झूठी उम्मीद नहीं है, इसका सबूत यह है कि भारत के साथ तकनीकी समझौता होने के लगभग साथ साथ भारत सरकार स्टैन्डर्ड आयल और कैलटैक्स कम्पनियों को वह तमाम सुविधाएं देना कबूल कर लिया जो अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं. मिसाल के लिये ये कम्पनियां तेल साफ करने के जो कारखाने यहां खोलेंगी, उनके सिर्फ 25 फ्रीसदी हिस्से हिन्दुस्तानियों के हाथ में रहेंगे 30 साल तक राष्ट्रीकरण नहीं होगा, उसके बाद भी होगा तो पूरा मुआवाजा दिया जायगा; मुनाके और पूंजी की रकम बिना रांक टोक के अमरीका भेजी जा सकेंगी, सरकार का उद्योग नियंत्रण कानून नये का खानों पर लागू नहीं होगा, वगैरह.

- (1) भारत के कच्चे माल और खनिज पदार्थों के साधनों की इधियाना;
- (2) भारत में अपनी पूंजी लगा कर मोटे मुनाके कमाना;
- (3) पूंजी लगाने के रास्ते में जितनी आर्थिक या राजकाजी कठिनाइयां हैं, उन्हें इस मदद के जरिये दूर करना.

इस मदद को लेना भारत की आर्थिक व्यवस्था को अमरीकी सरमाया दारों को सौंप देना है. इस मदद को कबूल करना भारत को छूटने में अमरीकी धन्ना सेठों की मदद करना है.

सवाल है कि हमारी सरकार क्यों यह ना समझी का कदम उठा रही है? और कौन लोग हैं जो हमारे देश को अमरीकीबो के हाथ बेच देने पर तुले हुए हैं? इस सवाल पर हम अगले अंक में रोशनी डालेंगे.

इस मदद को लेना भारत की आर्थिक व्यवस्था को अमरीकी सरमाया दारों को सौंप देना है. इस मदद को कबूल करना भारत को छूटने में अमरीकी धन्ना सेठों की मदद करना है.

सवाल है कि हमारी सरकार क्यों यह ना समझी का कदम उठा रही है? और कौन लोग हैं जो हमारे देश को अमरीकीबो के हाथ बेच देने पर तुले हुए हैं? इस सवाल पर हम अगले अंक में रोशनी डालेंगे.

موجودہ وقت فیسوں میں امریکی پرائیویٹ ہونٹس
بھرتے ہوئے ہیں اور بلایا وجہ نہیں ہے۔ پچھلے وقت
فیسوں میں کچھ مال مستحق تھا، مزدوروں کو نقد دوا
کم دینی پڑتی ہے اور اس لئے منافع ہوتے ہیں۔
مثال کے لئے امریکہ کی چاند بڑی کمپنیوں کو لے کر
اور دیکھئے کہ انہیں امریکہ کے اندر لگی ہوئی ہونٹیں
کتنی منافع دیتا ہے اور دیکھیں میں لگی ہوئی ہونٹیں
کتنی

1948 مہینے ملائے کی در

دیش - مہن لگی	دیش مہن لگی	کمپنی کا نام
پونجی پر مبالغہ کی در	پونجی پر مبالغہ کی در (فیصدی)	اسٹیمپڈ آئل
33	11	جلد مل سوئس
80	25	اناکونڈا کوپر
13	5	فالر اسٹیمپ
26	7	

سوئٹ بھارت میں لکھی ہوئی امریکی پونجی پر 1948 میں لگ بھگ 40 فیصدی منافع ہوا تھا، یعنی پچھوے ہوئے دہشوں میں پونجی لگانا امریکہ یا یورپ میں پونجی لگانے سے کہیں ادھک منافع دیتا ہے۔ پر ایسا کرنے میں امریکی پونجی کو دینی بڑی مشکلوں کا ساملا کرنا پڑتا ہے۔

پر مشکل یہ ہے کہ پچھڑے ہوئے دیہوں میں بجلی کا ریلوں سڑکیں کا بندرگاہوں اور ہوائی اڈوں کا، نہروں، سہولتوں اور صفائی کا پرہیزگار اڈا خراب ہے کہ وہاں پورے پیمانے پر امریکی پوسٹی لگا کر منافع لانا ناممکن ہے۔

ہوائیہک ہونے کی لئے زمین تیار کی جا رہی ہے

امریکی دیہی وبہک نے پردشمن ”چونہی ہات :
آرنیک نظر سے پھڑپھڑے ہوئے دیشوں کے وکس کا سہوکی
کارہکرم“ میں لہا لہا ہے :

”پانا پاتہ کی خرابیوں سے..... آرتھک ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے اور استرواشری ہو پڑا کی چال دم ہو جاتی ہے..... ان کی وجہ سے کھلیج پدارتھوں اور لکڑی کو دیکھی خریداروں تک اور دیکھوں تو لے جانے میں ناممکن ہو جاتا ہے..... ان کی وجہ سے دل کارخاں کے بلے مال کا بازار سمست ہو جاتا ہے اور دل کارخاں کے لئے ضروری کچے مال کو پانا مہلتا پر جاتا ہے۔“ (صفحہ 28)

”سمتھجائی کی ویلوتھیا... بازہ دولکے کا پریندہ“
 ناواں لوڑ چھاڑوں کے آئے جانے کی سورتھیاں وھیرہ
 آہنک وکاس کے نگر بہت فروزی ہوں۔“ (صفحہ 27)

”پتلی نی لہوں، دلیوں اور سڑیوں، ڈاکٹار! بلند گھوں
وگاس اور سہیلپانی صفائی و صبر“ ٹی وی پر سٹیمپوں میں

ضروریوں کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ "چھوٹے
 ہولے چھوٹے کو ایسی تکنیکی اور آرتھک مدد دی جائے
 جس سے وہ کمزوری، شکستہ، تندرستی اور پائیداری کے
 بلواسی چھوٹوں میں ضروری ترقی کر سکیں۔"

(صفحہ 8)

آپسی سرگھا قانون کی دفعہ 514 میں صاف صاف لکھا ہے کہ ”اس قانون کے دائرے میں آنے والے ملازمین میں“ ایسے کچھ ملازمین کی پوداوار ہونے کے لئے جن کی امریکہ میں کسی ہ 550 لاکھ ڈالر خرچ کرنے کا ادھکار سرکار کو دینا چاہا ہے۔“

بھارت کو اسی مذہب و مذہبی ملی ہے جس سے
 بہرو سرکار گرام سدھار کا کام چلا رہی ہے ۔
بھارت سے امریکہ کو کیا چاہئے

امریکہ کی پوری ندری سبھا کی وٹیشی نیکی سببندھی
آپ سبھتی نے اپنی ایک رپورٹ میں یہ لیا ہے :

”بھارت میں ایسے کتنے ہی کچھ سال پائے جاتے ہیں جنہیں امریکہ میں فوجی نظار سے مہترپوروں سمجھا جاتا ہے۔ ایسی جن چوڑوں کے امریکہ میں بہتکار اکتھا کئے جا رہے ہیں، ان میں نیچے لکھی چوڑیں ہندستان میں کافی ماننا میں پائی جاتی ہیں: ببول، ریلنگی کے بولج، کروسانٹ، گولے کا تیل، ٹاملائٹ، میگنڈوز، اپوک، سونے، ڈاکٹ، الوم، گالی مرچ، دبو، روٹائل، لانہ، کہویا اور زرکون۔ جوگ، چمرا (پکروں اور پتھرؤں کی ٹھالوں) اور سیسم کا تیل بھی، جو امریکہ میں اکٹھا تو نہیں کئے جاتے، وہ جن کی یہاں کافی کمی ہے، ہندستان میں پائے جاتے ہیں.... ان سبھی چوڑوں کی امریکہ کو آج سخت ضرورت ہے۔“

اِس طرح صاف ہو جاتا ہے کہ بھارت میں امریکہ کی دیکھ بھال کا پہلا آرٹیکل کارن ہمارے کچھ سال ارد فوجی سہتوں کے کھلم کھلاؤں میں ہے انہیں پر قبضہ کرنا ہے۔

برائویت پر نجاتی لگا کر منافع کیلئے کا مقصد

دوسرا گروں ہمارے دیس میں پونجی لگا کر زیادہ سے زیادہ منافع کمانا ہے۔ اس مقصد کا ان کے پہلے سے مقصد یعنی ہمارے کچھ سال کو ہتھ پالنے کے مقصد سے ٹھہرا سہولت ہے۔

امریکی شاعریوں کی یہی رائے ہے کہ صرف سوکاری
 طور پر ہونے والی آرتھک یا تعلیمی مدد سے کام نہیں
 چلتا۔ بالائی کوششیں لے کر کہ ”انہماک میں یہ
 کام (کچھ سالوں کا اگتھالیں بڑھانا اور اُس پر قبضہ کرنا)
 سدا پر انوکھ ہونے لے گیا ہے اور اب بھی پچھڑے ہوئے
 دیشوں میں کچھ مال کا اگتھالیں بڑھانے کی خاص ذمہ داری
 پر انوکھ امریکی ہونے کی سبب ہو رہی ہے۔“

53

पाली कमीशन ने पहले जांच की कि अमरीकी कल-कारखानों को आजकल कितने और कौन से कच्चे माल की जरूरत है, उसमें से कौन सा और कितना माल खुद अमरीका में पैदा हो जाता है और कितना बाहर से मंगाना पड़ता है। इसके बाद पाली कमीशन ने हिसाब लगाया कि अगले पचास साल में अमरीका को कितने कच्चे माल की जरूरत होगी और वह कहाँ से आयेगा।

कच्चे माल की समस्या

पाली कमीशन जिस नतीजे पर पहुंचा वह थोड़े में यह है:

अमरीका के लिये कच्चे माल की समस्या बहुत गम्भीर शकल धारण करती जा रही है। 1900 में अमरीका जितना कच्चा माल खर्च करता था, उससे 15 फी सदी से ज़ियादा वह खुद पैदा कर लेता था। 1950 तक वह अपनी पैदावार से मात्र 10 फी सदी ज़ियादा खर्च करने लगा और 1975 तक वह पैदावार से 20 फी सदी ज़ियादा खर्च करने लगेगा।

इसक अलावा, कमोशन ने कहा, अगले पचास साल में किसी भी वस्तु बड़ी लड़ाई छिड़ सकती है। उसके लिये अमरीका को कच्चे मालों का बहुत बड़ा भंडार जमा करके रखना पड़ेगा। वह भंडार इतना बड़ा होना चाहिये कि दुश्मन के हवाई जहाज़ बम फेंक कर उसके एक भाग को नष्ट कर दें तो भी वह कम न पड़े।

इस तरह कच्चे माल की समस्या ने खतरनाक रूप पा लिया है और कमीशन की राय में अगर उसे हल न किया गया तो अमरीका की हिकायत खतरे में पड़ जायेगी।

कमीशन लिखता है: "असली सवाल यह है कि क्या उन पिछड़े हुए देशों में जहां ज़रूरत कच्चे माल सबसे सस्ते मिलते हैं, हम ज़रूरी पूंजी, मशीनें, और तकनीकी और व्यवस्था से सम्बन्ध रखने वाले एक्सपर्ट भेज सकेंगे ताकि वहां हमारी ज़रूरत के मुताबिक कच्चा माल तैयार हो सके।"

पिछड़े हुए देशों का महत्व

साहिर है, यह पिछड़े हुए देश, एशिया, अफ्रीका और दक्खिनी अमरीका के गुलाम या अधगुलाम देश हैं। जब आपसी सुरक्षा क़ानून (जिसके मातहत भारत को तकनीकी मदद मिली है) अमरीकी पार्लिमेन्ट के सामने पेश था, तब पार्लिमेन्ट के मेम्बरों को दूसरे देशों की मदद करने की ज़रूरत समझाने के लिये अमरीकी सरकार ने एक किताब निकाली थी। उसमें इन पिछड़े हुए देशों के बारे में लिखा था:

"संसार के ज़ियादातर कुदरती साधन इन्हीं देशों में पाये जाते हैं। दुनिया का सारा रबर, सारा जूट, दो तिहाई तेल, और ज़िन्क, टिन, मैंगनीज, कुनैन और दूसरे फौजी महत्व के कच्चे माल इन्हीं देशों में मिलते हैं" (सफ़ा 7-8)

आगे चलकर इसी किताब में साफ साफ लिखा है कि ऊपर लिखी बातों का ध्यान में रखते हुए अमरीका की कौजी

पाली कमोशन ने पहले जांच की कि अमरीकी कारखानों को आजकल कितने और कौन से कच्चे माल की जरूरत है, उसमें से कौन सा और कितना माल खुद अमरीका में पैदा हो जाता है और कितना बाहर से मंगाना पड़ता है। इसके बाद पाली कमोशन ने हिसाब लगाया कि अगले पचास साल में अमरीका को कितने कच्चे माल की जरूरत होगी और वह कहाँ से आयेगा।

कच्चे माल की समस्या

पाली कमोशन जिस नतीजे पर पहुंचा वह थोड़े में यह है:

अमरीका के लिये कच्चे माल की समस्या बहुत गम्भीर शकल धारण करती जा रही है। 1900 में अमरीका जितना कच्चा माल खर्च करता था, उससे 15 फी सदी से ज़ियादा वह खुद पैदा कर लेता था। 1950 तक वह अपनी पैदावार से मात्र 10 फी सदी ज़ियादा खर्च करने लगा और 1975 तक वह पैदावार से 20 फी सदी ज़ियादा खर्च करने लगेगा।

इसके अलावा, कमोशन ने कहा, अगले पचास साल में किसी भी वस्तु बड़ी लड़ाई छिड़ सकती है। उसके लिये अमरीका को कच्चे मालों का बहुत बड़ा भंडार जमा करके रखना पड़ेगा। वह भंडार इतना बड़ा होना चाहिये कि दुश्मन के हवाई जहाज़ बम फेंक कर उसके एक भाग को नष्ट कर दें तो भी वह कम न पड़े।

इस तरह कच्चे माल की समस्या ने खतरनाक रूप पा लिया है और कमीशन की राय में अगर उसे हल न किया गया तो अमरीका की हिकायत खतरे में पड़ जायेगी।

पिछड़े हुए देशों का महत्व

साहिर है, यह पिछड़े हुए देश, एशिया, अफ्रीका और दक्खिनी अमरीका के गुलाम या अधगुलाम देश हैं। जब आपसी सुरक्षा क़ानून (जिसके मातहत भारत को तकनीकी मदद मिली है) अमरीकी पार्लिमेन्ट के सामने पेश था, तब पार्लिमेन्ट के मेम्बरों को दूसरे देशों की मदद करने की ज़रूरत समझाने के लिये अमरीकी सरकार ने एक किताब निकाली थी। उसमें इन पिछड़े हुए देशों के बारे में लिखा था:

"संसार के ज़ियादातर कुदरती साधन इन्हीं देशों में पाये जाते हैं। दुनिया का सारा रबर, सारा जूट, दो तिहाई तेल, और ज़िन्क, टिन, मैंगनीज, कुनैन और दूसरे फौजी महत्व के कच्चे माल इन्हीं देशों में मिलते हैं" (सफ़ा 7-8)

आगे चलकर इसी किताब में साफ साफ लिखा है कि ऊपर लिखी बातों का ध्यान में रखते हुए अमरीका की कौजी

रही है। "अगर यह प्रवृत्ति जारी रही तो भारत में कम्युनिस्टों की ताकत बढ़ जायगी और एशिया में एक बहुत खतरनाक हालात पैदा हो जायगी।" (20 मार्च 1952)

इसके लिये मिस्टर एचसन ने अमरीकी कांग्रेस पर जोर दिया कि वह कौरन भारत की मदद भेजना मंजूर करे। उनके शब्द यह थे :

"हिन्दुस्तान में मौजूद हमारे सभी सलाहकारों की राय है कि अगर बड़े बचीर नेहरू के नेतृत्व में स्थापित नई सरकार अगले पांच साल में काफी आर्थिक विकास करके नहीं दिखाती तो अगले चुनाव में जनवादी ताकतें छतरे में पड़ जायेंगी और या तो अति उपवादी या कम्युनिस्ट ऊपर आ जायेंगे।"

नतीजा यह हुआ कि चुनाव पूरी तरह खतम भी नहीं हुए थे कि 5 जनवरी 1952 को भारत और अमरीका के बीच तकनीकी सहयोग समझौता हो गया और अमरीकी मदद और कर्जों की मंजूरी भारत में लग गई। "अमृत बाजार पत्रिका" के नई दिल्ली में संपादक डाक्टर कृष्णलाल श्रीधरानी के शब्दों में :

"चुनाव की पटलनियों से खुद हारे हुए उम्मीदवारों को इतनी बौखलाहट नहीं हुई जितनी अमरीकी दर्शकों को हुई। सभी से नित नये अमरीकी मिशन यहां आने लगे और रोज नई मदद के वादे होने लगे....." ("पत्रिका" 20 अप्रैल 1952)

अमरीकी मदद का राजकाजी रहस्य

थोड़े में, जहां तक अमरीका के राजकाजी मकसदों का सवाल है, चन्द बातें बिल्कुल साफ हो जाती हैं :

(1) जब से अमरीका ने दुनिया पर अपना कब्जा जमाने और समाजवादी रुस से लड़ने की ठानी, तब से उसकी नजरों में भारत महत्वपूर्ण बन गया।

(2) चीन के आज़ाद हो जाने पर भारत का महत्त्व और भी बढ़ गया, एशिया में अब अमरीका की अपना सहाय्य यही एक देश दिखाई देता है।

(3) पिछले आम चुनाव ने अमरीकियों को बहद्वास कर दिया। उन्होंने समझ लिया कि अगर उन्होंने कौरन हिन्दुस्तान को अपनी मुट्ठी में नहीं किया तो चीन की तरह वह भी उनके हाथ से निकल जायगा।

अमरीकी मदद का राजकाजी रहस्य, थोड़े में, यही है।

(2)

अब आर्थिक कार्यों पर भी विचार कर लिया जाय।

जून 1951 में ट्रूमन ने कच्चे माल सम्बन्धी नीति के बारे में जांच करने के लिये विलियम पाली नामक एक बड़े पूंजीपति की सहायत में एक कमीशन कायम किया था। पाली कमीशन की चार बिल्वों की भारी-भरकम रिपोर्ट अभी हाल में छपी है। उससे भारत के आर्थिक साधनों में अमरीका की विलासपी का कारण निकल सका हो जाता है।

रही है। "अगर यह प्रवृत्ति जारी रही तो भारत में कम्युनिस्टों की ताकत बढ़ जायगी और एशिया में एक बहुत खतरनाक हालात पैदा हो जायगी।" (20 मार्च 1952)

हिन्दुस्तान में मौजूद हमारे सभी सलाहकारों की राय है कि अगर बड़े बचीर नेहरू के नेतृत्व में स्थापित नई सरकार अगले पांच साल में काफी आर्थिक विकास करके नहीं दिखाती तो अगले चुनाव में जनवादी ताकतें छतरे में पड़ जायेंगी और या तो अति उपवादी या कम्युनिस्ट ऊपर आ जायेंगे।"

नतीजा यह हुआ कि चुनाव पूरी तरह खतम भी नहीं हुए थे कि 5 जनवरी 1952 को भारत और अमरीका के बीच तकनीकी सहयोग समझौता हो गया और अमरीकी मदद और कर्जों की मंजूरी भारत में लग गई। "अमृत बाजार पत्रिका" के नई दिल्ली में संपादक डाक्टर कृष्णलाल श्रीधरानी के शब्दों में :

"चुनाव की पटलनियों से खुद हारे हुए उम्मीदवारों को इतनी बौखलाहट नहीं हुई जितनी अमरीकी दर्शकों को हुई। सभी से नित नये अमरीकी मिशन यहां आने लगे और रोज नई मदद के वादे होने लगे....." ("पत्रिका" 20 अप्रैल 1952)

अमरीकी मदद का राज काजी रहस्य

थोड़े में, जहां तक अमरीका के राजकाजी मकसदों का सवाल है, चन्द बातें बिल्कुल साफ हो जाती हैं :

(1) जब से अमरीका ने दुनिया पर अपना कब्जा जमाने और समाजवादी रुस से लड़ने की ठानी, तब से उसकी नजरों में भारत महत्वपूर्ण बन गया।

(2) चीन के आज़ाद हो जाने पर भारत का महत्त्व और भी बढ़ गया, एशिया में अब अमरीका की अपना सहाय्य यही एक देश दिखाई देता है।

(3) पिछले आम चुनाव ने अमरीकियों को बहद्वास कर दिया। उन्होंने समझ लिया कि अगर उन्होंने कौरन हिन्दुस्तान को अपनी मुट्ठी में नहीं किया तो चीन की तरह वह भी उनके हाथ से निकल जायगा।

(2)

अब आर्थिक कार्यों पर भी विचार कर लिया जाय।

जून 1951 में ट्रूमन ने कच्चे माल सम्बन्धी नीति के बारे में जांच करने के लिये विलियम पाली नामक एक बड़े पूंजीपति की सहायत में एक कमीशन कायम किया था। पाली कमीशन की चार बिल्वों की भारी-भरकम रिपोर्ट अभी हाल में छपी है। उससे भारत के आर्थिक साधनों में अमरीका की विलासपी का कारण निकल सका हो जाता है।

کامن ویلتھ میں رہنے کا پتہ

دسمبر 1949 میں نہی دہلی میں ایک ہندو-امریکی کانفرنس ہوئی جس میں ہندوستان اور امریکا کے مابین تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے ایک معاہدہ طے کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت ہندوستان کو امریکا کی مدد سے فوجی اور اقتصادی طور پر ترقی دینے کا وعدہ کیا گیا۔

”ایک بار چین سے نراشا ہو جانے کے بعد امریکا ہندوستان کی طرف بڑھتی ہوئی دیکھنے کے ساتھ دیکھنے لگا ہے۔۔۔۔۔ ہندوستان امریکا کے لیے آئینہ نظر سے بھی مہرہ ہونے لگا ہے۔۔۔۔۔ امریکا ہندوستان کو فوجی اور اقتصادی طور پر ترقی دینے کا وعدہ کیا ہے جو کئی سالوں سے ہندوستان کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ ہندوستان امریکا کے لیے آئینہ نظر سے بھی مہرہ ہونے لگا ہے۔۔۔۔۔ ہندوستان امریکا کے لیے آئینہ نظر سے بھی مہرہ ہونے لگا ہے۔۔۔۔۔ ہندوستان امریکا کے لیے آئینہ نظر سے بھی مہرہ ہونے لگا ہے۔۔۔۔۔“

جب نہرو سرکار نے کوریا میں شانتی قائم کرنے کی کوشش کی اور ہندوستان نے اس میں حصہ لیا تو امریکا نے ہندوستان کو تنقید کی۔ امریکا نے ہندوستان کو تنقید کی کہ اس نے کوریا میں شانتی قائم کرنے کی کوشش کی اور ہندوستان نے اس میں حصہ لیا تو امریکا نے ہندوستان کو تنقید کی۔

چوناہ کے بعد کی پالیسیاں

پندرہویں مارچ 1951 میں ہندوستان کے کابینہ میں ایک اجلاس ہوا جس میں ہندوستان کی پالیسیاں طے کی گئیں۔

دسمبر 1951 میں کابینہ نے ایک قرارداد منظور کی جس میں ہندوستان کی پالیسیاں طے کی گئیں۔

16 فروری 1952 کو امریکا کے سہائیک ویلش نے ہندوستان میں ایک دورہ کیا۔

امریکی وزیر خارجہ ایچ ایچ ہولمز نے ہندوستان میں ایک دورہ کیا۔

ہندوستان اور امریکا

دسمبر 1949 میں ہندوستان اور امریکا

دسمبر 1949 میں ہندوستان اور امریکا کے مابین ایک معاہدہ طے کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت ہندوستان کو امریکا کی مدد سے فوجی اور اقتصادی طور پر ترقی دینے کا وعدہ کیا گیا۔

”ایک بار چین سے نراشا ہو جانے کے بعد امریکا ہندوستان کی طرف بڑھتی ہوئی دیکھنے کے ساتھ دیکھنے لگا ہے۔۔۔۔۔ ہندوستان امریکا کے لیے آئینہ نظر سے بھی مہرہ ہونے لگا ہے۔۔۔۔۔ امریکا ہندوستان کو فوجی اور اقتصادی طور پر ترقی دینے کا وعدہ کیا ہے جو کئی سالوں سے ہندوستان کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ ہندوستان امریکا کے لیے آئینہ نظر سے بھی مہرہ ہونے لگا ہے۔۔۔۔۔“

جب نہرو سرکار نے کوریا میں شانتی قائم کرنے کی کوشش کی اور ہندوستان نے اس میں حصہ لیا تو امریکا نے ہندوستان کو تنقید کی۔ امریکا نے ہندوستان کو تنقید کی کہ اس نے کوریا میں شانتی قائم کرنے کی کوشش کی اور ہندوستان نے اس میں حصہ لیا تو امریکا نے ہندوستان کو تنقید کی۔

چوناہ کے بعد کی پالیسیاں

پندرہویں مارچ 1951 میں ہندوستان کے کابینہ میں ایک اجلاس ہوا جس میں ہندوستان کی پالیسیاں طے کی گئیں۔

دسمبر 1951 میں کابینہ نے ایک قرارداد منظور کی جس میں ہندوستان کی پالیسیاں طے کی گئیں۔

16 فروری 1952 کو امریکا کے سہائیک ویلش نے ہندوستان میں ایک دورہ کیا۔

امریکی وزیر خارجہ ایچ ایچ ہولمز نے ہندوستان میں ایک دورہ کیا۔

امریکی وزیر خارجہ ایچ ایچ ہولمز نے ہندوستان میں ایک دورہ کیا۔

भारत में अमरीकी कथम

(अन्वेषणात्मक संग्रह)

विश्वसे अज्ञान में हमसे देश था कि भारत में आगे वाली हर एक अमरीकी मध्य और हर एक अमरीकी कथम के साथ तरह तरह की राजकाजी और आर्थिक घटने लगी हुई हैं जिनसे न केवल हमारे देश का उद्योगीकरण रुकता है और उसकी आर्थिक व्यवस्था पर बोट पड़ जाती है, बल्कि उसकी राजकाजी आबादी भी खतरे में पड़ जाती है.

इस बार हम देखेंगे कि अमरीका असल में किन किन सत्तारक्षकों को सामने रख कर हमारे देश पर चढ़ता जा रहा है और वह क्यों भारत की 'सहायता' करने को अकारण इतना उत्सुक हो उठा है.

(1)

जादूगरों का देश

यह बात सब जानते हैं कि चन्द बरस पहले अमरीका को भारत के मामलों में कोई खास दिलचस्पी नहीं थी. डाक्टर भारत्तन कुमारप्पा ने लिखा है :

"हिन्दुओं (अमरीका वाले सभी हिन्दुस्तानियों को ध्यास तौर से हिन्दू कहते हैं) के वास्ते अमरीका ने तटस्थता का सा रुख अपना रखा था. उसका विचार था कि हिन्दुस्तान ब्रिटेन की सम्पत्ति है जिसमें किसी दूसरे को झेलने का अधिकार नहीं है और इसलिये उसके मामलों के सिधे केलाग वर्षाक का रुख अपना ही ठीक है. अमरीका को भारत में कुछ दिलचस्पी थी तो केवल जादूगरों और योगियों के देश के रूप में, जहाँ साधू कन्दराओं में रहते हैं, नखन बढ़ाते हैं, कीलों के बिछौने पर सोते हैं और लोगों के हाथ देखते हैं." ("अमरीका में मेरा विश्वासी जीवन", सफा 6)

दूसरे महायुद्ध के खमाने में जब अमरीका की लाखों की फौज हिन्दुस्तान में उतरी और हमारा देश चीन, बर्मा, बंगाल में लड़ने वालों अमरीकी फौज की सप्लाई का केन्द्र बन गया, तब अमरीका वालों का भारत की तरफ ध्यान लिखा मगर हमारी आकाश ब्रिटिश सरकार ने अमरीका वालों को भारत की आर्थिक व्यवस्था में अधिक घुसने की इजाजत नहीं दी. हाँ, भारत अमरीका कोषागार में खाली बढ़ती हो गई.

दूसरे महायुद्ध के बाद

लड़ाई खतम होने के बाद भी यह बढ़ती जारी रही. और जैसे जैसे सारी दुनिया पर प्रभुत्व खमाने की अमरीकी योजनाएँ पक्की होती गयीं, वैसे वैसे अमरीका की नजरों में भारत का महत्त्व बढ़ता गया.

7 दिसम्बर 1947 को भारत में अमरीकी राजदूत हेनरी मोन्टी ने कहा : "भारत को दुनिया की लड़ाई में अपने योगदान के बदले सिधे भारी महत्त्व रखता है."

भारत में अमरीकी कथम

(और प्रकाश सङ्कलन)

विश्वसे अज्ञान में हम ने हमसे देश था कि भारत में आगे वाली हर एक अमरीकी मध्य और हर एक अमरीकी कथम के साथ तरह तरह की राजकाजी और आर्थिक घटने लगी हुई हैं जिनसे न केवल हमारे देश का उद्योगीकरण रुकता है और उसकी आर्थिक व्यवस्था पर बोट पड़ जाती है, बल्कि उसकी राजकाजी आबादी भी खतरे में पड़ जाती है.

(1)

जादूगरों का देश

यह बात सब जानते हैं कि चन्द बरस पहले अमरीका को भारत के मामलों में कोई खास दिलचस्पी नहीं थी. डाक्टर भारत्तन कुमारप्पा ने लिखा है :

"हिन्दुओं (अमरीका वाले सभी हिन्दुस्तानियों को ध्यास तौर से हिन्दू कहते हैं) के वास्ते अमरीका ने तटस्थता का सा रुख अपना रखा था. उसका विचार था कि हिन्दुस्तान ब्रिटेन की सम्पत्ति है जिसमें किसी दूसरे को झेलने का अधिकार नहीं है और इसलिये उसके मामलों के सिधे केलाग वर्षाक का रुख अपना ही ठीक है. अमरीका को भारत में कुछ दिलचस्पी थी तो केवल जादूगरों और योगियों के देश के रूप में, जहाँ साधू कन्दराओं में रहते हैं, नखन बढ़ाते हैं, कीलों के बिछौने पर सोते हैं और लोगों के हाथ देखते हैं." ("अमरीका में मेरा विश्वासी जीवन", सफा 6)

दूसरे महायुद्ध के खमाने में जब अमरीका की लाखों की फौज हिन्दुस्तान में उतरी और हमारा देश चीन, बर्मा, बंगाल में लड़ने वालों अमरीकी फौज की सप्लाई का केन्द्र बन गया, तब अमरीका वालों का भारत की तरफ ध्यान लिखा मगर हमारी आकाश ब्रिटिश सरकार ने अमरीका वालों को भारत की आर्थिक व्यवस्था में अधिक घुसने की इजाजत नहीं दी. हाँ, भारत अमरीका कोषागार में खाली बढ़ती हो गई.

दूसरे महायुद्ध के बाद

लड़ाई खतम होने के बाद भी यह बढ़ती जारी रही. और जैसे जैसे सारी दुनिया पर प्रभुत्व खमाने की अमरीकी योजनाएँ पक्की होती गयीं, वैसे वैसे अमरीका की नजरों में भारत का महत्त्व बढ़ता गया.

7 दिसम्बर 1947 को भारत में अमरीकी राजदूत हेनरी मोन्टी ने कहा : "भारत को दुनिया की लड़ाई में अपने योगदान के बदले सिधे भारी महत्त्व रखता है."

ہم بیرون میں آئے۔ پھر ایک پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔

ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔

یہاں کے چینی تدریس کاروں نے میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔

یہاں University میں اجتماعی زندگی پر زور دیا جاتا ہے۔ Individualism (شخصیت پرستی) کو یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مہاجن پرستی میں تین ہزار لاکھ کے ساتھ ساتھ ہیں، ایک ساتھ رہتے ہیں، ایک ساتھ کھاتے ہیں، ایک ساتھ کرتے ہیں اور ایک ہی وقت میں جاتے ہیں۔ 'China Reconstructs' کے پڑھنے والے اور چین کے مشہور اہل فاضل Dr. Chen Hen Seng بھی ملے۔ وہ کہتے تھے کہ 'China To Day' (ریویو کرنے کے لیے دی گئی ہے) اور ان کا لکھا ہوا 'Peoples China' میں چھپتا ہے۔

ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔

آپ کا آگاہی
پیشکش

ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔

ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔

یہاں کے چینی تدریس کاروں نے میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔ میرے بارے میں پتہ چلایا۔

یہاں University میں اجتماعی زندگی پر زور دیا جاتا ہے۔ Individualism (شخصیت پرستی) کو یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مہاجن پرستی میں تین ہزار لاکھ کے ساتھ ساتھ ہیں، ایک ساتھ رہتے ہیں، ایک ساتھ کھاتے ہیں، ایک ساتھ کرتے ہیں اور ایک ہی وقت میں جاتے ہیں۔ 'China Reconstructs' کے پڑھنے والے اور چین کے مشہور اہل فاضل Dr. Chen Hen Seng بھی ملے۔ وہ کہتے تھے کہ 'China To Day' (ریویو کرنے کے لیے دی گئی ہے) اور ان کا لکھا ہوا 'Peoples China' میں چھپتا ہے۔

ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ ہم لوگ ہیں۔

آپ کا آگاہی
پیشکش

इस 26 जनवरी को Indian Embassy गए वहां का वातावरण 'मंगरेजियत' का था. 'दाई' का राज था इसलिए किसी विद्रोह की भी आशा नहीं थी।

28 مارچ کو Indian Embassy کے پاس
آج کے دن کے لئے

کریب 210 کپڑے کے برابر ہوگی۔ ہمیں رسیوں کا رکننا پڑا ہے اور ہم صرف سرکاری باریاں کرتے ہیں اسلیئے اور 'کمیٹی ممبروں' کے مشاغل سے بوجھنا پڑا ہے۔ یہاں کے تھکڑوں کو پورا سے بوجھنا پڑا ہے اور تمام سے بوجھنا پڑا ہے۔ سب لوگ اس کام کو آسانی سے نہیں کر سکتے۔

ہمارے وہاں سے 'سمر پلےس' اتنی ہی دور ہے جتنی دور ہمیں یہاں سے رام بابا سٹیشن۔ آبی سڑی بہت ہے۔ کام ہوگا تب وہاں چلنے جائیں گے۔ یہاں پر سڑی کے لڑکیاں کھڑے کرتے ہیں۔ نیا سال بڑی بھم بھم سے منایا گیا۔ سب لڑکے لڑکیاں ہم لوگوں کو پکڑ لے گئے اور ناشرنا کرنا، گانا گایا، ناچ دیا۔ دھات کی بیلکھلی کی ہمشا یاد رہے گی۔ پلٹتے ہوئے نہیں تھیں۔ سارا سامان بیل ڈھلے کلاہ کی مین کے اوپر سب کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ اور جب ہم چلے گئے تو ہماری جیبوں میں زبردستی بھر دیا گیا۔ ہولی کا ماؤنڈن تھا۔ دیکھتے ہوئے ہمیں مان پتر بھی دیا۔ ایک دن ہمارے کپڑے کا پتھر ٹوٹ گیا تو ساری لڑکیاں سوئی ڈورا لٹے ہوئے ہمارے کمرے میں کھس پڑیں اور ہمارا سارا سامان ٹھک کر ڈھل گیا اور پتھر ٹانگ دیئے۔ ہندی کے دیہاتی جو 50 کے قریب ہوں خوب ہندی بولتے ہیں اور اچھلے کودتے بالکل بچوں کی طرح ہیں۔ ہم جب پورے پر لکھتے ہیں تو دستر سے صاف نہیں کر لے دیتے۔ خود بار بار صاف کرتے ہیں 'کہتے ہیں آپ کو کام ہو جائے گا۔' لوگوں کی Hindi Writing اتنی اچھی ہے کہ شاید آپ کو وضو اس نہیں ہوگا۔ دیہاتیوں کو گرامر پوچھنے کی بڑی عادت ہے۔

یہاں کی گالیاں ہمارے گالوں سے بالکل ملتی جلتی ہیں۔ ہمیں تعجب ہوا یہاں گالی میں ہمارے یہاں کی طرح 'ساا' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں بھئی کا بھائی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ماں، بہن وغیرہ کی بھی ویسی ہی گالیاں ہیں۔ چلتی عام طور سے بڑے شائقی پر یہ ہیں۔ کہیں ایک دوسرے سے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ماؤنٹس تلک کی اتنی زیادہ موت کرتے ہیں کہ انہیں خدا سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے 'فریبوں کا راج' قائم کیا۔ 'روتی' کو 'نوکری' کے بارے میں کسی کو چلتا کرنے کی ضرورت نہیں۔ چاروں طرف جوش ہی جوش اُڑا ہو رہا ہے۔ ہر ایک کے اندر کام کرنے کا اتنا جوش کھسے آیا؟ اتنی سادگی کھسے؟ ایمانداری کی بات تو کیا کہنا! میں نے ایک دیہاتی سے جا کر پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کا بالکل یہاں حفاظت سے رکھوں تو مجھے بے حد اچھلے ہوا کہ اس نے اپنی پوچھنے کی مہر کی قرار میں سارے کے سارے نوٹ دے دیئے تھے اور ہنسنے میں دیکھا تھا۔ میں نے چہنی صاحب سے

قریب 210 روپے کے برابر ہوگی۔ ہمیں رسیوں کا رکننا پڑا ہے اور ہم صرف سرکاری باریاں کرتے ہیں اسلیئے اور 'کمیٹی ممبروں' کے مشاغل سے بوجھنا پڑا ہے۔ یہاں کے تھکڑوں کو پورا سے بوجھنا پڑا ہے اور تمام سے بوجھنا پڑا ہے۔ سب لوگ اس کام کو آسانی سے نہیں کر سکتے۔

ہمارے یہاں سے 'سمر پلےس' اتنی ہی دور ہے جتنی دور آپ کے یہاں سے رام بابا سٹیشن۔ آبی سڑی بہت ہے۔ جب کم ہوگی تب وہاں کھولنے جائیں گے۔ یہاں پر سڑی کے لڑکے لڑکیاں کھڑے کرتے ہیں۔ نیا سال بڑی بھم بھم سے منایا گیا۔ سب لڑکے لڑکیاں ہم لوگوں کو پکڑ لے گئے اور ناشرنا کرنا، گانا گایا، ناچ دیا۔ دھات کی بیلکھلی کی ہمشا یاد رہے گی۔ پلٹتے ہوئے نہیں تھیں۔ سارا سامان بیل ڈھلے کلاہ کی مین کے اوپر سب کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ اور جب ہم چلے گئے تو ہماری جیبوں میں زبردستی بھر دیا گیا۔ ہولی کا ماؤنڈن تھا۔ دیکھتے ہوئے ہمیں مان پتر بھی دیا۔ ایک دن ہمارے کپڑے کا پتھر ٹوٹ گیا تو ساری لڑکیاں سوئی ڈورا لٹے ہوئے ہمارے کمرے میں کھس پڑیں اور ہمارا سارا سامان ٹھک کر ڈھل گیا اور پتھر ٹانگ دیئے۔ ہندی کے دیہاتی جو 50 کے قریب ہوں خوب ہندی بولتے ہیں اور اچھلے کودتے بالکل بچوں کی طرح ہیں۔ ہم جب پورے پر لکھتے ہیں تو دستر سے صاف نہیں کر لے دیتے۔ خود بار بار صاف کرتے ہیں 'کہتے ہیں آپ کو کام ہو جائے گا۔' لوگوں کی Hindi Writing اتنی اچھی ہے کہ شاید آپ کو وضو اس نہیں ہوگا۔ دیہاتیوں کو گرامر پوچھنے کی بڑی عادت ہے۔

یہاں کی گالیاں بھارت کی گالوں سے بالکل ملتی جلتی ہیں۔ ہمیں تعجب ہوا یہاں گالی میں ہمارے یہاں کی طرح 'ساا' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں بھئی کا بھائی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ماں، بہن وغیرہ کی بھی ویسی ہی گالیاں ہیں۔ چلتی عام طور سے بڑے شائقی پر یہ ہیں۔ کہیں ایک دوسرے سے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ماؤنٹس تلک کی اتنی زیادہ موت کرتے ہیں کہ انہیں خدا سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے 'فریبوں کا راج' قائم کیا۔ 'روتی' کو 'نوکری' کے بارے میں کسی کو چلتا کرنے کی ضرورت نہیں۔ چاروں طرف جوش ہی جوش اُڑا ہو رہا ہے۔ ہر ایک کے اندر کام کرنے کا اتنا جوش کھسے آیا؟ اتنی سادگی کھسے؟ ایمانداری کی بات تو کیا کہنا! میں نے ایک دیہاتی سے جا کر پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کا بالکل یہاں حفاظت سے رکھوں تو مجھے بے حد اچھلے ہوا کہ اس نے اپنی پوچھنے کی مہر کی قرار میں سارے کے سارے نوٹ دے دیئے تھے اور ہنسنے میں دیکھا تھا۔ میں نے چہنی صاحب سے

है वरीरा सवालों का जवाब देते देते हम बक गये फिर यहाँ इस University में साबद दुनिया के हर मुल्क के लोग हैं। कोरियाई विभाग के North Korea के कोरियन प्रोफेसर जब मिलते हैं तो इतनी जोर से हाथ मिलाते हैं कि हाथ में दर्द होने लगता है। इन्डोनेशिया, बरमा, वियतनाम, मलाया, मंगोलिया, जापान, जैकोस्ताविया, रूमानिया वरीरा कहाँ तक गिनाएं। सब से हमेशा पाला पड़ा करता है। एक मास्को का नौजवान बड़ा दिलचस्प है। उसे अंगरेजी नहीं आती। फिर भी वह हम से आकर अंगरेजी में बोलता है। कहता है, रूस बलो, भारत, चीन और रूस एक हैं—भारत, चीन और रूस को कोई नहीं हरा सकता वरीरा वरीरा। हमें दूर से देखते ही लोग पहचान लेते हैं और 'इन्डू रेन, इन्डू रेन' कह कर बिल्लाने लगते हैं। छोटे छोटे बच्चे हमारे कमरे में घुस आते हैं और न मालूम क्या क्या चीनी में पूछते रहते हैं। इसकाफ़ से एक दिन चिन को भी साहब बैठे थे। उनसे मालूम हुआ कि लड़के पूछ रहे हैं कि 'तुम्हारा नेता कौन है ? तुम्हारा बिल्ला कहाँ है ? तुम्हारा गाना क्या है ? तुम्हारा नारा क्या है ? इतने छोटे छोटे बच्चों के यह सवाल सुन कर मैं चक्कर में आ गया छोटे बच्चे बड़े अच्छे लगते हैं और जिस किसी को पुचकारो वह आपके साथ चल देता है। इससे हमें पढ़ने में बड़ा Disturbance हुआ। अब हमने बच्चों को पुचकारना छोड़ दिया है।

यहाँ "China-India Friendship Association" ने एक दिन हम लोगों को खास तौर से दावत दी। दावत में हम और बर्मा और डाक्टर जैन और चक्रेश बस। उस दिन पीकिंग के बड़े बड़े दिग्गजों के दर्शन हुए। सब लोग हम से तीन चार घंटे बात करते रहे। दावत भी ख़ैर की हुई। 'China Reconstructs' के एडिटर Chen Han-Seng तो 'China To-day' की इतनी तारीफ़ कर रहे थे कि पूछो मत। ऊपर के कवर का सारा मक़सूर ख़बानी याद किये हुए थे। Dr. Ting Ling और Hung Hsen वगैरह पंडित सुन्दर लाल जी के बारे में पूछ रहे थे।

कम्पटर जैन यहां से इसी मार्ग में भारत के लिये वापस
रवाना हो रहे हैं। बम्बई में उनका बड़ा भारी परिवार है।
उनके जाने के बाद हम और बर्मा पीकिंग में अकेले रह
जायेंगे, यहां और कोई भारतीय नहीं। Embassy के
कोश सरकारी आदमी हैं, और सरकारी और कोई नहीं।
दीरुमत (सिन्धी मरचेन्ट) भी हैं।

हम लोगों को इस लाख अद्भुत हथार पीनी बालर
तनकाड़ मिलेगी. हम से तनकाड़ कौरा के बारे में पूछा
गया. हमने कहा कि जो यहाँ पीनी मोफेसरों को मिलती
है वतने से हम भी दुबारा बतायेंगे. भारतीय संघ में यह

ہے۔ یہودی سوالوں کا جواب دیتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس یونیورسٹی میں شائد دنیا کے ہر ملک کے لوگ ہیں۔ کوریائی وہاں کے North Korea کے کوریوں یونیورسٹی میں ملتے ہیں تو انلی زور سے ہاتھ ملاتے ہیں کہ ہاتھ میں درد ہونے لگتا ہے۔ انڈونیشیا، برما، ویتنام، ملائیا، سنگاپور، جاپان، جنوبی کوریا، رومانیہ وغیرہ کہاں تک لگائیں۔ سب سے ہمیشہ پالا پڑا کرتا ہے۔ ایک ماسکو کا نوجوان ہوا دلچسپ ہے۔ اُسے انگریزی نہیں آتی۔ پھر بھی وہ ہم سے آخر انگریزی میں بولتا ہے۔ کہتا ہے، 'روس، جاپور، بھارت، چین اور روس ایک ہیں۔ بھارت، چین اور روس کو کوئی نہیں ہرا سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں دور سے دیکھتے ہی لوگ پہچان لیتے ہیں اور 'انڈوین'، 'انڈرین' کہہ کر چلے لگتے ہیں۔ چہوتے چہوتے ہمیں ہمارے کمرے میں کہیں آتے ہیں اور نہ معلوم کہا کہا چھٹی میں پوچھتے رہتے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن چو کو سو صاحب ہمت تھے۔ اُن سے معلوم ہوا کہ لوگ پرچہ دے رہے ہیں کہ تمہارا بھتیجا کون ہے؟ تمہارا بھائی کون ہے؟ تمہارا بھائی کون ہے؟ سوال سن کر ہمیں چکر میں آ گیا۔ چہوتے بچے بڑے اچھے لگتے ہیں اور جس کسی کو پتہ چلا کہ وہ آپ کے ساتھ چل دیتا ہے۔ اس سے ہمیں بوجھ میں ہوا Disturbance ہوا۔ اب ہم نے بچوں کو پتہ چکا چھوڑ دیا ہے۔

China-India Friendship Association یہاں
نے ایک دن ہم لوگوں کو خاص طور سے دعوت دی . دعوت
میں ہم اور دس-اوپنچتر چھ دن اور چکر میں اس . اس
دن پہنچنے کے لیے ہرے دیکھنے کے درشن ہوئے . سب
لوگ ہم سے تین چار گھنٹے بات کرنے رہے . دعوت بھی
زور کی ہوئی . 'China Reconstructs' کے ایڈیٹر
Chen-Han Seng 'China Today' کی رانی
تاریف کر رہے تھے کہ پوچھو مت . اوپر کے گورنر سارا
مضمون زبانی یاد لکھے ہوئے تھے . Dr. Ting Ling اور
Hung Hsen ، پندرہ سالہ لال جی کے بارے میں
پوچھ رہے تھے .

ڈانٹر چینی یہاں سے اسی مارچ میں بھارت کے لئے
واپس روانہ ہو رہے ہیں۔ چنگی میں ان کا ہوا بھاری
پہرہ ہے۔ ان کے جانے کے بعد ہم اور ورمائیٹنگ میں
انہی رہ جائیں گے۔ یہاں اور کوئی ہزارتہ نہیں۔ Embassy
آ کے لوگ سرکاری آدمی ہیں۔ غیر سرکاری اور لوکی نہیں۔
ویرومل (سٹیٹس مینجمنٹ) بھی ہیں۔

ہم کہیں کو جس لڑکے اچانک عوار چوٹی ڈالے لفظوں
ملوکی۔ ہم یہ لفظوں و لڑکے کے لڑکے میں لڑکوں
لڑکے۔ ہم نے کہا کہ جو وہاں چوٹی لڑکوں کو ملتی ہے
آپ کے لئے یہ لڑکے لڑکے لڑکے لڑکے لڑکے

جس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی انسانی نہیں ہو سکتا۔ کیا
 کوئی کرنا چاہتا ہے کہ یہاں آج کل لوگ چاہتے ہیں
 یہ ہے۔ صرف گرم پانی پیتے ہیں۔ کونسا چاہتے ہیں
 لوگوں کو Export کی جائیگی جس سے دیہی کو پوسٹ
 Peking University کے پاس ہی
 HSIN HUA University ہے جہاں 5,800 لوگ
 Engineering پڑھ رہے ہیں۔ سامنے چلتا
 city ہے جہاں کسان مزدوروں کے دھاروں لوگ پڑھتے
 ہیں۔ ایک Minorities (کم گنت لوگوں) کا کالج
 بھی ایک ہے۔ یہ پورا علاقہ ہی دیہاتی ہے۔ قریب
 پوسٹ دھار دیہاتی اس پاس کے علاقوں میں ضرور ہونگے۔
 سب کے کوٹ پر اپنی اپنی University کا بلا لگا ہے۔
 بلا بلا کہیں آ جا نہیں سکتے۔ پورے ہی Peking
 University کا چھٹی میں لکھا ہوا ہے۔ ایک
 خان قلعے سے بلا لکھا ہوا ہے تو پھر اسودھا ہوئی۔
 شہر دار کی شام کو عروسہ دیہاتوں کے لئے یہاں ہی
 شکشا پردہ سلہما ہوتا ہے۔ شہر سے University کو
 آخری بس سارے سات بجے شام کو چھوٹتی ہے۔ اس کے
 بعد شہر سے کوئی بس نہیں آتی۔ اس لئے جو بھی اکثر
 شہر جائے تو شام تک لوٹ آئے۔ شہر کی ٹوک بھوک سے
 دور گاؤں کے بچے میں انہی دیہاتی تربیلنگ پڑھ رہے ہیں
 یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جب میں کبھی کسی
 لڑکے یا لڑکی سے اس کے ہمت کی بات چاہتا ہوں تو
 عروسہ ایک ہی جواب ملتا ہے—'ہمیں اپنے ہمت کی
 بات نہیں سوچنا چاہئے' دیہی کے ہمت میں جی جان
 سے لکھا چاہئے، 'ہم اکہلے اسیرکوں کو کوریا سے نکال دیں گے'
 وغیرہ۔ لڑکیں کے منہ سے سن کر بہت اچھا لگتا ہے۔ ہر
 دیہاتی کو معلوم ہے کہ اسے کہا بلایا ہے۔ وہاں پریکشا
 میں نکل پاس نہیں ہوتا۔ پریکشا ہوتی ہے اور لوگ
 خوب محنت کرتے ہیں۔ جب ہم یہاں آئے تو کئی دن
 تک چن کوہو صاحب یہاں کی پرانی ہمیں سمجھاتے
 رہے—دیہاتی ایک مورچہ ہے اور ٹھہر دوسرے مورچہ ہے
 ایسا نہیں ہونا چاہئے، ادھاپک سپانک کے روپ میں
 ہونا چاہئے، پوجنا کے حساب سے پڑھنا چاہئے، پوجنا
 بلانا دیہاتوں سے وہ رواہ کرنا چاہئے، دیہاتی ہم سے
 سیکھیں اور ہم دیہاتوں سے سیکھیں، ہو شہر
 دیہاتی ہماری آج چلا کریں گے۔ اس سے ہم اپنے میں
 مددگار کریں وغیرہ باتوں میں سمجھاتی تھیں۔ اور اب
 ہم ان پر عمل ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ بھارت نے ادھاپک
 جو تجربے کر میں اور ٹھہری کر چکے ہیں ان کا یہاں کام
 کرنا ناممکن ہے۔ دیہاتی کبھی کبھی بڑی تعداد میں
 ٹپس آتے ہیں اور بھارت کے بارے میں دن بھر پوچھتے
 رہتے ہیں۔ خاتمی (Peace) کے کاروں تک میں ہم ہے۔
 بھارت کے لوگ 'شائسی' کے لئے کہا کر رہے ہیں،
 لڑکیں کہا کر رہی ہیں، دیہاتی کہا کر رہے ہیں،
 کوریا کے بارے میں بھارتی کہا کر رہی ہیں

ਸ੍ਰੀ ਮਾਤਾ ਜੀਵਨੀ ਸੁਖੀ ਪੈਰਾ ਪੁਰਿਸ ਦੇ ਪਾਤ੍ਰੇ ਹੋ ਸਕੇ

لکھی ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سے ایک ہی سی پروفیشنر
 سب سے پہلے گئے تھے اور ان میں سے کچھ نے سول سروس
 میں، پورے مضافاتی اور پھر سروس میں، ان کی خدمات
 دیکھ کر بہت سی گلیے پائی جاتی تھیں۔ پروفیسر تو سب سے
 سونے سے پہلے تھے۔ میں ایک صاحب کو بہت دنوں سے
 پروفیسر سے ملنا تھا۔ پچھلے دنوں میں معلوم ہوا کہ وہ ٹیگ
 بنگالے والا چھوڑا ہے۔ یہاں یہ بڑی بات ہے کہ کسی
 کی حیثیت نہیں رہے۔ چلتی۔ کبھی کبھی ہوا۔ دھوکہ
 ہو جاتا ہے اور سرسید ہونا پوتا ہے۔ ہمارا انکوئی کا ہوا کسی
 جب بہت سے یہاں۔ سرسید ہونا میں پروفیسر تو اس
 Oriental Languages Department کے پردھان
 ڈاکٹر جی، جو اس سال جرمنی میں سسکریٹ پڑھ
 میں اور کلچرل قہلی ٹیگ میں بہت سی گلیے تھیں۔
 ایک چھوٹی سی سی۔ سے خود اٹھائے چلے آ رہے تھے۔
 ڈاکٹر جی، ہمارے بنگال کے کمرے میں رہتے ہیں اور بالکل
 گڈو ہیں۔ روز سویرے انہوں نے کمرے میں چھارو لگاتے دیکھا
 میں۔ اپنا سارا کام خود کرتے ہیں کیونکہ یہاں سولر دکان
 کا رواج نہیں ہے۔ ہندی ڈیپارٹمنٹ کے پردھان شری جن
 کو سولر کپڑے بہت پڑتے ہیں۔ یہ سسکریٹ کے پردھان ہیں۔
 رگ وید وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ انہی ہندی ٹیگ ہل
 نہیں پڑتے۔ ان کے کپڑے بہت سادے ہیں۔ نر انہی میں
 کہ ان سے بات کرنا ٹیگ ہے۔ بہت محنت کرتے ہیں۔
 'نہا ہند' سوشل پڑھتے ہیں۔ اس سے پتہ نکل کر
 لوگوں کو پڑھاتے ہیں۔ میں یہاں یہ دیکھ کر ہوا تعجب
 ہوا کہ 4th Year کے لوگ پتہ میں آپ کا لکھا ہوا
 'ہمداری ہم' والا ٹیگ سبق کی طرح پڑھ رہے تھے۔ یہ
 ٹیگ ان کے پتہ (Text) میں شامل تھا۔ لکھا
 سندھ لال جی کا 'چون کو الوداع' 1st اور 2nd
 میں کے پتہ میں تھا۔ 'نہا ہند' میں جو پروف
 غلطیاں رہ جاتی ہیں اس سے انہیں بڑی خبرانی ہوتی ہے۔
 غلط پڑھا ہوا ہے۔ ٹیگ میں میں سے ملتا ہے۔
 جب نہیں ملتا تو ہمارے آنے سے پہلے چھٹی صاحب کے
 یہاں پڑھتے جاتے تھے۔ یہاں ٹیگ کو دیکھ کر سائنکو
 اسرائیل گورا لکھتے ہیں۔ دیکھا تو ان کے ٹیگ۔ جب میں آیا
 تو ہندی ڈیپارٹ کے پردھان جن کو 'پرواسی جی' کی
 شیلی کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔ جب انہوں نے منجھ
 سے پوچھا تو منجھ نے کہا کہ میں نہیں آیا۔ جب انہوں نے
 'نہا ہند' لکھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے یہی منجھ
 صاحب کا چلنا دیکھا۔ بہت خرابی ہوئی۔ 'نہا ہند'
 میں جو میں سے سب سے پہلے ٹیگ چھڑے میں ان سب
 یہاں بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اور کسی سائنکو یا
 سائنکو کی طرف سے نہیں پڑھتے۔ 'جی بگ' کو چھڑ
 کر 'نہا ہند' کی طرف سے پڑھتے ہیں۔ یہ ٹیگ ٹیگ
 نو اور انہی میں سے پڑھتے ہیں۔ انہوں نے بڑی سی

और दुकानों की मंझोरी नहीं, पांच यहाँ नहीं होता, चीनी देसी दुकानों की विशाल दुकानें बड़ी दिखावट हैं, हमें उम्मीद है कि हमें और चीजें भी यहाँ मिल जायेंगी, यहाँ चीनी देसी हवाज ही बहुत चलता है, शकरकन्द, मूंगफली और तिल का बना सामान यहाँ हर दस क्रम पर मिलता है, जिसे देखो वचली हुई शकरकन्द खाता चला जा रहा है, चार खाने में इतनी खियादा मिल जाती है कि घर लाना मुश्किल हो जाता है, हम लोग दुकान पर खाते हैं और फिर जेब में भर कर घर ले आते हैं, फलों में सेब बहुत लोक प्रिय है, इसके अलावा अंगूर, नाशपाती, संतरा, अखरोट और कुछ नये चीनी फलों के ढेर जगह जगह लगे मिलते हैं, जो चीजें चीनी लोग अपने खाने में इस्तेमाल करते हैं वह बेहद सस्ती हैं, यहाँ चीनियों के कामन ब्रेड में खाने का 20 रुपये महीना पड़ता है जिसमें सुबह का नाश्ता भी शामिल है और हर वक़्त खाने के साथ गोश्त मिलता है, गोश्त यहाँ बहुत खियादा सस्ता है, सिर्फ़ तरकारी वगैरह खाना रहस। समझा जाता है, क़रीब क़रीब सभी लोग गोश्त खाते हैं, सर्दी बहुत खियादा है बिना गोश्त खाये चीनी रह नहीं सकते, तरकारी भी गोश्त से मिला कर खाते हैं.

अभी यहां टेम्परेचर 10° के आस पास है। बिकट सर्दी है। जब हवा जोरों से चलती है तो खुदा याद आता है। हमारा कमरा भाप से गरम रहता है इसलिये कमरे के अन्दर बड़ा आराम रहता है, पर बाहर निकलते ही आकस्म आती है। फरवरी के अन्त तक सर्दी रहेगी। फिर बसन्त आयेगा। यहां के रुई के कपड़े पहन कर हम भाखू लगते हैं। आंड़ने के लिये दो मांटे लिहाक, बिछाने के लिये दो मांटे गद्दे और पहनने के लिये सब रुई के मांटे मोटे कपड़े। जूते से लेकर टांपा तक रुई ही रुई। पीने के लिये हमेशा गरम पानी थरमस में रक्खा रहता है। यहां गरम पानी बराबर पीते रहना बहुत जरूरी है। नहाने का आम तौर से दिवाज नहीं है। पाखान में पाना नहीं इस्तेमाल किया जाता। आम तौर से पाखानों में बरबादे भी नहीं होते। हमारे यहां तो लगे हैं फिर भी चीनी लोग दरवाजा बन्द नहीं करते।

विरवविद्यालय शहर से करीब 10 मील दूर है। पास पास गांव हैं। विरवविद्यालय के अन्दर के प्राकृतिक दृश्य कमाऊ के हैं। बड़े भारी इलाक़े में बसा हुआ है। छः हजार विद्यार्थी यहां रहते और पढ़ते हैं। रहने, खाने, पीने, लड़ने का खर्च सरकार देती है। कपड़ा भी सरकार से मिलता है। यहाँ की सादगी के बारे में अगर ज़िख़्त तो आपको यकीन नहीं जायेगा। ऐसा मासूम होता है कि पाठशाला में हैं, कौशल का काम निशान नहीं। डाले डाले रुई के कपड़े पहने विद्यार्थी और लड़कियाँ अजीब सी

لوہ آگہی بھی پہنکی نہیں۔ ہاں یہاں نہیں ہوتا۔ چھٹی
بھوسہ دو انگوٹوں کی مثال دوکانوں پر ہی ڈال دیا ہوتا ہے۔
میں اس پر کہ میں اور چوڑیں بھی یہاں مل جائیں
گی۔ یہاں چھٹی دیسی علق ہی بہت چلتا ہے۔
شکر قند، مونگ پھلی اور تل کا ہلکا سا تان یہاں ہر دس
قند پر ملتا ہے۔ جسے دیکھ کر اہلی عورتی شکر قند
کھانا چاہتا رہتا ہے۔ چار آٹے میں انکی زیادہ مل جاتی
ہے کہ کھر لانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ دوکان پر
کھاتے ہوں اور پھر چھپ میں بہر کر کھر لے آتے ہوں۔
پہلوں میں سبب بہت لوگ پرہے ہے۔ اس کے علاوہ
انگور، ناشپاتی، سلگڑا، اخروٹ اور کچھ نئے چھٹی پہلوں
کے قہور جگہ جگہ لگے ملتے ہوں۔ جو چوڑیں چھٹی
لوگ اچے کھاتے ہیں استعمال کرتے ہیں وہ بے حد سستی
ہیں۔ یہاں چھلوں کے کاسن سسر میں کھاتے کا 20
روپے مہلت ہوتا ہے جس میں صبح کا ناشتہ بھی شامل ہے
اور ہر وقت کھانے کے ساتھ گوشت ملتا ہے۔ گوشت یہاں بہت
زیادہ سستا ہے۔ صرف ترکاری وغیرہ کھانا دیکھی سمجھا
جاتا ہے۔ قریب قریب وہی لوگ گوشت کھاتے ہیں۔
سردی بہت زیادہ ہے۔ ہلکا گوشت کھانے چھٹی وہ نہیں
سکتے۔ ترکاری بھی گوشت میں مل کر کھاتے ہیں۔

ابھی یہاں تھوڑا بچہ 10° کے آس پاس ہے۔
 بگم سردی ہے۔ جب ہوا زوروں سے چلتی ہے تو خدا
 یاد آ جاتا ہے۔ ہمارا کمرہ بہانہ سے گرم رہتا ہے اس لئے
 کمرے پر اندر ہوا آرام دھتا ہے۔ پر باہر نکلتے ہی آفت
 آتی ہے۔ فروری کے امت تک سردی دھے گی۔ پھر ہلسمٹ
 آئے گا۔ یہاں کے روئی کے ٹھوڑے بہن گرم بھالو لگتے ہیں۔
 آواز دھنے کے لئے دو موٹے لہجاف کے لئے دو موٹے گندے
 اور پھلنے کے لئے سب روئی کے موٹے موٹے ٹھوڑے۔ جوتے سے
 لہکر توبی تک روئی ہی روئی۔ پھلنے کے لئے ہمیشہ گرم
 پانی تھوسس میں دیکھا دھتا ہے۔ یہاں گرم پانی
 پرانے پھتے دھتا بہت ضروری ہے۔ نہانے کا عام طور سے رواج
 نہیں ہے۔ پاحالے میں پانی نہیں استعمال کیا جاتا۔
 عام طور سے پانخانوں میں دروازے بھی نہیں ہوتے۔ ہمارے
 یہاں تو لگے ہیں پھر بھی چھیلی لوگ دروازہ بند
 نہیں کرتے۔

وہو دیوالیہ شہر سے قریب 10 میل دور ہے۔ اس
پسین گوں میں۔ وہو دیوالیہ کے اندر کے پرانے کتہہ
کمال کے ہیں۔ بڑے بھاری قلعے میں بسا ہوا ہے۔ چو
ہوار دیواروں میں دھتے اور پودے ہیں۔ رات کو
پہلے پڑھنے کا خرچ سرکار دیتی ہے۔ کچرا بھی سرکار سے ملتا
ہے۔ یہاں ٹی سائیکل کے بارے میں اکثر لوگوں کو
پتہ نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں میں
کسی بھی کا نام نہان نہیں۔ قلعہ قلعہ دیوٹی
کے کتہہ پڑھنے دیواروں اور کتہوں میں

چین سے ایک خط

[श्री पुरुषोत्तम प्रसाद और श्री भान चन्द्र वर्मा 'नया हिन्द' परिवार के ही हैं। पुरुषोत्तम जी सितम्बर-अक्टूबर 1951 में पंडित सुन्दरलाल जी के साथ डेलीगेशन के सेक्रेटरी हो कर चीन गए थे- उन्हें चीन भा गया। वह 9 दिसम्बर 1952 को हवाई जहाज से उड़कर फिर पीकिंग पहुंच गए। श्री भानचन्द्र वर्मा और पुरुषोत्तम जी पीकिंग विश्व विद्यालय में हिन्दी के लेक्चरर नियुक्त हुए हैं। उनका खत हम खुशी से पाठकों के सामने पेश करते हैं। इस खत में चीनी जीवन की काफ़ी जानकारी मिलती है। हमें आशा है कि समय समय पर हम पाठकों को चीनी जीवन का ऐसा झंझूका बराबर भेंट करते रहेंगे—पंडीटर]

पूज्य महात्मा जी,

एक पत्र मैंने आपको जल्दी में लिखा था। आशा है मिल गया होगा। आपका कृपा पत्र भी मिल गया बड़ी तसल्ली हुई। पर मैं जल्दी जवाब नहीं दे सका आशा है माफ़ करेगा। पहला पत्र जब मैंने आपको लिखा था तब पढ़ाना शुरू नहीं किया था। 29 दिसम्बर से पढ़ाना शुरू किया। क़रीब एक महीना होने आया। शुरू शुरू में 3rd Year और 4th Year के विद्यार्थी मेरे पास आते थे और तरह तरह के ग्रामर के सबाल पूछते थे। मैंने कभी भी हिन्दी ग्रामर की कोई किताब नहीं पढ़ी थी, इसलिये पढ़ाई शुरू करने के पहले मैं नरवस हा गया। 3rd Year और 4th Year के विद्यार्थी का कैसे पढ़ाऊंगा। हमें 3rd Year और 4th Year की ही प्रामेदारा दी गई है। इसी नरवस होने की हालत में आपको पहला खत लिखा था। साथ ही साथ खानें का भी प्रबन्ध नहीं हुआ था इसलिये भी कुछ चिन्ता थी। लेकिन 29 दिसम्बर को क्लास में जाते ही सारी घबराहट खतम हो गई, मैं खूब मेहनत से पढ़ाने लगा। विद्यार्थी बहुत खुश हो गए। मुझे भी तैयारी में काफ़ी समय लगाना पड़ा। इस तरह 10 या 15 दिन बाद मैं ठीक हो गया। वर्मा जी भी खूब मेहनत करते हैं और विद्यार्थी उनसे भी बहुत खुश हैं। लेकिन हम लोगों को और किसी काम के लिये ज़रा भी समय नहीं मिलता है। पहली फ़रवरी से परीक्षा है। अगला हफ़्ता पराक्षा का तैयारी के लिये रक्खा गया है। इसालिये काई नया पाठ तैयार नहीं करना है। अब समय मिला तो सबसे पहले

چین سے ایک خط

[شری پرشوتم پرساد اور شری بہان چندر ورما]

'نیا ہند' پرشوار نے ہی میں۔ پرشوتم جی ستمبر-اکتوبر 1951 میں پندت سندر لال جی کے ساتھ ڈیلیگیشن کے سیکریٹری ہو کر چین گئے تھے۔ انہیں چین بھا گیا۔ وہ 9 دسمبر 1952 کو ہوائی جہاز سے اُتر کر پیکنگ پہنچ گئے۔ شری بہان چندر ورما اور پرشوتم جی پیکنگ و شرو دیوالیہ میں ہندی کے لکچرار نہایت ہوئے ہیں۔ ان کا خط ہم خوشی سے پاتھوں کے سامنے پہنچا کرتے ہیں۔ اس خط میں چھٹی چھوٹی کی کالی جاکڑی ملتی ہے۔ ہمیں آشا ہے کہ سب سے سب پر ہم پاتھوں کو چھٹی چھوٹی کی ایسی جھانکماں براہ پھیلنے دیتے رہیں گے۔

پوجہ مہاتما جی

اپنے پتر میں نے آپ کو جلدی میں لکھا تھا۔ آشا ہے مل گیا ہوگا۔ آپ کا ڈیرا پتر بھی مل گیا ہو سکتی ہوگی۔ پر میں جلدی جواب نہ دے سکا آشا ہے معاف فرما کر۔ پہلا پتر جب میں نے آپ کو لکھا تھا تب پڑھانا شروع نہیں کیا تھا۔ 29 دسمبر سے پڑھانا شروع کیا۔ کریب ایک مہینہ ہوا آہا۔ شروع شروع میں 3rd Year اور 4th Year کے دیوارنی مہرے پاس آتے تھے اور طرح طرح کے کواسر کے سوال پوچھتے تھے۔ میں نے کہی۔ یہی ہندی گرامر کی کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اس لئے پڑھانی شروع کرنے کے پہلے میں برسوں ہو گیا تھ 3rd Year اور 4th Year کے دیوارنیوں کو لیسے پڑھاؤں گا۔ میں 3rd Year اور 4th year کی ہی ذمہ داری دی گئی ہے۔ اسی برس ہوئے کی حالت میں آپ کو پہلا خط لکھا تھا۔ اب وہی سالہ لکھنے کا بھی پرہندہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے بھی لکھ چکا تھی۔ لیکن 29 دسمبر کو کلاس میں جاتے ہی ساری گھبراہٹ ختم ہو گئی۔ میں خوب محنت سے پڑھانے لگا۔ دیوارنی بہت خوش ہو گئے۔ سچہ بھی تھاری میں کافی سے لگا پڑا۔ اس طرح 10 یا 15 دن بعد میں تھوٹ ہو گیا۔ ورما جی بھی خوب محنت کرتے ہیں وہ دیوارنی ان سے بھی بہت خوش ہیں۔ مگر ہم لوگوں کو اور کسی کام کے لئے فرا بھی سے نہیں ملتا ہے۔ پہلی دروزی سے پرکشا ہے۔ اگلے ہفتہ پرکشا کی تیاری کے لئے دیا گیا ہے۔ اس لئے کوئی دیا پاتھ لکھا نہیں دیا ہے۔ اب سے ملے تو سب سے پہلے

میرے فیلاسفر کہہ کر چلا گیا کرتے تھے... لہذا وہ سبھا سہکا
لہذا... وہ سب... ہوتا تھا... میں فلاسفر بننا چاہتا تھا
اور موت مجھے یہاں کھینچ لائی۔۔۔

”موت کہوں ہاتھ کھٹ... تم خود یہاں آکر کوریا
لے کر آ کر... امریکہ کی ایشیا میں کھس کر رکھا کرتے۔۔۔“

”لوہیں فلور“ میں مجبور ہوا... میری طرح سارے
امریکی نوجوان مجبور ہیں... میں فلاسفر بننا چاہتا
تھا... مجھے کوئی سے ہوا مطلب! لیکن... کار کے
حکم کے انصار مجھے یہاں آنا پڑا... مرنا پڑا... جب میں
نے گھر چھوڑا تھا... میری بہن دو رہی تھی... میری ماں
دو رہی تھی... پر ان آموں میں ان آموں میں وہ
طالت نہیں تھی جو مجھے موت کے ملہ میں جانے سے
روک سکتی۔۔۔۔۔“

”لیکن طالت پیدا ہو رہی ہے‘ دوست... اب کوئی
ماں آسانی سے اپنی کود اچھے نہیں دیکھتی... اب کوئی
بہن اپنے بھائی کو مرنے نہیں دیکھتی... طالت پیدا ہو
رہی ہے‘ بڑھ رہی ہے‘ مضبوط ہو رہی ہے۔۔۔۔۔“

”کس کی طالت؟ فلور... کونسی طالت...“

”تھانسی کی طالت ہاتھ کھٹ‘ شاعری کی طالت...“

”کھوسٹ! شوٹ!“ ایک چھپ زراٹے سے آکر
سامنے دکی اور اس میں سے آواز آئی۔

تو تو تو۔
اور فلور مر گیا
پر شاعری زندہ ہے! — امر ہے !!

—محبوب دہروی

غلام اور آقاہد میں یہی فرق ہے کہ غلام مرنے کے لئے
جیتا ہے مگر آزاد چھپ کے لئے مرنا ہے‘ غلام کی زندگی
موت کے برابر ہے مگر آزاد کی موت ہی زندگی ہے۔

—الکات

—الکات
+ X X X
قانون آدمیوں کو کہیں آزاد نہیں بنائے گا! آدمیوں
کو ہی قانون کو آزاد بنانا ہوگا۔

—تھورو

—مجاہد
X X X
کائنات انسانوں کو کبھی آقاہد نہیں بناوگا،
انسانوں کو ہی کائنات کو آقاہد بنانا ہوگا۔

—تھورو

—تھورو

”انسان انسان ایک ہیں، توڑے کالے ترقی حماراچ کا ایک چال ہے“

”ہر گز سامراجی نہ“۔

اپنی انسانیت بھجی ہوئی ہے، اُسے وہ کرنا ہوتا ہے جو سالک اُس سے کرنا چاہتے ہیں۔

کدور دھورے دھورے اُس آدمی کے پاس پہنچ گیا ۔
 منہ ایک کتاب سے دھکا ہوا تھا ۔ خون کی پہریاں جم
 گئی تھیں ۔ معلوم ہوتا تھا بہت دیر سے زخمی ہوا ہے ۔

فلور نے کتاب ملوے ہوئے تھا۔ اس کے لیے خون میں
 لکھی ہوتی تھی۔ کتاب کا نام وہ پتہ
 ایک صحنے پر خون کے چھوٹے گڑھے میں اس کو اپنا

نام لکھا معلوم ہوا۔ تعجب سے اس نے اس کو چھوڑا۔
 ”گدھو! ابھی مت کھاؤ۔ مجھ... ابھی میں زندہ
 ہوں... ابھی میں بھٹی یادوں کا آئندہ رہا ہوں...
 کمالیہا! ایک نعمت ہے کہ سہولت ہے۔“

”گدھ نہیں ہیں بھائی“ میں ہوں... ایک آدمی...
 آنکھیں کھولو...
 ایک خاموشی چھائی رہی۔

ایک خاموشی چھائی رہی ،

گنور درو گر چہمپ سے پانی لایا اور اُس آدمی کا منہ دھلایا ۔

”محبوب ہاں، یہ دو‘ مہرے انتہائی دوست...“

پانی پی کر زخمی نے آنکھ کھول دی۔ پھر اُس نے
 اُنکھ ہلکے کر لی۔
 ”تم کون ہو؟“

”نم کون ہو؟“

”میں ڈاکٹر ندور ہوں... بھارتی ایمبولنس کے ساتھ کوریا کے مروجے پر آتا ہوں...“

”ندور!“ زخمی نے تعجب سے کہا اور ایک خوشی

اُس کے منہ پر کھل گئی۔
 ”میں ہاتھ کھٹ ہوں، کلور...“
 ”ہاتھ کھٹ!“

”ہاں، کیسے؟“

اور کدور نے ہاتھ پھیلا کر ہاتھ گھمک کا سر جانکوں پر رکھ لیا۔

”کلور“ میں تمہارا تحفہ ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں۔
یہ دے نہ... جب میں امریکہ واپس جا رہا تھا تو تم نے
مجھے ایک تحفہ دیا تھا...”

’یاد ہے ہاتھ گھٹا‘ خوب یاد ہے...“ پر اگر میں یہ جانتا کہ تم لوانی کے میدان میں ملوگے تو میں تمہیں گوتانچلی بھولت نہ کرتا... میں نے تمہیں کچھ اور

”اب کڑی باتیں یاد کرنے سے کہا فائدہ... کہا کیا پہلے تم..... میں لکھ رہا تھا چاہتا تھا..... میں

لہجہ بھلا چاہتا تھا..... یاد ہے نہ..... تم لوگ

جیپ کھڑے سے نکل گئی اور دُری کی گود میں آواہان گونج رہی تھی۔

کونر نے بھی راستا بدلت دیا۔ وہ جب سیٹھل میں پہنچا تو اچھٹا ہوا تھا، مٹی کے سناٹے نے ہر طرف ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ لہٰذا..... اب..... بگڑ رہی تھی۔ دھول جھل رہی تھی، گولیاں چل رہی تھیں، گولیاں جھل رہی تھیں، سامان پھینکا جا رہا تھا۔ اُسامریکی سیپاہی باغ رہے تھے، باغ لگا رہے تھے، لڑ رہے تھے۔ لڑائی کا اُسامریکی لگتا تھا اور بدقسمت دیو کی طرح ٹرک اُن کو روندتے آئے ہوئے تھے۔

کوریانہ کی سہاویں ہو رہی تھیں! اُسکی آواز بچاؤ جا رہی تھی!! اُسکو اُٹھاتا رکھا جا رہا تھا!!!

اُسامریکی کوریانہ کے جگمگاتے ٹرکوں کی آواز اُسامریکی سیپاہیوں کے دھڑکنے والے دل سے جا رہی تھی۔ اُنہوں نے سر نیچے کر رکھے تھے، مٹھ پر کپڑے ڈال لیے تھے۔

کونر نے تاجڑ سے اس سائن کو دیکھا: ایک کوریانہ جیپ ننگی لڑی کر رہی تھی اور جگمگاتے ٹرکوں کی آواز اُسامریکی سیپاہیوں کے دھڑکنے والے دل سے جا رہی تھی۔ اُنہوں نے سر نیچے کر رکھے تھے، مٹھ پر کپڑے ڈال لیے تھے۔

”میرے بھائیوں سیپاہیوں، مت سر نیچا کرو۔ کوئی پرچہ نہیں ہے آج تمہاری بھین ننگی لڑی ہے۔ قسم کھاؤ، میرے اِس ننگی کا نہ تم ہمت نہیں کرو گے، اُٹھا چار کے سامنے لڑتے نہیں سوزو گے.....“

تو تو گولیاں چلیں اور اُس صورت کی آواز سدا کے لئے بلند کر دی گئی..... پر انسانیت کی آواز بلند نہیں ہو سکتی!!

کونر ایسے ہنگامے دیکھتا تھا کہ نہ جانے کہاں نکل گیا—شہر سے دُور، بہت دُور—جیپ تھی، بڑھ رہی تھی، جیپ میں ایک مرد لاش اور بے! راستہ ہی اُسکا ساتھی تھا اور وہ ہی اُسکا ہمراہ۔

جیپ میں پور کی بڑھ لگی اور ’پیر‘ کے ایک لڑکے شہر کے ساتھ جیپ بک رہی۔ سامنے ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ کونر اُتر کر اُسکے پاس جانے لگا:

”یہ کسی گودے کی لاش ہے، اچھا بڑا مر گیا..... گودے!“ اور اُسکے منہ پر نکرانہ کی ایک ریتا لگا رہی۔

”تو انسان ہو“ کسی نے جیسے اندر سے اسے پوچھا۔

”لہٰذا یہ لوگ انسان نہیں ہیں..... یہ صرف گودے ہیں.....“

”سیپاہی کی کیا بات ہو سکتی ہے..... یہ تو انسان ہے..... یہ تو انسان کی بے رحمی کا ایک نمونہ ہے.....“

”یہ تو گودے ہیں۔“

کونر نے بھی راستہ بدل دیا۔ وہ جب سیٹھل میں پہنچا تو اچھٹا ہوا تھا، مٹی کے سناٹے نے ہر طرف ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ لہٰذا..... اب..... بگڑ رہی تھی۔ دھول جھل رہی تھی، گولیاں چل رہی تھیں، گولیاں جھل رہی تھیں، سامان پھینکا جا رہا تھا۔ اُسامریکی سیپاہی باغ رہے تھے، باغ لگا رہے تھے، لڑ رہے تھے۔ لڑائی کا اُسامریکی لگتا تھا اور بدقسمت دیو کی طرح ٹرک اُن کو روندتے آئے ہوئے تھے۔

کوریانہ کی سہاویں ہو رہی تھیں! اُسکی آواز بچاؤ جا رہی تھی!! اُسکو اُٹھاتا رکھا جا رہا تھا!!!

اُسامریکی کوریانہ کے جگمگاتے ٹرکوں کی آواز اُسامریکی سیپاہیوں کے دھڑکنے والے دل سے جا رہی تھی۔ اُنہوں نے سر نیچے کر رکھے تھے، مٹھ پر کپڑے ڈال لیے تھے۔

کونر نے تاجڑ سے اس سائن کو دیکھا: ایک کوریانہ جیپ ننگی لڑی کر رہی تھی اور جگمگاتے ٹرکوں کی آواز اُسامریکی سیپاہیوں کے دھڑکنے والے دل سے جا رہی تھی۔ اُنہوں نے سر نیچے کر رکھے تھے، مٹھ پر کپڑے ڈال لیے تھے۔

کونر نے تاجڑ سے اس سائن کو دیکھا: ایک کوریانہ جیپ ننگی لڑی کر رہی تھی اور جگمگاتے ٹرکوں کی آواز اُسامریکی سیپاہیوں کے دھڑکنے والے دل سے جا رہی تھی۔ اُنہوں نے سر نیچے کر رکھے تھے، مٹھ پر کپڑے ڈال لیے تھے۔

”میرے بھائیوں سیپاہیوں، مت سر نیچا کرو۔ کوئی پرچہ نہیں ہے آج تمہاری بھین ننگی لڑی ہے۔ قسم کھاؤ، میرے اِس ننگی کا نہ تم ہمت نہیں کرو گے، اُٹھا چار کے سامنے لڑتے نہیں سوزو گے.....“

تو تو گولیاں چلیں اور اُس صورت کی آواز سدا کے لئے بلند کر دی گئی..... پر انسانیت کی آواز بلند نہیں ہو سکتی!!

کونر ایسے ہنگامے دیکھتا تھا کہ نہ جانے کہاں نکل گیا—شہر سے دُور، بہت دُور—جیپ تھی، بڑھ رہی تھی، جیپ میں ایک مرد لاش اور بے! راستہ ہی اُسکا ساتھی تھا اور وہ ہی اُسکا ہمراہ۔

جیپ میں پور کی بڑھ لگی اور ’پیر‘ کے ایک لڑکے شہر کے ساتھ جیپ بک رہی۔ سامنے ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ کونر اُتر کر اُسکے پاس جانے لگا:

”یہ کسی گودے کی لاش ہے، اچھا بڑا مر گیا..... گودے!“ اور اُسکے منہ پر نکرانہ کی ایک ریتا لگا رہی۔

”تو انسان ہو“ کسی نے جیسے اندر سے اسے پوچھا۔

”لہٰذا یہ لوگ انسان نہیں ہیں..... یہ صرف گودے ہیں.....“

”سیپاہی کی کیا بات ہو سکتی ہے..... یہ تو انسان ہے..... یہ تو انسان کی بے رحمی کا ایک نمونہ ہے.....“

”یہ تو گودے ہیں۔“

ڈاکٹر نے کونر کے منہ پر لہجہ نیگاہ ڈالی اور ایک جھریلی مسکراہٹ اس کے منہ پر لیل پڑی۔

دونوں چپکے رہے—کونر کے منہ پر تاجزب یا اور ڈاکٹر کے منہ پر کڑیلی مسکراہٹ۔

”ڈاکٹر جلدی کرو... اسے بچالو...“ کونر نے خاموشی توڑی۔

”مر بھی جانے دو، ایک ‘گک’ کے مر جانے سے کیا کچھ بچتا ہے؟“ ڈاکٹر نے اس طرح جواب دیا جیسے کہ وہ کہتا ہو کہ میری موت سے تم کو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

”ڈاکٹر؟“

اور کونر کے دماغ میں امریکی سپاہی کے داکٹر کے گونج اٹھے۔ ”شاید تم یہ سوچتے ہو کہ تم بھی انسان ہو... تم کالے ہو اور ہم گہرے... گہرے اس لیے ہیں کہ کالوں پر راج کریں...“

”ڈاکٹر، تم ڈاکٹر ہو۔ تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے... تم ایسا ہی ہو ڈاکٹر... تم آدمی ہو ڈاکٹر...“

”میں اسپتال کا नियम نہیں توڑ سکتا۔ یہاں گھوڑوں کا دیکھنا نہیں ہو سکتا۔ یہ یورپیوں کے علاج کے لئے ہے...“

”میں لڑائی میں جاؤں تو میرا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”تمہارا بھی نہیں ہو سکتا“ ڈاکٹر نے اپنی ٹائف ٹیک کرتے ہوئے کہا۔

کونر کچھ بول نہ سکا، اس کا گلا بند ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹر پر اپنی آنکھیں گڑا دیں۔

کالوں کی مہارت کے بارے، آزادی، غلامی، گک، نیٹو، بھارت، امریکی سپاہی کی مار، کاریزائی بڑے کی کراہ اور کونر ڈاکٹر کی ہنسی—سب نے اسے آواز دیا—”भाग जाओ यहां से, निकल जाओ यहां से. यहां इंसान नहीं रहते.“

سامنے ڈاکٹر لڑائی کی طرح ہنس رہا تھا۔

کونر نے گیس سے فائر بंद کیا اور اپنی جیب سے اسٹارٹ کر کے ہینڈسٹین ایمریٹس کے ہینڈکوارٹر کی طرف چل پڑا۔ آج اسے روشنی ملی تھی، سب کچھ ملتا تھا۔ وہ اس مقام کو سب کو دیکھ رہا تھا۔

سامنے سے ایک جیب زنائے سے آئی۔ اس میں سے ایک ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ ”نکل چلو“ سہول ہو گیا ہے۔ چینی والوں نے چاروں طرف سے گھبراہٹ ڈال دیا ہے۔ امریکی بھاگ چکے ہیں... ہر طرف آگ لگی ہے... یوں کے سپاہیوں نے شہر میں آگ لگا دی ہے... भाग जाओ... कतरा है... निकल चलो... लौट जाओ...

ڈاکٹر نے کونر کے منہ پر توڑ لگا ڈالی اور ایک جھریلی مسکراہٹ اس کے منہ پر لیل پڑی۔

دونوں چپکے رہے—کونر کے منہ پر تاجزب یا اور ڈاکٹر کے منہ پر کڑیلی مسکراہٹ۔

”ڈاکٹر جلدی کرو... اسے بچالو...“ کونر نے خاموشی توڑی۔

”مر بھی جانے دو، ایک ‘گک’ کے مر جانے سے کیا کچھ بچتا ہے؟“ ڈاکٹر نے اس طرح جواب دیا جیسے کہ وہ کہتا ہو کہ میری موت سے تم کو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

”ڈاکٹر؟“

اور کونر کے دماغ میں امریکی سپاہی کے داکٹر کے گونج اٹھے۔ ”شاید تم یہ سوچتے ہو کہ تم بھی انسان ہو... تم کالے ہو اور ہم گہرے... گہرے اس لیے ہیں کہ کالوں پر راج کریں...“

”ڈاکٹر، تم ڈاکٹر ہو۔ تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے... تم ایسا ہی ہو ڈاکٹر... تم آدمی ہو ڈاکٹر...“

”میں اسپتال کا नियम نہیں توڑ سکتا۔ یہاں گھوڑوں کا دیکھنا نہیں ہو سکتا۔ یہ یورپیوں کے علاج کے لئے ہے...“

”میں لڑائی میں جاؤں تو میرا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”تمہارا بھی نہیں ہو سکتا“ ڈاکٹر نے اپنی ٹائف ٹیک کرتے ہوئے کہا۔

کونر کچھ نہ بول سکا اس کا گلا بند ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹر پر اپنی آنکھیں گڑا دیں۔ کالوں کی مہارت کے بارے، آزادی، غلامی، گک، نیٹو، بھارت، امریکی سپاہی کی مار، کاریزائی بڑے کی کراہ اور کونر ڈاکٹر کی ہنسی—سب نے اسے آواز دیا—”भाग जाओ यहां से, निकल जाओ यहां से. यहां इंसान नहीं रहते.“

“ہل، نیتھ، کولی” امریکی بدمذہب۔
 “ہم تمہارے سہا یک ہیں” کونر نے صبر دیا۔
 “تو مجھے سہا یک!...تو مجھے ہمارے ڈاکٹر سے ملنا ہے۔”

“چپ رہو”
 “تو ہٹ جاؤ”
 “تو اب ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔”
 “اس کتے کا میں کچھ پی جاؤں گا” امریکی نے کہا۔
 “کیوں، بالکل کیوں؟”
 “کسی نے ہمارا برا بھلا کرتا ہے...ہم اب یہ...
 یہ اپنا اختیار جاتا ہے...ہم سے جانتا لگتا ہے...”

“تو بھی انسان ہو، یہ بھی انسان ہے...تو بھی انسان رہا کرنے آئے ہو...”

“ابھی شاید تم یہ سوچتے ہو کہ تو بھی انسان ہو...
 تم کالے ہو اور ہم گورے...گورے اس لیے ہیں کہ کالوں
 پر راج کریں...برابری کا دعوہ...”

کونر نے بڑے کوریڈر کو کچھ پر لٹا اور اپنی
 جیب کی طرف متوجہ ہوا۔

گورے نے کونر کا تانا بھر پر بار نہیں کیا۔ وہ
 کھلے ہاتھ دیا تھا—“نیتھ، کولی، کولی...”

جیب اسپتال کی طرف بڑھ رہی تھی اور بڑھ
 کر رہ رہا تھا۔ کونر اس کی بات نہیں سمجھ سکتا تھا
 لیکن وہ اس کے دل پر لکیر ڈالتی جاتی تھی۔ ہر
 کراہ کے ساتھ وہ بے چین ہو جاتا اور سہمہ کر
 دیتا—رہ رہ کر گورے کے باطن اس کے دماغ میں گونج
 رہے تھے—

“شاید تو یہ سوچتے ہو کہ تو بھی انسان ہو...
 تو کالے ہو اور ہم گورے...گورے اس لیے ہیں کہ کالوں
 پر راج کریں...”

وہ امریکی اسپتال کے سامنے جیب روک دی۔
 اندھیرا ڈھانچا ہوا تھا۔ وہ دوڑا دوڑا اندر گیا۔ جیب
 پریشانی چھائی تھی۔ اس نے نرسوں سے ڈاکٹر کا پتہ
 پوچھا۔ کسی نے قہقہے سے اتر نہ دیا۔ وہ چھپا ہوا ڈاکٹر
 آتھر کے کمرے میں گھس پڑا۔

ڈاکٹر آتھر وہاں دھڑل رہے تھے۔ کونر نے ہانپتے
 ہانپتے کہا:

“ایک کوریڈر، بڑا بڑا جھگڑا ہو گیا ہے...
 ڈاکٹر اسے جلدی بچاؤ...چلو، ڈاکٹر...اسے
 جلدی بچاؤ...وہ مرنے جا رہا ہے...اسے گولی لگی
 ڈاکٹر، ایک سیپاہی نے بڑے کی ٹوکریں ماری
 ہیں...بھلا بھلا ڈاکٹر...وہ مرنے جا رہا ہے...
 ڈاکٹر...”

“ایک کوریڈر، بڑا بڑا جھگڑا ہو گیا ہے۔”

“ہم تمہارے سہا یک ہیں” کونر نے اتر دیا۔

“تم اور سہا یک!...تم کو ہم نے ڈاکٹر سے خریدنا ہے۔”

“چپ رہو”

“تم ہٹ جاؤ”

“تم اب ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔”

“اس کتے کا میں کچھ خون پی جاؤں گا” امریکی نے کہا۔

“کیوں، بالکل کیوں؟”

“کسی نے ہمارا برا بھلا کرتا ہے...ہم اب یہ...
 یہ اپنا اختیار جاتا ہے...ہم سے جانتا لگتا ہے...”

“تو بھی انسان ہو، یہ بھی انسان ہے...تم ان کی
 دیکھا کرتے آئے ہو...”

“ابھی شاید تم یہ سوچتے ہو کہ تم بھی انسان ہو...
 تم کالے ہو اور ہم گورے...گورے اس لیے ہیں کہ کالوں
 پر راج کریں...برابری کا دعوہ...”

کونر نے بڑے کوریڈر کو کچھ پر لٹا اور اپنی جیب
 کی طرف متوجہ ہوا۔

گورے نے کونر کا تانا بھر پر وار نہیں کیا۔ وہ کھلے ہاتھ
 دیا تھا—“نیتھ، کولی، کالی...”

جیب اسپتال کی طرف بڑھ رہی جا رہی تھی اور بڑھ
 کر رہ رہا تھا۔ کونر اس کی بات نہیں سمجھ سکتا تھا
 لیکن وہ اس کے دل پر لکیر ڈالتی جاتی تھی۔ ہر
 کراہ کے ساتھ وہ بے چین ہو جاتا اور سہمہ کر
 دیتا—رہ رہ کر گورے کے باطن اس کے دماغ میں گونج
 رہے تھے—

“شاید تم یہ سوچتے ہو کہ تم بھی انسان ہو...
 تم کالے ہو اور ہم گورے...گورے اس لیے ہیں کہ کالوں
 پر راج کریں...”

وہ امریکی اسپتال کے سامنے جیب روک دی۔

اندھیرا ڈھانچا ہوا تھا۔ وہ دوڑا دوڑا اندر گیا۔ جیب
 پریشانی چھائی تھی۔ اس نے نرسوں سے ڈاکٹر کا پتہ
 پوچھا۔ کسی نے قہقہے سے اتر نہ دیا۔ وہ چھپا ہوا ڈاکٹر
 آتھر کے کمرے میں گھس پڑا۔

ڈاکٹر آتھر وہاں دھڑل رہے تھے۔ کونر نے ہانپتے
 ہانپتے کہا:

“ایک کوریڈر، بڑا بڑا جھگڑا ہو گیا ہے...
 ڈاکٹر اسے جلدی بچاؤ...چلو، ڈاکٹر...اسے
 جلدی بچاؤ...وہ مرنے جا رہا ہے...اسے گولی لگی
 ڈاکٹر، ایک سیپاہی نے بڑے کی ٹوکریں ماری
 ہیں...بھلا بھلا ڈاکٹر...وہ مرنے جا رہا ہے...
 ڈاکٹر...”

”یہ उत्तरी کوریا ہے یا दक्खिनी कोरिया ?“ किसी ने जैसे उससे पूछा.

न यह उत्तरी कोरिया है, न दक्खिनी कोरिया. यह अलग अलग नहीं है. कोरिया की लाश के दो टुकड़े हैं.....दो टुकड़े !

उस लाश पर उसने दो आंसू बहाए. भारी मन से जीप में आ कर बैठ गया. नक्शा और कमपास निकाल कर अपने लिये एक रास्ता तय किया और एक धक्के के साथ आगे बढ़ गया.

नाले, खन्धक, खेत, मैदान, सब को पार करता वह आगे बढ़ता जा रहा था.

उसे एक ही ध्यान था कि उसे स्थूल जाना है.

स्थूल भी आ गया !

अभी चांदनी नहीं निकली थी. अभी अन्धेरे ने अपना मुंह नहीं छिपाया था स्थूल अन्धकारमय था. कहीं रोशनी नहीं थी. कहीं उजाला नहीं था.

कुंवर जीप उड़ाता जाता था. यूनो के मेस में अमरीकी सिपाही उसे टोकते थे और वह पास देता तेजी से आगे बढ़ता जाता था. एक चौराहे पर उसने सुना:

”गुक“

फिर मारने की आवाज आई—साथ में एक यातना भरी फरियाद भी.

कुंवर रुक गया—फिर चलने लगा.

फिर मार—बूट की ठोकर—फिर वही कराह.

वह उतर कर इस दृश्य के क़रीब चला गया.

”गुक, बदमाश“ अमरीकी सिपाही ने कहा, और एक ठोकर जमाई.

बूड़े कोरियाई ने खून उगल दिया.

गोरे ने ताबड़ तोड़ मुक्के जमाए.

बूढ़ा हर बार सिर्फ इतना कहता—”बाबा, मैं कहां जाऊं, मेरा घर जल गया, मेरा खानदान तितर बितर हो गया. मेरी जायदाद लुट गई. मैं अपनी ज़मीन पर चल भी नहीं सकता. अपने देश पर मुझे इतना भी अधिकार नहीं... मैं अपनी सबकों पर क्रोध भी नहीं रख सकता...”

कुंवर के होंट हिले और उसने दर्द से दोहराया—”मैं अपनी ज़मीन पर चल भी नहीं सकता, अपने देश पर मुझे इतना भी अधिकार नहीं... मैं अपनी ज़मीन पर चल भी नहीं सकता...”

गोरे ने बूड़े को फिर एक मुक्का मारा... उसने फिर खून उगल दिया.

कुंवर में जैसे बिजली की करन्ट दौड़ गई. वह बिना किसी भी प्रकार का ध्यान किये वहां पहुँच गया. उसने गोरे के ठठे हुए हाथ रोक लिये.

”وہ اتنی کوریا ہے یا دھکلی کوریا ؟“ کسی نے جیسے

اس سے پوچھا .

نہ یہ اتنی کوریا ہے، نہ دھکلی کوریا . یہ الگ الگ نہیں ہیں . کوریا کی لااش کے دو ٹکڑے ہیں.....دو ٹکڑے !

اُس لاش پر اُس نے دو آنسو بہائے . ہماری من سے جھپٹ میں آ کر بہنے لگا . نقشہ اور کمپاس نکال کر اپنے لیے ایک راستہ طے کیا اور ایک دھمکے کے ساتھ آگے بڑھ گیا .

نالے، خلدک، کھمٹ، میدان، سب کو پار کرتا وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا .

لے ایک ہی دھیان تھا کہ اسے سہول جانا ہے .

سہول بھی آ گیا !

ابھی چاندنی نہیں نکلی تھی، ابھی اندھوے نے اپنا منہ نہیں چھپایا تھا . سہول اندھکار سے تھا . کہیں روشنی نہیں تھی، کہیں اُجالا نہیں تھا .

کلور جھپٹ اُڑاتا جاتا تھا . یو نو کے بوہنوں میں امریکی سپاہی اسے ٹونکتے تھے اور وہ پاس دیتا تھوڑی سے آگے بڑھتا جاتا تھا . ایک چوراہے پر اُس نے سنا :

”گک“

پھر مارنے کی آواز آئی—ساتھ میں ایک یااتنا بھی

فریاد بھی .

کلور رک گیا—پھر چلنے لگا .

پھر مار—بوٹ کی ٹھوکر—پھر وہی کراہ .

وہ آگے کر اس درخشاہ کے قریب چلا گیا .

”گک، بدسماہی“ امریکی سپاہی نے کہا، اور ایک

ٹھوکر جھٹائی .

بڑھے کوریائی نے خون اُگل دیا .

گورے نے تابو توڑ سکے جھٹائے .

بڑھا ہر بار صرف اتنا کہتا—”بابا، میں کہاں جاؤں، میرا گھر جل گیا، میرا خاندان تعزیر ہو گیا . میری جائداد امت لگئی . میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا . اپنے دیہے پر مجھے اتنا بھی ادھکار نہیں

.....میں اپنی سڑکوں پر قدم بھی نہیں رکھ سکتا.....“

کلور کے ہونٹ ہلے اور اُس نے درد سے دہرایا—”میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا، اپنے دیہے پر مجھے اتنا بھی ادھکار نہیں.....میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا.....“

گورے نے بڑھے کو پھر ایک مٹکے مارا.....اُس نے پھر خون اُگل دیا .

کلور میں جیسے بجھلی کی کرنٹ دور لگی . وہ بلحا کسی چیز کا دھیان نہ وہاں پہنچ گیا . اُس نے گورے کے آگے ہاتھ روک لیے .

”کچھ، کچھ! کچھ کے تو ہیں توں.....“

ممن کی کوبللتا منکشاہٹ کے समय भी उससे अलग न थी.

उसने जोर से सिगरेट के टुकड़े को जमीन पर फेंका और पैर पटक कर उस चीज की तरफ चला पड़ा—

तड़, तड़, तड़, तड़

गोलियां की बौछार होने लगी. कहां से और किधर से इसका पता नहीं लग सकता था. कुंवर का लक्ष्य सायब हो गया, वह खुद ही गुम सा हो गया. किस तरह वह जीप के नीचे लेटा था, इस विवरण को बताना उसके बस की बात नहीं थी. वह जीप के नाचे दम साधे पड़ा था.

कुछ देर के लिये सन्नाटा.

फिर गोलियों की बौछार.

जहाज की घरघराहट.

फिर सन्नाटा.

फिर बमों का धमाका

इस बार लम्बा सन्नाटा छाया रहा, कुंवर के दम में दम आया. मलेरिया का जाड़ा उतर गया था, पर डर अभी बाक़ी था. वह अपनी जगह से नहीं डिगा. पन्द्रह मिनट और बीत गए.

दिमारा ने कहा—”वह लौट जाय.”

मन ने कहा—”नहीं, अख़मी को ले कर जायगा.”

इन्सान जीत गया.

कुंवर ने फिर लाइटर जलाया और तेज़ी से उस तरफ बढ़ गया.

फिर गोली चली.

वह वहीं लेट गया. लाइटर बुझ गया, रोशनी ख़तम हो गई, अन्धेरा छा गया.

फिर सन्नाटा छा गया. देर तक गोली नहीं चली.

वह घिसलने लगा, घिसलता गया, घिसलते घिसलते थक सा गयाफिर उसने लाइटर जलाया. उसने देखा :

बिलकुल उसी के सामने एक ग़ज़ के फ़ासले पर एक औरत पड़ी है. एक बच्चा उसकी छाती से चिमटा हुआ है शायद मां ने मरते समय बच्चे को प्यार किया था, अपनी गांठ में भींच लिया था. वह उसके बिलकुल करीब चला गया. लाश दो जगह से पिघुल्लो हो गई थी. जीप के पहियों ने इन्सान पर चलने का सौभाग्य प्राप्त किया था !

वह मन ही मन गिड़गिड़ाते लगा, समा चाहने लगा. उसने अपने की दोषी समझ लिया. उसका खयाल था कि क़त्ली जीप ने ही यह अत्याचार किया है.

समा के वह और करीब हो गया, लाइटर और करीब ले गया.

”فرقی! فرقی! تو میں کنگ.....“

من کی کو ملتا جھٹھلاہٹ کے سے بھی اس سے انگ نہ تھی. اس نے زور سے سگریٹ کے ٹکڑے کو زمین پر پھینکا اور پھر پتک کر اس چھڑ کی طرف چل پڑا—
”تو، تو، تو“

گولہوں کی بوجھار ہونے لگی، کہاں سے اور کدھ سے اسکا پتہ نہیں لگ سکتا تھا. کدور کا لکھ غائب ہو گیا، وہ خود ہی کم سا ہو گیا. کس طرح وہ جھپ کے نیچے لوٹا تھا اس ورن کو بتانا اسکے بس کی بات نہیں تھی. وہ جھپ کے نیچے دم ساڈھ پڑا تھا.

کچھ دیر کے لئے سناٹا.

پھر گولہوں کی بوجھار.

جہاز کی گھر گھراہٹ.

پھر سناٹا.

پھر بھوں کا دھماکا.

اس بار لمبا سناٹا چھایا رہا، کدور کے دم میں دم آیا. ملهریا کا جاڑا اتر گیا تھا، پر قدر ابھی باقی تھا. وہ اہلی جگہ سے نہیں ڈگا. پلندہ ملت اور بہت گئے.

دماغ نے کہا—”وہ لوٹ جائے.“

من نے کہا—”بھوں، زخمی کو لے کر جائے گا.“

انسان جھپٹ گیا.

کدور نے پھر لانٹر چلایا اور تھڑی سے اس طرف بڑھ گیا.

پھر گولی چلی.

وہ وہیں لپٹ گیا. لانٹر بجھ گیا، دوہلی ختم ہو گئی، اندھرا چھا گیا.

پھر سناٹا چھا گیا، دیر تک گولی نہیں چلی.

وہ کھسکتے لگا کھسکتا گیا، کھسکتے کھسکتے تھک سا گیا.....پھر اس نے لانٹر چلایا.

اس نے دیکھا :

بالکل اسی کے سامنے ایک کو کے فاصلے پر ایک عورت پڑی ہے. ایک بچہ اسکی چھاتی سے چمٹا ہوا ہے. شاید ماں نے مرنے سے پہلے کو بچہ کو پھار لیا تھا، اپنی کون میں بھونچ لیا تھا. وہ اس نے بالکل قریب چلا گیا. لاش دو جگہ سے پھسلتی ہو گئی تھی. جھپ کے پھوں نے اسان پر چلنے کا سوبھاگہ پراپت کیا تھا !

وہ من ہی من کو گوانے لگا، جھپ چاہنے لگا. اس نے اپنے کو دھکی سمجھ لیا. اسکا خھان تھا نہ اسکی جھپ نے ہی یہ اچھا کیا ہے.

لھن کے وہ اور قریب ہو گیا، لانٹر اور قریب لے گیا.

انڈھیرا، جیپ کا کوئی بھی نہیں۔ اچالہ.....جہاں تک آگے جاتے...ننگے سوال' ننگی سمسٹھائیں' ننگی چٹائیں — انڈھیرا جہاں پردہ ڈالے تھا' اچالے نے اسے لٹکا کر دیا۔

کلبور نے اپنے کو ایک جنگل میں پایا۔ یہاں اب جنگل نہیں تھا' کلبور جنگل کی نشانیاں ہائی تھیں۔ یہ وہ نہیں تھا بلکہ کچھ ایسے دیو تھے جن کا منہ جھلس دیا گیا ہو' جن کا سریر ہوسچ دیا گیا ہو۔ یہ دیو نہیں تھے' چٹا کی لٹکائیاں تھیں! کلبور کی لاش جل رہی تھی اور کچھ انسان ہاتھ تاپ رہے تھے۔ ان دیوؤں کی بجائے سن سکھیں۔ جہازوں کے یہاں ہوں گان جو ان کا رونا ان تک پہنچ سکے' گولیاں گول مارا جانتی تھیں' ماری کی پتھر کھا ہوئی ہے' اس کا انہوں گان نہیں ہوتا۔ نکلی لاشیں چمکتی ہوں گی' کٹا چمکتا اس جنگل میں ہوا ہوگا!

کلبور کے ہونٹ کاٹے' آنکھوں میں آنسو آئے' انہوں میں جہر چھری آگئی۔ نواہی ہو اس نے روشنی ختم کر دی' انڈھیرا بے لہا۔

روشنی کا علاج انڈھیرا نہیں ہو سکتا؟ انڈھیرے کی طرف ہولنا ہونے لگی' کلبور نے اچالے کوئی چھڑ' اور مارتوں کے لئے وہ بہت ہی ضروری ہے۔ اچالے سے قدر کر انڈھیرے کے شہن میں جانا انسان کی ہار ہے۔ انسان کی جھٹ اچالے کے راستے کو صاف کرنا ہے' اسے سبک کرنا ہے۔

کلبور نے جھپ استارٹ کر دی۔ وہ سوا ایک قدم آگے بڑھ بھی گیا۔ پھر نہ جانے کلبور وہ رک گیا۔ اس نے جھپ سے باہر آ کر سر سہلایا۔ لہکان نے اس پر ٹھہرا ڈالا۔ اس نے جھپ لی۔ نہ جانے کلبور اس کا سن سگریٹ پہلے کے لئے محتال ہوا۔ منہ میں دیہی سگریٹ تو اس نے لائٹر کی لو پر رکھ دیا۔ لائٹر کی لو نے بھونک سگریٹ کا منہ جھلس دیا یا سگریٹ نے خود کو پر اپنے کو نچھاور کر دیا' یہ لہکا ڈرا مشکل ہے۔

سگریٹ جل گئی' کلبور نے لہکا کھ لیا۔ لائٹر بچھالے کی دھور کو سدھ آئی۔ سر اٹھاتے ہی' کلبور نے مدغم روشنی میں تھوڑی دور پر کوئی چھڑ پڑی دیکھی وہ اسے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ بھونک لہٹ آیا۔ جھپ سے کسی نے روک دیا ہو۔ وہ رکا رہا' سگریٹ پھٹا رہا' سوچتا رہا۔ "دوئی زخمی آدمی نہ پوا ہو" اس کے من نے کہا۔ "ہوگا' لوائی کا میدان ہے۔ ہم ہوسا ہی کرتے ہوں" آدمی سرا ہی کرتے ہوں.....میں کیا کر سکتا ہوں" دماغ نے جواب دیا۔ "فرض"

کلبور نے اپنے کو ایک جنگل میں پایا۔ یہاں اب جنگل نہیں تھا' کلبور جنگل کی نشانیاں ہائی تھیں۔ یہ وہ نہیں تھا بلکہ کچھ ایسے دیو تھے جن کا منہ جھلس دیا گیا ہو' جن کا سریر ہوسچ دیا گیا ہو۔ یہ دیو نہیں تھے' چٹا کی لٹکائیاں تھیں! کلبور کی لاش جل رہی تھی اور کچھ انسان ہاتھ تاپ رہے تھے۔ ان دیوؤں کی بجائے سن سکھیں۔ جہازوں کے یہاں ہوں گان جو ان کا رونا ان تک پہنچ سکے' گولیاں گول مارا جانتی تھیں' ماری کی پتھر کھا ہوئی ہے' اس کا انہوں گان نہیں ہوتا۔ نکلی لاشیں چمکتی ہوں گی' کٹا چمکتا اس جنگل میں ہوا ہوگا!

کلبور کے ہونٹ کاٹے' آنکھوں میں آنسو آئے' انہوں میں جہر چھری آگئی۔ نواہی ہو اس نے روشنی ختم کر دی' انڈھیرا بے لہا۔

روشنی کا علاج انڈھیرا نہیں ہو سکتا؟ انڈھیرے کی طرف ہولنا ہونے لگی' کلبور نے اچالے کوئی چھڑ' اور مارتوں کے لئے وہ بہت ہی ضروری ہے۔ اچالے سے قدر کر انڈھیرے کے شہن میں جانا انسان کی ہار ہے۔ انسان کی جھٹ اچالے کے راستے کو صاف کرنا ہے' اسے سبک کرنا ہے۔

کلبور نے جھپ استارٹ کر دی۔ وہ سوا ایک قدم آگے بڑھ بھی گیا۔ پھر نہ جانے کلبور وہ رک گیا۔ اس نے جھپ سے باہر آ کر سر سہلایا۔ لہکان نے اس پر ٹھہرا ڈالا۔ اس نے جھپ لی۔ نہ جانے کلبور اس کا سن سگریٹ پہلے کے لئے محتال ہوا۔ منہ میں دیہی سگریٹ تو اس نے لائٹر کی لو پر رکھ دیا۔ لائٹر کی لو نے بھونک سگریٹ کا منہ جھلس دیا یا سگریٹ نے خود کو پر اپنے کو نچھاور کر دیا' یہ لہکا ڈرا مشکل ہے۔

سگریٹ جل گئی' کلبور نے لہکا کھ لیا۔ لائٹر بچھالے کی دھور کو سدھ آئی۔ سر اٹھاتے ہی' کلبور نے مدغم روشنی میں تھوڑی دور پر کوئی چھڑ پڑی دیکھی وہ اسے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ بھونک لہٹ آیا۔ جھپ سے کسی نے روک دیا ہو۔ وہ رکا رہا' سگریٹ پھٹا رہا' سوچتا رہا۔ "دوئی زخمی آدمی نہ پوا ہو" اس کے من نے کہا۔ "ہوگا' لوائی کا میدان ہے۔ ہم ہوسا ہی کرتے ہوں" آدمی سرا ہی کرتے ہوں.....میں کیا کر سکتا ہوں" دماغ نے جواب دیا۔ "فرض"

کلبور نے جھپ استارٹ کر دی۔ وہ سوا ایک قدم آگے بڑھ بھی گیا۔ پھر نہ جانے کلبور وہ رک گیا۔ اس نے جھپ سے باہر آ کر سر سہلایا۔ لہکان نے اس پر ٹھہرا ڈالا۔ اس نے جھپ لی۔ نہ جانے کلبور اس کا سن سگریٹ پہلے کے لئے محتال ہوا۔ منہ میں دیہی سگریٹ تو اس نے لائٹر کی لو پر رکھ دیا۔ لائٹر کی لو نے بھونک سگریٹ کا منہ جھلس دیا یا سگریٹ نے خود کو پر اپنے کو نچھاور کر دیا' یہ لہکا ڈرا مشکل ہے۔

پھر ان کا یہاں مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے ! کہیں
اسی کا نام ہی سچ کی جیت ہے !
وہ ایک مہلہ سا دیکھنے لگا :

وہ ایک جھوٹا سا دیکھنے لگا :

”ہو طرف لڑائی کی تھاریاں ہو رہی ہیں۔ واتارون
میں بھی لڑائی کی گونج ہے۔ ایٹم بم کی دھمکی سڑائی
دیتی ہے..... ہانڈروین بم کی تھاری کی خبر دنیا کو
بوجھنی جانی ہے... جیسے ایک پائل پین ساوی دنیا
پر چھایا ہوا ہے..... ایک طرف لڑائی کی شکستیاں
سنگتہمت ہو رہی ہیں اور..... دوسری طرف شانتی کی
شکستیاں اپنی بکھری کویاں اٹکتا ہو رہی ہیں..... لڑائی
کے رائجیس پکاک ٹوٹ پڑتے ہیں..... ایک ٹومل گت کو
نوج ڈالتے ہیں، مسل ڈالتے ہیں، زمین خون سے رنگ
جانی ہے..... لڑائی کے بہوت آئے بوجھتے ہیں..... شانتی
کی فوج لئے بھارت مانا آئے آتی ہے..... اس کی لکار
سلائی دیتی ہے—لڑائی بند کرو! پر لڑائی بند نہیں
ہوتی..... اور تیز ہو جانی ہے..... کڈرو ایک اسپتال
میں ڈانٹر ہے۔ یہاں زخمیوں کا علاج ہوتا ہے—کسی
پارٹی، کسی پیش یا کسی گروپ نے زخمیوں کا علاج نہیں۔
یہاں دو ہی ہاتھن ہوتی ہیں—زخم اور علاج..... لیکن
بمیں نے اس اسپتال کو بھی نہ چھوڑا..... وہ آپریشن
کر رہا تھا اور ہم بہت ڈھا... ایک ساتھ آئے نہ جانے کتنی
چوڑھن سڑائی ہوئی۔“

وہ سہم گیا، روکتے تھڑے ہو گئے اور چھپ رک گئی۔
 وائرون میں ایک گڑبڑاہٹ کونجی اور بھوں کی
 بارش ہونے لگی۔ گدور چھپ نے نہچے لہٹ گیا۔ کب
 تک ہم ہرستے رہے، کب تک وہ لہٹا رہا، اس کا اوسان
 نہیں لیا جا سکتا۔ سب سے کی کئی رک سے گئی تھی۔ اُسے
 کھول اٹھا یاد تھا—ہم اور ہم سے بچنے کی دُرُشھی!

گدور نے من ہی من کہا—”اب نکل چلنا چاہئے۔“

کسی نے جھپے دوکا—”لڑائی کا مہدان ہے، خالہ جی
 کا گھر نہیں۔“

وہ پھر دھبہ کر لیت گیا ۔

چاروں طرف اندھوا چھایا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہ دیتا تھا۔ کلور جھپ سے باہر نکل آیا پر اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے، کدھر جائے۔ راستے نے جھوسے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے چاہا کہ ہتھ لائٹ چلے دے۔ پر سوئچ تک ہاتھ جاتے جاتے وہ سہم گیا، اسے رک جانا پڑا۔ پھر اُس نے ہتھ کی... پھر وہ وہیل دھا... اُس نے پھر ساہس کی بکھری سہتا کو اتھا گیا... لائٹ چل نکلی، اندھوا ختم ہو گیا۔

لانت چل گئی، اندھیرا ختم ہو گیا۔
 جہنم میں پہلی بار وہ محسوس کر رہا تھا کہ
 آجلا کتنا بڑھانک ہوتا ہے۔ اندھیرا..... کھول

2) '58 FILE

$\frac{1}{n} \sum_{i=1}^n x_i = \bar{x}$

اور وہ مر گیا.....؟

اور وہ مر گیا.....؟

راस्ता उसکا نہیں تھا، اب وہ خود راستے کا ہو گیا تھا !

راستہ اسکا نہیں تھا، اب وہ خود راستے کا ہو گیا تھا !

سٹیڈیئرنگ پر ہاتھ ضرور تھے پر جیپ نہ جانے کس کے اشارے پر ایسا راستہ بنائی چلی جا رہی تھی۔ موت کے راستے پر وہ جا رہا ہے یا زندگی کی طرف قدم اٹھ رہا ہے، اسکا کھان اُسے نہیں تھا۔ اندھرا تھا، ڈر تھا، بھیاں تھا..... راستا کھترناک تھا..... اس کے دماغ میں لیکن ایک ہی خیال تھا—اُس کا فرض—زخمیوں کو اسپتال تک پہنچانا !

اسٹورنگ پر ہاتھ ضرور تھے پر جیپ نہ جانے کس کے اشارے پر ایسا راستہ بنائی چلی جا رہی تھی۔ موت کے راستے پر وہ جا رہا ہے یا زندگی کی طرف قدم اٹھ رہا ہے، اسکا کھان اُسے نہیں تھا۔ اندھرا تھا، ڈر تھا، بھیاں تھا..... راستہ خطرناک تھا..... اس کے دماغ میں لیکن ایک ہی خیال تھا—اُس کا فرض—زخمیوں کو اسپتال تک پہنچانا !

کونر اپنے کھالوں میں ڈوبا تھا اور جیپ اندھیرے کے پردے کو پہنچتی کسی انتہائی مقام کی طرف چلی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اسٹورنگ کم ہو جاتی تھی۔ اُسے اُٹے نالے یا کھالی کا آہٹس ہوتا تھا۔ لیکن بہرہ کے سوائے اُن کا کوئی وجود نہ ہوتا وہ دھوکا تھے..... سارے قروں کی طرح وہ بھی بہرہ تھے، دھوکا تھے۔ کلوڈ اسٹورنگ پھر توڑ کر دیتا تھا۔

کلوڈ اپنے کھالوں میں ڈوبا تھا اور جیپ اندھیرے کے پردے کو پہنچتی کسی انتہائی مقام کی طرف چلی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اسٹورنگ کم ہو جاتی تھی۔ اُسے اُٹے نالے یا کھالی کا آہٹس ہوتا تھا۔ لیکن بہرہ کے سوائے اُن کا کوئی وجود نہ ہوتا وہ دھوکا تھے..... سارے قروں کی طرح وہ بھی بہرہ تھے، دھوکا تھے۔ کلوڈ اسٹورنگ پھر توڑ کر دیتا تھا۔

کب اور کس نغم کے اسوار جھپ کھیتوں پر چلے لگیں۔ انہوں نے کھیت کہا بھی جا سکتا ہے؟ یہاں ہریالی ہونی چاہئے تھی، یہی تو موسم ہے۔ پر یہاں ہریالی نہیں تھی، صرف ڈنڈل کھڑے تھے اور کبھی یہاں ہریالی ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ کھیتوں کی چھانہاں ٹھیکوں سے کھول دی گئی تھیں۔ دھرتی فلف کھوں کر اُگتی، اُس پر خوں کی پوڑیاں چم گئیں تھیں—اُتری کوریا کا خوں، دکھلی کوریا کا خوں، امریکی خوں، انگریزی خوں، سفید خوں، کالا خوں، بڑا خوں سب ایک ساتھ مل کر دھرتی پر چم گئے تھے۔ جو خوں اہال پر نہ مل سکے تھے، وہ دھرتی پر گر کر ایسے۔ لی گئے کہ کوئی بھی اُنہوں اب الگ الگ نہیں کر سکتا !

کب اور کس نغم کے اسوار جھپ کھیتوں پر چلے لگیں۔ انہوں نے کھیت کہا بھی جا سکتا ہے؟ یہاں ہریالی ہونی چاہئے تھی، یہی تو موسم ہے۔ پر یہاں ہریالی نہیں تھی، صرف ڈنڈل کھڑے تھے اور کبھی یہاں ہریالی ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ کھیتوں کی چھانہاں ٹھیکوں سے کھول دی گئی تھیں۔ دھرتی فلف کھوں کر اُگتی، اُس پر خوں کی پوڑیاں چم گئیں تھیں—اُتری کوریا کا خوں، دکھلی کوریا کا خوں، امریکی خوں، انگریزی خوں، سفید خوں، کالا خوں، بڑا خوں سب ایک ساتھ مل کر دھرتی پر چم گئے تھے۔ جو خوں اہال پر نہ مل سکے تھے، وہ دھرتی پر گر کر ایسے۔ لی گئے کہ کوئی بھی اُنہوں اب الگ الگ نہیں کر سکتا !

جیپ چلی جا رہی تھی اور کونر سوچ رہا تھا :

جیپ چلی جا رہی تھی اور کونر سوچ رہا تھا :

”یہ لڑائی کبھی ہو رہی ہے، اسکا کیا आधार ہے؟..... آخر وہ کبھی یہاں ہے..... زخمیوں کی سہرا کرنے کے لئے ! لیکن ایک طرف یہ سہرا ہوا کبھی؟ اُتری کوریا والے کیا نہیں مرنے؟ پھر اُن کے زخمی اُٹھانے کے لئے وہ کبھی نہیں پہنچا جاتا.....“

”یہ لڑائی کبھی ہو رہی ہے، اسکا کیا आधार ہے؟..... آخر وہ کبھی یہاں ہے..... زخمیوں کی سہرا کرنے کے لئے ! لیکن ایک طرف یہ سہرا ہوا کبھی؟ اُتری کوریا والے کیا نہیں مرنے؟ پھر اُن کے زخمی اُٹھانے کے لئے وہ کبھی نہیں پہنچا جاتا.....“

امریکی جھپ نے ایک زور کا جھکا دیا اور کلوڈ کے دماغ سے ان سوالوں کا دھماکا نکل سا گیا ! مانو مردے میں اُٹھتے ہوئے یہ سوال دہائے جا سکتے ہیں، اُن کا سادھان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہمت کی گرمی پا کر جاکتے ہیں اور اُس لہری سے جاکتے ہیں کہ

امریکی جھپ نے ایک زور کا جھکا دیا اور کلوڈ کے دماغ سے ان سوالوں کا دھماکا نکل سا گیا ! مانو مردے میں اُٹھتے ہوئے یہ سوال دہائے جا سکتے ہیں، اُن کا سادھان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہمت کی گرمی پا کر جاکتے ہیں اور اُس لہری سے جاکتے ہیں کہ

है, नजाना जा सकता है। हमारी बुद्धि प्रकृति की सीमा नहीं लांघ सकती। बुद्धि यानी ज्ञान हमारी आत्मा का स्वभाव है। ज्ञान बुद्धि के सिवा कुछ नहीं। ज्ञान बुद्धि ही हम को कर्तव्य सिखाती है। कर्तव्य पालन का सम्बन्ध परलोक से नहीं, इस लोक से है। हमें परलोकवासियों से न दोस्ती करने की जरूरत है और न उनके लिये मेहनत। गुरु नानक का यह खेल अच्छा पाठ देता है, वह गंगाजी नहाते वक़्त अपने गांव की तरफ मुंह करके पानी उलीचने लगे। जब यह करते देर हो गई तब लोग पूछ बैठे, गुरुजी, यह आप क्या कर रहे हैं? गुरुजी बोले, अपने गांव के खेतों को पानी दे रहा हूँ। लोग बोले, महाराज यह कैसे हो सकता है? गुरुजी बोले, क्यों नहीं हो सकता? जब तुम यहां से सूरज को पानी दे सकते हो और आदम के पारिये परलोकवासियों को खाना पहुंचा सकते हो तो मेरा पानी मेरे गांव के खेतों तक क्यों नहीं पहुंचेगा? यह कह कर गुरुजी ने साफ़ बता दिया कि परलोकवासियों के प्रति न हमारा कोई कर्तव्य है, न हम उनकी कोई सेवा कर सकते हैं। यह इसी लोक के लोगों से प्रेम करके, मोहव्यत करके, दोस्ती का बर्ताव करके, उनकी खातिर मेहनत करके हम अपने सारे कर्तव्य पालन कर सकते हैं। अगर हमें सचमुच ईश्वर या परलोक के लिये किसी कर्तव्य पालन की जरूरत है तो वह इस लोक के कर्तव्य पालने में समाया हुआ है। ईश्वर या परलोक के लिये अलग कोई कर्तव्य नहीं रह जाता। हमें संतोष के साथ काम में लगे रहने के सिवा कुछ नहीं सीखना।

चमत्कार हमारी कमर तोड़ देते हैं। हमें साहसी बनकर चमत्कारों की कमर तोड़नी होगी। चमत्कार हम से हमारी समझ और हमारी प्रसन्नता छीन लेते हैं। हम चमत्कारों का कार्यकारण भाव जानकर अपनी समझ और अपनी प्रसन्नता उन चमत्कारों से छीन लेंगे, और फिर अपने आप हमारे मन भलाई के लिये खुल जायेंगे और हमारा मस्तक सचाई को अपनाने लगेगा। और यही होगी पूरी आजादी और हमारी यह आजादी ही मनुष्य समाज को सुखी बनायेगी, आजाद करेगी और हम उसी आजाद समाज की मदद पाकर सत्य की असलियत को समझ लेंगे और सत्य जो ईश्वर के नाम से पुकारा जाता है, उसके दर्शन कर लेंगे और यही होगा सच्चा और महान चमत्कार।

हैं, न जाला जासकता है। हमारी बुद्धि प्रकृति की सीमा नहीं लांघ सकती। बुद्धि यानी ज्ञान हमारी आत्मा का स्वभाव है। ज्ञान बुद्धि के सिवा कुछ नहीं। ज्ञान बुद्धि ही हम को कर्तव्य सिखाती है। कर्तव्य पालन का सम्बन्ध परलोक से नहीं, इस लोक से है। हमें परलोकवासियों से न दोस्ती करने की जरूरत है और न उनके लिये मेहनत। गुरु नानक का यह खेल अच्छा पाठ देता है, वह गंगाजी नहाते वक़्त अपने गांव की तरफ मुंह करके पानी उलीचने लगे। जब यह करते देर हो गई तब लोग पूछ बैठे, गुरुजी, यह आप क्या कर रहे हैं? गुरुजी बोले, अपने गांव के खेतों को पानी दे रहा हूँ। लोग बोले, महाराज यह कैसे हो सकता है? गुरुजी बोले, क्यों नहीं हो सकता? जब तुम यहां से सूरज को पानी दे सकते हो और आदम के पारिये परलोकवासियों को खाना पहुंचा सकते हो तो मेरा पानी मेरे गांव के खेतों तक क्यों नहीं पहुंचेगा? यह कह कर गुरुजी ने साफ़ बता दिया कि परलोकवासियों के प्रति न हमारा कोई कर्तव्य है, न हम उनकी कोई सेवा कर सकते हैं। यह इसी लोक के लोगों से प्रेम करके, मोहव्यत करके, दोस्ती का बर्ताव करके, उनकी खातिर मेहनत करके हम अपने सारे कर्तव्य पालन कर सकते हैं। अगर हमें सचमुच ईश्वर या परलोक के लिये किसी कर्तव्य पालन की जरूरत है तो वह इस लोक के कर्तव्य पालने में समाया हुआ है। ईश्वर या परलोक के लिये अलग कोई कर्तव्य नहीं रह जाता। हमें संतोष के साथ काम में लगे रहने के सिवा कुछ नहीं सीखना।

चमत्कार हमारी कमर तोड़ देते हैं। हमें साहसी बनकर चमत्कारों की कमर तोड़नी होगी। चमत्कार हम से हमारी समझ और हमारी प्रसन्नता छीन लेते हैं। हम चमत्कारों का कार्यकारण भाव जानकर अपनी समझ और अपनी प्रसन्नता उन चमत्कारों से छीन लेंगे, और फिर अपने आप हमारे मन भलाई के लिये खुल जायेंगे और हमारा मस्तक सचाई को अपनाने लगेगा। और यही होगी पूरी आजादी और हमारी यह आजादी ही मनुष्य समाज को सुखी बनायेगी, आजाद करेगी और हम उसी आजाद समाज की मदद पाकर सत्य की असलियत को समझ लेंगे और सत्य जो ईश्वर के नाम से पुकारा जाता है, उसके दर्शन कर लेंगे और यही होगा सच्चा और महान चमत्कार।

कभी यह नहीं कहते कि वह कोई चमत्कार करना चाहते हैं और उनके लिये वैसा कहना बाजिब है, पर हम मामूली अल्लाह के बन्दे यह कैसे मान लें कि पहुँचे हुए फकीर चमत्कारी नहीं होते। अगर ऐसा न होता तो ताज बन्द बादशाह नंगे, उघाड़े फकीरों के पांव छूने न जाया करते। हुजूर, कोई करिमा दिखाइये !

गुरु जी बोले, मैं करिश्मे या चमत्कार में विश्वास नहीं करता और न मैं कोई चमत्कार करता हूँ और न मैं जानता हूँ। मैं आपको यह सलाह देता हूँ कि आप चमत्कारों में विश्वास करना छोड़ दें।

गुरु जी के इस उपदेश से बजीर साहब के अन्दर करिश्मा देखने की इच्छा और जियादा भड़की। वह हठ करने लगे। हुजूर, कोई एक तो दिखाइये। आखिर गुरु जी को सूझ गई और उन्होंने अपनी जेब से एक ब्यशरफ़ी निकाल कर दिखाई। कहा, एक करिश्मा यानी चमत्कार यह है, इससे सैकड़ों काम हो सकते हैं।

बख्शी साहब बोले, हुजूर का फरमाना बजा है। बेशक यह करिश्मा है और इस करिश्मे से बादशाह लोग बड़े बड़े काम निकालते हैं, पर फक्कीरों के पास तो यह करिश्मा नहीं होता। हुजूर, कोई करिश्मा दिखाइये ! अगर आप करामाती न होते तो लाखों आदमों इस तरह आपके पीछे न हो जाते, बड़ी इनायत होगी, कोई करिश्मा दिखाइये !

गुरुजी ने थोड़ा बिगाड़कर अपने म्यान से तलवार खींची और उसे नंगा करके दिखाया और बोले, दूसरा करिश्मा यह है !

जवाब में बशीर साहब बोले, बेशक, यह बड़ा करिश्मा है, पर हुजूर यह चीज भी क़रीबों के पास नहीं होती। कोई करिश्मा दिखाइये !

गुरुजी ने उन्हें लाख सम्झाया पर किसी तरह उनका विश्वास करिश्मे पर से न हट सका। यह है पढ़े लिखों का हाल। बचपन में जो चीज गहरी घर कर जाती है वह आसानी से नहीं निकल पाती। यही वजह है कि दुनिया के बड़े से बड़े सुधारक, बड़े से बड़े विज्ञानी बेहद जोर लगाकर भी दुनिया को यह न सिखा पाए कि जब भी कोई अनोखी चीज देखो तब उसके कारन पर सोचो। अगर ठीक ठीक न जान सको तो उस काम का गलत कारन तो न मान बैठो। जनता के मन का यह अज्ञान और कार्यकारन सोचे बिना किसी घटना को ऊटपटांग तरीके से मान लेने की आदत हम वक़्त तक न छूटेगी जब तक बर्षों के संस्कार न बदले जायेंगे, और स्कूल और कालेज उन आदमियों के हाथ से न छीने लिये जायेंगे जो देववादी धर्म के विश्वासी हैं, देव का ईश्वर न जाना गया, न जाना जाता

گدھی یہ نہیں تھمتے کہ وہ کوئی چستکار کرنا جانتے ہوں
 اور ان نے لگے ویسا کہا واجب ہے، پر ہم معمولی اللہ
 کے بندے یہ کہہ سہ ماں لہوں کہ پہنچتے ہوئے فقیر
 چستکاری نہیں ہوتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ناچ بند
 بادشاہ نلتے، اگھارے فقہروں کے پاؤں چھونے نہ جایا کرتے۔
 حضور، کوئی کرشمہ نہ ہائیے!

گرو، جی بولے، میں کرشمہ یا چمٹکار میں وشواس نہیں کرتا اور نہ میں کوئی چمٹکار کرتا ہوں اور نہ میں جانتا ہوں۔ میں آپ کو یہ صلاح دیتا ہوں کہ آپ چمٹکاروں میں وشواس کرنا چھوڑ دیں۔

گرو جی کے اس اُپدیش سے وزیر صاحب کے اندر کرمشہ دیکھنے کی اچھا اور زیادہ بھڑکی۔ وہ ہٹ کر نکلے۔
 حضورؐ کوئی ایک تو دکھائیے ! آخر گرو جی کو سوجھ گئی اور انہوں نے اپنی جھپ سے ایک اشرفی نکال کر دکھائی۔ کہا، 'ایک کرمشہ یعنی چمکدار یہ ہے' اس سے سہکڑوں کام ہو سکتے ہیں۔

وزیر صاحب بولے، حضور کا فرمانا پتلا ہے۔ ہوشک یہ کرشمہ ہے اور اس کرشمے سے پادشاہ لوگ بڑے بڑے کام نکالتے ہیں۔ پر فقہروں کے پاس تو یہ کرشمہ نہیں ہوتا۔ حضور، کوئی کرشمہ دکھائیے! اگر آپ کراماتی نہ ہوتے تو انہوں آدمی اس طرح آپ کے پیچھے نہ ہو جاتے۔ بڑی عیادت ہوئی، کوئی کرشمہ دکھائیے!

گرو جی نے تھوڑا بگڑ کر اپنے مہمان سے نلوار کہہ چکی
اور اسے نلتکا کر کے دکھایا اور بولے، دوسرا کرشمہ یہ ہے۔

جواب میں وزیر صاحب بولے، ہوشک یہ ہوا کرشمہ
 'ہ' پر حضور یہ چھڑ بھی فقہروں کے پاس نہیں ہوتی۔
 کرنی کرشمہ دکھائیے!

کرو جی نے انہوں کو لاکھ سمجھایا پر کسی طرح ان کا
 شواہد کرشمے پر سے نہ ہٹ سکا۔ یہ ہے بڑے کمزوروں کا
 حال۔ بچپن میں جو چیز کھری گھر کر جاتی ہے وہ آسانی
 سے نہیں نکل پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے
 سدھارک، بڑے سے بڑے دیکھائی بے حد زور لگا کر بھی دنیا
 کو یہ نہ سکھا پائے کہ جب بھی کوئی انوکھی چیز دیکھو
 تب اس کے کارن پر سوچو۔ اگر ٹھیک تو ٹھیک نہ جان
 سکو تو اس کام کا قلم کار تو نہ مان بہتو، جلتا کے من
 کا یہ گھان اور کاربہ کارن سوچے نہ کسی ٹھٹھا کو اور پتہ لگ
 طریقے سے مان لے لی عادت اس وقت تک نہ چھوڑے گی جب
 تک بچپن کے سنسکار نہ بدلے جائیں گے۔ اور اسکول اور کالج
 گن آدمیوں نے عاتہ سے نہ چھوڑ لکے جائیں گے جو دیو وادی
 دھرم کے شواہد ہیں۔ دیو یا ایشور نہ جانا گنا، نہ جانا جاتا

کی ریل کین کین کارنوں سے چلا کرتی ہے اور یہ کہ ریل کے چلنے کے کام میں اس کے بچے کا مرنے کا کسی طرح کا کارن نہیں ہو سکتا۔

ہمارے پڑنے والے अगर ہماری بات ٹیک ٹیک سمجھ گئے ہوں تو وہ آسانی سے خود اور ۲۰ لکھ سوچ کر نکال سکتے ہیں، ہم اتنی ہی ۲۰ لکھ پر سوتوڑ کر دیتے ہیں اور انت میں یہی کہتا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے بارے میں اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے دماغ اس طرح مہلے نہ ہوئے پائیں کہ وہ چمٹکاروں میں دھواں کر کے کام کا ٹھیک ٹھیک کارن کو چھوڑ بیٹھیں۔

چمٹکار میں اور معمولی کھیلوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ چمٹکار چمٹکاری کے لئے ویسی ہی معمولی کھیل ہے، جس سے بازو کی کھول رازی کر لئے دیکھو کے پلٹر جا دن بھر گھر گھر میں گئے دیتے ہیں، کسی ایسے گاؤں میں جہاں اب تک ریڈیو نہ پہنچا ہو چمٹکار کی چھوڑ سکتے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کوئی ریڈیو کے پلٹر کو اچانک دیکھ کر ڈر جائے اور یہ سمجھے کہ اس کے اندر بھوت بھوت بیٹھے گنا گنا رہے ہوں۔ بھوت پریتوں کے بارے میں انہی جو کہانیاں کہی جاتی ہیں ان میں یہی بتایا جاتا ہے کہ ان کے کھیلوں کی چھوڑ چھوڑی آواز سنانی دیتی ہے اور گنا سنانی دیتا ہے، پر وہ دنگائی نہیں دیتے۔ دوسری بات ان کے بارے میں یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ چھوڑی سے چھوڑ جگہ میں آ سکتے ہوں۔ جنوں دو شہروں میں، "نارلے کی بات کس نے نہیں سنی؟ شہرے میں اتارنا آپ عام صحارہ بن گیا ہے، جو ریڈیو شہر والوں کے لئے معمولی چھوڑ ہے وہی گاؤں والوں کے لئے چمٹکاری چھوڑ ہو سکتا ہے۔

چمٹکار معمولی کھیلوں میں ہیں۔ پھر بھی چمٹکار بڑے لکھوں میں الٹے کھڑے گھر کر لکے ہیں کہ وہ اپنے دل سے نکال کر نہیں پھینک سکتے۔ جب کوئی ہندو اپنے دھرم کے چمٹکار پھینک کر مسلمان ہو جاتا ہے تب وہ مسلمان دھرم کے چمٹکار اٹھاتا ہے۔ یہی حال کسی مسلمان کا آریہ سماجی ہو کر ہو جاتا ہے۔ آدمی سرگرم نہیں ہے، بہت انہوں میں اچانک ہے اس لئے چمٹکاروں میں دھواں کر کے میں 'بے آئند آنا ہے۔ ایک بار کا ذکر ہے' سکھوں کے دوسرے گرو گوبند سنگھ جو ہندوؤں میں بڑے چمٹکاری مشہور ہو گئے تھے اور جن کو سکھوں مسلمان چمٹکاری مانتے تھے ایک بار دلی کے وزیر کے سامان ہوئے۔ وزیر نے بڑی شرم کے ساتھ ان سے پوچھا، میں نے سنا ہے، آپ بڑے بڑے ترشمے یعنی چمٹکار کر سکتے ہیں، توئی ترشمے دیکھائیے۔ گرو جی بولے آپ بادشاہ نے وزیر ہو کر ترشموں میں دھواں کرتے ہیں، بہت ترشمے بھی کوئی چھوڑتے ہیں؟ میں نے چمٹکار ترشمے جانتا ہوں اور نہ ترشمے میں وزیر صاحب بولے، سب پہنچتے ہوئے ترشموں کا یہی حال ہوتا ہے، وہ

‘رہل کے ہٹنڈام مے کوئی ایسی گڈبڈی ہو گئی ہے کی گاڈی
 اُمری جلدی نہ چلے گی، آپ بولے جاہیے۔ گاंधی جی سوہیتے سے
 بولتے رہے اور جب وہ بولکر گاڈی مے جا بٹے، ریل کا
 ہٹنڈام ٹیک ہو گیا۔ اور گاڈی چل دی۔ گاڈی کے گونڈیا
 سے کھٹنے سے پہلے پہلے گونڈیا سے ناگپور تک اور پھر
 گونڈیا سے راپور تک یہ خبر فیل گئی کی گاंधی جی
 بڑے چمٹکاری ہیں انکے چمٹکار سے گاڈی رُک گئی اور
 انکے اس چمٹکار کی بات کا کبھی کبھی سمجھدار
 آدمی نے کھنڈن نہیں کیا، کھنڈن نہیں کیا،
 کیونکہ اس وقت ہندوستان کے سارے سمجھداروں کا
 سواغہ اس بات مے تھا کہ گاंधی جی کو اُترائی
 چمٹکاری اور مہاچمٹکاری ثابت
 کیا جائے۔ ہم گونڈیا اسٹیشن پر موجود تھے یہ سب
 کاروائی اسٹیشن کے آدمیوں نے مان ہوئے کہ لی تمہی وہ
 سب گاندھی جی کا وہاں ہی رہو کہ سبھا چاہتے تھے
 اور یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ گاڈی روکنے کے الزام سے بچے
 رہیں۔ پہلے والوں کو یہ یاد رہے کہ اسٹیشن رپورٹ مے
 گاڈی رکنے کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ گاندھی جی
 کے چمٹکار سے گاڈی رُک گئی۔ گونڈیا ریلوے افسر اُنہ
 نے رپورٹ نہ تھے کہ وہ اس طرح نے چاہتے تھے ان
 کو تو بدھی مے چمٹکار والی ایسی ہی دیکھ وجہ بتائی
 گئی تھی جسے سبکل کا حباب ہو جانا، یا اسنک کا
 فور بالک یعنی اٹلی بلی بگو جانا۔ یہ ہوتے مے چمٹکار
 اور یہ ہے چمٹکاروں کا پھوک۔

چمٹکاروں کی سچائی مے بچنے کو اُس کی حتم گھٹی
 مے پلائی جاتی ہے جب کوئی تین چار سال کا بچہ
 اسٹیشن پر ریل گاڈی نے دیر تک کھڑے رہنے سے اوب اٹھ
 تپ ریل گاڈی مے مکہ مار مار کر چل چل لپٹا شروع
 کر دیتا ہے اور اگر کہیں اُس نے پہلے دوسرے دوسرے مکہ
 پر گاڈی چل بڑے تو چمت اُس نے ملے سے نکل جائے گا
 ”مہرے حکم سے گاڈی چل دی۔“ اُدھر اُس دی ماں نے
 ملے سے نکل جائے گا ”مہرا ل بڑا چمٹکاری ہے۔“ بچہ
 کو جیتا اس بات مے وہاں ہے کہ اُس کے حکم سے
 گاڈی چلی، انا ہی اُس دی ماں کو اُس کے چمٹکاری
 ہوتے مے وہاں ہونا ہے۔ وہ اپنے بالک کو یوں ہی
 چمٹکاری نہیں کہہ سکتی، اُس کو سچ سچ اُس کا بالک
 چمٹکاری چلچلے لگتا ہے اُس کے من مے ویسی گڈ
 گڈی پیدا ہونے لگتی ہے وہ ویسا سوچنے کی ہر طرح
 ادھیکاری ہے۔ اگر کلس جسے پاپی کی بہن دیوئی
 کرشن جسے چمٹکاری کو جلم دے سکتی ہے تو وہ لوں
 بہن ویسے ہی چمٹکاری کو جلم دے سکتی، اور لوں
 گاڈی اُس کے بالک نے چمٹکار سے نہیں چل سکتی، اُس
 ماں کی ہوشیوں کی دھاویک تعلیم اُس کے سر پر آ سوار
 ہوئی ہے اور پھر وہ یہ سوچنے کا تلک بھی کشت نہیں اُٹھاتی

چمٹکاروں کی سچائی ہر بچے کو امکی جنم غٹری
 مے پلائی جاتی ہے۔ جب کوئی تین چار سال کا
 بچہ اسٹیشن پر ریلگاڈی کے دیر تک کھڑے رہنے سے
 اُوب اٹھ تپ وہ ریلگاڈی مے مکہ مار مار کر چل
 چل کھنا شروع کر دیتا ہے اور اگر کبھی اُسکے پہلے
 دوسرے تیسرے مکہ پر گاڈی چل پڑے تو چٹ اُسکے منہ
 سے نکل جائیگا، ”میرے حکم سے گاڈی چل دی“ اُدھر
 اُسکی ماں کے منہ سے نکل جائیگا، ”میرا لال بڑا
 چمٹکاری ہے۔“ بچے کو جیتا اس بات مے विश्वास ہے
 کہ اُسکے حکم سے گاڈی چلی، اُتنا ہی اُسکی ماں کو
 اُسکے چمٹکاری ہونے مے विश्वास ہوتا ہے۔ وہ اپنے بالک
 کو یوں ہی چمٹکاری نہیں کہہ سکتی، اُسکی سچمچ اُسکا
 بالک چمٹکاری جُچنے لگتا ہے، اُسکے من مے ویسی
 گڈگڈی پیدا ہونے لگتی ہے۔ وہ ویسا سوچنے کی ہر طرح
 ادھیکاری ہے۔ اگر کلس جیسے پاپی کی بہن دیوئی
 جیسے چمٹکاری کو جنم دے سکتی ہے تو وہ کبھی ویسے
 ہی چمٹکاری کو جنم دے سکتی۔ اور کبھی گاڈی اُسکے
 بالک کے چمٹکار سے نہیں چل سکتی۔ اُس ماں کا پیڈیوں
 کی دھمیک تالیف اُسکے سر پر آ سوار ہوتی ہے اور
 پھر وہ یہ سوچنے کا تلک بھی کشت نہیں اُٹھاتی

مूर्تی جमीن پکڑ गई

نगर का नाम तो याद नहीं रहा. उस नगर के मंदिर में एक मूर्ति जमीन पकड़ गई. किमी तरह उठाए न उठी. उस नगर के लिये यह बात चमत्कार बन गई. विज्ञान के लिए यह बात बिल्कुल मामूली है. दो चीजों के बीच में जब बिल्कुल हवा न रहे तब बहुत मजबूती से चिपक जाती है और आगे सामने से दो हाथी भी जोर लगाकर उन्हें अलग करना चाहें तो नहीं कर सकते. हां, पहलू की तरफ से दिया हुआ मामूली धक्का उन दो चीजों को अलग कर देगा. यही हाल उस अचल मूर्ति का हुआ. जैसे ही एक तरफ से धक्का दिया गया हवा अन्दर पहुँच गई और मूर्ति के अचलपन का चमत्कार खत्म हो गया. पर उस मूर्ति के मामले में एक और नया तमाशा हुआ. मूर्ति का चमत्कार हटा तो वह मूर्ति हटानेवाले से जा चिपका. यानी अब मूर्ति हटानेवाला चमत्कारी बन बैठा. यह है अन्ध विश्वास की तानीम का फल.

मुर्गी का अन्डा

एक जगह और ऐसा ही चमत्कार देखने को मिला. वह चमत्कार यह था कि एक आदमी बड़े अहिंसक मशहूर थे. इसलिये उनको यह रिडि हासिल हो गई थी कि वह अगर मुर्गी के अन्डे को अपने हाथ से ऊँचा उछालकर मकान के पीछे के मैदान में फेंक दें तो न अन्डा फूटेगा और न उसके अन्दर रहने वाले प्राणी को कोई चोट लगेगी. वह इस करामात की बजह से पुजने लगे पर जब हमने इसकी अच्छी तरह जांच की तो पता चला कि मुर्गी के हर ताजे अन्ड में यह खासियत रहती है कि उसे कितना भी ऊँचा घास उगे मैदान पर फेंका जाय तो वह हमेशा अपनी नोक के बल जमीन पर गिरेगा, पर न कभी टूटेगा, न अन्दर कोई चोट खाएगा. यह विज्ञान की सीधी-सादी बात है. इसे मूर्ख फेंके तब भी वही नतीजा होगा, हिंसावादी फेंके तब भी वही नतीजा होगा. बस इसका सचाई जब तक अंधेरे में है तभी तक यह चमत्कार. नहीं तो मामूली घटना.

गांधीजी और चमत्कार

सन् 1921 की बात है. असहयोग आन्दोलन जोरों पर था. अंगरेजी सरकार का आसन हिल गया था. गांधीजी सारे देश में चमत्कारी पुरुष के नाम से मशहूर हो चुके थे. वह डाकगाड़ी से कलकत्ता जा रहे थे. मध्यप्रदेश के गोनदिया स्टेशन पर डाकगाड़ी शायद आध घंटा ठहरती थी. इसलिए गोनदिया वालों ने स्टेशन के प्लेटफार्म पर एक सभा का बन्दोबस्त कर लिया. गाड़ी पहुँचने पर सभा शुरू होगई. गांधीजी बोलने लगे. जब गाड़ी चलने में दो एक मिनिट बाकी रह गए तब गांधी जी ने गाड़ी में जा बैठने की बात साँची. लोगों ने फौरन अवाज उठाई,

मूर्ती زمين پکڑ گئی

نگر کا نام تو یاد نہیں رہا . اُس نگر کے مندر میں ایک مورتی زمين پکڑ گئی . کسی طرح اُٹھائے نہ اُٹھی . اُس نگر نے لکھ یہ بات چمکار بن گئی . وہاں کے لکھ یہ بات بالکل معمولی ہے . در چہزوں کے ہچ مہن جب بالکل ہوا نہ رہے تب بہت مضبوطی سے چپک جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ سے دو ہاتھوں ہاتھوں ہی زور لگا کر انہیں الگ کرنا چاہیں تو یہیں کر سکتے . ہاں پہلو کی طرف سے دیا ہوا معمولی دھکا ان دو چہزوں کو الگ کر دیتا . یہی حال اُس اچل مورتی کا ہوا . چہزے ہی ایک طرف سے دھکا دیا گیا ہوا اندر پہنچ گئی اور مورتی کے اچل بن کا چمکار ختم ہو گیا . پر اُس مورتی کے معاملے میں ایک اور نیا تماشا ہوا . مورتی کا چمکار ہٹا تو وہ مورتی ہٹانے والے سے جا چپکا . یعنی اب مورتی ہٹانے والا چمکاری بن رہتا . یہ ہے اندھو شواس کی تعلیم کا پھل .

مورگی کا انڈا

ایک جگہ اور ایسا ہی چمکار دیکھنے کو ملا . وہ چمکار یہ تھا کہ ایک آدمی بڑے اہلسک مشہور تھے . اس لئے ان کو یہ دھبی حاصل ہو گئی تھی کہ وہ اگر مرغی کے انڈے کو اپنے ہاتھ سے اُڑچھا اچھال کر مکان کے مہدان میں پھینک دیں تو نہ انڈا پھوٹے گا اور نہ اُس کے اندر رہنے والے پرانی کو کوئی چوت لگے گی . وہ اس کرامات کی وجہ سے بچنے لگے پر جب ہم نے اس کی اچھی طرح جانچ کی تو پتہ چلا کہ مرغی کے ہر تازے انڈے میں یہ خاصیت رہتی ہے کہ اسے نکلنا بھی اُڑچھا گھاس آگے مہدان پر پھینکا جائے تو وہ ہمیشہ اپنی نوک نے بل زمين پر گرے گا . پر نہ کبھی ٹوٹے گا نہ اندر کوئی چوت ٹھانے گا . یہ وہاں کی سودھی ساسی بات ہے . اسے مورکھ پھینکے تب بھی وہی نتیجہ ہوا . مہلساوانی پھینکے تب بھی وہی نتیجہ ہوا . بس اس کی سچائی جب تک اندھوڑے میں ہے تبھی تک یہ چمکار بہنوں تو معمولی ٹھٹھا .

گاندھی جی اور چمکار

سن 1921 کی بات ہے . اسہورگ آندولن زوروں پر تھا . انگریزی سرکار کا آسن ہل گیا تھا . گاندھی جی سارے دیس میں چمکاری پرش نے نام سے مشہور ہو چکے تھے . وہ ڈاک گاڑی سے کلکتہ جا رہے تھے . مدھیہ پردیش کے گوندیا اسٹیشن پر ڈاک گاڑی شاید آدھ ٹھٹھا ٹھہرتی تھی . اس لئے گوندیا والوں نے اسٹیشن کے پلہت فارم پر ایک سبھا کا بندوبست کر لیا . گاڑی پہنچنے پر سبھا شروع ہو گئی . گاندھی جی بولنے لگے . جب گاڑی چلنے میں دو ایک منٹ باقی رہ گئے تب گاندھی جی نے گاڑی میں جا بیٹھنے کی بات سوچی . لوگوں نے فوراً آواز اُٹھائی

اصلی تک پہنچنے کا سیدھا مشینہ سناج کا نقشہ
 سا ہو گیا ہے اور عداوی کچھ مہر کے بچے، دھالی
 لکھائی سے بھاگ کر دیہی دیوتاؤں کو ملانے میں لگ
 گئے ہیں وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کو سدھ کر لہلہ سے ڈرا
 دیو میں بوسلا لکھنا آ جائے گا، وہ اقلہ بڑے دون
 بن جائیں گے کہ کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

مصدقہ ادھر کہیں

ایک بار ہم نے سنا کہ ایک ملندہ میں ایسی صورتی
 ہے جو ادھر ہے، اور وہ اس واسطے ادھر ہے کہ آئے دیونا
 تھامے ہوئے ہوں۔ ہم چندروں میں دشواس بہن کرتے۔
 ہم نے اس طرح دھول کرا شروع کی:

1. جب اُس صورتی کو دیکھا تو اس
میں چمٹکار دھاوا؟ اگر صورتی اپنے آپ اندر صورتی تب
کوئی چمٹکار دوسکنا تھا۔

2. اگر مورٹی اپنے آپ نرا دھار ہے، تب بھی کوئی چمٹکاری بات نہیں۔ کیونکہ سارے گڑے نرا دھار گھوم رہے ہیں اور بلندق سے پہلے کی ہوئی کوئی اور ہاتھ سے پہلے کا ہوا تو ہیکرا، بہت دیر نہ سہی تیروی دیر نرا دھار دیتے ہی ہیں۔ پھر نرا دھار دھلے میں چمٹکاری نہ کیا ہے ؟

3. دکانداروں کا کہنا ہے کہ چمبک کی مدد سے ایسا سمجھو ہے کہ کوئی چمبڑ عوا میں اندر تھاسی جاسکے۔ یہ دکان کی ایک سچائی ہے، اسے کوئی بھی دوسرا ہے۔ چمبکار نہیں لیا جاسکتا۔

پر ہم یہ سانتے ہیں کہ وہ سورتی جس کی تم
ہانت کر رہے ہو نہ دیوتاؤں کے ہاتھ میں تھسی ہے نہ
گرموں کی طرح برادھار ہے اور نہ چمک پتھر سے برادھار
پھائی گئی ہے۔ ہم اگر اپنے سے دیکھ پانہیں تو ہم اس کے
برادھار ہونے کی ساری پول پھول دیں۔

ہونہار کی بات . ہم ایلچی بڑی بہن سمیت ہمیں
دنوں بعد اُسی جگہ جا پہنچے جہاں ادھر مورتی والا
مقدور تھا . ہم نے ایک دوپہہ پختاری ڈو دے ک اُس مورتی
کی خود جانچ کی . وہ ادھر نہ پائی گئی . اس میں
چمک کی کوئی کاربگاری نہ تھی . وہ مورتی پختہ کے
پہچھے دو ڈھائی اسی لمحہ اور اٹھ ہی چوڑے آسن پر
تکی ہوئی تھی . اس لئے کھڑے کا تگوا یلوتھی نے دائیں
بائیں ہاتھوں کے نیچے ہوکر صاف نکل جانا تھا . اگر
کوئی اٹھ سامنے تو بے شکہ کی پوشش کرنا تو ادھر
وہلے کے سارے چمکاز ٹی پول تھل گئی ہوئی . چمکاز
میں وشواس کرے والے اس طرح کی رت سوجھ بھی
نہیں لگے ؟

'53 10/14

چمٹکار اور دھرم

چمٹکار اور دھرم

دھرم گرتے ہیں کہ چمٹکاروں سے بھرے پڑے ہیں اور دھرم کا اندھ شردھالو کتنا ہی ودوان کہوں نہ ہو سادھو سنگتوں اور مہا پرشوں کے چمٹکاروں پر وشواس کرتا ہے۔ اُسے چمٹکاروں کے وشواس کرنے میں اندھ آنا ہے۔ وہاں کی اس ہمشیں صدی میں ہندستان کی سرکار کے منسٹر جب ایک بچے سے علاج کرانے کے لئے آریسہ کے ایک چھوٹے گاؤں انگل دور سفر کرتے ہیں تب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دھرم چمٹکاروں کی تعلیم دے کر آدمی کے وشواس کو کتنا نریل بنا سکتا ہے اور کہا کر سکتا ہے۔

چمٹکار کی تعلیم

آج کل ہمارے بچوں کو چمٹکار کی تعلیم اس دن سے ملنے لگتی ہے جس دن وہ پالنے میں لیتے ہیں۔ یہ اس واسطے ضروری ہے کہ کوئی آدمی دھرم کے پیغمبروں پر ایمان ہی نہیں لا سکتا جب تک اُسے یہ ثابت کر کے نہ دکھا دیا جائے کہ وہ آدمی نہیں ایشور کے ہوتے دیوتا یا فرشتے تھے اور چمٹکاری تھے۔ چھوٹے ہیں سے کسی دماغ میں اس طرح کی باتوں پر دی جائیں تب یہ بڑی بات نہیں کہ بڑے ہو کر وہ بالک چمٹکاروں میں آریسہ ہی وشواس کرنے لگیں جس سے دنیا کی اور باتوں میں۔

سادھو لوگ چمٹکاری ہوتے ہیں یہ بات آج کل ہر ایک ایوہ میں جگہ کئے ہوئے ہے اور عورتوں کی تو کچھ نہ پوچھئے۔ وہ تو چمٹکاروں میں اتنا زیادہ وشواس رکھتی ہیں جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ان کے اس وشواس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہمارے بالک بہکملگوں سے آریسہ کرتے لگے ہیں جس سے انگریزی راج میں پولیس کرتے سے تھے اور اپنا ہی حال ہماری ماں بہنوں کا ہے۔

کوئی سادھو یعنی بہکملگا اگر ذرا چالاک ہے تو کسی آریسہ گھر سے جس گھر میں کوئی مرد نہ ہو، عورتوں سے چمٹکار کی بات لیکر دیوڑا آروا کر لے جا سکتا ہے۔ ہم یہ بات اندازے سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ ہماری بہن سے ایک بہکاری خالی ہاتھوں سے باجرہ گرا لے گا چمٹکار دکھا کر کچھ پیسے، کھڑے، پوریاں یا کٹھا تھا۔ اس وقت ہماری بہن کا تھن برس کا بچہ ہمارا تھا۔ ہم بڑی مشکل سے اپنی بہن کے چمٹکار سمجھدھی اندھ وشواس کو توڑ پائے تھے۔ چمٹکاروں کا جب سلسلہ چل پڑتا ہے تب وہ ختم نہیں ہوتا۔ کہیں چمٹکاروں کی بات چھوڑ جائے تو پھر شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ایسا چمٹکار نہ سنائے۔ چمٹکار کے وابستہ افراد میں ملے بالک مشکل سے ستھ کی کھوج میں لگ سکتے ہیں۔

آج کا کوئی دھرم چمٹکاروں سے خالی نہیں۔ اتنا ہی کہیں کوئی دھرم چمٹکار بتائے بنا کسی دوسرے دھرم والے

چمٹکار کی تالییم

آجکل ہمارے بچوں کو چمٹکار کی تالییم اس دن سے ملنے لگتی ہے جس دن وہ پالنے میں لیتے ہیں۔ یہ اس واسطے ضروری ہے کہ کوئی آدمی دھرم کے پیغمبروں پر ایمان ہی نہیں لا سکتا جب تک اُسے یہ ثابت کر کے نہ دکھا دیا جائے کہ وہ آدمی نہیں ایشور کے ہوتے دیوتا یا فرشتے تھے اور چمٹکاری تھے۔ چھوٹے ہیں سے کسی دماغ میں اس طرح کی باتوں پر دی جائیں تب یہ بڑی بات نہیں کہ بڑے ہو کر وہ بالک چمٹکاروں میں آریسہ ہی وشواس کرنے لگیں جس سے دنیا کی اور باتوں میں۔

سادھو لوگ چمٹکاری ہوتے ہیں یہ بات آج کل ہر ایک ایوہ میں جگہ کئے ہوئے ہے اور عورتوں کی تو کچھ نہ پوچھئے۔ وہ تو چمٹکاروں میں اتنا زیادہ وشواس رکھتی ہیں جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ان کے اس وشواس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہمارے بالک بہکملگوں سے آریسہ کرتے لگے ہیں جس سے انگریزی راج میں پولیس کرتے سے تھے اور اپنا ہی حال ہماری ماں بہنوں کا ہے۔

کوئی سادھو یعنی بہکملگا اگر ذرا چالاک ہے، تو کسی آریسہ گھر سے، جس گھر میں کوئی مرد نہ ہو، عورتوں سے چمٹکار کی بات کھ کر جیور ورتوا کر لے جا سکتا ہے۔ ہم یہ بات اندازے سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ ہماری بہن سے ایک بہکاری خالی ہاتھوں سے باجرہ گرا لے گا چمٹکار دکھا کر کچھ پیسے، کھڑے، پوریاں یا کٹھا تھا۔ اس وقت ہماری بہن کا تھن برس کا بچہ ہمارا تھا۔ ہم بڑی مشکل سے اپنی بہن کے چمٹکار سمجھدھی اندھ وشواس کو توڑ پائے تھے۔ چمٹکاروں کا جب سلسلہ چل پڑتا ہے تب وہ ختم نہیں ہوتا۔ کہیں چمٹکاروں کی بات چھوڑ جائے تو پھر شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ایسا چمٹکار نہ سنائے۔ چمٹکار کے وابستہ افراد میں ملے بالک مشکل سے ستھ کی کھوج میں لگ سکتے ہیں۔

آج کا کوئی دھرم چمٹکاروں سے خالی نہیں۔ اتنا ہی کہیں کوئی دھرم چمٹکار بتائے بنا کسی دوسرے دھرم والے

سत्य اور چمत्کار

چمत्کار اور اچانکاری

چمत्کار اپنے آپ میں کچھ نہیں ہوتے، ان کا مول معمولی کھٹکا جتنا ہوتا ہے۔ ایک کا چمत्کار دوسرے کے لئے معمولی کھٹکا ہے نہچے درجے کی بات ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے جو چمत्کار ہے وہ اتنا ہی اس کا اچانکار ہے۔ اچانکاری اور چمत्کار ایک سکہ کے دو پہلو ہیں۔ کسی چیز کو دیکھ جب ایک آدمی کو اچرچ ہوتا ہے تب وہ اسے چمत्کار نام دے دیتا ہے۔ جو جتنا اچانکار اور سوزگہ ہے اتنا ہی چمत्کار دنیا میں اس کے لئے ہے۔ دودھ پیتا بالک اگر بول سکتا ہوتا تو اُن دن سمجھوں چمत्کاروں کا حال سنا، کھولکے وہ دنیا کی سبھی باتوں سے اچانکار ہوتا ہے۔

چمत्کار اور اچرچ

چمٹے میں پڑکر جب روتی فولتی ہے تب، بچے ہی نہیں، بڑے بڑے فکڑک اٹھتے ہیں۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ یہ آگ کا چمत्کار ہے تو کیا جھوٹ کہتے ہیں؟ کھرائی سے سوچا جائے تو وہ سچے کے تلک بھی پاس نہیں۔ آگ میں اگ میں اگ پہلنے کی طاقت ہوتی یعنی آگ پہلے کا چمत्کار دنیا سکتی ہوئی تو وہ لوہے کے پیرے کی روٹی بھی پہل دیتی؟ پر وہ ایسا نہیں کرتی۔ اس لئے جو یہ سمجھتا ہے کہ روٹی پہلنا آگ کا چمत्کار ہے، اپنی اچانکاری کا ثبوت دیتا ہے۔ اچرچ کو سب نے اچانکاری کا پتہ مانا ہے۔ اچرچ کے ہمارے کوئی کھٹکا چمत्کار نام نہیں پا سکتی۔ اب وہی اچرچ ہی پہونچ، وہ بچوں تک سہمت نہیں اس کی سہما بہت بڑی ہے۔ اس میں بڑے بڑے ودران سما سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بڑے بڑے ودوان ہاریکروں کا تماشہ دیکھنے نہ آتے۔ کبھی کبھی معمولی باتیں بھی بڑے بڑے ودوانوں اور وکھانوں کے لئے چمत्کار ثابت ہو سکتی ہیں۔ مثال کے لئے اسویکے میں جب هندستان سے کوئی جلیبی ہمارے والا پہونچ لیا تو وہاں کے لوگوں کو یہ چمत्کار ہی معلوم ہوا کہ آٹے کی انلی باریک تھیلی میں کس طرح دس ہر کو ایک پہنچ چھٹی چھڑ ہمارے جانی ہے۔ وہ ہمارے والے سے جلیبی کی مشین دکھانے کے لئے کہنے لگے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ اس کی کوئی مشین نہیں ہوتی اور وہ ہانہ سے بن جاتی ہے تب ان کے اچرچ کا ٹھکانہ رہا۔ جب انہوں نے اپنی آنکھوں جلیبی بلتے دیکھ لیا تب ان کے منہ سے نکل لیا، ایکسا دم چمत्کار۔ یہ ہے آپ کا چمत्کار!

کی پھلتی داڑھی، بگلی داڑھی سے لمبی ہوتی ہے۔
سارے بڑے!

اچھے اچھے لفظوں کا ترجمہ کرنا اس وجہ سے
بھی ٹیک نہیں کیونکہ ترجمہ میں اصل کی بات نہیں
میں اس کے لئے ہر سہولت کو لے لیتا جس کو
"تخلیہ خیالات" کہا گیا۔ کسی نے 'Coup d'etat'
کو خیالی فہم کہا۔ کسی نے ہرجائے کا مراد
اشارہ کیا۔

ہندوستان میں آج کل کے حالات میں بھی
(ایک دوسرے کے خلاف) جھگڑا پا رہا ہے۔ ایک
طرف انگریزوں کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ ان کی
پوری پوری نگرانی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لندن
جوہر، مشہور نام یا سب سے زیادہ اہم نام کے ساتھ
کروانے کے لئے لندن اور سب سے زیادہ اہم نام کے
طرف ان لفظوں کا بھی ترجمہ کیا جاتا ہے جو بہت اہم
ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں راشن کو راتیں
ہیں۔ یہاں 1944 میں "دل ہند اردو کانگریس" ہوئی
تھی۔ اس کے ایک اجلاس کے سہ ماہی ملک گزشتہ ہفتے
کے پرنسپل رشید احمد صاحب نے۔ انہوں نے ہندوستان
کی بہت ترقی کی۔ ساتھ ہی قریب قریب یہ بھی کہا
یہاں کے لوگوں کو ہندوستانی لفظوں کے ترجمہ کرنے کا بہت
تجربہ ہے۔ حالانکہ اردو میں اس کی زیادہ ضرورت نہیں کیونکہ
آج کل کے ایک ملک میں اس کی زیادہ ضرورت نہیں کیونکہ
انگریزوں کے لئے یہ سب ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے
راتیں کا ذکر کیا اور کہا راشن کا لفظ ہندوستان میں
چلا آیا ہے۔ چنانچہ لفظوں کو چھوڑ کر زبان کی ترقی نہیں
ہے۔ دوسرے روز اسی اردو کانگریس نے ہفتے جلسہ میں
حسن نظامی دہلوی نے راشن کا لفظ استعمال کیا۔
دیکھو دیکھو اور کہا "میں راتیں نہیں کہتا" راتیں کے لئے
ہوتا ہے۔ "مگر شہر میں ہے ہندوستان پر جو نہ دشمن سے
کچھ سمجھتا ہے نہ دوست سے، جو نہ ہفتے معزز کی
پرواہ کرتا ہے، نہ ہمدردی کا (پارکھی) کی۔

بہر حال اگر ہم اپنی زبان کو بھولنا اور پروا نہ
چاہتے ہوں تو ہمارے لئے اٹل ہے کہ بہت سے ہندو
دشمنوں، ہندو اور جانوروں کے نام یا تو جن کے
اپنی زبان میں لے لیں یا ضرورت ہو تو اس کو ہندیا لیں
یا ہندوستانی سانچے میں ڈھال کر اپنا لیں۔ اسی طرح
تمام نئی نئی چیزیں، تہذیبوں اور اداروں کے نام جو
آسانی سے اپنا لے سکتے ہیں اصل شکل میں یا ہندی
بہت تبدیلی کے ساتھ لے لیں۔ گویا ہندیا لے جائیں۔
اسی کو ہندیا کہتے اور یہی ہماری بھلائی ہے۔
پھر کا ہوا اہم رہتا ہے۔

کی۔ پچھلی ٹانگوں کی ٹانگوں سے لپی ہوئی ہیں۔
سجھ رہا ہے!

اچھے اچھے لفظوں کا ترجمہ کرنا اس وجہ سے
بھی ٹیک نہیں کیونکہ ترجمہ میں اصل کی بات نہیں
میں اس کے لئے ہر سہولت کو لے لیتا جس کو
"تخلیہ خیالات" کہا گیا۔ کسی نے 'Coup d'etat'
کو خیالی فہم کہا۔ کسی نے ہرجائے کا مراد
اشارہ کیا۔

ہندوستان میں آج کل کے حالات میں بھی
(ایک دوسرے کے خلاف) جھگڑا پا رہا ہے۔ ایک
طرف انگریزوں کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ ان کی
پوری پوری نگرانی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لندن
جوہر، مشہور نام یا سب سے زیادہ اہم نام کے ساتھ
کروانے کے لئے لندن اور سب سے زیادہ اہم نام کے
طرف ان لفظوں کا بھی ترجمہ کیا جاتا ہے جو بہت اہم
ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں راشن کو راتیں
ہیں۔ یہاں 1944 میں "دل ہند اردو کانگریس" ہوئی
تھی۔ اس کے ایک اجلاس کے سہ ماہی ملک گزشتہ ہفتے
کے پرنسپل رشید احمد صاحب نے۔ انہوں نے ہندوستان
کی بہت ترقی کی۔ ساتھ ہی قریب قریب یہ بھی کہا
یہاں کے لوگوں کو ہندوستانی لفظوں کے ترجمہ کرنے کا بہت
تجربہ ہے۔ حالانکہ اردو میں اس کی زیادہ ضرورت نہیں کیونکہ
آج کل کے ایک ملک میں اس کی زیادہ ضرورت نہیں کیونکہ
انگریزوں کے لئے یہ سب ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے
راتیں کا ذکر کیا اور کہا راشن کا لفظ ہندوستان میں
چلا آیا ہے۔ چنانچہ لفظوں کو چھوڑ کر زبان کی ترقی نہیں
ہے۔ دوسرے روز اسی اردو کانگریس نے ہفتے جلسہ میں
حسن نظامی دہلوی نے راشن کا لفظ استعمال کیا۔
دیکھو دیکھو اور کہا "میں راتیں نہیں کہتا" راتیں کے لئے
ہوتا ہے۔ "مگر شہر میں ہے ہندوستان پر جو نہ دشمن سے
کچھ سمجھتا ہے نہ دوست سے، جو نہ ہفتے معزز کی
پرواہ کرتا ہے، نہ ہمدردی کا (پارکھی) کی۔

بہر حال اگر ہم اپنی زبان کو بھولنا اور پروا نہ
چاہتے ہوں تو ہمارے لئے اٹل ہے کہ بہت سے ہندو
دشمنوں، ہندو اور جانوروں کے نام یا تو جن کے
اپنی زبان میں لے لیں یا ضرورت ہو تو اس کو ہندیا لیں
یا ہندوستانی سانچے میں ڈھال کر اپنا لیں۔ اسی طرح
تمام نئی نئی چیزیں، تہذیبوں اور اداروں کے نام جو
آسانی سے اپنا لے سکتے ہیں اصل شکل میں یا ہندی
بہت تبدیلی کے ساتھ لے لیں۔ گویا ہندیا لے جائیں۔
اسی کو ہندیا کہتے اور یہی ہماری بھلائی ہے۔
پھر کا ہوا اہم رہتا ہے۔

ہے، میری एक ن باتیں، بोट میں سے یہ لکھنؤ میں لایا گیا۔ ڈیکشنری لپ گئی، مگر اس سے زبان اور ادب کو جو فائدہ ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہوا۔ آپ خود ہی سوچ لیں کہ لائبریری کی بجائے معیار کا لکھنؤ میں چل سکتا تو الگ رہا اردو میں بھی کبھی چل سکے گا؟

اردو کے پاکبازوں نے کلاچر کے بجائے سکاٹلڈ اسٹیمپل کرنا شروع کر دیا مگر یہ لکھنؤ اب تک آم نہیں ہوا۔ سیکورٹی (Security) کا ترجمہ صہانت کہا گیا اور اس کو بھی چالو کرنے کی تہذیبی بہت کوشش کی گئی۔ ہود، آزاد کا ایک اخبار اب بھی سیکورٹی کونسل (Security Council) کو صہانتی کونسل کہتے ہیں۔ کس صہانت کی تہذیب کا کونسل کے لئے بھی کوئی آم سمجھو لکھنؤ ڈیپوٹ لیا جائے تاکہ ہندوستان میں اردو اور بھی زیادہ تھوڑی سے بہل سکے!

زرافہ سب سے اونچے جانوروں کا نام ہے جو صرف افریقہ کے مہادیہ میں پایا جاتا ہے۔ جس تہذیبی کلمہ کو یا لکھنؤ نامی جانوروں کے نام کا بدلنا پاگل پن ہوتا ہے اسی تہذیبی زرافہ کا ترجمہ کرنا نادانانہ ہوتی ہے۔ اس لئے تمام ہندوستانی بے باکوں نے اس لکھنؤ کو اپنا لیا اور اپنی اپنی بے باک فطرت کے مطابق اسے کسی قدر بدل دیا۔ انگریزوں نے Giraffe کہا تو جرمنوں نے گردافج۔ مگر ہندوستانیوں نے ایک ڈیکشنری میں جو اردو آباد میں چھپی ہے اس کا ترجمہ تہذیبی کر دیا ہے:

(1) افریقہ کا چرواہا جس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگیں سے لمبی ہوتی ہیں۔

(2) ایک پرکار کا اونٹ۔

(3) چترورشت۔

فرز ہندی لغت (ڈیکشنری) لکھنے والوں نے ناک رکھ لی مگر زرافہ کو Giraffe یا ہندی سائنس میں شمال کی طرف نہ لکھا۔ اگر ہندی کوئی بھانے والے کو زرافہ سے کہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ اپنی بھانہ کا شہد ہے تو دورا کرنگ کی تہذیبی چترورشت (پیشو) سے بھی اچھا لکھنؤ بدلتا ہے مگر یہ تو کوئی تک کی بات نہ ہوگی کہ ہم زرافہ کی بجائے ایک پرکار کا اونٹ کہیں۔ اس تہذیبی نو ہم ہو چکا ہے۔ ہر جانور ہو بھٹور کا "پرچہ" کہتے ہیں اور انگلستان کے ایک مشہور پتھر کو جسے ایک (Oak) کہتے ہیں "ایک پرکار کا پتھر" کہیں اور لکھنؤ کے بارے میں کہیں: "اسٹریٹ" کا چرواہا جس کی پچھلی ٹانگیں اگلی ٹانگیں سے لمبی ہوتی ہیں۔ اب ہم آسانی سے زرافہ اور لکھنؤ میں فرق کر سکتے ہیں۔ ایک کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگیں سے اور دوسرے

(1) افریقہ کا چرواہا جس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگیں سے لمبی ہوتی ہیں۔

(2) ایک پرکار کا اونٹ۔

(3) چترورشت۔

پارلہ ہندی لکھنؤ (ڈیکشنری) لکھنے والوں نے ناک رکھ لی مگر زرافہ کو Giraffe یا ہندی سائنس میں شمال کی طرف نہ لکھا۔ اگر ہندی کوئی بھانے والے کو زرافہ سے کہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ اپنی بھانہ کا شہد ہے تو دورا کرنگ کی تہذیبی چترورشت (پیشو) سے بھی اچھا لکھنؤ بدلتا ہے مگر یہ تو کوئی تک کی بات نہ ہوگی کہ ہم زرافہ کی بجائے ایک پرکار کا اونٹ کہیں۔ اس تہذیبی نو ہم ہو چکا ہے۔ ہر جانور ہو بھٹور کا "پرچہ" کہتے ہیں اور انگلستان کے ایک مشہور پتھر کو جسے ایک (Oak) کہتے ہیں "ایک پرکار کا پتھر" کہیں اور لکھنؤ کے بارے میں کہیں: "اسٹریٹ" کا چرواہا جس کی پچھلی ٹانگیں اگلی ٹانگیں سے لمبی ہوتی ہیں۔ اب ہم آسانی سے زرافہ اور لکھنؤ میں فرق کر سکتے ہیں۔ ایک کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگیں سے اور دوسرے

थर्मामीटर को कुछ उर्दू के मेहरबान मित्र्यास
उलहराते कहते हैं, नारमल का तरजुमा खन्जुमन तरक्की
उर्दू ने मेयार किया है, मैं खुद इस कमेटी में मौजूद था
जिसने नारमल जैसे करोड़ों की ख़बान पर चढ़े हुए लफ़्ज़
का तरजुमा मेयार किया, मैंने बहुत मुखातिफ़त की थी,
साफ़ स्तर कहा था कि इन क्रिस्म के बेजान लफ़्ज़ों का
बनाना हमारी बड़ी भारी भूल है, "जब तक सांस तब तक
भास" सही तो है मगर बिल्कुल मुरदा और बेजान पैदा होने
वाले बन्धों के पनपने और परवान चढ़ने की ब्यास रखना
हसरत नाक मुख परस्ती और जाहिलाना ख़र पेतरादी

تھرماسٹر کو کچھ اردو کے مہربان مٹھاس۔ انصراوت
گہتے مہن۔ لارمل کا ترجما انجمن ترکی اردو نے معیار کیا
ہے۔ مہن خد اس کمپنی مہن موجود تھا جس نے
لارمل چھسے کروڑوں کی زبان پر چڑھے ہوئے لغز کا ترجما
معیار کیا۔ مہن نے بہت مطالعت کی تھی۔ ساف ساف
کہا تھا کہ اس قسم کے بے جان لغزوں کا بلانا ہماری بڑی
بھاری بھول ہے۔ ”جب تک سائنس تب تک اس“
تھی تو ہے مگر بلکل مرده اور بے جان پیدا ہوئے
والت بھڑکے پلٹھے اور پروان چڑھنے کی اس دکھلا
حسرت ناک سکھ پرستی اور جامانے کھی اعتقادی

Fetish	فیتیش	فیتیش	Fetish
Gang	گنگ	گنگ	Gang
Gesture	جسٹس	جسٹس	Gesture
Griaffe	جیراف - شیراف	جیراف - شیراف	Griaffe
Hygiene	ہائیجین	ہائیجین	Hygiene
Kangaroo	کینگرو	کینگرو	Kangaroo
Kilogram	کیلوگرام	کیلوگرام	Kilogram
Kilometre	کیلو میٹر	کیلو میٹر	Kilometre
Kindergarten	کینڈر گارڈن	کینڈر گارڈن	Kindergarten
Lynching to Lynch	لینچینگ-لینچ	لینچینگ - لینچ	Lynching to Lynch
Mood	مود	مود	Mood
Orbit	آربٹ	آربٹ	Orbit
Oxide	اکسائیڈ	اکسائیڈ	Oxide
Oxidization	آکسائیڈیشن	آکسائیڈیشن	Oxidization
Oxidize	آکسائیڈینا	آکسائیڈینا	Oxidize
Party	پارٹی	پارٹی	Party
Pattern	پٹرن	پٹرن	Pattern
Pillary	پیلری	پیلری	Pillary
Program	پروگرام	پروگرام	Program
Polyanna	پولیآنا	پولیآنا	Polyanna
Proletarian	پرولیتیریئن	پرولیتیریئن	Proletarian
Proletariat	پرولیتاریا	پرولیتاریا	Proletariat
Sabotage	سبوتاژ	سبوتاژ	Sabotage
Sail Reptile	سلیپا سلیپور	سلیپا سلیپور	Sail Reptile
Stegosaurus	سٹیگوسار	سٹیگوسار	Stegosaurus
Surplus	سورپلس	سورپلس	Surplus
Taboo	ٹابو-ٹابو	ٹابو/ٹابو	Taboo
Tact	ٹیکٹ	ٹیکٹ	Tact
Technique	ٹیکنیک	ٹیکنیک	Technique
Tort	ٹارٹ	ٹارٹ	Tort
Tyranosaurus	تیرنوسار	تیرنوسار	Tyranosaurus
Zone	زون	زون	Zone

اس طریقے کے برخلاف جب اردو کے پاکباز اور شہری ہر پردیسی شہد کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی چل پڑا اور مشہور ہو چکا ہو اور چاہے وہ شہد سلسار کی تمام ہوی زبانوں میں بھی ہو جاتا ہو تو ایسے ہونڈے، بھانک اور بوجھل لٹو ملتے ہیں جن کا جلتا خد اردو یا ہندی میں ناممکن یا انتہائی گہن ہوتا ہے۔

اقتربومی اور جلساری اہمیت رکھنے والے شہدوں کے جلد نمونوں پر فور کھچتے جو اردو کے پاکبازوں اور ہندی کے شہدی گروں نے کئے ہیں۔

سکھ سمیت رائے بھنڈاری نے چار ہوی اور موتی جلدوں

اس طریقے کے برخلاف جب اردو کے پاکباز اور شہری ہر پردیسی شہد کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی چل پڑا اور مشہور ہو چکا ہو اور چاہے وہ شہد سلسار کی تمام ہوی زبانوں میں بھی ہو جاتا ہو تو ایسے ہونڈے، بھانک اور بوجھل لٹو ملتے ہیں جن کا جلتا خد اردو یا ہندی میں ناممکن یا انتہائی گہن ہوتا ہے۔

اقتربومی اور جلساری اہمیت رکھنے والے شہدوں کے جلد نمونوں پر فور کھچتے جو اردو کے پاکبازوں اور ہندی کے شہدی گروں نے کئے ہیں۔

سکھ سمیت رائے بھنڈاری نے چار ہوی اور موتی جلدوں

ہندوستانی شہدیاں کا चौथा

असल: हिन्दयाबा

(डाक्टर जाकर हमन)

राजकाजी, साइन्सी और अदबी बोलचाल में हमें जिन लफ्जों की जरूरत पड़ती है और जिनका तरजुमा सरल हिन्दी या आसान उर्दू में मुमकिन नहीं उनको हिन्दयाबा और हिन्दयाकर हिन्दुस्तानी के शब्द सागर में दाखिल कर लेना चाहिये। नये जमाने की बहुत सी चीजों के नाम अन्तर क्रौमी हो गए हैं और जहां जहां पच्छिमी जवानों फैल चुकी हैं या फैलती जा रही हैं या उनका गहरा असर पड़ा है उन चीजों के नाम जू के तू दूसरी भाशाओं में ले लिये गए हैं।

जिस तरह रेडियो, टेलीफोन, राशन, कलबर, वाइस-राय, थर्मामीटर, पार्लिमेन्ट, पालिसी, अलकहल, अल्जेबरा, कैफे, चा, केमरा, गार्ड, सिनेमा, फिलम, थेटर, ड्रामा, प्लाट, बार, बेंच, बियर, व्हिस्की, कीमिया, चाकलेट, सिगार, सिगरेट, कलब, सरकस, काकटेल, काफी, चेक, कालर, कालज, कमेटी, कम्पनी, यूनिवर्सिटी, वाइस चान्सलर, इन्स्पेक्टर, डाइरेक्टर, बम, अरारोट, पेंसिल, पासपोर्ट पम्प वगैरा हिन्दुस्तानी में दाखिल हो गए हैं और न सिर्फ हिन्दी या उर्दू में बल्कि हिन्दुस्तान की दूसरी भाशाओं में भी इस्तेमाल किये जाते हैं। इसी तरह हमें और भी बहुतरे लफ्ज हिन्दया कर ले लेना चाहिये।

“हिन्दयाबा” से मुराद हिन्दी सांचे में ढालना है। जिन तरह हर जवान में रौर जवानों के लफ्ज अपनी शकल सूरत बदल कर अपनाए जाते हैं और चन्द ही लफ्ज अपनी असल शकल सूरत बाक़ी रख सकते हैं इसी तरह हिन्दुस्तानी में जितने लफ्ज दूसरी भाशाओं से लिये जा चुके हैं या लिये जायेंगे, उनमें से जियादातर लफ्ज हिन्दयाए जायेंगे। हर जवान की फ़ितरत के मुताबिक दूसरी जवान से आप हुए अकसर लफ्जों की लिखावट और बोल चाल में तबदीली होती है। इस अमल को हिन्दुस्तानी की हद तक हिन्दयाबा कहते हैं।

इस अमल के मुताबिक हम और भी लफ्ज दूसरी भाशाओं से ले सकते हैं जैसे:

Bank	बैंक
Bourgeois	बुरजुआ
Brotasaurus	बुरोताबर
Charter	चारटर
Dinosaur	डिनावर
Fashion	फैशन

ہندستانی شہدیاں کا چوتھا اسول :

ہندیابا

(ڈاکٹر جاکر حسن)

راچ گچی، سائنسی اور ادبی بول چال میں جن لفظوں کی ضرورت پڑتی ہے اور جن کا ترجمہ سول ہندی یا آسان اردو میں ممکن نہیں ان کو ہندیابا اور ہندیابا کر ہندستانی کے شہدیاں میں داخل کر لیا جائے۔ نئے زمانے کی بہت سی چیزوں کے نام انگریزی ہوئے ہیں اور جہاں جہاں پچھلی زبانیں پھیل چکی ہیں یا پھیلنے جا رہی ہیں یا ان کا گہرا اثر ہوا ہے ان چیزوں کے نام جن کے نون دوسری بھاشاؤں میں لے لئے گئے ہیں۔

جس تہہ دیکھو، ٹیبلٹوں، واہن، کلچر، وائسرائے، ٹرمز، موٹر، پارلیمنٹ، پالیسی، الیکٹرک، کپڑے، چاک، کھانا، لاف، سلیم، فلم، ٹیویٹر، ڈراما، پلاٹ، ہار، بلچ، ہور، وھسکی، ٹھنڈا، چائلیٹ، سٹار، سگریٹ، ٹلپ، سرکس، کاک ٹیل، کافی، چک، کالر، کالج، کمپنی، ٹیبلٹ، ہونیورسٹی، وائس چانسلر، اسپیکٹر، ڈائریکٹر، ہم، ارادوت، پلسل، پاسپورٹ، پمپ، وغیرہ ہندستانی میں داخل ہو گئے ہیں اور نہ صرف ہندی یا اردو میں بلکہ ہندستان کی دوسری بھاشاؤں میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی تہہ ہمیں اور بھی بہترے لفظ ہندیابا کر لے لیا جائے۔

”ہندیابا“ سے مراد ہندی سانچے میں ڈالنا ہے۔ جس تہہ ہر زبان میں ہر زبانوں کے لفظ اپنی شکل صورت بدل کر اپنائے جاتے ہیں اور جلد ہی لفظ اپنی اصل شکل پائی رکھ سکتے ہیں اسی تہہ ہندستانی میں جتنے لفظ دوسری بھاشاؤں سے لےئے جا چکے ہیں یا لگے جا رہے ہیں ان میں سے زیادہ تر لفظ ہندیاباے جائیں گے۔ ہر زبان کی لغت کے مطابق دوسری زبان سے آئے ہوئے لفظوں کی لکھاوت اور بول چال میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اس عمل کو ہندستانی کی حد تک ہندیابا کہتے ہیں۔ اس عمل کے مطابق ہم اور بھی لفظ دوسری بھاشاؤں سے لے سکتے ہیں جیسے:

Bank	بینک
Bourgeois	برجوا
Brotosaurus	بروتابور
Charter	چارٹر
Dinosaur	ڈائو
Fashion	فیشن

ہے۔ کسی بڑے کڑے، ناز اور بظاہری ہیشیت والے لہجہ میں۔
وہ کسی سے نہ کہتا ہے۔ وہ کھانا بھی نہیں کھاتا۔
وہ شانتی پرستی نہیں کرتا۔ شانتی کے لئے کوئی دیکھاوا نہیں کرتا۔
شانتی کو وہ دھن کی جڑ سمجھتا ہے۔ یہی ان کا پھل
اصل ہے۔

ہم اپنے ملک میں بھی شانتی بنا کر رکھ سکتے ہیں۔
لیکن یہ کام تہی ہو سکتا ہے جب ہم اس بڑے کام
میں جی جان سے جڑ جائیں۔ جہاں تک کدورتی
سماجی ریت رواج اور کلچر کی حوالوں کا
سلسلہ ہے ہندوستان اور روس میں کافی فرق ہے۔
ہمارے کام کرنے کے طور طریقے بھی دوسرے ہیں۔
لیکن جہاں تک شانتی کا سوال ہے ہم سب کی ملوث
ایک ہی ہے۔

ہمارے ملک میں بیکار، بیماری اور بھوک کا
بڑا مسئلہ ہے۔ کدورت ہم سے کدورت ناکار
سی ماحول پڑتی ہے۔ سماج اور راجکار نے ہم کو تارک
پہلے دیکھا ہے۔ اب سوال اٹھتا ہے کہ ہم کس طرح ان سب کو
دور کریں۔ اس کے لئے ہم کو کدورت پر قابو پانا ہوگا۔ ہم کو
وہاں ہی کرنا ہوگا جہاں سویت نے زمین کو ہرا ہرا
بنایا، زمین میں سہولتیں کر کے، کسانوں کو تعلیم دینے
وغیرہ کے لئے کیا ہے۔ یہ سب کام ہمیں اپنے نجی
فائدے کے لئے نہیں بلکہ سارے دیہی کے ہمت کے لئے
کرنے ہونگے۔ مثال کے لئے زمین کو بیکار کے کاموں میں
استعمال نہیں کیا جائے گا، چونکہ والے کے اندر افساد
پیدا کرنا ہوگا، ہم اس کے بدلے کا ہی چاہیں گے۔ چونکہ
ہوئے والا سماج کا ایک ضروری انگ ہے، وہ ہی سماج میں
ایک آرڈر لگتا ہے۔ اس کے سہولت کے بنا ہمارے
نیوٹن کے کام میں ہی دھڑے رہ جائیں گے۔

مستقل شانتی قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم
اپنا تین من دھن کھتی پانی اور گاؤں کے چھوٹے اسٹر کو
اوپر کرنے کے کام میں لگا دیں۔ ہمیں اس بات کی جی
جان سے کرکشی کرنا چاہئے کہ ہم سے کم سوویت کی
طرح اناج اور زندگی کی ضروریات کی دوسری چیزیں اپنے
ملک میں ہی پیدا کر لیں۔ دوسرے دیہیوں سے ایسی
چیزیں جو ہمارے ملک میں آتی ہیں ان پر روک لگائیں۔
مہاتما گاندھی شانتی کے اوتار تھے اور ان کی ہی
یہی رائے تھی۔ سوویت والے اسی اصول کو اپنے طریقے سے
اپنے دیہی میں اپنا رہے ہیں۔ وہ بھی لوگ ہماری زیادہ
مدد نہیں کر سکتے۔ اپنے ہمت کو تھوک تھوک سمجھ کر
اور اپنے میں دھواں دھو کر ہی ہم اپنی ملوث پر ہرگز نہیں
کے۔ اگر ہر دیہی نے لوگ اس پالیسی پر عمل کریں گے
تو لڑائی کا نام بھان سب جائے گا اور سبھی دیہی
شانتی کے ساتھ رہ سکیں گے۔ شانتی زندہ باد!

اور ان کی بیعت کے مطابق ملتی ہے۔ کہیں کہیں پر ایک اچھے مزدور کی مزدوری ایک پروفیسر سے بھی زیادہ ہے، ایسا ہمارے دیکھنے میں آیا۔

لوگوں میں اتنا بڑا کرنے کے لئے بہت سی تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔ ایک مزدور جو اچھا کام کرتا ہے اس کو کھول زیادہ مزدوری دی جاتی ہے بلکہ اس کے کاموں کی سرانجام دہندہ میں چھاپ کر دی جاتی ہے۔ اس کو بڑے بڑے انعاموں سے سوشلزمیت کہا جاتا ہے۔ اس طرح دوسرے لوگ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ جب پیداوار میں ترقی ہوتی ہے، مزدور کی مالی اور سماجی حالت سدھرتی ہے تب اس کو اس بات کا دھیان کرنا پڑتا ہے کہ وہ مقامی سماج کا ہی نہیں بلکہ دیس کا ایک انگ ہے۔

مزدوروں میں جاگرتی ہے۔ ان کو یقین ہے کہ وہ صرف بھل گئے نہیں ہیں بلکہ اپنے دیس کو سزا دے اور بدلے والوں میں سے ایک ہیں، وہ اپنے دیس کا بھلا برا خوب چیتے ہیں۔

پیداوار بڑھانے کے لئے اس بات کا خاص دھیان دیا جاتا ہے کہ مزدور کے کام کے گھنٹوں اور دھن سہن میں کوئی فرق نہ پڑے۔ ان کو اپنا وکس کرنے کے لئے تمام آسانیاں دی جاتی ہیں۔ تھوٹر، جن کو پہلے 'آؤٹچی' درجہ کے لوگ ہی دیکھ سکتے تھے اب سب قسم کے لوگوں کے لئے کھول دئے گئے ہیں۔ وہ اس میں آرٹسٹ اور درشک دونوں حیثیتوں سے شامل ہوتے ہیں۔ ان کے جھون کو ناچ، گانوں اور کلا کے ذریعے اچھا بنایا جاتا ہے۔ ان چھوڑوں کو چلتا کا کلدوری اسٹر اونچا کرنے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

مزدوروں کے لئے سہلی توریہ اور آرام گاہ جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

کھڑی چیروں کے उत्पादन کو بڑھانے میں آگے ہیں اور سوکھتے ہوئے رستہ میں ہر شخص کو ایک معمولی آرام کی زندگی بسر کرنے کا پورا یقین دلا دیا گیا ہے۔ لوگوں کی ضرورتوں اور زیادہ افادہ پہنچانے کی اہمیت کو وہاں خوب سمجھا لیا گیا ہے۔ پرکرتی کی بہت سی چیزوں پر بھی قابو پا لیا گیا ہے۔

دلدلی زمین کو خیتی باری کے قابل بنا لیا گیا ہے۔ ہزاروں ایکڑ زمین جس کے اندر ایک دانہ ان کا بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا وہاں اب ہرے بھرے کھیت دانوں سے لدے لہلہا رہے ہیں کیونکہ وہاں سہلچائی کا اچھا پر بندہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں کے باغ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ جو زمین چوٹائی کے قابل ہے اس کو آپسی سہولت والی کھیتی کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہاں کے کسان بہت خوش ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی محصولات کا پہل ان کو ملے گا۔ ان کو کسی قسم کا ڈر نہیں رہتا۔ کسان زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لوگوں میں تعلیم کا پوجار کرنے اور سائنس کی معلومات بڑھانے کے لئے وہاں ریڈیو اور کنگری سسٹمز کا بندوبست ہے۔ اس طرح لوگوں کو اپنے گھر بہتے بہتے تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ 'جملتا کی آواز' میں زور ہے۔ وہاں کے لوگ جی جان سے اپنے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

آج کے دوس میں ایک بات اہم ہے وہ یہ کہ وہاں پر جو کام بھی شروع کیا جاتا ہے وہ ایک تھلک اور سوچ وچار کے بعد کیا جاتا ہے۔ لوگ کام سے پہلے اس پر بحث کرتے ہیں۔ جب سب پہلوؤں پر غور ہو چکنا ہے تب اس پوجنا کو عمل میں لایا جاتا ہے۔

ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرنے والے کو اس بات کا پکا یقین رہتا ہے کہ اس کا بدلاؤ تھلک تھلک سے کیا جائے گا۔ یہ سب کام سرکار اپنی دیکھ بیکھ میں کرتی ہے۔ اس طرح کا اہل بدل ملک کی اندرونی کرنسی پر کافی اثر ڈالتا ہے۔ وہاں ایک طرح کا کوپن ہوتا ہے۔ اس کو سود پر دینے کا دواج نہیں ہے نہ کوئی اسے جمع کر سکتا ہے اور نہ اس کو اپنی ضرورت میں رکھ سکتا ہے۔ اس طرح ایک بڑا فائدہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لوگ ہر وقت وہاں دے کر روزانہ کی چیزیں لینے کے لئے آسک رہے ہیں۔ دکانیں روزمرہ کے اہتمام کے چھڑوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کھانے والی چیزوں کی وہاں کافی فراہم ہے۔ اس کے علاوہ شوق کی چیزیں بھی وہاں کافی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔

کام کو اچھے ہنگ پر چلانے کے لئے وہاں کے مزدوروں کو اچھی مزدوری دی جاتی ہے۔ یہ مزدوری ان کی محصولات

کے لئے ہے اور وہاں کے کھیتی باری کے قابل بنا لیا گیا ہے۔ ہزاروں ایکڑ زمین جس کے اندر ایک دانہ ان کا بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا وہاں اب ہرے بھرے کھیت دانوں سے لدے لہلہا رہے ہیں کیونکہ وہاں سہلچائی کا اچھا پر بندہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں کے باغ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ جو زمین چوٹائی کے قابل ہے اس کو آپسی سہولت والی کھیتی کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہاں کے کسان بہت خوش ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی محصولات کا پہل ان کو ملے گا۔ ان کو کسی قسم کا ڈر نہیں رہتا۔ کسان زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لوگوں میں تعلیم کا پوجار کرنے اور سائنس کی معلومات بڑھانے کے لئے وہاں ریڈیو اور کنگری سسٹمز کا بندوبست ہے۔ اس طرح لوگوں کو اپنے گھر بہتے بہتے تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ 'جملتا کی آواز' میں زور ہے۔ وہاں کے لوگ جی جان سے اپنے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

آج کے دوس میں ایک بات اہم ہے وہ یہ کہ وہاں پر جو کام بھی شروع کیا جاتا ہے وہ ایک تھلک اور سوچ وچار کے بعد کیا جاتا ہے۔ لوگ کام سے پہلے اس پر بحث کرتے ہیں۔ جب سب پہلوؤں پر غور ہو چکنا ہے تب اس پوجنا کو عمل میں لایا جاتا ہے۔

ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرنے والے کو اس بات کا پکا یقین رہتا ہے کہ اس کا بدلاؤ تھلک تھلک سے کیا جائے گا۔ یہ سب کام سرکار اپنی دیکھ بیکھ میں کرتی ہے۔ اس طرح کا اہل بدل ملک کی اندرونی کرنسی پر کافی اثر ڈالتا ہے۔ وہاں ایک طرح کا کوپن ہوتا ہے۔ اس کو سود پر دینے کا دواج نہیں ہے نہ کوئی اسے جمع کر سکتا ہے اور نہ اس کو اپنی ضرورت میں رکھ سکتا ہے۔ اس طرح ایک بڑا فائدہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لوگ ہر وقت وہاں دے کر روزانہ کی چیزیں لینے کے لئے آسک رہے ہیں۔ دکانیں روزمرہ کے اہتمام کے چھڑوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کھانے والی چیزوں کی وہاں کافی فراہم ہے۔ اس کے علاوہ شوق کی چیزیں بھی وہاں کافی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔

کام کو اچھے ہنگ پر چلانے کے لئے وہاں کے مزدوروں کو اچھی مزدوری دی جاتی ہے۔ یہ مزدوری ان کی محصولات کے لئے ہے اور وہاں کے کھیتی باری کے قابل بنا لیا گیا ہے۔ ہزاروں ایکڑ زمین جس کے اندر ایک دانہ ان کا بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا وہاں اب ہرے بھرے کھیت دانوں سے لدے لہلہا رہے ہیں کیونکہ وہاں سہلچائی کا اچھا پر بندہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں کے باغ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ جو زمین چوٹائی کے قابل ہے اس کو آپسی سہولت والی کھیتی کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہاں کے کسان بہت خوش ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی محصولات کا پہل ان کو ملے گا۔ ان کو کسی قسم کا ڈر نہیں رہتا۔ کسان زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لوگوں میں تعلیم کا پوجار کرنے اور سائنس کی معلومات بڑھانے کے لئے وہاں ریڈیو اور کنگری سسٹمز کا بندوبست ہے۔ اس طرح لوگوں کو اپنے گھر بہتے بہتے تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ 'جملتا کی آواز' میں زور ہے۔ وہاں کے لوگ جی جان سے اپنے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

کام کو اچھے ہنگ پر چلانے کے لئے وہاں کے مزدوروں کو اچھی مزدوری دی جاتی ہے۔ یہ مزدوری ان کی محصولات کے لئے ہے اور وہاں کے کھیتی باری کے قابل بنا لیا گیا ہے۔ ہزاروں ایکڑ زمین جس کے اندر ایک دانہ ان کا بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا وہاں اب ہرے بھرے کھیت دانوں سے لدے لہلہا رہے ہیں کیونکہ وہاں سہلچائی کا اچھا پر بندہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں کے باغ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ جو زمین چوٹائی کے قابل ہے اس کو آپسی سہولت والی کھیتی کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہاں کے کسان بہت خوش ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی محصولات کا پہل ان کو ملے گا۔ ان کو کسی قسم کا ڈر نہیں رہتا۔ کسان زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لوگوں میں تعلیم کا پوجار کرنے اور سائنس کی معلومات بڑھانے کے لئے وہاں ریڈیو اور کنگری سسٹمز کا بندوبست ہے۔ اس طرح لوگوں کو اپنے گھر بہتے بہتے تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ 'جملتا کی آواز' میں زور ہے۔ وہاں کے لوگ جی جان سے اپنے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

جگ شانتی اور روس

(ڈاکٹر جے. سی. کمارپا)

شانتی کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ان کے فرق کو ساک صاف سمجھ لینا ہم سب کے لیے ضروری ہے۔ سب سے پہلے 'کریستیان کی شانتی' کا نمبر آتا ہے۔ 'کریستیان کی شانتی' اس شانتی کو کہتے ہیں جب ایک ملک دوسرے ملک پر چڑھائی کر دیتا ہے اور اس کو سربہ اور بے جان بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد جولا مکھی کی شانتی کا نمبر آتا ہے۔ ہم ایک راشٹر کو جیتنے کے بعد اور فوجی طاقت سے غلام بنانے کے بعد وہاں شانتی قائم کو دیتے ہیں لیکن ہمارے ہولے راشٹر میں نفرت کی بھڑونا پیدا ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ کھلی بغاوت کی ناک میں رہتا ہے۔ تیسری طرح کی وہ شانتی ہے جسے ہم عارضی صلح کا نام دیتے ہیں۔ اس میں شانتی قائم رہتی ہے کیونکہ دونوں فریقوں کو اپنی طاقت کا پورا اندازہ نہیں ہوتا اور وہ آپس کو مضبوط کرنے کے لئے مہلت چاہتے ہیں۔

اوپر لکھی حالتوں کو اصل شانتی کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ اصلی شانتی باہری اور دکھارتی چیزوں سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر کی آواز کو سنیں، اس کو پہچانیں اور عمل میں لائے کی کوشش کریں۔ اصلی شانتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جلتا دو اس بات کا یقین ہو کہ اس کی زندگی کی تمام آڑھنکٹاؤں کو پورا کیا جائے گا۔ یہ کام بھی کیا جا سکتا ہے جب جلتا بھی اس کام میں ہاتھ بٹائے۔ اس طرح یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دنیا کے ہر دیہے کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ انسانی ضرورت کی تمام چیزیں سہولت سے پیدا کر لی جائیں۔

اس طرح کی شانتی کی راہ پر ہی سوویت روس اپنا قدم بٹھا رہا ہے۔ سوویت روس میں دوسرے ملکوں سے تجارت سرکار کے ماتھے سے کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ ہر 'سکری' پرہی، بچے کو چھوٹی کی تمام ضروری سہولتیں پہنچائی جائیں۔ ساتھ ہی لوگوں کی کلچرل مانگیں کو بھی پورا کیا جا رہا ہے۔ اگر دنیا کے تمام دیہے اس طرح ایمانداری، مصمت اور لگن سے کام کریں تو دھندلے میں مستقل شانتی قائم ہو سکتی ہے۔

پانچویں جی نے ہم کو بتایا تھا کہ ایک بھوکے آدمی کو بھگوان روٹی کی شکل میں دینے میں ہنسی۔ اسی اصول کو صاف کر سہولت والے اناج اور زندگی کی دوسری

جگ شانتی اور روس

(ڈاکٹر جے. سی. کمارپا)

شانتی کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ان کے فرق کو صاف صاف سمجھ لینا ہم سب کے لئے ضروری ہے۔ سب سے پہلے 'کریستیان کی شانتی' کا نمبر آتا ہے۔ 'کریستیان کی شانتی' اس شانتی کو کہتے ہیں جب ایک ملک دوسرے ملک پر چڑھائی کر دیتا ہے اور اس کو سربہ اور بے جان بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد جولا مکھی کی شانتی کا نمبر آتا ہے۔ ہم ایک راشٹر کو جیتنے کے بعد اور فوجی طاقت سے غلام بنانے کے بعد وہاں شانتی قائم کو دیتے ہیں لیکن ہمارے ہولے راشٹر میں نفرت کی بھڑونا پیدا ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ کھلی بغاوت کی ناک میں رہتا ہے۔ تیسری طرح کی وہ شانتی ہے جسے ہم عارضی صلح کا نام دیتے ہیں۔ اس میں شانتی قائم رہتی ہے کیونکہ دونوں فریقوں کو اپنی طاقت کا پورا اندازہ نہیں ہوتا اور وہ آپس کو مضبوط کرنے کے لئے مہلت چاہتے ہیں۔

اوپر لکھی حالتوں کو اصلی شانتی کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ اصلی شانتی باہری اور دکھارتی چیزوں سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر کی آواز کو سنیں، اس کو پہچانیں اور عمل میں لائے کی کوشش کریں۔ اصلی شانتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جلتا دو اس بات کا یقین ہو کہ اس کی زندگی کی تمام آڑھنکٹاؤں کو پورا کیا جائے گا۔ یہ کام بھی کیا جا سکتا ہے جب جلتا بھی اس کام میں ہاتھ بٹائے۔ اس طرح یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دنیا کے ہر دیہے کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ انسانی ضرورت کی تمام چیزیں سہولت سے پیدا کر لی جائیں۔

اس طرح کی شانتی کی راہ پر ہی سوویت روس اپنا قدم بٹھا رہا ہے۔ سوویت روس میں دوسرے ملکوں سے تجارت سرکار کے ماتھے سے کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ ہر 'سکری' پرہی، بچے کو چھوٹی کی تمام ضروری سہولتیں پہنچائی جائیں۔ ساتھ ہی لوگوں کی کلچرل مانگیں کو بھی پورا کیا جا رہا ہے۔ اگر دنیا کے تمام دیہے اس طرح ایمانداری، مصمت اور لگن سے کام کریں تو دھندلے میں مستقل شانتی قائم ہو سکتی ہے۔

پانچویں جی نے ہم کو بتایا تھا کہ ایک بھوکے آدمی کو بھگوان روٹی کی شکل میں دینے میں ہنسی۔ اسی اصول کو صاف کر سہولت والے اناج اور زندگی کی دوسری

اسی کو دوسرے صوفی نے ان شہدوں میں کہا ہے :-

”دو دھڑیل کے واسطے پکا کیا انسان کو
بدرنا لاف کے لیے کھڑا کم نہ کرے بیانی“ (فریستے)
ہمیں میں بھی یہ کھڑا بار بار ترہ ترہ سے
آتا ہے، لکھا ہے :-

”ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھ کر کہ اصل میں
روح اور خدا ایک ہیں، خدا کے ساتھ مل سکتے ہیں اور
ایک ہو سکتے ہیں، جن کے دل پاک ہیں وہی خدا کو
دیکھ سکتے ہیں۔“

یہ بات بھی سب مذہبوں میں ملتی ہے کہ جب
آدمی اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے دھرم اور
مذہبوں کے اس طرح کے حکموں کی ضرورت نہیں رہتی
— یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ وہ ان نعمتوں سے اوپر اُٹھ جاتا ہے۔
اسی کو دھرماتما یا ’سلم‘ کہتے ہیں۔

شکر اچاریہ نے لکھا ہے :-

”جو آدمی تینوں گناہوں سے اوپر اُٹھ جاتا ہے اس کے
لیے پھر نہ کوئی دھرم رہتا ہے اور نہ کوئی نپیدھ۔“

جو کبھی اس بات کو انہیں کو لیتی ہے کہ سب کے
آدمی ایک ہی آتما ہے، کوئی دھرم نہیں، کوئی الگ
نہیں، کوئی دوسرا نہیں، وہی ہوں پرہی، دیوہ پرہی،
چھوٹے مکے، اوتار، بدھ، بودھی ستو، اہرت، تھرتھلکر،
مسلم، کرائست، انسان کامل، مظہر انم، وغیرہ وغیرہ
ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

انجیل میں لکھا ہے :-

”جس طرح سورگ میں تمہارا پتا (یعنی پروردگار)
کامل ہے اسی طرح تم بھی کامل ہو جاؤ اور تم سچائی
کو جان لوگے اور سچائی میں آزاد کر دے گی، تم دیوتا
ہو۔“

محمّد صاحب کی ایک حدیث ہے :-

”اللہ کہتا ہے اے آدمی! تو میرے قانونوں اور چل
بلا شے تو میری ہی طرح ہو جائے گا، پھر اگر تو کسی بات
کے لیے بھی کہے گا یہ ہو جائے تو وہ بات فوراً ہو جائے گی۔“

کہتا میں لکھا ہے :-

”وہ دھرم لوگ جن کے سب پاپ دھل گئے ہیں،
جن کی دودھیا مٹ گئی ہے، جنہوں نے آتما کو چھوٹ
لیا ہے، جو سب پرانہوں کے بہانے میں لگے رہتے ہوں، جن
کی اندریں یعنی نفس ان کے قابو میں ہیں، جو سب
کو ایک نکتہ سے دیکھتے ہیں وہ ہی بہکوان کو پاتے ہیں۔“

صوفی کہتا ہے :-

”جو آدمی مرد کامل ہو جاتا ہے وہ سب کا مالک
ہوئے ہوئے بھی سب کی غلامی یعنی خدمت میں لگا
رہتا ہے۔“

اسی لیے ایشور الہ کے ناموں میں سے ایک نام
داسداس یعنی داسوں کا داس بھی ہے۔

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی
ہر وقت ہنسی ہے باہا
جب عاشق مست فگار ہوئے
پھر کیا دلگیری ہے باہا۔

اسلام کا مشہور مقولہ ہے:—
”جس نے اپنے آپ کو جان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“

دنیویں کے سب سন্ত مہاتماؤں، अवतारों، पैرامبروں اور तीर्थकरों نے، سب بڑے بڑے دھرموں نے اور سب دھرم پرانوں نے تو یہی ایک سچائی کو دنیویں کے لوگوں کے دلوں پر جمانے کی کوشش کی ہے۔

پارسی گانہ میں لکھا ہے:—

”میری آنکھیں آسمان سے آنکھیں جاگتی ہیں۔ اس نے ہلکا کر
میں سے پوچھا ’سوچ تو کون ہے؟ کس کا ہے؟ یہاں کون
ہے؟ کیا کر رہا ہے؟‘ اس نے سچائی کا مقصد تو کب سمجھا
گا؟ اُس سے میں نے سمجھا کہ میں ہی سب کچھ ہوں،
میں ہی افریقہ ہوں، میں ہی سب کی آتما ہوں، سب میں میں ہی
رہا ہوا ہوں۔“

وہی لکھا ہے:—

”اپنی آتما کو جانو، آتما ہی ایک جاننے کی
چیز ہے، آتما ہی کو بڑھو، اپنی آتما کو جان لیا
تو ساری دنیویں کو جان لیا، آتما ہی دیکھنے کی،
سننے کی، سمجھنے کی اور دھیان کرنے کی چیز ہے۔ اور
کچھ ہی نہیں۔“

مشہور یونانی سنت سولون کا کہنا کرتا تھا:—

”اپنے آپ کو جانو۔“

قرآن میں لکھا ہے:—

”جو اللہ کو بھول جاتا ہے وہ اپنے کو بھول جاتا ہے۔“

ایک ہندو سنت نے اسی بات کو دوسری طرح کہا ہے:—

”جائے گھر میں رہ کر مارا
سو کبھی بھولتا ہے۔“

صوفی کہتا ہے:—

”ہو کے سلطان حقیقت اسی آپ گل (پانی اور
مٹی) میں در بدر مثل کدا (بھکاری) تھا، معلوم نہ تھا۔“

اہلحدیث میں یہ خیال ہے کہ جگہ بہت ہی گہرائی
اور تفصیل کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔
اپنے مومن بھائیوں کو دیکھنا تب ہی ممکن ہے جب
آدمی پہلے دوسروں میں اپنے کو دیکھے، اسی لئے صوفی نے
کہا ہے:—

”کفر کافر را و دین دیندار را
فرمے در دال عطا را
یعنی—کفر کو کفر مبارک دے، اور دین کو دین
مبارک دے۔ عطا (نام سلامت) کے دل کے لئے پریم دینی
کتاب کی پختہ کاری کا ایک ذرا کافی ہے۔“

یہی لکھا ہے:—
”کفر کا کفر را و دین دیندار را
فرمے در دال عطا را
یعنی—کفر کو کفر مبارک دے، اور دین کو دین
مبارک دے۔ عطا (نام سلامت) کے دل کے لئے پریم دینی
کتاب کی پختہ کاری کا ایک ذرا کافی ہے۔“

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی
ہر وقت ہنسی ہے باہا
جب عاشق مست فگار ہوئے
پھر کیا دلگیری ہے باہا۔

اسلام کا مشہور مقولہ ہے:—
”جس نے اپنے آپ کو جان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“

دنیویں کے سب سنت مہاتماؤں، अवतारों، पैرامبروں اور तीर्थकरों نے، سب بڑے بڑے دھرموں نے اور سب دھرم پرانوں نے تو یہی ایک سچائی کو دنیویں کے لوگوں کے دلوں پر جمانے کی کوشش کی ہے۔

پارسی گانہ میں لکھا ہے:—

”میری آنکھیں آسمان سے آنکھیں جاگتی ہیں۔ اس نے ہلکا کر
میں سے پوچھا ’سوچ تو کون ہے؟ کس کا ہے؟ یہاں کون
ہے؟ کیا کر رہا ہے؟‘ اس نے سچائی کا مقصد تو کب سمجھا
گا؟ اُس سے میں نے سمجھا کہ میں ہی سب کچھ ہوں،
میں ہی افریقہ ہوں، میں ہی سب کی آتما ہوں، سب میں میں ہی
رہا ہوا ہوں۔“

وہی لکھا ہے:—

”اپنی آتما کو جانو، آتما ہی ایک جاننے کی
چیز ہے، آتما ہی کو بڑھو، اپنی آتما کو جان لیا
تو ساری دنیویں کو جان لیا، آتما ہی دیکھنے کی،
سننے کی، سمجھنے کی اور دھیان کرنے کی چیز ہے۔ اور
کچھ ہی نہیں۔“

مشہور یونانی سنت سولون کا کہنا کرتا تھا:—

”اپنے آپ کو جانو۔“

قرآن میں لکھا ہے:—

”جو اللہ کو بھول جاتا ہے وہ اپنے کو بھول جاتا ہے۔“

ایک ہندو سنت نے اسی بات کو دوسری طرح کہا ہے:—

”جائے گھر میں رہ کر مارا
سو کبھی بھولتا ہے۔“

صوفی کہتا ہے:—

”ہو کے سلطان حقیقت اسی آپ گل (پانی اور
مٹی) میں در بدر مثل کدا (بھکاری) تھا، معلوم نہ تھا۔“

اہلحدیث میں یہ خیال ہے کہ جگہ بہت ہی گہرائی
اور تفصیل کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔
اپنے مومن بھائیوں کو دیکھنا تب ہی ممکن ہے جب
آدمی پہلے دوسروں میں اپنے کو دیکھے، اسی لئے صوفی نے
کہا ہے:—

”کفر کافر را و دین دیندار را
فرمے در دال عطا را
یعنی—کفر کو کفر مبارک دے، اور دین کو دین
مبارک دے۔ عطا (نام سلامت) کے دل کے لئے پریم دینی
کتاب کی پختہ کاری کا ایک ذرا کافی ہے۔“

گولگولہ نغم، کی بکری کھانا بکھڑ
 بکریوں کا جوا بے گولگولہ
 من نہ دانم کی بکری بے ہیرت
 بے بکری کی بکری بکری
 کی بے بکری دینا بکری بکری
 ہر بکری بکری کی بکری بکری

“یانی—ہم اپنے پریتم پرمانہ کے کھچے کے رہنے والے ہیں۔ اس دنیا کی طرف یا ریت ریت والے دیہوں کی طرف ہم نہیں گرتے۔ ہم اس باغ کی بلبلوں میں جہاں سے کھانا اور کدو نے بکری بکری نے ہمیں باہر بکری دیا ہے۔ اب بکری ہے کہ اس پریم کے وصال یعنی بکری سے ملنے کے ہمیں یہ سب دیکھا دیا ہے کہ اپنے دل کی آنکھوں سے جس کسی کو دیکھو اسے سوائے اپنے دوست کے اور کچھ نہ سمجھو، جان لو کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب اسی پریم کا ظہور ہے اسی کا روپ ہے۔“

بکری کا کہنا ہے:—

“میترا سب بکریاں پریم”

یانی ساری دنیا کو میترا یعنی دوست کی آنکھ سے دیکھو۔

سب کی لکھتا ہے:—

“کھڑو اسلام دے رہت پوچھا

بکری لاکھریک لکھ پوچھا”

“ہر کس تالیکے یارند بے ہوشیاریو بے مست

ہما جا خانہ عیش اہست، بے مستی بے کھنکھت

“تو ہی مکتوب ہے کھانا بے بکریاں بکریاں ہے۔“

یانی—کھڑو اور اسلام دونوں اسی اللہ کی راہ میں دوڑے جا رہے ہیں، دونوں یہی کہتے ہیں—بھ ایک ہے، اس کا کوئی تفریق نہیں، ہر آدمی اسی پریم کو کھوج رہا ہے، کھانا مسکند اور کھانا کھانا، اصل مقصد یہ لکھ دیکھو اللہ ہے، کھانا اور بکری خانہ اسی تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور شاعر ’نظہر‘ انہر آبادی نے کہا ہے:—

“جس میت نظر کر دیکھے ہے

اس دیکھ کی پہلواری ہے

کھنکھ کی ہریالی ہے

کھنکھ کی گولکاری ہے

دن رات مگن کھنکھ ہے

اور اس اس کی بکری ہے

بکری آپ ہی وہ دانا دی ہے

اور آپ ہی وہ بکریاں ہے

بکری ہم کہ از کھانا و کدو

لو کھانا جدا ز کدو ہم

من نہ دانم کہ اندر کھنکھ

بکری وصال کہ دانا پریم

کہ بکری دل میں جز دوست

ہر بکری بکری کہ مظہرے اوست

“یعنی—ہم اپنے پریم پر کھنے والے ہیں۔ اس دنیا کی طرف یا ریت ریت والے دیہوں کی طرف ہم نہیں گرتے۔ ہم اس باغ کی بلبلوں میں جہاں سے کھانا اور کدو نے بکری بکری نے ہمیں باہر بکری دیا ہے۔ اب بکری ہے کہ اس پریم کے وصال یعنی بکری سے ملنے کے ہمیں یہ سب دیکھا دیا ہے کہ اپنے دل کی آنکھوں سے جس کسی کو دیکھو اسے سوائے اپنے دوست کے اور کچھ نہ سمجھو، جان لو کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب اسی پریم کا ظہور ہے اسی کا روپ ہے۔“

بکری کا کہنا ہے:—

“میترا سب بکریاں پریم”

یعنی ساری دنیا کو میترا یعنی دوست کی آنکھ سے دیکھو۔

سب کی لکھتا ہے:—

“کھڑو اسلام دے رہت پوچھا

وحد ہو لکھریک لکھ پوچھا”

“ہر کس طالب یار اندر بے ہوشیاریو بے مست

ہما جا خانہ عیش اہست، بے مستی بے کھنکھت

“تو ہی مقصود ہے کھانا بکریاں بکریاں ہے۔“

یعنی—کھڑو اور اسلام دونوں اسی اللہ کی راہ میں دوڑے جا رہے ہیں، دونوں یہی کہتے ہیں—بھ ایک ہے، اس کا کوئی تفریق نہیں، ہر آدمی اسی پریم کو کھوج رہا ہے، کھانا مسکند اور کھانا کھانا، اصل مقصد یہ لکھ دیکھو اللہ ہے، کھانا اور بکری خانہ اسی تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور شاعر ’نظہر‘ انہر آبادی نے کہا ہے:—

“جس میت نظر کر دیکھے ہے

اس دیکھ کی پہلواری ہے

کھنکھ کی ہریالی ہے

کھنکھ کی گولکاری ہے

دن رات مگن کھنکھ ہے

اور اس اس کی بکری ہے

بکری آپ ہی وہ دانا دی ہے

اور آپ ہی وہ بکریاں ہے

ہندوئی میں لکھا ہے :-

”پرماٹما اس سٹیٹ کو رکھ کر اس میں ایسی طرح دم رمت جاتا ہے جس طرح جسم کے اندر روح . یہ وہی اس کا جسم ہے جو اس بات کو سمجھ لے اور اس اہمیت کو دیکھ لے اس کے لئے یہ نہ کوئی مودہ ہے اور نہ کوئی شوک .“

مسلمان صوفی لکھتا ہے :-

”ہرک یا نی پرمرہبر سارے جہان کی جان ہے، اور یہ سارا جہان اس کا جسم ہے، یہی توحید ہے اور سب روزگار اور کھیل میں .“

اسی حالت کو ’سورج جاودانی‘ ’آتم لایہ‘ ’وصال‘ یا ’لہولہ‘ ایک ہی ہوا‘ یا ’وحدت‘ کہتے ہیں .

اپنے اپنے راستوں سے، الگ الگ اور طرح طرح کے راستوں سے، سب لوگ سب جاندار اسی طرف جا رہے ہیں . یہ منزل سب کے اندر ہے، اسی لئے سب اندر کی طرف مڑ رہے ہیں . دنیا کے سب دھرم، مذہب اور فلسفہ کھول اپنے گھر واپس جانے کی بے چینی ہیں . اسی لئے کوشش لے گئے ہیں کہ :

”اے ارچن لوگ سب طرف سے چل کر مجھ تک ہی پہنچتے ہیں، جو جس راستے سے آتا ہے اے اسی راستے سے میں ملتا ہوں .“

پارسی گانہ میں لکھا ہے :-

”کہان اور بڑھتے ہوئے وچاروں کے زور سے، اے اہرمزد ہم تجھ میں آملوں گے . وہی ہمارے شروع کی زندگی تھی .“

چون گرنجہ کہان آنو‘ میں لکھا ہے :-

”یہی سب سے بڑا کہان ہے، یہی وہ کہان ہے، یہی دھیان ہے، یہی دھرم ہے کہ یہ آنا پھر سے اپنے کو پہچان لے اور پھر سے اپنے درپ میں لہن ہو جائے .“

ہندوئی کتاب زہر میں لکھا ہے :-

”دنیا کی سب چیزیں سب دھرم اور ان کے سب جسم اپنے جس اصل سے نکلے تھے اسی میں جا ملے گی .“

کہتا میں بہرہ ان لے کہا ہے :-

”بہت سے جہلموں کے بعد کہانی مجھ سے ملتا ہے .“

چھٹی ناؤ دھرم کی ’کتاب ناؤ نہ کلک‘ میں لکھا ہے :-

”زندگی ہمارے نکلنے سے موت گھر لوٹتا ہے .“

شیخ سعدی نے ایک بہت ہی بھاری سند چھوٹی سی کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ’ماتمہا‘ . اس کی شروع کی اور آخر کی لہن یہ ہیں :-

”ماتمہا کوئے دل دارم

وہ با دنیا و دین نمی دارم

خیندگی کا مقصد ہے—سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھنا۔

(ڈاکٹر بگوانداس)

ہماری خیندگی کی آخری سب سے بڑی سچائی ہی ہماری خیندگی کا مقصد ہے۔ آتما لوت کر اپنے اصل آپے میں جا ملتی ہے، اپنے اس اندر میں جو اب ملتی ہے جسے وہ بھول گیا تھا اور جو اب ابھر سے یاد آ جاتا ہے۔ بھٹکا ہوا مسافر اپنے گھر لوٹ آتا ہے۔ دوسرے شہدوں میں گہاں پہلی معرفت کا سانپ خود اپنی دم نکل لیتا ہے۔ آتما کا ایک چکر ختم ہو جاتا ہے۔ دونوں سرے ایک دوسرے سے جا ملتے ہیں۔ تب دکھائی دیتا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا متعدد ذرا ہی ہے است لامحدود بھی ہے ذرا ہی آفتاب ہے، ہوند ہی سمندر ہے، چہرہ آتما اور پرمانما، روح شخصی اور روح کل ایک ہیں۔

خیندگی کا غنت، اسکا لکھن یا اسکا مقصد دو طرح کا ہے۔ پہلا مقصد ہے 'ابھودے' جسے 'اقبال مددی' یا 'نعمت دنیاوی' کہا جاتا ہے، یعنی اس دنیا کے اندر کی خورہ حالی اور کامیابی یا اندریوں اور مانہ پھروں کے فوہم دنیا کے جائز سکھوں کا بھوک کرنا۔ ہلدو شاستروں میں اس کے تین حصہ کئے گئے ہیں—دھرم، ارنہ اور کام۔ صولی اصطلاح میں ان تینوں کو دیانت، دولت اور لذت دنیا کہا جاتا ہے۔ ان تینوں کو اکت کر اور مہ کر سمجھنا چاہئے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں پہلی گڑھستی کی زندگی کو، دھن دولت، صہستی اور ملکیت کے ساتھ مہ کر 'دھارمک نہموں' یعنی 'قانون الہی' کی روشنی میں اپنے فرض کو تب کو نگاہ کے سامنے رکھتے ہوئے، بتانا چاہئے۔ یہ ہے زندگی کے شروع کے آدمی حصہ کے لئے۔ زندگی کا دوسرا اور آخری حصہ دوسرے اور آخری مقصد کو حاصل کرنے میں خرچ کرنا چاہئے۔ وہ اصل مقصد ہے موکھ یعنی نجات، سب طرح کے دکھوں سے چھٹکارا۔ اسی کو 'نہہ غریہش' یا 'حظاملی' کہتے ہیں۔ یہی 'پرمانند' ہے۔ اس سے بھگد کوئی آمد نہیں، کوئی سکھ نہیں۔ یہ ہے پرمانما کی طرح ہو جانا، پرمانما میں لہن یا فلا ہو جانا، سوہم پرمانما ہو جانا۔

ہر آدمی کے دل کے اندر جانے یا غنجانے خیندگی کا یہی مقصد دھلورے لیتا رہتا ہے۔ اپنے جس حال سے ہم بھٹک گئے تھے اسی میں پھر لوٹ جائیں۔ ہمیں پوری طرح ہتہ چل جائے کہ یہ سارا سدسار چکر ہماری

زندگی کا مقصد ہے—سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھنا

(ڈاکٹر بگوانداس)

ہماری زندگی کی آخری سب سے بڑی سچائی ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ آتما لوت کر اپنے اصل آپے میں جا ملتی ہے، اپنے اس اندر میں جو اب ملتی ہے جسے وہ بھول گیا تھا اور جو اب ابھر سے یاد آ جاتا ہے۔ بھٹکا ہوا مسافر اپنے گھر لوٹ آتا ہے۔ دوسرے شہدوں میں گہاں پہلی معرفت کا سانپ خود اپنی دم نکل لیتا ہے۔ آتما کا ایک چکر ختم ہو جاتا ہے۔ دونوں سرے ایک دوسرے سے جا ملتے ہیں۔ تب دکھائی دیتا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا متعدد ذرا ہی ہے است لامحدود بھی ہے ذرا ہی آفتاب ہے، ہوند ہی سمندر ہے، چہرہ آتما اور پرمانما، روح شخصی اور روح کل ایک ہیں۔

زندگی کا است' اس کا لکھن یعنی اس کا مقصد دو طرح کا ہے۔ پہلا مقصد ہے 'ابھودے' جسے 'اقبال مددی' یا 'نعمت دنیاوی' کہا جاتا ہے، یعنی اس دنیا کے اندر کی خورہ حالی اور کامیابی یا اندریوں اور مانہ پھروں کے فوہم دنیا کے جائز سکھوں کا بھوک کرنا۔ ہلدو شاستروں میں اس کے تین حصہ کئے گئے ہیں—دھرم، ارنہ اور کام۔ صولی اصطلاح میں ان تینوں کو دیانت، دولت اور لذت دنیا کہا جاتا ہے۔ ان تینوں کو اکت کر اور مہ کر سمجھنا چاہئے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں پہلی گڑھستی کی زندگی کو، دھن دولت، صہستی اور ملکیت کے ساتھ مہ کر 'دھارمک نہموں' یعنی 'قانون الہی' کی روشنی میں اپنے فرض کو تب کو نگاہ کے سامنے رکھتے ہوئے، بتانا چاہئے۔ یہ ہے زندگی کے شروع کے آدمی حصہ کے لئے۔ زندگی کا دوسرا اور آخری حصہ دوسرے اور آخری مقصد کو حاصل کرنے میں خرچ کرنا چاہئے۔ وہ اصل مقصد ہے موکھ یعنی نجات، سب طرح کے دکھوں سے چھٹکارا۔ اسی کو 'نہہ غریہش' یا 'حظاملی' کہتے ہیں۔ یہی 'پرمانند' ہے۔ اس سے بھگد کوئی آمد نہیں، کوئی سکھ نہیں۔ یہ ہے پرمانما کی طرح ہو جانا، پرمانما میں لہن یا فلا ہو جانا، سوہم پرمانما ہو جانا۔

ہر آدمی کے دل کے اندر جانے یا غنجانے زندگی کا یہی مقصد دھلورے لیتا رہتا ہے۔ اپنے جس حال سے ہم بھٹک گئے تھے اسی میں پھر لوٹ جائیں۔ ہمیں پوری طرح ہتہ چل جائے کہ یہ سارا سدسار چکر ہماری

یہ زندگی وہ حسوں پہول بن نہیں سکتی
 کہ جس کے سہلے کی بھونرے مٹھاس کہا جائوں
 یہ ملکی جوت نہیں ہے اندھیرے کمرے کی
 آہر کے جس کو اندھیرے یوں ہی پکا جائوں
 میں زندگی کے یہ انجام چاہتا ہی نہیں
 میرے خدا میں مصہبت سے کھل سکتا ہوں
 میں اندھوں میں اُسکی ہوئی کھٹاؤں میں
 وطن کی شمع مصہبت سے کھل سکتا ہوں
 میں وہ درخت ہوں جس کی نرم ڈالوں سے
 مصہبتوں کی کھٹاؤں کی بچھلایاں لڈریں
 سم کے چھونکے زمیں سے اکھاڑ دیں جسکو
 عمل کی راہ یہ میرے وہ اندھیاں ابھریں
 میں اک چٹان ہوں اٹل اونچے پرست کی
 جو لوٹے لوٹے ہی آندھی سے ٹوٹ کر گر جائے
 بکھر پڑے جو وطن کی حسوں گھائی پر
 ہر ایک ٹوٹے ہوئے من پہ دیس اترائے
 غلام قوم نے سالوں کی بھڑیاں توڑیں
 وہ آج ڈھونڈ رہی ہے بھلائی کے مودان
 سواہوں کے حسوں روپ کی سلہری چمک
 بڑھا رہی ہے ابھرتے ہوئے نشان کی شان
 تمام دنہا میں چھا جائے گونج شہروں کی
 لغاں کے نہچے مظالم سم کے دب جائوں
 ہر ایک روپ سے پھوٹیں حیات کی کرنیں
 یوں ظالموں کے سوتے کارنامے دہل جائوں
 حیات اپنی وہیں پر نثار ہوں کردوں
 وہیں پہ اپنے لہو کی بہاؤں میں دھارا
 وہیں یہ گونچے مہری آخری حیات کی چھج
 وہیں پہ توبہ مہری زیست کا حسوں تارا
 وہیں پہ ناز تہہ دوں میں اپنے جھون کی
 لڑتے گونچے لوہوں کی کھڑ کھڑا ہفت میں
 بگل کی شمع صداؤں میں قرب جاؤں میں
 وہیں پہ تپائی تہوں میں کھڑ کھڑا ہفت میں
 کچل کچل کے وہیں مہری لاش سے لڈرے
 وہ آسمان جس کی ہے منزل مقام آزادی
 وہیں پہ بکھری ہوئی ہڈیوں پہ بکھرا دے
 حسوں کھٹ کوئی لے کے نام آزادی
 وہ موت موت ہے جس پر حیات ناز کرے
 کہ جس پہ ناز کرے اپنی صبح آزادی
 وہ جوت پھوٹے مری ہڈیوں کے ٹکڑوں سے
 حسوں نور سے بھر جائے وقت کی وادی

انہوادک—چرن سرن 'ناز'

یہ زندگی وہ حسوں پہول بن نہیں سکتی
 کہ جس کے سہلے کی بھونرے مٹھاس کہا جائوں
 یہ ملکی جوت نہیں ہے اندھیرے کمرے کی
 آہر کے جس کو اندھیرے یوں ہی پکا جائوں
 میں زندگی کے یہ انجام چاہتا ہی نہیں
 میرے خدا میں مصہبت سے کھل سکتا ہوں
 میں اندھوں میں اُسکی ہوئی کھٹاؤں میں
 وطن کی شمع مصہبت سے کھل سکتا ہوں
 میں وہ درخت ہوں جس کی نرم ڈالوں سے
 مصہبتوں کی کھٹاؤں کی بچھلایاں لڈریں
 سم کے چھونکے زمیں سے اکھاڑ دیں جسکو
 عمل کی راہ یہ میرے وہ اندھیاں ابھریں
 میں اک چٹان ہوں اٹل اونچے پرست کی
 جو لوٹے لوٹے ہی آندھی سے ٹوٹ کر گر جائے
 بکھر پڑے جو وطن کی حسوں گھائی پر
 ہر ایک ٹوٹے ہوئے من پہ دیس اترائے
 غلام قوم نے سالوں کی بھڑیاں توڑیں
 وہ آج ڈھونڈ رہی ہے بھلائی کے مودان
 سواہوں کے حسوں روپ کی سلہری چمک
 بڑھا رہی ہے ابھرتے ہوئے نشان کی شان
 تمام دنہا میں چھا جائے گونج شہروں کی
 لغاں کے نہچے مظالم سم کے دب جائوں
 ہر ایک روپ سے پھوٹیں حیات کی کرنیں
 یوں ظالموں کے سوتے کارنامے دہل جائوں
 حیات اپنی وہیں پر نثار ہوں کردوں
 وہیں پہ اپنے لہو کی بہاؤں میں دھارا
 وہیں یہ گونچے مہری آخری حیات کی چھج
 وہیں پہ توبہ مہری زیست کا حسوں تارا
 وہیں پہ ناز تہہ دوں میں اپنے جھون کی
 لڑتے گونچے لوہوں کی کھڑ کھڑا ہفت میں
 بگل کی شمع صداؤں میں قرب جاؤں میں
 وہیں پہ تپائی تہوں میں کھڑ کھڑا ہفت میں
 کچل کچل کے وہیں مہری لاش سے لڈرے
 وہ آسمان جس کی ہے منزل مقام آزادی
 وہیں پہ بکھری ہوئی ہڈیوں پہ بکھرا دے
 حسوں کھٹ کوئی لے کے نام آزادی
 وہ موت موت ہے جس پر حیات ناز کرے
 کہ جس پہ ناز کرے اپنی صبح آزادی
 وہ جوت پھوٹے مری ہڈیوں کے ٹکڑوں سے
 حسوں نور سے بھر جائے وقت کی وادی

انہوادک—چرن سرن 'ناز'

نیا ہند

جلد 14

مارچ، سن '53

نمبر 3

مارچ، سن '53

جلد 14

جلد 14

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پھونچے گا گھر گھر لیتے پریم کی مہولی.

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پھونچے گا گھر گھر لیتے پریم کی مہولی.

سیپاہی کا گم

(سینڈور پتوکی)

[سینڈور پتوکی 1 جنوری 1923 کو ہنگری کے کیتھوٹس گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک معمولی کسان تھا۔ 16 سال کی عمر میں وہ اپنے گھر سے نکل پڑا۔ وہ گاؤں گاؤں اور شہروں شہروں بھرا۔ وہاں اس نے اپنے ملک کی غریبی دیکھی، اس نے دیکھا کہ وہیں برگ خاندان کے راجہ کس طرح غریب جلتا پر ظلم کرتے ہیں۔ ان دنوں لوگوں میں چھٹا پیدا ہو رہی تھی، وہ بھی وہیں برگ کے خلاف اپنے ملک کو سونپتے کرتے تھے، جن جان سے جنت کھا، دھوڑے دھوڑے وہاں کے جن آندولس کا نیتاجن بن گیا۔ اس نے اپنی کویتاؤں کے ذریعے تمام ہنگری میں ایک نئی جان پھونک دی۔ اس کی کویتاؤں میں سامی، یوتروا اور ایک نیا سلیڈس ہے۔ 31 جولائی 1948 میں 26 برس کی بھری جوانی میں سوشلسٹ نے میدان میں لوتے لوتے وہ شہد ہو گیا۔ پتوکی کے نام سے آج ہنگری کا بچہ بچہ پڑھتا ہے۔ ہنگری کے نواسی اس کو 'آزادی کا گوی' نام سے یاد کرتے ہیں۔ بچے ہم اس کی مشہور 'گیتا' کا نام کا آزاد ترجمہ دے رہے ہیں۔ آغا ہے شہدہ نوجوان پتوکی کی یہ کویتا ہمارے ہاتھوں کو پسند آئے گی۔

[سینڈور پتوکی 1 جنوری 1923 کو ہنگری کے کیتھوٹس گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک معمولی کسان تھا۔ 16 سال کی عمر میں وہ اپنے گھر سے نکل پڑا۔ وہ گاؤں گاؤں اور شہروں شہروں بھرا۔ وہاں اس نے اپنے ملک کی غریبی دیکھی، اس نے دیکھا کہ وہیں برگ خاندان کے راجہ کس طرح غریب جلتا پر ظلم کرتے ہیں۔ ان دنوں لوگوں میں چھٹا پیدا ہو رہی تھی، وہ بھی وہیں برگ کے خلاف اپنے ملک کو سونپتے کرتے تھے، جن جان سے جنت کھا، دھوڑے دھوڑے وہاں کے جن آندولس کا نیتاجن بن گیا۔ اس نے اپنی کویتاؤں کے ذریعے تمام ہنگری میں ایک نئی جان پھونک دی۔ اس کی کویتاؤں میں سامی، یوتروا اور ایک نیا سلیڈس ہے۔ 31 جولائی 1948 میں 26 برس کی بھری جوانی میں سوشلسٹ نے میدان میں لوتے لوتے وہ شہد ہو گیا۔ پتوکی کے نام سے آج ہنگری کا بچہ بچہ پڑھتا ہے۔ ہنگری کے نواسی اس کو 'آزادی کا گوی' نام سے یاد کرتے ہیں۔ بچے ہم اس کی مشہور 'گیتا' کا نام کا آزاد ترجمہ دے رہے ہیں۔ آغا ہے شہدہ نوجوان پتوکی کی یہ کویتا ہمارے ہاتھوں کو پسند آئے گی۔

میرے یہ گم ہے کہیں زندگی کے دن اور رات
گذرے جائیں یوں ہی کروٹوں بدلے ہوئے
وہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں ہوتی
جہ نہم ہم یہ کت - انی ہے پہنچے ہوئے

میرے یہ گم ہے کہیں زندگی کے دن اور رات
گذرے جائیں یوں ہی کروٹوں بدلے ہوئے
وہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں ہوتی
جہ نہم ہم یہ کت - انی ہے پہنچے ہوئے

“नया हिन्दू”
हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

का

माहवारी परचा

मार्च 1953

“نہا ہند”
ہندوستانی کلچر سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

نیا ہند

صفحہ نمبر

پیش

1. سیپاہی کا گم (کویٹا)—سےندور پتوکی ...	75	... سہادی کا گم (کویٹا)—سےندور پتوکی
2. ہیندوگی کا مکرر ہے—سب کے اندر ایک ہی ...	77	... زندگی کا مقصد—سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھنا—ڈاکٹر بھگوان داس
3. جگ شانتی اور روم—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا ...	83	... جگ شانتی اور روم—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا
4. ہیندوستانی شجریات کا چوتھا اصول : ہندوایا ...	87	... ہندوستانی شجریات کا چوتھا اصول : ہندوایا—ڈاکٹر جعفر حسن
5. سत्य اور چمٹکار—بھگواندین ...	92	... سत्य اور چمٹکار—بھگواندین
6. اور وہ مر گیا.....؟ (کہانی)—موجیہ ریڈی ...	101	... اور وہ مر گیا.....؟ (کہانی)—موجیہ ریڈی
7. چین سے ایک لڑکے—پروپنتم پرمداد ...	111	... چین سے ایک لڑکے—پروپنتم پرمداد
8. ہارت میں امریکی قدم—آدم پرکاش سنگل ...	120	... ہارت میں امریکی قدم—آدم پرکاش سنگل
9. بچوں کی دنیا— ...	130	... بچوں کی دنیا—
10. کچھ کتابیں— ...	132	... کچھ کتابیں—
11. پرواسی کی ڈائری— ...	134	... پرواسی کی ڈائری—
12. ہمارے راز— ...	140	... ہمارے راز—
ڈاکٹر مسدق اور شاہ—موجیہ ریڈی; ایم ایم اور یونو—بھگواندین; چیرا بم گیا!—موجیہ ریڈی.		ڈاکٹر مسدق اور شاہ—موجیہ ریڈی; ایم ایم اور یونو—بھگواندین; چیرا بم گیا!—موجیہ ریڈی.

ہندوستان میں چھ درجہ سال، باہر دس درجہ سال، ایک پرچہ دس آتے .

میں

‘نہا ہند’

145، مڈیگن، ہٹاواہا

ہندوستان میں چھ درجہ سال، باہر دس درجہ سال، ایک پرچہ دس آتے .

میں

‘نہا ہند’

145، مڈیگن، ہٹاواہا

नया हिन्द نیا ہند

पडीश ताराचंद, भगवानदान, मुन्नावर हमन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

अधिर-नाड़ा जल्दा बेकवान दीन मख्तम सन नश्चिह नाम सन्द, लाल

नाथच पडावर सुरेश रामभाई, मुन्नाच रिवरा नान्ब अदिर-सरेयस राम बेकान म्दोब रमि

* * * * *

इस नम्बर के खास लेख

اس نمبر کے خاص لیکھ

- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- भारत में रामराका क्रम- आमप्रकाश संगल
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- भारत में रामराका क्रम- आमप्रकाश संगल
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी

हमारी गय

هماری گئے

- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- भारत में रामराका क्रम- आमप्रकाश संगल
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी
- भारत में रामराका क्रम- आमप्रकाश संगल
- डॉक्टर मुन्नावर और शाह- मुन्नावर रिजवी
- पटम बम और युनी-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नावर रिजवी

स्तानी कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद



دستانی کچر سوسائٹی آباد

माच 1953

कीमत दस आना

قیمت دس آنہ

अंकार

सम्पादक श्री गुरुपति महाय 'फिराक'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनौ हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह ख्याली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सन्चाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है आज की उर्दू शायरी गुल व बलबुल और बस्त व फिराक तक ही सीमित नहीं है. अब आप को उर्दू कविता में किमानो और मज़दूरो के दिला की धड़कने सुनाई देगी. गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ग़मी आवाज़ सुनने जा आपके दिल को गहराइयों को छुएगी.

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झनके मिलता है. सजीव तथा साकार हैं... वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में आदनाय है..."

23-1-52

- राजाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्चस्तर की है"

6-3-52

- 'विशाल भारत' कलकत्ता

"अंकार में प्रकाशित 72 उर्दू का कविताएं आज की के युग की समस्याओं से आत प्राप्त हैं"

17-2-52

- नव भारत टाइम्स' दिल्ली

"हिन्दी के पाठक स्नेह और वाव से इस संग्रह का आनन्द लगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है."

13-1-52

- 'अमृत पात्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के कायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती है भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है. कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है"

8-5-52

- 'जीवन साहित्य' दिल्ली

"अंकार का रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिल्कुल बाल बाल के निकट है" - 'नया गमान' कलकत्ता नागरी लिखावट में गेमा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया कागज़ उम्दा छपाई दाम भिर्क तीन रुपया. दस किताबों का एक साथ खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

मिलने का पता

मैनेजर 'नया हिन्द' 145, मुद्दोगंज, इलाहाबाद.

जहंकार

सम्पादक - श्री रफीक़ुल्लाही सैयद 'फ़राक़'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनौ हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आपको मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह ख्याली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सन्चाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है आज की उर्दू शायरी गुल व बलबुल और बस्त व फिराक तक ही सीमित नहीं है. अब आप को उर्दू कविता में किमानो और मज़दूरो के दिला की धड़कने सुनाई देगी. गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ग़मी आवाज़ सुनने जा आपके दिल को गहराइयों को छुएगी.

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झनके मिलता है. सजीव तथा साकार हैं... वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में आदनाय है..."

23-1-52

- राजाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्चस्तर की है"

6-3-52

- 'विशाल भारत' कलकत्ता

"अंकार में प्रकाशित 72 उर्दू का कविताएं आज की के युग की समस्याओं से आत प्राप्त हैं"

17-2-52

- नव भारत टाइम्स' दिल्ली

"हिन्दी के पाठक स्नेह और वाव से इस संग्रह का आनन्द लगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है."

13-1-52

- 'अमृत पात्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के कायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती है भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है. कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है"

8-5-52

- 'जीवन साहित्य' दिल्ली

"अंकार का रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिल्कुल बाल बाल के निकट है" - 'नया गमान' कलकत्ता नागरी लिखावट में गेमा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया कागज़ उम्दा छपाई दाम भिर्क तीन रुपया. दस किताबों का एक साथ खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

मिलने का पता

मैनेजर 'नया हिन्द' 145, मुद्दोगंज, इलाहाबाद.

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

مقصد

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایک نیا پھولنے والے لئے کتابوں، اخباروں، رسالوں، وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پھاڑے، غرو، کتاب غرو، سہاڑوں، کانفرنسوں، کنکشنوں سے سب دھرم، جاتوں، برادریوں اور فکروں میں کا میل بڑھانا۔

—: ۰ :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ — سی۰ عبداللہ مہدی خواجہ،
وائس پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ الحق،
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ ڈاکٹر بھگوان داس،
سکرٹری ۱۰۰ مندرلال۔

گورننگ باڈی کے آفیسر —

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید
سلیمان ندوی، مسٹر مظہر علی سمیع، شی بی۔ جی۔
کھن، پرنسپل رشید رانا، مہاتما بھگوان داس، سیکرٹری
چند رانا قاسمی، مسٹر عبدالغفار اور شری اوم پورکاش
بالیوال۔

ممبروں کے قاعدوں کے لئے! بھائی۔

ممبروں کے قاعدوں کے لئے! بھائی۔

مندرجہ ذیل

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

115، مورتی گج، ایلانہ آباد

نوٹ - سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے अनुसार ممبروں
کی فیس صرف ایک روپیہ ہونی چاہیے۔ "نیا ہند" کے
جو گاہک ممبر بننا چاہتے ہیں ان کی فیس ۵ روپے
دینے پر ہی ممبر بننا چاہیے۔ الگ سے ممبروں کی
فیس دینے والے سوسائٹی کی بکلی ہونی کوئی کتاب جو
ایک روپیہ دام کی ہوئی ہو اس کے لئے یا زیادہ دام
کی کتابوں کے لئے ہر ایک روپیہ کم کیا سکتا ہے۔

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا
اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایک نیا پھولنے والے لئے کتابوں، اخباروں، رسالوں،
وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پھاڑے، غرو، کتاب غرو، سہاڑوں، کانفرنسوں،
کنکشنوں سے سب دھرم، جاتوں، برادریوں اور فکروں میں
آپس کا میل بڑھانا۔

—: ۰ :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ — مسٹر عبداللہ مجید خواجہ،
وائس پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ الحق،
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس،
سکرٹری — پرنسپل سندرلال۔

گورننگ باڈی کے آفیسر —

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید
سلیمان ندوی، مسٹر مظہر علی سمیع، شی بی۔ جی۔
کھن، پرنسپل رشید رانا، مہاتما بھگوان داس، سیکرٹری
چند رانا قاسمی، مسٹر عبدالغفار اور شری اوم پورکاش
بالیوال۔

سندرلال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

115، مورتی گج، ایلانہ آباد۔

نوٹ - سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے अनुसार ممبروں
کی فیس صرف ایک روپیہ ہونی چاہیے۔ "نیا ہند" کے
جو گاہک ممبر بننا چاہتے ہیں ان کی فیس ۵ روپے
دینے پر ہی ممبر بننا چاہیے۔ الگ سے ممبروں کی
فیس دینے والے سوسائٹی کی بکلی ہونی کوئی کتاب جو
ایک روپیہ دام کی ہوئی ہو اس کے لئے یا زیادہ دام
کی کتابوں کے لئے ہر ایک روپیہ کم کیا سکتا ہے۔

ہمارے یہاں پیمانے والی کتب اور کتابیں

ہمارے یہاں نظر آنے والی کتب

نوٹ:—یہ کتابیں سیکر ہندی میں ہیں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں

نام کتاب	لکھک	دائیں	تفصیل	نام کتاب
1. رور جو شاعری	شری ابودھیا پرساد گولہلی	8 0 0	1. شعر و شاعری	
2. رور جو سون	"	8 0 0	2. شعر و سخن	
3. گھرے والی پٹ	"	2 8 0	3. گھرے والی پٹ	
4. ہمارے آرا	شری بنارس داس چترودی	3 0 0	4. ہمارے آرا	
5. سنسکرت	"	3 0 0	5. سنسکرت	
6. دو ہزار دہائی پرائی	شری جگدیش چندن	3 0 0	6. دو ہزار دہائی پرائی	
7. جانی گنگا	شری نارائن پرساد جھن	6 0 0	7. جانی گنگا	
8. پنج پند	شری شانتی پریہ دیوی	2 0 0	8. پنج پند	
9. پنج پند	شری شانتی ایم. اے	2 0 0	9. پنج پند	
10. آکاہ کے تارے	شری کلپال مشر پرہار	2 0 0	10. آکاہ کے تارے	
11. مکتی دوت	شری ویرندر کمار جھن ایم. اے	5 0 0	11. مکتی دوت	
12. ملن پامنی	شری بھجن	4 0 0	12. ملن پامنی	
13. راجت رشی	ڈاکٹر رامکمار ورم	2 8 0	13. راجت رشی	
14. میرے باپ	شری نغمہ بھاپا	2 8 0	14. میرے باپ	
15. ریشو سنگھ کی اور	پندت سندھو لال بھگوان داس کھلا	3 0 0	15. ریشو سنگھ کی اور	
16. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	5 0 0	16. بھارتیہ ارتھ شاستر	
17. بھارتیہ شاستر	"	3 0 0	17. بھارتیہ شاستر	
18. ناگرک شاستر	"	2 4 0	18. ناگرک شاستر	
19. سامراج اور ان کا پتن	"	2 8 0	19. سامراج اور ان کا پتن	
20. بھارتیہ سوادھیتا	"	1 4 0	20. بھارتیہ سوادھیتا	
21. سرودے ارتھ ووجھتا	"	1 8 0	21. سرودے ارتھ ووجھتا	
22. ہمارے آدم جاتھان	شری بھگوان داس کھلا اور شری اہل رنے	3 8 0	22. ہمارے آدم جاتھان	
23. ارتھ شاستر شمداولی	شری دیا شکر دیو ایم. اے. ایل ایل. بی. گجادر پرساد امبھٹ بھگوان داس کھلا	2 0 0	23. ارتھ شاستر شمداولی	
24. ناگرک شکشا	شری بھگوان داس کھلا دیا شکر دیو	1 8 0	24. ناگرک شکشا	
25. راجت ملن شاستر	دیا شکر دیو	1 8 0	25. راجت ملن شاستر	
26. جراتو	مہانتا بھگوان دیو	3 0 0	26. جراتو	
27. مارنے کی ہمت	"	1 0 0	27. مارنے کی ہمت	
28. مارنے کی ہمت	"	0 8 0	28. مارنے کی ہمت	
29. مارنے کی ہمت	"	1 0 0	29. مارنے کی ہمت	

میلنے کا پتا—

میلنے کا پتا—
135، سٹیٹ بک، دہلی

میلنے کا پتا—
154، سٹیٹ بک، دہلی

حیرکاوندی پر باپ

مطابق—آری آریکن داس

اس کتاب میں 1921 سے سن 1948 تک گاندھی جی نے سائنس ویتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملےگا۔

ہمارے کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر ہمارے واسی سائنس ویتا کے نقصان کو سمجھے اور اس زہر کو اچھے اندر سے صاف کرے۔

سندر جلد۔ اچھا کٹڈ۔ دو سو صفحے۔ قیمت دو روپے۔

भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर् और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी. राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूजेगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेगी.

करीब सवा सौ सके की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

قوتہ بقی پر باپ

مطابق—آری آریکن داس

اس دستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک لکھی جی نے سائنس ویتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملےگا۔

ہمارے کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر ہمارے واسی سائنس ویتا کے نقصان کو سمجھے اور اس زہر کو اچھے اندر سے صاف کرے۔

سندر جلد۔ اچھا کٹڈ۔ دو سو صفحے۔ قیمت دو روپے۔

بھاشا

لکھک—لالہ مدن گوپال

ہندی اردو اور ہندستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ رائے اس کتاب میں آپ کو ملے گی. راشٹر بھاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا—سوچنے کی راہیں سوچیں گی، جانکاری بڑھے گی اور طرح طرح کی تگ نظریاں مٹیں گی.

کریب سوا سو صفحے کی سندر کتاب، دام تیرہ روپے.

700 PAGES,

32 ILLUSTRATION

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

PRICE

BY PANDIT SUNDARLAL

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instructive grasp of the fundamental perspective.. To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

مہاتما گاندھی کی بستییت

لکھک—بھی منکر اہلی سوکھا

آپنے دہانت سے کھڑے پھلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوک سوا سبب میں بدل دینے کے لیے اپنی تہذیبی لکھی تھی۔ یہ دہانت کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی دہانت گاندھی جی کے پرستار بھائی منکر اہلی سوکھا نے کی ہے جو گاندھیवाद کو سمجھنے اور اپنانے والے دہانت کے ہونے لگے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھیवाद کو سمجھنے کے لیے اسکا پڑنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحوں کی سندر جلد بلدی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

اھنساتمک انکلااب کا راستہ

لکھک—بھی منکر اہلی سوکھا

اس بڑی سی کتاب کو پڑ کر آپکو پتا چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح انکے راستے پر چل کر اھنساتمک دنگ سے دہانت میں انکلااب لایا جا سکتا ہے۔

پہلیس صفحوں کی کتاب، دام سیرک چار آنے۔

آج کے شہید

لکھک—بھی رتن لال بھنسل

ان بھادروں کی کہانیاں جنہوں نے بیرونی طاقتوں کی پٹائی پھٹ کی آگ میں انسانییت کو بھسم ہوتے دیکھ کر ان کی بھی دہانت کی اور اسے بھنسل کی کوشش میں بھنسل جان بھنسل کر دی۔ دام سیرک چار آنے۔

مسلم دیش بھکت

لکھک—بھی رتن لال بھنسل

ان مسلمان بھکتوں کے جہنم کا حال جنہوں نے اپنی جان بھنسل کر دیکھ کر مسلمان اور دہانتوں میں رہتے ہوئے بھارت میں کو فلاحی کی دہانتوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ کتاب بھنسل دہانت بھنسل سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپے بارہ آنے۔

قیمت کا پتہ—

بھنسل بھنسل دہانت 145، بھنسل، بھنسل بھنسل۔

مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—بھی منکر اہلی سوکھا

ان دہانتوں سے کھڑے پھلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوک سوا سبب میں بدل دینے کے لیے اپنی تہذیبی لکھی تھی۔ یہ دہانت کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی دہانت گاندھی جی کے پرستار بھائی منکر اہلی سوکھا نے کی ہے جو گاندھیवाद کو سمجھنے اور اپنانے والے دہانت کے ہونے لگے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لیے اسکا پڑنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحوں کی سندر جلد بلدی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

اھنساتمک انکلااب کا راستہ

لکھک—بھی منکر اہلی سوکھا

اس بڑی سی کتاب کو پڑ کر آپکو پتا چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح انکے راستے پر چل کر اھنساتمک دہانت سے دہانت میں انکلااب لایا جا سکتا ہے۔

پہلیس صفحوں کی کتاب، دام سیرک چار آنے۔

آج کے شہید

لکھک—بھی رتن لال بھنسل

ان بھادروں کی کہانیاں جنہوں نے بیرونی طاقتوں کی پٹائی پھٹ کی آگ میں انسانییت کو بھسم ہوتے دیکھ کر ان کی بھی دہانت کی اور اسے بھنسل کی کوشش میں بھنسل جان بھنسل کر دی۔ دام سیرک چار آنے۔

مسلم دیش بھکت

لکھک—بھی رتن لال بھنسل

ان مسلمان بھکتوں کے جہنم کا حال جنہوں نے اپنی جان بھنسل کر دیکھ کر مسلمان اور دہانتوں میں رہتے ہوئے بھارت میں کو فلاحی کی دہانتوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ کتاب بھنسل دہانت بھنسل سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپے بارہ آنے۔

قیمت کا پتہ—

بھنسل بھنسل دہانت 145، بھنسل، بھنسل بھنسل۔

गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह असमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी. हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं. इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं. बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है. हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है. इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी.

पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने (कुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है. वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती. उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है.”

मोटे कागज पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत जिल्द—दाम केवल दो रुपये.

विनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

विनोबाजी के भू-दान-यज्ञ से आज सारा देश बाकिर है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भू-दान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मकसद क्या है

पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सके 25, दाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

145 मीन, इलाहाबाद

गान्धेयी बाबा

लेखक—कदसیه زیدی

دو شبد—جواهر لال نهرو

یہ انمول کتاب جلم سے بلیدان تک کی گاندھی جی کی پوری اور سچی جھوٹی بھی ہے اور کہانی بھی. ہمارے دیس میں یہ پرانا رواج رہا ہے کہ ماٹھیں اپنے بچوں کو سپاہرشیوں کے جھون چرت کہانی کے روپ میں سناتی ہیں. اس طرح کی کہانیاں عام طور پر ویر راجاؤں اور ان کے بدھوں کی کہانیاں ہوتی ہیں. بھگم کدسہ زیدی نے جو مہاتما گاندھی کی پریم بھکت ہیں، اپنی اس کتاب میں گاندھی جی کی جھوٹی اور ان کا ستمہ، املسا، پریم اور تھاک کا ابدیش بچوں کو ایسی بھاری، سمدھی سانی بولی میں اور ایسے قعلنگ سے سنایا ہے کہ بچوں کے دل میں اترنا چلا جاتا ہے. ہندی میں گاندھی جی کے اوپر بچوں کے لئے اس سے بڑھ کر کتاب نہیں ہے. اس میں کہانی کا رس بھی ہے اور بچوں کو اوجھا اٹھانے والے ابدیش بھی.

پندت جواهر لال نهرو نے اپنے 'دو شبد' میں لکھا ہے—

“انہوں نے (کدسہ زیدی نے) یہ چھوٹی سی کتاب سچے دل سے لکھی ہے. وہ اسے صرف ایک کتاب نہیں سمجھتیں. ان کے لئے گاندھی جی کی کہانی ایک بہت ہی مہتو کی اور بھاری چیز ہے.....مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب لکھی گئی ہے.”

سوٹے کاغذ پر، سوٹے ٹائپ میں، بہت سی رنگوں تصویریں، آرٹ پپر پر سندھ رنگوں کور اور دفتی کی مضبوط جلد—دाम केवल دو रुपये.

ونوبا کا سندیش

लेखक—सुरेश रामभाई

ایک شبد—مہاتما بھگوان دین

ونوبا جی کے بھودان یگہ سے آج سارا دیس وائف ہے. اس چھوٹی سی کتاب میں آپکو ملےگا کہ یہ بھودان یگہ کب اور کسے شروع ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے.

پہلا لیڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا. یہ دوسرا لیڈیشن ہے. صلیے 25، دام केवल دو آئے.

میلے کا پتا—

مہنہجر، 'نیا ہند'

145 میلے کلج، ایلہاباد

लेखक-पंडित सुन्दरलाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें, गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 ख़ास ख़ास मज़मूनों पर कुरान की क़रीब 500 आयतों का लफ़्ज़ी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफ़े की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क़ीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक ख़र्च अलग।

हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में वह चार लेख़र जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफ़े की किताब. क़ीमत सिर्फ़ बारह आने।

महात्मा गांधी के बलिदान से सबक़

साम्प्रदायिकता यानी फिरक़ापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मज़हबी और इतिहासी पहलू से विचार और उसका इलाज, जिसने आख़िर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क़ीमत बारह आने।

पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दौरे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आईं उन का दर्दनाक वर्णन. इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं. क़ीमत चार आने।

बंगाल और उससे सबक़

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरक़ेबाज़ाना भगड़ों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगड़ों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरफ़ीब भी सुझाव दिए हैं. क़ीमत सिर्फ़ दो आने।

लिखने का परा—

बैनेजर, 'नया दिन' 145, लुधियाना, इलाहबाद.

लिखक—पंडित सुन्दर लाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें, गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 ख़ास ख़ास मज़मूनों पर कुरान की क़रीब 500 आयतों का लफ़्ज़ी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफ़े की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क़ीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक ख़र्च अलग।

हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में वह चार लेख़र जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफ़े की किताब. क़ीमत सिर्फ़ बारह आने।

महात्मा गांधी के बलिदान से सबक़

साम्प्रदायिकता यानी फिरक़ापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मज़हबी और इतिहासी पहलू से विचार और उसका इलाज, जिसने आख़िर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क़ीमत बारह आने।

पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दौरे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आईं उन का दर्दनाक वर्णन. इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं. क़ीमत चार आने।

बंगाल और उससे सबक़

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरक़ेबाज़ाना भगड़ों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगड़ों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरफ़ीब भी सुझाव दिए हैं. क़ीमत सिर्फ़ दो आने।

लिखने का परा—

बैनेजर, 'नया दिन' 145, लुधियाना, इलाहबाद.

ہندوستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے فیاضاً دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے فیسے ہوں گے۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔
'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھک پندت سندرلال دھارا مूल انگریزی سے انووادیت۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے انھیں سوانھیں بھارت کا شاسن اس سمی چل رہا ہے اسے اچھی طرح سمجھیں۔ بھارت کے ہر گھر میں اس بک کا رکھنا ضروری ہے۔

آسان بامعناورہ بھاشا، واپل آٹھ پھیں بڑا سائز، لک بھگ چار سو پندرہ، کھڑے کی سندر جلد، قیمت کھل ساڑھے سات روپے۔

ہیسا کا سندھش

لکھک—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا۔

انووادک—سوریش رامبائی۔

اس کتاب میں بھارت ہیسا کے سندھش کی بھاشا سے لکھا گیا ہے کہ پڑنے والا بھائی آسانی سے یہ سمجھ جائے کہ ہوسائی دھرم کی خاص تعلیم کوا ہے اور بھارت ہوسوں نے انسان انسان کی برابری، بھائی چارے، پریم اور اھسا پر کتنا زور دیا ہے۔

مھاتما گاندھی نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ—

”ہر آسٹیک سے، چاہے وہ ہیسا ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو، میری سفاشرش ہے کہ اسے پڑے...“

سندر جلد، بھاشا کارا، کڑی سب سے سب سے کی کتاب کا دام سیکڑ ایک روپے۔

میلنے کا پتہ—

میلنگ، ’نہا ہند‘، 145 مہی کلج، الہ آباد۔

ہندوستانی کلچر سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔
ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے فیسے ہوں گے۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔
'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھک پندت سندرلال دھارا مूल انگریزی سے انووادیت۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے انھیں سوانھیں بھارت کا شاسن اس سمی چل رہا ہے اسے اچھی طرح سمجھیں۔ بھارت کے ہر گھر میں اس بک کا رکھنا ضروری ہے۔

آسان بامعناورہ بھاشا، واپل آٹھ پھیں بڑا سائز، لک بھگ چار سو پندرہ، کھڑے کی سندر جلد، قیمت کھل ساڑھے سات روپے۔

ہیسا کا سندھش

لکھک—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا۔

انووادک—سوریش رامبائی۔

اس کتاب میں بھارت ہوسوں کے سندھش کی بھاشا سے لکھا گیا ہے کہ پڑنے والا بھائی آسانی سے یہ سمجھ جائے کہ ہوسائی دھرم کی خاص تعلیم کوا ہے اور بھارت ہوسوں نے انسان انسان کی برابری، بھائی چارے، پریم اور اھسا پر کتنا زور دیا ہے۔

مھاتما گاندھی نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ—
”ہر آسٹیک سے، چاہے وہ ہوسائی ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو، میری سفاشرش ہے کہ اسے پڑے...“

سندر جلد، بھاشا کارا، کڑی سب سے سب سے کی کتاب کا دام صرف ایک روپے۔

میلنے کا پتہ—

میلنگ، ’نہا ہند‘، 145 مہی کلج، الہ آباد۔

کرا دے تو کتا اگر پسر سمجھا جائے گا یا وہ بھوکا لے والا؟ ایک بھولوف بھی کہے کہ اگر پسر نہ کہتا تو بھوکا لے والا ہی اگر پسر سمجھا جائے گا۔

اگر سرکس کنبلی کا ملبھرا اچے کسی شہر کو کسی کے اوپر چھوڑ دے یا صرف شہر کے پتھر کے دروازے کو ہل دے اور شہر کسی پر حملہ کر دے تو شہر اگر پسر سمجھا جائے گا یا سرکس کنبلی کا ملبھرا؟ ایک بھولوف بھی شہر کو اگر پسر نہیں کہتا۔

ماں باپ کے اشارے پر ہی نہیں اگر ان کو دیکھتے دیکھتے گھر کا کوئی سمجھدار بچہ کسی کی بے عزتی کر بولے تو بچہ اگر پسر سمجھا جائے گا یا ماں باپ؟ سب سمجھدار ایک والے ہو کر ماں باپ کو ہی ذمے دار سمجھیں گے اور انہوں کو برا بھلا کہیں گے۔

آج جب کھلم کھلا آئزن ہاور یہ کہ کر 'ایشیا والے ایشیا والوں سے لڑیں' ایسا جہازی بھڑا فارموسا سے ہٹا رہے ہیں اور چھانگ کائی شیک کے جنریلیں کو بلا کر انہوں چھن پر حملہ کرنے کی ترکبیں بنا رہے ہیں تب کہا یہ چھن پر فارموسا اڈریشن مانا جائے گا؟ یہ امریکہ کی چھن پر چڑھائی ہوئی اور اس میں ہر طرح امریکہ اگر پسر سمجھا جائے گا۔ پر کسی کو اگر پسر ثابت کر دینا کا فیصلہ 'نہا ہلد' کے قابو کی بات نہیں کسی کے قابو کی بات نہیں جس کے قابو کی بات ہے اس کا نام ہے یو۔ این۔ او۔ اور وہ ہے امریکہ کے ہاتھ کی کتہ پتلی۔ وہ تو ماؤنٹے تلگ کو اگر پسر کہے گی: جب چھن کا ایک ہی گولا فارموسا پر گرے گا یا جاپان کے اس اقد پر گریگا جہلیں امریکی ایٹم بم کے نشہ میں مسست چھانگ کائی شیک کے جنریلیں کو آئی لے آئی لے کہ کر لٹکا رہے ہوں گے۔

وہی ہندوستان کی سرکار، پھر وہ بھی دل چھن کو اگر پسر کہے بنا کہسے وہ سکے گی۔ آخر کوریا کے معاملہ میں بھی وہ ایسا ہی کہ چکی ہے۔ اور سچے میں ہندوستانی حکومت کا کہنا ہے کہ اس کی انگلی پتھر تلے دی ہوئی ہے اور اسے یہ آقا ہے کہ ایسے موقعوں پر 'ہاں' کہتے ہیں شاید انگلی پتھر تلے سے نکل آئے۔ کوریا کے معاملہ میں جس طرح 'نہا ہلد' کی پالیسی اب تک ویسی ہی رہی ہوئی ہے جیسی اس وقت تھی جب کوریا کی گھریلو لڑائی شروع ہوئی تھی ویسی ہی 'نہا ہلد' نے اسی وقت سے امریکہ کو ایشیا کے خلاف اگر پسر مان لیا ہے جس وقت آئزن ہاور سے ملے یہ نکتہ کہ ٹیڈا والے ایشیا والوں سے نہیں۔

بڑھ کر امریکہ نے امریکی کی جاپان سے جان بچاؤ۔ اب اگر امریکا یہ چاہے کہ اس عظیم بزم پر امریکا کا-دنییا بھر پر راج ہو تو اسے امریکا کی کیا بات؟

امریکا کی کمزوری کی یہ سب سے بڑی پہچان ہے کہ اسے ایشیا سے اتنی دور رہتے ہوئے بھی ایشیائی طاقتوں سے حد درجہ ہوا ہے۔ اور قدر ہوا آدمی یا تو ایک دم دوسرے پر حملہ کرنے کی سوچ بھٹکتا ہے یا کڑھوں دو کو اس میں لوانے کی ترکیب تھونڈ نکالتا ہے۔

ایشیا کے لحاظ سے ترومن کے امریکا میں اور انڈون ہاور کے امریکا میں کوئی اندر نہیں آیا۔ ترومن نے دکھلی کوریا کو بھوکا اور اس سے اتنی کوریا پر چھت پت حملہ کرائے۔ اور جب اتنی کوریا نے اپنے بچاؤ کی خاطر دکھلی کوریا پر حملہ بول دیا تو اسے اگريشن کہ کر امریکا لوائی میں کود پڑا اور چاٹکی سے اپنے کودنے کو یو۔ این۔ او سے تھک ثابت کرا لیا۔ انڈون ہاور کا امریکا آج وہی کرتے جا رہا ہے جو ترومن نے کیا۔ ترومن نے جو کام دب چھپ کر کیا تھا اسی کام کو انڈون ہاور قذقے کی چوٹ پر کرنا چاہتے ہیں۔ آج فارموسا اور چین بالکل ایسے ہی ہیں جیسے دکھلی کوریا اور اتنی کوریا۔ فارموسا کی سرکار الگ۔ وہ بالکل دوسروں کے قابو میں۔ چین کی سرکار الگ اس کی حکومت بالکل اپنے تھلک کی۔ یہ وہی کوریا کی طرح ہے چین اور فارموسا ایک، یعنی ایک ہی ملک کے دو حصے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

انڈون ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور یو۔ این۔ او۔ اسے اگريشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی اقدوں پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو یو۔ این۔ او۔ اگريشن قرار دے دے۔

آبادی کے بعد سے ایسی سب باتوں کو تھاک دیا گیا ہے۔ جو جتنی لمبی دشواری سے ہو سکتی ہے وہ اتنی ہی بڑی آمدنی کی جگہ پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ پہلے بھی ٹرانک کی غلطیوں سے درگھٹانوں ہوتی تھیں، لیکن وہ دور دورہ دیکھ دیکھ میں غلطی ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ غلطیاں اب بڑھ گئی ہیں اور شاید دہشتی ہی جارہی ہیں۔

اوپر کی باتوں سے دو موٹے نتیجے نکلتے ہیں: ایک یہ کہ دشواری کا بازار بڑی طرح گرم ہے جس کے کارن تجربہ و فہرہ کا خیال کئے بغیر ڈسے دار لوگوں کو ڈسے دار بندے مل جاتے ہیں۔ یہ لوگ کام کرنے کے بجائے ہوسہ کمانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک قصہ سنیے میں آیا ہے جس پر کوئی مستحضر دیکھ بھکت دلہ پرست کئے بغیر نہ رہے گا۔ ابھی حال میں لکھنؤ اور الہ آباد کے بیچ چلنے والی جلتا اینسپرس 'اونچاھار' کے قریب پٹری سے اتر گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں سراسر انسپلر کی غلطی تھی۔ ٹھیک۔ وہیں نے بار بار چہتائی دی لیکن انسپلر صاحب نے اس کی بات نہیں مانی۔ نتیجہ جو ہونا تھا سو ہوا۔

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ سرکار جان بچانے کے بجائے روہمہ بچانے کے چکر میں رہتی ہے۔ اسی کارن اسٹاف ضرورت سے کم زیادہ کم ہے۔

اس طرح بات صاف ہو جاتی ہے کہ کسی دیکھتی یا سلسلہ کی یہ ذمہ داری نہیں ہے بلکہ سرکاری مشینوں کے کارن ہی یہ درگھٹانوں ہو رہی ہیں۔ سرکار دشواری بازی بلد نہیں کر سکتی، یہ اس کے بس نے باہر کی بات ہے۔ لیکن وہ اسٹاف ضرور بڑھا سکتی ہے۔ صرف کام کے گھنٹے گھنٹا دیکھ سے ہی کافی درگھٹانوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ انسانی جانوں اور بھارت کی گاڑی کمانی سے خریدے انجلیوں کی پرہادی کے نام پر ہماری سرکار سے اپیل ہے کہ وہ اس طرف سے دھیان دے!

5. 2. '53

—موجیب رضوی

—موجیب رضوی

5. 2. '53

نئے قہنگ کا اگريشن

اگر امریکہ کے پاس ایٹم بم نہ ہوں تب امریکہ دنیا کی طاقتوں میں تیسرے درجہ کی تو کیا چوتھے درجہ کی بھی طاقت نہ رہ جائے۔ زمین کی لوائی میں وہ سب طاقتوں سے کمزور ہے۔ اعلیٰ سامنے ہوکر لوائی لونا تو اس کی طاقت سے ایک دم باہر ہے۔

ایٹم بم نے امریکہ کو بے حد پولا دیا ہے اور اسے ایٹم بم کے زعم میں وہ اس لوشیا سے بدلہ لینے کی سوچ رہا ہے جس کے ایک چھوٹے سے ملک جاپان نے ابھی دس برس پہلے نہیں دیکھے اس کا خاکوں دم کر دیا تھا۔

پٹریاں ٹیک نہ ہوں گی تو دوکھتدائیں کسی طور پر ہوں گی۔
 لائنوں پر کام کرنے والے مچھوروں نے جو جانکاری ہمیں
 دی ہے وہ یہ ہے: لائن پر پہلے پانچ فٹ گہرا گڑھا
 ہوتا ہے اور پھر اس کو گٹی سے پاتا جاتا ہے۔ اس کام کو
 ”پٹری گھانا“ کہتے ہیں۔ گٹیوں پر سلپٹ بچھائی
 جاتی ہے اور سلپٹ کے اوپر اوچے کی لائنیں جڑی جاتی
 ہیں۔ جتنا ہی گہرا گڑھا مولا اُندا ہی کم چھکا لائنوں
 کو لگے گا۔ برقی زمانے میں تھن میل کی لائن تھیک
 کرنے کے لئے ہمس آدھوں کا کھلک دھتا تھا۔ وہ دھری
 لائن کا ذمے دار تھا۔ دو آدھوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ
 8 سلپٹ روز گلیا کریں۔

کانگریس سرکار آنے پر کام کے بنگ میں تھیلی کی
 گئی: (1) گدا پانچ فٹ گہرا کھودنے کی جگہ تین فٹ
 ہی کھودا جانے لگا (2) آٹھ سلپٹ رولز گھلانے
 کی جگہ دو آدھوں کو چار سلپٹ رولز گھلانے
 کا حکم دیا گیا (3) پورے ہندوستان میں ڈاڑھ لاکھ
 گنگمیں تھے۔ سرکار نے پچاس ہزار کی کٹنی کر دی۔
 اس کارن جو تیس آدھوں تین میل لائن کے ذمے دار تھے انہوں
 چار میل
 میل کی ذمے داری دے دی گئی۔

مچھوروں کا کہنا ہے کہ اُن کو پہلے ہی ضرورت سے زیادہ
 کام کرنا پڑتا تھا، اوپر سے اُندا کام اور ہوتا دیا گیا ہے۔ وہ
 السری دھونس میں اکر کام کی خواہ پری کر دیتے ہیں
 لیکن انہوں اس سے مطلب نہیں ہوتا کہ کام خراب ہوا
 ہے یا اچھا۔ نہ اُن کا کچھ بگڑتا ہے اور نہ ادھکاریوں
 جلتا کی جان جاتی ہے اور اُس کی گارہی کمانی سے
 خریدے ہوئے اسٹیلوں کی بربادی ہوتی ہے۔

برقی زمانے میں ہوشیار کھلک میں رکھے جاتے تھے۔
 ایک طرح سے اُن کی ایک نسل چل گئی تھی۔ جو کھلک
 میں دو چار بار کام کر لیتا تھا اس کو ہمیشہ کم دیا جاتا
 تھا۔ آزادی کے بعد سے کھلک میں کی بہتری میں
 بھی زوروں کی رشوت چلنے لگی۔ جو دو چار بار کام کر لیتا
 ہے وہ سمجھتا ہے کہ کام ملنا اس کا حق ہے اور وہ رشوت
 نہیں دیتا۔ نئے لوگ آتے ہیں تو ادھکاریوں کی چوب
 گرم ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ نئے نئے آدھوں کے
 سہرہ لائن کا کام کر دیا جاتا ہے۔

لائنوں اتنی خراب ہیں کہ ایک قرائدور نے
 شکایت کرتے ہوئے کہا: ہچکولے سے ہمارا پیمت ملنے لگتا
 ہے اور طہمت پریشان ہو جاتی ہے۔

تیراکی

برقی زمانے میں نئے نئے انگریزوں کو پہلے چھوٹے
 چھوٹے اسٹیشنوں پر رکھ کر تیراکی دی جاتی تھی اور پورے
 پورے کار لائنوں کو پورے اسٹیشنوں پر پہنچا جاتا تھا۔ لیکن

برقی زمانے میں نئے نئے انگریزوں کو پہلے چھوٹے
 چھوٹے اسٹیشنوں پر رکھ کر تیراکی دی جاتی تھی اور پورے
 پورے کار لائنوں کو پورے اسٹیشنوں پر پہنچا جاتا تھا۔ لیکن

ہوتی ہے۔ کوئی کام مقرر کرنے کے لیے دو آدمی ضروری ہیں۔ شروع شروع میں دو آدمی مقرر بھی کئے گئے تھے۔ بعد میں پچاس بچانے کے لیے ایک آدمی سے پورا کام لیا جانے لگا۔ باہر بات ہے کام پورا نہیں ہو سکتا اور اس کارن ڈرائیور کو بھی اس طرف دھیان دینا پڑتا ہے۔ ڈرائیور کا دھیان ہٹ جانے پر ڈرہٹناؤں کا ہونا ضروری ہے۔

کسی کسی پرانے ڈرائیور میں تو آگے کا ٹیمپ تک نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صرف ناردرن ریلوے میں ہے ایسے ڈرائیور ہیں جن میں ہینڈلائٹ نہیں ہے۔ گاڑی اور ڈرائیور جب اس بات کی شکایت کرتے ہیں تو انہیں کسی کی طرف سے دیکھتے ہیں، ”اے بی جی“ یہ دیکھ رہی ہے، دوسری گاڑی، جو لوگ کچھ بھی ڈرہٹناؤں کے بارے میں جانتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ ان کی ہینڈلائٹ کتنی ضروری ہے۔

ڈرائیور کی نوبت کتنی کٹتی ہے یہ کھانے کی ضرورت نہیں اسے آگ میں جھلسنا پڑتا ہے، ہینڈلائٹ کی بھی کوئی جگہ انہیں نہیں ہوتی۔ اسے پورے پر کھڑا رکھنا پڑتا ہے۔ ہینڈلائٹ کی کوئی آگ دھماکا سے آگ لگتی ہے زیادہ نہیں کر سکتا۔ آگ لگنے کے کام کے بعد بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے اچھی خوراک ملے اور ایسا پر بند ہو جس سے اس کے جسم کو پھر سے ٹھنڈی ہوئی طاقت مل جائے۔ ہمارے ڈرائیوروں کو آگ لگنے کی جگہ ہینڈلائٹس لگنے کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ سرکار انہیں اور ٹائم (Over-time) دیتی ہے اور وہ اسی لالچ میں کام کرتے ہیں۔ لیکن سرکار کو سوچنا چاہئے کہ وہ اتنی دیر تک دھیان پورے کام کو بھی نہیں دیتے۔ شاید سرکار کو یہ سب سوچنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو یہ سوچتی رہتی ہے کہ کام چلتا رہے اور آدمی کسی صورت سے نہ بولے پائوں۔

اس پکھ میں سرکار کا کہنا ہے : آزاد سے پہلے زیادہ تر ڈرائیور مسلمان اور اینگلو انڈین تھے۔ ان کی ایک بڑی تعداد پاکستان چلی گئی ہے۔ اس کارن ڈرائیوروں سے اور ٹائم کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کے بعد یہ دھل بالکل نہیں چلتی۔ سرکار چاہتی تو اس عرصے میں نہ جانے کتنے ڈرائیور ٹرینڈ کر لیتی۔ دوسری طرف ٹرینڈ لوگوں کو نکالنا رکھنے کی سرکاری پالیسی سمجھ میں نہیں آتی۔ ایسے ڈرائیور کمرہ آویں کی کالی تعداد ہے جنہیں نے فارم پر ”پاکستان“ جانے کی بات تو لکھ دی تھی لیکن وہ پاکستان نہیں گئے اور یہیں کام کرتے رہے۔ نہ جانے کس لیے سرکار نے انہیں نوکری سے الگ کر دیا ہے۔ ضرورت کی بھی مانتا ہے اور قانون بھی ان کا حق ہے کہ ایسے سب لوگوں کو بھرتی دی جائے۔

’انتھروپک‘

انتھروپک وہاں کی ڈیے داری ہے کہ وہ دہل کی پڑیوں کو ٹھیک رکھے۔ ظاہر بات ہے اگر دہل کی

’انٹرنیشنل‘

’انٹرنیشنل‘ کی ضرورت ہے کہ وہ ریل کی پڑیوں کو ٹھیک رکھے۔ ظاہر بات ہے اگر دہل کی

— भगवानदीन

5-2-'63

لہو فو مو تو دو

58

(1) ہندوستان غریب ملک ہے۔ اس کے یہ مانے نہیں کہ یہ کوئی بھوکوں مرنا دیکھ رہا ہے۔ ہاں، دو ایک ملک سے کم مالدار ہے۔ یعنی اگر اس کی ساری سمجھتی سب لوگوں میں ٹھیک سے بانٹ دی جائے تو پھر یہ غریب دیکھ نہیں رہا جائے گا۔ غریب دیکھ ہم صرف اس کو اس لئے کہ وہ ہوں کہ یہاں غریبوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مالداروں کی تعداد بہت کم۔

(2) غلط یا صحیح معمولی پرچار سے غریب لوگوں میں سماج واد کا پودا جتنی جلدی جو پکوتا ہے اتنی جلدی پونجی واد کا پودا جو نہیں پکو سکتا۔ ہندوستان میں کچھ ہی دنوں میں سماج وادی خیالوں نے آدھے سے زیادہ آدمیوں کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے، باقی آدھے سے کم بھی پونجی واد کے پیکے پیروکار نہیں۔ موقع پڑے پر ان کی بہت بڑی تعداد سماج واد کی طرف جھکے گی۔ اس لئے سماج واد کا پلہ اور بھی وزنی ہو جائے گا۔

(3) کوئی ویدیشی بہت کوشش کرے پر بھی یہ پتہ نہیں لگا سکتا کہ ہندوستان میں کتنے سماج وادی ہوں۔ ہندوستان کی حکومت بھی اگر چاہے تو ان کی تعداد کا پتہ نہیں لگا سکتی۔

(4) سماج واد ایک دھرم ہے۔ ہندوستان میں دھرم انوکھے ڈھنگ سے پھلتے ہیں۔ جب آریہ سماجی ایک لاکھ تھے تب آریہ سماج کے خیال کے آدمیوں کی تعداد ایک ایک کروڑ تھی۔ اور اب تو ایک طرح سے دسویں کروڑ آریہ سماج کے خیال رکھتے ہیں، پر اپنے کو آریہ سماجی نہیں کہتے۔ ہندوستان میں ٹھیک اسی طرح سے سماج واد پھیل چکا ہے۔ سماج وادوں کی ٹھیک ٹھیک تعداد گورنمنٹ کا قریب قریب ہر ایک آدمی الگ الگ اچھی طرح جانتا ہے، ہر سرکار کے ممبر کی حیثیت سے بالکل نہیں جانتا، کیونکہ اس کے لئے ثبوت چاہئے۔ پر کہتے ہیں والا ثبوت کہیں ہے ہی نہیں۔

(5) سماج وادوں کا نہ دکھائی دینے والا بکھراؤ اسی وقت تک نہ دکھائی دینے والا رہے گا جب تک ہندوستانی سرکار تگستہ بنی رہے گی۔ جیسے ہی ہندوستانی سرکار کا پلٹا پونجی واد کی طرف معمول سے زیادہ جھکا تو سماج وادوں کا یہ سارا بکھراؤ ایک دم سنگت ہو جائے گا اور سرکار کے مقابلے کے لئے آئندہ ہو جائے گا یعنی ہندوستان میں گھریلو لڑائی چھو جائے گی۔

(6) اگر ہندوستانی سرکار معمول سے زیادہ سماج واد کی طرف جھکی تو انگلیوں پر لگا جائے والا پونجی وادی دل دیکھوں کے ہاتھوں کالم کا کام کرے گا۔ اس کی وجہ سے ایک طوفان تو کھڑا ہوگا پر جلدی دبا جاسکے گا۔ ان کی وجہ سے گھریلو لڑائی کی نوبت آ جائے ایسا نہیں ہو سکے گا۔

(1) ہندوستان غریب ملک ہے۔ اس کے یہ مانے نہیں کہ یہ کوئی بھوکوں مرنا دیکھ رہا ہے۔ ہاں، دو ایک ملک سے کم مالدار ہے۔ یعنی اگر اس کی ساری سمجھتی سب لوگوں میں ٹھیک سے بانٹ دی جائے تو پھر یہ غریب دیکھ نہیں رہا جائے گا۔ غریب دیکھ ہم صرف اس کو اس لئے کہ وہ ہوں کہ یہاں غریبوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مالداروں کی تعداد بہت کم۔

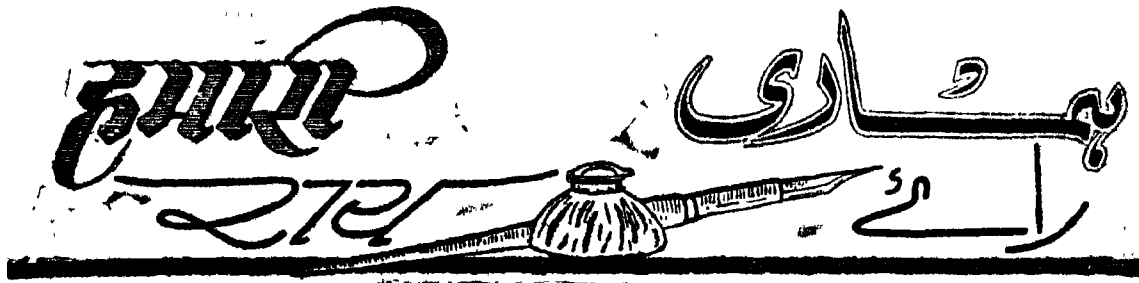
(2) غلط یا صحیح معمولی پرچار سے غریب لوگوں میں سماج واد کا پودا جتنی جلدی جو پکوتا ہے اتنی جلدی پونجی واد کا پودا جو نہیں پکو سکتا۔ ہندوستان میں کچھ ہی دنوں میں سماج وادی خیالوں نے آدھے سے زیادہ آدمیوں کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے، باقی آدھے سے کم بھی پونجی واد کے پیکے پیروکار نہیں۔ موقع پڑے پر ان کی بہت بڑی تعداد سماج واد کی طرف جھکے گی۔ اس لئے سماج واد کا پلہ اور بھی وزنی ہو جائے گا۔

(3) کوئی ویدیشی بہت کوشش کرے پر بھی یہ پتہ نہیں لگا سکتا کہ ہندوستان میں کتنے سماج وادی ہوں۔ ہندوستان کی حکومت بھی اگر چاہے تو ان کی تعداد کا پتہ نہیں لگا سکتی۔

(4) سماج واد ایک دھرم ہے۔ ہندوستان میں دھرم انوکھے ڈھنگ سے پھلتے ہیں۔ جب آریہ سماجی ایک لاکھ تھے تب آریہ سماج کے خیال کے آدمیوں کی تعداد ایک ایک کروڑ تھی۔ اور اب تو ایک طرح سے دسویں کروڑ آریہ سماج کے خیال رکھتے ہیں، پر اپنے کو آریہ سماجی نہیں کہتے۔ ہندوستان میں ٹھیک اسی طرح سے سماج واد پھیل چکا ہے۔ سماج وادوں کی ٹھیک ٹھیک تعداد گورنمنٹ کا قریب قریب ہر ایک آدمی الگ الگ اچھی طرح جانتا ہے، ہر سرکار کے ممبر کی حیثیت سے بالکل نہیں جانتا، کیونکہ اس کے لئے ثبوت چاہئے۔ پر کہتے ہیں والا ثبوت کہیں ہے ہی نہیں۔

(5) سماج وادوں کا نہ دکھائی دینے والا بکھراؤ اسی وقت تک نہ دکھائی دینے والا رہے گا جب تک ہندوستانی سرکار تگستہ بنی رہے گی۔ جیسے ہی ہندوستانی سرکار کا پلٹا پونجی واد کی طرف معمول سے زیادہ جھکا تو سماج وادوں کا یہ سارا بکھراؤ ایک دم سنگت ہو جائے گا اور سرکار کے مقابلے کے لئے آئندہ ہو جائے گا یعنی ہندوستان میں گھریلو لڑائی چھو جائے گی۔

(6) اگر ہندوستانی سرکار معمول سے زیادہ سماج واد کی طرف جھکی تو انگلیوں پر لگا جائے والا پونجی وادی دل دیکھوں کے ہاتھوں کالم کا کام کرے گا۔ اس کی وجہ سے ایک طوفان تو کھڑا ہوگا پر جلدی دبا جاسکے گا۔ ان کی وجہ سے گھریلو لڑائی کی نوبت آ جائے ایسا نہیں ہو سکے گا۔



لڑائی کے बादل

آہستہ آہستہ گہری پر بٹھتے ہی دور پورب میں لڑائی کے बादل جملے لگ گئے۔

کچھ دنوں یہ حال رہے گا کہ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوگا کہ बादل کھڑے جم گئے ہیں اور برس نہ ہو رہا ہے۔ اور جلدی ہی یہ معلوم ہونے لگے گا کہ बादل تیز بھر رہے ہیں اور بارش نہیں ہوئی۔

اگلے موقع پر معمولی बादل کا ٹکڑا آج کے بھاؤ پر اثر ڈال دیتا ہے۔ توہم اسی طرح شانتی کی حالت میں لڑائی کے बादل کا معمولی سا ٹکڑا دنیا کی تمام چیزوں کی بھاؤں پر اثر ڈال دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے امریکہ نے اسی خیال سے لڑائی کے बादل کا یہ ٹکڑا آسمان پر پھینکا ہو، لہذا کرے یہی بات سچ نکلے۔

پہلے یہ بات سچی ہوتی نظر نہیں آتی، کیونکہ امریکہ کی گدی ایک فوجی جبریل کے ہاتھ میں ہے اور فوجی جبریل بھی ایسا جس کے اوپر کسی کا دباؤ نہیں۔

امریکہ صرف کھلمے کے لئے لوگ شامی ہے۔ عملی طور پر وہ اکثر راج شامی اور سامراج شامی ہے اور پھر تانا شامی نو ہے۔

کوریہ کے معاملے میں وہ ہوا جو قرومن صاحب نے چاہا اور قرومن صاحب نے وہ چاہا جو فوجی جبریل میک آرڈر نے چاہا۔

دنیا کے کسی حصہ پر آج اتنی زور کی لڑائی چھڑی ہے تو جو تیسری دنیا کی لڑائی کا کارن بن سکتی ہے، وہ امریکہ پہلی آئین ہاور کی چھڑی ہوئی ہو سکتی ہے یا اس کے اشارے پر چھڑی ہو سکتی ہے۔

لڑائی کے बादل کے جو ٹکڑے دور پورب میں ساری دنیا کو نظر آنے لگے ہیں، وہ امریکہ کے ہاتھ کے پھینکے ہوئے ہیں، یہ ساری دنیا جانتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ ٹکڑے تیسری لڑائی کی سرنگ کا قلعہ ثابت ہوں۔ لہذا نہ کرے ایسا ہو! اگر ایسا ہوا تو هندوستان کے بارے میں ساری دنیا عام طور سے اور امریکہ خاص طور سے نہایت کی باتیں نوٹ کر لے۔

لڑائی کے बादل

آہستہ آہستہ گہری پر بٹھتے ہی دور پورب میں لڑائی کے बादل جملے لگ گئے۔

کچھ دنوں یہ حال رہے گا کہ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوگا کہ बादل کھڑے جم گئے ہیں اور برس نہ ہو رہا ہے۔ اور جلدی ہی یہ معلوم ہونے لگے گا کہ बादل تیز بھر رہے ہیں اور بارش نہیں ہوئی۔

اگلے موقع پر معمولی बादل کا ٹکڑا آج کے بھاؤ پر اثر ڈال دیتا ہے۔ توہم اسی طرح شانتی کی حالت میں لڑائی کے बादل کا معمولی سا ٹکڑا دنیا کی تمام چیزوں کی بھاؤں پر اثر ڈال دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے امریکہ نے اسی خیال سے لڑائی کے बादل کا یہ ٹکڑا آسمان پر پھینکا ہو، لہذا کرے یہی بات سچ نکلے۔

پہلے یہ بات سچی ہوتی نظر نہیں آتی، کیونکہ امریکہ کی گدی ایک فوجی جبریل کے ہاتھ میں ہے اور فوجی جبریل بھی ایسا جس کے اوپر کسی کا دباؤ نہیں۔

امریکہ صرف کھلمے کے لئے لوگ شامی ہے۔ عملی طور پر وہ اکثر راج شامی اور سامراج شامی ہے اور پھر تانا شامی نو ہے۔

کوریہ کے معاملے میں وہ ہوا جو قرومن صاحب نے چاہا اور قرومن صاحب نے وہ چاہا جو فوجی جبریل میک آرڈر نے چاہا۔

دنیا کے کسی حصہ پر آج اتنی زور کی لڑائی چھڑی ہے تو جو تیسری دنیا کی لڑائی کا کارن بن سکتی ہے، وہ امریکہ پہلی آئین ہاور کی چھڑی ہوئی ہو سکتی ہے یا اس کے اشارے پر چھڑی ہو سکتی ہے۔

لڑائی کے बादل کے جو ٹکڑے دور پورب میں ساری دنیا کو نظر آنے لگے ہیں، وہ امریکہ کے ہاتھ کے پھینکے ہوئے ہیں، یہ ساری دنیا جانتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ ٹکڑے تیسری لڑائی کی سرنگ کا قلعہ ثابت ہوں۔ لہذا نہ کرے ایسا ہو! اگر ایسا ہوا تو هندوستان کے بارے میں ساری دنیا عام طور سے اور امریکہ خاص طور سے نہایت کی باتیں نوٹ کر لے۔

‘نیا ہند’ میں کر چکے ہیں۔ آج ساتویں पुस्तक ‘धर्म के नाम पर’ किताब کے بارے میں نیچے لکھتے ہیں—

یہ کتاب 128 صفحوں کی ہے۔ نام ہے ڈیڈ کپٹا، لکھا ہے بہت صاف ہے۔ یہ کرنل انکر مول کے دیکھنا اور نہندھوں کا ملکہوی ہندی میں ہامتاوہ انواد ہے۔ انوادک ہوں بہندھن آند کوسلہاہن۔ آند جی کی لکھلی سے سب ہندی پاتھک اچھی طرح پرچت ہیں۔ وہی کتاب کی بات وہ سچ سچ ایسی ہے کہ اس کو پڑھ کر یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آدمی کے اندر کا آتما ایک بار ہر طرح آزاد ہونے کے لئے اچھل نہ پڑے۔ ہوں تو اس کتاب میں عیسائی دھرم کے خلاف ہی زیادہ لکھا گیا ہے پر وہ ایسا لکھا گیا ہے کہ ہر دھرم کے خلاف اسے پڑھا جا سکتا ہے۔ دھرم اگر سچائی، ایمانداری، پریم، شہل اور سلتوہی جیسے کلموں کا نام ہے تب تو یہ کہنا چاہئے کہ یہ پستک سچے معنوں میں دھرم پستک ہے کیونکہ اس میں انہوں کلموں پر زور دیا گیا ہے۔ ‘ہاں’ اگر دھرم سے یہ مطلب ہے کہ گرجوں، مندر، مسجد جانا، یا ہادی، ملا، پروعموں کے ہاتھ پک جانا، یا نرک سے قوت اور سورگ پانے کی اچھا کرنا یا یہ سمجھنا کہ سب کچھ ایشور کے ہی ہاتھ میں ہے تب یہ پستک بے شک دھرم کے خلاف ہے۔ یہ کتاب تو وچاروں کی پوری آزادی دیتی ہے اور اس نئے ہو سکتا ہے جو دھرم کے نگر میں وہ اس سے بگڑ بہتہوں اور ایسی سرکاریوں ہی اس کتاب کو پڑھکر ناک بہوں چوہائیں جو بے مطلب کے دہارے میں وشواس رکھتی ہیں اور جو نمائش کے لئے اپنے راجاؤں پر یا اپنے پریستڈنٹوں پر انہوں کا سواہ کر دیتی ہیں۔

یہ پستک ہی نہیں، اس مالا کی سب पुस्तकें इस قابل ہوں کہ گھر میں دھوں اور ہر ہندی جانکار کے ہاتھ میں دکھائی دیں۔

اسی ہندی گرنٹھ رتلا کر کی دو کتابیں ہوں اور ملی ہوں۔ ایک شرت پتراولی یعنی ہنگالی مشہور اپنہاس کا شرت بابو کی چٹھوں کا ہندی انواد اور دوسری ہے ان کی ان کہانیوں کا سلکڑ جو شرت بابو پوری نہ کر پائے، ادھوری چھوڑ گئے۔

شرت بابو کی کتابوں کے انواد کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ انواد اور انوادوں سے اچھا تو ہے ہی نہ کہیں ہی ایسا نہیں ہوا نہ ہنگالی کا آند کم ہوا ہو، اس کے انوادک میں مہا دیو جی ساہا۔ ہولکک خود ہی تو ہلکک کے بہت اچھے جانکار ہیں۔

—بگواندین

—بگواندین

فروری 53ء

سے کم چوڑی لگی جائیگی۔ نئی کمپنی پر سرکار کا انڈسٹریل (ڈیولپمنٹ انڈسٹریل) ایکٹ بھی لاگو نہ ہوگا۔

آخر میں سرکار نے یہ بھی مان لیا کہ اس کارخانے میں ساکف ہونے والا تیل وہی اسباب پر بچا جائے گا جس سے اسباب پر باہر سے آنے والا تیل بچا جائے گا۔ دیہی کے اندر کارخانہ کھل جائے گا یہ بھی خریداروں کو پہلے سے تھوڑا سا تیل نہ ملے گا۔

اس کے علاوہ جو دو دیہی کمپنیاں (ایک انگریزی اور ایک امریکی) یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے والی ہیں، ان کو بھی یہ ساری سہولتیں ملے گی۔

امریکی پونجی پتوں کے لالچ کی حد نہیں

امریکی راجدھانی واشنگٹن نے ان سوویتوں کا ٹھیکہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیہی پونجی کے بارے میں بھارتی نیتوں کا رخ بدل رہا ہے:

”ان تین تیل کی کمپنیوں کو جو بھارت میں تیل صاف کرنے کے کارخانے بنا رہی ہیں، 25 سال تک راشٹری کران نہ کرنے کا جو معاہدہ تھا اور جو دوسرے لالچ دیے گئے تھے ان کی دو ایک سال پہلے کھینچ لی گئی تھی!“ (امریکی پتر فریڈرک ایگریس میں شائع شدہ ”نیا بھارت“)

پھر ان سوویتوں سے بھی امریکی پونجی پتوں کو استغاثہ نہیں ہے۔ نئے کے لالچ اور سامراج کے گھمبیری جیتا پاتے ہیں، اتنی ہی آواز مانتے ہیں۔ ہاؤلس صاحب اسی لالچ میں آگے بڑھتے ہیں:

”بھارت سے لوگوں کی راہ ہے کہ دیہی اور دیہی نئی پونجی لگانے والوں کو آکرشت کرنے کے لئے بھارت سرکار ابھی اور لالچ دے سکتی ہے۔ حال میں پورٹوگو میں جو نئی ایڈائی گئی ہے اس نے لوگوں کا کافی دھیان کھینچا ہے۔ وہاں نئی پونجی پر سرکاری ٹیکس معاف دینے گئے ہیں اور دوسری انہیں سہولتیں دی گئی ہیں جن سے بڑی کمپنی سے ادھوک وکاس ہونے لگا ہے۔“

پورٹوگو امریکہ کا ایک غلام ملک ہے۔ ہاؤلس چاہتے ہیں کہ ہماری سرکار نہ صرف ہلکی سی آوازوں کو امریکی پونجی پتوں کے ہاتھوں میں سونپ دے اور انہیں من مانے ملک سے ہلکی سی مزدوروں اور ہلکی سی خریداروں کو لوتے دے، بلکہ غلام پورٹوگو کی طرح ان پر ٹیکس بھی نہ لگائے۔

یہی وہ ہاؤلس صاحب ہیں جن کے بھارت پریم سے کد کد ہو کر راجہ پال شری پرکاش نے کہا تھا کہ انہیں امریکہ کا نہیں، بلکہ بھارت کا راجہ دوت سمجھنا چاہئے!

پہلی لی جائے گی۔ نئی کمپنی پر سرکار کا انڈسٹریل (ڈیولپمنٹ انڈسٹریل) ایکٹ بھی لاگو نہ ہوگا۔

آخر میں سرکار نے یہ بھی مان لیا کہ اس کارخانے میں صاف ہونے والا تیل اسی اسباب پر بچا جائے گا جس سے اسباب پر باہر سے آنے والا تیل بچا جائے گا۔ دیہی کے اندر کارخانہ کھل جائے گا یہ بھی خریداروں کو پہلے سے تھوڑا سا تیل نہ ملے گا۔

اس کے علاوہ جو دو دیہی کمپنیاں (ایک انگریزی اور ایک امریکی) یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے والی ہیں، ان کو بھی یہ ساری سہولتیں ملے گی۔

امریکی پونجی پتوں کے لالچ کی حد نہیں

امریکی راجہ دوت چمبر ہاؤلس نے ان سوویتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیہی پونجی کے بارے میں بھارتی نیتوں کا رخ بدل رہا ہے:

”ان تین تیل کی کمپنیوں کو جو بھارت میں تیل صاف کرنے کے کارخانے بنا رہی ہیں، 25 سال تک راشٹری کران نہ کرنے کا جو معاہدہ تھا اور جو دوسرے لالچ دیے گئے تھے ان کی دو ایک سال پہلے کھینچ لی گئی تھی!“ (امریکی پتر فریڈرک ایگریس میں شائع شدہ ”نیا بھارت“)

ان سوویتوں سے بھی امریکی پونجی پتوں کو استغاثہ نہیں ہے۔ نئے کے لالچ اور سامراج کے گھمبیری جیتا پاتے ہیں، اتنی ہی آواز مانتے ہیں۔ ہاؤلس صاحب اسی لالچ میں آگے بڑھتے ہیں:

”بھارت سے لوگوں کی راہ ہے کہ دیہی اور دیہی نئی پونجی لگانے والوں کو آکرشت کرنے کے لئے بھارت سرکار ابھی اور لالچ دے سکتی ہے۔ حال میں پورٹوگو میں جو نئی ایڈائی گئی ہے اس نے لوگوں کا کافی دھیان کھینچا ہے۔ وہاں نئی پونجی پر سرکاری ٹیکس معاف دینے گئے ہیں اور دوسری انہیں سہولتیں دی گئی ہیں جن سے بڑی کمپنی سے ادھوک وکاس ہونے لگا ہے۔“

پورٹوگو امریکہ کا ایک غلام ملک ہے۔ ہاؤلس چاہتے ہیں کہ ہماری سرکار نہ صرف ہلکی سی آوازوں کو امریکی پونجی پتوں کے ہاتھوں میں سونپ دے اور انہیں من مانے ملک سے ہلکی سی مزدوروں اور ہلکی سی خریداروں کو لوتے دے، بلکہ غلام پورٹوگو کی طرح ان پر ٹیکس بھی نہ لگائے۔

یہی وہ ہاؤلس صاحب ہیں جن کے بھارت پریم سے کد کد ہو کر راجہ پال شری پرکاش نے کہا تھا کہ انہیں امریکہ کا نہیں، بلکہ بھارت کا راجہ دوت سمجھنا چاہئے!

اسی قانون کی دہارا (B) 511 میں لکھا ہے :

”کسی دیش کو آئیک یا تکنیکی سہا یاتا اس وقت تک ن دی جائیگی جب تک راج پاتی یھ ن سمجھن ک یس ی سہا یاتا دینے سے امریکا کی س رچا نی تی م چھو ت ہوگی... .. اور جب تک مدد پانے والا دیش یھ س ویکار ن کر لے ک ی دنیایا م تनाव کے کارنوں کو د ر کرنے کے لی یے یھ یس ی کاربائی کرے گا جو د روں دیش ضروری سمجھوں .“

یھ شرت پوری ہو جانے کے با د ہی بھارت کو ڈالروں، ساد اور امریکی گا و سوبارکوں کی مدد ملی ہے . پر پंडित नेहरू इनको भी शायद शर्तें नहीं मानते !

✽

✽

✽

تیل صاف کرنے کے کارخانے

اب تیل صاف کرنے کے اس کارخانے پر بھی وچار کر لیا جائے جس میں امریکہ کی اسٹینڈرڈ ویکوم ائل کمپنی نے 1680 لاکھ روپے کی پونجی لگانے کا فیصلہ کیا ہے .

بھارت سرکار بھو ت دینوں سے اس نی تی پر اڑی ڈی یی ک ی کم ک ی سے کم دنیایا دی اور پ رموخ یو یو گوں م ی ا ر ویدشی پونجی کو آنے دیا جائیگا تو س یف یس شرت پر ک ی ہ یسے د روں م ی ہ یندو سٹان ییوں کا بھو مت رھے گا . اپریل 1948 م ی بھارتی پارلیمنٹ نے یھ ی نی تی اپنائی یی .

پر جب تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے کی بات چیت شروع ہوئی تو اس شرط کو بھی بھل دیا گیا . بھارت سرکار نے س ویکار کھا ک ی نئی کمپنی کے کھول 25 فیصد حصہ ہندوستانیوں کے ہالہ م ی دھوں کے . یعنی نئے اڈیوگ پر پورا پورا امریکہ والوں کا کنٹرول دے گا .

بھارت سرکار نے یھ م ی وادہ کیا ک ی 25 سا ز تک بھ اس ن یے یو یو گ کے راشٹریकरण کی بات م ی ن کرے گی اور اس کے با د م ی ”وچیت“ سوباباا دے کر ہی یس ا کیا جا س کے گا . دھیان رھے، اس کے پھلے بھارت سرکار نے راشٹریकरण کا سبال کھال اگلے دس سال کے لی یے ڈال دیا ی .

سا یھ ہی امریکی کمپنی کو یھ اذیکار ہوگا ک ی جب چاہے یو یو گ کو بند کر دے اور اپنی پونجی م م کما ی ڈی مونا فے کے امریکا وٹا لے جائی . یانی امریکی پونجی پاتیوں کو ہک ہوگا . ک ی چاہن تو ہمارے یو یو گ کو ٹپ کر دے، پر سرکار اس کا راشٹریकरण م ی ن کر س کے گی .

اس کے ا سلا با بھارت سرکار نے کڈے اور اسبابارن سوبابا ی نئی کمپنی کو دینا س ویکار کیا . اس نے سانا ک ی کھلے تیل پر چونگی نہیں لگائی جائیگی اور ن یے کارخانے کے لی یے آنے والی مینیوں پر سرکاری نی ی م

اسی قانون کی دہارا (B) 511 میں لکھا ہے :

”کسی دیش کو آرتھک یا تکنیکی سہا یاتا اس وقت تک نہ دی جائے گی جب تک راج پتی یہ نہ سمجھوں کہ ایسی سہا یاتا دینے سے امریکہ کی سرکشا یعنی مضبوط ہوگی... .. اور جب تک مدد پانے والا دیش یہ س ویکار نہ کرے کہ دنیا میں کٹاؤ کے کارنوں کو دور کرنے کے لئے وہ ایسی کاروائی کرے گا جو د روں دیش ضروری سمجھوں .“

یہ شرطیں پوری ہو جانے کے بعد ہی بھارت کو ڈالروں، ساد اور امریکی گا و سوبارکوں کی مدد ملی ہے . پر پंडित नेहरू इनको भी शायद शर्तें नहीं मानते !

✽

✽

✽

تیل صاف کرنے کے کارخانے

اب تیل صاف کرنے کے اس کارخانے پر بھی وچار کر لیا جائے جس میں امریکہ کی اسٹینڈرڈ ویکوم ائل کمپنی نے 1680 لاکھ روپے کی پونجی لگانے کا فیصلہ کیا ہے .

بھارت سرکار بھو ت دینوں سے اس نی تی پر اڑی ہوئی تھی کہ کم سے کم بلحا دی اور پ رموخ اڈیوگوں میں اگر ویدشی پونجی کو آ لے دیا جائے گا تو صرف اس شرط پر کہ حصے داروں میں ہندوستانیوں کا بھو مت دے گا . اپریل 1948 م ی بھارتی پارلیمنٹ نے یھ ی نی تی اپنائی تھی .

پر جب تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے کی بات چیت شروع ہوئی تو اس شرط کو بھی بھل دیا گیا . بھارت سرکار نے س ویکار کھا ک ی نئی کمپنی کے کھول 25 فیصد حصہ ہندوستانیوں کے ہالہ م ی دھوں کے . یعنی نئے اڈیوگ پر پورا پورا امریکہ والوں کا کنٹرول دے گا .

بھارت سرکار نے یھ وادہ کیا ک ی 25 سال تک وہ اس نئے اڈیوگ کے راشٹریकरण کی بات بھی نہ کرے گی اور اس کے بعد بھی ”اچت“ معاوضہ دے کر ہی ایسا کھا جا سکے گا . دھیان دے، اس کے پھلے بھارت سرکار نے راشٹریकरण کا سوال کھول اگلے دس سال کے لئے ڈال دیا تھا .

سا یھ ہی امریکی کمپنی کو یہ اذیکار ہوگا کہ جب چاہے اڈیوگ کو بند کر دے اور اپنی پونجی م م کما ی مڈافے کے امریکہ آٹھائے جائے . یعنی امریکی پونجی پتوں کو حق ہوگا کہ چاہیں تو ہمارے اڈیوگ کو ٹپ کر دیں، پر سرکار اس کا راشٹریकरण بھی نہ کر سکے گی .

اس کے علاوہ بھارت سرکار نے کئی اور اسبابارن سوبابا ی نئی کمپنی کو دینا س ویکار کیا . اس نے سانا ک ی کھلے تیل پر چلکی نہیں لگائی جائے گی اور نئے کارخانے کے لئے آنے والی مشینوں پر سرکاری نی ی م

(2) اناج کے دام بہت اونچے لگائے گئے۔ 1950-51 میں امریکا میں گہوں کا भाव 73.9 ڈالر فی ٹن था. भारत से 105 डॉलर फ्री टन वसूल किये गए.

(3) अगरचे भारत अनाज के पूरे दाम मय सूद के देने वाला है, फिर भी देश विदेश में प्रचार किया गया कि अमरीका ने रहम के मारे भूके भारत को 'मदद के तौर पर' अनाज दिया है.

(4) इस क्रॉज के सम्बन्ध में भारत सरकार ने जो कानून बनाया, (इन्डियन इमेर्जेसी फूड एक्ट) उसकी दूसरी धारा में साफ कहा गया कि अनाज की क्रीमत के एक हिस्से के एक्छ में फ्रीजी नज़र से महत्वपूर्ण कच्चा माल भारत अमरीका को देगा.

(5) हमारे खरीदे हुए अनाज के बंटवारे की देख रेख करने के लिये एक पूरा अमरीकी महकमा नई दिल्ली में खुल गया.

(6) शर्त रखी गई कि कम से कम आधा अनाज अमरीकी जहाजों पर लाद कर ले जाया जाय. यह तय होना था कि अमरीकी जहाजों ने अपना किराया साढ़े 10 डॉलर से बढ़ा कर 25 डॉलर फ्री टन कर दिया. और चूंकि प्रियावातर अनाज अमरीकी जहाजों में ही लाया गया, इसलिये केवल इस मद में भारत को साढ़े 14 करोड़ रुपए का मुकसान उठाना पड़ा.

वह राजकाजी शर्तें ऊपर से देखने में कुछ न थीं. पर सभी जानते हैं कि सितम्बर 1951 में, जब भारत सरकार ने अमरीका के तैयार किये हुए जापानी संधि के मसविदे पर दस्तखत करने से इनकार किया तो यकायक अनाज का आना एक दम कम हो गया. यह बात भी मतलब से खाली नहीं है कि अमरीका के साथ भारत का पहला फ्रीजी समझौता मार्च 1951 में हुआ.

ग्राम सुधार के लिये मदद

भारत अमरीका तकनीकी सहयोग समझौते के मातहत भारत सरकार ने ग्राम सुधार करने के लिये अमरीका से एक्सपर्ट, खाद, औजार और बीज मंगाए हैं इस सम्बन्ध में अधिक कहने की जरूरत नहीं है.

यह सब जानते हैं कि यह मदद भारत को अमरीका के आपसी सुरक्षा कानून के मातहत मिली है अमरीकी कांग्रेस (पार्लियामेंट) ने इस कानून को किस मकसद से बनाया है, यह कानून के ही शब्दों में सुनिये :

"कांग्रेस ऐलान करती है कि इस कानून का मकसद संयुक्त राष्ट्र अमरीका की सुरक्षा नीति को मजबूत करना और इसकी विदेशी नीति को आगे बढ़ाना है, जिस के लिये मित्र देशों को फ्रीजी, आर्थिक और तकनीकी मदद देने का प्रबंध किया जायगा....." (आपसी सुरक्षा कानून की धारा 2)

(2) अनाज के दाम बहुत ऊँचे लगे. 1950-51

में अमरीके में गेहूँ का भाव 73.9 डॉलर फ्री टन था. भारत से 105 डॉलर फ्री टन वसूल किये गئے.

(3) اگرچه بھارت اناج کے پورے دام مے سود کے دینے والا ہے، پھر بھی دیس ویس میں پرچار کیا گیا کہ امریکہ نے رحم کے مارے بھوکے بھارت کو 'مدد کے طور پر' اناج دیا ہے.

(4) اس قرضے کے سمبندھ میں بھارت سرکار نے جو قانون بنایا، (انڈین امرجینسی فوڈ ایکٹ) اس کی دوسری دھارا میں صاف کہا گیا کہ اناج کی قیمت کے ایک حصے کے عوض میں فوجی نظر سے مہتمم دوروں کچا مال بھارت امریکہ کو دے گا.

(5) ہمارے خریدے ہوئے اناج کے بٹوارے کی دیکھ ریکھ کرنے کے لئے ایک پورا امریکی محکمہ نئی دلی میں کھل گیا.

(6) شرط رکھی گئی کہ کم سے کم آدھا اناج امریکی جہازوں پر لاد کر لے جایا جائے. یہ طے ہونا تھا کہ امریکی جہازوں نے اپنا کرایہ ساڑھے دس ڈالر سے بڑھا کر 25 ڈالر فی ٹن کر دیا. اور چونکہ زیادہ تر اناج امریکی جہازوں میں ہی لیا گیا، اس لئے کھول اس مد میں بھارت کو ساڑھے چودہ کروڑ روپے کا نقصان اٹھانا پڑا.

یہ راج کافی شرطوں اور سے دیکھنے میں کچھ نہ نہیں. پر سبھی جانتے ہیں کہ ستمبر 1951 میں، بھارت سرکار نے امریکہ کے تیار کئے ہوئے جاپانی سندھی کے مسودے پر دستخط کرنے سے انکار کیا تو یکایک اناج کا آنا ایک دم کم ہو گیا. یہ بات بھی مطلب سے خالی نہیں ہے کہ امریکہ کے ساتھ بھارت کا پہلا فوجی سمجھوتہ مارچ 1951 میں ہوا.

گرام سدھار کے لئے مدد

بھارت امریکہ تکذیکی سہوگ سمجھوتے کے ماتحت بھارت سرکار نے گرام سدھار کرنے کے لئے امریکہ سے انسپورت کھان، اوزار اور بھیج 'مڈائے' ہیں. اس سمبندھ میں کھلے کی ضرورت نہیں ہے.

یہ سب جانتے ہیں کہ یہ مدد بھارت کو امریکہ کے آپسی سرکھا قانون کے ماتحت ملی ہے. امریکی کانگریس (پارلیمینٹ) نے اس قانون کو کس مقصد سے بنایا ہے، یہ قانون کے ہی شبدوں میں سنئے :

"کانگریس اعلان کرتی ہے کہ اس قانون کا مقصد سلوکٹ راج امریکہ کی سرکھا نہتی کو مضبوط کرنا اور اکی ویسی نہتی کو آگے بڑھانا ہے، جس کے لئے مہتمم دیسوں کو فوجی، تکنیکی مدد دینے کا سمبندھ کیا جائے گا....." (اسی سرکھا قانون کی دھارا 2)

के यहां रहने होने के कारण हिन्दुस्तानी कम्पनी के हिस्से अन्तर राष्ट्रीय शेयर (Share) मार्केट में बिकने लगेंगे और फिर एक दिन ऐसा भी आ सकता है कि पूरी कम्पनी विदेशियों के हाथों में चली जाय।

विश्व बैंक अनेक छोटे बड़े देशों को कर्जा दे चुका है मगर इतनी शर्मनाक, ऐसी देश घातक शर्तें आज ही सुनने में आई हैं। और वह हमारी इस 'राष्ट्रीय' सरकार ने मानी हैं जिसके प्रधान मंत्री कहते हैं कि वह किसी शर्त को मानने के पहले इस्तीफा दे देंगे।

कहने की जरूरत नहीं कि इस्पात का उद्योग किसी भी देश की आर्थिक व्यवस्था में बुनियाद का काम करता है, उसके विदेशियों के हाथों में चले जाने देने का मतलब होता है देश की आजादी का ख़ाता।

✽

✽

✽

अनाज वाला कर्ज

अब अमरीकी सरकार के दिये हुए उस कर्ज को लीजिये जो भारत सरकार ने गोहूँ खरीदने के लिये लिया था। लड़ाई के बाद से ही भारत हर साल करोड़ों डालर अमरीका से गोहूँ वगैरा खरीदने पर खर्च करता आ रहा है। 1949 में अनाज के बारे में देश की हालत कुछ विशेष खराब जान पड़ी तो भारत सरकार ने अमरीका की तरफ निहारा। वह 2 करोड़ 80 लाख मन अनाज अमरीका से लेना चाहती थी। पंडित नेहरू अक्टूबर में अमरीका की यात्रा को गए तो उन्होंने बार बार इस बात का जिक्र किया। अमरीकी सरकार ने जवाब दिया—हां, अनाज मिल सकता है, मगर बदले में मैगनीज और अबरक दोनों देने पड़ेंगे। दिसम्बर में भारत सरकार ने कुछ काम बनता न देख कर बातचीत बन्द कर दी।

पर 1950 में देश की हालत और बिगड़ती गई। जून में भारत सरकार ने कुछ ज्वार अमरीका से खरीदी। नवम्बर में उसने अनाज खरीदने के लिये अमरीकी सरकार से कर्ज मांगा। 15 दिसम्बर को श्रीमती पंडित ने बाकायदा 5 करोड़ 60 लाख मन अनाज उधार की मांग की। अमरीका के पास उस वक़्त 28 करोड़ मन सिर्फ फालतू गोहूँ मौजूद था। फिर भी उसने भारत की प्रार्थना को सुना अनसुना कर दिया। अमरीका की तरफ से कहा गया कि गोहूँ चाहते हो तो अपनी विदेशी नीति बचला और चीन के खिलाफ अमरीका का समर्थन करो। छै महीने के बाद, जब अमरीका में बहुत शोर मचा, तब कहीं 15 जून 1951 को अमरीका ने भारत को कर्ज देना स्वीकार किया।

इस कर्ज के सिलसिले में नीचे लिखी बातें महत्वपूर्ण थीं:

(1) यह कि जैसा भारत चाहता था, उसे पूरा गोहूँ नहीं मिला। अनाज का काफ़ी हिस्सा ज्वार और मक्के का था।

के यहाँ ही होने के कारण हिन्दुस्तानी कम्पनी के हिस्से अन्तर राष्ट्रीय शेयर (Share) मार्केट में बिकने लगेंगे और फिर एक दिन ऐसा भी आ सकता है कि पूरी कम्पनी विदेशियों के हाथों में चली जाय।

विश्व बैंक अनेक छोटे बड़े देशों को कर्जा दे चुका है मगर इतनी शर्मनाक, ऐसी देश घातक शर्तें आज ही सुनने में आई हैं। और वह हमारी इस 'राष्ट्रीय' सरकार ने मानी हैं जिसके प्रधान मंत्री कहते हैं कि वह किसी शर्त को मानने के पहले इस्तीफा दे देंगे।

कहने की जरूरत नहीं कि इस्पात का उद्योग किसी भी देश की आर्थिक व्यवस्था में बुनियाद का काम करता है, उसके विदेशियों के हाथों में चले जाने देने का मतलब होता है देश की आजादी का ख़ाता।

✽

✽

✽

अनाज वाला कर्ज

अब अमरीकी सरकार के दिये हुए उस कर्ज को लीजिये जो भारत सरकार ने गोहूँ खरीदने के लिये लिया था। लड़ाई के बाद से ही भारत हर साल करोड़ों डालर अमरीका से गोहूँ वगैरा खरीदने पर खर्च करता आ रहा है। 1949 में अनाज के बारे में देश की हालत कुछ विशेष खराब जान पड़ी तो भारत सरकार ने अमरीका की तरफ निहारा। वह 2 करोड़ 80 लाख मन अनाज अमरीका से लेना चाहती थी। पंडित नेहरू अक्टूबर में अमरीका की यात्रा को गए तो उन्होंने बार बार इस बात का जिक्र किया। अमरीकी सरकार ने जवाब दिया—हां, अनाज मिल सकता है, मगर बदले में मैगनीज और अबरक दोनों देने पड़ेंगे। दिसम्बर में भारत सरकार ने कुछ काम बनता न देख कर बातचीत बन्द कर दी।

पर 1950 में देश की हालत और बिगड़ती गई। जून में भारत सरकार ने कुछ ज्वार अमरीका से खरीदी। नवम्बर में उसने अनाज खरीदने के लिये अमरीकी सरकार से कर्ज मांगा। 15 दिसम्बर को श्रीमती पंडित ने बाकायदा 5 करोड़ 60 लाख मन अनाज उधार की मांग की। अमरीका के पास उस वक़्त 28 करोड़ मन सिर्फ फालतू गोहूँ मौजूद था। फिर भी उसने भारत की प्रार्थना को सुना अनसुना कर दिया। अमरीका की तरफ से कहा गया कि गोहूँ चाहते हो तो अपनी विदेशी नीति बचला और चीन के खिलाफ अमरीका का समर्थन करो। छै महीने के बाद, जब अमरीका में बहुत शोर मचा, तब कहीं 15 जून 1951 को अमरीका ने भारत को कर्ज देना स्वीकार किया।

इस कर्ज के सिलसिले में नीचे लिखी बातें महत्वपूर्ण थीं:

(1) यह कि जैसा भारत चाहता था, उसे पूरा गोहूँ नहीं मिला। अनाज का काफ़ी हिस्सा ज्वार और मक्के का था।

کیا اور لہتے ہوئے اعلان کر گیا کہ بھارت کو اسہات کی سخت ضرورت ہے؛ اس کا اعلان بڑھانے کے لئے سرکار نے جو پوجنا لیں ملانی ہیں، وہ ہمیں پسند ہیں؛ ہم بھلک سے ہمارے کہیں کے اس کام کے لئے قرضہ دینا سوچنا کرے۔ کتنا قرضہ ملے گا، یہ بات گول رہی۔ مگر کن شرطوں پر ملے گا، یہ بات لوگوں نے سمجھا صاف ہو گئی۔ کہا گیا شرطوں صرف چار ہیں :

(1) اسہات بنانے والے دو بڑے भारतीय کارخانے—سٹیٹل کارپوریشن آف بنگال اور انڈین آئرن اینڈ سٹیٹل کمپنی—مिला کر एक कर دیے जायें; (2) देशी इस्पात के दाम बढ़ा دیے जायें; (3) नये कारखानों के लिये मशीनें अमरीका से खरीदी जायें; (4) भारत सरकार कर्जदारों की ज़ामिन बने यानी ज़िम्मेदारी ले कि विश्व बैंक का रुपया डूबेगा नहीं .

मतलब साफ था. दो कारखानों को मिला कर अमरीकी पूंजीपति हमारे देश में भी इजारेदारी या एकाधिकार कायम होने की क्रिया को तेज़ करना चाहते थे. देशी इस्पात के दाम बढ़ा कर वह विदेशी इस्पात के लिये हिन्दुस्तानी बाज़ार खोल देना चाहते थे. तीसरी और चौथी शर्तों का मक़सद तो साफ़ था ही.

पर हमारी देशी सरकार ने एक एक कर के चारों शर्तें मान लीं.

अक्टूबर 1952 में इस्पात के भारतीय कारखानों के मालिकों बौरा का एक मिशन अमरीका गया. उसने क्या शर्तें कबूल कीं, किसी को पता न चला. अन्त में कर्जा मिल गया. विश्व बैंक ने 1570 लाख रुपए देने स्वीकार कर लिये. भारत सरकार ने एक आर्डिनंस निकाल कर दोनों हिन्दुस्तानी कारखानों को एक कर दिया.

भांडा फूट गया

भांडा फूटना था सो फूट कर रहा. खुद अमरीका के मशहूर दैनिक पत्र 'न्यूयार्क टाइम्स' ने इस राज को खोल दिया कि ऊपर लिखी चार शर्तों के अलावा दो शर्तें और भी हैं: (i) यह कि कर्ज के एवज में हिन्दुस्तानी कंपनियों की सारी असल सम्पत्ति—यानी मशीन, ज़मीन, मकान, जायदाद बौरा—विश्व बैंक के यहां रहन या गिरवी रख दी जायगी; और (ii) यह कि कंपनी की बाक़ी सम्पत्ति पर भी विश्व बैंक का पहला हक़ माना जायगा.

भारत के सबसे अधिक अमरीका परस्त अख़बार, 'बाट' तक को इन शर्तों की निन्दा करनी पड़ी. उसने लिखा है कि यह बड़ी ही अनुचित बात है कि भारत सरकार ने इन शर्तों को कबूल करने के पहले जनता से राय लेना जरूरी नहीं समझा और बाद में जान बूझ कर जन पर पर्दा डाले रखा. 'बाट' ने लिखा है कि विश्व बैंक

केहा اور لہتے ہوئے اعلان کر گیا کہ بھارت کو اسہات کی سخت ضرورت ہے؛ اس کا اعلان بڑھانے کے لئے سرکار نے جو پوجنا لیں ملانی ہیں، وہ ہمیں پسند ہیں؛ ہم بھلک سے ہمارے کہیں کے اس کام کے لئے قرضہ دینا سوچنا کرے۔ کتنا قرضہ ملے گا، یہ بات گول رہی۔ مگر کن شرطوں پر ملے گا، یہ بات لوگوں نے سمجھا صاف ہو گئی۔ کہا گیا شرطوں صرف چار ہیں :

(1) اسہات بنانے والے دو بڑے भारतीय کارخانے—سٹیٹل کارپوریشن آف بنگال اور انڈین آئرن اینڈ سٹیٹل کمپنی—مिला کر एक कर دیے जायें; (2) देशी इस्पात के दाम बढ़ा دیے जायें; (3) नये कारखानों के लिये मशीनें अमरीका से खरीदी जायें; (4) भारत सरकार कर्जदारों की ज़ामिन बने यानी ज़िम्मेदारी ले कि विश्व बैंक का रुपया डूबेगा नहीं .

पर हमारी देशी सरकार ने एक एक कर के चारों शर्तें मान लीं.

अक्टूबर 1952 में इस्पात के भारतीय कारखानों के मालिकों बौरा का एक मिशन अमरीका गया. उसने क्या शर्तें कबूल कीं, किसी को पता न चला. अन्त में कर्जा मिल गया. विश्व बैंक ने 1570 लाख रुपए देने स्वीकार कर लिये. भारत सरकार ने एक आर्डिनंस निकाल कर दोनों हिन्दुस्तानी कारखानों को एक कर दिया.

भान्डा पھوٹ گیا

بھانڈا پھوٹنا تھا سو پھوٹ کر رہا . خود امریکہ کے مشہور دینک پتر 'نیویارک ٹائمز' نے اس راز کو کھول دیا کہ اوپر لکھی چار شرطوں کے علاوہ دو شرطیں اور بھی ہیں: (i) یہ کہ قرضہ کے عوض میں ہندوستانی کمپنیوں کی ساری اصل سمپتی—یعنی مشین، زمین، مکان، جائداد وغیرہ—وشوبھلک کے یہاں رہن یا گروی رکھ دی جائے گی؛ اور (ii) یہ کہ کمپنی کی باقی سمپتی پر بھی وشوبھلک کا پہلا حق مانا جائے گا .

بھارت کے سب سے اُدھک امریکہ پرست اخبار 'نہات' تک کو ان شرطوں کی نندا کرنی پڑی . اس نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہی انوجہت بات ہے کہ بھارت سرکار نے ان شرطوں کو قبول کرنے کے پہلے جلتا سے رائے لیتا ضروری نہیں سمجھا اور بعد میں جان بوجھ کر ان پر پردہ ڈالے رکھا . 'نہات' نے لکھا ہے کہ وشوبھلک

यह कर्जे हैं या गुलामी की जंजीरें ?

थोड़े में, विश्व बैंक के कर्जों के सम्बन्ध में नीचे लिखी बातें हर देशभक्त को ध्यान में रखनी चाहियें.

(1) सड़ को दर—4 फी सदी—बहुत ऊंची है.

(2) विश्व बैंक में भारत 40 करोड़ की पूंजी लगा चुका है, उसे देखते हुए कर्जों की रकम बहुत प्रियादा नहीं है.

(3) कर्जों की रकमों को अमरीका में ही खर्च करना पड़ता है. ट्रैक्टर, इंजिन, बिजली की मशीनें सब अमरीका या कनाडा से खरीदनी पड़ती हैं. यानी इन कर्जों के जरिये अमरीका को अपना कालतू सामान और कालतू इंजीनियर हमारे मन्थे बढ़ने में मदद मिलती है.

(4) कोई कर्जा भारत का उद्योगीकरण करने के लिये नहीं मिला. कर्जे केवल ऐसी योजनाओं के लिये दिये गये जिन से देश का उद्योगीकरण नहीं होता, बल्कि इन कच्चे मालों की पैदावार बढ़ती है जिनकी अमरीका को जरूरत है या जिन से अमरीकी माल को लाने और भारती कच्चे माल को ले जाने के लिये जरूरी यातायात के साधन सुधरते हैं.

(5) यह कर्जे भी उस वक़्त मिले जब भारत सरकार ने अमरीकी पूंजीपतियों की यह मांग मान ली कि दस साल तक किसी उद्योग धन्दे का राष्ट्री करन न किया जायगा और उनकी पूंजी के साथ देशी पूंजी जैसा व्योहार किया जायगा.

(6.) आख़री बात यह कि कर्जों के समझौतों के अनुसार विश्व बैंक को यह अधिकार दे दिया गया है कि वह अपने नुमाइन्दे भेज कर हमारी सरकार के हिसाब किताब की जांच करा सकता है, योजना की देख रेख करा सकता है और जो माल कर्जों की रकमों से खरीदा जाय उसकी जांच करा सकता है. कहने की जरूरत नहीं कि अमरीका वाले इस अधिकार का पूरा पूरा उपयोग कर रहे हैं.

पर विश्व-बैंक के भी पुराने सारे कारनामे मात हो गए, जब हाल में इन्डियन आइरन एन्ड स्टील कम्पनी को दिये गये 1675 लाख के कर्जों की शर्तों का भांडा फूटा.

हम जान बूझ कर “भांडा फूटा” शब्दों का प्रयोग कर रहे हैं क्योंकि भारत सरकार ने अपनी पूरी ताक़त लगा कर इन शर्तों को भारती जनता से छिपाने की कोशिश की थी.

पिछले जून के महीने में मिस्टर जार्ज डी० बुड्स के नेतृत्व से विश्व बैंक का एक तकनीकी मिशन भारत आया था. उसने हमारे लोहे और इस्पात के कारखानों का दौरा

ये कर्जे हैं या गुलामी की जंजीरें ?

लहराये गये ‘वर्ल्ड बैंक’ के कर्जों के सम्बन्ध में नीचे लिखी बातें हर देशभक्त को ध्यान में रखनी चाहियें.

(1) सड़ की दर—4 फी सदी—बहुत ऊंची है.

(2) ‘वर्ल्ड बैंक’ में भारत 40 करोड़ की पूंजी लगा चुका है, उसे देखते हुए कर्जों की रकम बहुत प्रियादा नहीं है.

(3) कर्जों की रकमों को अमरीका में ही खर्च करना पड़ता है. ट्रैक्टर, इंजिन, बिजली की मशीनें सब अमरीका या कनाडा से खरीदनी पड़ती हैं. यानी इन कर्जों के जरिये अमरीका को अपना कालतू सामान और कालतू इंजीनियर हमारे मन्थे बढ़ने में मदद मिलती है.

(4) कोई कर्जा भारत का उद्योगीकरण करने के लिये नहीं मिला. कर्जे केवल ऐसी योजनाओं के लिये दिये गये जिन से देश का उद्योगीकरण नहीं होता, बल्कि इन कच्चे मालों की पैदावार बढ़ती है जिनकी अमरीका को जरूरत है या जिन से अमरीकी माल को लाने और भारती कच्चे माल को ले जाने के लिये जरूरी यातायात के साधन सुधरते हैं.

(5) यह कर्जे भी उस वक़्त मिले जब भारत सरकार ने अमरीकी पूंजीपतियों की यह मांग मान ली कि दस साल तक किसी उद्योग धन्दे का राष्ट्री करन न किया जायगा और उनकी पूंजी के साथ देशी पूंजी जैसा व्योहार किया जायगा.

(6.) आख़री बात यह कि कर्जों के समझौतों के अनुसार विश्व बैंक को यह अधिकार दे दिया गया है कि वह अपने नुमाइन्दे भेज कर हमारी सरकार के हिसाब किताब की जांच करा सकता है, योजना की देख रेख करा सकता है और जो माल कर्जों की रकमों से खरीदा जाय उसकी जांच करा सकता है. कहने की जरूरत नहीं कि अमरीका वाले इस अधिकार का पूरा पूरा उपयोग कर रहे हैं.

पर विश्व-बैंक के भी पुराने सारे कारनामे मात हो गये, जब हाल में इन्डियन आइरन एन्ड स्टील कम्पनी को दिये गये 1675 लाख के कर्जों की शर्तों का भांडा फूटा.

हम जान बूझ कर “भांडा फूटा” शब्दों का प्रयोग कर रहे हैं क्योंकि भारत सरकार ने अपनी पूरी ताक़त लगा कर इन शर्तों को भारती जनता से छिपाने की कोशिश की थी.

पिछले जून के महीने में मिस्टर जार्ज डी० बुड्स के नेतृत्व से विश्व बैंक का एक तकनीकी मिशन भारत आया था. उसने हमारे लोहे और इस्पात के कारखानों का दौरा

”یہ بات آج بھی لوگوں کے دیماروں میں لاپا ہے کہ 1943 کی سٹھاناٹھی بارہ نے کس طرح گولڈ ٹرنک روڈ اور ایسٹ انڈین ریلوے کو توڑ ڈالا تھا اور پوری بھارت کو باہمی دیہی سے کٹ دیا تھا اور اس طرح لوائی کے زمانے میں ایک بہت ہی نازک موقع پر دیہی دکھائی دے رہا تھا۔ راستے کے راستے میں مشکلوں کا سامنا کر رہی تھیں۔ سیدک و شہسکوں کے انوسار انہی اس بارہ کے کارن پورے چھ مہینے تک ہرما کے مورچے پر فوجی کارروائیاں کر رہی تھیں۔“

واقعہ تو یہ ہے کہ 1943 میں ہی چرچل سرکار نے داسودر کھائی کا پانڈہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جواہر لال جی کی سرکار کھول اس کا انوسون کر رہی تھی !

مگر داسودر کھائی پوچھا کا فوجی مہم آندا ہی نہیں ہے۔ اوپر لکھے پراکشن میں آگے لکھا ہے :

”یہ سب کی جانی ہوئی ایک سادھارن بات ہے کہ کسی دیہی کی نہت سہلک شکتی سب سے ادھک کوئلہ لٹھا اور اسپتال آئوٹم اور کھوٹوں وغیرہ کے خاص اڈیوں پر نہتہ کرتی ہے۔ داسودر کھائی میں یہ خاص پدارتہ بہتات سے پائے جاتے ہیں۔ اس لیے لازمی طور پر یہ کھائی دیہی دکھائی لگے آدھک ادھک، ادھکوں کا کھنڈر بن جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے بھارت کا بھاری جنرالی ’سٹھکارا‘ سمجھنا چاہیے۔“

لہذا اس پوری پوچھا میں سب سے پہلے پانڈہ بنانے یا سہلچائی کی ویوٹھا کرنے کا کام نہیں شروع کیا گیا۔ شروعات ہوئی بھلی کی کل لٹھی کرنے سے، کاشکی اسے ویرن-بیک نے سہارا دینے کی کڑا کا۔

18 اپریل 1950 کو ایک کڑے کے سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔ اس کی 11 ویں دھارا میں کڑے کا جیک تھا جس کے پورا ہونے پر ہی کڑے میل سکتا تھا۔ وہ شے 2 فروری 1951 تک پوری کر دی گئی

بھلی کی کل کے لیے سامان امریکا کی انڈر نیشنل جنرل الیکٹریک کمپنی سے منگایا گیا اور اسے لٹھا کرنے کا ٹیکا امریکی کمپنی کولجیان کارپوریشن کو سونپا گیا۔ کڑا جہاں سے آیا تھا، وہیں لٹھا گیا !

یہی نہیں، ہر دو مہینے کے بعد کڑے کے پرانیٹھیا آکر جانچ کر جاتے ہیں کہ بھارت سرکار کھوک ٹھوک کام کر رہی ہے یا نہیں۔ اگست 1950 اور مئی 1951 کے بیچ تین ایسے امریکی ویشپک آئے۔ ان کے نام تھے : جارج ہرجوس، ایل۔ جے مارشل اور جنرل وھیلر۔

اس کے علاوہ ایک امریکی انجینئر پوچھا کا پرمٹہ نہتہ کیا گیا ہے۔ اسے دس ہزار روپے سے ادھک ماسک ٹنڈرہ ملتی ہے !

”یہ بات آج بھی لوگوں کے دیماروں میں لاپا ہے کہ 1943 کی سٹھاناٹھی بارہ نے کس طرح گولڈ ٹرنک روڈ اور ایسٹ انڈین ریلوے کو توڑ ڈالا تھا اور پوری بھارت کو باہمی دیہی سے کٹ دیا تھا اور اس طرح لوائی کے زمانے میں ایک بہت ہی نازک موقع پر دیہی دکھائی دے رہا تھا۔ راستے کے راستے میں مشکلوں کا سامنا کر رہی تھیں۔ سیدک و شہسکوں کے انوسار انہی اس بارہ کے کارن پورے چھ مہینے تک ہرما کے مورچے پر فوجی کارروائیاں کر رہی تھیں۔“

واقعہ تو یہ ہے کہ 1943 میں ہی چرچل سرکار نے داسودر کھائی کا پانڈہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جواہر لال جی کی سرکار کھول اس کا انوسون کر رہی تھی !

مگر داسودر کھائی پوچھا کا فوجی مہم آندا ہی نہیں ہے۔ اوپر لکھے پراکشن میں آگے لکھا ہے :

”یہ سب کی جانی ہوئی ایک سادھارن بات ہے کہ کسی دیہی کی نہت سہلک شکتی سب سے ادھک کوئلہ لٹھا اور اسپتال آئوٹم اور کھوٹوں وغیرہ کے خاص اڈیوں پر نہتہ کرتی ہے۔ داسودر کھائی میں یہ خاص پدارتہ بہتات سے پائے جاتے ہیں۔ اس لیے لازمی طور پر یہ کھائی دیہی دکھائی لگے آدھک ادھک، ادھکوں کا کھنڈر بن جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے بھارت کا بھاری جنرالی ’سٹھکارا‘ سمجھنا چاہیے۔“

لہذا اس پوری پوچھا میں سب سے پہلے پانڈہ بنانے یا سہلچائی کی ویوٹھا کرنے کا کام نہیں شروع کیا گیا۔ شروعات ہوئی بھلی کی کل لٹھی کرنے سے، کاشکی اسے ویرن-بیک نے سہارا دینے کی کڑا کا۔

18 اپریل 1950 کو ایک کڑے کے سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔ اس کی 11 ویں دھارا میں کڑے کا جیک تھا جس کے پورا ہونے پر ہی کڑے میل سکتا تھا۔ وہ شے 2 فروری 1951 تک پوری کر دی گئی

بھلی کی کل کے لیے سامان امریکا کی انڈر نیشنل جنرل الیکٹریک کمپنی سے منگایا گیا اور اسے لٹھا کرنے کا ٹیکا امریکی کمپنی کولجیان کارپوریشن کو سونپا گیا۔ کڑا جہاں سے آیا تھا، وہیں لٹھا گیا !

یہی نہیں، ہر دو مہینے کے بعد کڑے کے پرانیٹھیا آکر جانچ کر جاتے ہیں کہ بھارت سرکار کھوک ٹھوک کام کر رہی ہے یا نہیں۔ اگست 1950 اور مئی 1951 کے بیچ تین ایسے امریکی ویشپک آئے۔ ان کے نام تھے : جارج ہرجوس، ایل۔ جے مارشل اور جنرل وھیلر۔

اس کے علاوہ ایک امریکی انجینئر پوچھا کا پرمٹہ نہتہ کیا گیا ہے۔ اسے دس ہزار روپے سے ادھک ماسک ٹنڈرہ ملتی ہے !

واحدیہ 18 اگست 1949 کو بینک نے بھارت کو 340 لاکھ ڈالرز کا جو قرض دیا ہے، اس کا یہی اُدیشہ ہے.....

”بھارت سرکار نے بینک کے سامنے ریل کے انجن بنانے کی بھی ایک योजना رکھی تھی۔ ہمارے سلاہکاروں نے اسکا سخت بیروہ کیا.....“

یانی، ایسی کوئی योजना جیسے بھارت خود اپنی ضرورت کی چیزیں بنانے لگے اور آئوٹوگیکل نچر سے سبتر ہو جائے، ورلڈ بینک کے امریکی آفیسروں کو مَنجور نہ تھی۔ پہلے قرضوں کے ساتھ ساتھ یہ شرط لگی ہوئی تھی کہ اسکا کوئی حصہ انجن بنانے پر خرچ نہ کیا جائے گا۔

ٹریڈر خریدنے کے لیے قرض

ورلڈ بینک سے ملنے والا دوسرا قرض بھی کسی اور یوٹیلٹی خریدنے کے لیے نہ تھا۔ اس کا اُدیشہ یہ تھا کہ کانس ہٹا کر پرتی زمین توڑنے کے لیے بھارت سرکار امریکی ٹریڈر خرید سکے۔

اسل میں، اس قرض کے ملنے کے بہت پہلے سے بھارت سرکار کانس ہٹا کر پرتی زمین جوتنے کی योजना چلا رہی تھی۔ یہ قرض تھب ملتا جب مینر جے۔ ایچ۔ کونارس نامی امریکی بھارت سرکار کے ٹریڈر ویاہگ کا پرمکھ نیوکٹ کیا گیا۔ قرض مل جانے کے باء مینر کونارس نے بھارت سرکار کی نوکری آڈو دی اور انکو بینک کی آور سے کانس یोजना کی آڈو ریکھ کرنے والے انجینیئر کے رُپ میں نیوکٹ کر آڈو گیا، اور اس سَمَی سے ہی آڈا آڈا اس ویاہگ میں امریکیوں کی بھرتی ہونے لگی۔

آڈان آڈنے کی آات ہے کہ یہ قرض بھی ٹریڈر بنانے کے لیے نہیں، بلکے مہج 180 ٹریڈر خریدنے کے لیے آڈو گیا تھا اور یہ قرض بھی صرف امریکہ سے ہی خریدے جانے والے تھے۔

بیجلی کل بنانے کے لیے قرض

تیسرا قرض 18 اپریل 1950 کو داموڈر آاڈی یोजना کے ماتھت بوکارو کونار کی بیجلی کی کل آڈو کرنے کے لیے آڈو گیا۔ سرکاری پچارک کھتے ہیں کہ داموڈر آاڈی یोजना کا آڈرش ”آاڈ کو روکنا اور آڈے پیمانے پر سیآاڈ کا پربھ کرنا ہے۔“ لکین داموڈر سے کڈی آڈیک آڈنکر اور سآانارشی آاڈ ہر سال کوسی میں آاتو ہے جسسے پُرا آآتری بیاہر آوِط ہو آاتا ہے۔ کیر داموڈر نڈی کی آانڈنے کی ڈی آآنی کآا آآڈی تھی؟ داموڈر آاڈی کارپوریشن کا پک پکاشن آآر آتا ہے:

چاہئے۔ 18 اگست 1949 کو بینک نے بھارت کو 340 لاکھ ڈالرز کا جو قرض دیا ہے، اس کا یہی اُدیشہ ہے.....

”بھارت سرکار نے بینک کے سامنے ریل کے انجن بنانے کی بھی ایک یोजना رکھی تھی۔ ہمارے صلاح کاروں نے اس کا سخت ورودھ کیا.....“

یعنی، ایسی کوئی یोजना جس سے بھارت خود اپنی ضرورت کی چیزیں بنانے لگے اور آئوٹوگیکل نظر سے سبتر ہو جائے، ورلڈ بینک کے امریکی آفیسروں کو مَنجور نہ تھی۔ پہلے قرض کے ساتھ ساتھ یہ شرط لگی ہوئی تھی کہ اس کا کوئی حصہ انجن بنانے پر خرچ نہ کیا جائے گا۔

ٹریڈر خریدنے کے لیے قرض

ورلڈ بینک سے ملنے والا دوسرا قرض بھی کسی اور یوٹیلٹی خریدنے کے لیے نہ تھا۔ اس کا اُدیشہ یہ تھا کہ کانس ہٹا کر پرتی زمین توڑنے کے لیے بھارت سرکار امریکی ٹریڈر خرید سکے۔

اصل میں، اس قرض کے ملنے کے بہت پہلے سے بھارت سرکار کانس ہٹا کر پرتی زمین جوتنے کی योजना چلا رہی تھی۔ یہ قرض تھب ملتا جب مینر جے۔ ایچ۔ کونارس نامی امریکی بھارت سرکار کے ٹریڈر ویاہگ کا پرمکھ نیوکٹ کیا گیا۔ قرض مل جانے کے بعد مینر کونارس نے بھارت سرکار کی نوکری چھوڑ دی اور ان کو بینک کی آور سے کانس یोजना کی آڈو ریکھ کرنے والے انجینیئر کے رُپ میں نیوکٹ کر آڈو گیا، اور اس سَمَی سے ہی آڈا آڈا اس ویاہگ میں امریکیوں کی بھرتی ہونے لگی۔ آڈان آڈنے کی آات ہے کہ یہ قرض بھی ٹریڈر بنانے کے لیے نہیں، بلکے مہج 180 ٹریڈر خریدنے کے لیے آڈو گیا تھا اور یہ قرض بھی صرف امریکہ سے ہی خریدے جانے والے تھے۔

بیجلی کل بنانے کے لیے قرض

تیسرا قرض 18 اپریل 1950 کو داموڈر کھائی یोजना کے ماتھت بوکارو کونار کی بیجلی کی کل آڈو کرنے کے لیے آڈو گیا۔ سرکاری پچارک کھتے ہیں کہ داموڈر کھائی یोजना کا اُدیشہ ”آاڈ کو روکنا اور آڈے پیمانے پر سیڈجائی کا پربندھ کرنا ہے۔“ لکین داموڈر سے کڈی آڈیک آڈنکر اور سآانارشی آاڈ ہر سال کوسی میں آاتو ہے جسسے پُرا آآتری بیاہر آوِط ہو آاتا ہے۔ کیر داموڈر نڈی کی آانڈنے کی ڈی آآنی کآا آآڈی تھی؟ داموڈر آاڈی کارپوریشن کا ایک پکاشن آآر آتا ہے:

इसके अलावा डाटा हाइड्रो-इलेक्ट्रिक कम्पनी को 720 लाख रुपये और कुछ भारत सरकार को इस्पात का कारखाना खोलने के लिये भी विरय बैंक से एक कार्पनी बर्डी रकम कर्ज मिलने वाली है.

6. अमरीकी सरकार से आई मदद

न्यूयुअल सिन्डोरिटी एक्ट (आपसी सुरक्षा कानून) के मातहत तकनीकी सहयोग समझौते के अनुसार यह मदद मिली है.

तारीख	रकम (लाख रुपये)
1. 5 जनवरी, 1952	2560
2. 3 नवम्बर, 1952	2270

जोड़ 4830

इस तरह भारत में लगी कुल प्राइवेट अमरीकी पूंजी 54 करोड़ 60 लाख रुपये की होती है, और अमरीकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय कहलाने वाली अमरीकी संस्थाओं से भारत ने 1 अरब 65 करोड़ 26 लाख रुपये कर्ज किये हैं; और अमरीकी सरकार ने हमें 48 करोड़ 30 लाख रुपये की मदद दी है.

इसका मतलब है कि प्राइवेट अमरीकी पूंजी का अभी इतना महत्व नहीं है जितना सरकारी और अब सरकारी कर्जों और मदद का है. इसके कारन पर हम बाद में गौर करेंगे. पहले देखना चाहिये कि यह कर्ज और मदद हमें किन शर्तों पर मिली है.

❀ ❀ ❀

इंजिन खरीदने के लिये कर्ज

मिसाल के लिये, विरय-बैंक के कर्जों को लीजिये. भारत सरकार ने कई बार विरय-बैंक को दरखास्तें दीं कि उसे नये, विशेष कर, भारी उद्योग खोलने के लिये कर्ज दिया जाय. लेकिन हर बार उसकी दरखास्त नार्मजूर कर दी गई. भारत सरकार ने देखते इंजिन बनाने का कारखाना खोलने के लिये कर्ज मांगा. उस पर भी इनकार हो गया. बैंक ने काफ़ी साफ़ कहा : इंजिन खरीदने के लिये हम कर्ज दे सकते हैं, बनाने के लिये नहीं! लाचार, हमारे नेताओं ने इसी पर सन्तोख किया. 28 अक्टूबर 1949 को विरय बैंक के अमरीकी अध्यक्ष, मिस्टर ई. आर. ब्लैक ने भारत को लिखे गये पक्षी कर्ज का येखान करते हुए एक बयान में कहा :

'मैंने सें में, हमारे सलाहकारों ने सिन्डोरिटी की कि बैंक को अमरीकी और कनाडा से 650 देस के इंजिन और कुछ और और बाकिर मंगाने के लिये कर्ज दे देना

इस के लिये तालमेलदार अंतर्विदेश कम्पनी को 720 लाख रुपये और कुछ भारत सरकार को अस्पात का कारखाना खोलने के लिये भी और अमरीकी सरकार से एक कार्पनी बर्डी रकम कर्ज मिलने वाली है.

6. अमरीकी सरकार से आई मदद

न्यूयुअल सिन्डोरिटी एक्ट (आपसी सुरक्षा कानून) के मातहत तकनीकी सहयोग समझौते के अनुसार यह मदद मिली है.

तारीख	रकम (लाख रुपये)
1. 5 जनवरी, 1952	2560
2. 3 नवम्बर, 1952	2270

जोड़ 4830

इस तरह भारत में लगी कुल प्राइवेट अमरीकी पूंजी 54 करोड़ 60 लाख रुपये की होती है, और अमरीकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय कहलाने वाली अमरीकी संस्थाओं से भारत ने 1 अरब 65 करोड़ 26 लाख रुपये कर्ज किये हैं; और अमरीकी सरकार ने हमें 48 करोड़ 30 लाख रुपये की मदद दी है.

इस का मतलब है कि प्राइवेट अमरीकी पूंजी का अभी इतना महत्व नहीं है जितना सरकारी और अब सरकारी कर्जों और मदद का है. इसके कारन पर हम बाद में गौर करेंगे. पहले देखना चाहिये कि यह कर्ज और मदद हमें किन शर्तों पर मिली है.

❀ ❀ ❀

अन्जिन खरीदने के लिये कर्ज

मिसाल के लिये, विरय-बैंक के कर्जों को लीजिये. भारत सरकार ने कई बार विरय-बैंक को दरखास्तें दीं कि उसे नये, विशेष कर, भारी उद्योग खोलने के लिये कर्ज दिया जाय. लेकिन हर बार उसकी दरखास्त नार्मजूर कर दी गई. भारत सरकार ने देखते इंजिन बनाने का कारखाना खोलने के लिये कर्ज मांगा. उस पर भी इनकार हो गया. बैंक ने काफ़ी साफ़ कहा : इंजिन खरीदने के लिये हम कर्ज दे सकते हैं, बनाने के लिये नहीं! लाचार, हमारे नेताओं ने इसी पर सन्तोख किया. 28 अक्टूबर 1949 को विरय बैंक के अमरीकी अध्यक्ष, मिस्टर ई. आर. ब्लैक ने भारत को लिखे गये पक्षी कर्ज का येखान करते हुए एक बयान में कहा :

'मैंने सें में, हमारे सलाहकारों ने सिन्डोरिटी की कि बैंक को अमरीकी और कनाडा से 650 देस के इंजिन और कुछ और और बाकिर मंगाने के लिये कर्ज दे देना

3. 1948 और 1951 के बीच आने वाली अमेरिकी पूंजी

पिछले 12 जून 1952 को भारत की पार्लियामेंट में व्यापार मंत्री ने बताया कि 1948 से लेकर 1951 तक, चार बरस में, 321 लाख रुपये की अमेरिकी पूंजी भारत में आई.

4. 1952 में आने वाली अमेरिकी पूंजी

पूरे आंकड़े अभी नहीं मिल सकते, लेकिन इतना सब को मालूम है कि इस साल अमेरिकी की स्टैंडर्ड वैकुथम आयल कम्पनी को बम्बई में तेल साफ करने का कारखाना खोलने के लिये 1680 लाख रुपये की पूंजी लगाने की इजाजत मिल चुकी है और काकडैक्स कम्पनी को भी इसी तरह की इजाजत मिलने वाली है.

3. 1948 और 1951 के बीच आने वाली अमेरिकी पूंजी

पिछले 12 जून 1952 को भारत की पार्लियामेंट में व्यापार मंत्री ने बताया कि 1948 से लेकर 1951 तक, चार बरस में, 321 लाख रुपये की अमेरिकी पूंजी भारत में आई.

4. 1952 में आने वाली अमेरिकी पूंजी

पूरे आंकड़े अभी नहीं मिल सकते, लेकिन इतना सब को मालूम है कि इस साल अमेरिकी की स्टैंडर्ड वैकुथम आयल कम्पनी को बम्बई में तेल साफ करने का कारखाना खोलने के लिये 1680 लाख रुपये की पूंजी लगाने की इजाजत मिल चुकी है और काकडैक्स कम्पनी को भी इसी तरह की इजाजत मिलने वाली है.

5. अमेरिकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय संस्थाओं से लिया गया कर्ज

5. अमेरिकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय संस्थाओं से लिया गया कर्ज

संस्था संस्था	तारीख तारीख	रकम (लाख रुपये में) रकम (लाख रुपये में)	मकसद मकसद	सूच की दर सूच की दर
1. इन्टरनेशनल मॉनिटरी फंड या विश्वकोष. अंतराष्ट्रीय मुद्रा या विश्वकोष.	1948-49	2740	अमेरिका, कनाडा बरौरा बालर वाले देशों से माल मंगाने के लिये अमेरिका, कनाडा बरौरा बालर वाले देशों से माल मंगाने के लिये	1/2% से शुरू कर के 4% तक बढ़ती जायगी 1/2% से शुरू कर के 4% तक बढ़ती जायगी
2. विश्व बैंक विश्व बैंक	अगस्त 1949	1700	रेल के इंजन खरीदने के लिये रेल के इंजन खरीदने के लिये	4 फीसदी
3. " " " " " "	सितम्बर 1949	481	काँस हटा कर परती जमीन तोड़ने के लिये काँस हटा कर परती जमीन तोड़ने के लिये	साढ़े तीन फीसदी
4. " " " " " "	अप्रैल 1950	890	बिजली की कलें खोलने के लिये बिजली की कलें खोलने के लिये	4 फीसदी
5. अमेरिकी सरकार अमेरिकी सरकार	जून 1951	9139	अमेरिकी गेहूँ खरीदने के लिये अमेरिकी गेहूँ खरीदने के लिये	वाइ फीसदी
6. विश्व बैंक विश्व बैंक	दिसम्बर 1952	1575	इंडियन आयरन एंड स्टील कम्पनी को दिया गया कर्ज इंडियन आयरन एंड स्टील कम्पनी को दिया गया कर्ज	फैक्ट्री फीसदी
	जोड़	16525		

بھارت میں لگی ہوئی امریکی پونجی

1948 میں

(i) سیدھے لگائی گئی پونجی

کام	لاکھ روپے
کل کارخانے (جوتہ میلے اور پتھر کے ڈبے)	559
پانی، بجلی، کھیتی باڑی کے کھیتوں...	36
بیسک بٹریاں	192
کھیت	301

جو کل

1132

(ii) دوسری طرح لگائی گئی پونجی

زمین، جاگیر، ٹرسٹ بٹریاں	238
سرکاری اور غیر سرکاری زمینیں	96
زمین، مکان بٹریاں	47
جمع بٹریاں	159

جو کل

535

(iii) بائیسک اور شیشے کی صنعتیں...

658

کل جو کل

2325

(یہ آئٹمز بھارت کے 'کامرس' نامک پत्र کے 10 جولائی 1948 کے نمبر میں شائع ہوئے جو اس وقت امریکی سرکار کے زیرِ نگرانی میں تھے۔)

1948 میں

بھارتی ریفرنس بینک نے بیرونی پونجی کی گنتی کر کے جو رپورٹ 30 جولائی 1948 کو شائع کی تھی، اس میں بھارت میں لگی ہوئی امریکی پونجی کے بارے میں نیچے لکھے آئٹمز دیے گئے ہیں:

(1) آئٹمز کے لیے

(لاکھ روپے)

کام	پونجی جس کا کام بھارت پر	پونجی جس کا کام بھارت پر
	نियंत्रण है	नहीं है
کل کارخانے	20	493
بھوتیار	34	484
ساروجنیک دھات کے بھوتیار	1	...
پانی	1	2
بیسک	18	...
بیسک بٹریاں	2	694
کھیت	30	38

جو کل

106

1711

(2) آئٹمز کے لیے

1642

کل جو کل

3459

بھارت میں لگی ہوئی امریکی پونجی

1948 میں

(i) سیدھے لگائی گئی پونجی

کل کارخانے (جوتہ میلے اور پتھر کے ڈبے)...	559
پانی، بجلی، کھیتی باڑی کے کھیتوں...	36
بیسک بٹریاں	192
کھیت	301

1132

(ii) دوسری طرح لگائی گئی پونجی

زمین، جاگیر، ٹرسٹ بٹریاں	238
سرکاری اور غیر سرکاری زمینیں	96
زمین، مکان بٹریاں	47
جمع بٹریاں	159

535

(iii) دھات اور شیشے کی صنعتیں...

658

2325

(یہ آئٹمز بھارت کے 'کامرس' نامک پत्र کے 10 جولائی 1948 کے نمبر میں شائع ہوئے جو اس وقت امریکی سرکار کے زیرِ نگرانی میں تھے۔)

بھارتی ریفرنس بینک نے بیرونی پونجی کی گنتی کر کے جو رپورٹ 30 جولائی 1948 کو شائع کی تھی، اس میں بھارت میں لگی ہوئی امریکی پونجی کے بارے میں نیچے لکھے آئٹمز دیے گئے ہیں:

(1) آئٹمز کے لیے

(لاکھ روپے)

کام	پونجی جس کا کام بھارت پر	پونجی جس کا کام بھارت پر
	नियंत्रण है	नहीं है
کل کارخانے	20	493
بھوتیار	34	484
ساروجنیک دھات کے بھوتیار	1	...
پانی	1	2
بیسک	18	...
بیسک بٹریاں	2	694
کھیت	30	38

1711

106

1642

3459

کل جو کل

بھارت میں امریکی قدمِ بھارت میں امریکی قدم

(جویم پرکاش سنگھ)

(اوم پرکاش سنگھ)

ابھی دو مہینے بھی نہیں ہوئے کہ بھارت و اس میں کو
اخباروں میں اہم پریشان کن خبروں کا نہایت لکھا بیان ہوا
کہ یہی خوشی ہوئی تھی۔ لکھنؤ کے ایک پریس سہیل
میں ملت جی نے فرمایا تھا :

”یہ سرکار اگر ہمیں مدد دینے والی کسی ویدھی
سرکار کے دباؤ کے سامنے جھکتے لگے گی اور چلتا کو بھی
ایسی مدد سوچ کر لے کر مجبور کرے گی تو میں ایک
دن کے لئے بھی اس کا پریشان رہنا پسند نہیں کروں گا۔“
(”امریک بازار پریکٹ“ 23 دسمبر 1952)

پڈت جی کا دوا

آگے پڈت جی نے کہا تھا :

”شہر کے ساتھ آنے والی ویدھی مدد پر نبر
رہنے سے... ہم یہ فیوا پساند کریں گے کہ تکلیف میں
رہے۔“

پڈت جی کے ان بیانیوں کا کیا متلب تھا اور
جنات کو انہیں سن کر کیوں خوشی ہوئی تھی ؟ بھارت سرکار
نے اب تک جتنی ویدھی سہاقتا سکیکار کی ہے، اسکا
اधिकतर भाग या तो संयुक्त राष्ट्र अमेरिका से आया है,
या अन्तर राष्ट्री कहलाने वाली, विश्व बैंक वगैरा ऐसी
संस्थाओं से. इन संस्थाओं में अमेरिका की ही चलती है
और अमेरिका एक बहुत ताकतवर साम्राजवादी देश है.
भारत वासियों को साम्राजवादी गुलामी का दो सौ बरस
का अनुभव है. इसलिये उन्हें चिन्ता है कि अगर अमेरिका
के कदम हमारे देश में पड़ेंगे तो उसका बंटादार किये बिना
न छोड़ेंगे.

पंडित जी के इन बिानों से उनकी अरु कुछ दिल
जमई हुई होगी, क्योंकि उनका साफ मतलब यह था कि
(1) अमेरिकी मदद के साथ किसी तरह की शर्तें नहीं
लगाई हैं, और (2) अमेरिका भारत सरकार के ऊपर
किसी तरह का दबाव नहीं डाल रहा है.

सवाल है कि क्या यह बातें सच्चाई से मेल खाती हैं ?

✽

✽

✽

अमेरिकी पूंजी का लेखा जोखा

भारत को अमेरिका से अभी तक कितनी और किस
तरह की मदद मिली है और उसकी और कितनी पूंजी यहां
आई है: यह नीचे के आंकड़ों से साफ हो जायगा:

”यह सरکار اگر ہمیں مدد دینے والی کسی ویدھی
سرکار کے دباؤ کے سامنے جھکتے لگے گی اور چلتا کو بھی
ایسی مدد سوچ کر لے کر مجبور کرے گی تو میں ایک
دن کے لئے بھی اس کا پریشان رہنا پسند نہیں کروں گا۔“
(”امریک بازار پریکٹ“ 23 دسمبر 1952)

ملت جی کا دوا

آگے ملت جی نے کہا تھا :

”شرطوں کے ساتھ آنے والی ویدھی مدد پر نبر
رہے... ہم یہ زیادہ پسند کریں گے کہ تکلف
میں رہیں۔“

ملت جی کے ان بیانیوں کا کیا مطلب تھا اور
کو انہیں سن کر کیوں خوشی ہوئی تھی ؟ بھارت سرکار
نے اب تک جتنی ویدھی سہاقتا سکیکار کی ہے، اس کا
لغوی نہ بھاگ یا تو سہاقتا، اشتر امریکہ سے آیا ہے،
یا اشتر و اشتری کہانے والی، و شو بھنگ و فوہ ایسی
سہاقتاؤں سے. ان سہاقتاؤں میں امریکہ کی ہی چلتی
ہے اور امریکہ ایک بہت طاقتور سامراج وادی دیہ
ہے. بھارت و اس میں کو سامراج وادی فلامی کا دو سو برس
کا انبوہ ہے. اس لئے انہیں چلتا ہے کہ اگر امریکہ کے
قدم ہمارے دیہ میں پڑیں گے تو اس کا بلکا دمار کئے
بلانہ چھڑیں گے.

ملت جی کے ان بیانیوں سے ان کی ضرور کچھ دل
چلتی ہوئی ہوئی، کیونکہ ان کا صاف مطلب یہ تھا کہ
(1) امریکی مدد کے ساتھ کسی طرح کی شرطیں نہیں
لگی ہیں، اور (2) امریکہ بھارت سرکار کے اوپر کسی
طرح کا دباؤ نہیں ڈال رہا ہے.

سوال ہے کہ کیا یہ باتیں سچائی سے ممل کہاتی ہیں ؟

✽

✽

✽

امریکی پونجی کا لکھا جوگھا

بھارت کو امریکہ سے ابھی تک کتنی اور کس طرح
کی مدد ملی ہے اور اس کی اور کتنی پونجی یہاں
آئی ہے : یہ نیچے کے آंकड़ों سے صاف ہو جائے گا :

ہی ہوا۔ ہالی 90 فیصدی انسان جہاں کے تھیں رہیں گے۔
 آئرلینڈ میں بھی 50 سال سے گزری آ رہی
 ہے،' دیکھ ہی گزری جائے گی۔ چارل کی پیدوار جو
 1921-22 میں 957 ہونے لگی تھی، 1945-46 تک
 ٹہکتے ٹہکتے 717 رہ گئی اور کمپوں کی پیدوار 845 سے
 580 رہ گئی،' یعنی 25 فیصدی اور 19.3 فیصدی کم۔

پلن کا اصلی روپ .

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کئی سو کروڑ روپے خرچ کرنے کے بعد بھی ہمارے دیہی کی بلوائی سمسیا کھیتی کی سمسیا—حل ہوتی نظر نہیں آتی۔ سچ یہ ہے کہ سرکار کے اس یقین سے عام چلتا اور کسان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ سرکار کا وچار ساجھ داری کی کھیتی بڑھانے کا ہے، 'آؤر پلاننگ کمیشن کی تجویز ہے کہ اگر گاؤں کے دو تہائی کسان یا ایسے آدمی جن کے پاس گاؤں کی آدمی زمین ہے طے کر لیں، تو باقی لوگوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ساجھ کی کھیتی میں شامل ہوں۔ اس کا صاف اوتہ یہ ہے کہ تھوڑے سے بڑے زمیندار آؤر دھنی کسان باقی گاؤں والوں کو محصور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے کھیت اُن کے ہاتھ میں سونپ دیں۔

بھکاری کے سوال کا کوئی حل یاقں میں نہیں ہے ،
سرکار کو چاہئے تھا کہ باہر سے بھی بڑی مشینیں منگائے
کی بجائے ' جہاز تک ہو سکے دیہے کے لاکھوں کدوؤں
بھکاریوں کی محنت سے فائدہ اُٹھائے ۔ چھن کی سرکار نے
بھی ایسا ہی کیا ہے ۔ سرکار ' ٹائلنگ آف لیبر ایک ' کا
سوانگ تو رچا سکتی ہے لیکن ایسا تھوس کام نہیں کر
سکتی ۔ یاقں کے اصلی روپ کو دیکھ کر کسی کو اُس کے
لئے چھ یا آٹھ نہیں پھندا ہو سکتا ۔

پادشاه میں بتایا گیا ہے کہ اس پوجن کے نعت خوب
کچا مال پیدا ہوگا اور باہر سے تیار مال ملانے کے لئے اُسے
باہر بھجوا جائیگا۔ اُس سے صاف ظاہر ہے کہ بھارت کا
کچا مال سستے داموں ملے گا اور اُسی مال سے اُنہوں کی
سامان تیار کر کے ویدیشی ہم سے من مانے دام آیتھیں گے۔
اُس طرح ہم پر قرض کا بھار بڑھتا جائے گا۔ ملک میں
دولت آنے کے بجائے دیہی کی پونجی ویدیشوں کی بھولت
چومتی رہے گی۔

दूसरी योजनाएं

कृषि और तालाब सुदृढ़ाना, बीज बांटना, खाद इकट्ठा करना वगैरह कोई नई योजनाएं नहीं हैं। 'वैदावार बढ़ाओ' या 'अधिक अनाज पैदा करो' आन्दोलन के नाम का बोल ब्रिटिश सरकार बहुत दिन तक पीटती रही है। इस आन्दोलन में उसने करोड़ों रुपये खर्च भी किये थे। बाद में उसे मानना पड़ा कि इस स्कीम से कोई खास फायदा नहीं हुआ। (देखिये रिषार्च बैंक आफ इंडिया के रूरल एकनामिक्स डिवीजन्स और बम्बई यूनिवर्सिटी स्कूल आफ इकनामिक्स एन्ड सोशलोजी की रिपोर्टें)

आज टीम टाम प्रियादा है, धूम धाम प्रियादा है। खर्चा पहले से चौगुना बढ़ गया है। लेकिन स्कीम में कोई खास फर्क नहीं है। स्कीम के मुख्य अंग यह हैं :—

(i) सारा काम अफसरों की देख रेख में होगा। हर जिले में कलक्टर की सदारत में एक कमेटी बनेगी। इस कमेटी में एक प्लानिंग अफसर और दूसरे नामजद किये हुए लोग होंगे। प्लानिंग अफसर ऐसी ही कमेटियां हर तहसील में बनाएगा। सूबाई पैमाने पर एक बड़ा अफसर सब स्कीमों का जोड़ बैठाएगा।

(ii) कोई ऐसे सुधार नहीं किये जायेंगे जिससे किसान के हाथ में पहले से प्रियादा रुपया आए और खेतिहर को खेत मिले। जमींदारी खातमे की जो स्कीमें हैं उनमें लगान कम होना तो अलग रहा, उल्टे किसान को दसगुना मुआवजे में देना होगा। यानी पहले दस गुना रुपया इकट्ठा करो, तब 15 साल के बाद फायदा हो। जो न दे सके उसे कोई फायदा नहीं। जाहिर है हिन्दुस्तान के अधिकतर किसान दस गुना दाम नहीं दे सकते। जमींदारी खातमे से उल्टे अफसरशाही को किसानों को परेशान करने के दस बहाने और मिल गए।

कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स

सरकार की योजना में 90 करोड़ रुपये कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के लिये रखे गए हैं। भारत सरकार और अमरीकी समझौते के मुताबिक कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के 55 केन्द्र खोले जायेंगे। हर केन्द्र में 300 गांव शामिल होंगे। इन केन्द्रों के फेरिये नए औजार, खाद, बीज वगैरह किसानों को मुहैया किये जायेंगे। उन्हें खेतों की उपज बढ़ाने और मवेशियों की नस्ल सुधारने वगैरह की सीख भी दी जायगी। इस सब खर्च का आठवां हिस्सा अमरीकी सरकार देगी। पर अमरीका की सलाह के बिना भारत सरकार कोई कदम न उठा सकेगी।

दूसरी सरकारी स्कीमों की तरह इस योजना में भी दिखावट अधिक है, असलियत कम। किसान अफसर शाही से तंग होगा और फायदा सिर्फ थोड़े से धनी किसानों, सरकारी दलालों और वैसे वाले जमींदारों को

दूसरी योजनाएं

कल्लेज और तालाब कंदाना, बीज बांटना, खाद इकट्ठा करना वगैरह कोई नई योजनाएं नहीं हैं। 'वैदावार बढ़ाओ' या 'अधिक अनाज पैदा करो' आन्दोलन के नाम का बोल ब्रिटिश सरकार बहुत दिन तक पीटती रही है। इस आन्दोलन में उसने करोड़ों रुपये खर्च भी किये थे। बाद में उसे मानना पड़ा कि इस स्कीम से कोई खास फायदा नहीं हुआ। (देखिये रिषार्च बैंक आफ इंडिया के रूरल एकनामिक्स डिवीजन्स और बम्बई यूनिवर्सिटी स्कूल आफ इकनामिक्स एन्ड सोशलोजी की रिपोर्टें)

आज ठाम ठाम प्रियादा है, धूम धाम प्रियादा है। खर्चा पहले से चौगुना बढ़ गया है। लेकिन स्कीम में कोई खास फर्क नहीं है। स्कीम के मुख्य अंग यह हैं :—

(i) सारा काम अफसरों की देख रेख में होगा। हर जिले में कलक्टर की सदारत में एक कमेटी बनेगी। इस कमेटी में एक प्लानिंग अफसर और दूसरे नामजद किये हुए लोग होंगे। प्लानिंग अफसर ऐसी ही कमेटियां हर तहसील में बनाएगा। सूबाई पैमाने पर एक बड़ा अफसर सब स्कीमों का जोड़ बैठाएगा।

(ii) कोई ऐसे सुधार नहीं किये जायेंगे जिससे किसान के हाथ में पहले से प्रियादा रुपया आए और खेतिहर को खेत मिले। जमींदारी खातमे की जो स्कीमें हैं उनमें लगान कम होना तो अलग रहा, उल्टे किसान को दसगुना मुआवजे में देना होगा। यानी पहले दस गुना रुपया इकट्ठा करो, तब 15 साल के बाद फायदा हो। जो न दे सके उसे कोई फायदा नहीं। जाहिर है हिन्दुस्तान के अधिकतर किसान दस गुना दाम नहीं दे सकते। जमींदारी खातमे से उल्टे अफसरशाही को किसानों को परेशान करने के दस बहाने और मिल गए।

कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स

सरकार की योजना में 90 करोड़ रुपये कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के लिये रखे गए हैं। भारत सरकार और अमरीकी समझौते के मुताबिक कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के 55 केन्द्र खोले जायेंगे। हर केन्द्र में 300 गांव शामिल होंगे। इन केन्द्रों के फेरिये नए औजार, खाद, बीज वगैरह किसानों को मुहैया किये जायेंगे। उन्हें खेतों की उपज बढ़ाने और मवेशियों की नस्ल सुधारने वगैरह की सीख भी दी जायगी। इस सब खर्च का आठवां हिस्सा अमरीकी सरकार देगी। पर अमरीका की सलाह के बिना भारत सरकार कोई कदम न उठा सकेगी।

दूसरी सरकारी स्कीमों की तरह इस योजना में भी दिखावट अधिक है, असलियत कम। किसान अफसर शाही से तंग होगा और फायदा सिर्फ थोड़े से धनी किसानों, सरकारी दलालों और वैसे वाले जमींदारों को

ہو چوں ہفت ہر گھانا دینا اور دیش میں
پوداوار بوجھانا۔ پان کے مطابق دیش کی آمدنی پانچ
سال میں 11 فیصدی بڑھ جائیگی۔ لیکن ہماری آبادی
بھی اس دوران میں بڑھ لی ہے۔ اس لئے چلتا کی
آمدنی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پوسہ آرٹ شاستری
ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ کا کہنا ہے کہ اگلے 15 سال
تک چلتا کی آمدنی میں کوئی بڑھوتری نہیں ہو سکتی۔

ایک قدم اُور۔ اگر سرکار کی اس دلیل کو بھی مان لیں کہ اس سیم ضرورت پھداور پوہانے کی ہے اور اگے کی ترقی کی طرف قدم پوہانا ہے تو کیا اس پتھن سے ہماری پھداوار اور خاص طور سے اناج کی پھداوار کا سوال حل ہو جاتا ہے؟ اگر یہ پتھن اٹھا ہی کر سیمے تو کم نہیں !

پلاننگ کمیشن کا اندازہ ۱۹۵۵-۵۶ تک پیداوار کی بڑھوتری اس طرح سے ہوگی ۔

فہرست	موجودہ	بہرہ
(سہولت)	54	61.6
کھاس (لاکھ گنتی)	29.7	42.2
پتھن (لاکھ گنتی)	33.0	53.9
چھلی (سہولت)	5.6	6.3

اُردو کی تہہل سے معلوم ہوتا ہے کہ غلے کی پیداوار 7 ملین ٹن یا 14 فیصدی، کھاس کی 12.6 لاکھ گائے یا 42 فیصدی، پتسن کی 20.9 لاکھ گائے یا 63 فیصدی اور چینی کی پیداوار 7 لاکھ ٹن یا 12 فیصدی بڑھانے کی، پرجھا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پیداوار بڑھنے کی کس طرح؟ سرکار کا وچار ہے کہ بڑی بڑی آبپاشی کی پوجناؤں ('ڈامونڈ' ہور آئلڈ' بہکرا' ننگل) پر ذریعہ 23 لاکھ ٹن غلہ پیدا کیا جا سکے گا۔ باقی 49 لاکھ چھوٹی آبپاشی کی پوجناؤں، کٹروں، اچھی کھاد بھیج وغیرہ کی مدد سے اور اوسر زمین کو چوت ہو کر پیدا کیا جا سکے گا :

چھوٹی ہو جائیں

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پیداوار میں کتنی بڑھتی ہوگی۔ ابھی تو ان پروجکٹوں میں پانی کی طرح روکھ پھینکا جا رہا ہے۔ داسو درگھاٹی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھکر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پروجکٹوں کے خرچے میں بھی اسی پیمانے پر بڑھی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پروجکٹوں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پھٹائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت ہائیلے کا سوال اٹھے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پھٹائی ہوگی۔ امریکی ”ایکسپریس“ کی تو یہ بات ہے۔

دیمارا کی پیدوار بھی۔ یہ ہو بھی کیسے؟ سرکار کے نواہندے آج دین کی دہائی پونجی کو دھوت دیتے رہتے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا پانچپتی دیش، امریکی، رپنا دینے کو ہر دس تیار بٹا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ساہوکار ہلا کسی چھوٹے اور شرط کے پوسٹ ادھار نہیں دینا۔ امریکہ کی شرطیں یہ ہیں—امریکی اور ہندوستانی پونجی میں کوئی بھد ہوا نہ رکھا جائے، راشتری کرن نہ کرنے کا پتہ لایا جائے، مذاہن باہر بھجلیے کی پوری سہولتوں میں جائیں وغیرہ۔ بھارت سرکار یہ زیادہ تر شرطیں ماننے کو تیار ہے۔ لیکن اس پر بھی امریکی پانچپتی سلسلہ نہیں ہیں۔ اصل میں ان کو ہند سرکار کی دہائی نہیں سے شکیت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ سرکار صاف صاف کمپونزم کے خلاف جہاد میں امریکوں کی مدد کرنے کا وعدہ کرے، امریکوں کو بھارت میں فوجی اڈے بنانے دے تاکہ ضرورت پڑے پر وہ بھارت کے اندرونی معاملوں میں بھی دخل اندازی کر سکیں۔ اس کے علاوہ وہ ایسی دھانچوں میں بھی چاہتے ہیں جو بھارت سرکار نے ہندوستانی پونجی پتوں کو بھی نہیں دیتی۔

ظاہر ہے کہ بڑی مائرا میں دہائی پونجی میں اپنی آزادی پوری طرح بھج دینے سے ہی مل سکے گی۔ اور تب بھی یہ پونجی دہائی کو پچھلی دہائی کی آرتھک فلامی سے آزادی دلانے کے لئے نہیں لگائی جائیگی۔ کیونکہ جو دہائی پونجی دہائی میں آرتھک وہ کچا مال پیدا کرتے اور پانچپتی کے سادھلوں کو بڑھانے کے کام میں ہی لگائی جائے گی۔

اوپر کی بات سے صاف ہو جاتا ہے کہ دہائی پونجی پہلے تو جن شرطوں پر شاید ہمیں مل سکے وہ ایک آزاد دہائی کی شان کے خلاف ہیں؛ اور دوسرے اس کا مقصد ہمارے دہائی کو آزاد اور خوشحال بنانا نہیں ہے۔ ہمیں کوئی کا ادا بنانا ہمارے کچے مال کو حاصل کرنا اور ہماری نئی آزادی کو ختم کرنا اس کا لکھ ہے۔

ہمارا اپنا تجربہ اور دوسرے دہائیوں کا تجربہ بھی یہی سکھاتا ہے کہ اگر ہمیں اپنے دہائی کو مضبوط اور خوش حال بنانا ہے تو ہمیں اپنے ہی سادھلوں، اپنی ہی مصلحت اور قربانیوں پر ہی نراہر دھنا پڑے گا۔ یہ دیکھ کی بات ہے کہ سرکار اور پلاننگ کمیشن نے اس بات کو 'جھک' اور دہائی پونجی کے خطرے کو 'بے مطلب شک' کہ کر ڈالا چاہا ہے۔

کھیتی کی سمسنا

خوئی کی سمسنا

سوال یہ آتھا ہے کہ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے دہائی پونجی کے سوال کو نظر انداز بھی کر دیں تو کیا اس سے ہمارے سمسنا حل ہو جائی؟ بلہائی سوال ہیں—دہائی میں چلتا کے جھون رستہ کو اونچا اٹھانا، انہوں

سوال یہ آتھا ہے کہ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے دہائی پونجی کے سوال کو نظر انداز بھی کر دیں تو کیا اس سے ہمارے سمسنا حل ہو جائی؟ بلہائی سوال ہیں—دہائی میں چلتا کے جھون رستہ کو اونچا اٹھانا، انہوں

لگانے کا کام سبھی کی سرکاروں پر छोड़ दिया गया है. इसका कारन यह है कि केन्द्रीय सरकार का यह इरादा नहीं है कि आवासनी के खास खर्चों को जिन्हें वह अब तक बचाए हुए है छोड़ दे. बड़े बड़े पंजीपतियों को पूरी छुट दी गई है क्योंकि सरकार का विचार है कि अगर उनके हाथ में में रुपया न बढ़ा- तो सरकार को रुपया उधार लेने में कठिनाई होगी. इसलिये अधिक मुनाफा टैक्स नहीं लगाया जायगा, कम्पनियों के टैक्स में कमी होगी, और दूसरी आसानियां भी सरमायाधारों को दी जायेंगी.

सरकार जब नोट छापने की बात करती है तो इस के मानी होते हैं चीजों के दामों में बढ़ौती करना. चाहिए है कि यह भार भी जनता के कंधों पर पड़ेगा.

विदेशी पूंजी

इस योजना की सब से खतरनाक बात दूसरे मुल्कों से 655 करोड़ रुपए की पूंजी उधार लेना है. हमें अपने तजुबों से यह बात अच्छी तरह मालूम है कि विदेशी पूंजी के क्या माने होते हैं. अंगरेजी पूंजी आज भी हमारे देश के आर्थिक जीवन को अपनी मुट्ठी में लिये हुए है. पढसन, चाय के बारीचे, कोयले की खानें, इंजीनियरिंग उद्योग क्रूरिब क्रूरिब पूरी तरह से अंगरेजों के हाथ में हैं. बिजली, ट्राम और कपड़ा जैसे उद्योगों में या काफ़ी अंगरेजी पूंजी लगी है और या ऐसे कारखानों का इन्तजाम अंगरेजी मैनेजिंग एजन्सियों के हाथ में है. इसके अलावा बहुत सी ऐसी नई नई कम्पनियां खुलती जा रही हैं जिनमें अंगरेज और हिन्दुस्तानी पूंजी-पतियों की मिली जुली पूंजी लगी है. नाम के लिये इन कम्पनियों का उद्देश्य है देश में नये उद्योग धन्दे कायम करना. लेकिन यह कम्पनियां विदेशी चीजों को ही देशी नाम देकर बेचती हैं. बिरला की हिन्दुस्तान मोटर खुद बम्हों के कहने के मुताबिक सिर्फ 60 फी सदी हिन्दुस्तानी है. यही बात हवाई जहाज और जहाजों के बारे में कही जा सकती है.

विदेशी पूंजी के खर्चे हर साल देश से करोड़ों रुपया बाहर चला जाता है. पंडित जवाहरलाल नेहरू की सवारत में राष्ट्रीय प्लानिंग कमिटी ने (1932-42) में इस बारे में काफ़ी सोच विचार किया था और यह फैसला किया था कि जहां विदेशी पूंजी लगे वहां आये से कियाया हिस्सा हिन्दुस्तानियों का होना चाहिये और यह शर्त होनी चाहिये कि हिन्दुस्तानियों को सब तकनीकी काम सिखाय जाय.

होना तो यह चाहिये था कि विदेशी पूंजी का बिलकुल सहारा न लिया जाय, लेकिन इस प्लान में इन शर्तों का भी कहीं ध्यान नहीं है जो पंडित जवाहरलाल नेहरू के

लाने का काम सही की सरकारों पर छोड़ दिया गया है. इस का कारन यह है कि केन्द्रीय सरकार का यह इरादा नहीं है कि आवासनी के खास खर्चों को जिन्हें वह अब तक बचाए हुए है छोड़ दे. बड़े बड़े पंजीपतियों को पूरी छुट दी गई है क्योंकि सरकार का विचार है कि अगर उनके हाथ में में रुपया न बढ़ा- तो सरकार को रुपया उधार लेने में कठिनाई होगी. इसलिये अधिक मुनाफा टैक्स नहीं लगाया जायगा, कम्पनियों के टैक्स में कमी होगी, और दूसरी आसानियां भी सरमायाधारों को दी जायेंगी.

सरकार जब नोट छापने की बात करती है तो इस के मानी होते हैं चीजों के दामों में बढ़ौती करना. चाहिए है कि यह भार भी जनता के कंधों पर पड़ेगा.

विदेशी पूंजी

इस योजना की सब से खतरनाक बात दूसरे मुल्कों से 655 करोड़ रुपए की पूंजी उधार लेना है. हमें अपने तजुबों से यह बात अच्छी तरह मालूम है कि विदेशी पूंजी आज भी हमारे देश के आर्थिक जीवन को अपनी मुट्ठी में लिये हुए है. पढसन, चाय के बारीचे, कोयले की खानें, इंजीनियरिंग उद्योग क्रूरिब क्रूरिब पूरी तरह से अंगरेजों के हाथ में हैं. बिजली, ट्राम और कपड़ा जैसे उद्योगों में या काफ़ी अंगरेजी पूंजी लगी है और या ऐसे कारखानों का इन्तजाम अंगरेजी मैनेजिंग एजन्सियों के हाथ में है. इसके अलावा बहुत सी ऐसी नई नई कम्पनियां खुलती जा रही हैं जिनमें अंगरेज और हिन्दुस्तानी पूंजी-पतियों की मिली जुली पूंजी लगी है. नाम के लिये इन कम्पनियों का उद्देश्य है देश में नये उद्योग धन्दे कायम करना. लेकिन यह कम्पनियां विदेशी चीजों को ही देशी नाम देकर बेचती हैं. बिरला की हिन्दुस्तान मोटर खुद बम्हों के कहने के मुताबिक सिर्फ 60 फी सदी हिन्दुस्तानी है. यही बात हवाई जहाज और जहाजों के बारे में कही जा सकती है.

विदेशी पूंजी के खर्चे हर साल देश से करोड़ों रुपया बाहर चला जाता है. पंडित जवाहरलाल नेहरू की सवारत में राष्ट्रीय प्लानिंग कमिटी ने (1932-42) में इस बारे में काफ़ी सोच विचार किया था और यह फैसला किया था कि जहां विदेशी पूंजी लगे वहां आये से कियाया हिस्सा हिन्दुस्तानियों का होना चाहिये और यह शर्त होनी चाहिये कि हिन्दुस्तानियों को सब तकनीकी काम सिखाय जाय.

होना तो यह चाहिये था कि विदेशी पूंजी का बिलकुल सहारा न लिया जाय, लेकिन इस प्लान में इन शर्तों का भी कहीं ध्यान नहीं है जो पंडित जवाहरलाल नेहरू के

भारत सरकार की पंचसाला योजना

(डाक्टर सतीशचन्द्र)

भारत सरकार की पंचसाला योजना की पिछले दो तीन साल से देश में काफी चर्चा हुई है। अब सरकार ने योजना का आखिरी खाका तैयार कर लिया है। अगरचे यह आखिरी खाका पुरानी योजना से बहुत अलग नहीं है फिर भी सरकार का दावा है कि जितनी आलोचना जायज़ थी उसको नज़र में रख कर पुरानी योजना में तब्दीली की गई है।

नये प्लान के मुताबिक कुल खर्च 1493 करोड़ से बढ़कर 2069 करोड़, यानी पहले से 567 करोड़ घिटावा हो गया है। खर्च का मोटा मोटा ब्योरा नीचे दिया जाता है। नीचे के टेबल में लाख की रकम छोड़ दी गई है।

	पुरानी योजना (करोड़)	नया प्लान (करोड़)
1. खेती बारी और कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स	191	361
2. सिंचाई और बिजली	440	561
3. यातायात	388	497
4. उद्योग धन्दे	100	173
5. समाज सेवा	333	476
6. बाक़ी चीज़ें	28	...
	1493	2068

इस तरह हम देखते हैं कि खर्च खेती बारी, कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स, सिंचाई, बिजली, यातायात और उद्योग धन्दों के ऊपर बढ़ा दिया गया है।

सवाल यह उठता है कि 2069 करोड़ रुपये की रकम सरकार के हाथ में आएगी कहाँ से ? प्लान में यह सवाल सबसे बाद में उठाया गया है। सौर से देखा जाय तो मालूम होगा कि यह प्लान का बह हिस्सा है जिसके बरौर प्लान केवल काराखी प्लान बन कर रह जायगा। जनता के लिये भी यह सवाल काफी अहम है। सरकार का विचार है कि टैक्सों की शकल में 738 करोड़ रुपया वसूल किया जाय और 520 करोड़ रुपया जनता से उधार लिया जाय। 156 करोड़ विदेशी मबद सरकार को मिल चुकी है। 655 करोड़ रुपये की रकम विदेशों से और ली जायगी। बाक़ी नये टैक्स लगा कर हासिल की जायगी और या नोट छाप कर पूरी की जायगी।

बिक्री टैक्स, विकास टैक्स, पानी टैक्स बरौरा बरौरा लाख टैक्स लगाये जायंगे। इसके अलावा नये नये टैक्स

भारत सरकार की पंच साले योजना

(डाक्टर सतीशचन्द्र)

भारत सरकार की पंच साले योजना की पिछले दो तीन साल से देश में काफी चर्चा हो चुकी है। अब सरकार ने योजना का आखिरी खाका तैयार कर लिया है। अगरचे यह आखिरी खाका पुरानी योजना से बहुत अलग नहीं है फिर भी सरकार का दावा है कि जितनी आलोचना जायज़ थी उसको नज़र में रख कर पुरानी योजना में तब्दीली की गई है।

नये प्लान के मुताबिक कुल खर्च 1493 करोड़ से बढ़कर 2069 करोड़, यानी पहले से 567 करोड़ घिटावा हो गया है। खर्च का मोटा मोटा ब्योरा नीचे दिया जाता है। नीचे के टेबल में लाख की रकम छोड़ दी गई है।

	पुरानी योजना (करोड़)	नया प्लान (करोड़)
1. खेती बारी और कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स	191	361
2. सिंचाई और बिजली	440	561
3. यातायात	388	497
4. उद्योग धन्दे	100	173
5. समाज सेवा	333	476
6. बाक़ी चीज़ें	28	...
	1493	2068

इस तरह हम देखते हैं कि खर्च खेती बारी, कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स, सिंचाई, बिजली, यातायात और उद्योग धन्दों के ऊपर बढ़ा दिया गया है।

सवाल यह उठता है कि 2069 करोड़ रुपये की रकम सरकार के हाथ में आएगी कहाँ से ? प्लान में यह सवाल सबसे बाद में उठाया गया है। सौर से देखा जाय तो मालूम होगा कि यह प्लान का बह हिस्सा है जिसके बरौर प्लान केवल काराखी प्लान बन कर रह जायगा। जनता के लिये भी यह सवाल काफी अहम है। सरकार का विचार है कि टैक्सों की शकल में 738 करोड़ रुपया वसूल किया जाय और 520 करोड़ रुपया जनता से उधार लिया जाय। 156 करोड़ विदेशी मबद सरकार को मिल चुकी है। 655 करोड़ रुपये की रकम विदेशों से और ली जायगी। बाक़ी नये टैक्स लगा कर हासिल की जायगी और या नोट छाप कर पूरी की जायगी।

बिक्री टैक्स, विकास टैक्स, पानी टैक्स बरौरा बरौरा लाख टैक्स लगाये जायंगे। इसके अलावा नये नये टैक्स

رحمان، زبان سہمیل کو ہاتھ کر، روئے لگے ہیں
 نکالی آئے خود پر۔ میں آج ہی سارے سات آئے پہنچا
 دیتا۔

زبان میں کیا سمجھالیں، زبان تو سلجھال . ہے ایساں
گھوس 'ا' چھوٹ بولتا ہے ، کھائی روپے کو کھائی آنہ
کہتا ہے .

پہلے پتہ پر!

اِس کے جواب میں رحمان کے ملہ سے لوگ من کو
 مار کی گالی نکالی۔ اُسی وقت جیل سے چھٹ کر احمد
 علی آ پہنچا۔ رحمان کی گالی اُس کے کان میں پڑ چکی تھی۔
 رحمان دائیں ہاتھ میں ایک چھوٹا سا قنڈا لے کر ہونے تھا
 اور بائیں ہاتھ سے لوگ من کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔
 وہ قنڈا اُٹھا کر جمانے کو ہی تھا کہ احمد علی نے رحمان
 جیل کے ہاتھ سے قنڈا ٹھونچ کر ایک دم آواز دی—'خان'
 لوگ من کا ہاتھ چھوڑ۔

محلے کے لوگ تو یہ سمجھ گئے کہ اب احمد علی نے لہا لوگ من سے بدلا۔ اب مللو مڑا چکے ہو گئے، احمد علی کو جیل بھیجواوے گا۔ اُنہ میں احمد علی کا ذبڈا پڑا خان کے ہاتھ پر۔ وہ لوگ مان کا ہاتھ چھوڑ احمد علی کی طرف لپکا۔ جب تک احمد علی نے اُس کی کہو پیڑی پر دو اور گسی کے جمائے، اب خان کو بہاتے ہی بلایا۔ اندر سے اُٹھے والے اگر احمد علی سے بولے۔

تم نے پھر جھل جانے کی تہادی کہلی . لوکسن سے تمہیں اتنی محبت تھی تو نہ کچھ بات کے لئے تم نے اس کا ہاتھ کھین توڑا ؟

تم بھی عجیب آدمی ہو۔ وہ درزی کا سوال تھا،
پہت کا سوال تھا، اصول کا سوال تھا۔

اور آپ جس نے تمہیں چہل بھڑایا تھا اُس کی خاطر تم میں اتنا پھار کہاں سے جاگ آیا ؟

تم لوگوں میں شرم نہیں ہے تو میں نے تو اپنی شرم
 نہیں بچھڑائی۔ لوگ من کی ماں مہری چاچی ہوتی
 ہے کہ نہیں، اور تم میں سے بھی کسی کی ٹائی ہے، کسی
 کی ہوا ہے اور کسی کی کچھ۔ اس کمبخت خاں نے جب
 اس کو ماں کی گلی دی تو مہری چاچی کو گالی دی کہ
 نہیں، اور تمہاری ٹائی اور ہوا تو گالی دی کہ نہیں۔ یہ
 لوگ من کا سوال نہیں ہے، مسئلے کی عزت کا سوال ہے،
 اگر تم آج اس طرح مسئلے کی عزت لٹوا دو گے تو کل
 لوگھوں کی جوتھیاں کھاتے پھرو گے۔

سب مسئلے والے یہ کہتے ہوئے کہ احمد علی بات تو
 بچے کی کہتا ہے، آپ آپ گھر چل دیے۔

احمد علی جیسے ہی گھر پہنچا لطیفہ اے طلحہ
 دیا جس نے تمہیں جہول بھڑایا اب اُس کی خاطر
 پھر جہول جانے کی تھاری کرلی !

سلاہ لے لو۔ پر میرے پر میں تو دہری سوجھ کی خیر میں
وہ سے سلاہ نہ لی۔

اچھا، اب دھو نہ مانو۔ میں مٹھا تو ابھی مٹھو کے
ہاتھ لٹکانے کے یہاں پہنچ رہی ہوں اور آگے دال سب کا
پرہیز کر رہی۔ تم بے فکر رہو۔

×

×

×

×

×

×

مٹھو بٹھا کیا لائے ہو؟

چاچی، مٹھا لایا ہے۔

کس نے بھجوا دیا؟

امام نے!

دھور کو جہل بھجوانے کی خوشی میں۔

مٹھو اس ویلک کو کچھ نہ سمجھا ہوا۔ نہیں چاچی،
ابھی ابھی نکال رہے۔ آج تو امام نے اس میں سے نکال کر
میں مکھن بھی نہیں دیا۔

اچھا اچھا لے جا۔ اپنی امام سے کہہ دینا چاچی
مٹھے کی بھرتی نہیں۔

×

×

×

×

×

×

امام، چاچی نے تو مٹھا نہیں لیا۔

دیکھا، مٹھو کے ددا! مجھے بھی تو تھا کہ وہ ہندی
مر جائیگی پر مٹھا نہ لوگی۔ مٹھوں کا راج چلا گیا تو
کھا، مٹھوں کا خون تو نہیں چلا گیا۔

مٹھو کی امام اب کیا ہوگا؟

نکر نہ کرو، میں اس کا علاج جانتی ہوں۔ دیور نہیں
ہے تو کیا ہوگی مرنے دوں گی!

تم کیا کرو گی؟

کرونگی کھا، حاشم ہوگے کے گھر پہنچ رہے اور وہ
موتی بھی ہے۔ اس کی معرفت سب چیز پہنچاؤں گی
تب تو انکار نہیں کریگی؟

(3)

(3)

لوگ من، تم نے پچیس روپے امداد لئے تھے۔ نہ
تم نے روپے لوٹا کے دوئے اور نہ تین مہینے سے سود چکا ہے۔
دھان خاں، ابھی تین مہینے کہاں پورے ہوئے
ہیں؟

میں شرم نہیں آتی، تین مہینے پورے ہوئے ہیں۔

پانچ چھ دن باقی رہتے۔ تم دو مہینے کا اگر پانچ روپے
سود چکا دیتے تو میں کاف کو مانگنے آتا۔

ارے، تم یہ پانچ روپے کسے مانگ رہے ہو! تم نے تو
قہالی آئے مہینے سود کی بات کہی تھی مگر تین مہینے کے
ہوئے ساڑھے سات آئے۔ اب کوئی ساڑھے سات روپے لوگے؟

لڑ سہرا نام دھان خاں ہے تو ساڑھے سات لوٹا۔ ساڑھے
سات۔ روپے لوگے وقت کھسا ہوا ہوا تھا، اب ساری
چالانی آگئی۔ نکال ساڑھے سات، نہیں تو تیرے سر پر
جوتہ جھٹکا ہوں۔

لوکمان یہ چلتی سی گر ناں میں آگیا اور گاہک کا ہاتھ پکڑ کر بولا—اے توبہ میرا ہاتھ۔

ابھماد ابلی اس چوئی کی بددلت نہ کر سکا۔
 اسنے کٹا ہوا ایک توبہ اور مارا لوک من کے ہاتھ میں۔ لوک من کے چوت تو بڑے دور کی ہتھی پر گرم گرم چوت تھی
 فصر میں بھول گیا اور احمد علی سے لپٹ پڑا اور دونوں
 میں گٹھم گٹھا ہونے لگی۔ دوسرے دوکان دار بچانے کے لیے
 دوڑ پڑے اور ان کو الگ کر دیا۔ گاہک پھسے چھوڑ چلتا
 ہوا۔ دوکان داروں نے تصور لوک من کا ہی ثابت کیا۔ ان
 کی دلیل یہ تھی کہ لوک من کو گاہک سے پھسے لگے بغیر
 سودا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لوک من اس فیصلے سے
 چپ تو ہو گیا۔ پر جب اسکی چوت ٹھنڈی ہو چکی تھی
 اور بڑی طرح دکھ دینے لگی تھی اور جھپٹے ہی اس نے
 چوت پر ہاتھ رکھا تو اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اسکی ہڈی
 ٹوٹ گئی ہے۔ اب وہ کچھ چوت سے کچھ ہار ہے۔ کھسیا
 کو دوکان بڑھا کر چل دیا اور تھانے میں رہت لکھا آیا۔
 دس دن کے اندر قبضی صاحب کے یہاں سے فیصلہ ہو گیا۔
 احمد علی کو تین مہینے کی جہول ہو گئی۔ مقدمہ میں
 سب مل کر لوک من کے پچیس روپے سات آنے خرچ ہوئے
 پر جیت کی خوشی میں وہ اس پھسے کی چوت
 کو برداشت کر گیا۔

(2)

دیکھو دی، ملو کی ماں، جب تک احمد علی جہول
 سے چھت کر نہ آئے احمد علی کی عورت لطیفاً کو کسی
 طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

اس میں تمہارے کہنے کی کیا ضرورت ہے، تمہارے
 چہوٹے بھائی کی بہو ہے تو وہ مہرے دیور کی بہو تو عورت
 ہے۔ مہرے دیورانی ہے۔ میں اُسے تکلیف کہوں ہونے دوںگی۔
 پر یہ تو بتاؤ کہ تم نے مہرے دیور کو جہول بھجوا کر کیا
 کوئی ہاتھ کا زخم اچھا کر لیا۔ قصہ سب کو حرام ہے۔ تمہیں
 کو آجاتا اور تم اس پر قنڈا چلا بھیتے اور پھر وہ تھانے
 میں جاتا تو کیا تمہیں نہ جہول ہو جانی۔ اور جب
 دوکانداروں نے فیصلہ کر دیا تھا تب تم فرنگیوں کی عدالت
 میں کہیں پہنچ گئے۔

ملو کی ماں، بات تو تم ہی عقل کی کرتی ہو پر
 اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب یہ انہو تو نہیں ہو سکتا
 اور میں تو بچے میں ہی مقدمہ واپس لے رہا تھا پر یہ
 سلطان کے بچے وکیل صاحب مجھ سے بولے، اگر تم مقدمہ
 واپس لوگے تو تم پچیس جاؤ گے۔ اب تمہیں بتاؤ میں کیا
 کرتا؟

تم یہ کرتے کہ تھانے میں رہت لکھانے سے پہلے مجھ
 سے مل کر جاتے تو میں تمہیں رہت ہی نہ لکھانے دیتی۔

ہاں، ملو کی ماں، یہ تو بھول ہوئی۔ میں نے کان
 پکڑے۔ صفتوں کا کہنا ہے کہ کوئی نہ ہو تو اپنی پکڑی سے ہی

تم یہ کرتے کہ تھانے میں رہت لکھانے سے پہلے مجھ
 سے مل کر جاتے تو میں تمہیں رہت ہی نہ لکھانے دیتی۔
 ہاں، ملو کی ماں، یہ تو بھول ہوئی۔ میں نے کان
 پکڑے۔ صفتوں کا کہنا ہے کہ کوئی نہ ہو تو اپنی پکڑی سے ہی

نکلی ہوئی چالاک. نظر کے تھر پھٹک کر چلی گئی.

تھوڑی دیر میں دونوں نے مل کر خریدنے اور ہائٹ ہائٹ کر کھائے. چار بج گئے اور کوئی گاہک دونوں میں سے کسی کی دکان پر نہ آیا. آدھ گھنٹے کے بعد ایک گاہک احمد علی کے پاس آیا. راج کے مطابق احمد علی نے بیگھٹے ہی اس سے ایک پیسہ مانگا. اس نے پیسہ دے دیا اور گاہک دکان پر سے تھان اُٹھا کر دیکھنے لگا.

یہ پیسہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ جب تک گاہک اس پیسے کو واپس نہ لے لے تب تک دوسرا دکان دار اس گاہک کو اپنے پاس بلانے کا حقدار نہیں.

احمد علی سے وہ سودا نہ پٹا. گاہک اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنا پیسہ واپس مانگنے لگا. وہ دینے میں ٹال مٹول کر رہا تھا اور گاہک کو छोड़نا نہیں چاہتا تھا. بالکل اُوب کھا تھا اور وہ اس سے لہنا نہیں چاہتا تھا. جب احمد علی نے پیسہ دینے میں انا کانی کی تو گاہک پیسہ لئے بغیر لوک من کے پھو کے سامنے آگیا اور بیگھر اس دکان کے تھان دیکھنے لگا. اس پر احمد علی بکڑ بکڑا اور لوک من سے ہوا—

بھائی لوک من یہ گاہک مہرا ہے، تم اسے تھان نہیں دیکھا سکتے، اسے مہرے پاس بھیجو.

لوک من ہوا—یہ خوب، تم نے کوئی گاہک مول خرید لیا ہے. میں نے تو اسے بلایا نہیں. وہ اپنے آپ آیا، بیگھا اور دیکھنے لگا. میں کہوں نہ تھان دکھائوں؟

احمد علی ہولاسھاں، میں نے گاہک خرید لیا ہے. اس کا پیسہ ابھی مہرے پاس ہے. تم نے اگر تھان کا مول تول کھا تو اچھا نہیں ہوگا. مہرا گاہک، مہرے پاس بھیج دو.

لوک من ہوا—تم اچھے آئے کہیں کے نواب، جو مہرے پر حکم چلاتے ہو. گاہک کا ایک پیسہ نہیں دیتے اور کہتے ہو گاہک مہرا ہے. اب مہری دکان کے سامنے آگیا، اب مہرا ہے.

دیکھو لوک من، ہات ہود کر نہ کرو. گاہک مہرا ہے، تمہارا نہیں.

اچھا، دیکھ لیا گاہک والے. دیکھیں تو تو مہری دکان کے سامنے سے گاہک نے جانے.

مہری کی دوا کر لوک من، ہوش کی دوا. جو تھان گاہک سے سوا پٹا تو تیری گردن توڑ دے گا.

تو تھاک کر کے تو بول نہیں، ہمت ہو تو آ جا. جو تھان گاہک سے سودا پٹایا تو تھری گردن توڑ دے گا.

تو نواب کر کے تو بول نہیں، ہمت ہو تو آ جا. جو تھان گاہک سے سودا پٹایا تو تھری گردن توڑ دے گا.

احمد علی ہوا—اچھا تو پکو تو گاہک کا ہاتھ، اگر تھرا ہاتھ ہی نہ تھوڑیں تو مہرا نام بھی احمد نہیں.

آسامی سے ملتا تھا۔ وہی۔ گاؤں کو لے کر بھی کبھی کبھی ملتا تھا۔ لوگوں میں خوب دھم تھا۔ جیالیس برس کی جیالیس کا دن لوگوں پر بہت ہی کم گذر ہوا تھا جو سن ستاروں سے پہلے کی اولاد تھے اور جنہوں نے اپنا راج اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ ایسے لوگ ذرا ہی رہے۔ عورتی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ہندو مسلمانوں میں مل کر رہتے تھے۔ ایک پتہ کرنے والے ہندو مسلمان تو ایسے مل کر رہتے تھے مانو مان جاتے بھائی ہوں۔ ہر ایک دوسرے کے خاتمے ہر وقت خون پسینہ بہانے کے لئے تیار رہتا تھا۔ گاؤں اور شہروں کی بساتوں میں ہندو مسلمانوں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ براہمن اور مسلمان ایک ہی مکان میں رہ لیتے تھے۔ کبھی کوئی دانت نہ ہوتی تھی۔

پتہ لگی ہوئی تھی۔ اترولی لکھنے کے انوارہ مسئلے کے دو بچے پاس پاس بیٹھے ہاتھ کر رہے تھے۔ ایک کا نام تھا احمد علی اور دوسرے کا نام تھا لوک من۔ لوک من کی عمر 37 کی رہی ہوگی اور احمد علی تیس بچوں کا تھا۔ احمد علی کہہ رہا تھا۔

بھائی لوک من، آج پتہ کا رنگ ڈھلا رہتا معلوم ہوتا ہے۔

لوک من بولا—پتہ کا پورا رنگ تین بجے کے بعد جمنے گا، ابھی تو ایک ہی بچا ہے۔

ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوتا تھا!

آج کل کے بچوں کی کٹائی ہو رہی ہے کٹائی، گاؤں تین بجے سے آنے شروع ہونگے۔ پانچ بجے اس پتہ میں اتنی بھڑک ہوگی کہ مہا احمد علی تم سے لڑنے کے لئے سنبھالے۔

اتنے میں احمد علی کی نظر ایک عورت پر پڑی جو بھس بھس کی رہی ہوئی پر تھی بڑے کٹھن جسم کی۔ وہ ادھر ادھر سب دوکانوں پر نظر ڈالتی آگے بڑھتی آ رہی تھی۔ احمد علی بولا—بھائی لوک من! اس کی آنکھیں پٹی چھائی ہوں۔

لوک من بولا—آنکھیں کیا ہوں نہ ہو کی پھانکھیں ہوں۔

اسکی ناک تو دیکھو کھسی سو ڈول ہے۔ اور دیکھو اس نے اپنی چوٹی کھسی کس کر باندھ رکھی ہے۔

دیکھو! اب وہ پاس آ گئی! ہماری باتوں سن لے گئی۔ لڑکے کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری نظر خراب ہے تو پھر وہ دوکان پر بھی نہیں پھٹکے گا۔

ہاں! بات تو تم ٹھیک کہتے ہو پر کیا کریں! اسکی شکل ہی ایسی ہے کہ بات کئے بغیر دکان نہ جائے۔

وہ عورت دونوں طرف نگاہ ڈالتی ہوئی نکل گئی۔ کسی دکان پر سونے کے لئے نہ تھی۔ اب احمد علی اور لوک من دکان پر تھکا مار کر جلسے اور بولے۔

آسامی سے ملتا تھا۔ وہی۔ گاؤں کو لے کر بھی کبھی کبھی ملتا تھا۔ لوگوں میں خوب دھم تھا۔ جیالیس برس کی جیالیس کا دن لوگوں پر بہت ہی کم گذر ہوا تھا جو سن ستاروں سے پہلے کی اولاد تھے اور جنہوں نے اپنا راج اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ ایسے لوگ ذرا ہی رہے۔ عورتی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ہندو مسلمانوں میں مل کر رہتے تھے۔ ایک پتہ کرنے والے ہندو مسلمان تو ایسے مل کر رہتے تھے مانو مان جاتے بھائی ہوں۔ ہر ایک دوسرے کے خاتمے ہر وقت خون پسینہ بہانے کے لئے تیار رہتا تھا۔ گاؤں اور شہروں کی بساتوں میں ہندو مسلمانوں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ براہمن اور مسلمان ایک ہی مکان میں رہ لیتے تھے۔ کبھی کوئی دانت نہ ہوتی تھی۔

پتہ لگی ہوئی تھی۔ اترولی لکھنے کے انوارہ مسئلے کے دو بچے پاس پاس بیٹھے ہاتھ کر رہے تھے۔ ایک کا نام تھا احمد علی اور دوسرے کا نام تھا لوک من۔ لوک من کی عمر 37 کی رہی ہوگی اور احمد علی تیس بچوں کا تھا۔ احمد علی کہہ رہا تھا۔

بھائی لوک من، آج پتہ کا رنگ ڈھلا رہتا معلوم ہوتا ہے۔

لوک من بولا—پتہ کا پورا رنگ تین بجے کے بعد جمنے گا، ابھی تو ایک ہی بچا ہے۔

ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوتا تھا!

آج کل کے بچوں کی کٹائی ہو رہی ہے کٹائی، گاؤں تین بجے سے آنے شروع ہونگے۔ پانچ بجے اس پتہ میں اتنی بھڑک ہوگی کہ مہا احمد علی تم سے لڑنے کے لئے سنبھالے۔

اتنے میں احمد علی کی نظر ایک عورت پر پڑی جو بھس بھس کی رہی ہوئی پر تھی بڑے کٹھن جسم کی۔ وہ ادھر ادھر سب دوکانوں پر نظر ڈالتی آگے بڑھتی آ رہی تھی۔ احمد علی بولا—بھائی لوک من! اس کی آنکھیں پٹی چھائی ہوں۔

لوک من بولا—آنکھیں کیا ہوں نہ ہو کی پھانکھیں ہوں۔

اسکی ناک تو دیکھو کھسی سو ڈول ہے۔ اور دیکھو اس نے اپنی چوٹی کھسی کس کر باندھ رکھی ہے۔

دیکھو! اب وہ پاس آ گئی! ہماری باتوں سن لے گئی۔ لڑکے کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری نظر خراب ہے تو پھر وہ دوکان پر بھی نہیں پھٹکے گا۔

ہاں! بات تو تم ٹھیک کہتے ہو پر کیا کریں! اسکی شکل ہی ایسی ہے کہ بات کئے بغیر دکان نہ جائے۔

وہ عورت دونوں طرف نگاہ ڈالتی ہوئی نکل گئی۔ کسی دکان پر سونے کے لئے نہ تھی۔ اب احمد علی اور لوک من دکان پر تھکا مار کر جلسے اور بولے۔

وہ بھی کیا تھے !

اٹھارہویں صدی ختم ہونے میں کچھ ہفتے باقی تھے۔ انگریزی راج کو جسے ہالینڈس برس کہتے تھے وہ بھی ناروے کی دیپاسٹائی کو چھوڑ کر ساری چھوڑیں گاؤں کی پہلے میں دیشی ہی ہوتی تھیں۔ بوہٹی کھولنے اور دھڑ لے کر آتے تھے۔ لوہار چائو، کھلچے، آستری، کھڑوٹے اور اسی طرح گھر کی دوسری ضروری چیزیں بچھتے نظر آتے تھے۔ ہاتھ کے بلے کاغذ بھی مل سکتے تھے۔ کھار مٹی کے کھلوے لاتے تھے۔ لکھوے لاکھ کی چوڑیاں بچھتے ملتے تھے۔ انہوں نے پاس بچوں کے کھیلنے کے لئے لاکھ کی کھلندیں ملتی تھیں، جو پوسے میں چار تک مل جاتی تھیں۔ انہوں نے گوہر کی بلی ہوتی تھیں اور ان پر لاکھ چڑھی دھکی تھی۔ آج کی دہر کی کھلند سے بھی زیادہ ہلکی ہوتی تھیں۔ کاغذ کے بلے ہوتے بھی طرح طرح کے کھلوے مل جاتے تھے۔ ہلکے والے ہلکے بچھتے تھے۔ کھچڑیاں سر کی کے چھون چھلنے اور قبولی ہلا کر بچھتی تھیں، جن کے دامن دو کڑی ہوتے تھے۔ یعنی ایک پوسے میں چالہس۔ دیشی دھکر، کو اور پرچونی کی اور چھوڑیں سبھی پہلے میں مل جاتی تھیں۔ ہانڈیوں میں کھی دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ روانہ کھی جب آدمی آدمی چھٹانگ ہانگی میں چھلنے کو مل جاتا تھا تو لطاف آ جاتا تھا۔ ولایتی کھوا دیکھنے کو بھی نہ تھا۔ ہاتھ کے کتے سوت کو لے کر چھوٹی چھوٹی لوکھیاں اور بڑی بڑھیاں آتی تھیں اور جولاہوں کو وہ سوت بچھ دیتی تھیں۔ جولاہے اپنے ہاتھ کے بلے تھان ان لوگوں کے ہاتھ بچھ دیتے تھے جو ان کو رنگنے اور چھاپ کر طرح طرح کی چھوٹلیوں میں تبدیل کرنے کا کام جانتے تھے۔ ایک خاص طرح کا کھوا ہوتا تھا جس کی زمیں نہلی ہوتی تھی پر بچھ بچھ میں سفید جگہ دھکی تھی اور اس میں چھوٹا سا گلاب کا پھول ہلا دھتا تھا، اس کھوے کا نام سرگل ہوتا تھا۔ یہ پہلے میں تو ہلکے کم آتا تھا، زیادہ تر کابل چلا جاتا تھا۔ اسی پہلے میں تھار کھوے کے بچھنے والے ہواز بھی دھتے تھے جن کے پاس ہر رنگ اور ہر طرز کا کھوا دھتا تھا لال رنگ کے کھوے کو سورج پانہی کہتے تھے۔ اردے رنگ کے باریک باریک ہونٹوں سمیت کھوے کا زری نام دھتا تھا۔ تو شک اور لضاف کے بول بولے دار اہرے بھی مل جاتے تھے۔

پہلے میں عام طور سے لوگوں دلوں کی جگہ پہلے سے ہی لہت دھتی تھی۔ گاؤں کی چھوٹی سی کھٹی ان سے کچھ معمولی کڑاہہ اُھول کر لھتی تھی۔ جگہوں کے لئے کبھی کبھی چھوٹا بھی ہو جاتا تھا پر گاؤں کھٹی اس کو بڑی

اٹھارہویں صدی ختم ہونے میں کچھ ہفتے باقی تھے۔ انگریزی راج کو جسے ہالینڈس برس کہتے تھے وہ بھی ناروے کی دیپاسٹائی کو چھوڑ کر ساری چھوڑیں گاؤں کی پہلے میں دیشی ہی ہوتی تھیں۔ بوہٹی کھولنے اور دھڑ لے کر آتے تھے۔ لوہار چائو، کھلچے، آستری، کھڑوٹے اور اسی طرح گھر کی دوسری ضروری چیزیں بچھتے نظر آتے تھے۔ ہاتھ کے بلے کاغذ بھی مل سکتے تھے۔ کھار مٹی کے کھلوے لاتے تھے۔ لکھوے لاکھ کی چوڑیاں بچھتے ملتے تھے۔ انہوں نے پاس بچوں کے کھیلنے کے لئے لاکھ کی کھلندیں ملتی تھیں، جو پوسے میں چار تک مل جاتی تھیں۔ انہوں نے گوہر کی بلی ہوتی تھیں اور ان پر لاکھ چڑھی دھکی تھی۔ آج کی دہر کی کھلند سے بھی زیادہ ہلکی ہوتی تھیں۔ کاغذ کے بلے ہوتے بھی طرح طرح کے کھلوے مل جاتے تھے۔ ہلکے والے ہلکے بچھتے تھے۔ کھچڑیاں سر کی کے چھون چھلنے اور قبولی ہلا کر بچھتی تھیں، جن کے دامن دو کڑی ہوتے تھے۔ یعنی ایک پوسے میں چالہس۔ دیشی دھکر، کو اور پرچونی کی اور چھوڑیں سبھی پہلے میں مل جاتی تھیں۔ ہانڈیوں میں کھی دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ روانہ کھی جب آدمی آدمی چھٹانگ ہانگی میں چھلنے کو مل جاتا تھا تو لطاف آ جاتا تھا۔ ولایتی کھوا دیکھنے کو بھی نہ تھا۔ ہاتھ کے کتے سوت کو لے کر چھوٹی چھوٹی لوکھیاں اور بڑی بڑھیاں آتی تھیں اور جولاہوں کو وہ سوت بچھ دیتی تھیں۔ جولاہے اپنے ہاتھ کے بلے تھان ان لوگوں کے ہاتھ بچھ دیتے تھے جو ان کو رنگنے اور چھاپ کر طرح طرح کی چھوٹلیوں میں تبدیل کرنے کا کام جانتے تھے۔ ایک خاص طرح کا کھوا ہوتا تھا جس کی زمیں نہلی ہوتی تھی پر بچھ بچھ میں سفید جگہ دھکی تھی اور اس میں چھوٹا سا گلاب کا پھول ہلا دھتا تھا، اس کھوے کا نام سرگل ہوتا تھا۔ یہ پہلے میں تو ہلکے کم آتا تھا، زیادہ تر کابل چلا جاتا تھا۔ اسی پہلے میں تھار کھوے کے بچھنے والے ہواز بھی دھتے تھے جن کے پاس ہر رنگ اور ہر طرز کا کھوا دھتا تھا لال رنگ کے کھوے کو سورج پانہی کہتے تھے۔ اردے رنگ کے باریک باریک ہونٹوں سمیت کھوے کا زری نام دھتا تھا۔ تو شک اور لضاف کے بول بولے دار اہرے بھی مل جاتے تھے۔

شرعی مان، یہ بھارت مانا کا ملحد ہے؛ قبلت، یہ آپ کی خالا کا گھر نہیں ہے۔ یہاں پرساد سب کو برابر ملتا ہے؛ یہاں آپ یہ نہیں ہونے دیا جائے گا کہ آپ ہر روز عید منائیں اور ہر رات شب بھارت اور باقی بچے لوگ دن کو روزہ اور رات کو فاقہ کریں۔ کہا آپ نے گاندھی کو یہ کہی کہتے نہیں سنا کہ ”جو چھوڑ کروڑوں کی نہیں ہو سکتی وہ مجھے مایہ نہیں ہے۔ اھنسا اگر کروڑوں کی نہیں ہو سکتی تو وہ مہرے لئے کوڑی کام کی نہیں۔“ لہذا آپ کی یہ عہدیں اور شب بھارتیں اگر ہم کروڑوں کی نہیں ہو سکتیں تو حضور پروردگار کے لئے بھی حرام ہونی چاہئیں۔

آپ کو پانچ سال، سات سال اودھی دی جا رہی ہے۔ اور وقت چاہئے اور لے لوئے، مگر بتا دیجئے کل کتنا وقت لہنکے۔ تب تک یقین مائے، ہم اہلسا کی قسم کھائے کہوے رہیں گے۔ مگر گستاخی معاف، آپ نے رامائن تو پڑھی ہوگی۔ جب رام کے انگد کی بات راون نے نہیں مانی تھی تو کیا ہوا تھا؟ اور مہا بھارت تو آپ نے ضرور پڑھی ہوگی۔ پڑھی کیا، پڑھائی ہوگی۔ جب پانڈوں کے کرشن کی ششٹائی کی قاریوں نے آپکشا کر دی، تھی تو آپ کے خاندان والوں کی کیا حالت ہوئی تھی۔ ہمارے خاطر نہ ہو تو اپنی مہلت کے دوران میں اچھے ان اوتاروں کی لولاؤں کے حشر کو یاد رکھئے گا۔

فدرا اور سنگمے . بھارت کے پلیمت ودھان مہن آرٹھک
صانعا کی کھوشا کر دی گئی ه اور مہن ہرلا اور بھکاری
قالہا اور مظلومہاں ، قاتا اور پرکاٹا کی آرٹھک اسانعا
دیکھ رھا هیں . جلتا جماردن ، در در نارائیں ، اب اپنے
چھہر سائر والی شہش شہا پر لکشمی ولس کے لئے آتر
هو رہے مہن . کلہانت هوا چامتا هے .

”..... جو دھرم شدہ اُرتھ کا وردھی ہے
وہ دھرم نہیں ہے ۔ جو دھرم راج نہمتی کا وردھی
ہے وہ دھرم نہیں ہے ۔ دھرم کے ہلکا اُرتھ بے معنی
ہے ۔ دھرم کے ہلکا راج ستا شیطانی ہے ۔ اُرتھ وغیرہ
سے الگ دھرم نام کی کوئی چیز نہیں.....“

سمپاتما گندهی

جب تک شہر ہے تب تک کام سے لڑتی کہاں؟ آپکو سب کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے گا، لیکن اگر شہر سے کام لیتا ہوں تو یہ ضرور سونے لگے گا۔ کھولی پر اپنا ہونے پر بھی شہر دھلے تک سن، وچن، کاپا کی کپڑا نہیں ہوتی ہی دھتی میں۔

اس خاک کی خوراک جسم کو سہا میں دیتا کیوں نہ ڈالا جائے؟ چاکر کا جگہ سے خا کر مٹنے سے تو اسکا کام میں آتے آتے ایک چمچماتی زندگی بسر کرتے ہوئے فنا ہو جانا اچھا!

سنااس کا مطلب نکمیاپن مان کر ہم گولام بنے، دھڑوں کے شاسن تلے کھلے جاتے رہے۔ اگر اب بھی ہم نے سنااس کا مطلب 'لوگ سنگراہاتہ بے فرض بے لوث سہا کرنے والا' نہ کیا تو گولامی کفر دھار دہانے والی ہے۔ جانیوں، تپسویوں، سیدوں، جیونمکتوں، بھارتوں اور خدائوں نے اگر حکومت کی ہاگ ہاتھ میں نہ لی تو وہ دیکھی آتائوں اور دیکھی لکڑوں کے ہاتھ میں چلا جانے والا ہے یا تو سچن آئے آکر سماج کی ہاگ دھار پری ترا نائے سادھو نام (بھگوان کو بچانے کے لیے) ہاتھ میں لے لے، اور درجوں کو دناشا پانچ دھکڑوں (برائی کو ناس کرنے کے لیے) دہا کر دھکڑا دنا راجن سچوں پر داون راج چلائے دھکڑے۔ کلہک میں سنگھ شکتی کا مہاتم گیا گیا ہے۔ پر آج ملکیت لوگ ہی سنگھت ہے، ادبیت لوگ وکھت۔ چلانچہ جو لوگ کسی مہیشی خانے کے بھی لائق نہیں، آج اندروں کے سے بھوک بھوک دھ ہیں، اور جو راج دشی ہونے لائق ہیں وہ اوتہ پشاجوں کے اصطبل کے گھوڑوں کی لہا آٹھالے کی قبوتی پر نعلات ہیں۔

انے گنے لوگ گھان کو بہت ہاریک کاتنے کی حسین دھتتا کرتے دھ اور دنیا کو اٹل بنا کر ان پر حکومت چلاتے دھ۔ مگر وہ کاتھ کی ملکیتا چوہ چکی ہے۔ تصور جاناں میں ہفتہ دھلے والوں کی فرصت کے رات دن چلے گئے۔ اب دیہات کا دھقان اور شہر کا ڈاکٹر جاگ گیا ہے۔ وہ ایسے دام بان سوال کرنے لگا ہے جن کے سامنے سونے کے مایاوی ہرن اپنی چوکیاں بھولنے لگے ہیں۔ یہ بلدرن اور دھتھوں کی سہا اب سونے کی لکڑوں کو لوت ہی لہٹے والی ہے۔ اب ان چوہانہوں (یا چتر بھتوں؟) کو کون سمجھائے کہ فلن ایشد کار کہا گیا ہے کہ دوسرے کی دولت کو گدھ درشتی سے مت دیکھ؟ توہتا میں دام کی ہانر سہا کے بلدرن کو یہ ایشد کار اپنی ابریمت اگتی کا ایشد دکھانا ہی رہ گیا، پر لکا لکلی ہی سولت گئی۔

جب تک شہر ہے تب تک کارہ سے چھٹی کہاں؟ آپ کو سب کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے گا، لیکن اگر شہر سے کام لیتا ہوں تو یہ ضرور سونے لگے گا۔ کھولی پر اپنا ہونے پر بھی شہر دھلے تک سن، وچن، کاپا کی کپڑا نہیں ہوتی ہی دھتی میں۔

اس خاک کی خوراک جسم کو سہا میں دیتا کیوں نہ ڈالا جائے؟ چاکر کا جگہ سے خا کر مٹنے سے تو اسکا کام میں آتے آتے ایک چمچماتی زندگی بسر کرتے ہوئے فنا ہو جانا اچھا!

سنااس کا مطلب نکمیاپن مان کر ہم گولام بنے، دھڑوں کے شاسن تلے کھلے جاتے رہے۔ اگر اب بھی ہم نے سنااس کا مطلب 'لوگ سنگراہاتہ بے فرض بے لوث سہا کرنے والا' نہ کیا تو گولامی کفر دھار دہانے والی ہے۔ جانیوں، تپسویوں، سیدوں، جیونمکتوں، بھارتوں اور خدائوں نے اگر حکومت کی ہاگ ہاتھ میں نہ لی تو وہ دیکھی آتائوں اور دیکھی لکڑوں کے ہاتھ میں چلا جانے والا ہے یا تو سچن آئے آکر سماج کی ہاگ دھار پری ترا نائے سادھو نام (بھگوان کو بچانے کے لیے) ہاتھ میں لے لے، اور درجوں کو دناشا پانچ دھکڑوں (برائی کو ناس کرنے کے لیے) دہا کر دھکڑا دنا راجن سچوں پر داون راج چلائے دھکڑے۔ کلہک میں سنگھ شکتی کا مہاتم گیا گیا ہے۔ پر آج ملکیت لوگ ہی سنگھت ہے، ادبیت لوگ وکھت۔ چلانچہ جو لوگ کسی مہیشی خانے کے بھی لائق نہیں، آج اندروں کے سے بھوک بھوک دھ ہیں، اور جو راج دشی ہونے لائق ہیں وہ اوتہ پشاجوں کے اصطبل کے گھوڑوں کی لہا آٹھالے کی قبوتی پر نعلات ہیں۔

انے گنے لوگ گھان کو بہت ہاریک کاتنے کی حسین دھتتا کرتے دھ اور دنیا کو اٹل بنا کر ان پر حکومت چلاتے دھ۔ مگر وہ کاتھ کی ملکیتا چوہ چکی ہے۔ تصور جاناں میں ہفتہ دھلے والوں کی فرصت کے رات دن چلے گئے۔ اب دیہات کا دھقان اور شہر کا ڈاکٹر جاگ گیا ہے۔ وہ ایسے دام بان سوال کرنے لگا ہے جن کے سامنے سونے کے مایاوی ہرن اپنی چوکیاں بھولنے لگے ہیں۔ یہ بلدرن اور دھتھوں کی سہا اب سونے کی لکڑوں کو لوت ہی لہٹے والی ہے۔ اب ان چوہانہوں (یا چتر بھتوں؟) کو کون سمجھائے کہ فلن ایشد کار کہا گیا ہے کہ دوسرے کی دولت کو گدھ درشتی سے مت دیکھ؟ توہتا میں دام کی ہانر سہا کے بلدرن کو یہ ایشد کار اپنی ابریمت اگتی کا ایشد دکھانا ہی رہ گیا، پر لکا لکلی ہی سولت گئی۔

آج سماج کے گرو گھتتاں خود تو کتوں کا دھ ہیں اور دھتھ کے گروڑوں بھوکے لگے چلنداریوں کو لکڑی کھانے کو کہہ دھ ہیں۔

آج سماج کے گرو پڈال لڑ تو ککڑی سنا رہے ہیں، بھر دھ کے ککڑی بھولے گئے، چلے پینڈاریوں کو لکڑی کھانے کو کہہ رہے ہیں۔

इस तरह 14 करोड़ की आबादी चार सुबों में बंटे तो इक्खन की राजकाजी सत्ता भाशाबार होगी, वह खुद पूरी और काफ़ी बलवान भी होगी. हां, इन दो भाशा बोलने वाले सुबों का संगठन व शासन कैसे हो, इस पर गोर करना जरूरी है.

اس طرح 14 کروڑ کی آبادی چار صوبوں میں بٹے تو دکن کی راج گاجی سکا بہاؤوار ہوگی، وہ خود پوری اور کافی بدوان بھی ہوگی. ہاں، ان دو پہاڑا بولنے والے صوبوں کا سنگتھن و شاسن کیسا ہو، اس پر غور کرنا ضروری ہے.

वेदान्त कल्पान्त

(नारायण प्रसाद जैन)

वेदान्त नहीं कहता कि दुनिया छोड़ दो. वेदान्त 'नहीं' कहता कि अपने रोज-व-रोज के जरूरी काम न करो. वेदान्त सिर्फ लगाव, वृष्णा, राग द्वेष, आसना वासना, इच्छा कामना, वगैरा मन के दोशों को छोड़ने के लिये कहता है.

वेदान्त कहता है, 'यह सब पसारा ब्रह्म है' 'अपनी आत्मा ही ब्रह्म है', 'ब्रह्म आनन्द स्वरूप है' यानी यह सब कुछ राम ही राम है, मैं ही मैं हूँ. आनन्द ही आनन्द है. अगर यह राम, मैं या आनन्द कुछ भी न करे तो जड़ हो जाय. इसलिये यह रामलीला, मेरा खेल या आनन्द की मस्ती, या रासलीला हमेशा से चलती आ रही है और हमेशा चलती रहेगी. इस रासलीला से मुक्ति नहीं है. आपको दुख से मुक्ति मिल सकती है, आनन्द से मुक्ति नहीं मिल सकती, आनन्द कोई शिलाखंड नहीं कि किसी उजाड़ खंड में मुर्दे की तरह पड़ा रहे! कोई बालक बुत बना बैठा रहे तो घर वाले घबरा जाय और किसी डाक्टर को दिखलाने दौड़ें! कोई खिलाड़ी खेले नहीं तो वह खिलाड़ी कैसा? कोई नाचने वाली नाचे नहीं तो क्या शोभा दे?

'सत् का सार चित् (हलन चलन) है और चित् का सार आनन्द है.' आनन्द को चिद् रूप होना ही चाहिये. ईश्वर निश्किय (निकम्मा) (Static) नहीं, क्रियाशील (Dynamic) है. साइन्स का कहना है, हर चीज़ घूम रही है. बदलाव ही एक नियम है, जो कभी नहीं बदलता. यों हमेशा इन्कलाब फिन्दा रहता है!

वेदान्त हमें काम में जुटाता है. बे-नारख बे-लौस काम का बढ़िया आनन्द ईश्वर का ऐश्वर्य है, सौन्दर्य है यानी खुदा की खुदाई और शान है!

आप जीवन सुख, अरिहन्त, भी क्यों न हो गए हों,

वेदान्त क्लिप्त

(नारायण प्रसाद जैन)

वेदान्त नहीं कहता कि दुनिया छोड़ दो. वेदान्त 'नहीं' कहता कि अपने रोज-व-रोज के जरूरी काम न करो. वेदान्त सिर्फ लगाव, वृष्णा, राग द्वेष, आसना वासना, इच्छा कामना, वगैरा मन के दोशों को छोड़ने के लिये कहता है.

वेदान्त कहता है, 'यह सब पसारा ब्रह्म है' 'अपनी आत्मा ही ब्रह्म है', 'ब्रह्म आनन्द स्वरूप है' यानी यह सब कुछ राम ही राम है, मैं ही मैं हूँ. आनन्द ही आनन्द है. अगर यह राम, मैं या आनन्द कुछ भी न करे तो जड़ हो जाय. इसलिये यह रामलीला, मेरा खेल या आनन्द की मस्ती, या रासलीला हमेशा से चलती आ रही है और हमेशा चलती रहेगी. इस रासलीला से मुक्ति नहीं है. आपको दुख से मुक्ति मिल सकती है, आनन्द से मुक्ति नहीं मिल सकती, आनन्द कोई शिलाखंड नहीं कि किसी उजाड़ खंड में मुर्दे की तरह पड़ा रहे! कोई बालक बुत बना बैठा रहे तो घर वाले घबरा जाय और किसी डाक्टर को दिखलाने दौड़ें! कोई खिलाड़ी खेले नहीं तो वह खिलाड़ी कैसा? कोई नाचने वाली नाचे नहीं तो क्या शोभा दे?

'सत् का सार चित् (हलन चलन) है और चित् का सार आनन्द है.' आनन्द को चिद् रूप होना ही चाहिये. ईश्वर निश्किय (निकम्मा) (Static) नहीं, क्रियाशील (Dynamic) है. साइन्स का कहना है, हर चीज़ घूम रही है. बदलाव ही एक नियम है, जो कभी नहीं बदलता. यों हमेशा इन्कलाब फिन्दा रहता है!

वेदान्त हमें काम में जुटाता है. बे-नारख बे-लौस काम का बढ़िया आनन्द ईश्वर का ऐश्वर्य है, सौन्दर्य है यानी खुदा की खुदाई और शान है!

आप जीवन सुख, अरिहन्त, भी क्यों न हो गए हों,

सीखना किसी मेम्बर के लिये आसान हो सकता है, लेकिन तीन तीन भाषाओं का सीखना और उसमें बोलना मुश्किल ही नहीं, बल्कि नामुमकिन ही होगा. इसके बजाय अगर मद्रास राज की विधान सभा में तमिल और तेलुगु भाषा भाशी ही रहें तो एक दूसरे की भाषा सीखने में उनको अधिक समय नहीं लगता. तमिल और तेलुगु दोनों की तादाद पांच करोड़ के लगभग है और बाक़ी की 70 लाख. कन्नड़ और मलयालम के दोनों छोटे दुकड़े कन्नड़ और केरल प्रान्त में मिल जायं, असानी से चार भाषाओं के बजाय दो ही भाषाएं हों तो काम कितना आसान हो जायगा ! इस पर जरूर सोचा जाना चाहिये.

अगर हमारे सारे शासन के काम विकेंद्रित हों और लोक सभा में सिर्फ अलग अलग महत्व की बातों पर नीति का ही फैसला हो तो यह काम और आसान हो जायगा। यही बात हैदराबाद और बम्बई के लिये भी लागू हो सकती है। इससे अलग अलग भाषा भाषियों को पड़ोसी भाषाओं के लिये आदर दिखाने और उसको सीखने का भी मौका मिलेगा आखिर तमिल और तेलुगु में कितना फरक है, कन्नड़ और मराठी में कौन बड़ा फरक है, मलयालम और तमिल में खास फरक कहाँ है, यह सब सिर्फ नज़रिये और भावना की बात है। भाषा के ज़रिये सेवा ही हमें करना ही तो एक से ज़ियादा भाषा सीखने में नुकसान नहीं, फायदा है।

इसी तरह सारे बम्बई राज का भी इन्तजाम हो सकता है। कई रियासतों की साढ़े तीन करोड़ आबादी में इस समय लगभग 50 लाख कन्नड़ भाषा भाशी हैं। कन्नड़ भाषा भाशी टुकड़ा करनाटक में मिल जाय तो कुल 3 करोड़ की आबादी रह जाती है जो मराठी और गुजराती भाषा भाशी हैं। मराठी और गुजराती भाषाएं सदियों से सगी बहनों की तरह रही हैं। दोनों भाषा भाशी एक दूसरे सूबे में लाखों की तादाद में पाए जाते हैं। खास कर मराठी भाषा भाशी गुजरात में काफी तादाद में हैं, जैसे कि तेलुगु भाषा भाशी तमिल सूबे में हैं। विकेन्द्रित ढंग पर आज का बम्बई दो भाषाओं का सूबा बनाया जाय तो बहुत ही फायदा हो सकता है। किसी न किसी वक्त्र हैदराबाद को तो विकेन्द्रित होना ही पड़ेगा। बम्बई और मदरास अपनी अपनी राजधानी बनाकर दो भाशी सूबे हो जायेंगे तो सिर्फ सवाल करनाटक और केरल का रह जाता है। वह दोनों सूबे ब्रियादातर समुन्दर के किनारे और साथ ही मिले हुए हैं। वह ऊपर लिखी कार्रवाई से अपने आप सूबे बन जाते हैं, बंगलौर और तिरुवनन्तपुरम खुद काफी बड़े केन्द्र हैं। इन दोनों शहरों को राजधानी बना कर यह दोनों सूबे अपनी अपनी हकूमत का काम बखूबी चला सकते हैं।

سیکھتا کسی مسمر کے لئے آسان ہو سکتا ہے۔ لیکن تین تین
بہاشاؤں کا سیکھنا اور اُس میں بولنا مشکل ہی نہیں، بلکہ
ناممکن ہی ہوگا۔ اِس کے بجائے اگر مدراس راج کی ودھان سبھا
میں نمل اور تھلکو بہاشا ہی رہیں تو ایک دوسرے
کی بہاشا سیکھنے میں اُن کو آدھک سے نہیں لگنا۔
نمل اور تھلکو دونوں کی تعداد پانچ کروڑ کے لگ بھگ
ہے اور باقی کی 70 لاکھ۔ کھنڈو اور ملہالم کے دونوں
چھوٹے تھوڑے کھنڈو اور کھول پروانت میں مل جائیں، آسانی
سے چار بہاشاؤں کے بجائے دو ہی بہاشا اُنہیں ہوں تو کام
کتنا آسان ہو جائے گا! اِس پر ضرور سوچا جانا
چاہئے۔

اگر ہمارے سارے شاسن کے کام رکھندرت ہوں اور لوگ سبھا میں صرف الگ الگ مہتمو کی باتوں پر نہتی کا ہی فیصلہ ہو تو یہ کام اور آسان ہو جائے گا۔ یہی بات حیدرآباد اور بمبئی کے لئے بھی لاگو ہو سکتی ہے۔ اس سے الگ الگ بہاشا بہاشیوں کو پوروسی بہاشاؤں کے لئے آدر دیکھانے اور اسکو سیکھانے کا بھی موقع ملے گا۔ آخر تمل اور تھلگو میں کتنا فرق ہے، کٹلو اور مراٹھی میں کون بوا فرق ہے، ملہالم اور تمل میں خاص فرق کہاں ہے، یہ سب صرف نظر دینے اور بہاؤا کی بات ہے۔ بہاشا کے ذریعہ سہوا ہی ہمیں کرنا ہو تو ایک سے زیادہ بہاشا سیکھنے میں نقصان نہیں، فائدہ ہے۔

اسی طرح سارے بمبئی راج کا بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ کئی ریاستوں کی سارے تین کروڑ آبادی میں اُس سے لگ بھگ 50 لاکھ کلندو بھاشا بھاشی ہیں۔ کلندو بھاشا بھاشی تکرنا کرناک میں مل جائے تو کل تین کروڑ کی آبادی رہ جاتی ہے جو مراٹھی اور گجراتی بھاشا بھاشی ہیں۔ مراٹھی اور گجراتی بھاشا بھاشی صدیوں سے سبھی بھاشوں کی طرح رہیں۔ دونوں بھاشا بھاشی ایک دوسرے صوبے میں لاکھوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ خاص کر مراٹھی بھاشا بھاشی گجرات میں کافی تعداد میں ہیں، جس سے کہ تھلکو بھاشا بھاشی نل صوبے میں ہیں۔ وکیلندرت تھلگ پر آج بمبئی دو بھاشاؤں کا صوبہ بنایا جائے تو بہت ہی فائدہ ہو سکتا ہے۔ کسی نہ کسی وقت حیدرآباد کو تو وکیلندرت ہونا ہی پڑے گا۔ بمبئی اور مدراس اپنی اپنی واجدہانوں بنا کر دو بھاشی صوبے ہو جائیں گے تو صرف سوال کرناک، اور کھول کا رہ جاتا ہے۔ وہ دونوں صوبے زیادہ تر سبلدر کے کنارے اور ساتھ ہی ملے ہوئے ہیں۔ وہ اوپر لکھی کارروائی سے اپنے آپ صوبے بن جاتے ہیں، بلکلور اور ترووننت پرمخود کافی کیلندر ہیں۔ ان دونوں شہروں کو راج دھانی بنا کر یہ دونوں صوبے اپنی اپنی حکومت کا کام بخوبی چل سکتے ہیں۔

ایک دوسرا اصول یہ بھی ہے کہ اپنے دیہی کے شاسن چھوڑ کر . وکھنڈری کرن ہو . یہ وکھنڈری کرن ہمارے آرٹھک، نہتھک اور کھنڈری سنگھٹن کے لئے ضروری ہے . اس سے ہمارا شاسن چھوڑ کر ہی وکھنڈرت نہیں ہوگا، بلکہ ہمارا راج گچی چھوڑ کر اور ساتھ ہی آرٹھک چھوڑ کر ہی وکھنڈرت ہوگا . اس وکھنڈری کرن سے ہماری شکتی بڑھسگی . ہماری لوک شاہی زیادہ سہل ہوگی . اس اصول سے ہونے والا دوش تبھی دور ہو سکتا ہے کہ ہمارا ہر ایک پرائنٹ اپنی بھاشا کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بھاشا کو ضرور سیکھنے اور کام میں لانے کا بھی بندوبست کرے . جو ہندی بھاشا بھاشی پرائنٹ ہیں وہاں پر سبھی بڑھے لکھے لوگوں کو ایک صوبائی بھاشا کا سیکھنا ضروری بنا دیا جائے . جو بغیر ہندی بھاشا بھاشی ہیں، انہیں ایک پورسی بھاشا کو سیکھنا بہت ضروری ماننا چاہئے . وکھنڈری کرن کی پوجنا میں ہمارا کوئی صوبہ ایسا ہی نہیں ہونا چاہئے جس سے آرٹھک نظر سے ہی نہیں بلکہ بھاشاوار سنگھٹن کی نظر سے بھی اپنا کام چلانے کے لئے اسمرتہ نہ ہو جائے .

اس سے ہماری کچھ ایسی ریاستوں میں جو رقبہ کی نظر سے ضرورت سے زیادہ بڑی ہیں . جب ایسی ریاستوں میں ایک سے زیادہ بھاشائیں بولی جاتی ہیں تو نہتھرتو کی دیکھدھت بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ مدراس، بمبئی اور حیدرآباد میں اس وقت ہے . مدراس میں چار، بمبئی میں تین، حیدرآباد میں تین بھاشوں کا چھوڑ ہے . اس کے لئے الگ الگ کانگریس کمیٹیاں بھی ہیں اور دوسرے راج گچی دلوں کے سنگھٹن بھی بھاشاوار ہی بنے ہوئے ہیں . جب کہ سارے حکومت کے کام کے لئے ایک ہی کو نہتھرتو حاصل ہے تب دوسری بھاشوں کے دلوں کے تھنڈوں میں اس کے لئے ہور چلتی ہے . تعداد کی زیادتی سے ہی اسکا طہ توڑ ہوتا ہے . اس ہور کا فقط کارن یہی ہے کہ ہماری راج گچی سنا ہی نہیں، بلکہ ہماری ساری آرٹھک سنا اور شاسن بھی اس سے حد سے زیادہ کھنڈرت ہے . اسکا وکھنڈرت ہونا بہت ضروری ہے . وکھنڈری کرن سے ہی ایسی پرستھتی پیدا ہوگی جس سے نہتھرتو تعداد کے ذریعہ حاصل کرنے کی ہور کم ہو سکتی ہے .

ہماری ساری طائمت جہاں تک راجوں کا سوال ہے ودھان سبھاؤں میں نہت ہے . ان ودھان سبھاؤں میں الگ الگ بھاشا کے ممبر اپنے اپنے پردیش سے چن کر آجاتے ہیں . مثلاً کے لئے مدراس کی ودھان سبھا کو لیا جائے . اس میں 375 ممبر ہیں—140 آندھر بھاشا بھاشی، 190 تمل بھاشا بھاشی، 30 ممبر ملالیا بھاشا بھاشی، 15 ممبر کڑنڈ بھاشا بھاشی ہیں . جب چاروں پرائنٹوں کے ممبر اپنی اپنی ماٹر بھاشا میں بولنے کے حق پر اور دیکھتے ہیں تو سبھا کا چلنا مشکل ہو جاتا ہے . اپنی بھاشا کے ساتھ ساتھ صرف ایک اور بھاشا

پاگلپن ہے۔ اپنی भाषा کے آستانے پر دہائی کے لیے دوسری भाषा پر دوش لگانے کی عادت بھی دیکھنے کے لیے نقصان پہنچانے والی ہے۔ لیکن کیا کہا جائے؟ ایک ایک ریاست کے لیے چار چار भाषाؤں میں حکومت کا کام چلانا بھی تو مشکل ہے۔ دیکھو ہر کے لوگوں کی ایک عام भाषا جب تک نہ ہو تب تک اس مسئلے کو درگزر دیکھنا بھی نقصان دہ ہے۔ اس لئے کوئی انتظام کرنا بہت ضروری ہے۔ اصل میں ہماری ان دقتوں کے مول میں ہی بہت بڑی اوجھل سنا حاصل کرنے کی جلد بازی ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن ریاستوں میں भाषا کی ایکیتا ہے، وہ وکاس کی راہ پر آگے بڑھ رہی ہیں۔ آریسہ کے لوگوں کو اپنا راج ملے سولہ سال ہوئے۔ اس سے اس भाषا کی کتلی ترقی ہوئی اور اس भाषا کا استعمال اس راج کے حکومت کے کاموں میں کہاں تک ہو رہا ہے؟ بلکہ اور آسانی भाषاؤں کے بھی اپنے اپنے راج قائم ہیں۔ ان کو کہاں تک فائدہ پہنچا؟ کہا یہ भाषاؤں دوسری भाषاؤں سے کہیں آگے بڑھی ہیں؟ ہندوستان کی سبھی भाषاؤں کی استھیتی قریب قریب ایک سی ہے۔ آج بھی سب جگہ انگریزی ہی راج کر رہی ہے۔ حکومت کے کام کے لئے ہم اپنی भाषا کا نام لیتے ہیں، لیکن آسانی انگریزی کا ہی استعمال کرتے ہیں ہی ہے۔ भाषادار نئے پرانت بن جانے سے تروت ہی کسی भाषا کو نہا پد مل سکتا ہو سو بات نہیں ہے۔ اس لئے भाषادار پرانت کے پہلے دیکھی भाषاؤں کی ترقی پر وچار کرنا بہت ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ہم دیکھی भाषاؤں کی ترقی پر ایک ساتھ وچار کریں اور انہیں اس لائق بنادیں جس سے کہ وہ انگریزی کا استھان ہی نہیں، بلکہ ہمارے سارے کاموں کو چلانے کے لئے اچھے مادہ ہوں بن سکیں۔

سب سے پہلے اپنے پڑوسی भाषا-भाषियों کے لئے ہرمت کی سب भाषاؤں کے استر کو ایک ہی ماننے کی، ہندوستان کی سبھی भाषاؤں اپنی ہی ہیں، ایسا سمجھنے کی، ملدورتی کا ہر ایک ہمارے اسی میں پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایسی भाषا صرف اپدیش سے یا اچھی اچھا سے ہی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ भाषاؤں کے ساموہک وکس پوجنا کے کام دھام سے ہی بن سکتی ہے۔ یہ صاف ہے کہ الگ الگ भाषا اکائوں سے جتلا فائدہ ہوا، اتنا نہ ہو تو کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوا۔ اسے دور کرنا ہو تو ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر ایک भाषا کی اکائی میں ایسے دو भाषا भाषیوں کو بھی جگہ دیں جس سے کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں کے لئے سدہاونا کو بڑھانے اور دوسروں کی भाषاؤں کے لئے ادھک اور دکھانے کا مولع مل سکے۔

پائل ہیں۔ اپنی भाषا کے واسطے ہریم دہائی کے لئے دوسری भाषا پر دوش لگانے کی عادت بھی دیکھنے کے لیے نقصان پہنچانے والی ہے۔ لیکن کیا کہا جائے؟ ایک ایک ریاست کے لیے چار چار भाषاؤں میں حکومت کا کام چلانا بھی تو مشکل ہے۔ دیکھو ہر کے لوگوں کی ایک عام भाषا جب تک نہ ہو تب تک اس مسئلے کو درگزر دیکھنا بھی نقصان دہ ہے۔ اس لئے کوئی انتظام کرنا بہت ضروری ہے۔ اصل میں ہماری ان دقتوں کے مول میں ہی بہت بڑی اوجھل سنا حاصل کرنے کی جلد بازی ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن ریاستوں میں भाषا کی ایکیتا ہے، وہ وکاس کی راہ پر آگے بڑھ رہی ہیں۔ آریسہ کے لوگوں کو اپنا راج ملے سولہ سال ہوئے۔ اس سے اس भाषا کی کتلی ترقی ہوئی اور اس भाषا کا استعمال اس راج کے حکومت کے کاموں میں کہاں تک ہو رہا ہے؟ بلکہ اور آسانی भाषاؤں کے بھی اپنے اپنے راج قائم ہیں۔ ان کو کہاں تک فائدہ پہنچا؟ کہا یہ भाषاؤں دوسری भाषاؤں سے کہیں آگے بڑھی ہیں؟ ہندوستان کی سبھی भाषاؤں کی استھیتی قریب قریب ایک سی ہے۔ آج بھی سب جگہ انگریزی ہی راج کر رہی ہے۔ حکومت کے کام کے لئے ہم اپنی भाषا کا نام لیتے ہیں، لیکن آسانی انگریزی کا ہی استعمال کرتے ہیں ہی ہے۔ भाषادار نئے پرانت بن جانے سے تروت ہی کسی भाषا کو نہا پد مل سکتا ہو سو بات نہیں ہے۔ اس لئے भाषادار پرانت کے پہلے دیکھی भाषاؤں کی ترقی پر وچار کرنا بہت ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ہم دیکھی भाषاؤں کی ترقی پر ایک ساتھ وچار کریں اور انہیں اس لائق بنادیں جس سے کہ وہ انگریزی کا استھان ہی نہیں، بلکہ ہمارے سارے کاموں کو چلانے کے لئے اچھے مادہ ہوں بن سکیں۔

سب سے پہلے اپنے پڑوسی भाषا-भाषियों کے لئے ہرمت کی سب भाषاؤں کے استر کو ایک ہی ماننے کی، ہندوستان کی سبھی भाषاؤں اپنی ہی ہیں، ایسا سمجھنے کی، ملدورتی کا ہر ایک ہمارے اسی میں پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایسی भाषا صرف اپدیش سے یا اچھی اچھا سے ہی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ भाषاؤں کے ساموہک وکس پوجنا کے کام دھام سے ہی بن سکتی ہے۔ یہ صاف ہے کہ الگ الگ भाषا اکائوں سے جتلا فائدہ ہوا، اتنا نہ ہو تو کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوا۔ اسے دور کرنا ہو تو ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر ایک भाषا کی اکائی میں ایسے دو भाषا भाषیوں کو بھی جگہ دیں جس سے کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں کے لئے سدہاونا کو بڑھانے اور دوسروں کی भाषاؤں کے لئے ادھک اور دکھانے کا مولع مل سکے۔

کہا جاتا ہے کہ भाषادار پرانتوں کے ہمارے کے ہمارے

کہا جاتا ہے کہ भाषادار پرانتوں کے ہمارے کے ہمارے

गुजराती	17
आसामी	14
कश्मीरी	6

17
14
6

इन भाषाओं से यह साफ है कि कोई बड़े बड़े पांच सूबे मिल कर भी हिन्दी के बराबर नहीं हो सकते यह जाहिर है कि पालिमेंट में ही सारी हकूमत की बागडोर है, उसी से सब कानून निकलते हैं और उसी के जरिये सारा शासन चलता है, सभी रियासतों को शक्ति और मदद प्राप्त होती है। इस हालत में भाषावार बंटे हुए भारत में अपनी अपनी भाषा की आत्मीयता के साथ जुदा जुदा रियासतों के प्रतिनिधि हर एक चीज को देखने लगे तो हमारा सारा राजकाजी जीवन बहुत ही कठिन और दुखदाई हो जायगा।

हिन्दुस्तान में दक्खिन भारत ही एक ऐसा प्रदेश है जहां भाषाओं का अधिक से अधिक भगड़ा है। तेलुगु, तमिल, मलयालम, कन्नड़, मराठी भाषा-भाषी प्रान्तों से ही भाषावार रियासतों के बंटवारे की मांग है। अगर भाषावार रियासतें इन भाषा-भाषियों के लिये बन जायें तो इस समय बंबई, मैसूर, तिरुवितांकूर-कोयंब, मदरास, कुर्ग, हैदराबाद और मध्यप्रदेश कुल 7 रियासतों के स्थान पर चार रियासतें हो जायेंगी और एक-एक रियासत की जन संख्या डेढ़ करोड़ और तीन करोड़ के बीच में रहेगी। यह मांग बहुत पुरानी है। इस मांग को ठीक समय कर महात्मा गांधी और कांग्रेस ने भी जल्दी पूरा करने के लिये वादा किया था। लेकिन इस बीच में ही अपनी अपनी सरहदों के और बंबई, मदरास जैसे शहरों के ऊपर अधिकारों के सवाल को लेकर इतने भगड़े उठ खड़े हुए कि इस सवाल को हाथ में लेते ही हमारे देश के नेता डर रहे हैं। इस स्थिति के लिये वह ही लोग जिम्मेदार हैं जो भाषावार रियासतें की मांग करते हैं। इस भगड़े की बुनियाद को दूर करना उतना ही जरूरी है जितना कि भाषावार रियासतें कायम करना। यह काम कौन करे? हमारे बड़े बच्चीर पंडित जवाहरलाल नेहरू पर इस समस्या के हल की जिम्मेदारी डालना तो बहुत ही गौर मुनासिब है।

थोड़ा इस बात पर भी विचार किया जाय कि क्या हमारे लिये यह बहुत जरूरी है कि हम अपने को एक भाषा-भाषी एकाइयों में बांट ही लें? क्या अपने सकल राजकाजी जीवन के लिये और देश के आर्थिक, कलचरी और और औद्योगिक विकास के लिये एक भाषा-भाषी सूबे कायदे मन्व सन्बित होंगे? एक सूबे में दो-तीन भाषा-भाषी निवासियों के होने से क्या भगड़ा बढ़ता ही रहेगा? इस पर भी हमें जरूर सोच लेना चाहिये। हमारा देश बहुभाषा-भाषी है, बहुभाषा-भाषी ही रहेगा। भाषाओं को मिटा कर उसे एक भाषा-भाषी बनाना नामुमकिन ही नहीं,

इन आँकों से यह साफ है कि कौन्सी बड़े बड़े पांच सूबे मिल कर भी हिन्दी के बराबर नहीं हो सकते। यह जाहिर है कि पालिमेंट में ही सारी हकूमत की बागडोर है, उसी से सब कानून निकलते हैं और उसी के जरिये सारा शासन चलता है; सभी रियासतों को शक्ति और मदद प्राप्त होती है। इस हालत में भाषावार बंटे हुए भारत में अपनी अपनी भाषा की आत्मीयता के साथ जुदा जुदा रियासतों के प्रतिनिधि हर एक चीज को देखने लगे तो हमारा सारा राजकाजी जीवन बहुत ही कठिन और दुखदाई हो जायगा।

हिन्दुस्तान में दक्खिन भारत ही एक ऐसा प्रदेश है जहां भाषाओं का अधिक से अधिक भगड़ा है। तेलुगु, तमिल, मलयालम, कन्नड़, मराठी भाषा-भाषी प्रान्तों से ही भाषावार रियासतों के बंटवारे की मांग है। अगर भाषावार रियासतें इन भाषा-भाषियों के लिये बन जायें तो इस समय बंबई, मैसूर, तिरुवितांकूर-कोयंब, मदरास, कुर्ग, हैदराबाद और मध्यप्रदेश कुल 7 रियासतों के स्थान पर चार रियासतें हो जायेंगी और एक-एक रियासत की जन संख्या डेढ़ करोड़ और तीन करोड़ के बीच में रहेगी। यह मांग बहुत पुरानी है। इस मांग को ठीक समय कर महात्मा गांधी और कांग्रेस ने भी जल्दी पूरा करने के लिये वादा किया था। लेकिन इस बीच में ही अपनी अपनी सरहदों के और बंबई, मदरास जैसे शहरों के ऊपर अधिकारों के सवाल को लेकर इतने भगड़े उठ खड़े हुए कि इस सवाल को हाथ में लेते ही हमारे देश के नेता डर रहे हैं। इस स्थिति के लिये वह ही लोग जिम्मेदार हैं जो भाषावार रियासतें की मांग करते हैं। इस भगड़े की बुनियाद को दूर करना उतना ही जरूरी है जितना कि भाषावार रियासतें कायम करना। यह काम कौन करे? हमारे बड़े बच्चीर पंडित जवाहरलाल नेहरू पर इस समस्या के हल की जिम्मेदारी डालना तो बहुत ही गौर मुनासिब है।

थोड़ा इस बात पर भी विचार किया जाय कि क्या हमारे लिये यह बहुत जरूरी है कि हम अपने को एक भाषा-भाषी एकाइयों में बांट ही लें? क्या अपने सकल राजकाजी जीवन के लिये और देश के आर्थिक, कलचरी और और औद्योगिक विकास के लिये एक भाषा-भाषी सूबे कायदे मन्व सन्बित होंगे? एक सूबे में दो-तीन भाषा-भाषी निवासियों के होने से क्या भगड़ा बढ़ता ही रहेगा? इस पर भी हमें जरूर सोच लेना चाहिये। हमारा देश बहुभाषा-भाषी है, बहुभाषा-भाषी ही रहेगा। भाषाओं को मिटा कर उसे एक भाषा-भाषी बनाना नामुमकिन ही नहीं,

کیرل پرائنٹوں میں اپنے پڑوسی پرائنٹوں کے भाषा भाषी काफی तादाद में बसे हुए हैं. हां, वह बिखरे हुए खरूर हैं. जैसे कि, मैसूर में करीब 25 की सदी रौर कमड़ी हैं. किरल में करीब 15 की सदी रौर मलयाली हैं. तमिल में करीब पचास लाख रौर तमिल हैं. आन्ध्र में काफ़ी तादाद में तमिल और कमड़ी हैं. इससे यह जाहिर है कि इसके पहले भाषा का कोई सवाल नहीं था. रोषी के सवाल ने लोगों को दूसरे प्प्रान्तों में बसने को मजबूर किया था. इतिहास की घटनाओं ने भी बाष्पाब्ता भाषावार प्प्रान्तों को बनने नहीं दिया.

प्रजासत्ता में राजसत्ता हासिल करने के लिए जैसा कहा पहले गया है प्रजा सेवकों की इच्छा जैसे जैसे बढ़ती जाती है वैसे वैसे नए मसले भी पैदा होते जाते हैं जिनमें सब से बड़ी और ज़ियादा उलझी हुई समस्या आजकल भाषा की है.

ऊपर के आंकड़ों से मालूम होता है कि ऐसे राज्यों की तादाद जिन्होंने हिन्दी अपनी सूबाई भाषा मान ली है कुल 11 है और उनकी जन संख्या साढ़े पंद्रह करोड़ है. बाक़ी 21 करोड़ लोग 11 भाषाओं और 18 रियासतों के बीच में बटे हुए हैं. इनमें अगर कश्मीर को छोड़ दिया जाय तो आसाम की तादाद सब से छोटी है—करीब एक करोड़ की है, उसके बाद उड़ीसा की है; गुजराती और मलयालम डेढ़ करोड़ से भी कम; उसके बाद बाक़ी भाषाओं की. फ़र्ज़ किया जाय कि हरेक प्रान्त ने अपना काम अपनी अपनी सूबाई भाषा में चलाना शुरू कर दिया, लोगों के बीच में अपनी सूबाई भाषा का अपना-पन इतना बढ़ गया कि वह अपने अपने प्रान्त के लिये ज़ियादा से ज़ियादा सत्ता हासिल करने की कोशिश करने लगे और ऐसा अपना-पन हिन्दी भाषा बोलने वालों में भी उतनी ही मात्रा में आ गया जितना कि दूसरे प्प्रान्तों में है. तब क्या होगा? क्या हिन्दी के सामने दूसरी भाषाएं टिक सकेंगी? इसका साफ़ साफ़ सबूत हमें पाना हो तो पार्लियामेन्ट की ही मिसाल ले सकते हैं. आजकल पार्लियामेन्ट के कुल मेम्बरो की तादाद इस वक़्त कोई 485 है, वह नीचे लिखे अनुसार भाषावार बंटे हुए हैं :—

हिन्दी	...	210
तेलुगु	...	43
मराठी	...	40
तमिल	...	37
बंगला	...	34
कन्नड़	...	26
पंजाबी	...	20
उड़िया	...	20
मलयालम	...	18

कैबल प्प्रान्तों में अपने पड़وسی प्प्रान्तों के भाषा भाषी काफ़ी تعداد में बसे हुये हैं. हां, वह बिखरे हुये खरूर हैं. जैसे कि, मैसूर में करीब 25 फ़ैसदी फ़ेर कन्नड़ी हैं. कैबल में करीब 15 फ़ैसदी फ़ेर मलयाली हैं. तमिल में करीब पचास लाख रौर तमिल हैं. आन्ध्र में काफ़ी तादाद में तमिल और कन्नड़ी हैं. इससे यह जाहिर है कि इसके पहले भाषा का कोई सवाल नहीं था. रोषी के सवाल ने लोगों को दूसरे प्प्रान्तों में बसने को मजबूर किया था. इतिहास की घटनाओं ने भी बाष्पाब्ता भाषावार प्प्रान्तों को बनने नहीं दिया.

प्रजासत्ता में राज सत्ता हासिल करने के लिए जैसा कहा पहले गया है प्रजा सेवकों की इच्छा जैसे जैसे बढ़ती जाती है वैसे वैसे नए मसले भी पैदा होते जाते हैं जिनमें सब से बड़ी और ज़ियादा उलझी हुई समस्या आजकल भाषा की है.

ऊपर के आंकड़ों से मालूम होता है कि ऐसे राज्यों की तादाद जिन्होंने हिन्दी अपनी सूबाई भाषा मान ली है कुल 11 है और उनकी जन संख्या साढ़े पंद्रह करोड़ है. बाक़ी 21 करोड़ लोग 11 भाषाओं और 18 रियासतों के बीच में बटे हुए हैं. इनमें अगर कश्मीर को छोड़ दिया जाय तो आसाम की तादाद सब से छोटी है—करीब एक करोड़ की है, उसके बाद उड़ीसा की है; गुजराती और मलयालम डेढ़ करोड़ से भी कम; उसके बाद बाक़ी भाषाओं की. फ़र्ज़ किया जाय कि हरेक प्रान्त ने अपना काम अपनी अपनी सूबाई भाषा में चलाना शुरू कर दिया, लोगों के बीच में अपनी सूबाई भाषा का अपना-पन इतना बढ़ गया कि वह अपने अपने प्रान्त के लिये ज़ियादा से ज़ियादा सत्ता हासिल करने की कोशिश करने लगे और ऐसा अपना-पन हिन्दी भाषा बोलने वालों में भी उतनी ही मात्रा में आ गया जितना कि दूसरे प्प्रान्तों में है. तब क्या होगा? क्या हिन्दी के सामने दूसरी भाषाएं टिक सकेंगी? इसका साफ़ साफ़ सबूत हमें पाना हो तो पार्लियामेन्ट की ही मिसाल ले सकते हैं. आजकल पार्लियामेन्ट के कुल मेम्बरो की तादाद इस वक़्त कोई 485 है, वह नीचे लिखे अनुसार भाषावार बंटे हुये हैं :—

हिन्दी	...	210
तेलुगु	...	43
मराठी	...	40
तमिल	...	37
बंगला	...	34
कन्नड़	...	26
पंजाबी	...	20
उड़िया	...	20
मलयालम	...	18

राज्य	रकबा (वर्ग मील)	जन संख्या	भाषाएँ
राज्य	(वर्ग मील)	जन संख्या	भाषाएँ
कच्छ	8,461	567,825	गुजराती
जम्मू-कश्मीर	82,258	43,70,000	कश्मीरी
मैसूर	29,458	90,71,678	कन्नड़
हैदराबाद	82,313	1,86,52,964	तेलुगू, मराठी, कन्नड़
तिरुवतांकूर	9,115	92,65,157	तमिल, मलयालम
हिमाचल प्रदेश	10,600	9,89,437	हिन्दी और पंजाबी
पैपसू	10,099	34,68,631	पंजाबी
दिल्ली	574	17,43,992	हिन्दी
अजमेर	2,425	6,92,506	" "
सिक्किम	2,745	1,35,646	" "
कुर्ग	1,593	2,29,255	कन्नड़
बिलासपुर	453	1,27,566	हिन्दी
अंडमान-निकोबार	3,143	30,963	" "
त्रिपुरा	4,049	6,49,930	बंगाली
मनीपुर	8,620	5,79,058	असामी

ऊपर के आंकड़े अगर फिर भाषावार बांटे जायें तो नतीजा करीब करीब इस तरह होगा :—

भाषा	जनसंख्या
हिन्दी	15 करोड़ 50 लाख
तेलुगु	3 " 20 "
मराठी	3 " 0 "
तमिल	2 " 80 "
बंगाली	2 " 56 "
कन्नड़	2 " 0 "
उड़िया	1 " 50 "
पंजाबी	1 " 40 "
गुजराती	1 " 30 "
मलयालम	1 " 40 "
असामी, मणिपुरी	1 " 0 "
कश्मीरी	44 "
	36 10

ऊपर के आंकड़े अगर फिर भाषावार बांटे जायें तो नतीजा नतीजतन इस तरह होगा :—

भाषा	जन संख्या
हिन्दी	15 करोड़ 50 लाख
तेलुगु	3 " 20 "
मराठी	3 " 0 "
तमिल	2 " 80 "
बंगाली	2 " 56 "
कन्नड़	2 " 0 "
उड़िया	1 " 50 "
पंजाबी	1 " 40 "
गुजराती	1 " 30 "
मलयालम	1 " 40 "
असामी, मणिपुरी	1 " 0 "
कश्मीरी	44 "
	10 36

जब भाषावार रियासतें बनेंगी जैसा कि इस वक्त मांग की जा रही है और ऊपर लिखी तादाद के अनुसार रियासतें बनाई जायेंगी तो इसका यह मतलब नहीं कि उन रियासतों में दूसरे भाषा भाषी नहीं रहेंगे. भाषावार प्रान्त जब बनेंगे तो उन दो भाषा बोलने वालों को भी अपनी सूबाई भाषा को ही मानना पड़ेगा और उसी में कारोबार चलाना पड़ेगा—ऐसा एक मत है. दूसरा मत यह है कि हर एक भाषा भाषी को अपनी मातृ भाषा का उपयोग करने का हक भी रहेगा यद्यपि कि उनकी तादाद काफी हो. मिसाल के लिए दक्खिन भारत को ही ले लिया जाय. कन्नड़, तेलुगु, तमिल और

जब भाषावार रियासतें बनेंगी जैसा कि इस वक्त मांग की जा रही है और ऊपर लिखी तादाद के अनुसार रियासतें बनाई जायेंगी तो इसका यह मतलब नहीं कि उन रियासतों में दूसरे भाषा भाषी नहीं रहेंगे. भाषावार प्रान्त जब बनेंगे तो उन दो भाषा बोलने वालों को भी अपनी सूबाई भाषा को ही मानना पड़ेगा और उसी में कारोबार चलाना पड़ेगा—ऐसा एक मत है. दूसरा मत यह है कि हर एक भाषा भाषी को अपनी मातृ भाषा का उपयोग करने का हक भी रहेगा यद्यपि कि उनकी तादाद काफी हो. मिसाल के लिए दक्खिन भारत को ही ले लिया जाय. कन्नड़, तेलुगु, तमिल और

हो सकता है कि चूंकि हमारे राज की आमदनी कम है, इस से दो भाषा बोलने वाली मिली जुली भाषा-भाषी जनता को भी अपने राज के अन्दर मिलाएँ, तो उसकी आमदनी बढ़ सकती है और उस आमदनी के जरिये जनता का भला हो सकता है। इसलिये हमें अपनी-अपनी भाषा का राज क्षेत्र बढ़ाना चाहिये। एक तीसरा कारन यह है कि हम प्रजासत्तन्त्र का मतलब तादाद मानने लग गये हैं। तादाद में हमारा विश्वास बहुत प्रियादा बढ़ता जा रहा है। क्योंकि जब तक प्रियादा तादाद में हमारे आदमी न हों तब तक राजकाजी सत्ता हमें नहीं मिल सकती। लोकशाही की बुनियाद में, जैसा कि पिछले चुनाव में देखा गया कि तादाद का बल क्या है। इस तरह अपनी और अपने हिमायतों की तादाद बढ़ाने की मनोवृत्ति भाषा क्षेत्रों में भी आ गई है। अगर किसी भाषा के बोलनेवाले प्रियादा तादाद में मिलें, तो वह अपने को बलवान मानते हैं। हम चूंकि मानते हैं कि मातृभाषा के प्रति प्रेम स्वाभाविक है इसलिये इसके जरिये अपनी तादाद बढ़ाना चाहते हैं या शायद हमारी भाषा के अगड़े में किसी जगह पर तीनों कारन मौजूद हैं तो किसी जगह पर दो और किसी जगह पर एक। हाँ, तादाद का मोह सब से बलवान है।

हमारा देश इस समय 29 रियासतों में बंटा हुआ है और इन 29 रियासतों में 12 भाषाएँ चालू हैं। कुछ रियासतें ऐसी हैं, जिनमें एक ही भाषा को माना गया है, कुछ में दो और कुछ रियासतों में तीन और कुछ में चार को। भारत की रियासतों का और उनकी भाषाओं का व्योरा यों है :—

राज राज	रकबा (वर्गमील) रकबा (वर्गमील)	जन संख्या जन संख्या	भाषाएँ भाषाएँ
उत्तरप्रदेश अर प्रदेश	1,12,523	6,32,54,118	हिन्दी
बिहार	70,368	4,02,18,916	"
बम्बई	1,15,570	3,59,43,559	मराठी, गुजराती, कन्नड़, तमिल, तेलगू, मलयालम
मद्रास	1,27,768	5,69,52,332	तमिल, तेलगू, कन्नड़, मलयालम
मध्य प्रदेश	1,30,323	2,13,27,898	हिन्दी और मराठी
पंजाब	37,428	126,38,611	पंजाबी
पच्छिमी बंगाल	29,476	2,47,86,683	बंगाली
उड़ीसा	59,869	1,46,44,293	उड़िया
आसाम	54,084	91,29,442	आसामी
राजस्थान	1,28,424	1,52,97,979	हिन्दी
मध्य भारत	46,610	79,41,642	"
हिन्दु प्रदेश	24,600	35,77,431	"
ओरिसा	6,921	8,88,107	"
सौराष्ट्र	21,062	41,36,005	गुजराती

हो सकता है कि चूंकि हमारे राज की आमदनी कम है, इस से दो भाषा बोलने वाली मिली जुली भाषा-भाषी जनता को भी अपने राज के अन्दर मिलाएँ, तो उसकी आमदनी बढ़ सकती है और उस आमदनी के जरिये जनता का भला हो सकता है। इसलिये हमें अपनी-अपनी भाषा का राज क्षेत्र बढ़ाना चाहिये। एक तीसरा कारन यह है कि हम प्रजासत्तन्त्र का मतलब तादाद मानने लग गये हैं। तादाद में हमारा विश्वास बहुत प्रियादा बढ़ता जा रहा है। क्योंकि जब तक प्रियादा तादाद में हमारे आदमी न हों तब तक राजकाजी सत्ता हमें नहीं मिल सकती। लोकशाही की बुनियाद में, जैसा कि पिछले चुनाव में देखा गया कि तादाद का बल क्या है। इस तरह अपनी और अपने हिमायतों की तादाद बढ़ाने की मनोवृत्ति भाषा क्षेत्रों में भी आ गई है। अगर किसी भाषा के बोलनेवाले प्रियादा तादाद में मिलें, तो वह अपने को बलवान मानते हैं। हम चूंकि मानते हैं कि मातृभाषा के प्रति प्रेम स्वाभाविक है इसलिये इसके जरिये अपनी तादाद बढ़ाना चाहते हैं या शायद हमारी भाषा के अगड़े में किसी जगह पर तीनों कारन मौजूद हैं तो किसी जगह पर दो और किसी जगह पर एक। हाँ, तादाद का मोह सब से बलवान है।

हमारा देश इस समय 29 रियासतों में बंटा हुआ है और इन 29 रियासतों में 12 भाषाएँ चालू हैं। कुछ रियासतें ऐसी हैं, जिनमें एक ही भाषा को माना गया है, कुछ में दो और कुछ रियासतों में तीन और कुछ में चार को। भारत की रियासतों का और उनकी भाषाओं का व्योरा यों है :—

अपने भाई की तरह मानते हैं और उसके अनुसार हम अपना परिचारिक, सामाजिक, आर्थिक और राजकाजी गठ बन्धन कर लेते हैं। अगर हमारे देश के लोग सहज ही सभी सूबों में समझी जाने वाली किसी एक भाषा को अपनी सुबाई भाषाओं के साथ साथ समझ लेते तो भाषा के सबाल को ले कर हमारे देश में इतनी चख चख नहीं होती। पता नहीं, वह जमाना कब आएगा जब कि इस देश के निवासी अपनी भाषा के साथ साथ देश की दूसरी भाषा को भी समझ सकें। ऐसी कोशिश तो हम लोगों की 50 साल से जारी है। लेकिन जितनी सफलता की उम्मीद थी अब तक हम को नहीं मिली। इस बीच में मराठी, गुजराती, बंगला, हिन्दी, पंजाबी वगैरा पड़ोसी भाषाओं और संघ की भाषा हिन्दी के बीच में रोजाना झगड़ा चलता आ रहा है।

बंगाली और बिहारी अपने सूबे की सरहद के कैसले के बारे में बहुत पुराना झगड़ा जारी किये हुए हैं। पंजाबी और हिन्दी के बीच में झगड़ा कम नहीं हो रहा है। हिन्दी और मराठी के बारे में मध्यप्रदेश के कारकर्ताओं में हमेशा कानाफूसी रहती है, सिरोही के मसले को लेकर राजस्थान और गुजरात के बीच में कम झगड़ा नहीं है।

तमिल और तेलुगु के बीच में झगड़ा बहुत पुराना है जिसके फलस्वरूप आन्ध्र के लोग अपना प्रान्त अलग करना चाहते हैं; करनाटक और मराठी सदियों से पड़ोसी होने पर भी आज अपने-अपने हकों के बारे में ऐसे जागरूक हैं कि समय आए तो लड़ पड़ें। कन्नड़ और तेलुगु लोगों के बीच में बल्लारी जिले को लेकर जो झगड़ा शुरू हुआ अब तक शान्त नहीं हुआ। क्या भाषा हमें अपने जीवन की सुविधा के लिये और सेवा के साधन के लिये ही नहीं बल्कि अपने अड़ोस पड़ोस के लोगों के साथ झगड़ा करने के लिये भी चाहिये ?

अगर हमें एक की जगह दो भाषाएँ मालूम हों और दोनों के जरिये हम अपने और अपने समाज की सेवा कर सकते हों तो क्या नुकसान होगा ? हम इतने कट्टर क्यों हैं कि अपने पड़सियों को, जो हम से अलग भाषा बोलते हैं, अपने से जुदा समझते हैं ? हम उस क्षेत्र को अपने क्षेत्र में क्यों मिलाना चाहते हैं जो भाषा के अनुसार हम समझते हैं कि हमें मिल सकता है ? इस के जरूर कुछ कारन होंगे। इस मनोवृत्ति की वजह से जो मनमुटाव पैदा हो रहा है उसे दूर करना हमारा धर्म है। उन कारनों में एक खास कारन यह हो सकता है कि भाषा के जरिये हम अपने देश की लोकशाही का संगठन करना चाहते हैं और चूंकि हमारे क्षेत्र की प्रजा एक खास भाषा बोलती है, इसलिये इसके संगठन में उसका क्षेत्र दो भाषा वाला क्षेत्र हो तो निश्चित नेतृत्व के अन्दर नहीं आ सकता। इसलिये हमें अपने क्षेत्र को अपनी भाषा से बांधना चाहिये। एक दूसरा कारन यह

अपने भाई की तरह मानते हैं और उसके अनुसार हम अपना परिचारिक, सामाजिक, आर्थिक और राजकाजी गठ बन्धन कर लेते हैं। अगर हमारे देश के लोग सहज ही सभी सूबों में समझी जाने वाली किसी एक भाषा को अपनी सुबाई भाषाओं के साथ साथ समझ लेते तो भाषा के सबाल को ले कर हमारे देश में इतनी चख चख नहीं होती। पता नहीं, वह जमाना कब आएगा जब कि इस देश के निवासी अपनी भाषा के साथ साथ देश की दूसरी भाषा को भी समझ सकें। ऐसी कोशिश तो हम लोगों की 50 साल से जारी है। लेकिन जितनी सफलता की उम्मीद थी अब तक हम को नहीं मिली। इस बीच में मराठी, गुजराती, बंगला, हिन्दी, पंजाबी वगैरा पड़ोसी भाषाओं और संघ की भाषा हिन्दी के बीच में रोजाना झगड़ा चलता आ रहा है।

भारतीय और भारतीय भाषाओं के बीच में झगड़ा बहुत पुराना है जिसके फलस्वरूप आन्ध्र के लोग अपना प्रान्त अलग करना चाहते हैं; करनाटक और मराठी सदियों से पड़ोसी होने पर भी आज अपने-अपने हकों के बारे में ऐसे जागरूक हैं कि समय आए तो लड़ पड़ें। कन्नड़ और तेलुगु लोगों के बीच में बल्लारी जिले को लेकर जो झगड़ा शुरू हुआ अब तक शान्त नहीं हुआ। क्या भाषा हमें अपने जीवन की सुविधा के लिये और सेवा के साधन के लिये ही नहीं बल्कि अपने अड़ोस पड़ोस के लोगों के साथ झगड़ा करने के लिये भी चाहिये ?

अगर हमें एक की जगह दो भाषाएँ मालूम हों और दोनों के जरिये हम अपने और अपने समाज की सेवा कर सकते हों तो क्या नुकसान होगा ? हम इतने कट्टर क्यों हैं कि अपने पड़सियों को, जो हम से अलग भाषा बोलते हैं, अपने से जुदा समझते हैं ? हम उस क्षेत्र को अपने क्षेत्र में क्यों मिलाना चाहते हैं जो भाषा के अनुसार हम समझते हैं कि हमें मिल सकता है ? इस के जरूर कुछ कारन होंगे। इस मनोवृत्ति की वजह से जो मनमुटाव पैदा हो रहा है उसे दूर करना हमारा धर्म है। उन कारनों में एक खास कारन यह हो सकता है कि भाषा के जरिये हम अपने देश की लोकशाही का संगठन करना चाहते हैं और चूंकि हमारे क्षेत्र की प्रजा एक खास भाषा बोलती है, इसलिये इसके संगठन में उसका क्षेत्र दो भाषा वाला क्षेत्र हो तो निश्चित नेतृत्व के अन्दर नहीं आ सकता। इसलिये हमें अपने क्षेत्र को अपनी भाषा से बांधना चाहिये। एक दूसरा कारन यह

प्रजातंत्र भारत में भाषावार प्रान्त

(मो० सत्यनारायण)

भारत एक बहुत बड़ा भू खंड है. दो हिस्सों में बंटने पर भी आज इसकी आबादी चीन को छोड़ कर दुनिया के किसी भी देश से कम नहीं है. इसकी आबादी रूस और अमरीका दोनों की मिली हुई आबादी से भी बड़ी है. 1951 की मरुमशुमारी के अनुसार 36,12,61,624 आदमी इस देश में रहते हैं. यह 1,22,17,200 वर्ग मील में बंटा हुआ है. इस देश में सभी तरह की आब हवा मिलती है और बहुत पुरानी जातियां बसती हैं.

हमारा देश जितना बड़ा है, उतनी ही बड़ी बड़ी समस्याएं भी हमारे सामने हैं. अब तक इस देश के सामने हिन्दू-मुसलमान सामप्रदायिक संघर्ष एक बहुत बड़ा मसला था. लाख कोशिश करने पर भी हम उसे हल नहीं कर पाए. आखिर उसका हल हमें अपने देश को मुसलमान हिन्दुस्तान, हिन्दू हिन्दुस्तान के तौर पर दो हिस्सों में बांटने से ही मिला.

सामप्रदायिक संघर्ष के बाद हमारे देश में भाषा के मसले को ले कर काफी बहस सुबाहसा हुआ. बहुत बड़ा देश होने के कारन यह स्वाभाविक है कि हमारे देश के लोग अपने अपने प्रदेशों में अपनी अपनी भाषाएं बोलें और यह भाषाएं मुहावरा, आवाज, रचना को ले कर एक दूसरे से अलग हों पिछले 50 बरसों से हमने अपनी भाषाओं को ज़ियादा ठोस और प्रमानिक बनाने की कोशिश की. हम आज सर जार्ज की प्रियर्सन की रिपोर्ट के अनुसार सैकड़ों भाषाओं के बीच में बंटे हुए नहीं हैं. हमारे देश में आज कुल 12 भाषाएं हैं. प्राचीन भाषा संस्कृत और जगह जगह फैली हुई दूसरी भाषाएं और उर्दू को मिला कर कुल 14 भाषाओं को हमने माना है. यही बात विधान की आठवीं सूची में दर्ज है. विधान परिशद ने भारत की सुबाई भाषाओं के और संघ राज की भाषा के बीच का जो सम्बन्ध और संघ राज की भाषा और सुबाई भाषाओं के उपयोग का जो फैसला किया उसका ब्योरा विधान के सतरहवें अध्याय में दिया गया है.

वैसे तो भाषा एक साधन मात्र है. उसके द्वारा एक आदमी को दूसरे आदमी से बोलने की सुविधा मिलती है. हमारे जीवन में अक्सर सभी क्षेत्रों में इस सुविधा की जरूरत पड़ती है. एक दूसरे की भाषा को समझने की सुविधा से हम एक दूसरे के नज़दीक आते हैं. जो हमारे नज़दीक होते हैं और हमारी भाषा समझते हैं, उन्हें हम

प्रजातंत्र भारत में भाषावार प्रान्त

(मो० सत्यनारायण)

भारत एक बहुत बड़ा भू खंड है. दो हिस्सों में बंटने पर भी आज इसकी आबादी चीन को छोड़ कर दुनिया के किसी भी देश से कम नहीं है. इसकी आबादी रूस और अमरीका दोनों की मिली हुई आबादी से भी बड़ी है. 1951 की मरुमशुमारी के अनुसार 36,12,61,624 आदमी इस देश में रहते हैं. यह 1,22,17,200 वर्ग मील में बंटा हुआ है. इस देश में सभी तरह की आब हवा मिलती है और बहुत पुरानी जातियां बसती हैं.

हमारा देश जितना बड़ा है, उतनी ही बड़ी बड़ी समस्याएं भी हमारे सामने हैं. अब तक इस देश के सामने हिन्दू-मुसलमान सामप्रदायिक संघर्ष एक बहुत बड़ा मसला था. लाख कोशिश करने पर भी हम उसे हल नहीं कर पाए. आखिर उसका हल हमें अपने देश को मुसलमान हिन्दुस्तान, हिन्दू हिन्दुस्तान के तौर पर दो हिस्सों में बांटने से ही मिला.

सामप्रदायिक संघर्ष के बाद हमारे देश में भाषा के मसले को ले कर काफी बहस सुबाहसा हुआ. बहुत बड़ा देश होने के कारन यह स्वाभाविक है कि हमारे देश के लोग अपने अपने प्रदेशों में अपनी अपनी भाषाएं बोलें और यह भाषाएं मुहावरा, आवाज, रचना को ले कर एक दूसरे से अलग हों पिछले 50 बरसों से हमने अपनी भाषाओं को ज़ियादा ठोस और प्रमानिक बनाने की कोशिश की. हम आज सर जार्ज की प्रियर्सन की रिपोर्ट के अनुसार सैकड़ों भाषाओं के बीच में बंटे हुए नहीं हैं. हमारे देश में आज कुल 12 भाषाएं हैं. प्राचीन भाषा संस्कृत और जगह जगह फैली हुई दूसरी भाषाएं और उर्दू को मिला कर कुल 14 भाषाओं को हमने माना है. यही बात विधान की आठवीं सूची में दर्ज है. विधान परिशद ने भारत की सुबाई भाषाओं के और संघ राज की भाषा के बीच का जो सम्बन्ध और संघ राज की भाषा और सुबाई भाषाओं के उपयोग का जो फैसला किया उसका ब्योरा विधान के सतरहवें अध्याय में दिया गया है.

वैसे तो भाषा एक साधन मात्र है. उसके द्वारा एक आदमी को दूसरे आदमी से बोलने की सुविधा मिलती है. हमारे जीवन में अक्सर सभी क्षेत्रों में इस सुविधा की जरूरत पड़ती है. एक दूसरे की भाषा को समझने की सुविधा से हम एक दूसरे के नज़दीक आते हैं. जो हमारे नज़दीक होते हैं और हमारी भाषा समझते हैं, उन्हें हम

نکال کرے اور آپ کے سत्याग्रہ کا خلیقہ کرے۔ ہم آپ کے ساتھ رہے ہیں جتنا ہم سत्याग्रہ کو سمجھتے ہیں اتنا یہ کہا ہے۔ ہم نے آپ کے کہی درشن بھی نہیں کیے۔ یہاں تلخوہ نہ لہا کوئی ستھارہ ہو سکتا ہے، یہ تو ایک طرح کا اسہوگ ہوا! اور اسہوگ کہوں اپنی سرکار سے کہا جاتا ہے! آپ نے اسہوگ کہا تھا تو اس سرکار سے کہا تھا جو دیکھی تھی! یہاں، یہ اپنی سرکار کو دیکھی سرکار کی طرح سمجھتے ہیں تب ان کے ساتھ کوئی رعایت کیسے کی جا سکتی ہے، اور پھر ہم بھی تو نردنی کہہ سکتے ہیں! یہ ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی ہمارے نواری تھوگ تھوگ بجائے، تھوگ وقت پر آئے اور تھوگ وقت پر جائے اور کھانے کے لئے تلخوہ نہ لے پھر وہ جگہ کا کہہ؟ یہ تو ایک طرح کی خود کشی یعنی آتم گھت ہوا! اور آتم گھت قانون کی نظر میں جرم ہے، پھر ایسے مجرموں کو سزا نہ دی جائے تو کہا کہا جائے! ہمارے اس کام پر کچھ لوگ انگلی اٹھائیں تو اٹھائیں! ہم پرواہ کہوں کریں؟

ہاں، آپ کے جہوں کا فلسفہ کچھ اس قسم کا ہے جسے ہم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں کہونکہ ہم آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اس کا مذاق ہی آرا سکتے ہیں یا بھدی نقل کر سکتے ہیں۔ اچھا، آرائیں مذاق کریں نقل، اور بھگتوں اس کا نتیجہ۔

کہوں ہاں ہم تھوگ کہتے ہیں!

آپ چپ ہیں، ہم سمجھ گئے۔ چپ دھنا ایک طرح ہاں ہی ہے۔

—بھگوان دیں

—بھگوان دیں

ہاں، آپ کے جہوں کا فلسفہ کچھ اس قسم کا ہے جسے ہم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں کہونکہ ہم آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اس کا مذاق ہی آرا سکتے ہیں یا بھدی نقل کر سکتے ہیں۔ اچھا، آرائیں مذاق کریں نقل، اور بھگتوں اس کا نتیجہ۔

کہوں ہاں ہم تھوگ کہتے ہیں!

آپ چپ ہیں، ہم سمجھ گئے۔ چپ دھنا ایک طرح ہاں ہی ہے۔

ایک خاص مہاد نے اندر ہر صوبے کی عدالتوں اور اسمبلیوں کا کام کاج اسی صوبے کی بھاشا میں چاڑی ہونا چاہئے۔ ایہل کی آخری عدالت کی زبان ہندوستانی قرار دی جائے، لکھارت چاہے دیوناگری ہو یا فارسی۔ سہلرل کو نسلت اور اسمبلیوں کی بھاشا بھی ہندوستانی ہی ہو۔ انٹر راشتری راج بھوہار کی بھاشا انگریزی رہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ اگر آپ کو یہ تجویز اپنے وچار کے مطابق نظر نہ آئی اور آپ نے یہ خیال کیا کہ میں سو راج کی اچھا میں حد سے باہر چلا گیا ہوں تو بھی آپ چھوڑتے ہی اس کی ہلسی نہ آرائے لکھیں گے۔

—مہاتما گاندھی

—مہاتما گاندھی

ایک خاص مہاد نے اندر ہر صوبے کی عدالتوں اور اسمبلیوں کا کام کاج اسی صوبے کی بھاشا میں چاڑی ہونا چاہئے۔ ایہل کی آخری عدالت کی زبان ہندوستانی قرار دی جائے، لکھارت چاہے دیوناگری ہو یا فارسی۔ سہلرل کو نسلت اور اسمبلیوں کی بھاشا بھی ہندوستانی ہی ہو۔ انٹر راشتری راج بھوہار کی بھاشا انگریزی رہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ اگر آپ کو یہ تجویز اپنے وچار کے مطابق نظر نہ آئی اور آپ نے یہ خیال کیا کہ میں سو راج کی اچھا میں حد سے باہر چلا گیا ہوں تو بھی آپ چھوڑتے ہی اس کی ہلسی نہ آرائے لکھیں گے۔

जल्दी आकाश कर सकते हैं और इसी अक्रीबे के आधार पर हम आपकी समाधी से अपना बाधा रगड़ते हैं और समझते हैं कि इतना कर लेने भर से हम जरूर भारत को हमेशा आकाश बनाए रखेंगे ! कुछ ना समझ हमारे इस काम को भूटी मूरत पूजा समझते रहें तो समझते रहें !

बापू, आप देश की खातिर हमेशा खून बहाने के लिये तैयार रहते थे, हम भी आप की तरह हमेशा खून बहाने के लिये तैयार हैं. फर्क इतना है कि आप हम से बहुत पीछे थे हम आप से बहुत आगे हैं. आप सिर्फ अपना खून बहा सकते थे, हम देश की खातिर अपनों का बहा सकते हैं, बहाते हैं, जरूरत पड़े तो बहाने की तैयार मिलेंगे. रौतों के खून बहाने की तो बात ही क्या ? रही अपने तन की बात उसका खून हम कैमें बहायें, और कैसे बहने दें ? वह तो अब हमारा है ही नहीं, वह तो देश और समाज का हो चुका, उस के तो हम ट्रस्टी भर हैं ! हमारी इतनी सीधी बात न जाने कुछ लोग क्यों नहीं समझ पाते, और हां, बापू, आपको भी सब लोग कहां समझ पाए !

बापू, हम तलवार की नोक से लोगों को सच बोलना सिखा कर रहेंगे, बड़ी बड़ी सच्चाएं दे कर लोगों को ईमानदार बना देंगे और लाखों भूटे लालच दे कर लोगों को अहिंसक बना कर छोड़ेंगे. आप के सत्य और अहिंसा दोनों ब्रतों को जैसे बनेगा वैसे क्रायम रखेंगे.

बापू, आप यह न समझना कि हम सिर्फ आप के दो ही ब्रतों पर ध्यान रखेंगे. हमें वह श्लोक अच्छी तरह याद है जिसमें आपके सब के सब ग्यारह ब्रत आ जाते हैं. ब्रतों के मामले में हम आप के अनासक्तयोग के क्रायल हैं. हम स्वादिरट से स्वादिरट चीज और चटपटी गरम मसालेदार चीजें जब भी खाते हैं तो उस में कोई आसक्ती नहीं रखते. इस अनासक्ती की बात को लोग समझते हैं नहीं, हम पर चटोरा होने का इलजाम लगाते हैं. लगाया करें ! जैसे बापू आप अपने टीकाकारों की परबा न कर के अपने काम में लगे रहते थे, वैसे ही हम टीकाकारों की तरफ से अपने कानों को बन्द कर देश की तरक्की में जुटे हुए हैं !

बापू, आप को गुस्सा नहीं आता था, क्योंकि आप से बढ़ कर आप के कामों की कोई नक़ल करने वाला आप के सामने था ही नहीं ! गुस्सा तो हमें भी नहीं आना चाहिये और अक्सर नहीं भी आता पर आप की तरह जब कोई सत्याग्रह कर बैठे जो असल में होगी तो नक़ल पर वह कहेगा उसे असल, तब हमें गुस्सा आ जाता है और फिर ऐसे ही सत्याग्रही या सत्याग्रहियों का हम पुलिस और फ़ौज से मुकाबला करते हैं और मिंटों में ठीक कर देते हैं. हम यह हरगिज गबारा नहीं कर सकते कि कोई आप की भी

जल्दी आकाश कर सकते हैं और इसी अक्रीबे के आधार पर हम आपकी समाधी से अपना बाधा रगड़ते हैं और समझते हैं कि इतना कर लेने भर से हम जरूर भारत को हमेशा आकाश बनाए रखेंगे ! कुछ ना समझ हमारे इस काम को भूटी मूरत पूजा समझते रहें तो समझते रहें !

बापू, आप दिखी की خاطر हमेशा खून बहाने के लिये तैयार रहे, हम भी आप की तरह हमेशा खून बहाने के लिये तैयार हैं. फर्क इतना है कि आप हम से बहुत पीछे थे हम आप से बहुत आगे हैं. आप सिर्फ अपना खून बहा सकते थे, हम देश की खातिर अपनों का बहा सकते हैं, बहाते हैं, जरूरत पड़े तो बहाने की तैयार मिलेंगे. रौतों के खून बहाने की तो बात ही क्या ? रही अपने तन की बात उसका खून हम कैमें बहायें, और कैसे बहने दें ? वह तो अब हमारा है ही नहीं, वह तो देश और समाज का हो चुका, उस के तो हम ट्रस्टी भर हैं ! हमारी इतनी सीधी बात न जाने कुछ लोग क्यों नहीं समझ पाते, और हां, बापू, आपको भी सब लोग कहां समझ पाए !

बापू, हम तलवार की नोक से लोगों को सच बोलना सिखा कर रहेंगे, बड़ी बड़ी सच्चाएं दे कर लोगों को ईमानदार बना देंगे और लाखों भूटे लालच दे कर लोगों को अहिंसक बना देंगे. आप के सत्य और अहिंसा दोनों ब्रतों को जैसे बनेगा वैसे क्रायम रखेंगे.

बापू, आप यह न समझना कि हम सिर्फ आप के दो ही ब्रतों पर ध्यान रखेंगे. हमें वह श्लोक अच्छी तरह याद है जिसमें आपके सब के सब ग्यारह ब्रत आ जाते हैं. ब्रतों के मामले में हम आप के अनासक्तयोग के क्रायल हैं. हम स्वादिरट से स्वादिरट चीज और चटपटी गरम मसालेदार चीजें जब भी खाते हैं तो उस में कोई आसक्ती नहीं रखते. इस अनासक्ती की बात को लोग समझते हैं नहीं, हम पर चटोरा होने का इलजाम लगाते हैं. लगाया करें ! जैसे बापू आप अपने टीकाकारों की परबा न कर के अपने काम में लगे रहते थे, वैसे ही हम टीकाकारों की तरफ से अपने कानों को बन्द कर देश की तरक्की में जुटे हुए हैं !

बापू, आप को गुस्सा नहीं आता था, क्योंकि आप से बढ़ कर आप के कामों की कोई नक़ल करने वाला आप के सामने था ही नहीं ! गुस्सा तो हमें भी नहीं आना चाहिये और अक्सर नहीं भी आता पर आप की तरह जब कोई सत्याग्रह कर बैठे जो असल में होगी तो नक़ल पर वह कहेगा उसे असल, तब हमें गुस्सा आ जाता है और फिर ऐसे ही सत्याग्रही या सत्याग्रहियों का हम पुलिस और फ़ौज से मुकाबला करते हैं और मिंटों में ठीक कर देते हैं. हम यह हरगिज गबारा नहीं कर सकते कि कोई आप की भी

बापू, ऊपर की बातें तो हमने यों ही कह दीं. असल में हम यह कहना चाहते हैं कि हमने यह समझ लिया है कि हम अपने देह के ट्रस्टी हैं! यह देह देश का है! बस इसी नाते, बापू, हम इसको हर तरह का आराम पहुंचाते हैं, अपनी खातिर नहीं सिर्फ अपने इस जिस्म की खातिर, जिसके हम ट्रस्टी हैं, मालिक किसी तरह नहीं. कुछ जुटा लेते हैं, तो, न जाने, इस बात को ले कर कुछ मूर्ख क्यों हाय तोबा मचा उठते हैं? हम कुछ अपने लिये मोटर थोड़े रखते हैं. हम तो उस तन की खातिर रखते हैं जिसके हम ट्रस्टी हैं! हम अपने तन को बढ़िया से बढ़िया माल खिल्लाते हैं क्योंकि वह हमारा नहीं है! वह देश का है! हमारे पास धरोहर है! हम तो उसके ट्रस्टी भर हैं! उस तन को सकलीक दे कर क्या हम अपने कर्तव्य को बढ़ा नहीं लगायेंगे! कुछ मूर्ख चिल्लाते रहें कि हम हज्जार हज्जार, पांच पांच हज्जार, तनखा लेते हैं, हम उनकी एक नहीं सुनेंगे! और हम तन को अपनी ट्रस्टीशिप में किसी तरह दुबला नहीं होने देंगे! आपने भी कब किसी सेठ को दुबला होने दिया था! हां, आप भी तो जीते जी अपने को अपने तन के ट्रस्टी समझते रहे और मरते दम तक उसे पेसा ही चिकना चुपड़ा रखा जैसा कोई असली मालिक उसे रखता! क्या आपके खाने पीने पर लोगों की उंगलियां नहीं उठीं थीं! और क्या आपने दो ट्रक जवाब नहीं दिया था? बापू, इस मामले में हम आपसे बहुत आगे बढ़ गए हैं! हम पर यह कह कर लाखों करोड़ों उंगलियां उठती हैं कि हम बड़ी बड़ी तनखाएं लेते हैं, सेठों से भी ज़ियादा मोटे हो गए हैं, और, न जाने, क्या क्या, पर हम हैं, कि उसकी कौड़ी भर परवा नहीं करते! आप दो ट्रक जवाब देते थे, हम सौ ट्रक जवाब देते हैं!

आपके ट्रस्टी के विचार की जय!

बापू, लोगों का मुंह बन्द करने के लिये हम कभी किसी का बेतन आधा कर देते हैं, पर, बापू, आप घबरायें नहीं. हम वैसा कर के भी टोटे में नहीं रहते! टोटे में रह कर क्या हम अपने ट्रस्टीशिप को बढ़ा लगायेंगे? हमें तो जो तन देश वालों ने धरोहर के तौर पर दे रखा है उसको लाख जतन कर के वैसा ही बनायें रखेंगे जैसा आप बनाए रखते थे!

बापू, हीरो बशिप यानी नायक पूजा में हम आप से बहुत आगे निकल गए हैं. आपने लोकमान्य तिलक की रथी को कंधा भर लगाया था और ऐसे ही देशबंधु चित रंजन दास और भाई मोतीलाल जी की रथी को कंधा दिया था, पर हम तो अपना सिर उस समाधी पर रगड़ डालते हैं जिस के अन्दर आपकी हड्डी के कुछ फूल हैं! हमारा क्याल है आपका यह विरवास जरूर रहा होगा कि आप नायकों की रथी को कंधा लगा कर भारत को

बापू, ऊपर की बातें तो हम ने यों ही कह दीं. असल में हम यह कहना चाहते हैं कि हमने यह समझ लिया है कि हम अपने देह के ट्रस्टी हैं! यह देह देश का है! बस इसी नाते, बापू, हम इसको हर तरह का आराम पहुंचाते हैं, अपनी खातिर नहीं सिर्फ अपने इस जिस्म की खातिर, जिसके हम ट्रस्टी हैं, मालिक किसी तरह नहीं. कुछ जुटा लेते हैं, तो, न जाने, इस बात को ले कर कुछ मूर्ख क्यों हाय तोबा मचा उठते हैं? हम कुछ अपने लिये मोटर थोड़े रखते हैं. हम तो उस तन की खातिर रखते हैं जिसके हम ट्रस्टी हैं! हम अपने तन को बढ़िया से बढ़िया माल खिल्लाते हैं क्योंकि वह हमारा नहीं है! वह देश का है! हमारे पास धरोहर है! हम तो उसके ट्रस्टी भर हैं! उस तन को सकलीक दे कर क्या हम अपने कर्तव्य को बढ़ा नहीं लगायेंगे! कुछ मूर्ख चिल्लाते रहें कि हम हज्जार हज्जार, पांच पांच हज्जार, तनखा लेते हैं, हम उनकी एक नहीं सुनेंगे! और हम तन को अपनी ट्रस्टीशिप में किसी तरह दुबला नहीं होने देंगे! आपने भी कब किसी सेठ को दुबला होने दिया था! हां, आप भी तो जीते जी अपने को अपने तन के ट्रस्टी समझते रहे और मरते दम तक उसे पेसा ही चिकना चुपड़ा रखा जैसा कोई असली मालिक उसे रखता! क्या आपके खाने पीने पर लोगों की उंगलियां नहीं उठीं थीं! और क्या आपने दो ट्रक जवाब नहीं दिया था? बापू, इस मामले में हम आपसे बहुत आगे बढ़ गए हैं! हम पर यह कह कर लाखों करोड़ों उंगलियां उठती हैं कि हम बड़ी बड़ी तनखाएं लेते हैं, सेठों से भी ज़ियादा मोटे हो गए हैं, और, न जाने, क्या क्या, पर हम हैं, कि उसकी कौड़ी भर परवा नहीं करते! आप दो ट्रक जवाब देते थे, हम सौ ट्रक जवाब देते हैं!

आप के ट्रस्टी वचाद की जय!

बापू, लोगों का मुंह बन्द करने के लिये हम कभी किसी का बेतन आधा कर देते हैं, पर, बापू, आप घबरायें नहीं. हम वैसा कर के भी टोटे में नहीं रहते! टोटे में रह कर क्या हम अपने ट्रस्टीशिप को बढ़ा लगायेंगे? हमें तो जो तन देश वालों ने धरोहर के तौर पर दे रखा है उसको लाख जतन कर के वैसा ही बनायें रखेंगे जैसा आप बनाए रखते थे!

बापू, हीरो बशिप यानी नायक पूजा में हम आप से बहुत आगे निकल गए हैं. आपने लोकमान्य तिलक की रथी को कंधा भर लगाया था और ऐसे ही देशबंधु चित रंजन दास और भाई मोतीलाल जी की रथी को कंधा दिया था, पर हम तो अपना सिर उस समाधी पर रगड़ डालते हैं जिस के अन्दर आपकी हड्डी के कुछ फूल हैं! हमारा क्याल है आपका यह विरवास जरूर रहा होगा कि आप नायकों की रथी को कंधा लगा कर भारत को

ہندوستانی سہی ہندی ہے۔ یہ آپس میں تین بھائی ہیں۔ تین سوگھن نہیں۔ تین دوست ہیں، تین دشمن نہیں۔ اگر تین میں سے ہندی کو راج کمار بنایا جائے تو بالکل ٹھیک ہوگا، اس کا اندھکڑ زیادہ تھا اور وہ راج کدی کا حق بھی رکھتی تھی۔ راج کدی پر بھٹکر اسے پہلے سے زیادہ نہا کرنا چاہئے اور اپنی آم مقبولیت یا ہر دل پریم بڑھانے کے لئے جلتی بھاشا کا روپ دھار کرنا پڑے گا۔ آج کل کی راج کدی سامراج کی گدی نہیں ہوتی وہ جلتا راج کی گدی ہوتی ہے۔ اگر ہندی اس سچائی کو بھول جائے گی تو شاید اس کا راج کدی پر بھٹکرنا اور بھٹکنا ہی جائے تو سلہلنا مشکل ہوگا۔ یہ کسی ہندی کھتی کی بددعا اور ملہوس خواہش نہیں ہے بلکہ ہندی پریمی کی وقت سے پہلے آگاہی ہے۔ اگر وقت سے پہلے آگاہ کر لے والے ہندی پریمی کو آپ ہندی شہر و سمجھوں تو آپ کی ناسمجھی اور مہرا درہنائیکہ ہے۔ اپنا فرز سمجھ کر مجھے ہندی کی بھائی کی خاطر ہندوستانی کا پرچار کرنا ہے کیوں کہ ہندی ہندوستانی کا روپ دھار کر کے ہی سارے دیس اور راجستھان کی بھاشا بن سکتی ہے۔

باپو سے

باپو، جب ہمیں آپ کی 'ٹرسٹی' والی نہی سڑک کی یاد آ جاتی ہے تو جی بھوک، اٹھتا ہے! آپ کا ٹرسٹی کا آئینا سچ سچ کھینچ لیا کو کو دیکھ مارنے جھسا ہے! ٹرسٹی کا وچار وہ آگ ہے جو پونجی واد کی دسی کے بت قائم رکھتی ہے، پر اس کو راکھ بنا دیتی ہے! آپ کا ٹرسٹی والا وچار ہمیں بے حد پسند ہے! آپ نے جیتے جی کسی سگھ ساهوکار کو فریب نہیں ہونے دیا، اسے جی بھر پہلے پہلے دیا، یہ دوسری بات ہے کوئی اکا دکا انگریزی راج کی سکتی کا شکار ہو کر فریب ہوگیا، ہاں، اگر وہ اکا دکا ذرا اوروں جھسا چلاک ہوتا تو وہ بھی فریب نہ ہو پاتا!

کمیونزم سے آپ کے کچھ بھکڑوں کو چیدہ سی ہو گئی ہے۔ باپو، ہمارے 'کچھ' شہد کو آپ نوٹ کر لیں، کیوں کہ آپ کے کچھ بھکڑے ایسے ہی ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ گندمی واد کا مطلب ہے 'ملسا دھت کمیونزم' جن کا یہ کہنا ہے کہ گندمی واد ملسا دھت کمیونزم ہے انہیں کا یہ کہنا ہے کہ ٹرسٹی بچے کا وچار وہ وچار ہے جو پونجی واد میں آپ و آپ کمیونزم پہنچا کرنا ہے!

باپو سے

کمیونزم سے آپ کے کچھ بھکڑوں کو چوہ سی ہوگئی ہے۔ باپو، ہمارے 'کچھ' شہد کو آپ نوٹ کر لیں، کیوں کہ آپ کے کچھ بھکڑے ایسے ہی ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ گندمی واد کا مطلب ہے 'ملسا دھت کمیونزم' جن کا یہ کہنا ہے کہ گندمی واد ملسا دھت کمیونزم ہے انہیں کا یہ کہنا ہے کہ ٹرسٹی بچے کا وچار وہ وچار ہے جو پونجی واد میں آپ و آپ کمیونزم پہنچا کرنا ہے!

بिल्कुल अलग अलग ہیں۔ آپ ولٹی کی طرف جا رہے ہیں۔ ہم سیدھی طرف۔ آپ پورب کو جا رہے ہیں تو ہم بچہم کو، آپ بدوانوں کا تھمن راستہ پسند کرتے ہیں، ہم آم چٹائی راستہ۔ آپ میں اور ہم میں مہل ہو ہی نہیں سکتا۔

ہاں، اگر آپ جناتا کے اچارن اور تالکفوج کے بدلاو تالکفوج (Alternative Pronunciation) کی ہئسیات ہی مان لیں اور اس کو بیگاڑ یا آپہنش کہنا چہور دیں تو بھی آپ ہم ایک راستہ پر جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ سربل ہندی کا راستہ ہے، یہی آسان اردو کا راستہ ہے اور یہی ہندستانی کا راستہ ہے۔ اگر منزل اور تھکا ایک ہو تب بھی مہمت ہے، آپ چاہے موٹر میں جائیں، چاہے ہوائی جہاز میں جائیں، چاہے پیدل چلیں، پھر حال دیر سویر ایک ہی منزل پر تو پہنچیں گے بشرطیکہ سب کی منزل ایک ہو : سب ترقی دوستوں اور راج اندوں کی منزل ایک نہیں ہوتی، اسلامیت اور نوز انقلابوں کے راستے الگ الگ اور ایک دوسرے کے آگے ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جسے پچھلی سدی میں انشا اللہ خان نے، اسی سدی کے شہر میں شہلی نعمانی، آزاد اور حالی نے دکھایا تھا اور جو ہمارے زمانے میں سلیمتی کنار چتر جی دہا دے میں اور سب سے بڑھکر مہاتما گاندھی دہا گئے ہیں تو ہم جلتی کی ترقی میں روزے اٹا کر، بہاشا کو تھن ہذا کر نہ سرف دیس اور قوم کو نقصان پہنچا بلکہ دو تھن دھائوں میں اپنی کوششوں کو ناکام ہوتا ہوا دیکھکر، سراس اور مت دہم ہو جائیں گے۔

میں نے پورا یقین ہے کہ تھن دھائوں پہلے اسمانی ہونی ورتی اور نظام سرکار نے آسان اردو کا راستہ اختیار کیا ہونا اور بدلو لکھات اور بدلو تلمز کے ساتھ ساتھ اسلامیت کے بلانے میں زیادہ تر مسکرت اور ہندی سے مدد لی ہوتی تو آج بھارت میں بہاشی مسئلہ بالکل غور اہم ہوتا۔ مہد آباد اور اسمانی یونیورسٹی نے تو ایسا سوا کھو دیا اب ہندی کو سوا ملے ہے۔ اگر ہندی بھی جلتا کا وردہ کرنے لگے، بہاشت بہاشت کے پردیشوں کی بہاشوں سے شہد قبول نہیں دیں گی، اگر وہ چالو شہدوں کو نکالنا چاہے گی، موٹے موٹے کڑیل اور بھارک اسلامیت گڑھتی رہے گی تو سب سے زیادہ فائدہ انگریزی کو ہوگا اور وہ سماج اور بھارت، راج اور کام کاج کی بہاشا رہے گی۔ ہندی ہندی کے مانے ہندستانی ہندی کے میں اور دھین ہوئے نہیں ہو سکتا۔ بہگران کا رپ اوتار میں ہونا ہے۔ سہی مہدیس میں زبانیں کلام کی تھکا کرتی ہیں۔ وہ دونو ایک دوسرے کے ہم رنگ اور ہم آہنگ ہیں۔ تھکائی تہ آسان اردو ہندستانی ہے اور

ہاں اگر آپ جناتا کے اچارن اور تالکفوج کے بدلاو تالکفوج (Alternative Pronunciation) کی ہئسیات ہی مان لیں اور اس کو بیگاڑ یا آپہنش کہنا چہور دیں تو بھی آپ ہم ایک راستہ پر جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ سربل ہندی کا راستہ ہے، یہی آسان اردو کا راستہ ہے اور یہی ہندستانی کا راستہ ہے۔ اگر منزل اور تھکا ایک ہو تب بھی مہمت ہے، آپ چاہے موٹر میں جائیں، چاہے ہوائی جہاز میں جائیں، چاہے پیدل چلیں، پھر حال دیر سویر ایک ہی منزل پر تو پہنچیں گے بشرطیکہ سب کی منزل ایک ہو : سب ترقی دوستوں اور راج اندوں کی منزل ایک نہیں ہوتی، اسلامیت اور نوز انقلابوں کے راستے الگ الگ اور ایک دوسرے کے آگے ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جسے پچھلی سدی میں انشا اللہ خان نے، اسی سدی کے شہر میں شہلی نعمانی، آزاد اور حالی نے دکھایا تھا اور جو ہمارے زمانے میں سلیمتی کنار چتر جی دہا دے میں اور سب سے بڑھکر مہاتما گاندھی دہا گئے ہیں تو ہم جلتی کی ترقی میں روزے اٹا کر، بہاشا کو تھن ہذا کر نہ سرف دیس اور قوم کو نقصان پہنچا بلکہ دو تھن دھائوں میں اپنی کوششوں کو ناکام ہوتا ہوا دیکھکر، سراس اور مت دہم ہو جائیں گے۔

میں نے پورا یقین ہے کہ تھن دھائوں پہلے اسمانی ہونی ورتی اور نظام سرکار نے آسان اردو کا راستہ اختیار کیا ہونا اور بدلو لکھات اور بدلو تلمز کے ساتھ ساتھ اسلامیت کے بلانے میں زیادہ تر مسکرت اور ہندی سے مدد لی ہوتی تو آج بھارت میں بہاشی مسئلہ بالکل غور اہم ہوتا۔ مہد آباد اور اسمانی یونیورسٹی نے تو ایسا سوا کھو دیا اب ہندی کو سوا ملے ہے۔ اگر ہندی بھی جلتا کا وردہ کرنے لگے، بہاشت بہاشت کے پردیشوں کی بہاشوں سے شہد قبول نہیں دیں گی، اگر وہ چالو شہدوں کو نکالنا چاہے گی، موٹے موٹے کڑیل اور بھارک اسلامیت گڑھتی رہے گی تو سب سے زیادہ فائدہ انگریزی کو ہوگا اور وہ سماج اور بھارت، راج اور کام کاج کی بہاشا رہے گی۔ ہندی ہندی کے مانے ہندستانی ہندی کے میں اور دھین ہوئے نہیں ہو سکتا۔ بہگران کا رپ اوتار میں ہونا ہے۔ سہی مہدیس میں زبانیں کلام کی تھکا کرتی ہیں۔ وہ دونو ایک دوسرے کے ہم رنگ اور ہم آہنگ ہیں۔ تھکائی تہ آسان اردو ہندستانی ہے اور

میں نے پورا یقین ہے کہ تھن دھائوں پہلے اسمانی ہونی ورتی اور نظام سرکار نے آسان اردو کا راستہ اختیار کیا ہونا اور بدلو لکھات اور بدلو تلمز کے ساتھ ساتھ اسلامیت کے بلانے میں زیادہ تر مسکرت اور ہندی سے مدد لی ہوتی تو آج بھارت میں بہاشی مسئلہ بالکل غور اہم ہوتا۔ مہد آباد اور اسمانی یونیورسٹی نے تو ایسا سوا کھو دیا اب ہندی کو سوا ملے ہے۔ اگر ہندی بھی جلتا کا وردہ کرنے لگے، بہاشت بہاشت کے پردیشوں کی بہاشوں سے شہد قبول نہیں دیں گی، اگر وہ چالو شہدوں کو نکالنا چاہے گی، موٹے موٹے کڑیل اور بھارک اسلامیت گڑھتی رہے گی تو سب سے زیادہ فائدہ انگریزی کو ہوگا اور وہ سماج اور بھارت، راج اور کام کاج کی بہاشا رہے گی۔ ہندی ہندی کے مانے ہندستانی ہندی کے میں اور دھین ہوئے نہیں ہو سکتا۔ بہگران کا رپ اوتار میں ہونا ہے۔ سہی مہدیس میں زبانیں کلام کی تھکا کرتی ہیں۔ وہ دونو ایک دوسرے کے ہم رنگ اور ہم آہنگ ہیں۔ تھکائی تہ آسان اردو ہندستانی ہے اور

بدلاؤں کو بیگاڑ، अपभ्रंश، सत्यानासी से ताबیر कर के अपना वीर चलाते और चला सकते हैं. बाबा मरतबा वह कहते हैं कि बिछाई या अवधी जरूरतों के तहत "शुद्ध उच्चारण" लाफमी है मिसाल के तौर पर वह कहते हैं कि नर्म और गर्म को नरम और गरम पढ़ा जाय तो उरदू के सैकड़ों शेर बे वजन और बे असर हो जायेंगे. जैसे इस महाभूत शेर में :-

बाहम सलूक था तो उठाते थे नर्म गर्म
काहे को 'मीर' कांई दबे, जय बिगाड़ गई

कोई नरम गरम की 'र' को हरकत दे तो कलाम बे मौजू हो जाता है.

हिन्दी वाले कहते हैं कि स्टेशन और स्नान की तरह अगर हम स्पष्ट का अस्पष्ट कहे तो इसका अर्थ ही उलटा हो जाता है.

इन एतराजों का जबाब यह है कि अवधी या कविताई और बिछाई जरूरतों के तहत लाफजों के उच्चारण को बदलना हर ज़बान में ठीक माना गया है और इस क्रिस्म की मिसालें बहुत कम हैं.

बहर हाल हिन्दी वालों के संस्कृत प्रेम और उरदू वालों की फ़ारसी परस्ती और अरबी दोस्ती को देखते हुए, उनके बलबूते को जानते हुए, सब से बढ़ कर आजकल की फ़िज़ा और आपसी रंजिशों का ख़याल करते हुए हम यह सुझाव रखते हैं कि हिन्दुस्तानी को तरक्की देने के लिये बदलाव तलफ़ुज़ को असूली तौर पर सही मान लेना चाहिये. और इन लाफ़जों के तलफ़ुज़ को ठीक मान लेना चाहिये जो बिछाई या कविताई मजबूरी से आम तलफ़ुज़ से अलग हो. जैसे हिन्दुस्तान के क़ौमी तराने में "यमुना" का लाफ़ज आया है या उरदू शायरी में नर्म को नरम पढ़ना पड़े.

शख़सी नामों की हद तक तो यह असूल सारे संसार में चल पड़ा है कि हर शख्स का नाम इसकी इच्छा के मुताबिक़ लिखना चाहिये.

राबिन्द्र नाथ टैगोर को रवीन्द्र नाथ ठाकुर लिखना या कहना आम सभ्यता और महफ़िल के आदाब के खिलाफ़ है. जो शख्स अपने आपको बंशीधर कहलवाना चाहता है उसे इसी तरह याद करना चाहिये. आम बोलचाल की हद तक बदलाव उच्चारण के असूल के मुताबिक़ बिछाई तलफ़ुज़ के साथ साथ आम तलफ़ुज़ भी सही है. हिन्दी जलता और उरदू जनता के तलफ़ुज़ को बिगाड़ कहना, उसे अपभ्रंश ठहराना और हर हालत में ग़लत समझना तो किसी तरह जायज़ नहीं, अगर आप देश ही कहने पर इसरार करेंगे और देस हर हालत में ग़लत ठहरायेंगे तो इस के यह मानी होंगे कि आप के और हमारे रास्ते

بدلّوں کو بگاڑ، اپبھرنش، سٹیاناسی سے تابیر کر کے اپنا ویر چلائے اور چلا سکتے ہیں. بابا مرتبا وہ کہتے ہیں کہ ویدی یا ادبی زوروتوں کے تحت "شده اچارن" لازمی ہے. مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ نرم اور گرم کو اور گرم نرم پڑا جائے تو اردو کے سیکڑوں شعر بے وزن اور بے اسر ہو جائیں گے. جیسے اس مشہور شعر میں :-

ہام سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو 'مہر' کوئی دے، جب بگڑ گئی

کوئی نرم گرم کی ر کو حرکت دے تو کلام بے موزوں ہو جاتا ہے.

ہندی والے کہتے ہیں کہ اسپشن اور اشدان کی تہہ اگر ہم سپشت کو اسپشت کہیں تو اس کا ارتہ ہی الٹا ہو جاتا ہے.

ان اعتراضوں کا جواب یہ ہے کہ ادبی یا کویتی اور ویدی زوروتوں کے تحت لغزوں کے اچارن کو بدلنا ہر زبان میں ٹھیک مانا گیا ہے. اور اس قسم کی مسائل بہت کم ہیں.

بہر حال ہندی والوں کے سلسکرت پریم اور اردو والوں کی فارسی پرستی اور ادبی دوستی کو دیکھتے ہوئے ان کے بل بوتے کو جانتے ہوئے سب سے بڑھکر آجکل کی فزا اور اُسی رنجشوں کا خیال کرتے ہوئے ہم یہ سوچنا کہتے ہیں کہ ہندستانی کو ترقی دینے کے لئے بدلوں تلغز کو اسولی طور پر سہی مان لینا چاہئے. اور ان لغزوں کے تلغز کو ٹھیک مان لینا چاہئے جو ویدی یا کویتی مجہوری سے آم تلغز سے الگ ہو. جیسے ہندستان کے قومی ترانے میں "یونا" کا تلغز آیا ہے یا اردو شاعری میں نرم کو نرم پڑھنا پڑے.

شخصی ناموں کی ہد تک تو یہ سوال سارے سنسار میں چل پڑا ہے کہ ہر شخص کا نام اس کی اچھا کے متابق لکھنا چاہئے.

رابندر ناتھ ٹیگور کو رابندر ناتھ ٹیگور لکھنا یا کہنا آم سمجھتا اور مہفل کے آداب کے خلاف ہے. جو شخص اپنے آپ کو ونشی دھر کہلوانا چاہتا ہے، اسے اسی ترہ یاد کرنا چاہئے. آم بول چال کی حد تک بدلوں اچارن کے اسول کے متابق ویدی تلغز کے ساتھ ساتھ آم تلغز بھی سہی ہے. ہندی جلتا اور اردو جلتا کے تلغز کو بگاڑ کہنا، اسے اپبھرنش ٹھہرانا اور ہر حالت میں غلت سمجھنا تو کسی قوتہ جائز نہیں، اگر آپ دیکھیں ہی کہتے ہیں اسرار کریں گے اور دیکھیں ہر حالت میں غلت ٹھہرائیں گے تو اس کے یہ مانے ہونگے کہ آپ کے اور ہمارے راستے

ہے جس پر ٹکسال کا تھپا ہو چکا ہے۔ اب ہر شخص جان سکتا اور پہچان سکتا ہے کہ یہ تو لاہور چاندی ہے۔ اس کے لہجہ میں کسی کو نہ جھجھک ہو سکتی ہے نہ قہر۔

سچ پوچھیے تو یہ کہنا ہوا مشکل ہے کہ کون سا لفظ "اسلی" تھا اور کون سا بدلا ہوا ہے جسے ہم سنسکرت یا لائٹنی یا اردی یا یونانی لفظ کہتے ہیں، ان میں بھی ہزاروں لفظ بہت پرانی زبانوں سے لگے لگے ہیں۔ اس لئے یہ ہمیں کہ فلاں شہد سنسکرت کا ہے، لہذا اس کا اچارن سنسکرتی طریقہ پر ہونا چاہئے۔ ہماری سہا بہول ہے کہوں کہ یہ بھی کہا مالوم کہ وہ سچ مچ سنسکرت کا ہی لفظ ہے کسی اور پہاڑ سے لیا ہوا نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو سنسکرت کو دیوبانی سمجھتے ہیں، ان سے ہماری بہس نہیں۔ دنیا کو چھٹی سمجھنے والوں سے جغرافیہ جاننے والے بہس کر ہی کہا سکتے ہیں، اسی تہ انسانیات اور سماج و دنیا کے جاننے والے جو یقین کرتے ہیں کہ ساری تہذیب دھرم دھرم وجود میں آئی تھی، برابر بدلتی رہی تھی، اب تک بدل رہی ہے اور آئندہ بھی بدلتی رہے گی، کسی زبان کے پیدائشی بڑے ہونے کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

فرز بہاائیات اور شہدایات کے اٹل قاعدے کے انوسار ہندوستانی میں بھی۔

راج	کہنا چاہیے، نہ کہ	راج
دیوالی	ہی سہی ہے، نہ کہ	دیپا ولی
برس	شعبہ ہے	برس
بارہ	تھیک ہے	بارہ

اسی تہ	کہنا چاہئے، نہ کہ	اسی تہ
لاٹھن	کی بجائے	لاٹھن
تپتی	"	تپتی
لندن	"	لندن
برندابن	"	برندابن
بلسی دھر	"	بلسی دھر
ہم	"	ہم
گرم	"	گرم
ہلکت	"	ہلکت

کھلوانے کی کوشش کرنا یا تو جہت و عم ہے (یا لے Inferiority Complex جس کا تھپا بلا کارن سمجھ لیتا ہے کہ اس کی سمجھتا نہج ہے اور دوسرے دیسوں یا زمانوں کی تہذیب بہتر تھی یا ہے) یا نہیں تو الٹی نمائش یا لے Pedantry۔

پھر بھی ماننا پڑے گا کہ اردو میں پاک باج اور ہندی کے شہد پریمی کافی بلوان ہیں۔ وہ سماج اور راج کی اہم خدمتوں پر فہم ہیں۔ چلتا میں ان کا کافی وقار (مان) ہے۔ وہ بہاائیات تبدیلوں اور لفظی

ہندوستانی لفظیات کا مطالعہ...

ہندوستانی لفظیات کا مطالعہ...

ہندوستانی لفظیات کا مطالعہ...

راج	کہنا چاہئے، نہ کہ	راج
دیوالی	ہی سہی ہے، نہ کہ	دیپا ولی
برس	شعبہ ہے	برس
بارہ	تھیک ہے	بارہ

اسی تہ	کہنا چاہئے، نہ کہ	اسی تہ
لاٹھن	کی بجائے	لاٹھن
تپتی	"	تپتی
لندن	"	لندن
برندابن	"	برندابن
بلسی دھر	"	بلسی دھر
ہم	"	ہم
گرم	"	گرم
ہلکت	"	ہلکت

کھلوانے کی کوشش کرنا یا تو جہت و عم ہے (یا لے Inferiority Complex جس کا تھپا بلا کارن سمجھ لیتا ہے کہ اس کی سمجھتا نہج ہے اور دوسرے دیسوں یا زمانوں کی تہذیب بہتر تھی یا ہے) یا نہیں تو الٹی نمائش یا لے Pedantry۔

پھر بھی ماننا پڑے گا کہ اردو میں پاک باج اور ہندی کے شہد پریمی کافی بلوان ہیں۔ وہ سماج اور راج کی اہم خدمتوں پر فہم ہیں۔ چلتا میں ان کا کافی وقار (مان) ہے۔ وہ بہاائیات تبدیلوں اور لفظی

میرے والد مرحوم بھی کہتے تھے۔ یہ سب غلط تلفظ نہیں کر سکتے تھے اور زبان میں آخر سہی اور غلط کا مہار ہی کیا ہے؟ زبان ہماری ہے نہ کہ انہوں اور انہوں، انگریزوں یا ترکوں کی۔ اس کا جواب وہ بھی دیتے تھے کہ میں غلطی کر رہا ہوں، ہمت دہم ہوں اور گستاخ ہوں! بہر حال وہ مرتے مرگئے مگر کبھی اپنی غلطی مہسوس نہیں کی۔ ان کے زندہ چرے آج بھی سوکھوں نہیں ہزاروں میں جو اپنی زبان میں غلط زبانوں کی تقالی کرنا اور کبانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش کبھی سہل نہیں ہوئی اور نہ آئے ہوگی۔ ہاں ان کی بدولت اہم کا پرچار نہیں ہو سکتا، زبان کی دفعوں سے اہم جکڑا رہا۔ اہم کی دشواریوں کے ساتھ ساتھ زبان کی دشواریاں بھی دھنکی اور ان دو نے ملوں بہار کا اٹھانا بہت بڑی آسیریت کے لئے ناممکن ہوا۔

نہ معلوم ہم کب اس قدرتی قانون کو جانہ گئے کہ شکشا کے زریعہ سرکار اور دیہاتی سہیاں جلتا کو تھوڑا بہت گفتروں کر سکتی ہیں مگر جلتا کے چھکڑ کو اس کی ہسرتوں اور خاموشوں کو ایک دم نہیں بدل سکتی۔ اسی ترہ ہم جلتائی اچارن یا آم تلفظ تھوڑا بہت گفتروں میں لاسکتے ہیں۔ مگر یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس کے رخ کو بالکل ہی بدل ڈالیں۔

جب داؤد اور David، اسحاق اور Isaac، موسیٰ اور Moses، ابراہیم اور Abraham، ایک ہی لفظ سے بنے تھے دو الگ الگ اچارن کی وجہ سے دو الگ الگ بھاشاؤں میں سے ہیں تو سنسکرت ”پرساد“ اور ہندی پرہاد یا سنسکرت دیہش اور ہندی دیس یا اربی قلعہ اور اردو قلعہ کہیں غلط ہو سکتے ہیں؟ جب اربی میں یونانی لفظ، انگریزی میں فرنچ لفظ، ایذا ”اصل“ تلفظ باقی نہیں رہ سکتے تو ہندستانی میں بھی دوسری زبانوں سے لئے ہوئے لفظوں کا ”اصل تلفظ“ یا ”شدہ اچارن“ کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ ہر بھاشا کے اچارن جھکڑ کے اوسار غور لفظ کے اچارن میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آئی ہے۔

اس آئل تبدیلی کو ”بگاڑ“ کہنا، ”خرابی“ سے تاہر کرنا، ”اپ بھرتش“ کا شوق نام دینا ہماری قدامتہ دلس پرکرتی، چہمت وہم اور جہالت کا سہوت ہے۔

میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قلعہ Qale کو قلعہ Qile کی ترہ اردو میں بولے جانے والے اربی لفظوں پر اربی تلفظ لادنے کی تمام کوششوں اسی ترہ ہے گا جاپدگی جھسے جملنا کو یونانی یا جلتا کو جلتا کہلوانے کی کوششوں آخرکار نام دھنکی۔

ہمیں ابھی ترہ سے مالم کرلینا چاہئے کہ ہندیاہے ہوئے شہد ہی ہندستانی کا جز بن سکتے ہیں۔ ہندیاہے ہوا شہد مانو اس تولے بہر چاندی کی ترہ

میرے والد مرحوم بھی کہتے تھے۔ یہ سب غلط تلفظ نہیں کر سکتے تھے اور زبان میں آخر سہی اور غلط کا مہار ہی کیا ہے؟ زبان ہماری ہے نہ کہ انہوں اور انہوں، انگریزوں یا ترکوں کی۔ اس کا جواب وہ بھی دیتے تھے کہ میں غلطی کر رہا ہوں، ہمت دہم ہوں اور گستاخ ہوں! بہر حال وہ مرتے مرگئے مگر کبھی اپنی غلطی مہسوس نہیں کی۔ ان کے زندہ چرے آج بھی سوکھوں نہیں ہزاروں میں جو اپنی زبان میں غلط زبانوں کی تقالی کرنا اور کبانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش کبھی سہل نہیں ہوئی اور نہ آئے ہوگی۔ ہاں ان کی بدولت اہم کا پرچار نہیں ہو سکتا، زبان کی دفعوں سے اہم جکڑا رہا۔ اہم کی دشواریوں کے ساتھ ساتھ زبان کی دشواریاں بھی دھنکی اور ان دو نے ملوں بہار کا اٹھانا بہت بڑی آسیریت کے لئے ناممکن ہوا۔

نہ معلوم ہم کب اس قدرتی قانون کو جانہ گئے کہ شکشا کے زریعہ سرکار اور دیہاتی سہیاں جلتا کو تھوڑا بہت گفتروں کر سکتی ہیں مگر جلتا کے چھکڑ کو اس کی ہسرتوں اور خاموشوں کو ایک دم نہیں بدل سکتی۔ اسی ترہ ہم جلتائی اچارن یا آم تلفظ تھوڑا بہت گفتروں میں لاسکتے ہیں۔ مگر یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس کے رخ کو بالکل ہی بدل ڈالیں۔

جب داؤد اور David، اسحاق اور Isaac، موسیٰ اور Moses، ابراہیم اور Abraham، ایک ہی لفظ سے بنے تھے دو الگ الگ اچارن کی وجہ سے دو الگ الگ بھاشاؤں میں سے ہیں تو سنسکرت ”پرساد“ اور ہندی پرہاد یا سنسکرت دیہش اور ہندی دیس یا اربی قلعہ اور اردو قلعہ کہیں غلط ہو سکتے ہیں؟ جب اربی میں یونانی لفظ، انگریزی میں فرنچ لفظ، ایذا ”اصل“ تلفظ باقی نہیں رہ سکتے تو ہندستانی میں بھی دوسری زبانوں سے لئے ہوئے لفظوں کا ”اصل تلفظ“ یا ”شدہ اچارن“ کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ ہر بھاشا کے اچارن جھکڑ کے اوسار غور لفظ کے اچارن میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آئی ہے۔

اس آئل تبدیلی کو ”بگاڑ“ کہنا، ”خرابی“ سے تاہر کرنا، ”اپ بھرتش“ کا شوق نام دینا ہماری قدامتہ دلس پرکرتی، چہمت وہم اور جہالت کا سہوت ہے۔

میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قلعہ Qale کو قلعہ Qile کی ترہ اردو میں بولے جانے والے اربی لفظوں پر اربی تلفظ لادنے کی تمام کوششوں اسی ترہ ہے گا جاپدگی جھسے جملنا کو یونانی یا جلتا کو جلتا کہلوانے کی کوششوں آخرکار نام دھنکی۔

ہمیں ابھی ترہ سے مالم کرلینا چاہئے کہ ہندیاہے ہوئے شہد ہی ہندستانی کا جز بن سکتے ہیں۔ ہندیاہے ہوا شہد مانو اس تولے بہر چاندی کی ترہ

کا تالکھنا سنسکرت یا فارسی یا عربی یا انگریزی کے متاثر ہو۔

ہندوستان کی یونیورسٹی میں عربی ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسر نے ایک بار مجھے "ہندوستانی" کہتے ہوئے کہا تھا اس زمانے میں قلمی ہونے کی وجہ سے وہ میرے بڑے افسر بھی تھے۔ کئی مرتبہ ہمیں کرنے کے باوجود وہ "ہندوستانی" کہلانے پر اصرار کرتے تھے اور مجھ سے سخت ناراض رہتے تھے۔ ہندوستان ہی کے ایک بڑے وزیر کے موصوفہ اُردو میں استعمال ہونے والے عربی لفظوں کا "مصحف لفظ" اپنے مانہوں کو بتاتے تھے اور ان میں سے باز اپنی واقفیت اپنے جان پہچان والوں پر جملتے تھے۔ آجکل بھی اسی قسم کی زہمت رکھنے والے ہندوستانی بزرگوار ہماری امت کو ہندوستانی ہوں۔ مگر ہندوستان سے اُردو کا تخت اور تختہ چوں کہ اُٹ گیا ہے۔ ان عربی پرست ہندوستانیوں کی اہمیت کھٹ گئی ہے۔

آجکل کے ہندی ڈیپارٹمنٹ کے صدر اپنا نام خالین سنسکرتی تہ پر کھلانے پر بڑا جَوَر دیتے ہیں۔ خود ان کے بارے میں ان کے وہی خیالات ہوں جو پچھلے زمانے کے عربی کے پروفیسر صاحب کے تھے:

"نوراللغات" ہماری زبان کی ایک پرمانک لغت مانی جاتی ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے۔

"کُلّی: کُلّی غلط ہے، سہی کُلّی ہے۔"

اسی ڈکشنری میں۔

"کُلّی" کے بارے میں لکھا ہے "کُلّی کا بیگناہ ہوا۔"

"کُلّی" پر فزّی غلطی سے جبر دیا تاکہ آپ کُلّی نہ پڑیں۔

"کُلّی" کے نیچے جبر دیا تاکہ آپ کُلّی نہ کہیں۔

اگر خود دانشوری تہذیب دینے والے ایسی گمراہی میں مبتلا ہوں تو سرکاری ہندوستانیوں یا ہندوستانیوں کو لکھنا اور پڑھنا کا کیا ذکر۔ خیال تو یہ ہے۔ اُردو دانشوری میں عربی اور فارسی لفظوں کو سہی اور اُردو بولنے والی ماں بہنوں پڑھ لکھوں اور خود انہوں کا لفظ غلط ہے! مصحف لفظ کو غلط سمجھنا ہی سب سے بڑی غلطی ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے اُردو پچھلے دیکر صاحب سے کہا تھا کہ "ہندوستانی علوم" میں نے ہندوستانیوں ہار الہاس برنی صاحب کے لکچروں میں سنا تھا، میں خود دو تین دھانوں سے بھی بولتا چلا آیا ہوں، میرے ہندوستانی شاگرد بھی ہندوستانی ہی کہتے تھے، انہیں کے خاندان کے ایک بزرگ دولہ صاحب کی زبانی بھی میں نے ہندوستانی سنا؛

کا لکھنا سنسکرت یا فارسی یا عربی یا انگریزی کے متاثر ہو۔

ہندوستان کی یونیورسٹی میں عربی ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسر نے ایک بار مجھے "ہندوستانی" کہتے ہوئے کہا تھا اس زمانے میں قلمی ہونے کی وجہ سے وہ میرے بڑے افسر بھی تھے۔ کئی مرتبہ ہمیں کرنے کے باوجود وہ "ہندوستانی" کہلانے پر اصرار کرتے تھے اور مجھ سے سخت ناراض رہتے تھے۔ ہندوستان ہی کے ایک بڑے وزیر کے موصوفہ اُردو میں استعمال ہونے والے عربی لفظوں کا "مصحف لفظ" اپنے مانہوں کو بتاتے تھے اور ان میں سے باز اپنی واقفیت اپنے جان پہچان والوں پر جملتے تھے۔ آجکل بھی اسی قسم کی زہمت رکھنے والے ہندوستانی بزرگوار ہماری امت کو ہندوستانی ہوں۔ مگر ہندوستان سے اُردو کا تخت اور تختہ چوں کہ اُٹ گیا ہے۔ ان عربی پرست ہندوستانیوں کی اہمیت کھٹ گئی ہے۔

آجکل کے ہندی ڈیپارٹمنٹ کے صدر اپنا نام خالین سنسکرتی تہ پر کھلانے پر بڑا جَوَر دیتے ہیں۔ خود ان کے بارے میں ان کے وہی خیالات ہوں جو پچھلے زمانے کے عربی کے پروفیسر صاحب کے تھے:

"نوراللغات" ہماری زبان کی ایک پرمانک لغت مانی جاتی ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے۔

"کُلّی: کُلّی غلط ہے، سہی کُلّی ہے۔"

اسی ڈکشنری میں۔

"کُلّی" کے بارے میں لکھا ہے "کُلّی کا بیگناہ ہوا۔"

"کُلّی" پر فرض غلطی سے جبر دیا تاکہ آپ کُلّی نہ پڑیں۔

"کُلّی" کے نیچے جبر دیا تاکہ آپ کُلّی نہ کہیں۔

اگر خود دانشوری تہذیب دینے والے ایسی گمراہی میں مبتلا ہوں تو سرکاری ہندوستانیوں یا ہندوستانیوں کو لکھنا اور پڑھنا کا کیا ذکر۔ خیال تو یہ ہے۔ اُردو دانشوری میں عربی اور فارسی لفظوں کو سہی اور اُردو بولنے والی ماں بہنوں پڑھ لکھوں اور خود انہوں کا لفظ غلط ہے! مصحف لفظ کو غلط سمجھنا ہی سب سے بڑی غلطی ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے اُردو پچھلے دیکر صاحب سے کہا تھا کہ "ہندوستانی علوم" میں نے ہندوستانیوں ہار الہاس برنی صاحب کے لکچروں میں سنا تھا، میں خود دو تین دھانوں سے بھی بولتا چلا آیا ہوں، میرے ہندوستانی شاگرد بھی ہندوستانی ہی کہتے تھے، انہیں کے خاندان کے ایک بزرگ دولہ صاحب کی زبانی بھی میں نے ہندوستانی سنا؛

جمعای قلمو یا ام اچارن نو اهمیت

جملےا پائے اوام کے تلفز کو غلت سمجھ کر بہتہ دے لوگ
کوشش کر چکے اور کرتے رہتے ہوں کہ ہماری بھاشا میں
بولے جانے والے لغزوں کا ”صحیح تلفظ“ ہو۔ اِس قسم
کی زہدیت دیکھنے والے اور کوشش کرنے والے وہی لوگ ہیں
جو بھاشائیات اور آوازیات کے اِسوں سے ناوالف، اُم سمجھ
سے مہروم، اپنی جزا قلمیت کی نمائش نے شوکتوں اور
سب پر تریا یہ دے سوسی یا مذہبی وجہوں سے چھت
رہم میں چلتے ہیں۔

خان بہادر اور آرد رائے بہادروں کی ترقی مرور بہت میں
 لت بک ہزاروں نام مائر آلم اور کسی نہ کسی وجہ سے
 تھوڑی بہت عزت یا رسوخ پایا ہوئے لوگ کہتے ہیں کہ
 فلاں لغز قلت ہے، اس کا تسمہ ہوں نہیں ہوں عونا چاہئے۔
 دسمبر قلت ہے، اسے دسمبر لکھنا آرد ہونا چاہئے۔
 ہندوؤں علت ہے دسود عونا چاہئے۔ اسی طرہ جملہ نہیں
 ہونا شدہ ہے۔ ہر شاد نو پرسان کہنا چاہئے اور دیس نو
 دیس! دیونکہ ن چہنگ و ہندوؤں کے گھاس نے متابق یہ
 لغز انگریزی یا سندسکرت سے آئے ہوں اور ان کا دھی تسمہ بھی
 ہونا چاہئے۔

یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہزاروں لکڑیوں کے
 وہ اپنی محدود واقفیت کی بنا پر انگریزی سمجھتے ہیں
 سرے سے انگریزی ہی نہیں بلکہ انگریزی میں لائٹلی
 یا ہونانی یا فرنچ یا کسی اور زبان سے آئے ہیں۔ بلکہ
 ہزاروں قدیم یورپی رہائش گاہوں کے تھوڑے تو ہم انگریزی
 سمجھتے ہیں اور اس کا اچان بھی انگریزی ترقی کرنا
 چاہتے ہیں۔ میں تو اس ہوتا ہوں جب ہندی اور
 اردو کتابوں میں ”انگریزی“ شہدوں کو ہندوستانی
 ترقی پر لکھنے کے بجائے ”اصل“ انگریزی ہولچال کے
 متعلق یا اسکی قریبی نقالی میں لکھا ہوا دیکھتا ہوں
 چھسے؛

اسٹوڈنٹ	کی بجائے	سٹوڈنٹ
لندن	”	لندن
امریکا	”	امریکا

स्टेशन	की बजाय	सटेशन
लन्डन	"	लन्डन
अमेरीका	"	अमेरीका

पल्लवर्दी ५३

جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، ہارائیل، اسمائیل، اسحاق وغیرہ بھی خالص عربی لفظ نہیں ہیں بلکہ عبری اور سوریہ اس سے پہلے کی زبانوں سے عربی میں چلے گئے ہوئے فرشتوں اور انسانوں کے نام ہیں۔

فارسیاں لفظ

ایران سے جتنے کتب آتے ہیں اس پر ”پست ایران“ لکھا ہوتا ہے۔ یہ ”پست“ اونچائی کا لفظ نہیں ہے بلکہ فرانسیسی زبان کے زریعہ داخل کیا ہوا یورپی لفظ ہے جسے انگریزی میں Post کہتے ہیں یا پتہ۔ ایلم اور فن کا فرق لفظ لکھ کر جسے انگریزی میں ڈاکٹر (Doctor) کہتے ہیں۔ فارسی میں ڈاکٹر نہیں بلکہ دکتور (دوروز انگور) کہا جاتا ہے۔ فارسی لغت (شہدائی) اٹھارہ سو سے دیکھتے یا خالص فارسی دالوں سے بات چیت کو کہتے آپ کو سہکوں نہیں ہزاروں مسائل ملے گی جن سے ثابت ہوگا کہ ایرانی ہر زبانوں کے اکثر لفظوں کو اپنی زبان کی ہولچالی فطرت کے مطابق بدل دیتے ہیں۔

ایران سے جتنے کتب آتے ہیں اس پر ”پست ایران“ لکھا ہوتا ہے۔ یہ ”پست“ اونچائی کا لفظ نہیں ہے بلکہ فرانسیسی زبان کے زریعہ داخل کیا ہوا یورپی لفظ ہے جسے انگریزی میں Post کہتے ہیں یا پتہ۔ ایلم اور فن کا فرق لفظ لکھ کر جسے انگریزی میں ڈاکٹر (Doctor) کہتے ہیں۔ فارسی میں ڈاکٹر نہیں بلکہ دکتور (دوروز انگور) کہا جاتا ہے۔ فارسی لغت (شہدائی) اٹھارہ سو سے دیکھتے یا خالص فارسی دالوں سے بات چیت کو کہتے آپ کو سہکوں نہیں ہزاروں مسائل ملے گی جن سے ثابت ہوگا کہ ایرانی ہر زبانوں کے اکثر لفظوں کو اپنی زبان کی ہولچالی فطرت کے مطابق بدل دیتے ہیں۔

فارسیاں لفظ

ایران سے جتنے کتب آتے ہیں اس پر ”پست ایران“ لکھا ہوتا ہے۔ یہ ”پست“ اونچائی کا لفظ نہیں ہے بلکہ فرانسیسی زبان کے زریعہ داخل کیا ہوا یورپی لفظ ہے جسے انگریزی میں Post کہتے ہیں یا پتہ۔ ایلم اور فن کا فرق لفظ لکھ کر جسے انگریزی میں ڈاکٹر (Doctor) کہتے ہیں۔ فارسی میں ڈاکٹر نہیں بلکہ دکتور (دوروز انگور) کہا جاتا ہے۔ فارسی لغت (شہدائی) اٹھارہ سو سے دیکھتے یا خالص فارسی دالوں سے بات چیت کو کہتے آپ کو سہکوں نہیں ہزاروں مسائل ملے گی جن سے ثابت ہوگا کہ ایرانی ہر زبانوں کے اکثر لفظوں کو اپنی زبان کی ہولچالی فطرت کے مطابق بدل دیتے ہیں۔

”سخندان فارس“ میں محمد حسن

آزاد نے سہکوں فارسی لفظ دئے ہیں جو سنسکرت سے لئے گئے ہیں۔ آپ نے سہی لکھا ہے:

”جس طرح ملکوں کی آبادیوں کے رنگ و روپ، ذہل قول، رسم و رواج بدلتی ہے، اسی طرح لہجوں، آوازوں اور تلفظ کے فرق سے ان کے لفظوں کے ذہل قول اور عبارتوں کے جوڑ توڑ میں فرق آگیا.....“

آگے چل کر آپ نے کہا خوب لکھا ہے:—

”تجربے اور مشاہدے نے قانون بنایا کہ اکثر الفاظ شروع میں لچر اور غلط شہار ہوتے ہیں۔ پھر اگر متادریے نے انہیں منظور کر لیا اور خواص نے زبان میں جگہ دی اور نظم و نثر نے لکھاوتی سند دے دی تو وہی غلط لفظ مستقل لغت ہو کر اجزائے زبان ہو جاتے ہیں..... ملک سخن میں کوئی لفظ صحیح نہیں، کوئی لفظ غلط نہیں۔ جس پر قبول عام اور رواج نام مہر کر دے وہ لفظ صحیح ہے۔ یہ نہ ہو تو صحیح ہی مرہود“

اردو لفظ

قدوت کے اہل قانون کے مطابق ہماری زبان میں ہر زبانوں کے ہزاروں لفظ بدل گئے ہیں۔ (اردو) * مطبع مہنت عام، لاہور کا چھپا ہوا افسوس۔

1907ء صفحہ 2 اور 3۔

** صفحہ 53۔

اردو لفظ

قدوت کے اہل قانون کے مطابق ہماری زبان میں ہر زبانوں کے ہزاروں لفظ بدل گئے ہیں۔ (اردو) * مطبع مہنت عام، لاہور کا چھپا ہوا افسوس۔

1. متناہی مکتوبہ، لاہور کا چھپا ہوا افسوس 1907ء 2 سفا 3۔

* سفا 53

کی ناکسیت کھاتے تھے۔ اس آس روڑ سے وہ بھی ہمیشہ نکلتی تھی کہ کو اپنی جرمین والٹھ جلتے پھرتے تھے۔

یورپی مہینوں کے لاتیانی نام فرنیچ میں الگ تہ سے بولے جاتے ہیں، انگریزی میں الگ تہ سے اور ہندستانی میں الگ تہ سے۔ مغربیت کے ساتھ ساتھ مغربی ولت شادی بھی سارے سنسار میں پھیل گئی۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہر زبان میں ان کا لغز کچھ نہ کچھ اختلاف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ہم باد میں دئے ہوئے (تھیل) سے کر سکتے ہیں جس میں یورپی مہینوں کے نام جرمن، انگریزی اور ہندستانی لغز کے لحاظ سے لکھے گئے ہیں۔

لاتیانی مہینوں کے نام

انگریزی	جرمن	ہندستانی
جنوری	یانوآر	جنوری
فروری	فبروآر	فروری
مارچ	مہرتس	مارچ
اپریل	آپرل	اپریل
مئی	مئی	مئی
جون	یونی	جون
جولائی	یولی	جولائی
اگست	اگست	اگست
ستمبر	زپتمبر	ستمبر
اکتوبر	اکتوبر	اکتوبر
نومبر	نومبر	نومبر
دسمبر	دسمبر	دسمبر

اسی ایک (تھیل) سے ہم دنیا بھر کی زبانوں پر لاؤ ہو سکتے والے قانون کا پتا چلا سکتے ہیں، جو قدرتی ہونے کی وجہ سے سائنسی قانونوں کی تہ آئل ہے۔

”تمام مشہور مقاموں اور شہریتوں کے نام، تمام مشہور چیزوں کے ناموں کی تہ ہر زبان میں اس زبان کے ’اپ ولہجہ‘ بلات اور جھکڑ کے مطابق مختلف شکل اختیار کرتے ہیں۔“

اسی قانون کی سنسار پانہ اہمیت زائر کرنے کے لئے ہم مختلف زبانوں میں چلن پائے ہوئے پھر زبانوں کے لغز کی مثالیں دے رہے ہیں۔

مربطے ہوئے لغز

سقراط، افلاطون اور ارسطو کی تہ پقراط، جالہوس، نسافورٹ خاص نام ہیں۔ قصص، فلسفہ اور جغرافیہ، قلدیل، قونسل اور فیل کی تہ دوسری زبانوں کے لغز ہیں جو ادبی سانچے میں فعال کر رہے گئے ہیں۔ دوسری سنساری جنگ میں چرچل کا نام لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا تھا۔ ادبی میں سارے سے چ ہے ہی نہیں لہذا تمام ادب چرچل کو شریل یا شریل کہتے ہیں۔

ہندوستانی شبدیات کا تیسرا असूल: बदलाव उच्चारन और आम तलप्रफुज

(डाक्टर जाकर हसन)

ہندوستانی شبدیات کا تیسرا असूल یہ ہے کہ لغز چاہے لفظ چاہے کھیں کے ہیں؛ یورپ کے یا بھارت کے؛ پرانی زبانوں کے یا نئی بہاؤوں کے؛ لغز چاہے کہیں سے لئے گئے ہوں؛ انگریزی سے، لاطینی سے، یونانی سے، عربی سے، فارسی سے، تہذیب سے، سنسکرت سے۔ دلی چھکاؤ یہ ہونا چاہئے کہ ان لغزوں کو ہندوستانی سانچے میں ڈھال کر ہندیایا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی لغز اپنے اصلی روپ میں باقی نہ رہے، مگر اکسر شبدوں کے رنگ روپ کا بدلنا بہاؤاٹھات کا اٹل قانون ہے۔ اس اہم قانون کی ناواقفیت سے جس قدر نقصان ہندی اور اردو کو پہنچ چکا اور پہنچ رہا ہے اس کا اندازہ کرنا ہی مشکل ہے۔ اس قانون کی معجزمانہ ناواقفیت ہمارے کئی پلڈتوں اور مولویوں بلکہ آلموں اور ودوانوں کی سب سے بڑی بھول ہے۔

یونانی اور لاطینی کے ہزاروں شبد یورپ کی تمام بہاؤوں میں چالو ہیں مگر ان شبدوں کے اُچارن بھانت بھانت کے ہوئے ہیں۔ شبدوں کو جانے دیجیے انسانیوں اور مٹکاموں کے نام اکسر بدلت جاتے ہیں اور ہر زبان میں اس کی نجی فطرت کے مطابق ان کا اُچارن کیا جاتا ہے۔

جیسے انگریزی میں

کالی گھاٹ یا کلکتہ کو	Calcutta
دہلی یا دہلی	Delhi
بمبئی	Bombay
ہیدرآباد	Hyderabad

بولتے ہیں۔ جرمن اپنی زبان کے قایدے اور فطری چھکاؤ کے انوسار Kalkutta لکھتے اور دل کٹا کہتے ہیں۔ جرمن بہاؤا میں چ سرے سے ہ ہی نہیں۔ لہذا وہ جاپان کو یاپان اور شاہجہاں کو شاہجہاں کہتے ہیں اور یہی تلو جرمن کی حد تک سہی ہے۔ اگر آپ جرمن بولتے ہوئے Kalkutta کی بجائے Kalkutta لکھتے تو سننے والے خیال کریں گے کہ آپ صرف اپنی واقفیت جتلاتا چاہتے ہیں۔ الم نمای یا دنیا پردریشی برای ہے۔ دوسری سلساری جنگ میں ہٹلر کا نام ان گلف موٹوں پر لیا جاتا تھا۔ اسی سلسلے میں نازی پارٹی اور نازیٹ کا ذکر پھور ہوتا تھا۔ ہمارے دیس کے ایک صاحب نے کسی سے سن لیا کہ خد جرمن نازی تھریک کو نازی اور نازیٹ

ہندوستانی شبدیات کا تیسرا असूल: बदलाव उच्चारन और आम तलप्रफुज

(ڈاکٹر جانر حسن)

ہندوستانی شبدیات کا تیسرا असूल یہ ہے کہ لغز چاہے لفظ چاہے کھیں کے ہیں؛ یورپ کے یا بھارت کے؛ پرانی زبانوں کے یا نئی بہاؤوں کے؛ لغز چاہے کہیں سے لئے گئے ہوں؛ انگریزی سے، لاطینی سے، یونانی سے، عربی سے، فارسی سے، تہذیب سے، سنسکرت سے۔ دلی چھکاؤ یہ ہونا چاہئے کہ ان لغزوں کو ہندوستانی سانچے میں ڈھال کر ہندیایا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی لغز اپنے اصلی روپ میں باقی نہ رہے، مگر اکسر شبدوں کے رنگ روپ کا بدلنا بہاؤاٹھات کا اٹل قانون ہے۔ اس اہم قانون کی ناواقفیت سے جس قدر نقصان ہندی اور اردو کو پہنچ چکا اور پہنچ رہا ہے اس کا اندازہ کرنا ہی مشکل ہے۔ اس قانون کی معجزمانہ ناواقفیت ہمارے کئی پلڈتوں اور مولویوں بلکہ آلموں اور ودوانوں کی سب سے بڑی بھول ہے۔

یونانی اور لاطینی کے ہزاروں شبد یورپ کی تمام بہاؤوں میں چالو ہیں مگر ان شبدوں کے اُچارن بھانت بھانت کے ہوئے ہیں۔ شبدوں کو جانے دیجیے انسانیوں اور مقاموں کے نام اکسر بدل جاتے ہیں اور ہر زبان میں اس کی نجی فطرت کے مطابق ان کا اُچارن کیا جاتا ہے۔

کالی گھاٹ یا کلکتہ کو	Calcutta
دہلی یا دہلی	Delhi
بمبئی	Bombay
ہیدرآباد	Hyderabad

جیسے انگریزی میں

کا دُورمن ہے؟ کیا وہ چین کی کمیٹی میں باخبر ہے کہ کمیونسٹ چین اور کوریا کے درمیان اپنی رائے دے گا اور وہ تیسرا ہتھیار؟ وہ بھی کہا اس سلیکٹڈ واشنگٹن سلیکٹڈ کے پاس نہیں رہا ہے؟ اس طرح اس کمیٹی کی حقیقت اصلیت میں نہیں کے برابر ہو جاتی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آخر کس پوائنٹ پر پان من جان کی بات چھت رک گئی تھی؟ اسی بات پر نہ کہ قہدی کس اصول سے لڑائے جائیں؟ اور اس نسبت چھن اور کوریا کا کہنا ایک تھا اور سلیکٹڈ واشنگٹن سلیکٹڈ یا امریکہ کا دوسرا۔ وہ بلحاظی جھگڑا ہندوستانی مسودے میں بدستور قائم ہے۔ اس لئے اس مسئلے پر معاملہ جہاں کا تھا وہ جانا ہے اور چھن یا کوریا دیکھتا ہے کہ جس بات کے لئے وہ پان من جان میں آتا تھا اس میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس طرح ہندوستان کے مسودے نے سمجھوتے کو اگے نہیں بڑھایا اور اسکی عبارت کی لغاطی مٹا دیلے پر جھگڑے کی حقیقت وہیں کی وہیں رہ جاتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ سارے سندسار کا مانا ہوا چلےوا کا اصول نہ مانا جائے۔ سویت روس نے جو لڑائی بالکل ہلد کر دیلے کی بات اٹھائی ہے وہ بھی ایک ضروری بات ہے جس کا حوالہ ہندوستانی مسودے میں نہیں ہے۔ جب ہم صلح کی بات چھت کرتے ہیں تو اس بات چھت میں پہلی شرط بھی ہونی چاہے کہ لڑائی بالکل ہلد کر دی جائے۔ آخر ایسا کرنے میں امن پسند قوموں کو کہا اور کدوں اعتراض ہو سکتا ہے؟ ان لوگوں کو عقل سے کوئی واسطہ نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ لڑائی دکتے ہی چھن، کوریا یا روس والوں کو لڑائی کے سامان ہلانے کا موقع مل جائے گا کیونکہ انہیں سمجھنا چاہئے کہ مورچوں پر لڑنے والی فوجیں کھر لپٹ کر مہیاری نہیں بدلتیں، انہیں کھر والے ہی ہلانے میں اور ہلانے رہتے ہیں۔

کوریا کی لڑائی کی حقیقت یہ ہے۔ کوریا اور چھن کو لڑائی منظور نہیں کیونکہ لڑائی ان کے نرمان کے کاموں کے خلاف جائے گی۔ وہ اپنے کھر میں ہوتے دوسروں کی طاعت اور کھمبہ بھری برہن کا شکار ہو رہے ہیں، ان کی برہن کا جو اپنے ملک کی حدوں سے باہر دوسروں کی زمین پر ہے اور وہاں اپنی آزادی کی رکشا کر رہے ہیں! چھن کے چاند تارے اس کے امن کی کھمبہ جانتے ہیں اور کوریا کی زمین لہو سے اس کا ثبوت دیتی ہے۔ اسکی ہوا میں اس کے لئے مہرے ہوں کی ہکا بونج دہی ہے۔

کوریا کی لڑائی کی حقیقت یہ ہے۔ کوریا اور چین کو لڑائی مقرر نہیں کیونکہ لڑائی ان کے نرمان کے کاموں کے خلاف جائے گی۔ وہ اپنے کھر میں ہوتے دوسروں کی طاعت اور کھمبہ بھری برہن کا شکار ہو رہے ہیں، ان کی برہن کا جو اپنے ملک کی حدوں سے باہر دوسروں کی زمین پر ہے اور وہاں اپنی آزادی کی رکشا کر رہے ہیں! چین کے چاند تارے اس کے امن کی کھمبہ جانتے ہیں اور کوریا کی زمین لہو سے اس کا ثبوت دیتی ہے۔ اسکی ہوا میں اس کے لئے مہرے ہوں کی ہکا بونج دہی ہے۔

کوریا کی لڑائی کی حقیقت یہ ہے۔ کوریا اور چین کو لڑائی مقرر نہیں کیونکہ لڑائی ان کے نرمان کے کاموں کے خلاف جائے گی۔ وہ اپنے کھر میں ہوتے دوسروں کی طاعت اور کھمبہ بھری برہن کا شکار ہو رہے ہیں، ان کی برہن کا جو اپنے ملک کی حدوں سے باہر دوسروں کی زمین پر ہے اور وہاں اپنی آزادی کی رکشا کر رہے ہیں! چین کے چاند تارے اس کے امن کی کھمبہ جانتے ہیں اور کوریا کی زمین لہو سے اس کا ثبوت دیتی ہے۔ اسکی ہوا میں اس کے لئے مہرے ہوں کی ہکا بونج دہی ہے۔

مچھر و فھرہ فھرہ کے فھرہ ہم کے فھرہ کے ساتھ ایسی جگہوں
میں ملے جہاں فھرہ لے جائے گئے اُن کا پہنچ سکتا مسکن
نہ تھا۔ 'اُن قانونیڈ'، 'کالرا'، 'ملیریا'، 'چھچک' و فھرہ بیماریوں
کے فھرہوں کو ہم نے خود دیکھا' پھلنگ نے سائنس میں۔
ہم اِس بات سے فھرہ تھے کہ ہمارے کہنے کا لوگ فھرہ
نہ کریں گے پر جو انگریز راشٹری نشپکس' ویکھانکوں کی رپورٹ
نکلی اِس پر فھرہ فھرہ کرتے ہوئے' 'میلنگسٹر کارڈوں' لے
لکھا کہ ہم اُس ہر چھڑ کو چھوٹ نہیں کہہ سکتے جو
کمونسٹ دنیا سے آئی ہے۔ جس لندن یونیورسٹی نے
انگریز ویکھانک کی تحقیقات کی کھولت اور رائے اِس
بارے میں چھڑی ہے اُس نے 30 برس ویکھانک طریقوں سے
انکلیفٹ میں ایمان دار ہو چھڑ کی ہیں اور کوئی وجہ
نہیں کہ ہم اُس کی بات کو چھوٹ قرار دے دیں۔

سُاھ کی بات فھرہ چل ہی رہی تھی کہ فھرہ کوریسا
اور چین کے کڑی کنسنٹریشن کیمپوں میں گول کے گول،
سکڑوں کی تاداد میں مارے جانے لگے اور آج بھی مارے
جا رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لوانی کے فھرہوں کا کیا ہو۔
اِسی ایک بات پر سارا ماملا لٹکا ہوا ہے۔ کوریسا اور چین
کا کہنا یہ ہے کہ 1949 میں چھڑا کانفرنس میں جو
اصول ایک بار طے ہو چکا ہے اُسی کے مطابق فھرہوں کو
لوانی بلد ہونے ہی اپنے یکس کو لوٹا دیا جائے۔ پر امریکہ
اِس کی مخالفت اِس لئے لگاتا کرتا رہا ہے کہ چھڑی
اور اتر کوریسا کے فھرہوں کو وہ چھانگ فانی شہوت اور
فلنگ میں ہی کو دے کر اُنہیں اپنے ہی ملک کی توجہ
کے ملے میں چھوٹ دیا جائے یا اُنہیں امریکی فھرہوں کے
سامنے لہوا کر اُن سے فھرہ جائے وہ اپنے کمونسٹ ملک
میں تباہ ہیں۔ فھرہ اِسے کہ اتر کوریسا منظور کر سکتا ہے
اور نہ چین۔

فھرہ حال میں ہندوستان نے संयुक्त राष्ट्र संघ کے
سامنے مسیحا پش کیا تھا جس میں ایک کمونسٹ، ایک
گور کمونسٹ اور ایک بیکولتے کی ایک کمیٹی کرایم
کرنے کی سلاھ دی گئی۔ امریکا پہلے اُسکی مخالفت
کرتا رہا پر جیسے ہی اُس نے دیکھا کہ ساویت کے
خلاف ہے ویسے ہی اُس نے دنیا کی رائے کو ساویت کے خلاف کرنے کے
لئے ہندوستانی مسودے کو اچھالنا شروع کیا۔ چین
کے اُسے نامعلوم کرنے سے بہت سے لوگوں کے دل کو چھوٹ
پھونچتی اور بہتوں نے ناک بہوں سکڑی۔ پر اُس نے
متعلق کچھ پھاندی ہانہیں سمجھ لہلی ضروری ہیں۔
اول تو یہ کہ اِس لوانی میں ایک فھرہ قانوناً سلطنت
راشٹر سلطنت ہے' دوسرا کوریسا چین ہے۔ جب تک کہ
دوسرے فھرہ کو اُس سبھا میں ہوتے ہی کا حق حاصل نہ
ہوگا تب تک اِس سلطنت کا کوئی پرستار کیا ایک طرف
نہ ہوگا اور وہ اُس خود ایک فھرہ کا جو دوسرے

مچھر و فھرہ فھرہ کے فھرہ ہم کے فھرہ کے ساتھ ایسی جگہوں
میں ملے جہاں فھرہ لے جائے گئے اُن کا پہنچ سکتا مسکن
نہ تھا۔ 'اُن قانونیڈ'، 'کالرا'، 'ملیریا'، 'چھچک' و فھرہ بیماریوں
کے فھرہوں کو ہم نے خود دیکھا' پھلنگ نے سائنس میں۔
ہم اِس بات سے فھرہ تھے کہ ہمارے کہنے کا لوگ فھرہ
نہ کریں گے پر جو انگریز راشٹری نشپکس' ویکھانکوں کی رپورٹ
نکلی اِس پر فھرہ فھرہ کرتے ہوئے' 'میلنگسٹر کارڈوں' لے
لکھا کہ ہم اُس ہر چھڑ کو چھوٹ نہیں کہہ سکتے جو
کمونسٹ دنیا سے آئی ہے۔ جس لندن یونیورسٹی نے
انگریز ویکھانک کی تحقیقات کی کھولت اور رائے اِس
بارے میں چھڑی ہے اُس نے 30 برس ویکھانک طریقوں سے
انکلیفٹ میں ایمان دار ہو چھڑ کی ہیں اور کوئی وجہ
نہیں کہ ہم اُس کی بات کو چھوٹ قرار دے دیں۔

صالح کی بات ادمر چل ہی رہی تھی کہ ادمر کوریسا
اور چین کے فھرہوں کے فھرہوں میں فھرہوں کے فھرہوں
سکڑوں کی تعداد میں مارے جانے لگے اور آج بھی مارے
جا رہے ہیں سوال یہ ہے کہ لوانی کے فھرہوں کا کیا ہو۔
اِسی ایک بات پر سارا ماملا لٹکا ہوا ہے۔ کوریسا اور چین
کا کہنا یہ ہے کہ 1949 میں چھڑا کانفرنس میں جو
اصول ایک بار طے ہو چکا ہے اُسی کے مطابق فھرہوں کو
لوانی بلد ہونے ہی اپنے یکس کو لوٹا دیا جائے۔ پر امریکہ
اِس کی مخالفت اِس لئے لگاتا کرتا رہا ہے کہ چھڑی
اور اتر کوریسا کے فھرہوں کو وہ چھانگ فانی شہوت اور
فلنگ میں ہی کو دے کر اُنہیں اپنے ہی ملک کی توجہ
کے ملے میں چھوٹ دیا جائے یا اُنہیں امریکی فھرہوں کے
سامنے لہوا کر اُن سے فھرہ جائے وہ اپنے کمونسٹ ملک
میں تباہ ہیں۔ فھرہ اِسے کہ اتر کوریسا منظور کر سکتا ہے
اور نہ چین۔

ادمر حال میں ہندوستان نے سلطنت راشٹر سلطنت
کے سامنے مسودہ پش کیا تھا جس میں ایک کمونسٹ، ایک
ایک فھرہ کمونسٹ اور ایک بیکولتے کی ایک کمیٹی قائم کرنے
کی صلاح دی گئی۔ امریکہ پہلے اُس کی مخالفت کرتا رہا
پر جیسے ہی اُس نے دیکھا کہ ساویت کے خلاف ہے ویسے
ہی اُس نے دنیا کی رائے کو ساویت کے خلاف کرنے کے
لئے ہندوستانی مسودے کو اچھالنا شروع کیا۔ چین
کے اُسے نامعلوم کرنے سے بہت سے لوگوں کے دل کو چھوٹ
پھونچتی اور بہتوں نے ناک بہوں سکڑی۔ پر اُس نے
متعلق کچھ پھاندی ہانہیں سمجھ لہلی ضروری ہیں۔
اول تو یہ کہ اِس لوانی میں ایک فھرہ قانوناً سلطنت
راشٹر سلطنت ہے' دوسرا کوریسا چین ہے۔ جب تک کہ
دوسرے فھرہ کو اُس سبھا میں ہوتے ہی کا حق حاصل نہ
ہوگا تب تک اِس سلطنت کا کوئی پرستار کیا ایک طرف
نہ ہوگا اور وہ اُس خود ایک فھرہ کا جو دوسرے

26 साल का तोपची था. उसके दस्ते ने एक गांव की रक्षा करते हुए 17 साल की एक लड़की और एक बच्चे को बचाया बचा तुरन्त मर गया पर लड़की जिसकी मरहम पट्टी करनी थी जब शर्म के मारे ज़मीन में गड़ चली तो बांग ने उस से कहा—'बहन, मैं तुम से कई साल बड़ा भाई हूँ. भाई के सामने बरदा कर अपनी जान न खो जिस्म के कपड़े उतार डाल जिस से तेरी मरहम पट्टी कर सकूँ और जान कि मेरे भी बहनें हैं जिनको बचपन में मैंने नंगी देखा है. लड़की ने कपड़े उतार दिये. अजनबी भाई मरहम पट्टी कर दुश्मनों के फिराक में चल पड़ा और कोरिया डेलीगेशन के उस प्रधान ने सिन सिन जा का जो बयान कि या वह तो इनसान के इतिहास में सोने के हरफों में लिखा जायगा. सिन सिन जा उस अस्पताल की नर्स थी जिसे गांव के साथ ही अमरीकी कौजों ने बरबाद कर दिया था. सिन सिन जा को पकड़ कर ऊँचे चबूतरे पर मादरज़ाद नंगी खड़ा कर दिया गया और उस के पीछे एक आदम क्रद शीशा टिका दिया गया. फिर उत्तर कोरिया के सिपाहियों को उसे देखते हुए सामने से गुज़रने का हुक्म मिला. वह ठिठके और उन्होंने अपनी आंखें ढक लीं. सिन सिन जा ने चिल्ला कर कहा—
“कोरिया के बहादुर सिपाहियो, अपनी इनसानियत की नंगी इज्जत को बे खौफ देख लो और यह कि कोरिया की बेटी किस शान से मरना जानती है, जिस से तुम उस के दुश्मनों से बदला ले सको.” बे खौफ कोरियन सिपाहियों ने नारा बुलन्द किया—‘अमरीकी सामराजवाद मुरदाबाद!’
फिर तो दुश्मनों पर कुछ ऐसा खौफ छा गया कि सिन सिन जा और उसके साथियों को छोड़ कर वह चुपचाप चले गए.

यह रोंगटे खड़े कर देने वाली क्रूरबानियां हैं, और यह कुल नहीं महज कुछ हैं, उन बे शुमार क्रूरबानियों में से कुछ जो कोरिया की लड़ाई में आजादी के यादगारों ने की हैं। दुनिया के जनमत और अपनी मुश्किलों से परेशान हो कर अमरीका ने सुलह की बात छोड़ी। सुलह की बात होने लगी पर उस बीच भी सुलह के मरकज पर भी अमरीकी बमबाजों ने हमले किये और गांकि उन के जनरल पहले उस फ़िस्मेदारी से इनकार करते गए पर आखिर में उन्हें मानना पड़ा कि क्लायदा उनके बमबाजों ने तोड़ा है। सुलह की बात चीत के बीच अगर लड़ाई बिलकुल रोक दी जा सकती थी तो कम से कम उसकी तेषी में तो नरमी लाई ही जा सकती थी। पर ऐसा कुछ न कर 500 अमरीकी बमबाजों ने यादू की सरहद पर, चीनी जमीन पर, तैर लड़ाकू आबादी पर, बम बरसाए। सारी दुनिया ने इस अमरीकी बेहयाई पर जानत भेजी। खुद पंडित नेहरू ने पालियामेन्ट में बड़ी झुल्लाहट के साथ उस तबड़ का फ़िकर किया। साथ ही अमरीकी बम बरसने के जाने लगे और मकड़ी, मकिलियां,

26 سال کا توپچی تھا۔ اُس نے دستے نے ایک گاؤں کی رکھا کرتے ہوئے 17 سال کی ایک لڑکی اور ایک بچے کو بچایا۔ بچہ تینت مرگھا پر لڑکی جسکی مرہم پتی کرنی تھی جب شرم مارے کے زہن میں کو چلی تو دانگ نے اُس سے کہا—بہن! میں تجھ سے کئی سال بڑا بھائی ہوں۔ بھائی نے سامنے پردہ کر اپنی جان نہ کھو۔ جسم کے کھوے آثار ڈال جس سے توری مرہم پتی لڑکیوں اور جان کے مہرے بھی بھٹوں میں جن کو بچھن میں میں نے لنگی دیکھا ہے۔ لڑکی نے کھوے آثار دیکھے۔ اجنبی بھائی مرہم پتی کر دشمنوں کے فرائق میں چل پڑا اور کوریا قہلکھن کے اُس پر دھان ے سن سن را کا جو بیان کیا وہ تو انسان کے اتھاس میں سولے کے حرفوں میں لکھا جائے گا۔ سن سن را اُس اسپتال کی برس تھی جسے گاؤں کے ساتھ ہی امریکی فوجوں نے برباد کر دیا تھا۔ سن سن را کو پکڑ کر اونچے چھوٹے پر مائوزڈ لنگی کھڑا کر دیا گیا اور اُس کے پوجھے ایک آدم قد شیشہ ٹکا دیا گیا۔ پھر اتر کوریا نے سپاہیوں کو اُسے دیکھتے ہوئے سامنے سے گذرنے کا حکم ملا۔ وہ تھتکے اور اُنہوں نے اپنی آنکھوں قہلک لیں۔ سن سن را نے چلا کر کہا—” کوریا کے بہادر سپاہیو! اپنی انسانیت کی لنگی عزت کو بے خوف دیکھ لو اور یہ کہ کوریا کی بہتی کس شان سے مرہا جانتی ہے جس سے تم اُس کے دشمنوں سے بڈالے سکو۔“ بے خوف کوریہ سپاہیوں نے نعرہ بلند کیا—’ امریکی سامراج واد مردہ باد!‘ پھر تو دشمنوں پر کچھ ایسا خوف چھا گیا کہ سن سن را اور اُس کے ساتھیوں کو چھوڑ کر وہ چھپ چاپ چلے گئے۔

یہ رونگٹے کھڑے کر دیئے، وائی قربانیاں مہں' اور یہ
کل نہیں متعلق کچھ مہں' اُن بے شمار قربانوں مہں سے
کچھ جو کوریا کی لڑائی مہں آزاد کی یوداھاؤں نے کی مہں۔ دنیا
کے جن مست اور اپنی مشکلوں سے پریشان ہو کر امریکہ بے صلح
کی بات چہڑی صلح کی بات ہوئے لگی ہر اُس بیچ بھی صلح نے
مرکز پر بھی امریکی ہم ہازوں نے حملہ کئے اور کوئہ اُن کے
جنرل پہلے اُس فیصد داری سے انکار کرتے کئے ہر آدھر مہں انہوں
ماندا ہوا کہ قاعدہ اُن نے ہم ہازوں نے توڑا ہے۔ صلح کی
بات چہڑا کے بیچ اگر لوائی بالکل روئی نہیں جاسکتی
نہی تو کم سے کم اُس کی تھوڑی مہں تو نرمی لائی ہی
جا سکتی تھی۔ ہر ایسا کچھ نہ کر 500 امریکی ہم
ہازوں نے ہالو کی سرحد پر' چھوڑ زسٹن پر' فہر لوائو آبادی
پر' ہم ہرسانے۔ ساری دنیا نے اُس امریکی بے حیائی پر
لعنت بھیجی۔ خود ملحدت نہرو نے پارلیامنٹ مہں
بڑی جھلومت کے ساتھ اُس خمد کا ذکر کیا۔ ساتھ ہی
جسٹس ہم ہرسانے جانے لگے اور مکتوب' مکھیاں'

کيا حال هونگا ؟ اور अगर रूस के अलग रहते कोरिया की लड़ाई की कैफियत यह है कि अमरीका को मुंह चुराने की नौबत आ गई है तो चीन को हमलावर करार देने पर दोनों की दोस्ताना मुलाह के मुताबिक जब चीन पर हमले के बाद रूस खुल्लम खुल्ला लड़ाई के मैदान में उतर कर चार दिन में पच्छिमी योरप को रौंद डालेगा तो उसे कौन बचाएगा ?

लड़ाई चल रही थी. चीन के किसान और मजदूर रोज के काम के घंटों के बाद आध घंटा और इसलिये मेहनत करने लगे कि कोरिया के मोरचे पर लड़ने वाले चीनी वालनटियरों या कोरियन लड़ाकों को खाने पहनने की कमी न हो. इस बीच अमरीका के कारखानों ने तोपें उगल दीं, हवाई जहाज उगले, नपाम और जरमीले बम उगले. और कोरिया के साथ साथ चीन की सरहद्दी जमीन यालू की घाटी खून से लाल हो गई. जब तक 38 वीं पड़ी सरहद्दी लकीर दूर थी एचएसन और बेथिन कहते रहे मंजिल वही है, बस वही. पर वहां तक पहुँचते ही उन्होंने अपनी बेहया जवान बदल दी और कहा, उस लकीर को पार कर जाना तो बिल्कुल ठीक है. और वह पार कर गए.

आज कोरिया के शहर और गांव मिट्टी में मिल चुके हैं, तापों की तड़प से पहाड़ की छाती फट चुकी है, उसकी गुफाओं में लोगों ने पनाह ली है. इस बीच की हुई कोरिया की कुरबानियां बयान तवारीख के बरक़ पुकार पुकार कर सुनायेगे

इन कुरबानियों का जो चित्र पीकिंग कानफरेन्स में आए कोरियन डेलीगेशन के पेशवा हान सुल या ने खींचा वह मुलाया नहीं जा सकता. कहने लगे हमारे गांवों में एक घर खड़ा नहीं, एक मर्द नहीं, एक बच्चा नहीं, एक औरत नहीं जिसकी असमत बची हो, जिसके जिस्म की शरम की जगहें संगीनों से फाड़ न डाली गई हों. मेरे सामने रोलट एक्ट के बाद का उस पंजाबी गांव का रूप खड़ा हो गया जिसका जिकर महात्मा गांधी ने अपनी आत्मकथा में किया है— कि किस तरह वहां के मर्द पकड़ लिए गए थे और औरतों पर रौंर इनसानी जुल्म ढाए गए थे.

हान सुल या ने अपनी आंखों में आंसू भर कर बताया कि किस तरह एक कमरे में 77 बच्चे बरफ में जम गए थे. जिन के ना न इसलिये उखड़ गए थे कि जब चीखते चिल्लाते उन्होंने खिड़कियों को पकड़ा तो उनके हाथों में संसार की आजादी के जिम्मेदार अमरीकी सिपाहियों ने संगीनें भोग दी थी ! हान सुल या के मुंह का कौर निगला न जा सका.

और हमदर्दी और दिलेरी की जो मिसालें उन्होंने दीं वह लड़ाई के इतिहास में लासानी हैं. बांग लिन पो

कहा حال होगा ? और अगर रूस के अलग रहते कोरिया की लड़ाई की कैफियत यह है कि अमरीका को मुंह चुराने की नौबत आ गئی है तो चीन को हमलावर करार देने पर दोनों की दोस्ताना मुलाह के मुताबिक जब चीन पर हमले के बाद रूस खुल्लम खुल्ला लड़ाई के मैदान में उतर कर चार दिन में पच्छिमी योरप को रौंद डालेगा तो उसे कौन बचाएगा ?

लुआनी चلتی رہی . چھن کے کسانوں اور مزدور روز کے کام کے کمیشن کے بعد آمد کمیشن اور اس لئے محضت کرنے لگے کہ کوریا کے مورچے پر لڑنے والے چمکی والتھروں یا کورین لوگوں کو کھانے پہنچانے کی کس نہ ہو . اس بھج امریکہ کے کارخانوں نے توپوں اگلوں، ہوائی جہاز اگلوں، نہام اور جرمیلے ہم اگلوں . اور کوریا کے ساتھ ساتھ چھن کی سرحدی زمین یالو کی گھاٹی خون سے لال ہوگئی . جب تک 38 ویں پڑی سرحدی لکیر دور نہی اچسب ہون کہتے رہے منزل وہی ہے، بس وہی. پر وہاں تک پہنچتے ہی انہوں نے اپنی بے حیاء زبان بدل دی اور کہا، اس لکیر کو پار کر جانا تو بالکل ٹھیک ہے . اور وہ پار کر گئے .

آج کوریا کے شہر اور گاؤں مٹی میں مل چکے ہیں، توپوں کی تڑپ سے پہاڑ کی چھاتی بہت چمکی ہے، اس کی گھاٹوں میں لوگوں نے پناہ لی ہے . اس بھج کی ہوئی کوریا کی قربانیاں بھان تواریخ کے ورق پکار پکار کر سنائینگے.

ان قربانیوں کا جو چتر پیکنگ کانفرنس میں آئے کورین تھیلی ٹیشن کے پیشوا ہان سل یا نے کھینچا وہ بھلیا نہیں جاسکتا . کہنے لگے ہمارے گاؤں میں ایک گھر کھڑا نہیں، ایک مرد نہیں، ایک بچہ نہیں، ایک عورت نہیں جس کی عصمت بچی ہو، جس کے جسم کی شرم کی جگہیں سلنگھوں سے پہاڑ نہ ڈالی گئی ہوں. مہرے سامنے دولت ایکٹ کے بعد کا اس پلنگابی گاؤں کا روپ کھڑا ہوگیا جس کا ذکر مہاتما گاندھی نے اپنی آنم کتھا میں کیا ہے . کہ کس طرح وہاں کے مرد پکڑ لئے گئے تھے اور عورتوں پر غیر انسانی ظلم ڈھائے گئے تھے .

ہان سل یا نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر بتایا کہ کس طرح ایک کمرے میں 77 بچے برف میں جم گئے تھے. جن کے ناخن اس لئے اکھڑ گئے تھے کہ جب چھینکے چلاتے انہوں نے کھڑکوں کو پکڑا تو ان کے ہاتھوں میں سنسار کی آزادی کے ذمہ دار امریکی سپاہیوں نے سلنگھوں بہوک دی تھیں ! ہان سل یا کے منہ کا کور نکلا نہ جاسکا .

اور ہمدردی اور دلگیری کی جو مثالیں انہوں نے دیں وہ لوانی کے اتھاس میں لوانی ہیں . وانگ لن ہو

کھڑا رہا۔ اس کا اعلان تھا کہ وہ 'کوئی چلتی ہوئی چھوڑ دینا' اور اس نے نہ کہل گلوں کے گلوں جلا ڈالے، کھیت اور مवेशی نشت کر دیے، بچوں کی جڑا سی جان پر وہ پانت بٹیک پہناؤں تک کو اس نے چور چور کر ڈالا۔ یہاں تک کہ اس کی یہ دھوس لہلا خود سنگ منری کی سرکار کے وزراء کو برداشت نہ ہو سکا، دکن کوریا کے پارلیمنٹ کے ممبروں نے بغاوت کرنی اور سنگ منری کو اُنہیں قید کرنا پڑا۔ سنگ منری کی اپنے ہی دیہ میں وہی دشا ہوئی جو چھانگ کاٹی شہک کی چھن میں ہوئی تھی۔ آج بھی وہ امریکہ کے ہوتے دکن کوریا میں کھڑا ہے۔

جب امریکہ دوا دکن کوریا کے باشندوں کا بے شمار خون چھن کو برداشت نہ ہو سکا تب اس نے والدہرو لاکھوں کی تعداد میں سلسار کی شانتی بھنگ کرنی ہوئی اس امریکی فوج کے خلاف اپنے پروم کی حفاظت کے لئے لوائی کے مہدان میں کود پڑے۔ پانسا پلٹ گیا۔ جون 1950 اور دسمبر 1951 کے بیچ جو امریکی سینا کی دھائی ہوئی ہے وہ اتھاس میں اپنا استھان رکھ چکی۔ 38 ویں ہوی دیکھایا، سٹول 'لنکھ' دور دکن سمندر کنارے کی طرف ودیشی فوج بھاگ چلی، اپنے پکھ والوں کے ہی گلوں جلاتی، پل توڑتی، دہل اُٹھاتی، سڑکوں نشت کرتی، عمارتوں کو لٹا، کھڑی کھیتی جلاتی۔ اپنے سارے استر شستروں کے ساتھ، توپوں ساتھ لئے ٹھیکوں میں بھاگتی، پھر پھر دیکھتی اور ان کے پوچھا کرتے والے نہتے کورین اور چھٹی لڑائے صرف نام کو دیکھتے، زیرو ڈیرو سے نیچے کی سردی میں دوڑتے دھولے میں تر پتر جنکے رکتے ہی لباس جم جاتے تھے۔ امریکی فوج کے کالکھ لگ گئی، افریقہ کے مہدانوں سے جرمن فوجیں اتلی تھو نہ بھاگی تھیں اور نہ گروہس کی زمیں سے جرمنوں کے سامنے سے انگریز جلتا کوریا کے مہدانوں سے دھترن بھگے۔ خونی سٹاکرٹھ کا ہوی ہات کھتا چھوٹا تھوہو نہچے لٹک گیا۔ ٹرومن نے اُسے نکمکا کہ اُسے لوائی کے مہدان سے برخاست کر دیا۔

امریکہ نے یونو کی ہوتھکوں میں ہر چلد کوشش کی کہ چھن کو حسلور قرار دے دیا جائے جس سے اس پر ایٹم بم پھینکا جاسکے۔ پر سوویت اور ہندستان نے مارے وہ نہ ہو سکا۔ جنرل وو نے کہا—آخر کتنے ایٹم بم چھن پر توڑے—پانچ، دس، پندرہ، کتنے؟ پندرہ کا مطلب ہے شائد 50 لاکھ چھٹی چائیں، جو چھن اپنی اور ایشیا کی حفاظت کے لئے بھڑکی قربان کر دیتا۔ پر اگر کہیں ہم نے پانچ سادے بم، ان حفاظتی ہلوانوں کو بھد کر، جلدیں ہم ضرور ہی بھد لیتے، توپاری پر پھٹک دئے تو بھلا مہن ہتن کا

بوسانا رہا۔ اس کا اعلان تھا کہ وہ 'کوئی چلتی ہوئی چھوڑ دینا' اور اس نے نہ کہل گلوں کے گلوں جلا ڈالے، کھیت اور مवेशی نشت کر دیے، بچوں کی جڑا سی جان پر وہ پانت بٹیک پہناؤں تک کو اس نے چور چور کر ڈالا۔ یہاں تک کہ اس کی یہ دھوس لہلا خود سنگ منری کی سرکار کے وزراء کو برداشت نہ ہو سکا، دکن کوریا کے پارلیمنٹ کے ممبروں نے بغاوت کرنی اور سنگ منری کو اُنہیں قید کرنا پڑا۔ سنگ منری کی اپنے ہی دیہ میں وہی دشا ہوئی جو چھانگ کاٹی شہک کی چھن میں ہوئی تھی۔ آج بھی وہ امریکہ کے ہوتے دکن کوریا میں کھڑا ہے۔

جب امریکہ دوا دکن کوریا کے باشندوں کا بے شمار خون چھن کو برداشت نہ ہو سکا تب اس نے والدہرو لاکھوں کی تعداد میں سلسار کی شانتی بھنگ کرنی ہوئی اس امریکی فوج کے خلاف اپنے پروم کی حفاظت کے لئے لوائی کے مہدان میں کود پڑے۔ پانسا پلٹ گیا۔ جون 1950 اور دسمبر 1951 کے بیچ جو امریکی سینا کی دھائی ہوئی ہے وہ اتھاس میں اپنا استھان رکھ چکی۔ 38 ویں ہوی دیکھایا، سٹول 'لنکھ' دور دکن سمندر کنارے کی طرف ودیشی فوج بھاگ چلی، اپنے پکھ والوں کے ہی گلوں جلاتی، پل توڑتی، دہل اُٹھاتی، سڑکوں نشت کرتی، عمارتوں کو لٹا، کھڑی کھیتی جلاتی۔ اپنے سارے استر شستروں کے ساتھ، توپوں ساتھ لئے ٹھیکوں میں بھاگتی، پھر پھر دیکھتی اور ان کے پوچھا کرتے والے نہتے کورین اور چھٹی لڑائے صرف نام کو دیکھتے، زیرو ڈیرو سے نیچے کی سردی میں دوڑتے دھولے میں تر پتر جنکے رکتے ہی لباس جم جاتے تھے۔ امریکی فوج کے کالکھ لگ گئی، افریقہ کے مہدانوں سے جرمن فوجیں اتلی تھو نہ بھاگی تھیں اور نہ گروہس کی زمیں سے جرمنوں کے سامنے سے انگریز جلتا کوریا کے مہدانوں سے دھترن بھگے۔ خونی سٹاکرٹھ کا ہوی ہات کھتا چھوٹا تھوہو نہچے لٹک گیا۔ ٹرومن نے اُسے نکمکا کہ اُسے لوائی کے مہدان سے برخاست کر دیا۔

امریکہ نے یونو کی ہوتھکوں میں ہر چلد کوشش کی کہ چھن کو حسلور قرار دے دیا جائے جس سے اس پر ایٹم بم پھینکا جاسکے۔ پر سوویت اور ہندستان نے مارے وہ نہ ہو سکا۔ جنرل وو نے کہا—آخر کتنے ایٹم بم چھن پر توڑے—پانچ، دس، پندرہ، کتنے؟ پندرہ کا مطلب ہے شائد 50 لاکھ چھٹی چائیں، جو چھن اپنی اور ایشیا کی حفاظت کے لئے بھڑکی قربان کر دیتا۔ پر اگر کہیں ہم نے پانچ سادے بم، ان حفاظتی ہلوانوں کو بھد کر، جلدیں ہم ضرور ہی بھد لیتے، توپاری پر پھٹک دئے تو بھلا مہن ہتن کا

قوتی لگتا ہے اور جو آنکھوں میں جا کر اس طرح کے ایک
وجہوں میں ختم ہوتے ہیں جو صوبہ کو گھیرے ہوئے ہے اور
جو ہمارے خیال کی دور سے دور کی پہنچ سے ہی ہے۔“

کودیا

(قاتلر بہکوت سون اہادہہائے)

یہ گوریا ہے، خون سے نہایا ہوا، آج کئی سال سے وہ
چوچہ رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی
کے دشمنوں سے رکھا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے
کوئی قیمت، کوئی قربانی اس نے سہلگی نہیں سمجھی
ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کھوں حملہ کیا؟
وہ سوال گھریلو ہے، 'اُنہی دکھلی کوریہ کا اپنا۔ کوئی آزاد
رہوگا یا ساتھ یہ اُن کی اپنی بات ہے جسے وہ چاہے جیسے
طے کرے۔ چنگیز کی بھائی تو تھیں پوکٹی چب ایک
قوم کے دو حصے کر دئے گئے، بھلاؤتی حصے جن کا الگ الگ
اپنا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا۔ سوال بھلاؤتی یہ
ہے کہ کون کس کی زبہن پر ہے؟

کون کس کی زمین پر ہے۔۔۔ کوریا اور چین سلطنت
 راج امریکہ کی زمین پر، سلطنت راج امریکہ کوریا اور چین
 کی زمین پر؟

یہ لڑائی کون لڑ رہا ہے ؟ سلطنتِ راشٹر سنگھ ؟
 سلطنتِ راج امریکہ ؟ سلطنتِ راشٹر سنگھ کے نام پر
 سلطنتِ راج امریکہ اپنے 48 بٹھروں کے ساتھ قابو توڑ کر دیا
 یہ لڑائی اعلان کر اس کی زمین پر اُتر پڑا . سنگسن دی
 کی سرکار اس کے ہاتھ کی شکست پٹلی تھی . اور امریکہ نے
 اُن بٹھروں میں سے کچھ اُس میدان میں اُترے یہ بھی
 کسی سے چھپا نہیں . ہندستان نے صرف مرہم پٹی کرنے
 والا ایک قابو دے دستہ بھیجا اور انگلینڈ اپنے جہاز بھیجے
 کے ساتھ کوریا کے قابو سے لڑ سلطنتِ راج . ہاں ' ترکوں کے
 قدر اور بھروسہ کا امریکہ نے اچھا فائدہ اُٹھایا کیونکہ کوریا
 کے دیس بہکتوں کی گھڑی مار ترکوں کو ہی اپنے سینوں
 پر چھلنا پڑی .

امریکہ نے اپنی ساری طاقت لگا دی۔ دن
رات کوریج کی زمین پر وہ گولے اُگلتا رہا، ہم

मल्लिकार्जुन से यह दूसरों से और भी बड़ा सुलगते हैं, और जब जब यह आग फिर भीमी पड़ जाती है उसे बर बार का कर लगाते रहते हैं। उनके बाद फिर और उनसे छोटे दरजे के लोग आते हैं जो उनके उपदेशों पर टीका करते हैं, उनका मतलब समझते हैं, वह टीका करने वाले जब तक इन्सानी समाज का अच्छा भला चेतने वाले होते हैं सब एक हीन धर्म पसलता फूलता और फैलता है जब यह लोग सुफारफ, भूटे और घमन्दी हो जाते हैं तो हीन धर्म मिटने लगता है, मिलाने की जगह वह फाड़ने का काम करने लगता है। बहुत से अलग अलग फिरके लगे होने लगते हैं, हीन धर्म मुरझाने लगता है, फिर नए सिरे से किसी राह दिखाने वाले की जरूरत पड़ती है।

साइन्स भी इनसानी समाज के इस तरह के रास्ता दिखाने वालों के वजूद को मानती है। साइन्स के मशहूर जाँचरेण्ड पंडित प्रोफेसर टी. एच. हक्सले ने अपनी किताब 'पेलेव आन सम कन्ट्रीबर्टेड क्लेशन्स' में लिखा है:—

“इस सारे मामले को अगर बहुत ही कड़ी साइन्सी विवाह से देखा जाय तो हमें ऐसा भावस होता है कि यह समझ लेना कि इस अनन्त आकाश में जो लाखों दुनियाएं बिखरी हुई हैं उनमें कहीं कोई ऐसा समझदा बजूद नहीं हो सकता जिसकी समझ आदमी की समझ से उतनी ही ऊँची हो जितनी आदमी की समझ एक काले भौरे की समझ से ऊँची है, या यह समझ लेना कि कोई बजूद ऐसा नहीं हो सकता जिसमें क्षुद्रत के धारे को मोड़ देने की शक्ति आदमी से उतनी ही अधिक हो जिसकी यह शक्ति आदमी में एक केचुप से अधिक है. इस तरह की बातें समझ लेना न केवल बे बुनियाद ही है बल्कि गुस्ताखी भी है. जो बातें हमें मालूम हैं उनकी हद के अन्दर रहते हुए भी हम आसानी से इस बड़े आलम को इस तरह के बजूदों से आबाद समझ सकते हैं जो दरजे ब दरजे ऊपर जाते हुए किसी ऐसे बजूद तक पहुँच जाय कि अम्ली तौर पर हम उस बजूद में और सर्व शक्तिमान, सर्व व्यापक और सर्वज्ञ, यानी क्रायिरे मुत्ताक, सब जगह हाफिर नाफिर और अखले काल में कोई फरक न कर सकें.”

हाल में दूसरे महाभारत पोरोषियन विद्वान साइंसवां सर जोसिफर साज ने इसी बात को इन शब्दों में लिखा है:—

‘‘हो बातों का मेरे दिल पर गहरा असर है—पहली यह कि सम्बन्ध हमारे इस तरह के शक्तिशाली मध्यमार्गी और जो किसी न किसी सीधे और नपक्कीकी तरीके पर हमें रास्ता दिखाते हैं, हमारा प्रबन्ध करते हैं और एक सुनारिष्ठ इस के अन्दर हमें बस में रखते हैं, और जो अपने काम में करते हुए हैं, पर जो सर्व शक्तिमान शान्ति का विरोध करने लगे हैं, दूसरी बात यह कि इस आत्म (विश्व) के अन्दर ही हमें यह है कि किसी शान का स्वागत करके दिल

بلکہ ان سے وہ فوجوں میں دھرم کی ایک سلاخ
 میں اور جب جب وہ ایک یہر دھرمی پر جاتی ہے اسے
 بلا باز آکر جلائے دھمک میں۔ ان کے بعد یہر اور ان سے
 چھوٹے درجہ کے لوگ آتے ہیں جو ان کے آئندہوں پر
 ٹوٹا کرتے ہیں، ان کا مطلب سمجھاتے ہیں۔ یہ ٹوٹا
 کرنے والے جب تک انسانی سماج کا سچا بھلا چمکے
 والے ہوتے ہیں تب تک دیہن دھرم پہلکا پہلکا اور
 پہلکا ہے۔ جب یہ لوگ خود غرض، چھوٹے اور
 گھٹلی ہو جاتے ہیں تو دیہن دھرم کرنے لگتا ہے، ملنے
 کی جگہ وہ پہاڑی کا کام کرنے لگتا ہے، بہت سے الگ الگ
 فرقے کھڑے ہوتے لگتے ہیں۔ دیہن دھرم مر جھالے لگتا ہے۔
 پھر لگے سرے سے کسی راہ دکھانے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔
 سائنس بھی انسانی سماج کے اس طرح کے راستے
 دکھانے والوں کے وجود مانتی ہے۔ سائنس کے مشہور
 انگریز ہلڈت پرولسر تی۔ ایچ۔ ہکسل نے اپنی کتاب
 'ایسٹز آن سم کلچرل وورلڈ کو ٹیچنس' میں لکھا ہے:—
 "اس سارے معاملے کو اگر بہت ہی کڑی سائنسی
 نگاہ سے دیکھا جائے تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ
 سمجھ لہنا کہ اس انٹلٹ آکاش میں جو لاکھوں دنیاؤں
 پکھڑی ہوئی ہیں ان میں کہیں کوئی ایسا سمجھدار
 وجود نہیں ہو سکتا جسکی سمجھ آدمی کی سمجھ سے
 اتنی ہی اونچی ہو جتنی آدمی کی سمجھ ایک کالے
 بھونرے کی سمجھ سے اونچی ہے، یا یہ سمجھ لہنا کہ
 کوئی وجود ایسا نہیں ہو سکتا جس میں قدرت کے دھارے
 کو سوز دینے کی شکتی آدمی سے اتنی ہی ادھک ہو
 جتنی یہ شکتی آدمی میں ایک کھجورے سے ادھک ہے۔
 اس طرح کی باتیں سمجھ لہنا نہ کیوں بے بلہاد ہی ہے
 بلکہ گستاخی ہے۔ جو باتیں ہمیں معلوم ہیں ان کی
 حد کے اندر دھمک ہوئے بھی ہم انسانی سے اس بڑے عالم
 کو اس طرح کے وجودوں سے آباد سمجھ سکتے ہیں جو
 درجہ بہ درجہ اوپر جاتے ہوئے کسی ایسے وجود تک پہنچ
 جائیں کہ ہماری طور پر ہم اس وجود میں اور سروسکتی
 میں "سرو ریایک اور سروکھ" یعنی قادر مطلق، سب
 جگہ حاضر ناظر اور عالم قل میں کوئی فرق نہ کر سکیں۔"
 حال میں دھرم مشہور وورلڈ میں ودوان سائنسدان

سرا اور لپ لے اسی بات کو ان شہدوں میں لکھا ہے:—
 ”جو باتوں کا سورہ دل پر گہرا اثر ہے۔ پہلی یہ کہ
 ”میں نے ہمارے اس طرح کے شکتی خالی مددگار سوجھتے
 ہیں جو کسی نہ کسی سادھ اور نونہکی طریقے پر ہمیں
 راستہ دکھاتے ہیں“ ہمارا پروردہ کرتے ہیں اور ایک
 مناسب حد کے اندر ہمیں بس یہیں رکھتے ہیں“ اور جو
 اپنی بات میں لگے ہوئے ہیں“ پر جو سرور شکتی خالی یعنی
 قادر مطلق نہیں ہیں“ سرور ہی بات یہ کہ اس عالم و ہونے
 کے لیے جو باتیں ہیں جن کی شان کا خیال کر کے حل

مک اور دوسری سوغات لکھتے ہیں جیسے کہ گناہ ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

ایک اور شخص نے کہا کہ گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

”ہیروڈس نے یہ سب دیکھا ہے جیسے کہ گناہ ہے۔“

پھر یہ کہ گناہ سے بچنے کے لیے گناہ سے بچنا ہے۔

اس بات کو دیکھا ہے۔ "مگر پھر تو اس کی ہے جو اس کو
سب سے بڑے ہوئے ہے۔"

اس کی کتاب میں لکھا ہے۔ "اس کتاب میں
آدمی کی آواز ہے۔ وہ لکھتے ہوئے ہے۔"

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

اس کی ہر ہر طرف سے سورج کی روشنی ہے
اور ہر ایک طرف سے سورج کی روشنی ہے۔

یہودی مذہب کی کتاب زبور میں لکھا ہے—”جو کس
زمانہ آدمی اس سڑیٹ یا نی آتلم کے سارے رھسوں
یا نی راہوں کو کسی بھی ایک آدمی کے چہرے میں
پڑھ سکتا ہے۔“ یہودی کتبائے کبر کی مشہور کہادت ہے—”جو
آدمی وہی نہیں ہے۔“

زبور میں لکھا ہے—”اے جس طرح خدا اس
جسم کے اندر رہی ہوئی ہے اسی طرح خدا سارے عالم
کے اندر رہا ہوا ہے، جس طرح روح جسم کو سلہالے ہوئی
ہے اسی طرح خدا عالم کو سلہالے ہوئی ہے، جس طرح
روح دیکھتی ہے لیکن دیکھی نہیں جاسکتی، اسی طرح خدا
دیکھتا ہے لیکن دیکھا نہیں جاتا۔“

مسلمان صوفی انسان کے جسم اور سارے عالم کی
اس تمثیل یا ایما کو بہت اہم سمجھتا ہے۔ اس کے لئے وہ
اور انہوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے،
یہاں تک کہ پورے عالم والے کو بالکل ایسا لگتا ہے کہ
یہ سارا عالم ایک چھتیا جاکتا جسم ہے جس کے ہم سب
ایک یا ذرے ہیں۔ خواجہ خاں نے اپنی انگریزی کتاب
’دی فلسفی آف اسلام‘ میں مسلمان صوفیوں کے اس
طرح کے بیان اور وہ ’پرائیوٹ اور پبلک‘ کے بیانوں کو
خوب تفصیل کے ساتھ مل کر دکھایا ہے۔ خاص کر دکن
کے مسلمان صوفیوں کے بیانوں اور ہندو پرائیوٹ کے بیانوں
میں تو فرق نکال سکتا ناممکن ہے۔

کچھ سالس والوں نے یہ رائے بھی ظاہر ہے آسمان
کے ’سورج‘، چاند‘ تارے اور نکشتر سب الگ الگ جہتی
جائتی جانداز ہستیاں ہیں۔ ایک جرمن سائنسدان
لیکٹر نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہماری یہ زمین ایک
جاندار ہستی ہے۔ مشہور امریکی دانشکدہ ولیم جیمس
نے بھی اپنی ایک کتاب ’ای پلوریلسٹک یونیورس‘ میں
یہی رائے کے ساتھ اس خیال کی تائید کی ہے۔ ہلندستان
کے پرائیوٹ میں پڑھنے کو ’دیوی‘ کہا جاتا ہے۔ اس
طرح کے خیال اسلام اور دوسرے دھرموں میں بھی ملتے
ہیں۔

یہ سب بات قدرتی ہے۔ جب ایشور اللہ ایک ہے،
ایک ہی آتما سب کے اندر رہا ہوا ہے تو سب کے
اندہر اس عکاس کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اوپر نام روپوں
کی عکاسی ہمیں اس ایک کو دیکھنے کے لئے اور بھی
بڑی تر دیتی ہے۔ اس لئے راج کاج یعنی سیاست
میں آدمی ’پرائیوٹ‘ یا ’پبلک‘ کا نعرہ اٹھاتا ہے کہ
’میرا ہونا ہے‘ اور عوامک آدمی کہتا ہے—”میرا ہونا
ہرگز نہیں ہے۔“

صوفی اس کو ’اندر لکھ لکھ‘ کہتا ہے۔ دونوں کے
ایک ہی معنی ہیں۔

مسلمان صوفی انسان کے جسم اور سارے عالم کی
اس تمثیل یا ایما کو بہت اہم سمجھتا ہے۔ اس کے لئے وہ
اور انہوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے،
یہاں تک کہ پورے عالم والے کو بالکل ایسا لگتا ہے کہ
یہ سارا عالم ایک چھتیا جاکتا جسم ہے جس کے ہم سب
ایک یا ذرے ہیں۔ خواجہ خاں نے اپنی انگریزی کتاب
’دی فلسفی آف اسلام‘ میں مسلمان صوفیوں کے اس
طرح کے بیان اور وہ ’پرائیوٹ اور پبلک‘ کے بیانوں کو
خوب تفصیل کے ساتھ مل کر دکھایا ہے۔ خاص کر دکن
کے مسلمان صوفیوں کے بیانوں اور ہندو پرائیوٹ کے بیانوں
میں تو فرق نکال سکتا ناممکن ہے۔

کچھ سالس والوں نے یہ رائے بھی ظاہر ہے آسمان
کے ’سورج‘، چاند‘ تارے اور نکشتر سب الگ الگ جہتی
جائتی جانداز ہستیاں ہیں۔ ایک جرمن سائنسدان
لیکٹر نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہماری یہ زمین ایک
جاندار ہستی ہے۔ مشہور امریکی دانشکدہ ولیم جیمس
نے بھی اپنی ایک کتاب ’ای پلوریلسٹک یونیورس‘ میں
یہی رائے کے ساتھ اس خیال کی تائید کی ہے۔ ہلندستان
کے پرائیوٹ میں پڑھنے کو ’دیوی‘ کہا جاتا ہے۔ اس
طرح کے خیال اسلام اور دوسرے دھرموں میں بھی ملتے
ہیں۔

یہ سب بات قدرتی ہے۔ جب ایشور اللہ ایک ہے،
ایک ہی آتما سب کے اندر رہا ہوا ہے تو سب کے
اندہر اس عکاس کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اوپر نام روپوں
کی عکاسی ہمیں اس ایک کو دیکھنے کے لئے اور بھی
بڑی تر دیتی ہے۔ اس لئے راج کاج یعنی سیاست
میں آدمی ’پرائیوٹ‘ یا ’پبلک‘ کا نعرہ اٹھاتا ہے کہ
’میرا ہونا ہے‘ اور عوامک آدمی کہتا ہے—”میرا ہونا
ہرگز نہیں ہے۔“

کچھ سالس والوں نے یہ رائے بھی ظاہر ہے آسمان
کے ’سورج‘، چاند‘ تارے اور نکشتر سب الگ الگ جہتی
جائتی جانداز ہستیاں ہیں۔ ایک جرمن سائنسدان
لیکٹر نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہماری یہ زمین ایک
جاندار ہستی ہے۔ مشہور امریکی دانشکدہ ولیم جیمس
نے بھی اپنی ایک کتاب ’ای پلوریلسٹک یونیورس‘ میں
یہی رائے کے ساتھ اس خیال کی تائید کی ہے۔ ہلندستان
کے پرائیوٹ میں پڑھنے کو ’دیوی‘ کہا جاتا ہے۔ اس
طرح کے خیال اسلام اور دوسرے دھرموں میں بھی ملتے
ہیں۔

یہ سب بات قدرتی ہے۔ جب ایشور اللہ ایک ہے،
ایک ہی آتما سب کے اندر رہا ہوا ہے تو سب کے
اندہر اس عکاس کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اوپر نام روپوں
کی عکاسی ہمیں اس ایک کو دیکھنے کے لئے اور بھی
بڑی تر دیتی ہے۔ اس لئے راج کاج یعنی سیاست
میں آدمی ’پرائیوٹ‘ یا ’پبلک‘ کا نعرہ اٹھاتا ہے کہ
’میرا ہونا ہے‘ اور عوامک آدمی کہتا ہے—”میرا ہونا
ہرگز نہیں ہے۔“

صوفی اس کو ’اندر لکھ لکھ‘ کہتا ہے۔ دونوں کے
ایک ہی معنی ہیں۔

एक ही सचाई सब जगह

(डाक्टर भगवानदास)

एक और सचाई जिसकी तरफ दुनिया के सब महाद्वय हमारा ध्यान दिलाते हैं यह है कि जो कुछ इस सारे आलम में है वही सब हर छोटे से छोटे खरों में भी है। हिन्दू धर्म में इसलान के जिसम को पिंड और इस सारे विरब या आलम को ब्रह्मान्ड कहा जाता है। वेदान्त की एक महाद्वय कहलस है :-

यथापिंडे तथा ब्रह्मान्दे

यानी—जो कुछ पिंड के अन्दर है वही ब्रह्मान्ड के अन्दर है। पिंड और ब्रह्मान्ड ही को 'सूत्र विराट' और 'महा विराट' भी कहते हैं। सुसलमान सूफी इन्हीं को 'आलम सररीर' और 'आलम कबीर' कहते हैं। अंगरेजी में इन्हीं को 'माइक्रो काफ़म' और 'मैक्रो काफ़म' कहते हैं।

चाहिए है कि जब जो कुछ पिंड में है वही ब्रह्मान्ड में है तो जो कुछ एक पिंड में है वही सब पिंडों में होना चाहिये। इसीलिये श्री कृष्ण ने भगवद् गीता में कहा है :-

विद्या विनय सम्पन्ने

ब्राह्मणे गवि हस्तिनि

शुनि चैव श्वपाके च

पण्डिताः सम वर्णिनः

यानी—जो लीग पंडित या सच्चे जानकार हैं वह उस ब्राह्मण को जो विद्या और विनय (इज्ज) से सम्पन्न है, गाय को, हाथी को, कुत्ते को और बान्धाल को सब को एक निगाह से देखते हैं।

सूफी कहलस है कि :-

मोहविमल्ल हमी चीनद अन्दर एविल

कि दर खूबरवाने चीन-को-बगिल

यानी—जो सचाई को जानने वाला है वह अंद के अंदे में जे जे जिसम के अन्दर भी उसी चीज को देखता है जिसे वह चीन या बगिल के खूबरवत लोगों के अन्दर देखता है।

इसी का नाम समदर्शिता है। वही सचाई ज्ञान है वही असलियत को देखना है दुनिया की सारी साइन्स अपने अपने ढंग से इसी समदर्शिता के असल से निकली हैं। मण्डल या आणिक में इसी का नाम इन्फेक्शन है। वह इन्फेक्शन ही साइन्स की दुनिया है। साइन्सवां हमें बताते हैं कि जो कुछ इस सारे सोलर सिस्टम और जगत यानी निम्नलिखित क्षमती में है वही हर पटम, अणु या खरों में है।

वही सचाई सब जगह से यही महाद्वय, ईसाई महाद्वय और इस्लाम चीनों में बार बार कही गई है।

एक ही खयाल सब जगह

(डॉक्टर भगवानदास)

एक और सचाई जिसकी तरफ दुनिया के सब महाद्वय हमारा ध्यान दिलाते हैं यह है कि जो कुछ इस सारे आलम में है वही सब हर छोटे से छोटे खरों में भी है। हिन्दू धर्म में इसलान के जिसम को पिंड और इस सारे विरब या आलम को ब्रह्मान्ड कहा जाता है। वेदान्त की एक महाद्वय कहलस है :-

यथापिंडे तथा ब्रह्मान्दे

यानी—जो कुछ पिंड के अन्दर है वही ब्रह्मान्ड के अन्दर है। पिंड और ब्रह्मान्ड ही को 'सूत्र विराट' और 'महा विराट' भी कहते हैं। सुसलमान सूफी इन्हीं को 'आलम सररीर' और 'आलम कबीर' कहते हैं। अंगरेजी में इन्हीं को 'माइक्रो काफ़म' और 'मैक्रो काफ़म' कहते हैं।

चाहिए है कि जब जो कुछ पिंड में है वही ब्रह्मान्ड में है तो जो कुछ एक पिंड में है वही सब पिंडों में होना चाहिये। इसीलिये श्री कृष्ण ने भगवद् गीता में कहा है :-

विद्या विनय सम्पन्ने

ब्राह्मणे गवि हस्तिनि

शुनि चैव श्वपाके च

पण्डिताः सम वर्णिनः

यानी—जो लीग पंडित या सच्चे जानकार हैं वह उस ब्राह्मण को जो विद्या और विनय (इज्ज) से सम्पन्न है, गाय को, हाथी को, कुत्ते को और बान्धाल को सब को एक निगाह से देखते हैं।

सूफी कहलस है कि :-

मोहविमल्ल हमी चीनद अन्दर एविल

कि दर खूबरवाने चीन-को-बगिल

यानी—जो सचाई को जानने वाला है वह अंद के अंदे में जे जे जिसम के अन्दर भी उसी चीज को देखता है जिसे वह चीन या बगिल के खूबरवत लोगों के अन्दर देखता है।

इसी का नाम समदर्शिता है। वही सचाई ज्ञान है वही असलियत को देखना है दुनिया की सारी साइन्स अपने अपने ढंग से इसी समदर्शिता के असल से निकली हैं। मण्डल या आणिक में इसी का नाम इन्फेक्शन है। वह इन्फेक्शन ही साइन्स की दुनिया है। साइन्सवां हमें बताते हैं कि जो कुछ इस सारे सोलर सिस्टम और जगत यानी निम्नलिखित क्षमती में है वही हर पटम, अणु या खरों में है।

आकाशी है इनकी लौकी
इन के उड़ने को तैयारे
बोल का लेकिन बोल खिलाती
कानों को क्रसमें बेचारे
लास तरीकों से कुल्लाया
लास जलन भी करके हारे
गुबारा बसत कभी लौका है
कोई भी इसकी लास पुकारे
ठाट पड़े रह जाते हैं सब
चल पड़ते हैं जब बनजारे

पहेली—

मजबूत इस पेट की खातिर
रूप नये फनकार ने धारे
भांड बना और कोई मेकअप
और बने कुछ रास कुल्लारे
काल बुझकड़ समझे लेकिन
नाम न लेंगे हर के सारे

शहर आशोब— नदी नाले खन की मैया
खेतों में बोए अंगारे

जंग अजब यह जंग है साथी
हारा जीखे जीता हारे

कसीदा—

सुलह की कोशिश अमन के जलसे
उमड़े हुए अमृत के धारे
रुस और चीन की बातें सुनकर
जाग उठे अकफार हमारे

जहन में एक जलत सी बनाकर
नाच गए आंखों में मजारे
आने बढ़ते जावंगे साथी
कांधा जोड़े सीना उभारे

होगी जब आकाश यह भूमि
रक्त करेगे चांद सितारे
गायेगी ले कर गोब में सोना
रक्त करेगे चांद खिलाये

लोरी—

सरसों फूली फूल बसन्ती
नन्हे नन्हे प्यारे प्यारे

सोना सोना मेरी गुड़िया
सुबह चलेंगे खेल किनारे

बोल के पाखी में समुन को
नखकी से छोड़ेंगे गुबारे

सोना सोना मेरी गुड़िया
झिंझोले में पांव पसारें

आंसू मिचोली निहया खेले
कान्हा माया भपकी मारे.

आली है अन की लुत्त
अन के अरु को प्यारे
कमल का लेकिन बोल केली
काने लके नसों बोजारे
दो चमकें से ये सलिया
दो चमकें से ये सलिया
कुरा लुत्त केली लुत्त
कुरी भी अस को लके प्यारे
तमात पड़े रहे जाते हों सब
जल पड़े हों जब बल्लारे

पहेली—

मजबूत इस पेट के खातर
रूप नये फनकार ने धारे
भांड बना और कोई मेकअप
और बने कुछ रास कुल्लारे
काल बुझकड़ समझे लेकिन
नाम न लेंगे हर के सारे

शहर आशोब— नदी नाले खन की मैया
खेतों में बोए अंगारे

जंग अजब यह जंग है साथी
हारा जीखे जीता हारे

सुलह की कोशिश अमन के जलसे
उमड़े हुए अमृत के धारे

रुस और चीन की बातें सुनकर
जाग उठे अकफार हमारे

जहन में एक जलत सी बनाकर
नाच गए आंखों में मजारे

आने बढ़ते जावंगे साथी
कांधा जोड़े सीना उभारे

होगी जब आकाश यह भूमि
रक्त करेगे चांद सितारे

गायेगी ले कर गोब में सोना
रक्त करेगे चांद खिलाये

सरसों फूली फूल बसन्ती
नन्हे नन्हे प्यारे प्यारे

सोना सोना मेरी गुड़िया
सुबह चलेंगे खेल किनारे

बोल के पाखी में समुन को
नखकी से छोड़ेंगे गुबारे

सोना सोना मेरी गुड़िया
झिंझोले में पांव पसारें

आंसू मिचोली निहया खेले
कान्हा माया भपकी मारे.

कसीदा—

लोरी—

16 FEB 1955

नया हिन्दू

14 जिल्द

फरवरी, सम '53

नम्बर 2

2 نمبر

فروری، سن 53

جلد 14

जात आदमी, प्रेम धर्म है, हिन्दुस्तानी बोली,
'नया हिन्दू' पहुँचेगा घर घर लिये प्रेम की बोली.

جانت آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نہا ہند' پہنچے گا گھر گھر لیے پریم کی جھولی.

सब रंग

'वामिक' जौनपुरी

राजल—

रोष के हमदम शब के सहारे
दलके आंसू टूटे तारे
नज़रें मिल कर हट जाने में
हो जाते हैं लाख इशारे
झुबती किरती देख के अकसर
आंख चुरा लेते हैं किनारे
फिर भी बचने वाले बचे हैं
तूफ़ान में मौजों के सहारे
'वामिक' जब मयखाना अपना
साझी साझी कौन पुकारे

वासोक्त—

गरबत का पहरास कयामत
बल जाते हैं रुह पे आरे
नंगे रह कर जी सकते हैं
कट जायं यह भूक के मारे
चन्द गुलाम आका बन बैठे
पाप यह सिर से कौन उतारे

तत्त्व (व्याख्य)—

यह टोपी नेताओं की है
क्रुद्ध ब बबा जिन के हरकारे
पूजी पतियों के हर घर में
मैलते हैं उनके जयकारे
यह तो भारत के हैं सवारी
परमिट से पुर उन के पिदारे
यह जो चाहें कर सकते हैं
उनके सब काम पूरे

سب رنگ

('وامق' جونپوری)

فول—

روز کے ہمدم شب کے سہارے
قہار کے آنسو توڑتے تارے
نظریں ملکر ہٹ جاتے ہیں
ہو جاتے ہیں لاکھ اشارے
قربتی کشتی دیکھ کے اکثر
آنکھ چرا لیتے ہیں کنارے
یہر بھی بچنے والے بچے ہیں
طوفان میں موجزنکے سہارے
'وامق' جب مہضانہ اپنا
سالی سالی کون پکارے

واسوخت—

غربت کا احساس نہایت
چل جاتے ہیں روح یہ آری
ننگے رہ کر جی سکتے ہیں
کٹ جائیں یہ بھوک کے مارے
چند فلم آنا بن بھٹکے
پاپ یہ سر سے کون اتارے

طلو (وہنگ)— یہ توپی نہتاؤں کی ہے

لحظہ و رہا چلنے ہرکارے
پونجی پتھونکے کے ہر گھر میں
گونجتے ہیں انکے جھکارے
یہ تو بھارت کے ہیں مذاہرے
پرست سے پر انکے پتکارے
یہ جو چاہیں کر سکتے ہیں
انکے سب قانون تیارے

“نیا ہند”
ہندوستانی کلچر سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

فروری 1953

“نیا ہند”

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

کتاب کی قسم	صفحہ نمبر	کتاب کی قسم
1. سب رنگ (کہانی)—’وامق‘ جرنلوری	1 ...	1. سب رنگ (کہانی)—’وامق‘ جرنلوری
2. ایک ہی خیال سب جگہ—ڈاکٹر بھگوان داس	3 ...	2. ایک ہی خیال سب جگہ—ڈاکٹر بھگوان داس
3. کوریٹا—ڈاکٹر بھگوان سرن آبادھیائے	9 ...	3. کوریٹا—ڈاکٹر بھگوان سرن آبادھیائے
4. ہندوستانی شہدیاں کا تیسرا آئینہ—بداؤ اچچان اور عام تلہ—ڈاکٹر جعفر حسن	15 ...	4. ہندوستانی شہدیاں کا تیسرا آئینہ—بداؤ اچچان اور عام تلہ—ڈاکٹر جعفر حسن
5. باپ سے—بھگوان دین	24 ...	5. باپ سے—بھگوان دین
6. پرچا بھارت میں بھاشاوار پرست— م. سہتہ رائے	28 ...	6. پرچا بھارت میں بھاشاوار پرست— م. سہتہ رائے
7. ویدانت کلپانت—نارائن پرساد جھن	37 ...	7. ویدانت کلپانت—نارائن پرساد جھن
8. وہ بھی کہا تھا؟ (کہانی)—بھگوان دین	40 ...	8. وہ بھی کہا تھا؟ (کہانی)—بھگوان دین
9. بھارت سرکار کی پانچ سالہ یوجنا—ڈاکٹر سنتی شچندر	47 ...	9. بھارت سرکار کی پانچ سالہ یوجنا—ڈاکٹر سنتی شچندر
10. بھارت میں امریکی قدم—آرم پرکاش سنگھ	53 ...	10. بھارت میں امریکی قدم—آرم پرکاش سنگھ
11. کچھ کتابیں—	65 ...	11. کچھ کتابیں—
12. ہماری رائے—	67 ...	12. ہماری رائے—
لڑائی کے بعد—بھگوان دین؛ ریلوے درگاہوں کی حالت؟—منجھوہ دھوہی؛ نئے قلعہ کا اگیشن—بھگوان دین .		لڑائی کے بعد—بھگوان دین؛ ریلوے درگاہوں کی حالت؟—منجھوہ دھوہی؛ نئے قلعہ کا اگیشن—بھگوان دین .

ہندوستان میں چھ روپے سال، باہر دس روپے
سال، ایک پرچہ دس آئے .

مہینہ

‘نیا ہند’

145، سڈی گنج، لکھنؤ.

ہندوستان میں چھ روپے سال، باہر دس روپے
سال، ایک پرچہ دس آئے .

مہینہ

‘نیا ہند’

145، سڈی گنج، لکھنؤ.

نیا ہند نیا ہند

پرنسپل—تارا چند، بھگوان دین، مہرچندر حسن، بھیشم نار، سندر لال

ایڈیٹر—نارا چند، بھگوان دین، مظہر حسن، بھیشم نار، سندر لال

ناٹب ایڈیٹر—سوریش رام بھائی، محبوب دھری

اس نمبر کے خاص لیکھ

اس نمبر کے خاص لیکھ

★ کوریا—ڈاکٹر بھگوان دین

★ کوریا—ڈاکٹر بھگوان دین

★ ہندوستانی شہدیت کا تیسرا اصول : بدنامی
 اور ام تلہ— ڈاکٹر حاتم حسن

★ ہندوستانی شہدیت کا تیسرا اصول : بدنامی
 اور ام تلہ— ڈاکٹر حاتم حسن

★ وہ بھی کہا تھا ؟ (کہانی)— بھگوان دین

★ وہ بھی کہا تھا ؟ (کہانی)— بھگوان دین

★ پرچانتر بھارت میں بھاشاوار پدانت—
 مہرچندر حسن

★ پرچانتر بھارت میں بھاشاوار پدانت—
 مہرچندر حسن

★ بھارت سرکار کی پانچسالہ योजना
 ڈاکٹر ساتیش چندر

★ بھارت سرکار کی پانچسالہ योजना
 ڈاکٹر ساتیش چندر

★ بھارت میں امریکی قدم—آرام
 پرکاش سنگھ

★ بھارت میں امریکی قدم—آرام
 پرکاش سنگھ

ہماری رائے—

ہماری رائے—

★ لڑائی کے بادل—بھگوان دین

★ لڑائی کے بادل—بھگوان دین

★ ریلوے دہشتگردانہ کھیل—مہرچندر حسن

★ ریلوے دہشتگردانہ کھیل—مہرچندر حسن

★ نپ دغا کا پگھلاؤ—بھگوان دین

★ نپ دغا کا پگھلاؤ—بھگوان دین

ہندوستانی کلتور سوسائٹی، دہلی، لاہور

ہندوستانی کلتور سوسائٹی، لاہور

فروری 1953

کلیمت دس آنا

کلیمت دس آنا

نئی کتاب

نئی کتاب

چائنا ٹو ڈے

لکھک — سندر لال

پہلی اکتوبر 1951 کو نئے چین کے لوکاراج کی دسویں سال گیارھ کے مائیکے پر ہندوستان سے ایک گڈویل مشن چین گیا تھا، جس کے نیتا پانڈت سندرلال تھ۔

اس کتاب سے آپکو معلوم ہوگا کہ اس مشن نے چالیس روز کے چھ مہینے دیکھا اور آج کے چین کو کس طرح وہاں سے ویشاپن، بھکملگی اور بے روزگاری کو ختم کیا تھا، کس طرح وہاں کے بے روزگار والے کروڑوں کسانوں کو زمین دی گئی اور نئے کھیتی سدھار قانون سے چین کو کسے بہتر بنانے کے لیے ان کا کیا کیا، کس طرح امریکہ کی ناکے بندی نے باوجود اس کے اسے آدیوگ دھندے اور کل کارخانے سدھال کر اپنے دو سو اوبھی بنا لیا، کس طرح اپنے تعلیم کے نئے نکلنے سے اپنے بڑے بڑے لکھوں کے دماغ بہتر کر رہے ہیں درست کیا اور دیں مہینے کی جان پھونک دی، کس طرح شادی کے نئے قانون نے چھ مہینے عورت کو سماج کے اندر مرد کے برابر عزت کی جگہ دی، کس طرح وہاں کے بھائیوں نے ایمانداری، سادگی اور چلتا کی سہوا کے تھیں اصولوں پر چل کر دیں کے اندر سے رشوت خوری، کام خوری اور سدھاروری ختم کی، دیں کے آرتھک سلکھٹن کو تھیک کیا، وفیرہ وغیرہ۔

اگر آپ وستار کے ساتھ ان سوالوں کا جواب پانا چاہتے ہوں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے چین سے کیا سبق لے سکتا ہے تو اس کتاب سے آپ کو کافی مدد ملے گی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کتاب ایک سدھار سے جس میں چالیس روز کی قانونی بہترین اور دلچسپ نکلنے سے دی گئی ہے۔

700 سے زیادہ صفحے، بڑھیا کاغذ، کپڑے کی جلد، ایک رنگی اور تھیں ایک رنگی تصویریں، دو رنگی نقشوں کے ساتھ — دام صرف ساڑھے سات روپے یا 15 مالٹا۔

اپنے یہاں کے بکسٹروں سے ملنا ہے یا ہمیں لکھیں۔

میلے کا پتہ

مینیجر، نیا ہند، 145، مٹھیاں، ایلہ آباد۔

مینیجر، نیا ہند، 145، مٹھیاں، ایلہ آباد۔

ہندستانی کاچر سوسائٹی

مقصود

(1) ایک ایسی ہندستانی کلچر کا پوہانا، پہچانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندستانی شامل ہوں۔

(۲) ایسا پھیلانے کے لئے کتابوں، اخباروں، رسائل، وعید کا چھاپنا۔

(د) پٹھانی گھروں، کتاب گھروں، سماؤں، کانفرنسوں، لیکچروں سے سب دھرموں، جاتوں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا مہل بھابھا۔

—: 0 :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ۔۔۔ مسٹر عبدالعزیز خواجہ
وائس پریسیڈنٹ۔۔۔ ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالحق
کورنگ بائی کے پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس :
سکرپٹری — بلذت سندھو لال ۔

گورننگ باڈی کے اور ممبر —

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید
سلیمان ندوی، مسٹر ملط علی سوختہ، شری بی. جی
کھنر، یقینت شمشیر ناتھ، مہاتما بھگوان دین، سیٹھ یونس
چند رائے، قاصی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش
بالیوال۔

مدرسہ کے قاعدوں کے لئے لکھئے۔

مسند الاول

سکریپتی: ہندوستانی کلچر سوسائٹی

115. متھی کلمج' الہ آباد .

نوٹ—سوسائٹی نے نئے قاعدے کے انوسار ممبری کی فیس صرف ایک روپیہ کر دی گئی ہے ”بیا ہند“ نے جو گاہک ممبر بننا چاہیں اُن کو صرف چھ روپیہ چندہ دینے پر ہی ممبر بننا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نئی ہوئی کوئی کتاب دو ایک روپیہ دام ہی ہوئی سمیت لے سکیں گے یا زیادہ دام کی کتابوں لینے پر ایک بار ایک روپیہ کم کیا سکیں گے۔

(7.) इसी दरमیان کچے کچی نے فوج بولا کہ
اور سत्याग्रही پولیس کو घेरے में कर लिया और उससे
हथियार रखवा लिये. साथ ही साथ उनकी पंचायत के दफतर
को भी घेर लिया और उसके काराग अपने कबजे में कर
लिये.

अब मद्रास पर पुलिस की जगह फौज का पहरा है.

यह भी खबर मिली है कि जिस वक़्त पुलिस पंचायत
घर पर घेरा डाला गया उस वक़्त पुलिस के कुछ आदमियों
ने ऐसे काम किये जो सत्याग्रह के दायरे में नहीं आते और
अमराध के दायरे में आते हैं.

इस आखरी खबर को भी सच मान कर हम यही कहते
रहेंगे कि मद्रास पुलिस का यह सत्याग्रह आज तक के
सब सत्याग्रहों से ऊंचे दर्जे का सत्याग्रह था और ऐसा
सत्याग्रह या जिससे बहुत से लोग सबक ले सकते हैं.

ऐसा लिखने के लिये हमारे मन ने हमें मजबूर किया
और उसने यह कह कर मजबूर किया कि ऐसे मौके पर
बुप रहना सत्याग्रही की स्मिट को बढ़ा लगाना है. हमें अब
ऐसा मालूम होने लगा है कि सत्याग्रह करना मामूली
आदमी का काम नहीं, इसके लिये ताक़त, हिम्मत और त्याग
की सब से ज़ियादा जरूरत है. इनके बिना सत्याग्रह जैसा
काम हो ही नहीं सकता. इनके साथ साथ और भी ऊंचे
दर्जे के गुन हों तो कहना ही क्या. यह कह कर हम यह
कहना चाहते हैं कि खाली ऊंचे दर्जे के गुन वाले आदमी
ऊंचे दर्जे का सत्याग्रह नहीं कर सकते जब तक उन में
ताक़त, हिम्मत और त्याग के गुन न हों.

हमारा दिल यही कहता है कि मद्रास के पुलिस
सत्याग्रहियों से न मद्रास राज को खतरा है, न भारत देश
को, न किसी और को. अगर उन से किसी को खतरा है तो
दुराग्रहियों को और उन को जो अन्याय पर कमर कसे
हुए हैं.

हमें आशा है मद्रास के पुलिस सत्याग्रही अपनी
परीक्षा में पूरे उतरेंगे और आखरी दम तक अहिंसक बने
हुए सच्चाई पर डटे रहेंगे.

12. 1. '53

—भगवानदीन

(7) اسی درمیان کچے کچی نے فوج بلای اور سٹیا
گرھی پولیس کو گھیرے میں کر لیا اور اس سے ہتھیار
رکھوا لئے. ساتھ ہی ساتھ ان کی پانچایت کے دفتر کو
بھی گھیر لیا اور اسکے کاذ اپنے قبضے میں کر لئے.

اب مدراس پر پولیس کی جگہ فوج کا پہرا ہے.

یہ بھی خبر ملی ہے کہ جس وقت پولیس پانچایت
گھر پر گھیرا ڈالا گیا اسوقت پولیس کے کچھ آدمیوں نے
ایسے کام کیے جو سٹیا گره کے دائرے میں نہیں آتے اور
اپراندہ کے دائرے میں آتے ہیں.

اس آخری خبر کو بھی سچ مان کر ہم یہی کہتے
رہیں گے کہ مدراس پولیس کا یہ سٹیا گره آج تک کے
سب سٹیا گرهوں سے اونچے درجے کا سٹیا گره تھا اور ایسا
سٹیا گره تھا جس سے بہت سے لوگ سبق لے سکتے ہیں.

ایسے لکھنے کے لئے ہمارے من نے ہمیں مجبور کیا
اور اس نے یہ کہہ کر مجبور کیا کہ ایسے موقع پر چپ
رہنا سٹیا گره کی سپورٹ کو ہٹا نکاتا ہے. ہمیں اب
ایسا مہلوم ہونے لگا ہے کہ سٹیا گره کونا معمولی آدمی کا
کام نہیں اس کے لئے طاقت، ہمت اور تھاک کی سب سے
زیادہ ضرورت ہے. ان کے ہذا سٹیا گره جھسا کام ہو ہی نہیں
سکتا. ان کے ساتھ ساتھ اور بھی اونچے درجے کے گن ہوں
تو کہنا ہی کیا. یہ کہہ کر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ
خالی اونچے درجے کے گن والے آدمی اونچے درجے کا سٹیا گره
نہیں کر سکتے جب تک ان میں طاقت، ہمت اور
تھاک کے گن نہ ہوں.

ہمارا دل یہی کہتا ہے کہ مدراس کے پولیس سٹیا
گرہوں سے نہ مدراس راج کو خطرہ ہے نہ بھارت دیس
کو، نہ کسی اور کو. اگر ان سے کسی کو خطرہ ہے تو دوا
گرہوں کو اور ان کو جو انہائم پر کمر کسے ہوئے ہوں.

ہمیں آقا ہے مدراس کے پولیس سٹیا گرهی اپنی
پریکشا میں پورے اُنہوں کے اور آخری دم تک اہلسک
بنے ہوئے سچائی پر قائم رہوں گے.

—بھگوان دیں

12-1-53

बाद मिलنے सत्याग्रह کارکنوں نے آج کل ان سے کہہ سत्या-
 گڑھ میں اُنکے درجے کا جہاز۔ راجا جی، جو آج کل
 مہاراش کے بڑے بھائی ہیں، گاندھی جی کے ساتھ رہ چکے ہیں،
 سत्याگرہ کی بڑھتی جانکاری رکھتے ہیں۔ اس جانکاری کے
 بدلے پر بڑے مہاراش پولیس سत्याگرہ کو شاید سत्याگرہ
 نہ کہیں، پر انکی یہ بات ہمارے لئے نہیں اُنکے کی کہیں کہ وہ جس
 جگہ پہنچے ہوئے ہیں وہاں سے مہاراش پولیس کے سत्याگرہ
 پر ایسا فیصلہ نہیں دے سکتے جو سہولت کی کسوٹی پر
 سہولت آئے تو ہک اتر سکتے۔ اس لئے ہم مہاراش پولیس
 سत्याگرہ کو اس وقت تک سب سے اُنچے درجے کا سत्याگرہ
 ماننے دھیں گے جب تک اس سے اُنچے درجے کا سत्याگرہ
 ہم کو دیکھنے کو نہ ملے۔

ایسے اوسر پر راجا جی کی جگہ اگر ہم ہوتے تو
 سہولتیں پولیس کے مقابلے میں فوج کو ہلاک نہیں مانتے
 کہ ہماری سہولتیں کی جانکاری کا دیوالہ نکل گیا۔ ہم یہ
 سوچے بغیر ہرگز نہ دھتے کہ کل اگر فوج اسی طرح کا سہولت
 کو بھیجیں تب ہم کیا کریں گے اور کسے اپنی مدد کے لئے
 بلائیں گے؟

ہم تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بکے لے دی
 سत्याگرہ پولیس کے پاس جاتے ہیں اور ان سے ہتھیار
 واپس مانگ لیتے۔ ہمیں اُمری ہے کہ ہمیں ہتھیار واپس مل
 جاتے، ہو سکتا ہے ہماری اُمری ثابت ہوتی۔ تب
 ہم اپنے کو ذاتی سمجھتے اور اپنی جگہ سے زیادہ بھلے
 آدمی کے ہاتھ طاقت سونپ دیتے۔

پولیس سہولتیں کہیں شروع ہوا۔ اس کی جو خبریں
 ہمیں ملی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے :-

(1) مہاراش پولیس کو کچھ تکلیفیں تھیں ان
 تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے اس نے سرکار سے لکھا پڑھی
 کی لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔

(2) مہاراش پولیس کی ایک پمچائیت تھی اس
 پمچائیت کو سرکار نے مانعاً دے رکھی تھی۔

(3) اب یہ ہوا کہ مہاراش سرکار انوشاسن کی
 کاروائی کو بھیجی۔

(4) پولیس کی تکلیفیں جب دور نہیں ہوئیں
 تو پولیس نے ایک نئے ذمہ دار کا سہولت کر دیا۔ اس
 سہولت کا روپ یہ تھا کہ کام پر جانا، کام ٹیک ٹیک کرنا
 پر تعلق نہ لیا۔

(5) اس سہولت کے بعد یہ خبر ملی کہ مہاراش
 کے بڑے وزیر نے یہ مان لیا ہے کہ اُن کچھ تکلیفیں ٹھیک
 ہیں اور اُن کو دور کرنے کی ضرورت کوہش کی جائے گی
 پولیس کو چاہئے کہ وہ اپنی تعلق لے لے۔

(6) کچھ پولیس والوں نے تعلق لے لی پر بہتوں نے
 لے نہیں لی۔

بعد چلتے سہولت عمل میں آئے اُن سب سے یہ سہولت
 ہمیں اُنچے درجے کا جہاز، راجا جی، جو آج کل مہاراش
 کے بڑے وزیر ہیں، گاندھی جی کے ساتھ رہ چکے ہیں،
 سہولت کی جانکاری رکھتے ہیں۔ اس جانکاری کے
 بدلے پر بڑے مہاراش پولیس سہولت کو شاید سہولت نہ کہیں، پر
 ان کی یہ بات ہمارے لئے نہیں اُنکے کی کہیں کہ وہ جس
 جگہ پہنچے ہوئے ہیں وہاں سے مہاراش پولیس کے سہولت
 پر ایسا فیصلہ نہیں دے سکتے جو سہولت کی کسوٹی پر
 سہولت آئے تو ہک اتر سکتے۔ اس لئے ہم مہاراش پولیس
 سہولت کو اس وقت تک سب سے اُنچے درجے کا سہولت
 ماننے دھیں گے جب تک اس سے اُنچے درجے کا سہولت
 ہم کو دیکھنے کو نہ ملے۔

ایسے اوسر پر راجا جی کی جگہ اگر ہم ہوتے تو
 سہولتیں پولیس کے مقابلے میں فوج کو ہلاک نہیں مانتے
 کہ ہماری سہولتیں کی جانکاری کا دیوالہ نکل گیا۔ ہم یہ
 سوچے بغیر ہرگز نہ دھتے کہ کل اگر فوج اسی طرح کا سہولت
 کو بھیجیں تب ہم کیا کریں گے اور کسے اپنی مدد کے لئے
 بلائیں گے؟

ہم تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بکے لے دی
 سہولتیں پولیس کے پاس جاتے ہیں اور ان سے ہتھیار
 واپس مانگ لیتے۔ ہمیں اُمری ہے کہ ہمیں ہتھیار واپس مل
 جاتے، ہو سکتا ہے ہماری اُمری ثابت ہوتی۔ تب
 ہم اپنے کو ذاتی سمجھتے اور اپنی جگہ سے زیادہ بھلے
 آدمی کے ہاتھ طاقت سونپ دیتے۔

پولیس سہولتیں کہیں شروع ہوا۔ اس کی جو خبریں
 ہمیں ملی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے :-

(1) مہاراش پولیس کو کچھ تکلیفیں تھیں ان
 تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے اس نے سرکار سے لکھا پڑھی
 کی لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔

(2) مہاراش پولیس کی ایک پمچائیت تھی اس
 پمچائیت کو سرکار نے مانعاً دے رکھی تھی۔

(3) اب یہ ہوا کہ مہاراش سرکار انوشاسن کی
 کاروائی کو بھیجی۔

(4) پولیس کی تکلیفیں جب دور نہیں ہوئیں
 تو پولیس نے ایک نئے ذمہ دار کا سہولت کر دیا۔ اس
 سہولت کا روپ یہ تھا کہ کام پر جانا، کام ٹیک ٹیک کرنا
 پر تعلق نہ لیا۔

(5) اس سہولت کے بعد یہ خبر ملی کہ مہاراش
 کے بڑے وزیر نے یہ مان لیا ہے کہ اُن کچھ تکلیفیں ٹھیک
 ہیں اور اُن کو دور کرنے کی ضرورت کوہش کی جائے گی
 پولیس کو چاہئے کہ وہ اپنی تعلق لے لے۔

(6) کچھ پولیس والوں نے تعلق لے لی پر بہتوں نے
 لے نہیں لی۔

153 153

उन्होंने कहा है कि जंगी जैदियों के केम्पों में अमरीकी काफी धुम्र कर रहे हैं। अखबारों से उनकी इस बात का सबूत मिलता है। अजीब मजाक है कि अमरीका वाले जिस केम्प के बारे में यह कहते हैं कि यह लोग चीन लौटना नहीं चाहते उन्हीं केम्पों पर उन्हीं टैन्कों से गोली बरसानी पड़ती है। अमरीका इस बात पर जोर इसलिये दे रहा है ताकि वह चीनी सिपाहियों को बददिल कर सके। सरदार की जीत और हार सिपाहियों के बल बूते पर होती है। एक सिपाही के हित के लिये सरदार खुद कुरबानी करता है। कम से कम पूरबी देशों की यही प्रथा रही है। फिर यह कैसे हो सकता है कि माओ त्से तुंग तो अमरीकी सद्दर से हाथ मिलायें, डिनर उड़ायें और बेचारे सिपाहियों को अमरीकीनों को सौंप दें। अगर चीन वाले इस बात का मान लेते तो यह बड़ी फलील हरकत होती। हमें खुशी है कि उन्हें अपनी जनता का बेहद खयाल है और उन्होंने इस वक्त हमारे पुराने उसूलों को निभाया है। अफसोस की बात है कि भारत इस पुराने उसूल को न निभा सका।

अमरीका और भारती ठहराव

अमरीका का कहना है कि चीनी और उत्तरी कोरिया के जंगी क़ैदी अपने अपने देशों को अपनी मरज़ो के खिलाफ़ न भेजे जायं। भारत के ठहराव ने इस बात को दृढ़-बढ़ मान लिया। अमरीका का कहना है कि पहले जंगी क़ैदियों की रिहाई का मसला तय हो और फिर आरज़ी सुलह हो भारत ने यह भी मान लिया। हम यह विश्वास से नहीं कह सकते कि भारती ठहराव मेनन के बजाय एचीसन का तैयार किया हुआ था लेकिन ठहराव देख कर ऐसा शक़ फ़रर होता है।

ऐसी सूरत में इसे अमरीका को मानना ही चाहिये और रुस और चीन के लिये इसकी मुखालफत करना आवश्यक है.

इस सम्बन्ध में अमरीका के अधिकारी दो बातें कहते हैं: एक यह कि स्टालिन चाहता है कि लड़ाई जारी रहे और अमरीका और उसके साथी छोटे छोटे राष्ट्रों से लड़कर कमजोर होते रहें और वह खुद रूस की कौजी ताकत को मजबूत करते रहें. कहने का मतलब यह है कि अमरीका शान्ति चाहता है और रूस जंग. मामूली अकल का आदमी भी पूछेगा कि फिर ज्ञान बूझ कर अमरीका स्टालिन का खिलाई क्यों बना हुआ है ? क्या वह इतना भोला है ? जो बात स्टालिन करवाना चाहता है वही अमरीका कर रहा है. अमरीका को चाहिये था कि वह हर सूरत में लड़ाई बन्द कर देता. अपने बचाओ के लिये जरूरी था कि वह रूस के ही सुझाव को यूनी में मान लेता. लेकिन अमरीका ने ऐसा नहीं किया और न वह करेगा, वह ऐसा नहीं कर

انہوں نے کہا ہے کہ جنگی قیدیوں کے کہیں میں
 امریکی کالی فلم کر رہے ہیں۔ اخباروں سے ان کی اس
 بات کا ثبوت ملتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ امریکہ والے
 جس کہیں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ چھوٹے
 لولٹا نہیں چاہتے انہیں کہیں پر انہیں قہر کوں سے
 گواہ برسانی ہوتی ہے۔ امریکہ اس بات پر زور اس لئے
 دے رہا ہے تاکہ وہ چھٹی سپاہوں کو بد دل کر سکے۔
 سردار کی جھٹ اور ہار سپاہوں کے دل ہوتے ہوئے ہیں۔
 ایک سپاہی کے عہد کے لئے سردار خود قربانی کرتا ہے۔
 تم سے کم پوری دیکھیں کی یہی پرتہا رہی ہے۔ پھر یہ کہہ سکتے
 ہیں کہ ماؤتسے تلک تو امریکی صدر سے ہاتھ ملائے
 قنبر اڑائیں اور بھجائے سپاہوں کو امریکیوں کو سونپ
 دیں۔ اگر چھوٹے والے اس بات کو مان لیتے تو یہ ہی ذلیل
 حرکت ہوتی، ہموں خدشی ہے کہ انہیں اپنی جگہ کا
 بے حد خیال ہے اور انہوں نے اس وقت ہمارے پرانے
 اصولوں کو نہایا ہے۔ اسسوں کی بات ہے کہ بھارت اس
 پرانے اصول کو نہہا سکا۔

امریکہ اور بھارتی تھراؤ

امریکہ کا کہنا ہے کہ چھٹی اور آٹری گوریلا کے جنگی قیدی اپنے اپنے دیہوں کو اپنی مرضی کے خلاف نہ بھیجے جائیں۔ بھارت کے ٹھہراؤ نے اس بات کو ہو بہو مان لیا۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ پہلے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ طے ہو اور پھر فارسی صلح ہو۔ بھارت نے یہ بھی مان لیا۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بھارتی ٹھہراؤ سفین کے بحالہ ایجنسین کا تھار کیا ہوا تھا لیکن ٹھہراؤ دیکھکر ایسا شک ضرور ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں ایسے امریکہ کو ماننا ہی چاہئے اور
 روس اور چین کے لئے ایسی مخالفت کرنا اوشبک ہے ۔

اس سلسلہ میں امریکہ کے اندھ کاری دو باتیں کہتے ہیں : ایک یہ کہ استغاثن چاہتا ہے کہ لوائی جاری رہے اور امریکہ اور اُسکے ساتھی چھوٹے چھوٹے راشتروں سے لو کر کمزور ہوتے رہیں اور وہ خود روس کی فوجی طاقت کو مضبوط کرتے رہیں . کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ شائعی چاہتا ہے اور روس جنگ . معمولی کا عقل کا آدمی بھی پوچھے گا کہ پھر جان بوجھکر امریکن استغاثن کا کہلونا کہوں بنا ہوا ہے ؟ کیا وہ انڈا بھولا ہے ؟ جو بات استغاثن کو ماننا چاہتا ہے وہی امریکہ کر رہا ہے . امریکہ کو چاہئے تھا کہ وہ ہر صورت میں لوائی بلند کر دیتا . آپ بچاؤ کے لئے ضروری تھا کہ وہ روس کے ہی بچاؤ کو یونوں میں مان لیتا . لیکن امریکہ نے ایسا نہیں کیا اور نہ وہ کرے گا . وہ ایسا نہیں کر

بارسائی کی سन्धि میں جس بات پر عمل کرنے کے لیے پور دیا گیا ہے اسی کا ذکر یہاں بھی ہے۔ اسی کنونشن کے 118 ویں دفعہ میں لکھا ہے کہ جیسے ہی لوائی کی سرگرمی ختم ہو ویسے ہی جنگی قیدی دیا کر دیئے جائیں۔ یہ ہندوستان عارضی صلح کے سلسلے میں ہند ہونے والی لوائی کے سہولت میں لائے نہیں ہو سکتا۔ شاید دوسری جنگ کے بعد کے نکتہچوں کے اہتمام پر یہ ہندوستان بدایا گیا ہے۔ جرمنی، جاپان اور آئلی نے بنا شرط کے ہتھیار ڈال دیئے اور لوائی ہند ہو گئی۔ حالانکہ اس بات کی اشد نہیں وہ لگتی تھی کہ لوائی پھر شروع ہو رہی تھی کئی سال تک پارتیوں میں کوئی سندی نہیں ہوئی۔

”یہ ساری باتیں چاہے کتنا ہی بکواس مالاخا ہوئی ہوں لیکن آج آئینہ قانون میں اتنا لکھا ہے اور وہ اس قانون قول حالت میں ہے کہ ترمیم کے استعمال کو لے کر اس میں اور کچھ پھینکا اچھا نہیں لگتا۔“

قانون شامع کے اس پلندہ کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ اب تک کا دراج بھی دیا ہے کہ پہلے عارضی صلح ہو اور پھر سندی کی جائے۔ جنگی قیدیوں کی دھالی سوال سندی کا ایک انگ ہونا چاہئے نہ کہ سندی اس کا ایک انگ بننا ہی جائے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دوس انصاف کی طرف تھا اور بھارتی تھپڑا نے اسکی بات تھپڑا کو ہرجانب ہادی کے فرض سے ملدہ موزا ہے۔

چین اور بھارتی تھپڑا

چین اور بھارتی تھپڑا

بھارتی تھپڑا کو پہلے روس نے مائل سے انکار کیا اور اسی نے یہ بھی بتایا کہ چین بھی اسے نہیں مانے گا۔ اس بات کو لے کر بھی خوب ہرجا کر لیا گیا ہے کہ چین وہی سب کرنا ہے جو روس کرنا ہے یعنی چین روس کا تمام ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ چین اسی حالت میں کیا کر سکتا تھا۔ اس کا کوئی پرتھندی امریکہ والے دونوں میں نہیں آئے تھے۔ پھر اگر اس نے اب ایک دوسرا کے ذریعہ اپنی بات کہائی تو اس سے یہ کہے سہ ہوتا ہے کہ وہ روس کا تمام ہے۔

بھارتی تھپڑا کی کاپی چین بھیجی گئی تھی۔ اس کا جواب وہاں کے بڑے وزیر جو این قانی نے دیا ہے۔ ان کے جواب میں اب بھی اس کی مضبوطی ہے، انصاف کی کوج ہے اور ساتھ ہی ساتھ سہولت کی بھارتی ہے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ دونوں کے سہولت میں اس لئے ان کے لئے یونٹوں کا تھپڑا ہو قانی ہے، انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ اس تھپڑا کے ساتھ ہی جو خطرہ سامنے آئے ان کے لئے انہوں نے ذکر کیا ہے اور بعد میں شانتی قائم کرنے کے لئے اس تھپڑا دیکھیں۔ یہ صلح چاہئے وہ کی باتیں نہیں لوائی جائیں وگرنہ رائے کی نہیں۔

پارسی کی سन्धि میں جس بات پر عمل کرنے کے لیے پور دیا گیا ہے اسی کا ذکر یہاں بھی ہے۔ اسی کنونشن کے 118 ویں دفعہ میں لکھا ہے کہ جیسے ہی لوائی کی سرگرمی ختم ہو ویسے ہی جنگی قیدی دیا کر دیئے جائیں۔ یہ ہندوستان عارضی صلح کے سلسلے میں ہند ہونے والی لوائی کے سہولت میں لائے نہیں ہو سکتا۔ شاید دوسری جنگ کے بعد کے نکتہچوں کے اہتمام پر یہ ہندوستان بدایا گیا ہے۔ جرمنی، جاپان اور آئلی نے بنا شرط کے ہتھیار ڈال دیئے اور لوائی ہند ہو گئی۔ حالانکہ اس بات کی اشد نہیں وہ لگتی تھی کہ لوائی پھر شروع ہو رہی تھی کئی سال تک پارتیوں میں کوئی سندی نہیں ہوئی۔

”یہ ساری باتیں چاہے کتنا ہی بکواس معلوم ہوتی ہوں لیکن آج آئینہ قانون میں اتنا لکھا ہے اور وہ اس قانون قول حالت میں ہے کہ ترمیم کے استعمال کو لے کر اس میں اور کچھ پھینکا اچھا نہیں لگتا۔“

قانون شامع کے اس پلندہ کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ اب تک کا دراج بھی دیا ہے کہ پہلے عارضی صلح ہو اور پھر سندی کی جائے۔ جنگی قیدیوں کی دھالی سوال سندی کا ایک انگ ہونا چاہئے نہ کہ سندی اس کا ایک انگ بننا ہی جائے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دوس انصاف کی طرف تھا اور بھارتی تھپڑا نے اسکی بات تھپڑا کو ہرجانب ہادی کے فرض سے ملدہ موزا ہے۔

بھارتی تھپڑا کو پہلے روس نے مائل سے انکار کیا اور اسی نے یہ بھی بتایا کہ چین بھی اسے نہیں مانے گا۔ اس بات کو لے کر بھی خوب ہرجا کر لیا گیا ہے کہ چین وہی سب کرنا ہے جو روس کرنا ہے یعنی چین روس کا تمام ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ چین اسی حالت میں کیا کر سکتا تھا۔ اس کا کوئی پرتھندی امریکہ والے دونوں میں نہیں آئے تھے۔ پھر اگر اس نے اب ایک دوسرا کے ذریعہ اپنی بات کہائی تو اس سے یہ کہے سہ ہوتا ہے کہ وہ روس کا تمام ہے۔

بھارتی تھپڑا کی کاپی چین بھیجی گئی تھی۔ اس کا جواب وہاں کے بڑے وزیر جو این قانی نے دیا ہے۔ ان کے جواب میں اب بھی اس کی مضبوطی ہے، انصاف کی کوج ہے اور ساتھ ہی ساتھ سہولت کی بھارتی ہے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ دونوں کے سہولت میں اس لئے ان کے لئے یونٹوں کا تھپڑا ہو قانی ہے، انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ اس تھپڑا کے ساتھ ہی جو خطرہ سامنے آئے ان کے لئے انہوں نے ذکر کیا ہے اور بعد میں شانتی قائم کرنے کے لئے اس تھپڑا دیکھیں۔ یہ صلح چاہئے وہ کی باتیں نہیں لوائی جائیں وگرنہ رائے کی نہیں۔

سوال کو پہلے دیکھا اور لڑائی کے انتہ کرنے کے سوال کو بعد میں۔ روس نے چاہا تھا کہ لڑائی کے انتہ کا سوال پہلے ہو اور پھر بعد میں لہجہ کے بدلنے کا سوال آئے۔ نہ جانے کون بھارت نے اس معصوم سچھڑ کو کہیں نہیں مانا! تیسری کمزوری یہ تھی کہ جنگی لہجہ کا بدلنا یونہی کی مصلحتی میں ہونے والا تھا۔ دھماکا دے کہ یونہی خود ایک پارٹی ہے اور اسی کے نام پر امریکہ کوہا میں لڑ رہا ہے پھر کوئی پارٹی کہہ سکتی ہے۔

روس نے ٹھراوا کیوں نہیں مانا

روس نے امریکی سمان کو نہیں مانا۔ چین نے بھی نہیں مانا۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگرچہ ان کے انکار میں کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سمان میں ضروری ہے کہ انگلینڈ کے مشہور وکیل لارڈ سائمن کے خط کو ہم پڑھ لیں۔ وہ لارڈ چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ پہلی دسمبر 1952 کو انہوں نے 'ٹائمز' میں لکھا تھا:

"اگر ہم عارضی صلح کا یہ ایک اصول مان لیتے ہیں کہ ہر عارضی صلح کے بعد سارے جنگی لہجہ کو دھائی کا اندھکار ہے تو انٹر راشنل قانون میں کافی کھپا مچ جانے کا قہر ہے۔ کوریا کے سمان میں یہ ادھار چاہے ٹھیک ہو لیکن عام طریقے سے عارضی صلح کے بعد ایسا کہہ نہیں سکتے۔ عارضی صلح کا مطلب یہ ہے کہ لڑنے والی طاقتوں میں لڑائی بند کر دینے کا سمجھوتہ ہو جائے اور بعد میں وہ پوری شانتی قائم کرنے کے لئے راستے نکال سکیں۔ مثال کے طور پر ہم پہلی جنگ کے بعد جرمنی کی عارضی صلح کو لے لیں۔ اس میں جنگی لہجہ کی دھائی کی شرط نہیں تھی۔ اصل میں عارضی صلح کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ دنوں کے لئے شانتی قائم ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں طرف لڑائی کی ہر گز بھی طرح ہلی دھتی ہے، کھول کھولے بارود نہیں چھوڑتے۔"

"جب عارضی صلح ہو رہی ہے تو اس سے بھی جنگی لہجہ کی دھائی کے سوال پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ لیکن عام طریقے سے یہی ہونا ہے کہ سمدھی کے سے ہی اس سوال کو حل کیا جاتا ہے۔ وار سالی سمدھی کو ہی لے لیتے۔ اسکی دفعہ 214 میں لکھا ہے: اس سمان کے بعد فوراً جنگی لہجہ اور سمدھیوں لہجہ کی دھائی عمل میں آئی چاہئے۔ یہ کام بہت لہجہ سے ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ایک کمیشن کے مقرر کرنے کا بندھان ہے جو دھائی کو جلد عمل میں لائے۔"

"1949 کے جنیوا کنونشن کے جس اہل کا سمان جنگی لہجہ کے ساتھ بھڑکا کر لے لے اسکی 75 ویں دفعہ میں لکھا ہے کہ سمدھی کے بعد جنگی چاندی سکی ہو سکی جنگی لہجہ کی دھائی عمل میں لائی جائے۔"

روس نے ٹھراوا کیوں نہیں مانا

روس نے امریکی سمان کو نہیں مانا۔ چین نے بھی نہیں مانا۔ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ آخر ان کے انکار میں بھی کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سمان میں ضروری ہے کہ انگلینڈ کے مشہور وکیل لارڈ سائمن کے خط کو ہم پڑھ لیں۔ وہ لارڈ چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ پہلی دسمبر 1952 کو انہوں نے 'ٹائمز' میں لکھا تھا:

"اگر ہم عارضی صلح کا یہ ایک اصول مان لیتے ہیں کہ ہر عارضی صلح کے بعد سارے جنگی لہجہ کو دھائی کا اندھکار ہے تو انٹر راشنل قانون میں کافی کھپا مچ جانے کا قہر ہے۔ کوریا کے سمان میں یہ ادھار چاہے ٹھیک ہو لیکن عام طریقے سے عارضی صلح کے بعد ایسا کہہ نہیں سکتے۔ عارضی صلح کا مطلب یہ ہے کہ لڑنے والی طاقتوں میں لڑائی بند کر دینے کا سمجھوتہ ہو جائے اور بعد میں وہ پوری شانتی قائم کرنے کے لئے راستے نکال سکیں۔ مثال کے طور پر ہم پہلی جنگ کے بعد جرمنی کی عارضی صلح کو لے لیں۔ اس میں جنگی لہجہ کی دھائی کی شرط نہیں تھی۔ اصل میں عارضی صلح کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ دنوں کے لئے شانتی قائم ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں طرف لڑائی کی ہر گز بھی طرح ہلی دھتی ہے، کھول کھولے بارود نہیں چھوڑتے۔"

"جب عارضی صلح ہو رہی ہے تو اس سے بھی جنگی لہجہ کی دھائی کے سوال پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ لیکن عام طریقے سے یہی ہونا ہے کہ سمدھی کے سے ہی اس سوال کو حل کیا جاتا ہے۔ وار سالی سمدھی کو ہی لے لیتے۔ اسکی دفعہ 214 میں لکھا ہے: اس سمان کے بعد فوراً جنگی لہجہ اور سمدھیوں لہجہ کی دھائی عمل میں آئی چاہئے۔ یہ کام بہت لہجہ سے ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ایک کمیشن کے مقرر کرنے کا بندھان ہے جو دھائی کو جلد عمل میں لائے۔"

امریکیوں کی بات ہے کہ دوسرا کर्ष भी हिन्दुस्तान पूरा न कर सका. हमने पंडित नेहरू और दूसरे विन्मोदों और भारतीय नेताओं के बयानों को गौर से पढ़ा है. कहीं यह पता नहीं चलता कि किसी भी हालत में नया चीन ने ठहराव को स्वीकार किया हो. किसी बात को मान कर मुकर जाना बहुत बड़ा पाप है. दोस्ती में तो यह चीफ विरवासचात के अपराध के बराबर है. लेकिन चीन ने ऐसा कोई अपराध नहीं किया. हिन्दुस्तान ने उस से मशवरा किया कि वह कोरिया में शामिल होने के लिये कोशिश करना चाहता है. चीन ने इस कोशिश की सराहना की और पूरी तरह सहयोग देने का बचन दिया. लेकिन उसे यह पता नहीं था कि यह कोशिश किस आधार पर होगी. अफसोस है कि भारत ने अमेरिका के सामने अपने घुटने टेक दिये और अपने ठहराव में तब्दीली कर ली. ऐसी हालत में ठहराव को मानने से इनकार करने का चीन को पूरा अधिकार था.

हम इन आधारों पर कह सकते हैं कि भारत विचौलिये का दूसरा कर्ष भी नहीं निभा सका: एक यह कि चीन और कोरिया से पूरी बात कर के न ठहराव रखा गया और न ही अमेरिकी सुझावों को मानते समय चीन और रूस से राय ली गई. भारत के अधिकारियों ने भी इस बात को स्वीकार किया है कि यूनो में चीन के प्रतिनिधि की गौर हाजरी की वजह से पूरा मशवरा चीन से नहीं हो सका. दूसरे यह कि जब भारत को माखम हो गया कि चीन और उत्तरी कोरिया वाले उस के ठहराव के आधार पर सुलह करने को तैयार नहीं हैं तो उसे अपने ठहराव को वापस ले लेना चाहिये था और फिर बातचीत कर के दूसरा ठहराव लाना चाहिये था या चुप बैठ जाना चाहिये था. विचौलिये का काम है ऐसे मुकदों में निकालना जिस पर दोनों पारटी राखी हो जाय. उस का काम ठहराव पास कराना नहीं है. लेकिन न जाने क्यों भारत ने विचौलिये की हैसियत छोड़ कर एक पारटी की हैसियत अकियार कर ली और ठहराव के पास होने या न होने के सवाल को अपनी हार और जीत समझ बैठा.

ठहराव की कमजोरियाँ

पूरे ठहराव की बुनियाद एक थी और बाकी सब तकसीली चीजें थीं. वह बुनियाद यह थी कि चीनी और उत्तरी कोरिया के उन जंगी क़ैदियों का बदलाव न किया जाय जो चीन और कोरिया लौटना नहीं चाहते. यह बात अमेरिकी ठहराव है और यही उसका पक्का है. अमेरिकन पक्का को पूरी तरह भारत ने मान लिया. फिर सुलह की गुंजायश कहाँ रह जाती है. यह बात समझते का मुकदों नहीं हो सकती थी बल्कि दूसरे फ़रीक के पक्का को भूटा ठहराना था और अमेरिकी पक्का को जायज. इस ठहराव की दूसरी कमजोरी यह थी कि इस ने क़ैदियों के बदलाव के

असोस की बात है कि दूसरा कर्ष भी हिन्दुस्तान पूरा न कर सका. हमने पंडित नेहरू और दूसरे विन्मोदों और भारतीय नेताओं के बयानों को गौर से पढ़ा है. कहीं यह पता नहीं चलता कि किसी भी हालत में नया चीन ने ठहराव को स्वीकार किया हो. किसी बात को मान कर मुकर जाना बहुत बड़ा पाप है. दोस्ती में तो यह चीफ विरवासचात के अपराध के बराबर है. लेकिन चीन ने ऐसा कोई अपराध नहीं किया. हिन्दुस्तान ने उस से मशवरा किया कि वह कोरिया में शामिल होने के लिये कोशिश करना चाहता है. चीन ने इस कोशिश की सराहना की और पूरी तरह सहयोग देने का बचन दिया. लेकिन उसे यह पता नहीं था कि यह कोशिश किस आधार पर होगी. अफसोस है कि भारत ने अमेरिका के सामने अपने घुटने टेक दिये और अपने ठहराव में तब्दीली कर ली. ऐसी हालत में ठहराव को मानने से इनकार करने का चीन को पूरा अधिकार था.

हम इन आधारों पर कह सकते हैं कि भारत विचौलिये का दूसरा कर्ष भी नहीं निभा सका: एक यह कि चीन और कोरिया से पूरी बात कर के न ठहराव रखा गया और न ही अमेरिकी सुझावों को मानते समय चीन और रूस से राय ली गई. भारत के अधिकारियों ने भी इस बात को स्वीकार किया है कि यूनो में चीन के प्रतिनिधि की गौर हाजरी की वजह से पूरा मशवरा चीन से नहीं हो सका. दूसरे यह कि जब भारत को माखम हो गया कि चीन और उत्तरी कोरिया वाले उस के ठहराव के आधार पर सुलह करने को तैयार नहीं हैं तो उसे अपने ठहराव को वापस ले लेना चाहिये था और फिर बातचीत कर के दूसरा ठहराव लाना चाहिये था या चुप बैठ जाना चाहिये था. विचौलिये का काम है ऐसे मुकदों में निकालना जिस पर दोनों पारटी राखी हो जाय. उस का काम ठहराव पास कराना नहीं है. लेकिन न जाने क्यों भारत ने विचौलिये की हैसियत छोड़ कर एक पारटी की हैसियत अकियार कर ली और ठहराव के पास होने या न होने के सवाल को अपनी हार और जीत समझ बैठा.

तेहराव की कमजोरियाँ

पूरे तेहराव की बुनियाद एक थी और बाकी सब तकसीली चीजें थीं. वह बुनियाद यह थी कि चीनी और उत्तरी कोरिया के उन जंगी क़ैदियों का बदलाव न किया जाय जो चीन और कोरिया लौटना नहीं चाहते. यह बात अमेरिकी ठहराव है और यही उसका पक्का है. अमेरिकन पक्का को पूरी तरह भारत ने मान लिया. फिर सुलह की गुंजायश कहाँ रह जाती है. यह बात समझते का मुकदों नहीं हो सकती थी बल्कि दूसरे फ़रीक के पक्का को भूटा ठहराना था और अमेरिकी पक्का को जायज. इस तेहराव की दूसरी कमजोरी यह थी कि इस ने क़ैदियों के बदलाव के

“हिन्दुस्तान के सामने तीन रास्ते थे—एक ठहराव में तबदीली करके उसे वोट के लिये रखा जाय, दूसरे तबदीली करने से साफ़ इनकार कर दिया जाय और तीसरे ठहराव को वापस ले लिया जाय, नैसलान बहुत मुश्किल था क्योंकि हिन्दुस्तान को गैर जानिबदारी और बिचौलिये की हैसियत की छोड़ कर साफ़ साफ़ कम्युनिस्टों के खिलाफ़ खड़ा होना पड़ता लेकिन भारत ने हिम्मत से काम लिया. वोट के नतीजे से साफ़ ज़ाहिर है : 54 ने पक्ष में वोट दिया. नैशनलिस्ट चीन ने वोट नहीं दिया और रूसी गुट के पांच देशों ने मुखालिफ़त की ”

न्युयार्क टाइम्स और उसकी विचार धारा वाले दूसरे
देशी और विदेशी अखबारों ने भारत सरकार की तारीफ
के पुल सिर्फ इसीलिये बांधे हैं क्योंकि भारत गैर जानिवदारी
और विधौलिये की हैसियत को छोड़ कम्युनिस्टों के
खिलाफ खड़ा हुआ, या दूसरे शब्दों में यूँ कहिये कि आलोश
लड़ाई में हिन्दुस्तान ने अमरीका को अपने कन्धे पर
बन्धू रख कर खड़ा ने दिया और हारी हुई लड़ाई में एक
दफा फिर उसे सांस लेने का मौका मिल गया।

अगर हिन्दुस्तान विचौलिया नहीं रह गया, अगर उसने पैर जानिबदारी छोड़ दी, अगर वह अमरीका का दोस्त बन गया तो आहिर बात है कि रूसी गुट वाले उस पर विश्वास नहीं रख सकते. भारत की नियत पर भी अगर वह हमले करते हैं तो उन्हें पूरा हक है.

क्या हिन्दुस्तान ग़ैर जानिबदार नहीं था ?

अमरीकी पक्षा वाले इस संबंध में हिन्दुस्तान को अपने पक्षा में गिनते हैं और इस के इनकार को अपनी जीत समझते हैं। रूसी गुट भी इस बात की तार्किक करता है। लेकिन हमें खुद ठंडे विल से सोचना चाहिये कि हिन्दुस्तान और जर्मनियन रह सका या नहीं और उस ने बिचौलिये के फर्ज को निभाया यह नहीं? हमारा जवाब है कि हिन्दुस्तान अपने फर्ज को नहीं निभा सका। बिचौलिये और वह भी और जर्मनियन बिचौलिये के दो फर्ज होते हैं। एक यह कि वह इस बात का सही अन्दाज़ा लगाए कि उस तास का किसे में खिलावती किस की है, और दूसरे यह कि दोनों पक्षों से बात चीत कर के एक ऐसा सुझाव रखे कि जिस पर दोनों राजी हो जायें। पहला फर्ज हिन्दुस्तान ने नहीं निभाया और वह निभा भी नहीं सकता था। वह खुद ऐसा जब था जो उत्तरी कोरिया वालों को क्रूरता से ठहरा चुका है। इस पर हम और नहीं देते लेकिन यह बात भी एक बिचौलिये के मान और उस के फैसले की ज़रूरत की बात कम कर देती है।

ہندوستان کی جانی دے دھڑ تھا وہی دوسرے دن اپنی قوموں
 کی تعریف کرتے نہیں بولتا تھا۔ یہاں تک کہ ٹیپو مرگ
 لائنس ایسے ہندوستان ورنہ ہی امریکی اخبار نے بھی
 بھارت سرکاری نہیں لکھ سکتی تھی تعریف کی :
 "ہندوستان کے سامنے تھی راستہ تھے۔ ایک تھوڑا
 مہینہ تبدیلی کر کے اسے وقت کے لئے دیکھا جائے، دوسرے
 تبدیلی کرنے سے صاف انکار کر دیا جائے اور دوسرے تھوڑا
 کو واپس لے لیا جائے۔ فیصلہ بہت مشکل تھا کیونکہ
 ہندوستان کو فہر جانبداری اور بھولنے کی حیثیت کو
 چھوڑ کر صاف صاف کمیونسٹوں کے خلاف کھڑا ہونا پونا
 لیکن بھارت نے ہمت سے کام لیا۔ وقت کے نتیجے سے صاف
 شہرہ : 54 نے پکھ میں دیا۔ نوٹسلسٹ چون نے
 وقت نہیں دیا اور روسی ٹکٹ کے پانچ دیہوں نے مخالفت
 کی۔"

نہایت ایک تادم اور اُس کی وجہاً دہارا والے دوسرے
دیشی اور دیہی افساروں نے بہارت سرکار کی تعریف کے پل
صرف اسی نکتہ پر بندھے ہوں کیونکہ بہارت فہر جانبداری
اور پھولنے کی جھڑپ کو چھوڑ کر دوسروں کے خلاف
کھڑا ہوا۔ یا دوسرے شہزادوں میں یوں کہئے کہ خاصوہ
لوائی میں ہندستان نے امریکہ کو اچھے کلمے پر بھرتی
کہہ کر چھوڑ دیا اور ہادی ہوئی لوائی میں ایک دفعہ
پھر اُسے سانس لینے کا موقع مل گیا۔

اگر ہندوستانی پتھولہا نہیں رہ گیا، اگر اُس نے شہر چاندپوری چھوڑ دی، اگر وہ امریکہ کا دوست بن گیا تو ظاہر بات ہے کہ روسی کسٹ والے اُس پر وعدہ اس نہیں دیکھ سکتے۔ بھارت کی نصف پر بھی اگر وہ حملہ کرتے ہیں تو انہیں پورا حق ہے۔

کہا شہنشاہ تباری پھر جانبدار نہیں تھا ؟

امریکی پکھی والے اس سمیلندہ میں ہندستان کو
اپنے پکھی میں کلتے ہیں اور روس کے انکر کو اپنی جھب
سمجھتے ہیں۔ دوسری کت بھی اس بات کی نشاند کرتا ہے،
لوگوں میں خود قبلہ دل سے سوچنا چاہئے کہ
ہندستان فورجانبدار وہ سکا یا نہیں اور اس نے
بھولنے کے فرض کو نبھایا یا نہیں؟ ہمارا جواب ہے کہ
ہندستان اپنے فرض کو نہیں نبھا سکا۔ بھولنے اور وہ
پہلی فورجانبدار بھولنے کے ہو فرض ہوتے ہیں۔ ایک
یہ کہ وہ اس بات کا صحیح اندازہ لگاتے کہ اس خاص
چھکڑے میں ایمانداری کس کی ہے اور دوسرے یہ کہ دونوں
پارتوں سے بات چیت کر کے ایک ایسا سمجھا رکھ کہ جس
پر دونوں راہی ہو جائیں۔ پہلا فرض ہندستان نے نہیں
نبھایا اور وہ نبھا بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ خود ایسا جج
تھا جو آپری کوریا والوں کو تھروار تھرا چکا ہے۔ اس
پر ہم زور نہیں دیتے لوگوں یہ بات بھی ایک بھولنے کے
مانا کہ اس کے فیصلے کی اہمیت کو ہمیشہ کم کر دیتی ہے۔

हम सत्य नारायण जी की इस बात से पूरी तरह सहमत हैं, और हमें विश्वास है कि विभिन्न के हिन्दी विरोधी समर्थक जाने वाले भाइयों के विचार भी इससे भिन्न नहीं हैं। आवश्यकता केवल हमारे अपने अपने दिनों को बचा करने की है।

—सुन्दरलाल

दुनिया की आम जनता आज लड़ाई से नफ़रत करती है। लड़ाई का वातावरण पैदा करने वाले प्रचार के बीच जब उसे शान्ति की आवाज़ सुनाई देती है तो वह आशा भरी निगाहों से शान्ति प्रचारक व्यक्ति या देश की तरफ देखने लगती है। भारत ने जब इस बात का एखान किया कि वह कोरिया की लड़ाई के अन्त के लिये एक सुझाव रखेगा तो दुनिया की आम जनता ने उस को बधाई दी। हम भारतवासी तो पूरे नहीं समझे थे, हमारी बजह से शान्ति कायम हो जाय यह कोई कम गर्व की बात न थी। लेकिन हमें भी निराश होना पड़ा और दुनिया की आम जनता भी निराश हो गई।

जब किसी चीज को पाने की जरूरत ख़ास होती है और वह नहीं मिल पाती तो हम व्याकुल हो जाते हैं, जिन कारणों से हम नाकामयाब होते हैं उनकी परचा होती है और तरह तरह की बातें निकल पड़ती हैं, भारत के शान्ति ठहराव की नाकामयाबी पर जब हम मोटे तरीक़े से सोचते हैं तो एक ही बजह समझ में आती है, अगर लंबी गुट के देश भी इस ठहराव को मान लेते तो शान्ति बहुत ज़ाबान हो जाती, और इस बात को मानने का जरूरी मतीज़ा यह निकलता है कि अमरीकी गुट कोरिया की लड़ाई ख़तम करना चाहता है लेकिन रूसी गुट लड़ाई को जारी रखना चाहता है.

कम से कम थोड़ी देर के लिये भोली जनता के दिमाग में यह कयास फहरा जागृत कर गया. अमरीकी प्रचार ने जोर लगाया. हिन्दुस्तान के काफी अखबारों ने लेख छापे और पत्राचारिकाएँ लिखी. सब का मत था कि इसी मुद्दे के वेल्ल प्राप्ति नहीं चाहते. अमोरा लड़ाई में अमरीका की मदद बहुत बड़ी जीत थी और इस जीत का पूरा सेहरा हिन्दुस्तान के सर है.

जो बिदेसी प्रेस एक दिन पहले तक नेहरू और

ہم سیکھنا چاہتے ہیں کہ اس بات سے بڑی طرح
سہمیت ملے اور ہمیں خوش اس حال کہ دکن کے ہندی
وہابی مسیحی جانے والے بھائیوں کے وچار بھی اس سے
بھی نہیں ملے۔ آؤں گے کہوں ہمارے اچے اچے دلوں کو
بڑا کرے گی۔

5-1-53

—مفتی لعل

دنیا کی عام جگہ آج لڑائی سے نفرت کرتی ہے ۔ لڑائی کا راتوں پہلے کرنے والے پر چار کے بیچ جب اسے شانتی کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ اسے بھری نگاہوں سے شانتی پر چارکٹ دیکھتی یا دیہوں کی طرف دیکھنے لگتی ہے ۔ بھارت نے جب اس بات کا اعلان کیا کہ وہ کوریا کی لڑائی کے ختم کے لئے ایک سنجھاؤ رکھے گا تو دنیا کی عام جگہ نے اس کو بدعاشی دی ۔ ہم بھارت واسی تو پہلے نہیں سماتے تھے ۔ ہمارے دل سے شانتی قائم ہو جائے یہ کوئی کم گوئی کی بات نہ تھی ۔ لیکن ہمیں بھی نرا ہی ہونا پڑا اور دنیا کی عام جگہ بھی نرا ہی ہو گئی ۔

جب کسی چور کو پانے کی زبردست خواہش ہوتی ہے اور وہ نہیں مل پاتی تو ہم یہاں تک سے ہو اٹھتے ہیں . چونکہ انہوں سے ہم ناگہان ہوتے ہیں ان کی چوچا ہوتی ہے اور طرح طرح کی باتیں نکل پڑتی ہیں . بھارت کے شاعری تہہ راؤ کی ناگہانی پر جب ہم موٹے طریقے سے سرچھتے ہیں تو ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے . اگر روسی گت کے دیس بھی اِس تہہ راؤ کو مان لیتے تو شائستگی ضرور قائم ہو جاتی . اور اِس بات کو متنبہ کا ضروری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امریکی گت کوڑا کی لوائی ختم کرنا چاہتا ہے لیکن روسی گت لوائی کو جاری رکھنا چاہتا ہے .

کم سے کم تہذیبی قدر کے لئے یہودی چلتا کے دماغ میں یہ خیال سرور جنم کر گیا۔ امریکی ہرجاؤ نے زور لگایا۔ هندوستان کے غلامی اگھاراہوں نے لہجہ چھاپے اور ایکٹیویٹس لکھنے۔ سب کا سار یہی تھا کہ روسی گت کے دیس شاعری نہیں جانتے۔ خاصوہی لڑائی میں امریکہ یہ بہت ہوتی جیت لہی اور اس جیت کا زوراً سوراً هندوستان کے سر پر

19

ہر شخص پر ایک سے زیادہ ایک نمبر اور

केवल सरकारों पर ही नहीं, तो सभा देश की बहुत ही काम की सेवा करेगी। दक्खिन भारत के लोगों के गला से अगर हिन्दी उबरवस्ती उतारी गई तो हमेशा इस बात की सम्भावना रहेगी कि लोग उसका विरोध करें। पर मुझे पूरा विश्वास है कि अगर हिन्दी की जानकारी उसके कलाचरी यानी सांस्कृतिक पहलू और सांस्कृतिक काव्य के सामने रख कर फैलाने की कोशिश की गई तो लोग इसे बहुत पसन्द करेंगे। कुछ भी हो, हिन्दी अंगरेजी की तरह कोई विदेशी भाषा नहीं है। एक और मिसाल लीजिये, हमारे देश के लोग लगभग एक सौ बरस से योरपी संगीत सुनते आ रहे हैं, फिर भी योरपी गाने हमें कभी पसन्द न आए। वह हमारे यहां न फैल सके। पर हम सब रोज देखते हैं कि महात्मा प्रान्त के हर हिस्से में छोटे छोटे लड़के और लड़कियां तक आ जा कर रोज ताबे से ताबे हिन्दुस्तानी फिल्मी गाने गाते रहते हैं। इससे पता चलता है कि उत्तर और दक्खिन की बोलियों और कलाचरों में बुनियादी तौर पर कोई दुश्मनी नहीं है। मैं आशा करता हूँ और मुझे ज़म्मीद है कि यह सभा, बिना उबरवस्ती के और बिना सरकार का सहारा लिये इस सारे प्रान्त भर में हिन्दी को फैलाने की और प्रियावा कोशिश करेगी।”

श्री राजमन्जार के भाशन से हमने जान बूझ कर इतना लम्बा हिस्सा नक़ल किया है. उनकी बातें उत्तर और दक्खिन दोनों जगहों के हिन्दी प्रेमियों के लिये ध्यान देने की हैं. दक्खिन में लाखों हिन्दू और मुसलमान उर्दू बोलते हैं. उनमें सैकड़ों बल्कि हजारों ही उर्दू के अच्छे विद्वान, लेखक और कवि भी हैं. तमिल, तैलिंगू, मलयालम और कन्नड़ का तो वह घर ही है. यह सब भाशाएं बहुत उन्नत भाशाएं हैं. अगर इन सब की मदद से दक्खिन के हिन्दी सेवक राष्ट्र भाशा हिन्दी को माला माल करने, बढ़ाने और सजाने की कोशिश करेंगे तो हमें इस में कोई सन्देह नहीं कि दक्खिन भारत उसी तरह इस देश की आगे की राष्ट्र भाशा हिन्दी का जन्म स्थान और गह्वारा साबित होगा जिस तरह वह आज से कई सौ बरस पहले खड़ी बोली रेक्ता का जन्म स्थान रह चुका है.

इस में कोई शक नहीं कि दक्खिन के हिन्दी सेवक और हिन्दी प्रचारक चुपचाप आने वाले राष्ट्र की सच्ची तामीर में लगे हुए हैं। मदरास हिन्दी प्रचार सभा के मंत्री श्री कल्याणारायण जी ने बात करते हुए हम से कहा—“हम दक्खिन वालों ने हिन्दी को राष्ट्र भाषा और राष्ट्र एकता के नाम पर अपनाया था। फिर जब हिन्दी उर्दू का मगड़ा पड़ा तो हमने हिन्दुस्तानी को दोनों के संगम के रूप में अपनाया, और अब हम ने हिन्दी को फिर विधान की इन चारों ओर के समुदाय राष्ट्र भाषा के रूप में अपनाया है, जिन में साफ कहा गया है कि राष्ट्र भाषा हिन्दी न केवल

ایک کارن یہ ہے کہ ہندی میں سنسکرت کے لفظوں کی جگہ اور اس کے لفظوں کے لئے بھی جگہ ہے اور اس میں فارسی کے لفظوں کے ساتھ ساتھ عربی کے لفظوں اور مصداقوں کے لفظ بھی لکھائے گئے ہیں۔ مثلاً ہندی میں اس کے لئے پسند ہے کہ ہندی میں یہ لفظوں ہیں۔ اسی لئے ہندی میں اور آوازوں کے آثار چھوڑنے کے کارن اس میں سب طرح کے ہوا اور نازک سے نازک خیال ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک آج کل کی زندہ زبان ہے جو بڑھ سکتی ہے۔ موری یہ دیکھو کہ اگر اس میں کوئی بھاشا ایسی ہے جو کہیں کم سے کم کچھ کاموں کے لئے سارے دیہی کی بھاشا کا کام دے سکتی ہے تو وہ ہندی ہے۔ وہاں کی دفعہ 361 میں صاف بتایا گیا ہے کہ ہندی کا یہ کام کیا ہے۔ دفعہ 351 میں لکھا ہے کہ ہندی کو ایک ایسا مادہ ہونا چاہئے جس کے ذریعے بھارت کی ملی جلی لکچر کے سب انگ اور سب حصہ ظاہر ہو سکیں۔ ہندی کا یہی پہلو مجھے سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ہندی کا دوسرا پہلو ہے الگ الگ صوبوں کے بچے یا صوبوں اور ہونہیں سرکار کے بچے دھرمی پتر بھوہار کے کام میں آتا۔ کسی بھی راشٹر کے چھوٹے صوبوں میں یہ ایک بہت ہی چھوٹی سی بات ہے۔ گورنر جنٹلمین سے کتلم میں چلے گئے ہیں اس دھرمی پتر بھوہار سے کام پڑتا ہو۔ مجھ سے پوچھئے تو یہ پتر بھوہار کسی بھی بھاشا میں ہو مجھے کوئی پروا نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہر صوبہ اپنی ہی صوبائی بھاشا میں چھوٹا بھاشا اور اس کے ساتھ جو بھی سرکاری بھاشا ہو اس میں چھوٹی کا انواد ساتھ لکھ دیا کرے۔ چھوٹے سے سرگودھا لکھنے والی سرکاری بھاشا میں ہوں، پر اس سے وہاں کی سنگھ سرکار کے چھوٹے میں کہیں کوئی بہت کتلمائی نہیں آئی۔ لیکن میں یہ ضرور مانتا ہوں، لوگوں کے دماغوں پر اس کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور یہ بڑی ضروری چیز ہے کہ کوئی نہ کوئی ایک اس طرح کی بھاشا ہونی چاہئے جس میں ہونہیں ہر کے سب پڑھ لکھ لوگ ایک دوسرے سے آگے آگے چار پرکٹ کو سکھیں اور سب ایک دوسرے سے بول سکیں۔ مثال کے لئے دھارم سداوں کے ممبر راج کاجی اور صاحبی کام کرتے والے، سائنس کار، کلاؤنسٹ، سائنس دان، بھارتی، یعنی وہ سب لوگ جو یا تو آگے صوبے سے باہر دیہی کے دوسرے صوبوں میں جاتے آتے رہتے ہوں یا چھوٹے آگے گریہ میں دوسرے صوبوں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان سب لوگوں کو اچھی طرح ہندی آنی چاہئے۔ سچے سچے اس سے بھارتی راشٹر اور بھارتی لکچر کی بھاشا ایک ہی ہے۔ چھوٹے لوگوں میں پڑھ لکھنے کا۔ پڑھنے والے میں جب پڑھ لکھ لوگ بہت کم تھے۔ سنسکرت بھاشا ان سب کو ملنے لگی تھی اور بھارت کی بھاشا ایک ہی کو پرکٹ کرنی تھی۔ آج ہندی میں ایک اچھی طرح کام دے سکتی ہے۔ یہ صوبہ اگر اس میں ہندی کی جانکری سب طرف پڑھ لکھ

ایک کارن یہ ہے کہ ہندی میں سنسکرت کے لفظوں کی جگہ اور اس کے لفظوں کے لئے بھی جگہ ہے اور اس میں فارسی کے لفظوں کے ساتھ ساتھ عربی کے لفظوں اور مصداقوں کے لفظ بھی لکھائے گئے ہیں۔ مثلاً ہندی میں اس کے لئے پسند ہے کہ ہندی میں یہ لفظوں ہیں۔ اسی لئے ہندی میں اور آوازوں کے آثار چھوڑنے کے کارن اس میں سب طرح کے ہوا اور نازک سے نازک خیال ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک آج کل کی زندہ زبان ہے جو بڑھ سکتی ہے۔ موری یہ دیکھو کہ اگر اس میں کوئی بھاشا ایسی ہے جو کہیں کم سے کم کچھ کاموں کے لئے سارے دیہی کی بھاشا کا کام دے سکتی ہے تو وہ ہندی ہے۔ وہاں کی دفعہ 361 میں صاف بتایا گیا ہے کہ ہندی کا یہ کام کیا ہے۔ دفعہ 351 میں لکھا ہے کہ ہندی کو ایک ایسا مادہ ہونا چاہئے جس کے ذریعے بھارت کی ملی جلی لکچر کے سب انگ اور سب حصہ ظاہر ہو سکیں۔ ہندی کا یہی پہلو مجھے سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ہندی کا دوسرا پہلو ہے الگ الگ صوبوں کے بچے یا صوبوں اور ہونہیں سرکار کے بچے دھرمی پتر بھوہار کے کام میں آتا۔ کسی بھی راشٹر کے چھوٹے صوبوں میں یہ ایک بہت ہی چھوٹی سی بات ہے۔ گورنر جنٹلمین سے کتلم میں چلے گئے ہیں اس دھرمی پتر بھوہار سے کام پڑتا ہو۔ مجھ سے پوچھئے تو یہ پتر بھوہار کسی بھی بھاشا میں ہو مجھے کوئی پروا نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہر صوبہ اپنی ہی صوبائی بھاشا میں چھوٹا بھاشا اور اس کے ساتھ جو بھی سرکاری بھاشا ہو اس میں چھوٹی کا انواد ساتھ لکھ دیا کرے۔ چھوٹے سے سرگودھا لکھنے والی سرکاری بھاشا میں ہوں، پر اس سے وہاں کی سنگھ سرکار کے چھوٹے میں کہیں کوئی بہت کتلمائی نہیں آئی۔ لیکن میں یہ ضرور مانتا ہوں، لوگوں کے دماغوں پر اس کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور یہ بڑی ضروری چیز ہے کہ کوئی نہ کوئی ایک اس طرح کی بھاشا ہونی چاہئے جس میں ہونہیں ہر کے سب پڑھ لکھ لوگ ایک دوسرے سے آگے آگے چار پرکٹ کو سکھیں اور سب ایک دوسرے سے بول سکیں۔ مثال کے لئے دھارم سداوں کے ممبر راج کاجی اور صاحبی کام کرتے والے، سائنس کار، کلاؤنسٹ، سائنس دان، بھارتی، یعنی وہ سب لوگ جو یا تو آگے صوبے سے باہر دیہی کے دوسرے صوبوں میں جاتے آتے رہتے ہوں یا چھوٹے آگے گریہ میں دوسرے صوبوں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان سب لوگوں کو اچھی طرح ہندی آنی چاہئے۔ سچے سچے اس سے بھارتی راشٹر اور بھارتی لکچر کی بھاشا ایک ہی ہے۔ چھوٹے لوگوں میں پڑھ لکھنے کا۔ پڑھنے والے میں جب پڑھ لکھ لوگ بہت کم تھے۔ سنسکرت بھاشا ان سب کو ملنے لگی تھی اور بھارت کی بھاشا ایک ہی کو پرکٹ کرنی تھی۔ آج ہندی میں ایک اچھی طرح کام دے سکتی ہے۔ یہ صوبہ اگر اس میں ہندی کی جانکری سب طرف پڑھ لکھ

अधिक है. यह भी सच है कि दक्षिण में हिन्दी के बिलकुल भावना मौजूद है. पर इस मनुष्यता की जिम्मेदारी जितनी दक्षिण के कुछ भाषाओं की कमजोरी पर है उस से कहीं अधिक उत्तर के कुछ हिन्दी प्रेमियों की ना समझी और कटुता पर है. हिन्दी विरोधी आन्दोलन के सब से बड़े नेता श्री रामास्वामी नायकर हमारे एक पुराने मित्र और पुराने देश भक्त हैं. प्राज्ञानों के बक्ष्यन के यह खिलाफ हैं. हमने उनका यह बयान पढ़ा है कि अगर जात पात की ऊँच नीच का ख्याल हमारे राष्ट्र के जीवन से बिलकुल जाता रहे और राष्ट्र भाषा का विकास बिलकुल गांधी जी की बताई राह पर हो तो वह पूरी तरह उसके साथ हैं. हाल में उन्होंने हिन्दी प्रचार समा के काम की तारीफ भी की है. हमें विश्वास है कि अगर हम प्रेम और समझ से काम लें तो राष्ट्र भाषा के विरोध के यह बादल सारे भारत से बहुत जल्द छुटते हुए बिछाई दें.

हिन्दी प्रचार समा मद्रास के सन 1952 के पद्मी दान समारोह में भाशन देते हुए मद्रास के गवर्नर श्री प्रकाश जी ने समा के संचालकों और काम करने वालों से कहा था—“यह एक बहुत बड़ी और सच्ची बात है कि आप ने राष्ट्र भाषा के जरिये देश को एक करने का सपना उस समय देखा जब कि चारों तरफ अंधेरा था और जब अभी कोई यह अनुमान भी नहीं कर सकता था कि विदेशी सरकार हमारे देश से हट जायगी. यह कोई छोटी बात नहीं है. अपने इस आवर्ष पर आप मजबूती के साथ जमे रहे. उस तक पहुँचने के लिये आपने बड़े बड़े त्याग किये और अधिक से अधिक मेहनत और कौशिलों की.”

श्री प्रकाश जी ने इस बात पर भी जोर दिया कि हिन्दी प्रचार के रास्ते से इकावटों को दूर करने की असल जिम्मेदारी हिन्दी बोलने वालों पर है, और उन्हें इस काम में महात्मा गांधी के से बड़े विल, मेल और प्रेम से काम लेना चाहिये. उन्होंने यह भी कहा कि उत्तर भारत के हर भाषा को अपनी भाषा के साथ साथ कम से कम एक भाषा दक्षिण की भी अच्छी तरह सीखनी चाहिये, जिससे एक दूसरों को समझें और एकता बढ़े.

श्री राजगोपालाचारी ने दिल्ली पार्लियामेंट में ठीक कहा था कि—“मैं सचाई और अभिमान के साथ दावे से यह कह सकता हूँ, कि भारत की किसी और एक संस्था ने राष्ट्र भाषा हिन्दी को फैलाने और बढ़ाने में इतना काम नहीं किया जितना मद्रास की दक्षिण भारत हिन्दी प्रचार समा ने.”

25 अप्रैल सन 1952 को समा के राजा जी होस्टल को छोड़ते हुए मद्रास के विद्वान चौक जस्टिस श्री पी. वी. रामास्वामी ने कहा था:

“हिन्दी भाषा कुले कई कारनों से खारी लगती है.

अधिक है. यह भी सच है कि दक्षिण में हिन्दी के बिलकुल भावना मौजूद है. पर इस मनुष्यता की जिम्मेदारी जितनी दक्षिण के कुछ भाषाओं की कमजोरी पर है उस से कहीं अधिक उत्तर के कुछ हिन्दी प्रेमियों की ना समझी और कटुता पर है. हिन्दी विरोधी आन्दोलन के सब से बड़े नेता श्री रामास्वामी नायकर हमारे एक पुराने मित्र और पुराने देश भक्त हैं. प्राज्ञानों के बक्ष्यन के यह खिलाफ हैं. हमने उनका यह बयान पढ़ा है कि अगर जात पात की ऊँच नीच का ख्याल हमारे राष्ट्र के जीवन से बिलकुल जाता रहे और राष्ट्र भाषा का विकास बिलकुल गांधी जी की बताई राह पर हो तो वह पूरी तरह उसके साथ हैं. हाल में उन्होंने हिन्दी प्रचार समा के काम की तारीफ भी की है. हमें विश्वास है कि अगर हम प्रेम और समझ से काम लें तो राष्ट्र भाषा के विरोध के यह बादल सारे भारत से बहुत जल्द छुटते हुए बिछाई दें.

हिन्दी प्रचार समा मद्रास के सन 1952 के पद्मी दान समारोह में भाशन देते हुए मद्रास के गवर्नर श्री प्रकाश जी ने समा के संचालकों और काम करने वालों से कहा था—“यह एक बहुत बड़ी और सच्ची बात है कि आप ने राष्ट्र भाषा के जरिये देश को एक करने का सपना उस समय देखा जब कि चारों तरफ अंधेरा था और जब अभी कोई यह अनुमान भी नहीं कर सकता था कि विदेशी सरकार हमारे देश से हट जायगी. यह कोई छोटी बात नहीं है. अपने इस आवर्ष पर आप मजबूती के साथ जमे रहे. उस तक पहुँचने के लिये आपने बड़े बड़े त्याग किये और अधिक से अधिक मेहनत और कौशिलों की.”

श्री प्रकाश जी ने इस बात पर भी जोर दिया कि हिन्दी प्रचार के रास्ते से इकावटों को दूर करने की असल जिम्मेदारी हिन्दी बोलने वालों पर है, और उन्हें इस काम में महात्मा गांधी के से बड़े विल, मेल और प्रेम से काम लेना चाहिये. उन्होंने यह भी कहा कि उत्तर भारत के हर भाषा को अपनी भाषा के साथ साथ कम से कम एक भाषा दक्षिण की भी अच्छी तरह सीखनी चाहिये, जिससे एक दूसरों को समझें और एकता बढ़े.

श्री राजगोपालाचारी ने दिल्ली पार्लियामेंट में ठीक कहा था कि—“मैं सचाई और अभिमान के साथ दावे से यह कह सकता हूँ, कि भारत की किसी और एक संस्था ने राष्ट्र भाषा हिन्दी को फैलाने और बढ़ाने में इतना काम नहीं किया जितना मद्रास की दक्षिण भारत हिन्दी प्रचार समा ने.”

25 अप्रैल सन 1952 को समा के राजा जी होस्टल को छोड़ते हुए मद्रास के विद्वान चौक जस्टिस श्री पी. वी. रामास्वामी ने कहा था:

“हिन्दी भाषा कुले कई कारनों से खारी लगती है.

ن مل سکتے ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے—اور شاید اسلی سے ہندی پرچار میں سب سے اہمک مدد ملی ہے—کہ ہندی سیکھنے میں بڑوں نے بڑوں سے بھی یاد کر دیکھا لیا ہے۔ دور دور کے گاؤں تک میں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں ہندی اچھی طرح بول سکتے اور سمجھ سکتے والی مائی بہنوں نہ مل سکتی ہوں۔

ہندی پرچار سما، مہاراس کے پربان منتری مئی مو۔ سترنارائن نے ہمارے پاس سما کے 35 برس کے کام کی ایک بڑی سی رپورٹ بھیجی ہے۔ رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ مہاراس سبے ہر کے اندر جگہ جگہ اس زمانے میں ہندی پرچار کا کام کر رہے ہیں۔ سن 1951 میں ان پرچاروں کے جاریے ہندی پڑنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے اوپر تھی۔ اُس سال تک 25 لاکھ دیہاتی ہندی سیکھ سیکھ کر نکل چکے تھے اور 5,45,783 سما کے امتحانوں میں حصہ لے چکے تھے۔ اگلے سن 1951 میں سما کے امتحانوں میں حصہ لے والوں کی تعداد 1,00,628 تھی۔ ہندی کی اونچی سے اونچی ترقی پانے ہوئے لوگوں کی تعداد اُس سے پرانت میں گیارہ ہزار تھی۔ پچھلے پندرہ برس کے اندر سما چالیس لاکھ روزگے سے اوپر اپنے کام پر خرچ کرچکی ہے۔ سما کے اہل اسکولوں کے علاوہ پرانت ہر کے اندر 160 گلیوں اور 2,900 ہائی اسکولوں میں ہندی پڑھانے کا کام کرنا ہے۔ ان میں ایک بہت بڑی تعداد استریوں کی ہے۔ گلوں کے لوگوں میں سما کا پرچار شہر کے لوگوں سے بھی اہمک ہے اور بڑھ رہا ہے۔

پچھلے پندرہ برس تک سما نے کیراے کے مکانوں میں کام کیا۔ آج سما کے اپنے سوندر اور شاندار مہن ہیں۔ اپنا پوس ہے جس میں بنگرہپی کے اہلکار ویش کی آٹھ مائیں ہیں۔ سوندر ساک بپا ہے ہندی کی پڑائی اور پرچار کے لیے سما اب تک 167 کلاسوں کو کھول کر نکال چکی ہے جن کی سب مل کر ایک کڑی سے اوپر کا پیسہ دیکھن مارت میں کھل چکی ہیں۔ سما ہندی کے دو ماہکاری ریسالے نکالتی ہے، 'ہندی پرچار سماچار' اور 'دیکھن مارت'۔ چاروں भाषाई इलाकों में समा की अलग अलग सूबाई शाखाएँ हैं۔

اس میں سمجھ نہی کہ مہاراس سبے میں اوپر کے پدے میں کون سے کام بھی ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو انگریزی جانتے ہیں اور انگریزی میں کام کر سکتے ہیں اور نہ ہندی جانتے ہیں اور نہ ہندی میں کام کر سکتے ہیں۔ ہر ان کے ہاں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو نہ انگریزی جانتے ہیں اور نہ انگریزی میں کام کر سکتے ہیں۔ ہر ان کے ہاں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو نہ ہندی جانتے ہیں اور نہ ہندی میں کام کر سکتے ہیں۔ ہر ان کے ہاں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو نہ ہندی جانتے ہیں اور نہ ہندی میں کام کر سکتے ہیں۔

ن مل سکتے ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے—اور شاید اسلی سے ہندی پرچار میں سب سے اہمک مدد ملی ہے—کہ ہندی سیکھنے میں بڑوں نے بڑوں سے بھی یاد کر دیکھا لیا ہے۔ دور دور کے گاؤں تک میں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں ہندی اچھی طرح بول سکتے اور سمجھ سکتے والی مائی بہنوں نہ مل سکتی ہوں۔

ہندی پرچار سما، مہاراس کے پربان منتری مئی مو۔ سترنارائن نے ہمارے پاس سما کے 35 برس کے کام کی ایک بڑی سی رپورٹ بھیجی ہے۔ رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ مہاراس سبے ہر کے اندر جگہ جگہ اس زمانے میں ہندی پرچار کا کام کر رہے ہیں۔ سن 1951 میں ان پرچاروں کے جاریے ہندی پڑنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے اوپر تھی۔ اُس سال تک 25 لاکھ دیہاتی ہندی سیکھ سیکھ کر نکل چکے تھے اور 5,45,783 سما کے امتحانوں میں حصہ لے چکے تھے۔ اگلے سن 1951 میں سما کے امتحانوں میں حصہ لے والوں کی تعداد 1,00,628 تھی۔ ہندی کی اونچی سے اونچی ترقی پانے ہوئے لوگوں کی تعداد اُس سے پرانت میں گیارہ ہزار تھی۔ پچھلے پندرہ برس کے اندر سما چالیس لاکھ روزگے سے اوپر اپنے کام پر خرچ کرچکی ہے۔ سما کے اہل اسکولوں کے علاوہ پرانت ہر کے اندر 160 گلیوں اور 2,900 ہائی اسکولوں میں ہندی پڑھانے کا کام کرنا ہے۔ ان میں ایک بہت بڑی تعداد استریوں کی ہے۔ گلوں کے لوگوں میں سما کا پرچار شہر کے لوگوں سے بھی اہمک ہے اور بڑھ رہا ہے۔

پچھلے پندرہ برس تک سما نے کیراے کے مکانوں میں کام کیا۔ آج سما کے اہل سندر اور شاندار مہن ہیں۔ اپنا پوس ہے جس میں انگریزی کے علاوہ دیکھن کی آٹھ مائیں ہیں۔ سندر صاف چھپائی ہوئی ہے۔ ہندی کی پڑائی اور پرچار کے لیے سما اب تک 167 کلاسوں کو کھول کر نکال چکی ہے جن کی سب مل کر ایک کڑی سے اوپر کا پیسہ دیکھن مارت میں کھل چکی ہیں۔ سما ہندی کے دو ماہکاری رسالے نکالتی ہے، 'ہندی پرچار سماچار' اور 'دیکھن مارت'۔ چاروں भाषाई इलाकों में समा की अलग अलग सूबाई शाखाएँ हैं۔

اس میں سمجھ نہی کہ مہاراس سبے میں اوپر کے پدے میں کون سے کام بھی ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو انگریزی جانتے ہیں اور انگریزی میں کام کر سکتے ہیں اور نہ ہندی جانتے ہیں اور نہ ہندی میں کام کر سکتے ہیں۔ ہر ان کے ہاں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو نہ انگریزی جانتے ہیں اور نہ انگریزی میں کام کر سکتے ہیں۔ ہر ان کے ہاں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو نہ ہندی جانتے ہیں اور نہ ہندی میں کام کر سکتے ہیں۔ ہر ان کے ہاں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو نہ ہندی جانتے ہیں اور نہ ہندی میں کام کر سکتے ہیں۔

کا کوئی رُپ جو سत्य اور جدیسا کی کسوٹی پر پورا نہ اترے اور کبھی بھی ہو 'سत्याگرہ' نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہماری راہ میں کسی کسی کا ہٹا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے معاملوں میں روپک اور سمجھنے سمجھانے کی جگہ قبول ہونا اور آپس سے کام لینا دیہی کو مسائل میں لے جانا ہے۔ دیہی کے اسی طرح کے بہتریوں معاملوں میں ہمیں ہر طرح کی تلک نظری اور مہرے نمونے کے سوالوں سے آگے بڑھ کر سب کے آگے سارے دیہی کے دور تک کے بہتر کو نگاہ میں رکھ کر اپنے فہم کو بڑھانے اور ان فیصلوں کی روشنی میں ہی سوچ سمجھ کر قدم بڑھانا چاہئے۔

भाषा या भाषाओं के सवाल पर अगर हमें देश को प्रगत रास्ते पर चلने से बचना है तो एक पहली बाल हमें यह करनी चाहिये कि देश का हर पड़ा लिखा आदमी देश की बड़ी बड़ी भाषाओं में से कम से कम कोई दो अच्छी तरह सीखे। हमारी पार्लिमेन्ट और धारा सभाओं के सदस्यों, बखीरों और बड़े सरकारी अफसरों के लिये जरूरी होना चाहिये कि वह देश की कम से कम दो भाषाओं में अच्छी तरह सब काम कर सकें। इस तरह के उदार और मेल के उपायों से ही हम देश के इस कठिन सवाल का ठीक ठीक हल कर सकते हैं।

22. 12. '52

—सुन्दरलाल

हिन्दी प्रचार सभा, मद्रास

महात्मा गांधी ने जो बहुत से काम देश में प्रेम, एकता और बल पैदा करने के लिये किये उन में उनका एक बहुत बड़ा काम सन 1918 में दक्खिन भारत हिन्दी प्रचार सभा की बुनियाद डालना था। उन दिनों हिन्दी के बड़े से बड़े भक्त हिन्दी प्रचार की खास जगह उत्तर और पच्छिम के उन प्रान्तों को ही बनाना चाहते थे जहां की भाषाएं हिन्दी से मिलती हैं। गांधी जी के सोचने का ढंग दूसरा था। उनकी निगाह पहले धुर दक्खिन के उन इलाकों पर गई जहां की भाषाएं हिन्दी से बहुत दूर विसाई देती थीं। आज 35 बरस के मद्रास हिन्दी प्रचार सभा के काम को देखने से पता चलता है कि गांधी जी की निगाह कितनी दूर की और उन की सलाह कितनी काम की थी।

दक्खिन की चारों उन्नत भाषाओं तैलिगु, तमिल, कन्नड़ और मल्लामल के इलाकों में आज हजारों नहीं लाखों आदमी इतनी अच्छी, इतनी साफ और इतनी सही हिन्दी बोलते हैं कि बहुत से उत्तर वालों को भी उनके सामने सिर झुकाव पड़ता है। दक्खिन का कोई छोटे से बोंडा शहर ऐसा नहीं है जहां हिन्दी हिन्दुस्तानी में लैकचर देने वाले को सुनने और समझने वाले हजारों की तादाद में

का کوئی رُپ جو سत्य اور جدیسا کی کسوٹی پر پورا نہ اترے اور کبھی بھی ہو 'سत्याگرہ' نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہماری راہ میں کسی کسی کا ہٹا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے معاملوں میں روپک اور سمجھنے سمجھانے کی جگہ قبول ہونا اور آپس سے کام لینا دیہی کو مسائل میں لے جانا ہے۔ دیہی کے اسی طرح کے بہتریوں معاملوں میں ہمیں ہر طرح کی تلک نظری اور مہرے نمونے کے سوالوں سے آگے بڑھ کر سب کے آگے سارے دیہی کے دور تک کے بہتر کو نگاہ میں رکھ کر اپنے فہم کو بڑھانے اور ان فیصلوں کی روشنی میں ہی سوچ سمجھ کر قدم بڑھانا چاہئے۔

بھاشا یا بھاشاؤں کے سوال پر اگر ہمیں دیہی کو غلط راستے پر پڑنے سے بچانا ہے تو ایک پہلی بات ہمیں یہ کرنی چاہئے کہ دیہی کا ہر پڑھا لکھا آدمی دیہی کی بڑی بڑی بھاشاؤں میں سے کم سے کم کوئی دو اچھی طرح سمجھے۔ ہماری پارلیمنٹ اور دھارا سبھاؤں کے سببوں، وزیروں اور بڑے سرکاری افسروں کے لئے ضروری ہونا چاہئے کہ وہ دیہی کی کم سے کم دو بھاشاؤں میں اچھی طرح احسب کام کر سکیں۔ اس طرح کے ادارہ اور مہل کے اداروں سے ہی ہم دیہی کے اس کٹھن سوال کا ٹھیک ٹھیک حل کر سکتے ہوں۔

—سندھ لال

22-12-'52

ہندی پرچار سبھا، مدراس

مہاتما گاندھی نے جو بہت سے کام دیہی میں پریم، ایکتا اور بل پیدا کرنے کے لئے کئے ان میں ان کا ایک بہت بڑا کام سن 1918 میں دکن بھارت ہندی پرچار سبھا کی بنیاد ڈالنا تھا۔ ان دنوں ہندی کے بڑے سے بڑے ہومک ہندی پرچار کی خاص جگہ آئر اور پچوم کے ان پرانتوں کو ہی بلانا چاہئے تھے جہاں کی بھاشاؤں ہندی سے ملتی تھیں۔ گاندھی جی کے سوچنے کا تھلک دوسرا تھا۔ ان کی نگاہ پہلے دھردکن کے ان علاقوں پر لگی تھی جہاں کی بھاشاؤں ہندی سے بہت دور دکھائی دیتی تھیں۔ آج 35 برس کے مدراس ہندی پرچار سبھا کے کام کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ گاندھی جی کی نگاہ کتنی دور کی اور ان کی صلاح کتنی کام کی تھی۔

دکن کی چاروں اہم بھاشاؤں تیلگو، تمل، کڈو اور ملایم کے علاقوں میں آج ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی انکی اچھی، انکی صاف اور انکی صحیح ہندی بولتے ہیں کہ بہت سے آئر والوں کو بھی ان کے سامنے سر جھکا پڑتا ہے۔ دکن کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شہر ایسا نہیں ہے جہاں ہندی ہندوستانی میں لکچر دینے والے کو سلجھ اور سمجھنے والے ہزاروں کی تعداد میں

इसके अलावा भी पेरि श्रीरामुलु के उपवास के साथ काम जिस तरह मधरास प्राप्त में अगह अगह देलगडिया रोकी गई, हवाओं के गुनाहों को फस्ट भोगने पड़े और उसके बाद जिस तरह देलगडियां लंदी कर के लड़ी गई और करोड़ों की सम्पत्ति जलत डाली गई वह सब काम किसी भी आन्दोलन के न मान को बढ़ा सकते हैं और न उसे सफल मानना चाहिए। किसी भी आन्दोलन

اس کے ساتھ ہی دینی ہادی واملو کے آپواس کے ساتھ ساتھ جس طرح میراس پرانی میں جگہ جگہ دیں گویا دینی گھنٹوں ہزاروں کے گداہوں کو کشت ہو گئے ہوتے اور آج کے بعد جس طرح دیں گویا کہوں کو کے لبتی گھنٹوں اور کہوں کی سہتی جگہ ڈالی گئی وہ صاب کام کسی بھی گھنٹوں کے نہ مانی کو بوجھا سکتے ہیں اور نہ اسے بوجھا سکتے ہیں ، کسی بھی گھنٹوں

پ্রেम اور سب سے अधिक खुशहाली का होना. दुनिया भर की भाषाओं के इतिहास से और खुद अपने ही देश के इतिहास से इन सब बातों के अनगिनत उदाहरन दिये जा सकते हैं. इस तरह के भाषाई आन्दोलनों से आज तक एक भी काम की चीज या दुनिया की निगाहों में चढ़ने वाली चीज किसी देश में पैदा नहीं हुई. हमारा अजनकल का भाषाओं और भाषावार प्रान्तों का आन्दोलन एक बहुत बड़े दर्जे तक राहत, बहकी हुई और हानिकर चीज है. इतना ही नहीं यह आन्दोलन देश में जिस तरह का रूप लेता जा रहा है वह रूप कहीं कहीं इस सवाल को फिरफेराराना सवाल से भी बियादा खतरनाक और देश की उन्नति के लिये उस से भी अधिक घातक बनाता हुआ दिखाई देता है.

हम बम्बई शहर ही को ले लें. बम्बई का शहर भारत का एक ऐसा इलाका है जहां अनेक भाषाओं के बोलने वाले और अनेक धर्मों के लोग रहन सहन के अपने अलग अलग ढंग रखते हुए भी कम से कम कई सौ बरस से प्रेम के साथ मिल जुल कर रहते आए हैं. बम्बई में मराठी बोलने वाले, गुजराती बोलने वाले, तमिल बोलने वाले, तैलिगु बोलने वाले, मारवाड़ी बोलने वाले, हिन्दुस्तानी बोलने वाले, पारसी, ईसाई, हिन्दू, शिया और सुन्नी सब हैं. उनकी एक ही कचहरियां हैं, एक हाईकोर्ट है, एक शानदार युनिवर्सिटी है, एक ही बाजारों में सब करोड़ों का धन्दा करते हैं और भारत के और सब इलाकों और शहरों के मुकाबले में सब खुश और मालामाल हैं. बम्बई के राजकाजी और आर्थिक आन्दोलनों में भी इस रंगारंगी के कारन कुछ मदद ही मिलती है, बाधा कोई नहीं पड़ती. इस निगाह से और इस दर्जे तक बम्बई संयुक्त और अखंड भारत का एक छोटा सा नमूना है और हमें आगे की राह दिखाने वाला एक दीपक है.

खुश क्रिस्मती से बम्बई के बारे में अभी सब यह मान चुके हैं कि अगर बाक़ी बम्बई प्रान्त का भाषावारी बंटवारा भी हो तब भी बम्बई शहर न किसी एक भाषा वालों की तरफ जायगा न उसके टुकड़े होंगे. लेकिन अगर कभी हमारे गुजराती बोलने वाले और मराठी बोलने वाले भाई अपनी अपनी माबोलियों के अनुचित मोह या बेजा तरफदारी में आ कर इस बात पर लड़ जायें कि बम्बई शहर महाराष्ट्र के साथ जाय या गुजरात के या उसके टुकड़े किये जायें तो यह अपनी भाषाओं की उन्नत करना नहीं होगा, यह होगा सारे देश का रुख उन्नति की ओर से हटा कर अवनति की ओर मोड़ना और देश को बरबादी की तरफ ले जाना.

ऐसे ही अगर प्रान्तों के भाषावार बंटवारे के सिलसिले में यह सवाल भाषाओं की जड़ बन जाय कि कौन जिला या

प्रिम और सب سے ادھک خوش حالی کا ہونا . دنیا بھر کی بھاشاؤں کے ایتھاس سے اور خود اپنے ہی دیس کے ایتھاس سے ان سب باتوں کے اگنت آدھرن دیئے جا سکتے ہیں . اس طرح کے بھاشائی آندولنوں سے آج تک ایک بھی کام کی چیز یا دنیا کی نگاہوں میں چوہلے والی چیز کسی دیس میں پیدا نہیں ہوئی . ہمارا آجکل کا بھاشاؤں اور بھاشاوار پرائنٹوں کا آندولن ایک بہت بڑے درجے تک غلط ، ہمکن ہوئی اور حالی کر چھڑ ہے . اتنا ہی نہیں یہ آندولن دیس میں جس طرح کا روپ لیتا جا رہا ہے وہ وہ روپ کہیں کہیں اس سوال کو فرقہ وارانہ سوال سے بھی زیادہ خطرناک اور دیس کی آندلی کے لئے اُس سے بھی ادھک گھانک پھانا ہوا دکھائی دیتا ہے .

ہم بمبئی شہر ہی کو لے لیں . بمبئی کا شہر بھارت کا ایک ایسا علاقہ ہے جہاں ادھک بھاشاؤں کے بولنے والے اور ادھک دھرموں کے لوگ رہن سہن کے اپنے الگ الگ ڈھنگ رکھتے ہوئے بھی کم سے کم لگی سو برس سے پریم کے ساتھ مل جل کر رہتے آئے ہیں . بمبئی میں مراٹھی بولنے والے ، گجراتی بولنے والے ، تل بولنے والے ، اتھلگو بولنے والے ، مارواڑی بولنے والے ، ہندستانی بولنے والے ، پارسے ، عیسائی ، ہندو ، شیعہ اور سنہی سب ہیں . ان کی ایک ہی کچھہریاں ہیں ، ایک ہائی کورٹ ہے ، ایک شاندار یونیورسٹی ہے ، ایک ہی بازاروں میں سب کروڑوں کا دھندا کرتے ہیں اور بھارت کے اور سب علاقوں اور شہروں کے مقابلے میں سب خوش اور مالا مال ہیں . بمبئی کے راج کا جی آد آرتھک آندولنوں میں بھی اس رنگ رنگی کے کارن کچھ مدد ہی ملتی ہے ، بادھا کوئی نہیں پڑتی . اس نگاہ سے اور اس درجے تک بمبئی سہلکت اور ادھلکت بھارت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے اور ہمیں اُس کی راہ دکھانے والا ایک دیپک ہے .

خوش قسمتی سے بمبئی کے بارے میں ابھی سب یہ مان چکے ہیں کہ اگر باقی بمبئی پرائنٹ کا بھاشاوار ہوا تو ابھی ہو تب بھی بمبئی شہر نہ کسی ایک بھاشا والوں کی طرف جائے گا نہ اُسکے ٹکڑے ہونگے . لیکن اگر کبھی ہمارے گجراتی بولنے والے اور مراٹھی بولنے والے بھائی اپنی اپنی ماں بولہوں کے انوچت موہ یا بھجا طرفداری میں آ کر اسیات پر لڑ جائیں کہ بمبئی شہر سہارادھر کے ساتھ یا جائے یا گجرات کے اُسکے ٹکڑے کئے جاویں تو یہ اپنی بھاشاؤں کی اگنت کرنا نہیں ہوگا ، یہ ہوگا سارے دیس کا رخ اگنتی کی اور سے ہٹا کر اگنتی کی اور سونا اور دیس کر بربادی کی طرف لے جانا .

ایسے ہی اگر پرائنٹوں کے بھاشا وار ہتوار سلسلے میں یہ سوال جو کڑے کی جڑ بن جاویں کہ کون ضلع یا

پرائنٹوں کے بंटبारे کے असूल को मान चुकी है. इसी असूल को मान कर सरकार इस से पहले भी यह एलान कर चुकी थी कि आन्ध्र को बाक्री मदरास से अलग कर दिया जायगा. आन्ध्र के लोगों में और मदरास प्रदेश के बाक्री लोगों में, आन्ध्र के लोगों में और सरकार में भगड़ा इस बात पर नहीं था. भगड़ा कुछ ऐसे इलाकों के बारे में था जिन को कुछ आबादी तैलिंगू बोलने वालों की है और कुछ तमिल बोलने वालों की. खास कर भगड़ा यह था और यह भगड़ा अभी तक बाक्री है कि मदरास शहर को, जो तैलिंगू इलाके दोनों के बीच में है, और जिस में लगभग अड़सठ फी सदी आबादी तमिल बोलने वालों की और सोलह फी सदी तैलिंगू बोलने वालों की बताई जाती है, कंधर रखा जाय.

तमिल बोलने वाले चाहते हैं कि अगर आन्ध्र को अलग किया ही जाय तो आबादी के बहुमत के कारन मदरास शहर तमिल के साथ रहे. आन्ध्र नेताओं में दो दल हैं. एक कहते हैं कि मदरास शहर आन्ध्र में मिलाया जाय. उनकी दलीलों में जाने की हमें जरूरत नहीं है. दूसरे कहते हैं कि मदरास दोनों में से किसी को न दिया जाय, उसे एक अलग कमिशनरी सूबा बना दिया जाय. इसी तरह के कुछ और तक्रसीली भगड़े भी अभी हैं. इस लिये नए सरकारी कमिशन का काम इतना आसान नहीं है. आन्ध्र आन्दोलन अभी जारी है.

यह ठीक है कि किसी भी देश या प्रदेश के बच्चों की तालीम जितनी अच्छी तरह उनकी अपनी माबोली में दी जा सकती है उतनी किसी दूसरी बोली में नहीं दी जा सकती. यह भी ठीक है कि हर इलाके का अदालती और दफ्तरी काम जहां तक हो सके वहीं की बोली में होना चाहिये. इसी लिये कांगरेस ने भाशावार प्रान्टों के बंटबारे के असूल को माना था. पर यह बिलकुल गलत है कि किसी भाशा की उन्नति के लिये उस भाशा के बोलने वालों का एक अलग प्रान्त या अलग राज होना जरूरी है. यह भी गलत है कि कोई भाशा अपने एक भाशी प्रान्त में जितनी उन्नति कर सकती है उतनी या उस से भी अधिक दो या दो से भी अधिक भाशाओं वाले प्रान्टों में रह कर नहीं कर सकती. जिन जगहों में कई कई बोलियां बोली जाती हैं वहां बच्चे आम तौर पर शुरू से दो दो और तीन तीन बोलियां बहुत आसानी के साथ और एक सी रबानी के साथ एक साथ बोलने और समझने लगते हैं. कलकत्ता, मदरास, बम्बई, बंगलोर, हैदराबाद और पंजाब जैसी जगहों में अब भी लाखों बच्चे अचानक कई कई भाशाएं आसानी से और अच्छी तरह बोलते समझते हैं. किसी भाशा की उन्नति और उस के विकास के लिये भाशावार प्रान्त का होना इतना जरूरी नहीं है जितना देश में अमन, एकता,

प्राणियों के बंटबारे के असूल को मान चुकी है. इसी असूल को मान कर सरकार इस से पहले भी यह एलान कर चुकी थी कि आन्ध्र को बाक्री मदरास से अलग कर दिया जायगा. आन्ध्र के लोगों में और मदरास प्रदेश के बाक्री लोगों में, आन्ध्र के लोगों में और सरकार में भगड़ा इस बात पर नहीं था. भगड़ा कुछ ऐसे इलाकों के बारे में था जिन को कुछ आबादी तैलिंगू बोलने वालों की है और कुछ तमिल बोलने वालों की. खास कर भगड़ा यह था और यह भगड़ा अभी तक बाक्री है कि मदरास शहर को, जो तैलिंगू इलाके दोनों के बीच में है, और जिस में लगभग अड़सठ फी सदी आबादी तमिल बोलने वालों की और सोलह फी सदी तैलिंगू बोलने वालों की बताई जाती है, कंधर रखा जाय.

तमिल बोलने वाले चाहते हैं कि अगर आन्ध्र को अलग किया ही जाय तो आबादी के बहुमत के कारन मदरास शहर तमिल के साथ रहे. आन्ध्र नेताओं में दो दल हैं. एक कहते हैं कि मदरास शहर आन्ध्र में मिलाया जाय. उनकी दलीलों में जाने की हमें जरूरत नहीं है. दूसरे कहते हैं कि मदरास दोनों में से किसी को न दिया जाय, उसे एक अलग कमिशनरी सूबा बना दिया जाय. इसी तरह के कुछ और तक्रसीली भगड़े भी अभी हैं. इस लिये नए सरकारी कमिशन का काम इतना आसान नहीं है. आन्ध्र आन्दोलन अभी जारी है.

यह ठीक है कि किसी भी देश या प्रदेश के बच्चों की तालीम जितनी अच्छी तरह उनकी अपनी माबोली में दी जा सकती है उतनी किसी दूसरी बोली में नहीं दी जा सकती. यह भी ठीक है कि हर इलाके का अदालती और दफ्तरी काम जहां तक हो सके वहीं की बोली में होना चाहिये. इसी लिये कांगरेस ने भाशावार प्रान्टों के बंटबारे के असूल को माना था. पर यह बिलकुल गलत है कि किसी भाशा की उन्नति के लिये उस भाशा के बोलने वालों का एक अलग प्रान्त या अलग राज होना जरूरी है. यह भी गलत है कि कोई भाशा अपने एक भाशी प्रान्त में जितनी उन्नति कर सकती है उतनी या उस से भी अधिक दो या दो से भी अधिक भाशाओं वाले प्रान्टों में रह कर नहीं कर सकती. जिन जगहों में कई कई बोलियां बोली जाती हैं वहां बच्चे आम तौर पर शुरू से दो दो और तीन तीन बोलियां बहुत आसानी के साथ और एक सी रबानी के साथ एक साथ बोलने और समझने लगते हैं. कलकत्ता, मदरास, बम्बई, बंगलोर, हैदराबाद और पंजाब जैसी जगहों में अब भी लाखों बच्चे अचानक कई कई भाशाएं आसानी से और अच्छी तरह बोलते समझते हैं. किसी भाशा की उन्नति और उस के विकास के लिये भाशावार प्रान्त का होना इतना जरूरी नहीं है जितना देश में अमन, एकता,

انہیں سب مل کر ہل گئے، بالوں پر ہاتھ سے سٹک کتوانے اور اس سٹک سے کپڑا ہونے کی طرف پھیلاوے سے پھیلاوے دھیان دے تاکہ کم سے کم سٹی کپڑوں میں بھڑکھڑتے تک میلوں کی گولامی سے بچ جائیں، سرکار کو جانے والے ممبروں پر سب سے بڑے ہار کے اٹارہ سال سے اوپر عمر کے ہونکروں کے پھیلاوے سے پھیلاوے دس سال یا آٹھوں کے نشان حاصل کریں، 7 جنوری کو امن، ایکٹ اور پوری سرکاری کے ساتھ اپنی مانگ کا دن ملاوے اور اس کے بعد ہاؤس کانفرنس کے فیصلے کے مطابق 19 جنوری سے 26 جنوری تک "ہینڈلڈ ہفتا" ملاوے جس میں پھیلاوے لگا کر اور دوسرے طریقوں سے اپنے کونکروں کے بلے کھڑوں کی زیادہ سے زیادہ بکری کی کوشش کریں۔

اتر پردیش کے سب بھائیوں اور بھائیوں سے میری اپیل ہے کہ وہ اس نیک اور ضروری کام میں اپنی پوری شکتی بھڑکھڑتے اور ہر طرح مدد دیں۔ اگر اس نازک سے میں ہم سب نے مل کر اپنی مالی اور روزگاری مصیبتوں کو حل نہ کیا تو ہماری ادھوری راجگانی آزادی بھی دھوکے کی اور چند روزہ ثابت ہوگی۔ ہم سب کا ایشور اللہ ہمیں شکتی دے کہ ہم ہمت کے ساتھ اس سے کسی مصیبتوں کو ہار کر سکیں اور سب مل کر دیس کو سچی ترقی، خوشحالی اور بہبود کی طرف لے جا سکیں!

145 مٹھی گنج،

ہٹاواہا

12.12.52

—سندھ لال

سدر، یو۔ پی۔ ہونکر فیکٹریشن

سندھ لال

سدر، یو۔ پی۔ ہونکر فیکٹریشن

145 مٹھی گنج

الہ آباد

12-12-52

شری رامول کا شریر تیاگ اور ہاشاوار پرائنٹوں کا ہنٹوارا

شری پوٹری شری رامول، آمانڈ کے رہنے والے اس دیش کے سچے اور نیسوارتھ کام کرنے والوں میں سے ہے۔ آٹھاون دن کے ہپواس کے ہاد 15 دسمبر سن 52 کی رات کو مدراس میں انہوں نے شریر چھوڑا۔ ان کی موت نے دیس میں اور خاص کر مدراس پر دیس میں ایک خاصی ہل چل پیدا کر دی۔ ان کے اہواس کی مرضی تھی۔ دیس پر اور سرکار پر اس بات کے لئے دہاؤ ڈالنا کہ آندھر یعنی اس علاقہ کو جہاں تو لوگو ہولی جاتی ہے ہالی مدراس ہر دیس سے کاف کر ایک الگ پرائنٹ ہٹا دیا جائے۔ ان کے مرنے کے بعد دلی سرکار کی طرف سے ہنٹھت جواہر لال نہرو نے اعلان کر دیا ہے کہ آندھر ایک الگ پرائنٹ ہٹا دیا جائے گا۔ اس کام کے لئے سرکار نے ایک ہائی کورٹ جج کا ایک کمیشن بھی ہنٹھت کر دیا ہے۔

آندھر کے ایک الگ پرائنٹ ہٹا دینے کا آمانڈولن ہاشاوار ہر سال سے اوپر کا آندولن ہے۔ کانگریس ہاشاوار

شری رامول کا شریر تیاگ اور ہاشاوار وار پرائنٹوں کا ہٹوارا

شری پوٹری شری رامول آندھر کے رہنے والے اس دیس کے سچے اور نیسوارتھ کام کرنے والوں میں سے ہے۔ آٹھاون دن کے اہواس کے بعد 15 دسمبر سن 52 کی رات کو مدراس میں انہوں نے شریر چھوڑا۔ ان کی موت نے دیس میں اور خاص کر مدراس پر دیس میں ایک خاصی ہل چل پیدا کر دی۔ ان کے اہواس کی مرضی تھی۔ دیس پر اور سرکار پر اس بات کے لئے دہاؤ ڈالنا کہ آندھر یعنی اس علاقہ کو جہاں تو لوگو ہولی جاتی ہے ہالی مدراس ہر دیس سے کاف کر ایک الگ پرائنٹ ہٹا دیا جائے۔ ان کے مرنے کے بعد دلی سرکار کی طرف سے ہنٹھت جواہر لال نہرو نے اعلان کر دیا ہے کہ آندھر ایک الگ پرائنٹ ہٹا دیا جائے گا۔ اس کام کے لئے سرکار نے ایک ہائی کورٹ جج کا ایک کمیشن بھی ہنٹھت کر دیا ہے۔

آندھر کے ایک الگ پرائنٹ ہٹا دینے کا آندولن چالیس برس سے اوپر کا آندولن ہے۔ کانگریس ہاشاوار

تک اب یہ کہتے ہوئے نہیں سمجھتے کہ ایک دیکھی چیز وہ اس لئے کام میں آئے ہیں کیونکہ اس کے مقابلہ کی دیکھ کی ہلی چیز اتنی صاف ستھری نہیں ہوتی۔ ہمیں سودیشی کے اس پرانے پائے کو پھر سے دھوانا ہوا۔

سب سے پہلے ہمارے سب بونکر भाइयों और बहनों کا فرض ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے برتنوں اور خوشی قسم کے سب موقعوں پر سوائے اپنے یا اپنے بلکے بھائیوں کے کڑھوں کے بلے کپڑے کے اور کوئی کچھ کام میں نہ لویں۔ مالدو بلکروں اور مسلم بلکروں دونوں کو اسے اپنا دھارمک اور دیکھی فرض سمجھ کر اس پر عمل کرنا چاہئے۔ بلکے بھائیوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے چوتے، برتن اور دوسری سب چیزوں کے خریدنے میں بھی جہاں تک ہو سکے اپنے دیکھی کاریگروں کے ہاتھ کی ہلی چیزیں ہی خریدیں اور انہوں کو برتیں۔ ہم سب ایک دوسرے کے دھندے کو بچانے کی کوشش کریں گے یہی ہم سب بچ سکتے ہیں۔

دیکھ کی ساری جلتا کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھی ملوں کے کپڑوں یا دیکھی کپڑوں کا استعمال بند کرتے جہاں تک ہوسکے اپنی ساری کپڑے کی ضرورتوں کو دیکھی کڑھوں کے بلے کپڑوں سے پورا کرے۔ اس میں کچھ پیسہ ادھک بھی خرچ کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔ خاص کر امریکہ کی ہلی 35 ریسی سائیز اور امریکی دیکھی کپڑوں کا بھجٹا، خریدنا اور برتنا تیلوں کو ہمیں پاپ سمجھنا چاہئے۔ اٹے دن کی ایڈی اور سب ضرورتوں کے سمجھنے میں بھی ہمیں سودیشی کے اصول اور اپنے دیکھ کے دھندوں کو زندہ رکھنے کے اس اصول پر عمل کرنا چاہئے، چاہے اس میں تھوڑی تکلیف اور زہرداری بھی کہوں نہ آتھائی پڑے۔

ساتھ ہی دیکھ کی جلتا کو اپنے راجکاجی ادھیکاروں اور اپنی شکستی کو بھی پوری طرح سمجھنا چاہئے، اور ہر جائز اور اہمیتامک طریقے سے یا تو سرکار کو اپنی مانگ پوری کرنے پر مجبور کرنا چاہیے اور یا مائکا جانے پر اس سرکار کی جگہ ایسی سرکار کی جلتا کے ساتھ نفع نقصان کو سمجھ سکے اور جلتا کی دائرہ کے مطابق چل سکے۔

آخر میں دیکھ کے اور خاص کر اتر پردیش کے بلکے بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے سنگھٹن کو مضبوط کریں، جن جن ضلعوں میں بلکروں کی کافی تعداد ہے ان میں اپنی یونٹوں، سبھا یا ایسوسی ایشن بنالویں۔ اس طرح کی جنگلی بلکے سنگھٹنوں میں موجود ہیں یا جو نئی بلنیں، وہ سب یو۔ بی۔ بلکے نوکریوں کے ساتھ اپنا سہیدہ جوڑ لیں، سوٹ خرید، مال کی بکری، طرح طرح کے ٹیکس اور دیکھے وغیرہ میں غنی رہیں۔ بلکروں کو جو دقتیں ہوتی ہیں

تک اب یہ کہتے ہوئے نہیں سمجھتے کہ ایک دیکھی چیز وہ اس لئے کام میں آئے ہیں کیونکہ اس کے مقابلہ کی دیکھ کی ہلی چیز اتنی صاف ستھری نہیں ہوتی۔ ہمیں سودیشی کے اس پرانے پائے کو پھر سے دھوانا ہوا۔

سب سے پہلے ہمارے سب بلکے بھائیوں اور بہنوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے برتنوں اور خوشی قسم کے سب موقعوں پر سوائے اپنے یا اپنے بلکے بھائیوں کے کڑھوں کے بلے کپڑے کے اور کوئی کچھ کام میں نہ لویں۔ مالدو بلکروں اور مسلم بلکروں دونوں کو اسے اپنا دھارمک اور دیکھی فرض سمجھ کر اس پر عمل کرنا چاہئے۔ بلکے بھائیوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے چوتے، برتن اور دوسری سب چیزوں کے خریدنے میں بھی جہاں تک ہو سکے اپنے دیکھی کاریگروں کے ہاتھ کی ہلی چیزیں ہی خریدیں اور انہوں کو برتیں۔ ہم سب ایک دوسرے کے دھندے کو بچانے کی کوشش کریں گے یہی ہم سب بچ سکتے ہیں۔

دیکھ کی ساری جلتا کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھی ملوں کے کپڑوں یا دیکھی کپڑوں کا استعمال بند کرتے جہاں تک ہوسکے اپنی ساری کپڑے کی ضرورتوں کو دیکھی کڑھوں کے بلے کپڑوں سے پورا کرے۔ اس میں کچھ پیسہ ادھک بھی خرچ کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔ خاص کر امریکہ کی ہلی 35 ریسی سائیز اور امریکی دیکھی کپڑوں کا بھجٹا، خریدنا اور برتنا تیلوں کو ہمیں پاپ سمجھنا چاہئے۔ اٹے دن کی ایڈی اور سب ضرورتوں کے سمجھنے میں بھی ہمیں سودیشی کے اصول اور اپنے دیکھ کے دھندوں کو زندہ رکھنے کے اس اصول پر عمل کرنا چاہئے، چاہے اس میں تھوڑی تکلیف اور زہرداری بھی کہوں نہ آتھائی پڑے۔

ساتھ ہی دیکھ کی جلتا کو اپنے راجکاجی ادھیکاروں اور اپنی شکستی کو بھی پوری طرح سمجھنا چاہئے، اور ہر جائز اور اہمیتامک طریقے سے یا تو سرکار کو اپنی مانگ پوری کرنے پر مجبور کرنا چاہیے اور یا مائکا جانے پر اس سرکار کی جگہ ایسی سرکار کی جلتا کے ساتھ نفع نقصان کو سمجھ سکے اور جلتا کی دائرہ کے مطابق چل سکے۔

آخر میں دیکھ کے اور خاص کر اتر پردیش کے بلکے بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے سنگھٹن کو مضبوط کریں، جن جن ضلعوں میں بلکروں کی کافی تعداد ہے ان میں اپنی یونٹوں، سبھا یا ایسوسی ایشن بنالویں۔ اس طرح کی جنگلی بلکے سنگھٹنوں میں موجود ہیں یا جو نئی بلنیں، وہ سب یو۔ بی۔ بلکے نوکریوں کے ساتھ اپنا سہیدہ جوڑ لیں، سوٹ خرید، مال کی بکری، طرح طرح کے ٹیکس اور دیکھے وغیرہ میں غنی رہیں۔ بلکروں کو جو دقتیں ہوتی ہیں

پڑے ہیں۔ ان کے ہوشیار کاریگر جن پر اس سب سے سارے देश کو धर्म था, कुछ रिक्षा चला कर अपने बच्चों को पालने की कोशिश कर रहे हैं, कुछ मजदूरी की तलाश में बम्बई और दूसरे शहरों को निकल गए हैं और जो हजारों अभी बनारस में मौजूद हैं, उनकी यह हालत है कि उनके घरों में हफ्ते में मुरिकल से दो या तीन दिन चूल्हा जलता है। नन्हे नन्हे बच्चों को फाफों पर फाफे गुजर रहे हैं। मोपड़ियों की छतें गिर गई हैं, दरवाजे टूट गए हैं, लेकिन पैसा नहीं कि मरम्मत करा सके। मैंने यह हालत और इससे कहीं बदतर हालत जिसे बयान कर सकना नामुमकिन है, पचासों घरों में घुस घुस कर देखी है। बनारस की यह पुरानी कारीगरी भिड़ रही है।

हमारी सरकार अगर चाहती तो यह हालत एक दिन में ठीक हो सकती थी। वह चाहती तो यह नौबत ही न आती। लेकिन सरकार का ढंग कुछ दूसरा ही दिखाई दे रहा है। श्री राजगोपालाचारी ने चाहा था कि खास नम्बर तक के सूत की धोतियां और साड़ियां बुनने से मिलों को रोक दिया जावे और यह काम देश के करघों के लिये छोड़ दिया जावे ताकि यह करोड़ों की आबादी बेकारी और भूक से बच जावे। लेकिन इससे मिलों के मुनाफे में कुछ कमी आती। दिल्ली सरकार को यह बात पसन्द न आई। बनारसी साड़ियों में जो रेशम काम में आता था वह प्रियादा तर जापान और इटली से आता था। हमारी सरकार ने उस रेशम के मुल्क में आने पर इतना भारी टैक्स लगा दिया जिससे कि बनारस की साड़ियां मंहगी पड़ने लगीं। दूसरी तरफ बनारसी साड़ियों की टक्कर की पहले कोई चीज बाहर से नहीं आती थी। अब अमरीका की बनी बसी तरह की रेशमी साड़ियां खुले बन्वों देश में आ रही हैं और सस्ते दामों बिक रही हैं। उन पर कोई रोक टोक नहीं। बनारस के बुनकर उनसे सस्ता नहीं बेच सकते। शक होने लगता है कि हमारे देश में किस का राज है, अमरीकी पूंजीपतियों और उनके हिस्सेदार कुछ हिन्दुस्तानी पूंजी-पतियों का या इस देश के नुमाइन्दों का ! फिर भी 6 और 7 दिसम्बर सन '52 की बनारस की यू० पी० बुनकर कानफरेन्स ने दिल्ली सरकार और उत्तरप्रदेश की सरकार, दोनों के पास एक मेमोरेन्डम या प्रार्थनापत्र भेजा है जिसमें बताया गया है कि किस किस तरह सरकार देश के इस इतने बड़े धन्दे को अब भी बरबादी से बचा सकती है और करोड़ों देशवासियों की फिर से काम पर लगा सकती है।

पर इस समय सबसे बड़ा सवाल यह है कि देश की जनता और खुद हमारे बुनकर भाई इस बारे में क्या करें ? चालीस बरस से ऊपर तक स्वदेशी का जी क्रिमती पाठ हम पढ़ते रहे, उसे यह अधूरी आजादी पाते ही हमने एक दम भुल दिया। धारा सभाओं के अन्दर हमारे मिनिस्टर

बोले हैं। 'अन के हوشियार कारिगर जन پر اس سب سے سارے देश کو گھمڈ تھا' کچھ دکھا چکا ہے کہ اپنے بچوں کو پالنے کی کوشش کر رہے ہیں' کچھ مزدوری کی تلاش میں بھٹئی اور دوسرے شہروں کو نکل گئے ہیں اور جو ہزاروں ابھی بنارس میں موجود ہیں' ان کی یہ حالت ہے کہ ان کے گھروں میں ہفتے میں مشکل سے دو یا تین دن چولہا جلتا ہے۔ نلے نلے بچوں کو فافوں پر فافے گزر رہے ہیں۔ جھوڑیوں کی چمکوں کو لٹی ہیں' دروازے ٹوٹ گئے ہیں' لیکن پیسہ نہیں کہ مرمت کرا سکیں۔ میں نے یہ حالت اور اس سے کہیں بدتر حالت' جسے بیان کر سکتا ناممکن ہے' پچاسوں گھروں میں گھس گھس کر دیکھی ہے۔ بنارس کی یہ پرانی کاریگری مٹ رہی ہے۔

ہماری سرکار اگر چاہتی تو یہ حالت ایک دن میں درست ہو سکتی تھی۔ وہ چاہتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔ لیکن سرکار کا ذہن کچھ دوسرا ہی دکھائی دے رہا ہے۔ سری راج گوپالا چاری نے چاہا تھا کہ خاص نمبر تک کے سوت کی دھوئیاں اور ساڑیاں بنانے سے ملوں کو روک دیا جاوے اور یہ کام دیہے کے کرگھوں کے لئے چھوڑ دیا جاوے تاکہ یہ کروڑوں کی آبادی بھکاری اور بھوک سے بچ جاوے۔ لیکن اس سے ملوں کے ملازمے میں کچھ کمی آئی۔ دلی سرکار کو یہ بات پسند نہ آئی۔ بنارسی سازگوں میں جو ریشم کام میں آتا تھا وہ زیادہ تر جاپان اور اٹلی سے آتا تھا۔ ہماری سرکار نے اس ریشم کے ملک میں آئے پر بھاری ٹیکس لگا دیا جس سے کہ بنارسی کی سازیاں مہنگی پڑنے لگیں۔ دوسری طرف بنارسی سازوں کی ٹکر کی پہلے کوئی چوڑ باہر سے نہیں آتی تھی۔ اب امریکہ کی بلی اسی طرح کی ریشمی سازیاں کہلے بلندیوں دیہے میں آ رہی ہیں اور سستے داموں بک رہی ہیں۔ ان پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ بنارسی کے بلکر ان سے سستا نہیں ہو سکتے۔ شک ہونے لگتا ہے کہ ہمارے دیہے میں کس کا راج ہے' امریکی پونجی بھٹوں اور ان کے حصے دار کچھ ہندوستانی پونجی بھٹوں کا یا اس دیہے کے نمائندوں کا ! پھر بھی 6 اور 7 دسمبر سن '52 کی بنارسی کی یو۔ پی۔ بلکر کانفرنس نے دلی سرکار اور اتر پردیش کی سرکار' دونوں کے پاس ایک مہمورنقم یا پروٹھلا پتر بھیجا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس کس طرح سرکار دیہے کے اس اتنے بڑے دھندے کو اب بھی برہادی سے بچا سکتی ہے اور کروڑوں دیہے والوں کو پھر سے کام پر لگا سکتی ہے۔

یہ اس سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ دیہے کی چلتا اور خود ہمارے بلکر بھائی اس بارے میں کیا کریں ؟ چالیس برس سے اوپر تک سودھی کا جو لہجہ پاتھ ہم پوچھ رہے' اسے یہ اندھیری آزادی پاتے ہی ہم نے ایک دم بھلا دیا۔ دھارا سبھاؤں کے اندر ہمارے منسٹر



ہمارے غریبوں کی بربادی— ایک اپیل

ہمارے देश کو اس زمانے میں ایک بڑا سنگین مسئلہ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایک ایک کر کے देश کے تمام غریبوں اور سب روکھڑاں تہذیب سے ہٹتے جا رہے ہیں۔ چاروں طرف بیکاری بڑھ رہی ہے اور بیکاریوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے۔ یہاں میں کھول کھول کر دیکھنے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔

حال میں ہندوستان کے بڑے بڑے شہری راج گوبالاچاری نے دنیا کو بتایا تھا کہ وہاں پر بیکاریوں کا مسئلہ تقریباً 50 لاکھ سے زائد لوگوں پر، جو اس مسئلے میں لکھے ہوئے تھے، غائب کی نویت آگئی ہے۔ ہمارے صوبے اور دیگر صوبوں میں کل لگ بھگ 50 لاکھ سے زائد لوگ ہیں جن میں 50 لاکھ سے زائد کام کرتے ہیں۔ اس کام سے کم سے کم چالیس لاکھ مرد، عورت اور بچوں کا بھوکا پیٹتا ہے۔ آج ان چالیس لاکھ میں سے ایک تہائی سبقت مصروفیت اور پریشانی میں ہیں۔ یہی حالت اور سب صوبوں کی ہے۔

6 دسمبر سے 9 دسمبر تک میں بنارس میں رہ کر وہاں کے بیکاریوں کی حالت دیکھنے کا موقع ملا۔ بنارس کی شہریوں کی دستکاری وہ بڑی اور خوبصورت دستکاری ہے جس پر سارے ہندوستان کو ہتھیاروں سے ناز رہا ہے۔ وہاں کے کاریگروں میں اتنا عکاس ہے کہ اگر کسی کاریگر کو کسی ذریعہ سے ہٹا دیا جائے تو اس کا ہولناکی میں حلقہ پانی اور بھلا شادی تک بند کر دیا جاتا ہے۔ نتیجتاً یہ ہے کہ بنارس کی شہریوں کا کام ساریوں سے ٹکسالی کام رہا ہے جسے گاہک اس کے خرید سکتا ہے۔ بنارس کی اس دستکاری کو بڑے سائے کے کاریگروں میں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا اور یہ، ہر ایک پہنچتی پہنچتی رہی۔ لیکن آج بنارس کے تمام کاریگروں میں سے تقریباً چار ہزار بند

ہمارے گھریلو دھندوں کی بربادی— ایک اپیل

ہمارے دیہیوں کو اس سے ایک بہت بڑے مسئلے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایک ایک کر کے دیہیوں کے لگ بھگ سب دھندے اور سب روزگار تہذیب سے متعلق جا رہے ہیں۔ چاروں طرف بیکاری بڑھ رہی ہے اور بیکاریوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے۔ یہاں میں کھول کھول کر دیکھنے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔

حال میں ہندوستان کے بڑے بڑے شہری راج گوبالاچاری نے دنیا کو بتایا تھا کہ وہاں پر بیکاریوں کا مسئلہ تقریباً 50 لاکھ سے زائد لوگوں پر، جو اس مسئلے میں لکھے ہوئے تھے، غائب کی نویت آگئی ہے۔ ہمارے صوبے اور دیگر صوبوں میں کل لگ بھگ 50 لاکھ سے زائد لوگ ہیں جن میں 50 لاکھ سے زائد کام کرتے ہیں۔ اس کام سے کم سے کم چالیس لاکھ مرد، عورت اور بچوں کا بھوکا پیٹتا ہے۔ آج ان چالیس لاکھ میں سے ایک تہائی سبقت مصروفیت اور پریشانی میں ہیں۔ یہی حالت اور سب صوبوں کی ہے۔

6 دسمبر سے 9 دسمبر تک میں بنارس میں رہ کر وہاں کے بیکاریوں کی حالت دیکھنے کا موقع ملا۔ بنارس کی شہریوں کی دستکاری وہ بڑی اور خوبصورت دستکاری ہے جس پر سارے ہندوستان کو ہتھیاروں سے ناز رہا ہے۔ وہاں کے کاریگروں میں اتنا عکاس ہے کہ اگر کسی کاریگر کو کسی ذریعہ سے ہٹا دیا جائے تو اس کا ہولناکی میں حلقہ پانی اور بھلا شادی تک بند کر دیا جاتا ہے۔ نتیجتاً یہ ہے کہ بنارس کی شہریوں کا کام ساریوں سے ٹکسالی کام رہا ہے جسے گاہک اس کے خرید سکتا ہے۔ بنارس کی اس دستکاری کو بڑے سائے کے کاریگروں میں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا اور یہ، ہر ایک پہنچتی پہنچتی رہی۔ لیکن آج بنارس کے تمام کاریگروں میں سے تقریباً چار ہزار بند

اور راج نہایت کے بارے میں اشتہار دیتے چلے آ رہے ہیں۔ آزادی کے بعد سے ان کی اشتہاریت نے سرورڈے و چار دھارا کا بانا پہنا اور اپنے گہرے چلتن و چلنے انہوں نے بل پر انہوں نے لگ بھگ ایک ہوس ہوا "سرورڈے اور شاستر" نام کی ایک انوکھی رچنا دیں جو اس کے قلم کی لٹانی کتاب ہے۔

اور شاستر کے بعد کھلا جی راج نہایت کی طرف چھٹتے معلوم ہوتے ہیں اور اس چھوٹی سی کتاب سے بڑے چلتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں بھی کوئی بڑی دین دینا چاہتے ہیں جس کے لئے یہ کتاب بھوکا روپ جیسی معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب میں کھلا جی نے زوردار اپیل کی ہے کہ ہمارے راجکج کو سرورڈے کے اصول پر بدل دینا چاہئے۔

میں اُمید ہے کہ راج نہایت سے دلچسپی رکھنے والے ویدانہی، شکشک اور نہتائیں اس ہستک سے پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔

× × × × × × ×

مٹاڈ (مشریوالا سٹیٹ نمبر)

جھاڑو (مشریوالا سٹیٹ نمبر)

اکتوبر-نومبر 1952؛ سمپادک—نورنگ پرشاد جاسوال اور گوپال کرشن ملک؛ نکالنے والے—ویدانہی، شکشک اور نہتائیں اس ہستک سے پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔

اکتوبر-نومبر 1952؛ سمپادک—نورنگ پرشاد جاسوال اور گوپال کرشن ملک؛ نکالنے والے—ویدانہی، شکشک اور نہتائیں اس ہستک سے پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔

آچارے کشور لال گہن شہام لال مشرورالا ہمارے دیس کے اُن چوٹی کے وچارکوں اور سوچنے والوں میں تھ چکے کسوٹی میں ہر کسی کو وشواس تھا۔ وہ مانو ایک ہمیشہ جاکتہ دملے والے چوکیدار تھے۔ جو ہنسایا کھنڈی کرن کی آہٹ پاتے ہی صب کو چوکنا کر دیتے تھے۔ لیکن وہ ساتھ ہی ساتھ اُنہ نمبر اور سلکوجی تھے کہ ان کے بارے میں زیادہ جانکاری لوگوں کو ہو ہی نہیں پائی۔

آچارے کشور لال گہن شہام لال مشرورالا ہمارے دیس کے اُن چوٹی کے وچارکوں اور سوچنے والوں میں تھ چکے کسوٹی میں ہر کسی کو وشواس تھا۔ وہ مانو ایک ہمیشہ جاکتہ دملے والے چوکیدار تھے۔ جو ہنسایا کھنڈی کرن کی آہٹ پاتے ہی صب کو چوکنا کر دیتے تھے۔ لیکن وہ ساتھ ہی ساتھ اُنہ نمبر اور سلکوجی تھے کہ ان کے بارے میں زیادہ جانکاری لوگوں کو ہو ہی نہیں پائی۔

اس لئے ہم "جھاڑو" کے اس نمبر کا سوال کرتے ہیں جس سے مشرورالا جی جیسے چہرے ہوئے ہمارے کے جدا جدا پہلوں پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس میں آچارے ونوبا، کالا کالنگر، شری شری کرشن داس جاجو، شری کھدار ناتھ پندت سندرال، شریعتی رامیشوری نہرو، شریعتی جانی دیوی بچاچ وغیرہ نے سندر لیکھ ہیں۔ پر تعجب کی بات ہے کہ پوجہ کشور لال بھائی کی جلم سے لیکر مرتھو تک پوری جھون کھانی کہنے والا ایک لیکھ بھی نہیں ہے جو بہت کھٹکتا ہے۔ پھر بھی "جھاڑو" کے سمپادکوں کو ہم بدھائی دیتے ہیں کہ اتنا کم سمہ دھتے ہوئے انہوں نے اتنا سندر نمبر نکالا۔ ہمیں وشواس ہے کہ کھلا رچناٹک کاربہ کرنا اور کھلا دینی پرمی دونوں اس سے فائدہ اُٹھائیں گے اور جھاڑو کو زیادہ سے زیادہ سہوا کرنے کے لئے پرتساہن دینگے۔

اس لئے ہم "جھاڑو" کے اس نمبر کا سوال کرتے ہیں جس سے مشرورالا جی جیسے چہرے ہوئے ہمارے کے جدا جدا پہلوں پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس میں آچارے ونوبا، کالا کالنگر، شری شری کرشن داس جاجو، شری کھدار ناتھ پندت سندرال، شریعتی رامیشوری نہرو، شریعتی جانی دیوی بچاچ وغیرہ نے سندر لیکھ ہیں۔ پر تعجب کی بات ہے کہ پوجہ کشور لال بھائی کی جلم سے لیکر مرتھو تک پوری جھون کھانی کہنے والا ایک لیکھ بھی نہیں ہے جو بہت کھٹکتا ہے۔ پھر بھی "جھاڑو" کے سمپادکوں کو ہم بدھائی دیتے ہیں کہ اتنا کم سمہ دھتے ہوئے انہوں نے اتنا سندر نمبر نکالا۔ ہمیں وشواس ہے کہ کھلا رچناٹک کاربہ کرنا اور کھلا دینی پرمی دونوں اس سے فائدہ اُٹھائیں گے اور جھاڑو کو زیادہ سے زیادہ سہوا کرنے کے لئے پرتساہن دینگے۔

—سورج رامماہی

—سورج رامماہی

—मुजीब रिज़वी

—محبیب رفوی

— مستطاب وفسوی

شہری بھگوان داس کو ملتی حکمت کے ان ہزاروں
 مہوں میں جو سن 1915ء اب تک لکھا، اور تھیں

اس سنہ کی آخری ناکامی میں راہی نے دنیا کو
اسکی پہلی شکل دکھانے کی کوشش کی ہے :

آج ہر سمت اندھیرا ہی ملے گا لچھو
رات کے پاس اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں
لیکن شاعر مایوس نہیں ہے اور وہ کہتا ہے :

اور تیرا کے مچلنے میں بھی اب دیر نہیں
اور سورج کے نکلنے میں بھی اب دیر نہیں

جس جوش سے لوگ راہی کی ناکامی میں سوچتے
ہیں ہمارا خیال ہے کہ اسی جوش سے راہی کا 'نیا سال'
خوبیوں میں ہے۔

—محبوب رضوی

اس سنہ کی آخری نظم میں راہی نے دنیا کو
اسکی پہلی شکل دکھانے کی کوشش کی ہے :

آج ہر سمت اندھیرا ہی ملے گا لچھو
رات کے پاس اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں
لیکن شاعر مایوس نہیں ہے اور وہ کہتا ہے :

اور تیرا کے مچلنے میں بھی اب دیر نہیں
اور سورج کے نکلنے میں بھی اب دیر نہیں

جس جوش سے لوگ راہی کی نظمیں مشاعروں میں ملتے
ہیں ہمارا خیال ہے کہ اسی جوش سے راہی کا 'نیا سال'
خوبیوں میں ہے۔

—محبوب رضوی

آہنگ

آہنگ

لیکھنے والے—اسرارالحق مجاز، نکلنے والے—
آزاد کتاب گھر، قلم محل، دہلی؛ لکھوت اردو؛ دام چار روپے؛
صفحہ 216.

لکھنے والے—اسرارالحق مجاز؛ نکلنے والے—آزاد کتاب
گھر، قلم محل، دہلی؛ لکھوت اردو؛ دام چار روپے؛
صفحہ 216.

'آہنگ' اردو کے مشہور شاعر مجاز کی نظمیں اور
غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں مجاز کی سن 30 سے سن 52
تک کی رचनाیں شامل ہیں۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔
صفحہ 28 پوائنڈ کے سفید کاغذ پر ہے۔ کور وغیرہ بے
حد خوبصورت ہیں۔

'آہنگ' اردو کے مشہور شاعر مجاز کی نظمیں اور
غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں مجاز کی سن 30 سے سن
52 تک کی رचनाیں شامل ہیں۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن
ہے۔ چوہائی 28 پوائنڈ کے سفید کاغذ پر ہے۔ کور وغیرہ بے
حد خوبصورت ہیں۔

'مجاز' کی رचनाؤں کی تین منبجیل رہی ہے—جام
اور سراہی—انکلیلاہی لالکار—سراہی کی کڑکڑ سے
نکلنے والی انکلیلاہی لالکار—کلیج احمد 'کلیج' نے
اس کتاب کے دیباچے میں مجاز کی شاعری پر کافی
روشنی ڈالی ہے۔

'مجاز' کی رचनाؤں کی تین منبجیل رہی ہے—جام اور
سراہی—انکلیلاہی اور لالکار—سراہی کی قل قل سے نکلنے
والی انکلیلاہی لالکار—فرض احمد 'فرض' نے اس کتاب کے
دیباچے میں مجاز کی شاعری پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

اسرارالحق کو شراب نے مارا ہے اور اسرارالحق نے مجاز
کا لہ لہوت دیا ہے۔ اب بھی کہیں کہیں وہ جاگتا ہے
لیکن کب تک یہ چلتا رہے گا اور جلمے کی کہا نہیں جاسکتا۔

اسرارالحق کو شراب نے مارا ہے اور اسرارالحق نے مجاز
کا لہ لہوت دیا ہے۔ اب بھی کہیں کہیں وہ جاگتا ہے
لیکن کب تک یہ چلتا رہے گا اور جلمے کی کہا نہیں جاسکتا۔

—محبوب رضوی

—محبوب رضوی

نیا چین

نیا چین

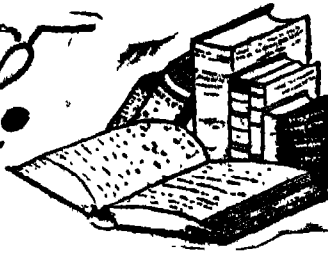
ایڈیٹر—منورما سہتن؛ ملنے کا پتا—D47/411
راماپورا، بنارس؛ لکھوت ہندی؛ سالانہ چھپنے
روپے؛ ایک کاپی کا دام پانچ آنے۔

ایڈیٹر—منورما سہتن؛ ملنے کا پتا—D47/411
راماپورا، بنارس؛ لکھوت ہندی؛ سالانہ چھپنے
روپے؛ ایک کاپی کا دام پانچ آنے۔

'نیا چین' کو مجاز کی آنکھوں میں کہتے ہیں اور
کچھ لوگوں کو سمجھ دیتا ہے 'آشا بدھاتا' ہے۔ پہلا گروہ
نیا چین کو بدنام کرنے پر تیار ہوا ہے 'جہوت سچ جس
طرح سے بھی ہو قابل کے زور پر بھرم پیدا کرنے کی کوشش
میں ہے۔ دوسرا گروہ نردمن ہے پر اسے اپنے پکھی کی
سچائی پر دھواں ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ دو گروہ
ہیں۔

'نیا چین' کچھ لوگوں کی آنکھوں میں کہتے ہیں اور
کچھ لوگوں کو سمجھ دیتا ہے 'آشا بدھاتا' ہے۔ پہلا گروہ
نیا چین کو بدنام کرنے پر تیار ہوا ہے 'جہوت سچ جس
طرح سے بھی ہو قابل کے زور پر بھرم پیدا کرنے کی کوشش
میں ہے۔ دوسرا گروہ نردمن ہے پر اسے اپنے پکھی کی
سچائی پر دھواں ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ دو گروہ
ہیں۔

کتابیں



کتابیں

نیا سال

نیا سال

نیکالنے والے—راہی ماسم رخصا، نیکالنے والے—بھامی کیتاں घर, बशीर मंजिल, राष्नीपुर, खिलावट उर्दू, वाम बारह आना, सका 64.

ماسم رخصا और 'राही' दोनों एक ही आदमी के नाम हैं लेकिन फिर भी दोनों में काफी फर्क है. मاسम रखा का नाम सुनकर लोग सोचने लगते हैं कि यह किसका नाम है. पर 'राही' का नाम आते ही लोगों के दिल में खुद खुदी होने लगती है. उनके सामने भोला, मुसकराता हुआ एक ऐसा चेहरा नाच उठता है जिसकी आवाज और जिसकी नज़में मुश्किलों में जान डाल देती हैं. राही की उमर चाहे जितनी भी कम हो लेकिन जिस राह का वह राही है, वह पुराना रास्ता है. वह कुरबानी, त्याग, हिम्मत का रास्ता है. यही कुरबानी उसकी नज़मों की जान है, यही हिम्मत उसकी आवाज में लसकार पैदा करती है.

'नया साल' उसी नौजवान शायर की पांच नज़मों का संग्रह है. पहली नज़म पाकिस्तान और हिन्दुस्तान के पूंजी पतिषों को चेतवानी है. राही का निश्चय इतना मजबूत है कि किसी आफत के सामने भी वह सर मुकाने को तैयार नहीं है. वह कहता है:—

सर—मगर मौत की चाहिश पे नहीं झुक सकते

गल्ल—लोहे की सलाखों से नहीं दक सकते.

हार जीत का असर सच्चे इनकिलाबियों की हिम्मत पर नहीं पड़ता. उनके सामने एक मकसद होता है और वह इतमिनान से कठिनाइयों का मुकाबला करते हुए उसे हासिल करने के लिये आगे बढ़ते जाते हैं. राही ने उसी उसूल को बों नज़म किया है:

अफ़्की ही फतह, कोई जंग का वस्तूर नहीं
खूँतो सल्लिह का सफ़ू मौजों से कुछ दूर नहीं
यूँ तो कब हार नहीं, खुरबते मंसूर नहीं
खिलगी मौत के क़ानून से मजबूर नहीं

जिस्म मर जाय पे ईमान नहीं मर सकता
मौत मर जायगी, इत्तसान नहीं मर सकता

लेकहे والے—سراہی معصوم رضا؛ نکالنے والے—بھامی کیتاں گھر، بھوشور منزل، غازی پوری؛ لکھارت اردو؛ دام بارہ آنہ؛ صفحہ 64.

معصوم رضا اور 'راہی' دونوں ایک ہی آدمی کے نام ہیں لیکن یہ بھی دونوں میں کافی فرق ہے. معصوم رضا کا نام سن کر لوگ سوچنے لگتے ہیں کہ یہ کس کا نام ہے. پر 'راہی' کا نام آتے ہی لوگوں کے دل میں کدکنی ہولے لگتی ہے. ان کے سامنے بھولا مسکراتا ہوا ایک ایسا چہرہ ناچ اُٹھتا ہے جس کی آواز اور جس کی نظمیں مشاعرے میں جان ڈال دیتی ہیں. راہی کی عمر چاہے جتنی بھی کم ہو لیکن جس راہ کا وہ راہی ہے وہ پرانا راستہ ہے، وہ قربانی، تھاک، ہمت کا راستہ ہے. یہی قربانی اسکی نظموں کی جان ہے، یہی ہمت اسکی آواز میں للکار پیدا کرتی ہے.

'نیا سال' اسی نوجوان شاعر کی پانچ نظموں کا سنگرہ ہے. پہلی نظم پاکستان اور ہندوستان کے پونجی پٹیلوں کو چیلانی ہے. راہی کا نہایت اُندا مضبوط ہے کہ کسی آفت کے سامنے بھی وہ سر جھکانے کو تیار نہیں ہے. وہ کہتا ہے:—

سر—مگر موت کی خواہش پہ نہیں جھک سکتے.

گولہ—لوہے کی سلاخوں سے نہیں دک سکتے.

ہار جیت کا اثر سچے انقلابیوں کی ہمت پر نہیں پوتا. ان کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ اطمینان سے تکلیفوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اُسے حاصل کرنے کے لئے لگے بڑھتے جاتے ہیں. راہی نے اسی سول کو یہی نظم کہا ہے:

اپنی ہی فتح، کوئی جنگ کا دستور نہیں
پوں تو ساجلی کا سبکوں مہجوں سے کچھ دور نہیں
ہاں تو کب دلو نہیں، چراغت مقصور نہیں
زندگی موت کے قانون سے معذور نہیں

جسم مرجائے پر ایمان نہیں مڑ سکتا
موت مڑ جائے گی، انسان نہیں مڑ سکتا

سرکار نے اس کمیٹی کو اسلئے بنایا تھا کہ وہ اس بات پر رپورٹ کرے کہ خیتا سے خیتا کتنی زمین ہر ایک آدمی کے کھیتوں میں رہنے دی جائے، کسے خیتی نہ کرنے والے اور غریب سکونت ریتوں کو ختم کیا جائے، کسانوں کو کسے خیت کا مالک بنایا جائے اور کسان کسے خیت ہو۔ کمیٹی کو خیت دی گئی تھی کہ وہ خاص افسر کی اور کسانوں کو خیتی دولتوں کی رپورٹوں پر بھی خیت کرے۔

اس کمیٹی کی رپورٹ 1951 میں چھپی۔ اس رپورٹ میں کسانوں کے خیت زمینداروں کے خیت کی دکھا کی گئی تھی۔ کسانوں کے اس مسئلہ پر سارے پرانے کھیتوں اور پرانی مانگیوں کی یہ رپورٹ وردہ میں تھی۔ آج بھی مدراس میں کھیتی کا مسئلہ جوں کا توں ہوتا ہے۔

اس کمیٹی کی رپورٹ 1951 میں چھپی۔ اس رپورٹ میں کسانوں کے خیت زمینداروں کے خیت کی دکھا کی گئی تھی۔ کسانوں کے اس مسئلہ پر سارے پرانے کھیتوں اور پرانی مانگیوں کی یہ رپورٹ وردہ میں تھی۔ آج بھی مدراس میں کھیتی کا مسئلہ جوں کا توں ہوتا ہے۔

آج بھی مدراس میں خیتی کا مسئلہ جوں کا توں ہوتا ہے۔

کسان خیتی

(سوامی مارہروی)

کے کے مہدی مہدی خیتاں تو نے اچھے مہل بناے
جگمگ مہرے دیے بھاکر اپنے خیر کے دیپ جلاے
مہرے خیتاں خیتاں پر آئے تیرے داغ لگاے
لوت لئی خیتاں کی آشا ہے تو نے جال بچھائے۔

سوتے خیتاں ہارے ہیں، لال خیتاں، لال خیتاں
خیتاں کے خیتاں خیتاں کے ہیں لال خیتاں
مہرے میں ایک خیتاں کو ترسے خیتاں میں ترسے خیتاں
اپنی خیتاں آہ لگا کر خیتاں ہم خیتاں خیتاں۔

مہرے خیتاں سے خیتاں بناے، خیتاں خیتاں کی خیتاں لگاے
خیتاں خیتاں، خیتاں خیتاں، خیتاں خیتاں خیتاں
مہرے خیتاں سے خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں
خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں۔

کسان خیتی

(سوامی مارہروی)

کے کے مہدی مہدی خیتاں تو نے اچھے مہل بناے
جگمگ مہرے دیے بھاکر اپنے خیتاں کے دیپ جلاے
مہرے خیتاں خیتاں پر آئے تیرے داغ لگاے
لوت لئی خیتاں کی آشا ہے تو نے جال بچھائے۔

سوتے خیتاں ہارے ہیں، لال خیتاں، لال خیتاں
خیتاں کے خیتاں خیتاں کے ہیں لال خیتاں
مہرے میں ایک خیتاں کو ترسے خیتاں میں ترسے خیتاں
اپنی خیتاں آہ لگا کر خیتاں ہم خیتاں خیتاں۔

مہرے خیتاں سے خیتاں بناے، خیتاں خیتاں کی خیتاں لگاے
خیتاں خیتاں، خیتاں خیتاں، خیتاں خیتاں خیتاں
مہرے خیتاں سے خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں
خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں خیتاں۔

وصولتہ ہیں . یہ مالگڈاری کی کسی بھی ایک وجہ ہے جس نے لوگوں کو زمین خریدنے پر اکسایا . کسی سہ بھی سرکار نے منافع کی رقم کا نصف سے زیادہ مالگڈاری کے روپ میں نہیں وصول کرانہ موجودہ قانون کے ماتحت وہ زیادہ وصول کر سکتی تھی . عام طریقے سے سرکاری مالگڈاری اور زمیندار کے لگن میں ٹیک اور چار کی نسبت ہوتی تھی . آجکل ایک اور دس کی نسبت ہے . یعنی اگر زمیندار سرکار کو ایک روپیہ مالگڈاری دیتا ہے تو وہ کسان سے دس روپیہ لگن وصول کرتا ہے .

کمیتیں

1936 کی فہرست پر کانگریس میں کسان سمیت پر
کلی وچار ہوا تھا۔ کانگریس نے مانگ کی تھی کہ لٹان
میں کمی ہو، لٹان کی حد مقرر ہو، کسان اپنے کھیت پر
قصد رکھ سکے اور قانون پاس کر کے کھیتوں پر کام کرنے
والوں کی مزدوری مقرر کر دی جائے۔ 1937 میں کانگریس
کارکنوں نے اسمبلی کے ممبروں کو ہدایت دی تھی کہ وہ
اپنے کے پروگرام کو ملی جامہ پہنوانے کی کوشش کریں۔
1946 میں چلایا گئے اسم کانگریس پھر اعلان کیا کہ وہ
راج کا بہار سلیمانیہ پر سرکار اور کسانوں نے بھیجے کے دلالوں
کو ختم کر دے گی اور دوسرے سدھار بھی لائو کرے گی۔
1948 میں ایک کانگریس آرٹیکل پروگرام کھیتی
بنی تھی چھ مہینوں پلندت جواہر لال نہرو نے۔ 1949
میں کانگریس نے ڈاکٹر نصاریٰ کی صدارت میں
پھر اسی سوال پر ایک کھیتی بہتھائی تھی۔ لیکن
ان سب کھیتوں اور پروگراموں کا کوئی اثر مدراس کی
سرکار پر نہیں پڑا۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ انہماں کے پلوں سے پتہ چلتا ہے کہ حال تک کسانوں کو اپنی اپنی زمین پر قبضہ رکھنے کا حق تھا۔ کھیتی سمیت کے سدھار کے لئے ضروری ہے کہ یہ حق پھر ان کسانوں کو ملجائے۔ 1938 میں اسی سوال پر شری پرنکاش کی صدارت میں ایک کمیٹی بنی تھی۔ اس کمیٹی نے اصلی کاشتکار کی ملکیت کے حق کو نہیں مانا۔ اس رپورٹ میں لکھا ہے : ”چھپ کھیت کے لئے کسانوں میں ہوئی لگی ہو اور زیادہ سے زیادہ رقم دے کر وہ زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کھیت کا کاشتکار کون ہے۔ کاشتکار کی پہچان کرنا ممکن نہیں۔ جو زمینداروں کے پاس پہنچتا ہے اور اچھت رقم دیتا ہے زمیندار اسی کو زمین دے دیتا ہے۔ ہر سال یہ کرم چلتا رہتا ہے۔ ایسے کاشتکار کو زمین کا مالک تصور کرنا جا سکتا ہے۔“

تہذیب بہت سمجھ کا آدمی ہی ہے کہہ گا کہ انہیں

मालगुजारी

सारे रीयत घारी इलाक़े की नाप जोख की गई. ऐसी नाप जोख के लिये यूनिट बना दिये गए. एक यूनिट में ज़ियादा से ज़ियादा दस एकड़ ज़मीन आती थी. एकड़ के सौबें हिस्से की भी यूनिट बन गई थीं. पैमाइश के बाद अलग अलग यूनिट का अलग अलग लगान मुक़रर कर दिया गया. मोटे ढंग से ज़मीन की दो क़िस्में मानी गईं. एक सिंचाई वाली और दूसरे बिना सिंचाई वाली. सरकारी मालगुजारी का मतलब है कि पैदावार में सरकार का जो हिस्सा है उसका नक़द दाम. इस दाम को हमेशा के लिये मुक़रर करने के लिये खेतों की पैदावार और उपजाऊ पन बरौदा का अन्दाज़ा लगाया गया. हर इलाक़े के लिये एक अनाज स्टैण्डर्ड मान लिया गया. सिंचाई वाली ज़मीन के लिये धान और बिना सिंचाई वाली के लिये 'छोलम' और 'रगी' स्टैण्डर्ड अनाज मान लिये गए. खेतों की पैदावार का अन्दाज़ा लगाते समय पुराने तज़रबों के आधार पर फ़सल की खराबी और ग़ैर उपजाऊ ज़मीन के लिये रियायतें दी गई. गांव की स्थिति से नफ़ा नुक़सान को और सिंचाई के ढंगों को सामने रख कर और भी छूट दी गई. ऐसे बीस साल के भावों का औसत ले लिया गया जिन में कहत न पड़ा हो. अब जो पैदावार बची उसका दाम इस आधार पर तय किया गया. इस रक़म में से कुछ फ़ी सदी दुलाई बरौदा के ख़रचे के लिये छोड़ दी गई. फिर बाकी रक़म में से कुछ हिस्सा फ़सल की तैयारी की लागत के तौर पर छोड़ी गई. अब मुनाफ़े को रुपया में तबदील कर लिया गया. इस रक़म का एक हिस्सा जो लगभग आधा तक होता है सरकारी मालगुजारी के रूप में मुक़रर कर दिया जाता है. इस व्यवस्था को बन्दोबस्त कहा जाता है. हर तीस साल के बाद पैदावार में सरकारी हिस्से की क़ीमत ऊपर बताए ढंग से आंकी जाती है. ऐसा लगता है कि 1837 के बाद फिर तीस साला बन्दोबस्त नहीं हुआ.

मालगुजारी का मौजूदा तरीक़ा अपने हर रूप में बड़े ज़मींदारों के मुक़ाबले में छोटे किसानों को बहुत ज़ियादा नुस्तता है. 1937 में काँग्रेसी सरकार ने मालगुजारी में साढ़े बारह फ़ी सदी की छूट दे दी थी. मिसाल के तौर पर हम इसी छूट को ले लें. यह छूट उस समय दी गई थी जब खेती की पैदावार के दाम बहुत बढ़ गए थे. इस छूट से छोटे कारतकारों को कोई फ़ायदा नहीं हुआ. दो चार आने जैसे जो उनके पल्ले पड़े होंगे वह भी मालगुजारी अफ़सलों की नज़र हो गए. लेकिन बड़े बड़े ज़मींदारों को इससे काफ़ी फ़ायदा हुआ.

बड़े बड़े ज़मींदार ग़ैर सींचाऊ ज़मीन पर दो रुपया से ज़ियादा मालगुजारी सरकार को नहीं देते, लेकिन सब जानते हैं कि ऐसी ज़मीन पर बहुत ज़ियादा लगान वह

मालगुजारी

सारे रीयत घारी इलाक़े की नाप जोख की गئی. ऐसी नाप जोख के लिये यूनिट बना दिये गئے. एक यूनिट में ज़ियादा से ज़ियादा दस एकड़ ज़मीन आती थी. एकड़ के सौबें हिस्से की भी यूनिट बन गई थीं. पैमाइश के बाद अलग अलग यूनिट का अलग अलग लगान मुक़रर कर दिया गया. मोटे ढंग से ज़मीन की दो क़िस्में मानी गئیں. एक सिंचाई वाली और दूसरे बिना सिंचाई वाली. सरकारी मालगुजारी का मतलब है कि पैदावार में सरकार का जो हिस्सा है उसका नक़द दाम. इस दाम को हमेशा के लिये मुक़रर करने के लिये खेतों की पैदावार और उपजाऊ पन बरौदा का अन्दाज़ा लगाया गया. हर इलाक़े के लिये एक अनाज स्टैण्डर्ड मान लिया गया. सिंचाई वाली ज़मीन के लिये धान और बिना सिंचाई वाली के लिये 'छोलम' और 'रगी' स्टैण्डर्ड अनाज मान लिये गए. खेतों की पैदावार का अन्दाज़ा लगाते समय पुराने तज़रबों के आधार पर फ़सल की खराबी और ग़ैर उपजाऊ ज़मीन के लिये रियायतें दी गई. गांव की स्थिति से नफ़ा नुक़सान को और सिंचाई के ढंगों को सामने रख कर और भी छूट दी गई. ऐसे बीस साल के भावों का औसत ले लिया गया जिन में कहत न पड़ा हो. अब जो पैदावार बची उसका दाम इस आधार पर तय किया गया. इस रक़म में से कुछ फ़ी सदी दुलाई बरौदा के ख़रचे के लिये छोड़ दी गई. फिर बाकी रक़म में से कुछ हिस्सा फ़सल की तैयारी की लागत के तौर पर छोड़ी गई. अब मुनाफ़े को रुपया में तबदील कर लिया गया. इस रक़म का एक हिस्सा जो लगभग आधा तक होता है सरकारी मालगुजारी के रूप में मुक़रर कर दिया जाता है. इस व्यवस्था को बन्दोबस्त कहा जाता है. हर तीस साल के बाद पैदावार में सरकारी हिस्से की क़ीमत ऊपर बताए ढंग से आंकी जाती है. ऐसा लगता है कि 1837 के बाद फिर तीस साला बन्दोबस्त नहीं हुआ.

मालगुजारी का मौजूदा तरीक़ा अपने हर रूप में बड़े ज़मींदारों के मुक़ाबले में छोटे किसानों को बहुत ज़ियादा नुस्तता है. 1937 में काँग्रेसी सरकार ने मालगुजारी में साढ़े बारह फ़ी सदी की छूट दे दी थी. मिसाल के तौर पर हम इसी छूट को ले लें. यह छूट उस समय दी गई थी जब खेती की पैदावार के दाम बहुत बढ़ गए थे. इस छूट से छोटे कारतकारों को कोई फ़ायदा नहीं हुआ. दो चार आने जैसे जो उनके पल्ले पड़े होंगे वह भी मालगुजारी अफ़सलों की नज़र हो गए. लेकिन बड़े बड़े ज़मींदारों को इससे काफ़ी फ़ायदा हुआ.

बड़े बड़े ज़मींदार ग़ैर सींचाऊ ज़मीन पर दो रुपया से ज़ियादा मालगुजारी सरकार को नहीं देते, लेकिन सब जानते हैं कि ऐसी ज़मीन पर बहुत ज़ियादा लगान वह

بات کو اطمینان ہو جاوے کہ اسے آج کل کے دن کو پہنچا دیا جائے گا۔ اس مانگ کے پورے ہونے پر اسے ادھکار اور سودھانوں حاصل تھیں۔ دھیرے دھیرے اسے انکیا کہلی کے کسانوں سے یہ ادھکار چھین کر ایک ایسے طبقے کے ہاتھ میں زمین سونپی جو کہلی کو مالکداری وصول کر کے دے دیا کرے۔ اس بات کو سامنے رکھ کر ہی ہمیں کانگریس کے کارنامے کو دیکھنا اور سمجھنا چاہئے۔

اگل کھیتی کی سداشوں

پوری حالات سمجھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم 1880 کے اگل کھیتی کی سداشوں کے بارے میں بھی جان لیں۔ کھیتی نے تین اہم سداشوں کی تھیں: پہلی یہ تھی کہ زمینداری علاقوں میں لگان داروں کی ملکیت کے حق میں بڑھتی کی جائے۔ دوسری یہ کہ شکی زمینداری پر روک لگائی جائے کیونکہ شروع کے زمینداروں میں نہیں رہتے اور من مانے دامنوں پر شکی کاشتکاروں کو کھیت دیتے تھے۔ تیسری سداشوں کے شہدوں میں یہ تھی کہ زمینداری علاقوں میں بھی شکی زمینداری پر روک لگائی جائے۔

”جو لوگ سرکاری کاشتکاروں میں زمینداروں کے لئے ہیں ان کا یہ رخ ہے کہ وہ کسانوں کو کھیت لگان پر دیتے ہیں اور اس طرح سرکاری لگان ادا کرنے کے بعد جو رقم ان کے پاس بچ رہتی ہے اس سے اپنا گزارا چلاتے ہیں۔ اس طرح ان شکی کسانوں کا ایک طبقہ پیدا ہوتا جا رہا ہے جو ہمیشہ کے لئے کھیت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اسے اتنا زیادہ لگان دینا پڑتا ہے کہ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ غریب رہے۔ ان کاشتکاروں کو سرکاری مانتا نہیں ملے۔ ایسے طبقے کے وجود سے وہی برائیاں پیدا ہوتی ہیں جو کہ ذکر آئے ہیں۔ کسانوں کی چرچا کرتے ہوئے ہم نے کہا ہے۔ ہمارا دھارہ ہے کہ مقامی سرکار اس بات پر دھیان دے کہ کیا مالکداری بلند و بلند کے مانتا سرکاری زمینداروں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو لگان پر کھیت دے سکیں اور اگر ایسا ہے تو سرکار کو چاہئے کہ وہ ایسے کاشتکاروں کو مانتا دے اور جو زمیندار کاشتکاروں کے قبضے میں ہے جو لگان دے دیتے ہیں اور ان کے لگان داری کی پرتیا سب کا اندراج سرکاری کاشتکاروں میں کر لیں۔“

کھیت نمبر دس

مدراس کے صوبے میں کسانوں کے حق کو جائز بنانے والے آج بھی وہ رجسٹر نہیں ہیں جو ہندوستان کے دوسرے زمینداری علاقوں میں ہیں۔ ہر گاؤں میں

کھیت نمبر دس

مدراس کے صوبے میں کسانوں کے حق کو جائز بنانے والے آج بھی وہ رجسٹر نہیں ہیں جو ہندوستان کے دوسرے زمینداری علاقوں میں ہیں۔ ہر گاؤں میں

کو رعیتداری اور جमीنداری دونوں علاقوں میں پھیلنے سے خیت پر قبضہ رکھنے کا جو حق تھا وہ پچھلی صدی میں ختم ہو گیا۔

1880 کا اکل کمیशन

مدراس کے کسانوں کی حالات کی چرچا 1880 کے اکل کمیशन کی رپورٹ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت تک خیت ناکھد لگان پر اٹھنے شروع ہوئے تھے اور کسانوں کے قبضے کے حق ختم ہوئے تھے۔ اتر مدراس کے 'ولکنڈی' اور دکن کے 'کودیم' اس زمانہ تک ہی خیت پر قبضہ رکھ سکتے تھے جب تک کہ میراثی دار کی مرضی ہو۔ پٹنار میں میراثی دار کا حصہ بڑھ گیا تھا۔

مدراس سرکار نے اکل کمیशन کے سامنے ایک ممبرانہم پش کیا تھا۔ اس میں مدراس کے مالگوزاری بورڈ نے لگانداری کے بارے میں نیچے لکھی باتیں کئی ہیں :

"1871-72 میں بورڈ نے خیتی کرنے والی آبادی کی گنتی کی۔ کل 71 لاکھ آدمی اس پش میں ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے 20 لاکھ ستر ہزار آدمی ہیں جو کھیتوں پر کام ضرور کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا کوئی کھیت نہیں ہے : 32 لاکھ پچاس ہزار آدمی ہیں جن کے پاس کچھ زمین ہے اور جو کھیت روپے سے کم مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ محض مزدوری کرتے ہیں یا اپنی زمین کو لٹان پر دے کر کھیت پالتے ہیں۔ پانچ لاکھ کے قریب ایسے لوگ ہیں جن کے پاس تھوڑی بہت زمین بھی ہے لیکن وہ بھاریا وغیرہ کرتے ہیں۔ بارہ لاکھ پچاس ہزار آدمی لیکن پر کھیت اٹھاتے ہیں اور اسی سے گزارا چلاتے ہیں۔ اس بارہ لاکھ میں سے 1800 پٹنار آدمی ہیں جو پانچ سو روپہ اور اس سے اوپر مالگوزاری ادا کرتے ہیں اور 5,288 آدمی پٹنار میں جو 250 روپہ سے لے کر پانچ سو روپہ تک مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔"

برہمن جرمیاداروں کی لڑ

اوپر کے ممبرانہم میں ہی چھوٹکیلیٹ کے کمشنر مسٹر پرائس نے اس بات کی سخت شکایت کی ہے کہ برہمن زمیندار زمین کو پرانی رکھتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ چالیس فی صدی زمین اسے زمینداروں کے قبضے میں ہے جو نہ تو کسانوں کا قبضہ ہی کرتے ہیں اور نہ گاؤں میں ہی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ کسانوں کو خراب چوستے ہیں اور ہر طریقے سے رقم ہضم کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب سے وہ اس ضلع میں آئے تھے انہوں نے آدھے درجن بھی کھاتے ہوئے کاشتکار نہیں دیکھے۔

کانگریس راج اور کسان

آج مدراس کا کسان اس بات کی مانگ کرتا ہے کہ کم سے کم جاکم لگان ضرور ہو جائے اور اس

کو رعیتداری اور زمینداروں دونوں علاقوں میں پھیلنے سے خیت پر قبضہ رکھنے کا جو حق تھا وہ پچھلی صدی میں ختم ہو گیا۔

1880 کا اکل کمیशन

مدراس کے کسانوں کی حالات کی چرچا 1880 کے اکل کمیशन کی رپورٹ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت تک کھیت نقد لگان پر اٹھنے شروع ہوئے تھے اور کسانوں کے قبضے کے حق ختم ہوئے تھے۔ اتر مدراس کے 'ولکنڈی' اور دکن کے 'کودیم' اس زمانہ تک ہی کھیت پر قبضہ رکھ سکتے تھے جب تک کہ میراثی دار کی مرضی ہو۔ پٹنار میں میراثی دار کا حصہ بڑھ گیا تھا۔

مدراس سرکار نے اکل کمیशन کے سامنے ایک ممبرانہم پش کیا تھا۔ اس میں مدراس کے مالگوزاری بورڈ نے لگانداری کے بارے میں نیچے لکھی باتیں کئی ہیں :

"1871-72 میں بورڈ نے کھیتی کرنے والی آبادی کی گنتی کی۔ کل 71 لاکھ آدمی اس پش میں ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے 20 لاکھ ستر ہزار آدمی ہیں جو کھیتوں پر کام ضرور کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا کوئی کھیت نہیں ہے : 32 لاکھ پچاس ہزار آدمی ہیں جن کے پاس کچھ زمین ہے اور جو کھیت روپے سے کم مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ محض مزدوری کرتے ہیں یا اپنی زمین کو لٹان پر دے کر کھیت پالتے ہیں۔ پانچ لاکھ کے قریب ایسے لوگ ہیں جن کے پاس تھوڑی بہت زمین بھی ہے لیکن وہ بھاریا وغیرہ کرتے ہیں۔ بارہ لاکھ پچاس ہزار آدمی لیکن پر کھیت اٹھاتے ہیں اور اسی سے گزارا چلاتے ہیں۔ اس بارہ لاکھ میں سے 1800 پٹنار آدمی ہیں جو پانچ سو روپہ اور اس سے اوپر مالگوزاری ادا کرتے ہیں اور 5,288 آدمی پٹنار میں جو 250 روپہ سے لے کر پانچ سو روپہ تک مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔"

برہمن زمینداروں کی لڑ

اوپر کے ممبرانہم میں ہی چھوٹکیلیٹ کے کمشنر مسٹر پرائس نے اس بات کی سخت شکایت کی ہے کہ برہمن زمیندار زمین کو پرانی رکھتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ چالیس فی صدی زمین اسے زمینداروں کے قبضے میں ہے جو نہ تو کسانوں کا قبضہ ہی کرتے ہیں اور نہ گاؤں میں ہی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ کسانوں کو خراب چوستے ہیں اور ہر طریقے سے رقم ہضم کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب سے وہ اس ضلع میں آئے تھے انہوں نے آدھے درجن بھی کھاتے ہوئے کاشتکار نہیں دیکھے۔

کانگریس راج اور کسان

آج مدراس کا کسان اس بات کی مانگ کرتا ہے کہ کم سے کم جاکم لگان ضرور ہو جائے اور اس

بیماریوں نے اس اہمیت میں بھی لگنا شروع کیا کہ انہیں کم سے کم چھ مخصوص متعلق تو ضرور ہی ہوا۔ بڑے بڑے وکھلوں اور ان لوگوں نے جنہوں نے شہروں میں کافی زمین کمایا تھا اپنے زمین خریدنے کو بہت اچھا اور سرگشتہ بھوپار سمجھا۔ گاؤں کے وہ چھوٹے چھوٹے لوگ جن کے پاس زمین کی ملکیت کا حق تھا کسانوں کو لگان پر کھیت دے دیتے تھے اور دھورے دھورے لگان وصول کر کے اپنا گزارا چلاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس ہمت پالنے کا اور کوئی سادھن نہیں تھا۔ ایسے لوگ دن پر دن غریب ہوتے گئے اور آخر میں زمین بھولنے کی طرف گئے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ اس طرح گاؤں کی مالی دہشتہا میں اور زیادہ کھلدی کرن شروع ہوا۔ ایک طرف مٹی بھر لوگوں کا زیادہ سے زیادہ زمین پر قبضہ ہونے لگا اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ لوگ ان کھیتوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے جن پر کسی نہ کسی صورت میں ان کا قبضہ تھا۔

بڑی زمینداروں نے سندھو میں لگان کی چالیں سالہ آنتی پر ایک مہمورنظم لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے 1850 اور 1890 کے بیچ میں لگان داری کے طریقے میں جو وکاس ہوا ہے اس کی بھی چرچا کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:—

”رالٹو یا نکلد کے رپ میں لگان لینے کا طریقہ تانجور جیلے میں ختم سا ہو رہا ہے۔ سامنے کی خستی کا ریکاں بد رہا ہے۔“

”کھیتی اڑاک کے کسان ایسے لگان دار ہیں جنہوں نے کھیت پر قبضہ رکھنے کا اس سے تک ادموکر ہے جب تک کہ وہ خود اس حق کے استعمال سے استعفی نہ دے دیں۔ نجی تعلقوں پر کسان کوئی کرتے ہیں اور ایسے نوکروں کو ’پدیاں‘ کہا جاتا ہے۔ تعلقہ دار اور کسان کے بیچ میں بچولمے ہوتے ہیں۔ یہ بچولمے کسانوں کو زمین لگان پر دیتے ہیں۔ لگان نقدی شکل میں بھی لیا جاتا ہے لیکن اندک تر فلے کے روپ میں ہی لہمے کی کوشش بچولمے کرتے ہیں۔ بچولمے جب چاہیں کسانوں کو فصل کے ختم ہونے پر کھیت سے ہٹا سکتے ہیں۔“

انگریزوں نے انگریز ہندستان میں مالکداری کی وصولی کے لئے زمیندار پیدا کئے تھے۔ انہوں نے اس سے فائدہ ہوا تھا۔ انہوں نے بھی طریقہ یہاں ہی لاگو کرنے چاہے۔ انگریزوں نے مالکداری کی جو لیمی لیمی رقم مقرر کی وہ بھی تھی۔ اس کی وصولی کے لئے ضروری تھا کہ وہ مہرائی داروں کو جس کا تین ہذا دیتے دیں۔ جس طرح انہوں نے زمیندار کو زمین کا مالک بنا دیا تھا اسی طرح مہرائی دار کو بھی زمین کا مالک بنا دیا۔ ان مہرائی داروں کے لئے جو کسان تھے ان کو کوئی قانونی حق ملکیت پر نہیں دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسان

بڑی زمینداروں نے سندھو میں لگان کی چالیں سالہ آنتی پر ایک مہمورنظم لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے 1850 اور 1890 کے بیچ میں لگان داری کے طریقے میں جو وکاس ہوا ہے اس کی بھی چرچا کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:—

”رالٹو یا نکلد کے رپ میں لگان لینے کا طریقہ تانجور جیلے میں ختم سا ہو رہا ہے۔ سامنے کی خستی کا ریکاں بد رہا ہے۔“

”کھیتی اڑاک کے کسان ایسے لگان دار ہیں جنہوں نے کھیت پر قبضہ رکھنے کا اس سے تک ادموکر ہے جب تک کہ وہ خود اس حق کے استعمال سے استعفی نہ دے دیں۔ نجی تعلقوں پر کسان کوئی کرتے ہیں اور ایسے نوکروں کو ’پدیاں‘ کہا جاتا ہے۔ تعلقہ دار اور کسان کے بیچ میں بچولمے ہوتے ہیں۔ یہ بچولمے کسانوں کو زمین لگان پر دیتے ہیں۔ لگان نقدی شکل میں بھی لیا جاتا ہے لیکن اندک تر فلے کے روپ میں ہی لہمے کی کوشش بچولمے کرتے ہیں۔ بچولمے جب چاہیں کسانوں کو فصل کے ختم ہونے پر کھیت سے ہٹا سکتے ہیں۔“

ہرگز ہے اور ان کے مرنے کے بعد وہ حق ان کی اولاد کو حاصل ہو جائے گا۔ ” کوئی مہراس“ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمین کے مالک ہوتے ہیں اور جو ملکیت کا حق دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں۔“

پیداہی اچھوت کاہتکار

اسی طرح کے اور بہت سے اعتبار کے قابل گھڑوں سے اس بات کو سدھ کہا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادھکار تھا۔

مدراس مالگجاری بورڈ کے ایک ممبر مسٹر پ. ڈی. کمپبیل نے سر ہامس سٹرو کے لیے ایک رپورٹ تیار کی تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے:

”میرا سیداروں کا کھجوا ہونے کے بجائے گاؤں میں اور خاص کر بھنن گاؤں میں اچھوت ہی کھیتوں کو ہوتے جوتھے ہیں، یہ لوگ جلم کے آدھار پر کھیتی کا پھہ اختیار کرتے ہیں“۔ لیکن قانون ایسے قبضہ کو نہیں ماننا۔

مدراس مالگجاری بورڈ کے ایک ممبر مسٹر پ. ڈی. کمپبیل نے سر ہامس سٹرو کے لیے ایک رپورٹ تیار کی تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے:

”میرا سیداروں کا کھجوا ہونے کے بجائے گاؤں میں اور خاص کر بھنن گاؤں میں اچھوت ہی کھیتوں کو ہوتے جوتھے ہیں، یہ لوگ جلم کے آدھار پر کھیتی کا پھہ اختیار کرتے ہیں“۔ لیکن قانون ایسے قبضہ کو نہیں ماننا۔

خیتی پر بھوپاریوں کی نگر

انہوں نے اس بات کو سدھ کہا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادھکار تھا۔

اسی طرح کے اور بہت سے اعتبار کے قابل گھڑوں سے اس بات کو سدھ کہا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادھکار تھا۔

پیداہی اچھوت کاہتکار

اسی طرح کے اور بہت سے اعتبار کے قابل گھڑوں سے اس بات کو سدھ کہا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادھکار تھا۔

مدراس مالگجاری بورڈ کے ایک ممبر مسٹر پ. ڈی. کمپبیل نے سر ہامس سٹرو کے لیے ایک رپورٹ تیار کی تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے:

”میرا سیداروں کا کھجوا ہونے کے بجائے گاؤں میں اور خاص کر بھنن گاؤں میں اچھوت ہی کھیتوں کو ہوتے جوتھے ہیں، یہ لوگ جلم کے آدھار پر کھیتی کا پھہ اختیار کرتے ہیں“۔ لیکن قانون ایسے قبضہ کو نہیں ماننا۔

اس طرح کے اور بہت سے اعتبار کے قابل گھڑوں سے اس بات کو سدھ کہا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادھکار تھا۔

اس طرح کے اور بہت سے اعتبار کے قابل گھڑوں سے اس بات کو سدھ کہا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادھکار تھا۔

خیتی پر بھوپاریوں کی نگر

انہوں نے اس بات کو سدھ کہا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادھکار تھا۔

مالگوجاری بورڈ کی 5 جنوری 1814 کے کارروائیوں میں بھی یہی چیز دیکھنے کو मिलتی ہے:

”تتمیل کے بہت سے علاقوں میں اور خاص کر تنجور ضلع کے علاقوں میں کسانوں کے بہت سے अधिकार برہمنوں نے خیریت لئے ہیں، یا انکو اجبراً دستی حاصل کر لئے ہیں۔ برہمن ہی اب رعیت بن گئے ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں تمیل کے ’ویلہسکوں‘ ’نومہڑوں‘ اور آگر سرکار کے ریجنوں اور ٹائٹلوں کو زمین کی ملکیت کے حق سارے ہندوستان میں حاصل تھے۔“

۱۸ویں صدی کا آغاز

یہ بات پوری طرح سے سید ہو چکی ہے کہ ۱۸ویں صدی کے شروع میں دو طرح کے کسان تھے۔ ایک ’آکو دس‘ اور دوسرے ’پورا کو دس‘۔ ان دونوں کو زمین پر وراثتی قبضہ کا حق تھا۔ لیکن یہ لوگ ملکیت کو دوسرے کے نام نہیں کر سکتے تھے۔ بعد میں جب جوتلے والوں کی کمی ہوئی تو ’آکو دس‘ کسانوں کو اجازت دے دی گئی کہ اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو تو وہ دوسرے کو زمین دے سکتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ اگر انہوں نے کھیت کو ترقی دینے پر اپنا دھن خرچ کیا ہے تو وہ کھیت بچھ سکتے ہیں۔ میراثی داروں کے ’تہندو ورم‘ کے روپ میں پورا ورم کا ساڑھے بارہ فیصدی کسان سے لے سکتا تھا۔ ’تہندو ورم‘ اُس زمین کی فیس کے روپ میں لیا جاتا تھا جو ہر مہراثوں کو جوتلے کے لئے دی جاتی تھی۔ ’پورا کو دس‘ کسان عام طریقے سے گاؤں میں نہیں رہتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی گاؤں میں رہنا شروع کر دیا۔ ”ایسے کسان جب تک اپنا ادا کرتے رہتے تھے انہوں نے اپنی زمین پر پورا حق رکھنا تھا اور ان کو بھی حق ملتا تھا۔“

۱۸ویں صدی کے ایک الگ قسم

۱۸ویں صدی کے پہلے میں مدراس میں کتبے طرح کے نگران دار تھے اس کا پتہ مدراس ہائی کورٹ میں چٹلہ والے ایک مقدمے کے فیصلے سے چلتا ہے، اس میں لکھا ہے:

”پتا ٹل پہلی وہ کسان جنہیں زمین پر کوئی حق نہیں ہے یا ’اسالور پورا کو دس‘ یعنی بے گھر ہار کسان‘ اور پورا کو دس‘ یعنی گاؤں میں نہ رہ کر کھیتی کرتے والے کسان بن جاتے ہیں اور یہ لپے کو ’اولاد دانی‘ لیکن دار کہتے ہیں۔ ’اولاد دانی‘ کسان وہ ہیں جنہیں کھیت پر کچھ دینے کا حق ہوتا ہے اور جو نہ تو مہراثی ہوتے ہیں اور نہ وراثتی قبضہ کا انہیں اندھا کو ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ وہ کسان ہوتے ہیں جنہیں زمین پر مہراثی کے قبضہ کا حق ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ وہ کسان ہیں جنہیں مہراثی کے قبضہ کا بھی

لگانداروں کی الگ الگ قسمیں

۱۸ویں صدی کے وسط میں مدراس میں کتنے طرح کے لگاندار تھے اسکا پتا مدراس ہائی کورٹ میں چٹلہ والے ایک مقدمے کے فیصلے سے چلتا ہے، اس میں لکھا ہے:

پنڈتھل نامی وہ کسان جنہیں زمین پر کوئی حق نہیں ہے یا ’اسالور پورا کو دس‘ یعنی بے گھر ہار کسان‘ اور پورا کو دس‘ یعنی گاؤں میں نہ رہ کر کھیتی کرتے والے کسان بن جاتے ہیں اور یہ لپے کو ’اولاد دانی‘ لیکن دار کہتے ہیں۔ ’اولاد دانی‘ کسان وہ ہیں جنہیں کھیت پر کچھ دینے کا حق ہوتا ہے اور جو نہ تو مہراثی ہوتے ہیں اور نہ وراثتی قبضہ کا انہیں اندھا کو ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ وہ کسان ہوتے ہیں جنہیں زمین پر مہراثی کے قبضہ کا حق ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ وہ کسان ہیں جنہیں مہراثی کے قبضہ کا بھی

آنا ہے تو بازار کے بڑے ہونے بہاؤ کے اُدھار پر یا آگے بڑھنے کی
 اُسہدائی کے اُدھار پر لگان بڑھا دینا جانا ہے ۔ اسی کارن کسی
 کسان کے پاس ایک سال سے زیادہ دنوں تک کھیت نہیں
 دھلے پاتا ۔ قدرتی طور پر کسان کو پھدوار بڑھانے کی لگن
 نہیں دھتی کھونکے وہ جانتا ہے کہ پھدوار بڑھانے سے اُس
 کا لگان بھی بڑھ جائے گا ۔

کسی صورت میں بھی زمیندار پورا کا پورا لگان معاف نہیں کرتا۔ جب پانی بالکل ہی نہیں ہوستا اور فصل بالکل ہی خراب ہو جاتی ہے تو لگان میں کچھ کمی ضرور کی جاتی ہے۔ یہ کمی ایک آدھ آدمیوں نے لگے نہیں کی جاتی بلکہ پورے پورے گاؤں کے کسانوں کے لئے کی جاتی ہے۔ ان حالتوں میں عام طریقے سے مقرر لگان کو 'روم لگان' میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ 'روم' اُس لگان کو کہتے ہیں جو زمین کا مالک پیداوار کا کچھ حصہ کسان سے لگان کی صورت میں لے لیتا ہے اور نقد دام نہیں مانگتا۔ اس طرح کسان کو نقصان بھگتنا پڑتا ہے۔ ابھی لگت بھی وصول نہیں ہو پاتی۔ سچی بات یہ ہے کہ لگان میں چھوٹ دیلے کا کوئی نعم نہ ہونے کی وجہ سے کسان ہیشہ کھاتے میں رہتا ہے۔

کھول رہا ہار میں لمبی معہاد کی لگان داری کی صورت
میں کسان کو کھیت کو ترقی دینے کا معاوضہ ملتا ہے ۔
کم معہاد والی لگان داری میں وہ بھی نہیں ملتا ۔

لوہر کی باتوں سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رحمت واری
علاقہ کا کسان ہالکل مالک کی مرضی پر ہے۔ ہر فصل کے
ساتھ لگان داری کا اسکا حق ختم ہو جاتا ہے۔ موروثی
اور لمبی معاد کے لگانداری کے آندھار پر بھی وہ کوئی ادھک
حق نہیں پا سکتا۔

لکھنؤ دار کا حق — ایک تاریخی جھلک

رعیت واری لگاندار ہمیشہ سے آج کی طرح دہلی نہیں تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے شروع کے شروع کے کلکٹروں بورڈ کے ریکارڈوں اور شروع شروع کے برتوں راج کے کلکٹروں کے ۱۷۹۷ء ہونے نوت اس بات کا ثبوت ہیں کہ مدراس میں بہت دنوں تک رعیت واری لگان داروں کو ملکوت کا حق تھا۔ اس بات کا ذکر مدراس کے کلکٹر مسٹر پلہس کی 6 جون 1799 کی 'رپورٹ میں ملتا ہے۔ یہ رپورٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مسٹروں پر خاصی کمپنی کی پانچویں رپورٹ کی سولہویں جوڑ کی صورت میں چھپی ہے۔

1814ء ایک کلکٹر کی خواہی

1814 میں مدراس کے کلکٹر مسٹر ایف. قہلو۔
ایلس نے بھی لکھا ہے کہ کسانوں کو زمین پر ہمسائیگی
کے قبضہ کا حق تھا۔

ہم اب دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ مدراس کی زمین واری پرتا میں کسان کی کیا حالت ہے اور کس طرح ان کی حالت میں خواتین اور بچے خراب ہیں۔ ان کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ آج بھی زمین پر کسان کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس معاملے میں دوسرے صوبوں کی کانگریسی سرکاروں کے مقابلے میں بھی مدراس سرکار بہت پیچھے رہی ہے۔

مدراس کا ریت کی کاشتکار

مدراس میں زمین کی ملکیت کے بہت سے قاعدے ہیں—زمینداری، انعام داری، زمین واری، جملی، ملکاتی وغیرہ۔ مالا ہار اور دیکھی کمارے کو چھوڑ کر جہاں کتبہ دار اور ملکاتی کاشتکار، اصلی کاشتکار اور زمین کے درمیان بچوں کی حیثیت سے ہیں رہا ہے۔ اسے بچوں کو اور کھوں بھی قانونی ماننا نہیں ملی۔ بڑے بڑے نجی تعلقوں یا سلسلوں جیسے 'دیواستھانم' کے تعلقوں میں بڑے بڑے بچوں کو ہوتے ہیں جو تعلقوں سے زمین لے کر چھوٹے چھوٹے کسانوں کو لگان پر دیتے ہیں۔ لیکن عام طریقہ سے زمین خود ہی کسان سے لیں دین رکھتا ہے۔

لگان کا طریقہ

سیاحا زمین پر دھان اور سبزی زمین پر جو بری جیسی فصلوں کا لگان دو طریقے سے طے ہوتا ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا کے اندھار پر اور دوسرے زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر۔ ساجھ کی کہتی ہیں کسان کو پوری پوداوار کا ایک تھائی سے دو تھائی تک زمیندار کو دینا پڑتا ہے۔ یہی حالت اس مقررہ لگان کی بھی ہے جو جلس کے روپ میں لیا جاتا ہے۔ کسان ایک تھائی ادا کرے یا دو تھائی یہ بات دو اندھار پر طے ہوتی ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا اور زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر اور دوسرے اس اندھار پر کہ زمیندار کو خرچ کا کچھ حصہ خود برداشت کرنا ہے۔ دیکھی جلس میں ساجھ کی کہتی ہیں کہ بہت رواج ہے۔ لنگر تو اچھوت اور بہت ہی غریب کسان اس طرح کے کاشتکار ہوتے ہیں۔ مقررہ لگان پر وہ کسان کہتے ہیں کہ میں جن کے پاس کچھ نہ کچھ پوسہ ہو جاتا ہے۔ کتا، کھاس، تمباکو اور موم پھلی ایسی بھاری فصلوں کے لئے کہتے ہیں کہ لگان نقدی شکل میں طے ہوتا ہے۔ کچھ نقدی کسان ہی اس طرح کے کہتے ہیں۔ ان کہتے ہیں کہ لگان میں بھرتی ہوتی رہتی ہے۔

مدراس میں زمین کی ملکیت کے بہت سے قاعدے ہیں—زمینداری، انعام داری، زمین واری، جملی، ملکاتی وغیرہ۔ مالا ہار اور دیکھی کمارے کو چھوڑ کر جہاں کتبہ دار اور ملکاتی کاشتکار، اصلی کاشتکار اور زمین کے درمیان بچوں کی حیثیت سے ہیں رہا ہے۔ اسے بچوں کو اور کھوں بھی قانونی ماننا نہیں ملی۔ بڑے بڑے نجی تعلقوں یا سلسلوں جیسے 'دیواستھانم' کے تعلقوں میں بڑے بڑے بچوں کو ہوتے ہیں جو تعلقوں سے زمین لے کر چھوٹے چھوٹے کسانوں کو لگان پر دیتے ہیں۔ لیکن عام طریقہ سے زمین خود ہی کسان سے لیں دین رکھتا ہے۔

مدراس کا زمیندار

مدراس میں زمین کی ملکیت کے بہت سے قاعدے ہیں—زمینداری، انعام داری، زمین واری، جملی، ملکاتی وغیرہ۔ مالا ہار اور دیکھی کمارے کو چھوڑ کر جہاں کتبہ دار اور ملکاتی کاشتکار، اصلی کاشتکار اور زمین کے درمیان بچوں کی حیثیت سے ہیں رہا ہے۔ اسے بچوں کو اور کھوں بھی قانونی ماننا نہیں ملی۔ بڑے بڑے نجی تعلقوں یا سلسلوں جیسے 'دیواستھانم' کے تعلقوں میں بڑے بڑے بچوں کو ہوتے ہیں جو تعلقوں سے زمین لے کر چھوٹے چھوٹے کسانوں کو لگان پر دیتے ہیں۔ لیکن عام طریقہ سے زمین خود ہی کسان سے لیں دین رکھتا ہے۔

لگان کا طریقہ

سیاحا زمین پر دھان اور سبزی زمین پر جو بری جیسی فصلوں کا لگان دو طریقے سے طے ہوتا ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا کے اندھار پر اور دوسرے زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر۔ ساجھ کی کہتی ہیں کسان کو پوری پوداوار کا ایک تھائی سے دو تھائی تک زمیندار کو دینا پڑتا ہے۔ یہی حالت اس مقررہ لگان کی بھی ہے جو جلس کے روپ میں لیا جاتا ہے۔ کسان ایک تھائی ادا کرے یا دو تھائی یہ بات دو اندھار پر طے ہوتی ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا اور زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر اور دوسرے اس اندھار پر کہ زمیندار کو خرچ کا کچھ حصہ خود برداشت کرنا ہے۔ دیکھی جلس میں ساجھ کی کہتی ہیں کہ بہت رواج ہے۔ لنگر تو اچھوت اور بہت ہی غریب کسان اس طرح کے کاشتکار ہوتے ہیں۔ مقررہ لگان پر وہ کسان کہتے ہیں کہ میں جن کے پاس کچھ نہ کچھ پوسہ ہو جاتا ہے۔ کتا، کھاس، تمباکو اور موم پھلی ایسی بھاری فصلوں کے لئے کہتے ہیں کہ لگان نقدی شکل میں طے ہوتا ہے۔ کچھ نقدی کسان ہی اس طرح کے کہتے ہیں۔ ان کہتے ہیں کہ لگان میں بھرتی ہوتی رہتی ہے۔

سیاحا زمین پر دھان اور سبزی زمین پر جو بری جیسی فصلوں کا لگان دو طریقے سے طے ہوتا ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا کے اندھار پر اور دوسرے زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر۔ ساجھ کی کہتی ہیں کسان کو پوری پوداوار کا ایک تھائی سے دو تھائی تک زمیندار کو دینا پڑتا ہے۔ یہی حالت اس مقررہ لگان کی بھی ہے جو جلس کے روپ میں لیا جاتا ہے۔ کسان ایک تھائی ادا کرے یا دو تھائی یہ بات دو اندھار پر طے ہوتی ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا اور زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر اور دوسرے اس اندھار پر کہ زمیندار کو خرچ کا کچھ حصہ خود برداشت کرنا ہے۔ دیکھی جلس میں ساجھ کی کہتی ہیں کہ بہت رواج ہے۔ لنگر تو اچھوت اور بہت ہی غریب کسان اس طرح کے کاشتکار ہوتے ہیں۔ مقررہ لگان پر وہ کسان کہتے ہیں کہ میں جن کے پاس کچھ نہ کچھ پوسہ ہو جاتا ہے۔ کتا، کھاس، تمباکو اور موم پھلی ایسی بھاری فصلوں کے لئے کہتے ہیں کہ لگان نقدی شکل میں طے ہوتا ہے۔ کچھ نقدی کسان ہی اس طرح کے کہتے ہیں۔ ان کہتے ہیں کہ لگان میں بھرتی ہوتی رہتی ہے۔

سیاحا زمین پر دھان اور سبزی زمین پر جو بری جیسی فصلوں کا لگان دو طریقے سے طے ہوتا ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا کے اندھار پر اور دوسرے زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر۔ ساجھ کی کہتی ہیں کسان کو پوری پوداوار کا ایک تھائی سے دو تھائی تک زمیندار کو دینا پڑتا ہے۔ یہی حالت اس مقررہ لگان کی بھی ہے جو جلس کے روپ میں لیا جاتا ہے۔ کسان ایک تھائی ادا کرے یا دو تھائی یہ بات دو اندھار پر طے ہوتی ہے۔ ایک تو لگان کی پرتا اور زمین کے اچھا پن اور زمینداری کی آسانی کے اندھار پر اور دوسرے اس اندھار پر کہ زمیندار کو خرچ کا کچھ حصہ خود برداشت کرنا ہے۔ دیکھی جلس میں ساجھ کی کہتی ہیں کہ بہت رواج ہے۔ لنگر تو اچھوت اور بہت ہی غریب کسان اس طرح کے کاشتکار ہوتے ہیں۔ مقررہ لگان پر وہ کسان کہتے ہیں کہ میں جن کے پاس کچھ نہ کچھ پوسہ ہو جاتا ہے۔ کتا، کھاس، تمباکو اور موم پھلی ایسی بھاری فصلوں کے لئے کہتے ہیں کہ لگان نقدی شکل میں طے ہوتا ہے۔ کچھ نقدی کسان ہی اس طرح کے کہتے ہیں۔ ان کہتے ہیں کہ لگان میں بھرتی ہوتی رہتی ہے۔

خیتی کی آمدنی اور 1945 میں تمام آبادی کی آہستگی کی نسبت.

مدراس میں کھیتی اور 1945 میں تمام آبادی کی آہستگی کی نسبت.

درجہ	1	2	3	4	5	تمام آبادی کی آمدنی کی نسبت
درجہ	1	2	3	4	5	تمام آبادی کی آمدنی کی نسبت
1. آمدنی ایک خاندان پر	4,332.1	1,339.6	687.5	686.1	477.7	902.3
2. آمدنی ایک آدمی پر	347.7	201.7	116.1	108.9	91.7	144.4
3. کھیتی ایک آدمی پر	113.3	64.1	37.6	21.3	8.9	40.8
4. نسبت 3:4	32.5	31.8	32.4	19.5	9.0	28.2

بمبئی یونیورسٹی کے ڈاکٹر بی. بی. سایمن نے مدراس سٹیٹ کی کھیتی کی صورت پر کافی مصلحت اور چھان بین کی ہے۔ انہوں نے پتہ لگایا ہے کہ جو زمین کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس تھی وہ اب زمینداروں کے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس بارے میں دوسرا رخ یہ ہے کہ زمینداروں کے پاس سے زمین کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس پہنچ رہی ہے۔ ڈاکٹر سایمن نے یہ بات بڑے زور سے کہی ہے کہ کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس سے زمین کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس پہنچ رہی ہے۔

تاملیناڈ کانگریس کمیٹی کے پمفلٹ سے پتا چلتا ہے کہ سن 1945-46 سے لے کر اب تک آمدنی کا جو تناسب تھا وہ اب بڑے زمینداروں کے حق میں ہو رہا ہے۔ ضروری پیداوار کی قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ خاص طور پر اناج کے دام بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس بڑھوتری سے جو نفع ہوتا ہے وہ بڑے زمینداروں کے حصے میں ہی آتا ہے کیونکہ انہوں نے پاس بوجھ کے لئے بہت سا مال ہوتا ہے۔

بمبئی یونیورسٹی کے ڈاکٹر بی. بی. سایمن نے مدراس سٹیٹ کی کھیتی کی صورت پر کافی مصلحت اور چھان بین کی ہے۔ انہوں نے پتہ لگایا ہے کہ جو زمین کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس تھی وہ اب زمینداروں کے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس بارے میں دوسرا رخ یہ ہے کہ زمینداروں کے پاس سے زمین کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس پہنچ رہی ہے۔ ڈاکٹر سایمن نے یہ بات بڑے زور سے کہی ہے کہ کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس سے زمین کھیتی کرنے والے کسانوں کے پاس پہنچ رہی ہے۔

تاملیناڈ کانگریس کمیٹی کے پمفلٹ سے پتا چلتا ہے کہ سن 1945-46 سے لے کر اب تک آمدنی کا جو تناسب تھا وہ اب بڑے زمینداروں کے حق میں ہو رہا ہے۔ ضروری پیداوار کی قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ خاص طور پر اناج کے دام بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس بڑھوتری سے جو نفع ہوتا ہے وہ بڑے زمینداروں کے حصے میں ہی آتا ہے کیونکہ انہوں نے پاس بوجھ کے لئے بہت سا مال ہوتا ہے۔

”کساندار چوتھ سوچ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان پر ایک آدمی پچھ 4 فی صدی قرضہ ہوتا ہے۔ جہاں تک زمین والوں کی بات ہے ان کی حالت اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ان کا قرضہ 45.6 فی صدی تک پہنچ گیا ہے۔“

”کساندار چوتھ سوچ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان پر ایک آدمی پچھ 4 فی صدی قرضہ ہوتا ہے۔ جہاں تک زمین والوں کی بات ہے ان کی حالت اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ان کا قرضہ 45.6 فی صدی تک پہنچ گیا ہے۔“

نیچے لکھا ڈیبل شری ریفری کی کتاب Agrarian Reforms and Parity Economy سے لیا گیا ہے۔

نیچے لکھا ڈیبل شری ریفری کی کتاب Agrarian Reforms and Parity Economy سے لیا گیا ہے۔

سن 1945 میں ہر ضلع کی آسٹت آآمدنی اور آسٹت دینداری۔

سن 1945 میں ہر علاقے کی آوسط آمدنی اور آوسط دینداری :

ضلع	کونسا پیچھے آآمدنی	آآمدنی	کونسا پیچھے دینداری	آآمدنی دینداری
1. ویسٹ بنگال	754.8	112.1	289.2	42.9
2. سرکار کے کنارے	1010.5	161.8	336.4	53.9
3. سرکار کے پٹار	1064.4	168.5	268.5	42.5
4. دکنی ضلع	623.5	107.0	269.7	46.3
5. کوناٹک	1017.8	174.5	327.9	56.2
6. کابیری ڈیلٹا	774.1	125.6	191.9	31.1
7. کینٹری سٹریٹ	954.0	153.7	231.2	37.2
8. دکنی پچھمی کونے	1030.9	164.0	140.1	22.3
9. دکنی پوربی کونے	969.8	169.9	253.8	43.9
10. پچھمی کنارے	880.3	121.8	307.6	42.5
کُل آسٹت	902.3	144.4	255.2	40.8

اوپر لکھی آسٹت کو معمولی حساب سے جانچنے پر سرکاری اور صاف تصویر سامنے نہیں آتی۔ نیچے لکھے ڈیبل سے پانچوں درجوں کی آسٹت آبادی اور ان کے قرض کا صاف ساک صاف پتا چل جاتا ہے۔

اوپر لکھی آسٹت کو معمولی حساب سے جانچنے پر سرکاری اور صاف تصویر سامنے نہیں آتی۔ نیچے لکھے ڈیبل سے پانچوں درجوں کی آسٹت آبادی اور ان کے قرض کا صاف پتا چل جاتا ہے۔

مدراس میں خواتین کی समस्या

(3) بڑے کسانوں کے پاس 5 ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔

(4) لگاندار، اور

(5) جیسے خواتین مزدور جن کے پاس زمین بالکل نہیں ہے۔

جانچ پرتال سے جو نتیجے نکلے وہ یہ ہیں :

کُل کرچا

1939-49	1944-45
2,1,91,64,000 روپے	2,177,15,000 روپے

ایک درجہ میں ایک آدمی کے پیچھے کرچے :

درجہ	1939	1945	کرچہ	کلی سدی کمی یا بڑھتی
1.	188.5	113.3	-75.2	-39.9
2.	78.8	59.4	-19.4	-24.6
3.	42.8	37.6	-5.2	-12.3
4.	20.5	21.3	+0.8	+4.1
5.	5.7	8.3	+2.6	+45.6

پانچ درجوں کا کلی سدی کرچہ 1939 اور 1945 میں:

درجہ 1 2 3 4 5 کُل

(3) 1939 14.4 43.5 35.3 4.4 1.4 100.0

(4) 1945 10.8 41.0 38.7 7.0 2.5 100.0

(5) کلی سدی

(2) سے (1) تک 60.0 70.0 88.0 104 143 80.1

ڈاکٹر ناگھڑ جین خاص اور احمد خانیوں پر پڑھے وہ یہ ہیں:—

”ہم انکسوں سے پتا چلتا ہے کہ لوہائی کے دوران میں جو فائدے ہوئے وہ بڑے پیمانے پر بڑے کسانوں کو ہی ہوئے۔ ان کے کل کرچے کا حصہ 1939 میں 14.4 فی صدی تھا۔ لیکن یہی کرچہ 1945 میں صرف 10.8 فی صدی رہ گیا۔ اسی طرح سے بچے والے زمینداروں کا کرچہ 1945 میں 41 فی صدی رہ گیا۔ چھوٹے زمینداروں کا جو تہہ در تہہ پر آئے ہیں کرچہ 35.3 فی صدی سے 38.7 فی صدی ہو گیا۔ یعنی ان کا کرچہ 3.4 فی صدی ہوا۔“

”لگانداروں سے بھی زیادہ بے زمین والوں کے اوپر کرچہ بڑھا ہے۔“

مدراس میں خواتین کی زمین

(3) چھوٹے کسان جن کے پاس 5 ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔

(4) لگاندار اور

(5) ایسے کھیتی مزدور جن کے پاس زمین بالکل نہیں ہے۔

جانچ پرتال سے جو نتیجے نکلے وہ یہ ہیں :

کُل کرچہ

1944-45	1939-49
2,17,71,15,000 روپے	2,71,91,64,000 روپے

ایک درجہ میں ایک آدمی کے پیچھے کرچے :

درجہ	1939	1945	کرچہ	کلی سدی کمی یا بڑھتی
1.	188.5	113.3	-75.2	-39.9
2.	78.8	59.4	-19.4	-24.6
3.	42.8	37.6	-5.2	-12.3
4.	20.5	21.3	+0.8	+4.1
5.	5.7	8.3	+2.6	+45.6

پانچ درجوں کا فی صدی کرچہ 1939 اور 1945 میں:—

درجہ 1 2 3 4 5 کُل

(3) 1939 14.4 43.5 35.3 4.4 1.4 100.0

(4) 1945 10.8 41.0 38.7 7.0 2.5 100.0

(5) فی صدی

(2) سے (1) تک 60.0 70.0 88.0 104 143 80.1

ڈاکٹر ناگھڑ جین خاص اور احمد خانیوں پر پڑھے وہ یہ ہیں:—

”ان انکسوں سے پتا چلتا ہے کہ لوہائی کے دوران میں جو فائدے ہوئے وہ بڑے پیمانے پر بڑے کسانوں کو ہی ہوئے۔ ان کے کل کرچے کا حصہ 1939 میں 14.4 فی صدی تھا۔ لیکن یہی کرچہ 1945 میں صرف 10.8 فی صدی رہ گیا۔ اسی طرح سے بچے والے زمینداروں کا کرچہ 1945 میں 41 فی صدی رہ گیا۔ چھوٹے زمینداروں کا جو تہہ در تہہ پر آئے ہیں کرچہ 35.3 فی صدی سے 38.7 فی صدی ہو گیا۔ یعنی ان کا کرچہ 3.4 فی صدی ہوا۔“

”لگانداروں سے بھی زیادہ بے زمین والوں کے اوپر کرچہ بڑھا ہے۔“

بچے انہوں نے بھی اپنی زمینیں کسانوں کے حوالے کر دی ہیں۔

مدراس سٹیٹ میں 72 لاکھ بڑے جमीدار اور 70 لاکھ چھوٹے جमीدار ہیں جو ریاست والے طریقے کے ماتحت بنائے گئے ہیں۔ ان کے پاس 31 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے جس پر سرکار نے سٹیٹ جیٹنگ کا پروگرام کیا ہے اور 185 لاکھ ایکڑ ایسی زمین ہے جس پر آبادی نہیں کی جاتی۔ 70 لاکھ کاشتکاروں میں سے 5 لاکھ ایسے ہیں جن کے پاس سب سے کم زمین ہے۔ ان کی مالکداری پچاس روپے یا اس سے بھی کم ہے۔ ان کے پاس کل 11 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے اور 102 لاکھ ایکڑ زمین ہے۔ دوسری طرف نئے کاشتکاروں کو 2 لاکھ ایکڑ ایسی زمینیں دی گئی ہیں جو پچاس روپے سے زیادہ مالکداری دیتے ہیں۔ ان کے پاس 22 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے جس پر سرکار نے سٹیٹ جیٹنگ کا پروگرام کیا ہے اور 38 لاکھ ایکڑ ایسی زمین ہے جس پر آبادی نہیں ہوتی۔

اگر فی صدی کے حساب سے اس فور کریں تو معلوم ہوگا کہ چھوٹے زمیندار 97 فی صدی ہیں۔ ان میں سے 59 فی صدی کے پاس سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔ ان کو اس بات کی گارنٹی دی گئی ہے کہ ان کو سٹیٹ جیٹنگ کے لئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ بڑے زمیندار قریب 3 فی صدی ہیں۔ ان کے پاس 41 فی صدی سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔ ان کو بھی سٹیٹ جیٹنگ کے لئے پانی کی گارنٹی ہے۔ چھوٹے زمینداروں کے پاس 88 فی صدی اور بڑے زمینداروں کے پاس 17 فی صدی سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔

یہ آگسٹ 1945-46 میں تمل ناڈو کانگریس کمیٹی کے کوچ رہائش گاہ کے لئے تھا۔ اس میں اس حالت کا ذکر نہیں ہے جو بڑی جنگ کے بعد سامنے آئی۔

ڈاکٹر وی. وی. نارائن سوامی نے 1946 میں اس بارے میں جانچ پڑتال کی۔ اس جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ کسانوں کی تھوڑی بہت فوری گھنٹی ہے لیکن کوئی موزوں حالت میں ترقی نہیں ہوئی۔ 1939 میں مدراس سٹیٹ میں 272 کروڑ روپے 218 کروڑ روپے رہ گیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 45 کروڑ کی ایک رقم کمی ہو گئی۔

جانچ پڑتال کے لئے ڈاکٹر وی. وی. نارائن سوامی نے تھوڑی بہت فوری گھنٹی والی آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا ہے۔ وہ یہ ہیں:

- (1) وہ بڑے کسان جن کے پاس 25 ایکڑ یا اس سے زیادہ سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔
- (2) وہ بڑے کسان جن کے پاس 5 اور 25 ایکڑ کے درمیان زمین ہے۔

مدراس سٹیٹ میں 72 لاکھ بڑے زمیندار اور 70 لاکھ چھوٹے زمیندار ہیں جو ریاست والے طریقے کے ماتحت بنائے گئے ہیں۔ ان کے پاس 31 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے جس پر سرکار نے سٹیٹ جیٹنگ کا پروگرام کیا ہے اور 185 لاکھ ایکڑ ایسی زمین ہے جس پر آبادی نہیں کی جاتی۔ 70 لاکھ کاشتکاروں میں سے 5 لاکھ ایسے ہیں جن کے پاس سب سے کم زمین ہے۔ ان کی مالکداری پچاس روپے یا اس سے بھی کم ہے۔ ان کے پاس کل 11 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے اور 102 لاکھ ایکڑ زمین ہے۔ دوسری طرف نئے کاشتکاروں کو 2 لاکھ ایکڑ ایسی زمینیں دی گئی ہیں جو پچاس روپے سے زیادہ مالکداری دیتے ہیں۔ ان کے پاس 22 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے جس پر سرکار نے سٹیٹ جیٹنگ کا پروگرام کیا ہے اور 38 لاکھ ایکڑ ایسی زمین ہے جس پر آبادی نہیں ہوتی۔

اگر فی صدی کے حساب سے اس فور کریں تو معلوم ہوگا کہ چھوٹے زمیندار 97 فی صدی ہیں۔ ان میں سے 59 فی صدی کے پاس سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔ ان کو اس بات کی گارنٹی دی گئی ہے کہ ان کو سٹیٹ جیٹنگ کے لئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ بڑے زمیندار قریب 3 فی صدی ہیں۔ ان کے پاس 41 فی صدی سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔ ان کو بھی سٹیٹ جیٹنگ کے لئے پانی کی گارنٹی ہے۔ چھوٹے زمینداروں کے پاس 88 فی صدی اور بڑے زمینداروں کے پاس 17 فی صدی سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔

یہ آگسٹ 1945-46 میں تمل ناڈو کانگریس کمیٹی کے کوچ رہائش گاہ کے لئے تھا۔ اس میں اس حالت کا ذکر نہیں ہے جو بڑی جنگ کے بعد سامنے آئی۔

ڈاکٹر وی. وی. نارائن سوامی نے 1946 میں اس بارے میں جانچ پڑتال کی۔ اس جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ کسانوں کی تھوڑی بہت فوری گھنٹی ہے لیکن کوئی موزوں حالت میں ترقی نہیں ہوئی۔ 1939 میں مدراس سٹیٹ میں 272 کروڑ روپے 218 کروڑ روپے رہ گیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 45 کروڑ کی ایک رقم کمی ہو گئی۔

جانچ پڑتال کے لئے ڈاکٹر وی. وی. نارائن سوامی نے تھوڑی بہت فوری گھنٹی والی آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا ہے۔ وہ یہ ہیں:

- (1) وہ بڑے کسان جن کے پاس 25 ایکڑ یا اس سے زیادہ سٹیٹ جیٹنگ زمین ہے۔
- (2) وہ بڑے کسان جن کے پاس 5 اور 25 ایکڑ کے درمیان زمین ہے۔

بجائے 'رہیت' کسان اپنی جہت کو بچاؤ کرنے اور اس میں کچھ بھیج استعمال کرنے کی کوئی دلیلی نہیں رکھتا۔ یہ سب سے اہم وجہ ہے جس کے کارن کھیتی مدراس میں قریبی نہیں کر رہی ہے۔

رہیت واری طریقے میں رہی کمزوریاں آگئیں جو پہلے زمینداروں کے طریقے میں پائی جاتی تھیں۔ زمینداروں والی جگہوں پر کسانوں نے اپنی جدوجہد کے کارن کچھ رعایتیں اور حق حاصل کر لئے تھے لیکن رہیت واری طریقے میں کسان کے ہاتھ کچھ بھی نہ پڑا۔ بڑے دنگ کے ساتھ کہتا ہوں ہے کہ رہیت اور کسانوں کے بھیج معاملات سلجھانے کی کوشش سرکار نے بھی نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹی چھوٹی ملکیتیں پونجی پونجی اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہنچ گئیں۔ یہ بات خاص طور پر 1928 میں بریٹن میں ملٹی آ جانے کے بعد ہوئی۔ 1934 میں سرکار نے اس کی جانچ پڑتال کرائی۔ اس جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ رہیت واری زمین قریب قریب 10,351 ہزار ایکڑ ہے جس کا 20 فی صدی یا 2,070 ہزار ایکڑ ان لوگوں کے پاس چلا گیا ہے جو کھیتی نہیں کرتے۔ اس طرح چھوٹے اور بھیج کے پتے دار بے کھیت ہو گئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آج کل بھی یہی حالت ہے۔ اس طرح شی ری ریڈر نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ کسان پیداوار کا بڑا حصہ زمیندار کو ملتا ہے۔ نیچے کا ٹیبل اس پر روشنی ڈالتا ہے:

ضلع	کسان کا حصہ ایک ایکڑ میں (فیصدی)	زمیندار کا حصہ ایک ایکڑ میں (فیصدی)
چنگل پٹ	33	67
لنچور	16.1	83.9
پوربی گوداوری	40.1	59.9
دربھا پٹنم	44.4	55.6
آئر اڑکھا	23.1	76.9
بھروی	43.5	56.5
تھنڈی	24.3	75.7
کویسٹور	7.6	92.4
دکنی گنارا	43.5	56.5

کسان کا حصہ ایک ایکڑ میں (فیصدی)

زمین کا ہتھوڑا ٹھیک ڈھنگ سے نہ ہونے کے کارن سود کی دیر بڑھ گئی ہے، کسان چستے جا رہے ہیں اور غریب ہوتے جا رہے ہیں، مزدوری کے دام گر گئے ہیں اور دھن سونے کا درجہ کافی گر گیا ہے۔ آجکل مدراس اور دوسرے ضلعوں کی حالت بہت زیادہ خطرناک ہے۔

جو کسان رہیت واری طریقے میں آئے ہیں وہ قریب قریب 56 سے 60 فی صدی تک ہیں۔ 15 فی صدی ایسے زمیندار ہیں جو گلوں سے دور رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی زمین پر آٹھا رکھی ہے۔ 25 سے 30 فی صدی تک جو باقی

بجائے 'رہیت' کسان اپنی جہت کو بچاؤ کرنے اور اس میں کچھ بھیج استعمال کرنے کی کوئی دلیلی نہیں رکھتا۔ یہ سب سے اہم وجہ ہے جس کے کارن کھیتی مدراس میں قریبی نہیں کر رہی ہے۔

رہیت واری طریقے میں رہی کمزوریاں آگئیں جو پہلے زمینداروں کے طریقے میں پائی جاتی تھیں۔ زمینداروں والی جگہوں پر کسانوں نے اپنی جدوجہد کے کارن کچھ رعایتیں اور حق حاصل کر لئے تھے لیکن رہیت واری طریقے میں کسان کے ہاتھ کچھ بھی نہ پڑا۔ بڑے دنگ کے ساتھ کہتا ہوں ہے کہ رہیت اور کسانوں کے بھیج معاملات سلجھانے کی کوشش سرکار نے بھی نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹی چھوٹی ملکیتیں پونجی پونجی اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہنچ گئیں۔ یہ بات خاص طور پر 1928 میں بریٹن میں ملٹی آ جانے کے بعد ہوئی۔ 1934 میں سرکار نے اس کی جانچ پڑتال کرائی۔ اس جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ رہیت واری زمین قریب قریب 10,351 ہزار ایکڑ ہے جس کا 20 فی صدی یا 2,070 ہزار ایکڑ ان لوگوں کے پاس چلا گیا ہے جو کھیتی نہیں کرتے۔ اس طرح چھوٹے اور بھیج کے پتے دار بے کھیت ہو گئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آج کل بھی یہی حالت ہے۔ اس طرح شی ری ریڈر نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ کسان پیداوار کا بڑا حصہ زمیندار کو ملتا ہے۔ نیچے کا ٹیبل اس پر روشنی ڈالتا ہے:

ضلع	کسان کا حصہ ایک ایکڑ میں (فیصدی)	زمیندار کا حصہ ایک ایکڑ میں (فیصدی)
چنگل پٹ	33	67
لنچور	16.1	83.9
پوربی گوداوری	40.1	59.9
دربھا پٹنم	44.4	55.6
آئر اڑکھا	23.1	76.9
بھروی	43.5	56.5
تھنڈی	24.3	75.7
کویسٹور	7.6	92.4
دکنی گنارا	43.5	56.5

کسان کا حصہ ایک ایکڑ میں (فیصدی)

زمین کا ہتھوڑا ٹھیک ڈھنگ سے نہ ہونے کے کارن سود کی دیر بڑھ گئی ہے، کسان چستے جا رہے ہیں اور غریب ہوتے جا رہے ہیں، مزدوری کے دام گر گئے ہیں اور دھن سونے کا درجہ کافی گر گیا ہے۔ آجکل مدراس اور دوسرے ضلعوں کی حالت بہت زیادہ خطرناک ہے۔

جو کسان رہیت واری طریقے میں آئے ہیں وہ قریب قریب 56 سے 60 فی صدی تک ہیں۔ 15 فی صدی ایسے زمیندار ہیں جو گلوں سے دور رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی زمین پر آٹھا رکھی ہے۔ 25 سے 30 فی صدی تک جو باقی

تقریباً نیچے دیئے آؤکڑوں سے ساک ساک معلوم ہو جائیگی :

تقریباً نیچے دیئے آؤکڑوں سے صاف صاف معلوم ہو جائے گی :

میلکیات کی تاداد ایکڑ میں ملکوت کی تعداد ایکڑ میں	رجسٹرڈ مالیکوں کی تاداد لاکھ میں رجسٹرڈ مالکوں کی تعداد لاکھ میں	ہر گروپ کی گینتی کا فی صدی جوڑ ہر گروپ کی گینتی کا فی صدی جوڑ	زمین کی میلکیات لاکھ ایکڑ میں	ہر گروپ کی میلکیات کا جوڑ کی سدی میں ملکوت کا جوڑ فیصدی میں	مجموعی زمین کا اوسط ایکڑ میں	سیوارہ زمین کا حصہ ایکڑ میں
1 ایکڑ سے نیچے	5.0	24.0	1.62	2.5	0.32	0.06
1—3 ایکڑ	10.0	48.0	15.1	23.3	1.5	0.0
3—9 „ „	3.8	18.3	17.2	26.5	4.5	1.4
9—12 „ „	1.1	5.3	8.1	12.5	7.4	3.0
12—18 „ „	0.6	2.9	7.6	17.7	12.7	5.6
18—50 „ „	0.22	1.1	6.2	9.6	28.2	14.6
50 سے زائد „ „	0.08	0.4	9.0	13.9	112.5	61.8

اوپر کی ڈیٹیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان چھ صوبوں میں 90.3 فیصدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس ٹھیک 52.3 فیصدی زمین ہے اور 9.7 فیصدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 47.7 فیصدی زمین ہے ۔

مدرس صوبے کا دو تہائی حصہ رعیت واری تھا اور باقی ایک تہائی زمینداروں کے پاس تھا ۔ آج کل کیا صورت ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔ رعیت واری طریقے میں سرکار اور جوانوں کے واپس کے بیچ سودا رفتہ رہتا ہے ۔ اصل میں رعیت ہی زمین کی مالک ہوتی ہے ۔ لیکن اب ایسے بہت سے رعیت ہیں جو خود جوانوں نہیں کرتے ۔ رعیت اس رجسٹرڈ زمیندار کو کہتے ہیں جس کے پاس ایک خاص زمین کا ٹکڑا ہوتا ہے اور جس پر اس کو پورا اختیار رہتا ہے ۔ ایسے رعیت سرکار کو مالگاری دیتے ہیں ۔ جن لوگوں کے پاس بڑی زمینداروں میں انہوں نے دوسرے لوگوں کے کام اپنا لئے ہیں ۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ گاؤں سے دور جا کر بس گئے ہیں ۔ عام طور پر انہیں زمین سائل لگان پر کسانوں کو دے دیئے گئے ہیں ۔ ایسے کسانوں کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں دیا جاتا ۔ ایسے کسانوں کی حالت ان کسانوں سے زیادہ خراب ہے جن کے لئے آئرلینڈ میں 1926 میں آگرہ قوانین کی ایکٹ پاس ہوا تھا ۔ انہیں تمام کاربن اور پریشانیوں کی

اوپر کی ڈیٹیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان چھ صوبوں میں 90.3 فیصدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس ٹھیک 52.3 فیصدی زمین ہے اور 9.7 فیصدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 47.7 فیصدی زمین ہے ۔

اوپر لکھے آٹکوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آٹھ سے زیادہ کھیتی کرنے والوں کے پاس دو ایکڑ سے بھی کم فائدہ پہونچانے والی زمین ہے۔ یہ زمین ان کے گزر بسر کے لئے پوری نہیں ہوتی، اس لئے بہوں مرنے تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ اگر اس بات کو اس طرح بیان کیا جائے کہ مدراس کی 82 کئی سدی خیتی کرنے والی آبادی کے پاس آٹھ سے بھی کم فائدہ پہونچانے والی زمین ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

نیچے لکھے آٹکے تاملیناڈ کانگریس سے ریسرچ محکمہ نے لکھے ہیں، اس سے یہ بات اور صاف ہو جاتی ہے:

نہجے لکھے آٹکے تامل ناد کانگریس کے ریسرچ محکمہ نے لکھے ہیں، اس سے یہ بات اور صاف ہو جاتی ہے:

مدراس صوبے میں رعیت داری زمین کا ہتوارہ مدراس صوبے میں رعیت داری زمین کا ہتوارہ

میلکییت کی تاداد ایکڑ میں ملکیت کی تعداد ایکڑ میں	رجسٹرڈ مالکوں کی تاداد लाख میں رجسٹرڈ مالکوں کی تعداد لاکھ میں	هر ग्रुप की गिनती की क्री सदी का जोड़ हर ग्रुप की कलती की فی صدی کا जोड़	खमीन की मिलकीयत की तदद लाख में زمين की ملکیت کی تعداد لاکھ میں	हर ग्रुप की मिलकीयत का जोड़ जिसको क्री सदी में बाहिर किया गया हर ग्रुप की ملکیت का जोड़ جسکو فی صدی میں ظاهر کیا گیا	ماملی خमीن کا औसत ایکڑ में معمولی زمین کا اوسط ایکڑ میں	آبادی کا خमीن کا خیتا ایکڑ میں آباشی کا زمین کا حصہ ایکڑ میں
1 ایکڑ سے نیچے	16.4	22.8	9.5	3.4	0.58	0.07
1—3 ایکڑ	39.7	55.1	104.3	37.8	2.6	0.2
3—9 ” ”	11.2	15.6	75.0	27.2	6.7	1.2
9—12 ” ”	2.7	3.8	28.3	10.2	10.7	2.8
12—18 ” ”	1.4	1.9	23.4	8.3	16.7	5.1
18—50 ” ”	0.46	0.6	16.9	6.2	42.0	16.0
50 ایکڑ سے اوپر	0.14	0.2	18.9	6.9	134.0	55.0

ان آٹکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 93.5 کئی سدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 68.4 فی صدی زمین ہے اور 6.5 فی صدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 31.6 فی صدی کھیتی کی زمین ہے۔

چھ ضلعوں میں—مالابار، تلچور، کانتور، کستنا، پوربی کوندوری اور پچیم کوندوری میں رعیت داری زمین کی

ان آٹکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 93.5 فی صدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 68.4 فی صدی زمین ہے اور 6.5 فی صدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 31.6 فی صدی کھیتی کی زمین ہے۔

چھ ضلعوں میں—مالابار، تلچور، کانتور، کستنا، پوربی کوندوری اور پچیم کوندوری میں رعیت داری زمین کی

مدراس جیلے کی آبادی سب سے جیسا ہے اور آبادی جیسا ہونے کے کارن خیتی باری کی جمنی کم پڑ جاتی ہے۔ جمنی کا بچھا اور بچاؤ حصہ ایسے لوگوں کے پاس ہے جو خیتی باری نہیں کرتے۔ اور سیکر یہی کارن ہے کی خیتی باری کرنے والے لوگ ناخوش ہیں۔

نیچے لیکھے آکڑوں سے یہ بات آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ مدراس جیلے میں آسٹ خیتی کرنے والے ایک آدمی اور ایک خاندان کی کیا حالت ہے۔ اسلی حالت تو اس سے ادھک دردناک اور بچر بچر ہے۔

مدراس جیلے کی آبادی سب سے زیادہ ہے اور آبادی زیادہ ہونے کے کارن خیتی باری کی زمین کم ہو جاتی ہے۔ زمین کا اچھا اور اچھا حصہ ایسے لوگوں کے پاس ہے جو خیتی باری نہیں کرتے۔ اور صرف یہی کارن ہے کہ خیتی باری کرنے والے لوگ ناخوش ہیں۔

جوتا دھڑا رکتا	جوتا دھڑا بےکار	کل
(اکڑ)	رکتا (اکڑ)	(اکڑ)
جوتا ہوا رکتا	جوتا ہوا بےکار	کل
(ایکو)	رکتا (ایکو)	(ایکو)

ایک کسان پر آوسط رکتا	0.86	0.59	1.45	ایک کسان پر آوسط رکتا
ایک خاندان پر آوسط رکتا	5.29	3.64	8.93	ایک خاندان پر آوسط رکتا

ایک خاندان میں پانچ جوان آدمیوں کی آوسط مانی لگی ہے۔

ایک خاندان میں پانچ جوان آدمیوں کی آوسط مانی لگی ہے۔

نیچے لیکھے آکڑوں سے سب کے رکتے کا سبھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ آکڑے ناٹب سروے ڈائریکٹر نے دیے ہیں۔ وہ سنٹرل سروے آفس مدراس کے انچارج ہیں :

نیچے لیکھے آکڑوں سے سب کے رکتے کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ آکڑے ناٹب سروے ڈائریکٹر نے دیے ہیں۔ وہ سنٹرل سروے آفس مدراس کے انچارج ہیں :

رکتا مربع میل

1. ریٹبیری/جس میں بڑے ہنامدار بھی شامل تھے	75,604.94	1. زمینداری جس میں انعامدار بھی شامل تھے
2. پورے ہنامدار	7,415.77	2. پورے انعامدار
3. کسمیاریاں	25,661.29	3. زمینداریاں
4. ریٹبیر جنگلات اور پھاڑیاں	17,146.95	4. رزرو جنگلات اور پہاڑیاں
کل	125,828.95	کل

آری ریٹبیر کا کہنا ہے کہ سب سے جمنی تین طرح سے بانٹی جا سکتی ہے—یانی اگر وہ آبادی والی ہو تو 20 ایکڑ، باری والی ہو تو 10 ایکڑ اور اگر وہ سبھی زمین ہو تو 30 ایکڑ۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایک خیتی کرنے والا خاندان مدراس میں ایسی زمین پر جو نائی کرتا ہے جس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ نیچے لیکھے آکڑے اس بارے میں آنکھیں کھول دیتے ہیں :

شری ریٹبیر کا کہنا ہے کہ سب سے جمنی تین طرح سے بانٹی جا سکتی ہے—یعنی اگر وہ آبادی والی ہو تو 20 ایکڑ، باری والی ہو تو 10 ایکڑ اور اگر وہ سبھی زمین ہو تو 30 ایکڑ۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایک خیتی کرنے والا خاندان مدراس میں ایسی زمین پر جو نائی کرتا ہے جس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ نیچے لیکھے آکڑے اس بارے میں آنکھیں کھول دیتے ہیں :

آسٹ لگتی آن خاندان کی جو ایسی زمین رکھتے ہیں :

2 ایکڑ سے بھی کم	51 فی صدی
2 سے 5 ایکڑ تک	11 فی صدی
5 سے 10 ایکڑ تک	7 فی صدی
10 ایکڑ سے زائد	11 فی صدی

2 ایکڑ سے بھی کم	51 فی صدی
2 سے 5 ایکڑ تک	31 فی صدی
5 سے 10 ایکڑ تک	7 فی صدی
10 ایکڑ سے زائد	11 فی صدی

جیسے کھیتوں کی بھی میٹھا لے دی ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گاؤں والے مل کر کام کریں۔ ہندو سرکار نے اپنی پانچ سالہ योजना میں بھی اسی بات پر کافی زور دیا ہے۔ مائیس ڈاٹ نے اس 'ساموئیک گاؤں انتظام' کی بات کو دو گھنٹوں پر سبب قرار دیا ہے۔

ایک سچے ریڈیٹر نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے: "کھیتی باری کا سوال آج جتنا ضروری ہے اتنا پہلے کبھی نہیں رہا۔ اس سوال کے مسئلہ پر ہمیشہ سولہلی ماں جیسا ہونا چاہیے تھا۔ سالہ ہی ساتھ دلچسپی بھی اس سوال پر بہت ہی کم دکھائی گئی ہے۔"

اب ہم اس بات پر وچار کریں کہ مدراس سرکار نے کس طرح رقمہ کو تقسیم کیا ہے:

تقسیم مدراس صوبہ میں 1946-47 میں
(میں تہی کستل اور موسم رپورٹ کے مطابق ہے۔)
تقسیم

ایک سچے ریڈیٹر نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے: "کھیتی باری کا سوال آج جتنا ضروری ہے اتنا پہلے کبھی نہیں رہا۔ اس سوال کے مسئلہ پر ہمیشہ سولہلی ماں جیسا ہونا چاہیے تھا۔ سالہ ہی ساتھ دلچسپی بھی اس سوال پر بہت ہی کم دکھائی گئی ہے۔"

اب ہم اس بات پر وچار کریں کہ مدراس سرکار نے کس طرح رقمہ کو تقسیم کیا ہے:

تقسیم مدراس صوبہ میں 1946-47 میں
(میں تہی کستل اور موسم رپورٹ کے مطابق ہے۔)
تقسیم

تقسیم	رقبہ ایکڑ میں	کُل رقبہ ہوائی
کُل رقبہ بڑھائی	31,035,475 (a)	جنگل
جنگل	13,496,668	پرانی
پرانی	14,054,038	وہ زمین جس پر چٹائی نہیں ہوئی اور
بہ زمین جس پر چٹائی نہیں ہوئی اور	9,498,721 (b)	ایک سال کے لئے چٹائی کی ضرورت نہیں ہے
ایک سال کے لئے چٹائی کی ضرورت نہیں ہے	9,498,721 (c)	آجکل کی ایسی زمین جس پر ایک سال
آجکل کی ایسی زمین جس پر ایک سال	79,933,806	کے لئے چٹائی کی ضرورت نہیں ہے۔
کے لئے چٹائی کی ضرورت نہیں ہے۔		کُل رقبہ

ہر ریڈیٹر کی کتاب کے انوسار مدراس میں کھیتی کرنے والوں کی آبادی تقریباً 36,142,332 ہے۔ یہ کتاب 1951 کی مردم شماری سے پہلے لکھی گئی تھی۔ اس آبادی کو نوچے کچے ضلعوں میں بانٹا گیا ہے:

ضلع کا نام خیتی کرنے والوں کی آبادی

ضلع کا نام	خیتی کرنے والوں کی آبادی
بجلاگاپٹم	3,064,163
پوربی گوداوری	1,479,069
پچیمہ گوداوری	1,137,068
کستل	1,062,807
گندور	1,818,471
کرنول	986,206
بیلاری	807,265
انجم پور	1,025,245
کدپا	8,99,260
نیلور	1,420,196
چنگل پٹ	1,483,373
دکن اراکٹ	2,425,737
چتر	1,50,5417

خیتی کرنے والوں کی آبادی

خیتی کرنے والوں کی آبادی	خیتی کرنے والوں کی آبادی
اتواراکٹ	2,172,165
سالہم	2,23,2879
کونٹپور	1,228,693
نرجلا پٹی	1,729,678
تلچور	2,119,949
مدورا	1,595,934
رامناہ	1,102,462
تین دہلی	1,362,432
ملاپار	2,486,328,
دکن کڈارا	960,713
نیلگری	36,823
صوبہ	36,142,332

مدراس میں خेتی کی समस्या

(کرنل جرنل)

مدراس سرکار نے خیتی سوار کو ڈالنے کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کیے۔ 'جنیتا کی آواز' اور 'جمنی دار سبھا کی آواز' کا بھانا لے کر سرکار نے انجمنیوں میں پریڈیٹوریلزس بریڈا نیکلواے، انجمنی یوژناٹوں کا پربار بھی کیا۔ لیکن پیکلے کڈ سالوں سے سرکار کی ان کوششوں کے جو نتیجے نیکلے ہیں وہ نراھاچلک ہی رہے ہیں۔

بڑے بڑے جمنی داروں نے کمارپا کمری کو ایک طرف اور کمنیونسٹ طریقے کا قرار دے دیا۔ اس پر سرکار نے ایک کمری ان سڈھاروں پر پور سے سوچنے وچارنے کے لیے قائم کی۔ اس سرکاری کمری نے بھی کمارپا کمری کے تمام سڈھاؤں کو رد کر دیا اور لنگن اور کمری ٹیکس کے بارے میں کچھ ہڈانٹوں دیں۔ لیکن زمسڈھاروں نے پور سرکاری کمری کی ہڈانٹوں کو نامنظر کر دیا۔ اس کے بعد مدراس سرکار نے اس بارے میں دلچسپی لہذا چھوڑ دیا۔ ایک بار سرکار نے کمری ہل کی بحث چلائی لیکن زمسڈھاروں کو یہ ہل بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی طریقے سے سالڈاری بلڈوبسٹ اچھی سہلچائی اور ٹیکسوں کی ٹھیک وصولی وغیرہ کے بھی سڈھاؤ سرکار نے دیکھنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی واپس لے لیا گیا۔ اسکے کے بعد مدراس سرکار نے دلی سرکار سے مانگ کی کہ وہ اس صوبے کی بھلائی کے لیے کچھ قاعدے قانون بنا دے۔ لیکن اُسکی یہ مانگ بھی بھار گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمسڈھار اپنی سنی مانی کرتے لگے۔

مدراس میں کھیتی کی سمسیا

(کرنل ارجن)

مدراس سرکار نے کھیتی سڈھاؤ کو ڈالنے کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کئے۔ 'جنگلی کی آواز' اور 'زمسڈھار سبھا کی آواز' کا بھانا لے کر سرکار نے انجمنیوں میں پریڈیٹوریلزس بریڈا نیکلواے، انجمنی یوژناٹوں کا پربار بھی کیا۔ لیکن پیکلے کڈ سالوں سے سرکار کی ان کوششوں کے جو نتیجے نیکلے ہیں وہ نراھاچلک ہی رہے ہیں۔

بڑے بڑے زمسڈھاروں نے کمارپا کمری کو ایک طرف اور کمنیونسٹ طریقے کا قرار دے دیا۔ اس پر سرکار نے ایک کمری ان سڈھاروں پر پور سے سوچنے وچارنے کے لیے قائم کی۔ اس سرکاری کمری نے بھی کمارپا کمری کے تمام سڈھاؤں کو رد کر دیا اور لنگن اور کمری ٹیکس کے بارے میں کچھ ہڈانٹوں دیں۔ لیکن زمسڈھاروں نے پور سرکاری کمری کی ہڈانٹوں کو نامنظر کر دیا۔ اس کے بعد مدراس سرکار نے اس بارے میں دلچسپی لہذا چھوڑ دیا۔ ایک بار سرکار نے کمری ہل کی بحث چلائی لیکن زمسڈھاروں کو یہ ہل بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی طریقے سے سالڈاری بلڈوبسٹ اچھی سہلچائی اور ٹیکسوں کی ٹھیک وصولی وغیرہ کے بھی سڈھاؤ سرکار نے دیکھنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی واپس لے لیا گیا۔ اسکے کے بعد مدراس سرکار نے دلی سرکار سے مانگ کی کہ وہ اس صوبے کی بھلائی کے لیے کچھ قاعدے قانون بنا دے۔ لیکن اُسکی یہ مانگ بھی بھار گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمسڈھار اپنی سنی مانی کرتے لگے۔

زمسڈھار جو کچھ چاہتے تھے اُسکو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے سرکار سے 'حفاظتی فوجوں' کی مانگ کی۔ ان کے کہنے کے مطابق فوجوں کو بٹلائی ہوئی جگہوں پر بھیج دیا گیا۔ زمسڈھار کو قریب قریب جب سب سووڈھانوں مل گئیں تو اُس نے قریب کسانوں اور مزدوروں پر مبنی مادی شروع کر دی۔

جمنی دار جو کچھ چاہتے تھے اُسکو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے سرکار سے 'حفاظتی فوجوں' کی مانگ کی۔ ان کے کہنے کے مطابق فوجوں کو بٹلائی ہوئی جگہوں پر بھیج دیا گیا۔ زمسڈھار کو قریب قریب جب سب سووڈھانوں مل گئیں تو اُس نے قریب کسانوں اور مزدوروں پر مبنی مادی شروع کر دی۔

ابھی حال میں 'زمسڈھار پر کمنیونسٹ وچار' (Communist Spotlight on the Land Problem) نامی پمکلیٹ نیکلا ہے۔ اس ڈوڈی سی پوسٹک کو بی۔ راماموڑی نے لیکھا ہے۔ اس میں انہوں نے کمنیونسٹ نیٹائوں کی زمسڈھار نیٹائی کی کڑی انوچھا کی ہے۔ لگے چل کر سب کو سڈھار سڈھاروں میں مانگ کی ہے۔ کہ کمنیونسٹوں کو زمسڈھار کی نیٹائی پر ایک عملی اور مضبوط قدم اٹھانا چاہیے۔ اچھے سڈھانے کو صاف کرنے کے لیے انہوں نے جی۔ سی۔ ایچ۔ کول اور سر مہلکم

میں سیاحیہ کی زمینی کار 32 لاکھ ایکڑ بڑھ گیا ہے۔ اس کی ساتھ ساتھ 160 لاکھ ایکڑ زمینی کار، جس میں پہلے سے سیاحیہ کی ہوئی تھی، خاص فائدہ پہونچا۔ بارہ کا علاقہ اس حساب سے کم کیا گیا ہے:

1949	67 لاکھ ایکڑ
1950	40 " "
1951	14 " "

میں سہولیات کی زمین کا رقبہ 32 لاکھ ایکڑ ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ 160 لاکھ ایکڑ زمین کو، جس میں پہلے سے سہولیات کی ہوئی تھی، خاص فائدہ پہونچا۔ بارہ کا علاقہ اس حساب سے کم کیا گیا ہے:

1949	67 لاکھ ایکڑ
1950	40 " "
1951	14 " "

نئے چین کی سیاحیہ योजनाؤں پر وہاں کی سرکار اور जनता دونوں کو ہی गर्व है और इससे पता चलता है कि दोनों एक दूसरे में कितने घुल मिल गये हैं.

खेती के औजारों के मामले में भी चीन का किसान आगे बढ़ रहा है और ज़ियादा अच्छे ढंग से खेती करता है. 1951 के शुरू के छै महीने में चीन में दस लाख टन से ज़ियादा खली और डेढ़ लाख टन क़रीब के बिलायसी खाद किसानों ने सहयोगी समितियों से खरीदी. सरकार की तरफ़ से 160 कारख़ाने चल रहे हैं जो बढ़िया औज़ार तैयार करते हैं.

खेती की पैदावार में मददगार चौथी सहायक और महत्व की चीज़ हैं आपसी मदद की टोलियाँ. हम यहां यह बता दें कि नये चीन में सरकार कहीं भी मुरतरका खेती के लिये दबाव नहीं डालती है. किसान को पूरी आज़ादी है कि वह अकेले खेती करे या मिल कर. आपसी मदद की आज यहां हज़ारों टोलियाँ हैं. कुछ टोलियाँ तो इतनी कामयाब हुई हैं कि पैदावार दुगुनी बढ़ गई है. 'आपसी मदद टोलियों' के अलावा मेहनत एवज़ी (Exchange Labour) टोलियाँ भी हैं. इसके अलावा ज़ियादा पैदावार करने वालों को आदर्श किसान कहा जाता है जिन्हें सरकार इनाम व बढ़ावा देती है.

नये चीन की चुनौती

चीन का ज़मीन सुधार क़ानून आज सारी दुनिया के लिये और खास कर पूरबी देशों के लिये एक चुनौती है. इस क़ानून के मादहत जोतने वाले ज़मीन के मालिक बन गए हैं और इसी कारन चीन की पैदावार बरीरा में अचरज भरी तरफ़की हुई है. इसके मुक़ाबले हमारे देश के सूबों के ज़मींदारी अन्त क़ानून हैं जिनसे न किसान सुखी हैं और न ज़मींदार और पैदावार की कमी लगभग वैसी की वैसी ही कमी हुई है.

नया चीन ललकार कर कह रहा है कि हर मुल्क अपनी क़ाबा फलट सकता है और तबाही को तरफ़की में बदल सकता है. क्या हमारे देश की सरकारें और प्लानिंग कमिशन बल्ल रहते चलेंगे, किसान के सच्चे हमदर्द बनेंगे और देश को ख़ूबने से बचावेंगे!

("बाइस टूडे" से)

—सुरेश रामभाई

नئے چین کی سہولیات کی زمینوں پر وہاں کی سرکار اور जनता دونوں کو ہی گو ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے میں کتنے گھل مل گئے ہیں .

کھیتی کے اوزاروں کے معاملے میں بھی چین کا کسان آگے بڑھ رہا ہے اور زیادہ اچھے ڈھنگ سے کھیتی کرتا ہے . 1951 کے شروع کے چھ مہینے میں چین میں دس لاکھ ٹن سے زیادہ کھلی اور ڈیڑھ لاکھ ٹن کے قریب وائٹی کھاد کسانوں نے سہولتی سمیٹوں سے خریدی. سرکار کی طرف سے 160 کارخانے چل رہے ہیں جو بڑے اوزار تیار کرتے ہیں .

کھیتی کی پیداوار میں چوتھی سہانک اور مہتمو کی چیز میں آپسی مدد کی ٹولیاں . ہم یہاں یہ بتا دیں کہ نئے چین میں سرکار کھن بھی مشرکہ کھیتی کے لئے دباؤ نہیں ڈالتی ہے . کسان کو پوری آزادی ہے کہ وہ اکیلے کھیتی کرے یا مل کر آپسی مدد کی آج یہاں ہزاروں ٹولیاں ہیں . کچھ ٹولیاں تو اتنی کامیاب ہوئی ہیں کہ پیداوار دگنی ہو گئی ہے . 'آپسی مدد ٹولیں' کے علاوہ محصلت عوفی (Exchange Labour) ٹولیاں بھی ہیں . اس کے علاوہ زیادہ پیداوار کرنے والوں کو آدرش کسان کہا جاتا ہے جنکھیں سرکار انعام و بڑھاوا دیتی ہے .

نئے چین کی چلونی

چین کا زمین سہولیات کانون آج ساری دنیا کے لئے اور خاص کر پوربی دیہوں کے لئے ایک چلونی ہے . اس کانون کے مانتھت چولنے والے زمین کے مالک بن گئے ہیں اور اسی کارن چین کی پیداوار و فہرہ میں اچرچ ہوئی ترقی ہوئی ہے . اس کے مقابلے ہمارے دیہ کے صوبوں کے زمینداری انت کانون میں جن سے نہ کسان سکوی ہیں اور نہ زمیندار اور پیداوار کی کمی لگ بھگ ویسی کی ویسی ہی بلی ہوئی ہے .

نہا چین لکار کر کہ رہا ہے کہ ہر ملک اپنی کاپا پلٹ کر سکتا ہے اور تباہی کو 'ترقی' میں بدل سکتا ہے . کیا ہمارے دیہ کی سرکاریں اور پلاننگ کمیشن وقت دیتے چھٹلکے کسان کے سچے ہمدرد بلکہ اور دیہ کو قریب سے بچا لکے ! ('چائنا ٹوڈے' سے)

—سریش رامپانی

नई सरकार ने चीन के इस रोग को पहचाना और उसकी दवा की। पहला काम उसने यह किया कि कच्चे और पम्पदार दोनों तरह के कुएं खुदवा डाले ताकि किसान अपनी काशत को सींच सके उत्तर चीन में तीन बरस में जो यह काम हुआ उसके आंकड़े यह हैं:

साल	कच्चे कुएं	पम्पदार कुएं
1949	9,0803	3,26 246
1950	9,53,955	3,95,333
1951	9,92,910	4,62,036

सिर्फ इन कुओं से ही काश्त के लायक ज़मीन 1950 में 46 लाख माछो और 1951 में 24 लाख माछो के करीब बढ़ गई, और 1950 में पैदावार 1949 के मुकाबले 2740 करोड़ केट्टी बढ़ी और 1951 में 1950 के मुकाबले 1588 करोड़ केट्टी बढ़ी.

कुछ खोदने वगैरा जैसी छोटी स्कीमों के अलावा नये चीन ने बड़ी बड़ी स्कीमों भी बनाई हैं. इनमें सब से बड़ी है हुआई नदी योजना जो आज दुनिया का सब से बड़ा अवरज समझी जाती है. नवम्बर 1950 में इस योजना का काम शुरू किया गया. जुलाई 1951 तक इस योजना में लगभग 80 लाख किसानों ने काम किया और लगभग 20 करोड़ मीटर मिट्टी खोद फेंकी, बांध बना डाले और नहरें खाल कर दीं. जुलाई 1951 तक ही इस योजना ने लगभग साढ़े पांच करोड़ किसानों को बाढ़ के डर से मुक्त कर दिया और उस साल उस इलाके की पहली बारिश फसल हुई.

हुआई योजना के अलावा नये चीन में लगभग दो सौ लाख बानी को बांधा गया है और पंद्रह लाख से ऊपर काम, तात्काल बसोटा बनस्य गय हैं. इन सब के कारन चीन

کسان کی حفاظت اور اُس کی بہتری کے لئے چھٹی کی جگہ دہلی سرکار نے طرح طرح کے قانون نافذ کر دیے . پہلی جون 1950 کو سرکار نے کھیتی سمیلندی سارے ٹیکسوں میں 25 فیصدی کمی کا اعلان کیا . کسی حلقے میں جو توسط فصل پیدا ہوتی ہے اُس سے زیادہ فصل ہو تو پڑھتی حصہ پر کوئی لگان نہیں . کسان کو لگان نقدی کی بجائے جنس کی شکل میں دینا پوتا ہے جس سے اُس کو اور بھی آسانی دیتی ہے . عام طور سے یہ لگان فصل کی 13 فی صدی ہے .

چھوٹے کے پرانے کاغذات سے پتہ چلتا ہے کہ مہسوی سن کے شروع ہونے سے اب تک وہاں کوئی سات سو بیڑی ہڑی ہارہیں اور ہزار سے اوپر اگال آچکے ہیں۔ کوئی تانگہ راج کے 25 برس میں 1937 تک پہنچ 80 مہما رہاں آئیں۔ جنگ کے دنوں میں ان کی رفتار اور بھی بڑھ گئی۔ ان سب کے کارن چھوٹے کا کسان لہدم دھا کرنا تھا اور پھٹ بھر کھانا بھی اُسے نصیب نہیں ہوتا تھا۔

نئی سرکار نے چھن کے اِس درگ کو پہچانا اور اُس کی دوا کی۔ پہلے کام اُس نے یہ کہا کہ کچھ اور ہسپتالوں دنوں طرح کے کلینکس کھدوا دالے تاکہ کسان اپنی کاشت کو سونپ سگے۔ اُنر چھن مہین مہین تین برس مہین جو یہ کام ہوا اُس کے اُنکڑے یہ مہین :

سال	کچھ کنڈیں	پمپدار کنڈیں
1949	9,0803	3,26,246
1950	9,53,955	3,95,333
1951	9,92,910	4,62,036

صرف ان گندروں سے ہی کاشت کے لائق زمین 1950
میں 46 لاکھ ساوا اور 1951 میں 24 لاکھ ساوا کے قریب
بڑھ گئی۔ اور 1950 میں پیداوار 1049 کے مقابلہ
1588 کے تھی اور 1951 میں 1950 کے مقابلہ
کدو کے تھی بھی۔

کلموں کو گھود نے وغیرہ جیسی چھوٹی اسکیموں کے علاوہ
نئے چمن نے بڑی ہی اسکیمیں بھی بنائی ہیں۔ ان
میں سب سے بڑی ہے ہوائی ندی پروجیکٹ جو آج دنیا کا
سب سے بڑا اور سستے میں جاری ہے۔ نومبر 1950 میں
اس پروجیکٹ کا کام شروع کیا گیا۔ جولائی 1951 تک اس
پروجیکٹ میں لگ بھگ تیس لاکھ کسانوں نے کام کیا اور
لگ بھگ پچیس کروڑ ستر متی گھود پہنکی، پانچ
ہزار کالے اور لہریں چالو کر دیں۔ جولائی 1951 تک
ہی اس پروجیکٹ نے لگ بھگ ساڑھے پانچ کروڑ کسانوں کو
پارہ کے قدر سے محنت کر دیا اور اس سال اس علاقے کی پہلی
زراعت فصل ہوئی۔

ہوائی یوجنا کے علاقہ نئے چوہن میں لگ ہوگ دو سو چھ پتی کو باندھا گیا ہے اور پندرہ لاکھ سے اربڑ قائم

جس کے اندر نئے قانون کی ہر دفعہ تفصیل سے سمجھائی جاتی تھی، جو وہ سوال پوچھتے انہیں حل کیا جاتا اور ہر طرح کے شک دور کئے جاتے تھے۔ یہ گاؤں والے ٹریڈنگ کے بعد اپنے گاؤں میں جا کر نئے قانون کے سب سے بڑے ہر چارک اور پھوڑا کا کام کرتے۔

زمین سہارا قانون کی پہلا مدد میں 'کسان سہا' کا سنگتوں ہے، جس کے بارے میں قاعدے قانون 14 جولائی سن 1950 کو پاس ہوئے۔ یہ کسان سہارا قانون کی پہلی چھڑی ہے جس میں وہ ایڈی مرضی سے شامل ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد ہے کہ ہر مزدوروں 'غریب کسانوں' بچنے کے کسانوں اور دیہات کی سہی سامت درودھی طاقتوروں کو جمع کر کے ایک کرنا ناکہ کسانوں کے مت سرکشت رہیں اور نہ قانون خوبی کے ساتھ عمل میں لیا جائے۔ ان سہارا کا دوسرا کام ہے دیہاتی سہارا سہارا کا سنگتوں کرنا ناکہ کہتی اور دوسرے ادھوک دہندے پلمپ مکوں اور ترقی پائوں اور دوسرا کام ہے کسانوں کے راج کچی حقوں کی حفاظت کرنا، ان کا راج کچی اور ملکوری استر اور اٹھانا اور لوٹ شاہی راج کے قائم کرنے میں مدد دینا۔ یہ کسان سہارا ہی وہ قانونی سادھن ہیں جنہوں نے نہ زمین سہارا قانون لگو لیا۔

کسان سہارا کی سب سے پہلی کی کڑی ہے ہسنگ (گاؤں) کسان سہارا۔ اس کے اوپر جو کسان سہارا جس طرح ہمارے یہاں گاؤں کے اوپر ملتا ہوتا ہے۔ جو کے بعد کارنتی یا تحصیل سہارا آتی ہے، پھر ضلع اور پرائنٹ کسان سہارا۔

زمین سہارا کے دوران میں ہر تھسیل میں ایک جملہ تریبونل ہوتا تھا کرنا تھا جس کا کام یہ دیکھنا تھا کہ قانون ٹھوک طرح سے لگو کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ یہ تریبونل جگہ جگہ کوہم کر سب باتیں دیکھتا اور قانون کی پابندی کرنا اور جو بھی خلاف جاتے انہیں سزا دیتا۔ لیکن کئی باتوں کی مفادی تھی—جسے چاہے پکڑ لے، لوگوں کے بدن پر چوٹ کرنا یا قتل وغیرہ۔ خاص بات یہ ہے کہ ہر کسان کو اور اس نے پرتی ندی کو ادھکار ہے کہ جلسوں میں کسی بھی بڑے سے بڑے ہندو دار کی بھجنا حرکت پر اعتراض کر سکتا ہے اور اس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔

کھیتی کے دوسرے سہارے

جیسا ہم نے اوپر کہا ہے زمین سہارا قانون نے چون کی انچ کی پھول اور تمام ادھوک دہندوں کی نکلی کر پھر ترقی دی ہے۔ پر اس کے علاوہ چار چیزیں ہیں جنہوں نے کالی مدد پہنچائی ہے—(i) لکان میں کمی اور سرکاری مدد (ii) ہائی بانڈھنے کی چھوٹی بڑی یوٹیلٹیز، (iii) کھیتی کے نئے اوزار اور (iv) آبی مدد کی ٹولیاں۔

کھیتی کے دوسرے سہارے

جیسا ہم نے اوپر کہا ہے زمین سہارا قانون نے چون کی انچ کی پھول اور تمام ادھوک دہندوں کی نکلی کر پھر ترقی دی ہے۔ پر اس کے علاوہ چار چیزیں ہیں جنہوں نے کالی مدد پہنچائی ہے—(i) لکان میں کمی اور سرکاری مدد (ii) ہائی بانڈھنے کی چھوٹی بڑی یوٹیلٹیز، (iii) کھیتی کے نئے اوزار اور (iv) آبی مدد کی ٹولیاں۔

آمناء ن منگا کر اسی طرح دھندوں کو بڑانے والی دوسری دوسری چیزیں منگاتے ہیں۔ 73 برس کے بعد آنتر کومی ہونے پر پہلی بار بھرت 1951 میں ہوا۔

خزید شکتی کی سورت یہ ہے کہ اگر پورب چھن میں چار صدیوں میں دس آدمی 1949 میں جہاں 36 گز کپڑا خرید سکتے تھے، 1951 میں وہ 80 گز خرید سکتے تھے۔ سن 1950 میں لوگوں کی آہام خرید شکتی 1949 کے مقابلے 68 فی صدی زیادہ تھی اور 1951 میں 1950 سے 53.5 فی صدی یعنی 1949 کی تعدادی گئی۔ ایک گاؤں کا سروے کرنے پر دیکھا گیا کہ 1948 میں وہاں کے لوگوں کی خرید شکتی 100 مان لیں تو 1949 میں 136 تھی اور 1950 میں 263۔

زمین سوار قانون کی سب سے خاص دین ہے چین کی جنیتا میں جاگرتی اور سچھی لکشاہی کی نیب۔ پہلے تو زمیندار لوگ زمین کے مالک ہونے کے کارن کسان کو سواتے اور چوستے تھے۔ اسلئے جنیتا کی آہساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون کس کرتا ہے اور 'کوڈ ہر راجا ہمیں کا لامہ' والی بات تھی۔ لکین آہ سورت اکدم بدل گئی ہے اور جنیتا یہ مہسوس کرتی ہے کہ دیش ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ چین کی جنیتا میں آج جان ہے، سنگتون ہے، آہ اہیمان ہے اور ساری دنیا کی جلتا کو اپنا بہائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

زمین سوار کسے؟

سوال اٹھتا ہے آخر چین کے نہتاؤں نے یہ سب کسے کر لیا؟ یہ جادو کا سا آثر کہوں کر پیدا کیا؟ اس کی تفصیل میں نہ جا کر ہم صرف اتنا کہیں گے کہ اس کی بنیاد میں وہ لہن اصول ہیں جن پر ماؤتسے تلک اور چین کے سبھی نہتاؤں نے سفتگی کے ساتھ عمل کیا۔ اہمانداری، سادگی اور جلتا کی سہوا۔ آج چین کے اندر وہاں کے واشگر پتی ماؤتسے تلک اور معمری کسان کے اہچ آسانی سے فرق نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں کا لباس ایک ہے، دونوں کا دھن سہن بھی کافی ملتا جلتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آج چین کے اندر بے ایمانی، دغا اور رشوت کی گفجالتیں نہیں ہیں۔ چور بازاری کرنے والے، دھوکا دینے والے، گھوس لہنے والے یا بد چلتی کرنے والے السر کا وہاں تھکتہ نہیں ہے۔ نہتاؤں کی اس لکین کے کارن ہی جلتا کو ان کی نیکی پر وشواہش ہوا اور ان کے کہنے پر اس نے عمل کیا۔

زمین سوار قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پہلے تو لوگوں کو سمجھایا جاتا تھا، اس قانون کی ضرورت اور اس کی اہمیت بتائی جاتی تھی۔ کسانوں کی نیکی کے لئے ہر چار چار ہفتے کے کیمپ ہوتے

انچ نہ ملتا کر اہیوگ دھندوں کو بڑانے والی دوسری ضروری چیزیں منگاتے ہیں۔ اور 73 برس کے بعد آنتر کومی ہونے پر پہلی بار بھرت 1951 میں ہوا۔

خرید شکتی کی سورت یہ ہے کہ اگر پورب چھن میں چار صدیوں میں دس آدمی 1949 میں جہاں 36 گز کپڑا خرید سکتے تھے، 1951 میں وہ 80 گز خرید سکتے تھے۔ سن 1950 میں لوگوں کی عام خرید شکتی 1949 کے مقابلے 68 فی صدی زیادہ تھی اور 1951 میں 1950 سے 53.5 فی صدی یعنی 1949 کی تعدادی گئی۔ ایک گاؤں کا سروے کرنے پر دیکھا گیا کہ 1948 میں وہاں کے لوگوں کی خرید شکتی 100 مان لیں تو 1949 میں 136 تھی اور 1950 میں 263۔

زمین سوار قانون کی سب سے خاص دین ہے چین کی جنیتا میں جاگرتی اور سچھی لکشاہی کی نیب۔ پہلے تو زمیندار لوگ زمین کے مالک ہونے کے کارن کسان کو سواتے اور چوستے تھے۔ اس لئے جلتا کو آہساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون کس کرتا ہے اور 'کوڈ ہر راجا ہمیں کا لامہ' والی بات تھی۔ لکین اب سورت ایک دم بدل گئی ہے اور جلتا یہ مہسوس کرتی ہے کہ دیش ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ چین کی جلتا میں آج جان ہے، سنگتون ہے، آہ اہیمان ہے اور ساری دنیا کی جلتا کو اپنا بہائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

زمین سوار کسے؟

سوال اٹھتا ہے آخر چین کے نہتاؤں نے یہ سب کسے کر لیا؟ یہ جادو کا سا آثر کہوں کر پیدا کیا؟ اس کی تفصیل میں نہ جا کر ہم صرف اتنا کہیں گے کہ اس کی بنیاد میں وہ لہن اصول ہیں جن پر ماؤتسے تلک اور چین کے سبھی نہتاؤں نے سفتگی کے ساتھ عمل کیا۔ اہمانداری، سادگی اور جلتا کی سہوا۔ آج چین کے اندر وہاں کے واشگر پتی ماؤتسے تلک اور معمری کسان کے اہچ آسانی سے فرق نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں کا لباس ایک ہے، دونوں کا دھن سہن بھی کافی ملتا جلتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آج چین کے اندر بے ایمانی، دغا اور رشوت کی گفجالتیں نہیں ہیں۔ چور بازاری کرنے والے، دھوکا دینے والے، گھوس لہنے والے یا بد چلتی کرنے والے السر کا وہاں تھکتہ نہیں ہے۔ نہتاؤں کی اس لکین کے کارن ہی جلتا کو ان کی نیکی پر وشواہش ہوا اور ان کے کہنے پر اس نے عمل کیا۔

زمین سوار قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پہلے تو لوگوں کو سمجھایا جاتا تھا، اس قانون کی ضرورت اور اس کی اہمیت بتائی جاتی تھی۔ کسانوں کی نیکی کے لئے ہر چار چار ہفتے کے کیمپ ہوتے

اوپر کے آئیکوں سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ نئے زمین سداوار قانون نے چین کی حالت کو بے پناہ طور سے بہتر بنا دیا ہے اور لوگوں میں نئی جان پائی ہے۔ زمین کا مالک بننے کے بعد چین کا کسان کھیتی ہر مزدور سمیت آئندہ سے ہر اور میں لگا کر کام کرتے ہیں۔ اس کے لازمی نتیجہ چین کی کھیتی کی پیداوار پر ہونا تھا اور جو ہوا۔ 1948-49 میں چانگ کاٹی شیک کا چین جو ویدھوں سے اناج کی بھوک مانگتا تھا 1952 میں مارٹسے تلک کے اسی چین نے ہندوستان و دوسرے دیہوں کو اناج امداد کے طور پر بھیجا۔

زمین سداوار قانون کا اثر چین کے کھیتی پر کیا ہوا ہے اس کے آئیکوں ہم نیچے دیتے ہیں۔ 1936 میں چین میں سب سے بہترین پیداوار ہوئی تھی پھر اس کے بعد جاپان کے حملے، اسی لوانی اور جنگ ویاہی جنگ کے آجائے سے وہاں پیداوار نہیں مل سکی۔ سن 1936 کے آئیکوں کو 100 مان کر ہم سن 1950 اور 1951 کے آئیکوں دے رہے ہیں۔

اناج	1936	1950	1951
1. چاول	100	87.0	92.8
2. گہوں	100	96.5	99.4
3. سویا بھن	100	80.4	88.5
4. کپاس	100	83.7	133.0
5. لنبھاکو	100	24.1	130.5
6. دھنپ	100	114.7	227.1

سن 1950 میں اناج کی کل پیداوار 1250 لاکھ ٹن تھی جو 1949 کی پیداوار سے 122 لاکھ ٹن زیادہ تھی۔ جیسا ہم نے اوپر کہا اب چین اناج کے لئے دوسروں کا محتاج نہیں رہا۔ 1948-49 میں وہ جہاں 20 لاکھ ٹن اناج باہر سے ملاتا تھا وہاں 1951 میں اس نے 5 لاکھ ٹن سے زیادہ اناج ہندوستان کو ہی بھیجا۔ اور 1952 میں چین کی پیداوار اتنی زیادہ ہوئی کہ چین کی 47 کروڑ آبادی کے لئے اگلی فصل تک کے واسطے غلہ رکھنے کے بعد اگلا غلہ بچ رہا جس سے دس کروڑ آدمی ایک سال تک اپنا کام اچھی طرح چل سکتے تھے۔

پیداوار میں اس اضافے کے کارن چین کو تین خاص فائدے اور بھی ہوئے—(i) انٹر قومی بیوپار میں ترقی، (ii) لوگوں کی خرید شکتی کا اوپر اٹھنا اور (iii) عام چلتا میں جا کر۔

1949 میں چین کا انٹر قومی بیوپار کا سودا تھا۔ اس کی خاص وجہ تھی اناج کی خریداری—جسے ہمارے ہندوستان میں بھی آج ہو رہا ہے۔ اب چین والے

سن 1250 میں اناج کی کل پیداوار 1250 لاکھ ٹن تھی جو 1949 کی پیداوار سے 122 لاکھ ٹن زیادہ تھی۔ جیسا ہم نے اوپر کہا اب چین اناج کے لئے دوسروں کا محتاج نہیں رہا۔ 1948-49 میں وہ جہاں 20 لاکھ ٹن اناج باہر سے ملاتا تھا وہاں 1951 میں اس نے 5 لاکھ ٹن سے زیادہ اناج ہندوستان کو ہی بھیجا۔ اور 1952 میں چین کی پیداوار اتنی زیادہ ہوئی کہ چین کی 47 کروڑ آبادی کے لئے اگلی فصل تک کے واسطے غلہ رکھنے کے بعد اگلا غلہ بچ رہا جس سے دس کروڑ آدمی ایک سال تک اپنا کام اچھی طرح چل سکتے تھے۔

پیداوار میں اس اضافے کے کارن چین کو تین خاص فائدے اور بھی ہوئے—(i) انٹر قومی بیوپار میں ترقی، (ii) لوگوں کی خرید شکتی کا اوپر اٹھنا اور (iii) عام چلتا میں جا کر۔

اناج	1936	1950	1951
1. چاول	100	87.0	92.8
2. گہوں	100	96.5	99.4
3. سویا بھن	100	80.4	88.5
4. کپاس	100	83.7	133.0
5. لنبھاکو	100	24.1	130.5
6. دھنپ	100	114.7	227.1

1949 میں چین کا انٹر قومی بیوپار کھانے کا سودا تھا۔ اس کی خاص وجہ تھی اناج کی خریداری—جسے ہمارے ہندوستان میں بھی آج ہو رہا ہے۔ اب چین والے

پیداوار میں اس اضافے کے کارن چین کو تین خاص فائدے اور بھی ہوئے—(i) انٹر قومی بیوپار میں ترقی، (ii) لوگوں کی خرید شکتی کا اوپر اٹھنا اور (iii) عام چلتا میں جا کر۔

1949 میں چین کا انٹر قومی بیوپار کھانے کا سودا تھا۔ اس کی خاص وجہ تھی اناج کی خریداری—جسے ہمارے ہندوستان میں بھی آج ہو رہا ہے۔ اب چین والے

سوال ہی نہیں تھا۔ زمینداروں اور مالدار کسانوں سے لی ہوئی زمین انہیں کو پاس دی گئی ہے۔ زمینداروں اور مالدار کسانوں کے علاوہ پورے ممالک میں، گرجوں، مٹوں، سکولوں اور دوسری جن سہولتوں اور انہیں دی گئی ہیں۔ زمینداروں کی زمینوں کی قیمت کر کے ان آدمیوں میں بانٹ دی گئی ہے۔

سوال ہی نہیں تھا۔ زمینداروں اور مالدار کسانوں سے لی ہوئی زمین انہیں کو پاس دی گئی ہے۔ زمینداروں اور مالدار کسانوں کے علاوہ پورے ممالک میں، گرجوں، مٹوں، سکولوں اور دوسری جن سہولتوں اور انہیں دی گئی ہیں۔ زمینداروں کی زمینوں کی قیمت کر کے ان آدمیوں میں بانٹ دی گئی ہے۔

زمین سہولت قانون سے چین کی حالت میں کیا کرکے پڑا ہے اس کا اندازہ سمجھنے کے لئے ہم چین کے سن کھانگ پرائس کے ایک گاؤں پنگ کوئی کو لیتے ہیں۔

زمین سہولت قانون سے چین کی حالت میں کیا کرکے پڑا ہے اس کا اندازہ سمجھنے کے لئے ہم چین کے سن کھانگ پرائس کے ایک گاؤں پنگ کوئی کو لیتے ہیں۔

نیچے کے آंकڑوں میں دیکھا گیا ہے کہ زمین سہولت قانون کے پہلے وہاں کھیتی ہو مزدوروں، غریب کسانوں، درمیانی کسانوں، مالدار کسانوں اور زمینداروں کی تعداد و حالت کھسے تھی اور اس قانون کے بعد کیا حالت ہوئی۔

قانون کے پہلے

قانون کے بعد

گینتی کٹی	نام	آبادی	زمین	घर	घोड़े	गाड़ी
1	खेतिहर मजदूर	283
2	गरीब किसान	117	0.4	14	10	2
3	दरम्यानी किसान	82	45.3	20	29	4
4	मालदार किसान	131	315.7	92	55	3
5	जमींदार	63	208.4	102	44	4

قانون کے بعد

गिनती कटी	नाम	आबादी	जमीन	घर	घोड़े	गाड़ी
1	खेतीहर मजदूर	285	189.26	95	47	13
2	गरीब किसान	166	110.22	52	21	3
3	दरम्यानी किसान	93	62.93	36	17	5
4	मालदार किसान	146	96.94	32	16	...
5	जमींदार	82	51.45	13	5	...

इस क़ानून का बुनियादी उद्देश्य है कि ज़मींदार की मिल्कियत की पुरानी प्रथा के बजाय ज़मीन पर खेती करने वाले किसान की मिल्कियत को प्रथा क़ायम हो ताकि देश की पैदावार बढ़ सके और उसका अच्छी तरह बिकास हो। जैसा हम ऊपर कह चुके हैं चोटी के और नीचे वाले दुर्जे—ज़मींदार और खेतिहर मज़दूर—नाम के लिये भी नहीं रहने दिए गए। लेकिन किस तरह—ज़मींदार के पास जो ज़मीन, खेती वाले जानवर या औज़ार, बेशी राहला और देहात के अन्दर जो बेशी मकान होंगे वह ज़ब्त कर लिये जायेंगे। लेकिन उसकी दूसरी जायदाद—जैसे कारख़ाने या तिजाराती सामान और वह ज़मीन व दूसरी जायदादें जो ज़मींदार लोग बराहरेस्त कारख़ानों या व्यापार के काम में इस्तेमाल करते हैं—ज़ब्त नहीं की जायगी। लेकिन इनक़लाबी क़ौज के आदमी, शहीदों के बाल बच्चे या उनके सहारे परवरिश पाने वाले कारीगर लोग, काम करने वाले मज़दूर, पढ़ाने वाले मास्टर, खोन्चा बेचने वाले और दूसरे लोग जिनके पास कुछ थोड़ी सी ज़मीन है वह उसे लगान पर उठा देते हैं क्योंकि खुद नहीं जोत सकते हैं। उन्हें ज़मींदारों में नहीं शुमार किया जायगा और उनकी ज़मीनों को हाथ भी नहीं लगाया जायगा बशर्ते कि यह ज़मीनें हर आदमी को मिलने वाली ज़मीनों से दुगुनी हों। लेकिन अगर दुगुने से ज़ियादा होंगी तब उसे ज़ब्त कर लिया जायगा। अगर इन ज़मीनों के मालिक बूढ़े हैं, यतीम हैं, लाचार बिधवा या ज़मीन ही उनका एक सहारा है तो दुगुना होने पर भी उनके साथ रियायत बरती जायगी।

मालदार किसान की ज़मीन आम तौर पर ज़ब्त नहीं की गई क्योंकि वह कारख़ाने वाले की तरह पैदावार में खुद हिस्सा लेता है। उनके पास जो ज़मीन है जिसे वह खुद जोतते या मज़दूरों से जुतवाते हैं वह ज़ब्त नहीं का गई। उनको ऐसी ज़मीन का कुछ हिस्सा लगान पर उठा देने का भी इत्तयार दिया गया है। लेकिन अगर लगान पर बी गई ज़मीन का रकबा उस ज़मीन से ज़ियादा हो जो वह मालदार किसान खुद जोतता या मज़दूरों से जुतवाता है तो लगान ज़मीन ज़ब्त कर ली गई।

दरम्यानी किसान की ज़मीन पर हाथ भी नहीं लगाया गया। यही नहीं अगर किसी दरम्यानी किसान के पास औसत से कम ज़मीन है तो उसे और ज़मीन सरकार ने दे दी। पर अगर उसके पास ज़मीन औसत से ज़ियादा थी तब उसे नहीं छुड़ा गया। इस वज़ह से दरम्यानी किसानों ने जो कुल खेती आबादी का लगभग एक तिहाई हैं, नये चीन के ज़मीन सुधार क़ानून का पूरी तरह समर्थन किया।

गरीब किसान और खेतिहर मज़दूर से कुछ लेने का

इस क़ानून का बाह्य उद्देश्य है कि ज़मींदार की मिल्कियत की पुरानी प्रथा के बजाय ज़मीन पर खेती करने वाले किसान की मिल्कियत को प्रथा क़ायम हो ताकि देश की पैदावार बढ़ सके और उसका अच्छी तरह बिकास हो। जैसा हम ऊपर कह चुके हैं चोटी के और नीचे वाले दुर्जे—ज़मींदार और खेतिहर मज़दूर—नाम के लिये भी नहीं रहने दिए गए। लेकिन किस तरह—ज़मींदार के पास जो ज़मीन, खेती वाले जानवर या औज़ार, बेशी राहला और देहात के अन्दर जो बेशी मकान होंगे वह ज़ब्त कर लिये जायेंगे। लेकिन उसकी दूसरी जायदाद—जैसे कारख़ाने या तिजाराती सामान और वह ज़मीन व दूसरी जायदादें जो ज़मींदार लोग बराहरेस्त कारख़ानों या व्यापार के काम में इस्तेमाल करते हैं—ज़ब्त नहीं की जायगी। लेकिन इनक़लाबी क़ौज के आदमी, शहीदों के बाल बच्चे या उनके सहारे परवरिश पाने वाले कारीगर लोग, काम करने वाले मज़दूर, पढ़ाने वाले मास्टर, खोन्चा बेचने वाले और दूसरे लोग जिनके पास कुछ थोड़ी सी ज़मीन है वह उसे लगान पर उठा देते हैं क्योंकि खुद नहीं जोत सकते हैं। उन्हें ज़मींदारों में नहीं शुमार किया जायगा और उनकी ज़मीनों को हाथ भी नहीं लगाया जायगा बशर्ते कि यह ज़मीनें हर आदमी को मिलने वाली ज़मीनों से दुगुनी हों। लेकिन अगर दुगुने से ज़ियादा होंगी तब उसे ज़ब्त कर लिया जायगा। अगर इन ज़मीनों के मालिक बूढ़े हैं, यतीम हैं, लाचार बिधवा या ज़मीन ही उनका एक सहारा है तो दुगुना होने पर भी उनके साथ रियायत बरती जायगी।

मालदार किसान की ज़मीन आम तौर पर ज़ब्त नहीं की गई क्योंकि वह कारख़ाने वाले की तरह पैदावार में खुद हिस्सा लेता है। उनके पास जो ज़मीन है जिसे वह खुद जोतते या मज़दूरों से जुतवाते हैं वह ज़ब्त नहीं का गई। उनको ऐसी ज़मीन का कुछ हिस्सा लगान पर उठा देने का भी इत्तयार दिया गया है। लेकिन अगर लगान पर बी गई ज़मीन का रकबा उस ज़मीन से ज़ियादा हो जो वह मालदार किसान खुद जोतता या मज़दूरों से जुतवाता है तो लगान ज़मीन ज़ब्त कर ली गई।

दरम्यानी किसान की ज़मीन पर हाथ भी नहीं लगाया गया। यही नहीं अगर किसी दरम्यानी किसान के पास औसत से कम ज़मीन है तो उसे और ज़मीन सरकार ने दे दी। पर अगर उसके पास ज़मीन औसत से ज़ियादा थी तब उसे नहीं छुड़ा गया। इस वज़ह से दरम्यानी किसानों ने जो कुल खेती आबादी का लगभग एक तिहाई हैं, नये चीन के ज़मीन सुधार क़ानून का पूरी तरह समर्थन किया।

गरीब किसान और खेतिहर मज़दूर से कुछ लेने का

روپی کے لیے دوسروں کے شوقن پر निर्भर है. जमींदार यह शोषण कई तरह के करता है—लगान वसूल करना, सूद पर रुपया देना, मजदूरों से बेगार लेना. पर शोषण का आम रूप लगान वसूली होता है.

मालदार किसान वह आदमी है जिसके पास अपनी ज़मीन है, लगान की है या दोनों है और साथ ही साथ उसके पास कुछ पंजी है और पैदावार के दूसरे बेहतरीन साधन भी हैं, और वह थोड़ी बहुत मेहनत खुद भी करता है. लेकिन आम तौर से वह शोषण पर निर्भर है. जिसके लिये वह या तो मजदूरों से बेगार लेता है या ज़मीन का लगान वसूल करता है या सूद पर रुपया देता है. ज़मींदार और मालदार किसान में बुनियादी फर्क यह है कि मालदार किसान थोड़ी बहुत मेहनत खुद भी करता है लेकिन ज़मींदार बिल्कुल नहीं करता.

दरम्यानी किसान वह आदमी है जो जिस ज़मीन को जोतता है उसका कुल या थोड़ा सा हिस्सा उसका अपना है और बाक़ी का लगान देता है, या बिल्कुल बेज़मीन वाला है और कुल ज़मीन का लगान देता है. उसके पास खेती के कुछ औज़ार होते हैं जिनके जरिये वह पूरे तौर पर या ज़ियादातर अपनी मेहनत पर निर्भर करता है और दूसरों का शोषण नहीं करता. बल्कि लगान या सूद की शकल में दूसरे ही उसका शोषण कर लेते हैं. लेकिन कभी कभी वह अपनी उस आमदनी से जो उसकी रोज़ी का मुस्तक़िल और खास साधन नहीं है दूसरों का कुछ हद तक शोषण कर भी लेता है.

गरीब किसान वह आदमी है जो जिस ज़मीन को जोतता है उसमें से बहुत थोड़ी सी उसकी है या बिल्कुल नहीं है. उसके पास खेती के अधूरे औज़ार होते हैं और लगान पर ज़मीन लेता है, और दूसरे लोग उसका शोषण लगान, सूद या बेगार की शकल में करते हैं. दरम्यानी किसान और गरीब किसान में फर्क यह है कि दरम्यानी किसान आम तौर पर अपनी मेहनत नहीं बेचता लेकिन गरीब किसान को समय समय पर अपनी मेहनत बेचना पड़ती है.

खेतिहर मजदूर वह आदमी है जिसके पास न औज़ार हैं न ज़मीन. है भी तो बहुत ही कम. वह रोज़ी के लिये अपनी कुल की कुल या ज़ियादातर मेहनत बेचने पर मजबूर है.

अब हम यह देखेंगे कि ज़मीन सुधार क़ानून के मातहत इन पांचों के साथ कैसा व्यवहार किया गया.

रोपी के لئے دوسروں کے شوقن پر निर्भर ہے. زمیندار یہ شوقن کئی طرح سے کرتا ہے—لگان وصول کرنا، سود پر روپیہ دینا، مزدوروں سے بھکار لینا. پر شوقن کا عام روپ لگان وصولی ہی ہوتا ہے.

مالدار کسان وہ آدمی ہے جس کے پاس اپنی زمین ہے، لگان کی ہے یا دونوں ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پاس کچھ پونجی ہے اور پیداوار کے دوسرے بہترین سامان بھی ہیں اور وہ تھوڑی بہت محنت خود بھی کرتا ہے. لیکن عام طور سے وہ شوقن پر निर्भर ہے. جس کے لئے وہ یا تو مزدوروں سے بھکار لیتا ہے یا زمین کا لگان وصول کرتا ہے یا سود پر روپیہ دیتا ہے. زمیندار اور مالدار کسان میں بنیادی فرق یہ ہے، کہ مالدار کسان تھوڑی بہت محنت خود بھی کرتا ہے لیکن زمیندار بالکل نہیں کرتا.

درمیانہ کسان وہ آدمی ہے جو جس زمین کو جوتتا ہے اس کا کل یا تھوڑا سا حصہ اس کا اپنا ہے اور باقی کا لگان دیتا ہے، یا بالکل بے زمین والا ہے اور کل زمین کا لگان دیتا ہے. اس کے پاس کھیتی کے کچھ اوزار ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہ پورے طور پر یا زیادہ تر اپنی محنت پر निर्भर کرتا ہے اور دوسروں کا شوقن نہیں کرتا. بلکہ لگان یا سود کی شکل میں دوسرے ہی اس کا شوقن کر لیتے ہیں. لیکن کبھی کبھی وہ اپنی اس آمدنی سے جو اس کی روزی کا مستقل اور خاص سامان نہیں ہے دوسروں کا کچھ حد تک شوقن کر بھی لیتا ہے.

غریب کسان وہ آدمی ہے جو جس زمین کو جوتتا ہے اس میں سے بہت تھوڑی سی اس کی ہے یا بالکل نہیں ہے. اس کے پاس کھیتی کے ادھورے اوزار ہوتے ہیں اور لگان پر زمین لیتا ہے، اور دوسرے لوگ اس کا شوقن لگان، سود یا بھکار کی شکل میں کرتے ہیں. درمیانہ کسان اور غریب کسان میں فرق یہ ہے کہ درمیانہ کسان عام طور پر اپنی محنت نہیں بیچتا لیکن غریب کسان کو سب سے پہلی محنت بیچنا پڑتی ہے.

کھیتی ہر مزدور وہ آدمی ہے جس کے پاس نہ اوزار ہے نہ زمین. ہے ہی تو بہت ہی کم. وہ روزی کے لئے اپنی کل کی کل یا زیادہ تر محنت بیچنے پر مجبور ہے.

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ زمین سدھار قانون کے ماتحت ان پانچوں کے ساتھ کھسا دیوار کیا.

دکھین پچھمی حصے میں ہے اور جہاں چانگ کالی شہک کا دخل نہیں چلتا تھا۔ اس وچار کو عملی جامہ پہناکر تھری نہیٹ کامیابی اور سولہ آلے آتم و شواس حاصل کر لیا۔ پہلی اکتوبر 1949 کو جب سارے چین کی باگدور اُن کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے پہلا کام زمین سُدھار کا ہی کیا۔ چین کے नेता کھتے ہیں کہ ہمارا زمین سُدھار قانون میں ہمارے انقلاب کی بلحاظی اہلیت ہے اور اسی سُدھار کی بدولت ہم اپنے دیس کا کچھ بہلا کر سکتے ہیں۔ مہندستان کے جو بھائی اور بہن پچھلے قیوم برس میں چین گئے ہیں انہوں نے بھی اس سچائی کو قبول کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ چین کی کاپا پلٹنے میں زمین سُدھار قانون کا بہت ہی بڑا ہاتھ ہے۔ اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ دیکھیں گے کہ چین کا زمین سُدھار قانون کیا ہے اور اس نے کس طرح چین کے غریب سے غریب آدمی کے اندر نئی جان پونک دی۔

پرانے چین میں—چانگ کالی شہک والے چین میں—خیتی پر چیندا رہنے والے لوگوں کی آبادی 41 کروڑ تھی اور خیتی کی جانے والی جَمِین کا رقبہ 140 کروڑ مو (جی مو = ایک ایکڑ) تھا۔ اس آبادی میں لگبھگ پانچ فیصدی لوگ زمیندار تھے اور پانچ فیصدی مالدار کسان تھے۔ اس دس فیصدی آبادی کے پاس چین کی 70 فیصدی خیتی والی جَمِین تھی۔ باقی 10 فیصدی آبادی کے پاس—جس میں بیچ کے کسان اور غریب کسان اور خیتھر مچدور شامل ہیں—باقی 30 فیصدی آبادی والی زمین تھی۔ اس 90 فی صدی آبادی کا لگبھگ دو تہائی حصہ ایسے پرانوں کا تھا جو نہایت غریب اور بے زمین والے تھے اور دوسروں کے کھیتوں میں جا کر کام کرتے تھے۔ ان مزدوروں کو اپنی معیشت سے پیدا کی ہوئی فصل کا آدھا یعنی پچاس فیصدی حصہ لکان کے روپ میں دے دینا پڑتا تھا اور کبھی کبھی پورا 100 فیصدی۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی حالت میں دیس میں ضرورت کے لائق نہ تو کافی اناج پیدا ہوتا تھا اور آئے دن جگہ جگہ اگل اور بھکری کا زور دھتا تھا۔

چین نے جَمِینِ سُوخار کے سلسلے میں پوری خیتھر آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا: (1) جَمِیندار (2) مالدار کسان (3) درمیانی کسان (4) غریب کسان (5) بے جَمِین والا مچدور۔ ان پانچوں کا مطلب نیچے دیا جا رہا ہے:—

جَمِیندار وہ آدمی ہے جو جَمِین کا مالک ہے لیکن خود کوئی معیشت نہیں کرتا اور جو اپنی

زمیندار وہ آدمی ہے جو زمین کا مالک ہے لیکن خود کوئی معیشت نہیں کرتا اور جو اپنی

چین نے زمین سُدھار سلسلے میں پوری کھیتی ہر آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا: (1) زمیندار (2) مالدار کسان (3) درمیانی کسان (4) غریب کسان (5) بے زمین والا مچدور۔ ان پانچوں کا مطلب نیچے دیا جا رہا ہے:—

زمیندار وہ آدمی ہے جو زمین کا مالک ہے لیکن خود کوئی معیشت نہیں کرتا اور جو اپنی

چین میں زمینیں سدھار

چین ہمارا پڑوسی ملک ہے اور اس سے ہمارا ناتا आज کا نہیں ہزاروں برس پرانا ہے۔ بہت سی باتوں میں ہندوستان اور چین کافی ملتے ہیں—(1) ان دونوں ملکوں کی آبادی دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک سے زیادہ ہے۔ (2) دونوں ملکوں کی سبھت بہت ہی پرانی ہے۔ (3) دونوں ملکوں کی لگ بھگ چوتھائی آبادی کھیتی پر گذر کرتی ہے۔ (4) دونوں ملکوں میں زمینیں ہر ملکیت کے زمینداروں کی رہی اور لاکھوں کروڑوں آدمی ایسے ہیں جن کے پاس اپنی زمینیں یا تو ہے ہی نہیں یا بہت کم ہیں اور جن کی معیشت کا فائدہ زمیندار یا ملٹی کے کچھ لوگ اس طرح اٹھاتے ہیں کہ انہیں روزانہ دو چوں دوٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ (5) چوتھے بونے کوئی فصل کھائے کوئی کے کارن کھیتی ہر کسان پورے آسٹان کے ساتھ کام نہیں کر پاتا۔ اس وجہ سے پورے ملک کی پیداوار کم ہو گئی اور دونوں ملکوں کو دیکھوں سے اناج خریدنا پڑا۔

جو ملک باہری آناج کے سہارے چل رہا تھا وہ یا تو غلام ہو جائیگا اور یا اسے انگریزوں کی طرح دیکھوں کو اپنا غلام بنانا پڑیگا۔ ہندوستان اور چین کی مٹی میں ہی کچھ ایسی خامت ہے کہ یہاں کے لوگ دیکھوں پر چھاپا مارنے اور ان کو اپنا نامدار بنانے کی لالچ نہیں دیتے۔ اس لئے وہ خود آنتے دیکھوں کے چکر میں پھنس کر اپنی آزادی کو خطرے میں ڈال لیتے ہیں۔

ہمارے آزاد ہندوستان میں اوپر بتائی ہوئی حالت آج موجود ہے اور کوئی ساڑھے تین سال پہلے چین میں موجود تھی۔ پہلی اکتوبر 1949 کو چین نے نیا جملہ اٹھا اور نئے چین کی نیا کے کھو ہوا ۱۰۰ ملین لوگ اور ان کے ساتھ ان کے ارادہ کر لیا کہ چین کو اگر ہمیشہ کے لئے سکھی اور آزاد بنانا ہے اور کروڑوں چلتا کے اندر یہ بھارنا پڑا کرنی ہے کہ راج انہیں کا ہے تو دوسروں کی مصلحت کو لے کر والا زمیندار اور اپنی جان دینے والا زمین کسان یا مہاجر دونوں ختم ہونے چاہئیں اور دیکھوں کے بچے بچے کے پاس اپنی زمینیں ہو کہ اس پر مصلحت کر کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

ماؤتسے تنگ کے دل میں یہ چار اُن کے راج لاجی چوں میں آئے کے سے ہی کام کر رہا تھا اور چین میں جب چانگ کائی شیک کا راج چلتا تھا تو ماؤتسے تنگ نے چنان نام کے صوبے میں—جو چین کے

چین میں زمینیں سدھار

چین ہمارا پڑوسی ملک ہے اور اس سے ہمارا ناتا آج کا نہیں ہزاروں برس پرانا ہے۔ بہت سی باتوں میں ہندوستان اور چین کافی ملتے ہیں—(1) ان دونوں ملکوں کی آبادی دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک سے زیادہ ہے۔ (2) دونوں ملکوں کی سبھت بہت ہی پرانی ہے۔ (3) دونوں ملکوں کی لگ بھگ چوتھائی آبادی کھیتی پر گذر کرتی ہے۔ (4) دونوں ملکوں میں زمینیں ہر ملکیت کے زمینداروں کی رہی اور لاکھوں کروڑوں آدمی ایسے ہیں جن کے پاس اپنی زمینیں یا تو ہے ہی نہیں یا بہت کم ہیں اور جن کی معیشت کا فائدہ زمیندار یا ملٹی کے کچھ لوگ اس طرح اٹھاتے ہیں کہ انہیں روزانہ دو چوں دوٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ (5) چوتھے بونے کوئی فصل کھائے کوئی کے کارن کھیتی ہر کسان پورے آسٹان کے ساتھ کام نہیں کر پاتا۔ اس وجہ سے پورے ملک کی پیداوار کم ہو گئی اور دونوں ملکوں کو دیکھوں سے اناج خریدنا پڑا۔

جو ملک باہری آناج کے سہارے چل رہا تھا وہ یا تو غلام ہو جائیگا اور یا اسے انگریزوں کی طرح دیکھوں کو اپنا غلام بنانا پڑیگا۔ ہندوستان اور چین کی مٹی میں ہی کچھ ایسی خامت ہے کہ یہاں کے لوگ دیکھوں پر چھاپا مارنے اور ان کو اپنا نامدار بنانے کی لالچ نہیں دیتے۔ اس لئے وہ خود آنتے دیکھوں کے چکر میں پھنس کر اپنی آزادی کو خطرے میں ڈال لیتے ہیں۔

ہمارے آزاد ہندوستان میں اوپر بتائی ہوئی حالت آج موجود ہے اور کوئی ساڑھے تین سال پہلے چین میں موجود تھی۔ پہلی اکتوبر 1949 کو چین نے نیا جملہ اٹھا اور نئے چین کی نیا کے کھو ہوا ۱۰۰ ملین لوگ اور ان کے ساتھ ان کے ارادہ کر لیا کہ چین کو اگر ہمیشہ کے لئے سکھی اور آزاد بنانا ہے اور کروڑوں چلتا کے اندر یہ بھارنا پڑا کرنی ہے کہ راج انہیں کا ہے تو دوسروں کی مصلحت کو لے کر والا زمیندار اور اپنی جان دینے والا زمین کسان یا مہاجر دونوں ختم ہونے چاہئیں اور دیکھوں کے بچے بچے کے پاس اپنی زمینیں ہو کہ اس پر مصلحت کر کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

ماؤتسے تنگ کے دل میں یہ چار اُن کے راج لاجی چوں میں آئے کے سے ہی کام کر رہا تھا اور چین میں جب چانگ کائی شیک کا راج چلتا تھا تو ماؤتسے تنگ نے چنان نام کے صوبے میں—جو چین کے

ज्वाला' को अपना नेता बनाए रहेगा. उसे ऐसा लगता है कि यही पार्टी उसके हित का ख्याल रखती है.

किसान जब यह सुनता है कि अमरीकी साम्राज्य इटली के झूठे दावे उद्योग पतियों से मिल कर इटली को लूट रहे हैं और टैंक बनाने के चक्कर में जनता के हित को ठुकरा रहे हैं तो वह ताली पीटता है। अमरीकियों के खिलाफ छोटे छोटे उद्योग पतियों और किसानों में काफी नफरत फैल गई है।

गावों के चक्कर लगाने और किसानों से बात करने के बाद मेरा अनुभव है कि इटली का किसान ट्रैक्टर और कीमयाई खाद के इस्तेमाल के लिये इस समय बिल्कुल तैयार नहीं है. इस तरह का अगर कोई नारा दिया जायगा तो वह भड़केगा. इटली में ऐसे भयानक पहाड़ी इलाके हैं जहां मैकेनिकल खेती सपने में भी नहीं सोची जा सकती. बड़े बड़े कार्यों पर अगर बैल की जगह ट्रैक्टर इस्तेमाल होने लगे तो दूध और गोश्त की समस्या खड़ी हो जायगी. यह बात अपनी जगह पर सही है कि ट्रैक्टर से बेरोजगारी बढ़ेगी ही घटेगी नहीं. असल में जिस चीज़ की जरूरत है वह यह है कि खेती के मजदूरों की भलाई के लिये धन लगाया जाय. केवल ज़मीन पर ही सुधार न हो बल्कि गांव के अर्थशास्त्र से सम्बन्ध रखने वाले उद्योगों को खूब प्रोत्साहन दिया जाय.

ہلاک، کو اپنا نہتہا بھائی رکھ گا۔ اُسے ایسا لگتا ہے کہ
بہن پارتی اُس کے ہت کا خیال رکھتی ہے۔

کسان چپ یہ سلتا ہے کہ امریکی سامراجی اٹلی کے اچھا دھار آدمیوں کے چکر میں چلتا ہے۔ امریکیوں کے خلاف چہوتے چہوتے آدمیوں اور کسانوں میں کافی نفرت پھیل گئی ہے۔

گاؤں کے چکر لگانے اور کسانوں سے بات کرنے کے بعد مہرا انوبھوہ نے اٹلی کا کسان تریکتر اور کھمہالی کھاد کے استعمال کے لئے اس سمہ بالکل تیار نہیں ہے۔ اس طرح کا اگر کوئی نعرہ دیا جائے گا تو وہ بھڑکے گا۔ اٹلی میں ایسے بھہانک بھاری علاقے ہیں جہاں مکمل مکمل کھیتی سیلہ میں بھی نہیں سوچی جاسکتی۔ بڑے بڑے فارموں پر اگر بھل کی جگہ تریکتر استعمال ہونے لگے تو دودھ اور گوشت کی سمہیا کھڑی ہو جائے گی۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحتیح ہے کہ تریکتر سے بے روزگاری بڑھ گی ہے کھمہالی نہیں۔ اصل میں جس چھڑ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کھمہالی کے مؤثرروں کی بھلائی کے لئے دھن لگایا جائے۔ کھول زمین پر ہی سدھار نہ ہو بلکہ گاؤں کے اترہشاستر سے سمبلدہ رکھنے والے آدمیوں کو خوب پروتساھن دیا جائے۔

“खेती सुधार की खास बात ज़मींदारों से ज़मीन लेकर खेत मजदूरों और गरीब किसानों में बांट देना है इस तरह समाज से ज़मींदार वर्ग का अन्त होगा और उसकी जगह पर जोतने वाला ज़मीन का मालिक बनेगा.....खेती सुधार एक लगातार चलने वाला और महान संघर्ष है।”

—લી શાઓ-ચી

”کھیتی سدھار کی خاص بات
زمینداروں سے زمین لے کر کھیت مزدوروں
اور شریک کسانوں میں بانٹ دینا ہے۔
اِس طرح ساج سے زمیندار ورگ کا انت
ہو گا اور اُس کی جگہ پر چوتھے والا زمین کا
مالک بنے گا..... کھیتی سدھار ایک لگانار
چلتے والا اور مہان سنگھڑ ہے۔“

—لی شام . جو

جس کی ذمہ داری کو ہلکا ٹھکانے اس کی مصیبت کی وجہ سے ایک دن میں لگ بھگ تین سو روپے کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ اس کی دلی اچھا ہے کہ زمیندار ختم ہو جائیں۔ لیکن شاید زیادہ لوگ اس کی رائے کے نہیں تھے۔

اٹلی کے تمام دیہاتی علاقوں اور کچھ ادیبائی علاقوں (بولنگھا، کوٹہولک، ایکشن) میں یہ بات گونجتی رہتی ہے کہ اگر نہلی اور تو غلٹی کی عام چٹاؤ میں جوت ہوئی اور انہوں نے سوکر کا بہار سنبھالا تو امریکن اٹلی میں گھس پھس گئے اور زور کی کھریلو لوائی شروع ہو جائے گی۔ 1944 اور 45 کی کڑی یاد لوگوں کے دماغوں سے ابھی دور نہیں ہوئیں اور وہ لوائی کے وچار سے بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔

اٹلی کے کسان نیچا اس وقت اس بات پر زیادہ زور دے رہے ہیں کہ کسان گھتوں سے بدخل نہ ہونے پائیں، پوداوار میں ادھک حصہ کسانوں کو ملے اور ان کی آسانی کے لئے اسکول، اسپتال وغیرہ کا پر بندہ ہو۔ اس سب سے زیادہ تالیاں بچوں میں بوری لے کہا کہ زمینداروں نے 2300 کسانوں کو بدخل کرنا چاہا لیکن کسانوں کے مضبوط ایگے اور سنگھٹن کے کارن کھول 20 کسان ہی بدخل ہو سکے۔ کسانوں کا ایک دن پر دن بڑھ رہا ہے۔ 1950 سے اب تک نہ جانے کتنے کسان پولیس کی گولی سے مرجھے ہیں اور گھائل ہو چکے ہیں۔

پونڈی کے کچھار میں مجھے کچھ ایسی کوآپریٹو دکھائی دی ہیں جن کا قہنگ تو بہت اچھا نہیں تھا لیکن ان کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ان کو دماغ میں دھ کر میں نے بار بار لوگوں سے سوال کئے کہ کوآپریٹو کھولنا ہی کسان آندولی کا ایک پروگرام کون نہ ہو؟ کہیں تو مجھے زوروں سے ”ہاں“ کہنے والے ملے لیکن زیادہ لوگوں نے بے رخی دکھائی۔

جو آنکڑے میں اگھے کوسکا ہوں ان کے آندھار پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معمولی کسان کی آمدنی جس کے ایک بھوی اور دو بچے ہوں اور سب کے سب کم کرتے ہوں پہاڑی غاروں پر 1800 روپے سالانہ ہے اور میدانوں میں تین ہزار روپے سے لے کر تین ہزار سات سو پچاس روپے سالانہ ہے۔

کھیت مزدوروں کی مزدوری لگ بھگ پانچ روپے روز ہے۔ لیکن انہیں کام نہیں ملتا ہے۔ تھوڑے سے ہی ایسے ہیں جو تنخواہ پر کام کرتے ہیں اور برابر ان کی نوکری لگی رہتی ہے۔ کسی صورت میں بھی ایک کھیت مزدور کی آمدنی ساڑھے دس سو سے ادھک نہیں ہو پاتی۔ جب تک یہ حالتیں ہیں تب تک اٹلی کا کسان سد مارا دی قہنگ سے سبکدوش چلنے کا اور راج کاجی چیتا کے لئے لہجہ

اٹلی کے تمام دیہاتی علاقوں اور کچھ ادیبائی علاقوں (بولنگھا، کوٹہولک، ایکشن) میں یہ بات گونجتی رہتی ہے کہ اگر نہلی اور تو غلٹی کی عام چٹاؤ میں جوت ہوئی اور انہوں نے سوکر کا بہار سنبھالا تو امریکن اٹلی میں گھس پھس گئے اور زور کی کھریلو لوائی شروع ہو جائے گی۔ 1944 اور 45 کی کڑی یاد لوگوں کے دماغوں سے ابھی دور نہیں ہوئیں اور وہ لوائی کے وچار سے بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔

اٹلی کے کسان نیچا اس وقت اس بات پر زیادہ زور دے رہے ہیں کہ کسان گھتوں سے بدخل نہ ہونے پائیں، پوداوار میں ادھک حصہ کسانوں کو ملے اور ان کی آسانی کے لئے اسکول، اسپتال وغیرہ کا پر بندہ ہو۔ اس سب سے زیادہ تالیاں بچوں میں بوری لے کہا کہ زمینداروں نے 2300 کسانوں کو بدخل کرنا چاہا لیکن کسانوں کے مضبوط ایگے اور سنگھٹن کے کارن کھول 20 کسان ہی بدخل ہو سکے۔ کسانوں کا ایک دن پر دن بڑھ رہا ہے۔ 1950 سے اب تک نہ جانے کتنے کسان پولیس کی گولی سے مرجھے ہیں اور گھائل ہو چکے ہیں۔

پونڈی کے کچھار میں مجھے کچھ ایسی کوآپریٹو دکھائی دی ہیں جن کا قہنگ تو بہت اچھا نہیں تھا لیکن ان کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ان کو دماغ میں دھ کر میں نے بار بار لوگوں سے سوال کئے کہ کوآپریٹو کھولنا ہی کسان آندولی کا ایک پروگرام کون نہ ہو؟ کہیں تو مجھے زوروں سے ”ہاں“ کہنے والے ملے لیکن زیادہ لوگوں نے بے رخی دکھائی۔

جو آنکڑے میں اگھے کوسکا ہوں ان کے آندھار پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معمولی کسان کی آمدنی جس کے ایک بھوی اور دو بچے ہوں اور سب کے سب کم کرتے ہوں پہاڑی غاروں پر 1800 روپے سالانہ ہے اور میدانوں میں تین ہزار روپے سے لے کر تین ہزار سات سو پچاس روپے سالانہ ہے۔

کھیت مزدوروں کی مزدوری لگ بھگ پانچ روپے روز ہے۔ لیکن انہیں کام نہیں ملتا ہے۔ تھوڑے سے ہی ایسے ہیں جو تنخواہ پر کام کرتے ہیں اور برابر ان کی نوکری لگی رہتی ہے۔ کسی صورت میں بھی ایک کھیت مزدور کی آمدنی ساڑھے دس سو سے ادھک نہیں ہو پاتی۔ جب تک یہ حالتیں ہیں تب تک اٹلی کا کسان سد مارا دی قہنگ سے سبکدوش چلنے کا اور راج کاجی چیتا کے لئے لہجہ

کھیت مزدوروں کی مزدوری لگ بھگ پانچ روپے روز ہے۔ لیکن انہیں کام نہیں ملتا ہے۔ تھوڑے سے ہی ایسے ہیں جو تنخواہ پر کام کرتے ہیں اور برابر ان کی نوکری لگی رہتی ہے۔ کسی صورت میں بھی ایک کھیت مزدور کی آمدنی ساڑھے دس سو سے ادھک نہیں ہو پاتی۔ جب تک یہ حالتیں ہیں تب تک اٹلی کا کسان سد مارا دی قہنگ سے سبکدوش چلنے کا اور راج کاجی چیتا کے لئے لہجہ

अपनी बीघों के वाम सौ गुना बढ़ा लें ? देशातों की भलाई के काम में लगाने के लिये सरकार के पास पैसे नहीं हैं और अमरीकी फौज के पन्द्रह बिलियन को पालने के लिये उसके पास पैसे हैं ? क्या मंहगाई का कारन हथियार बन्दी की दौड़ नहीं ? इन बातों पर भी किसानों ने खूब तालियां बजाई.

एक जगह खड़ा हो कर मैं बात चीत सुनने लगा। जोरों की बहस हो रही थी—अंडे और मुरगी के सबाल पर कामरेड गिस्पे का समझौता करना उचित था या नहीं—यह मसला भी खूब है, इटली में अभी तक अजीब अजीब ढंग चले आ रहे हैं। जब कोई ज़मींदार किसी को अपना खेत सामे पर देता है तो वह यह शर्त लगाता है कि वह किसान हर क्रिसमस पर ज़मींदार को इतने अंडे और इतनी मुरगियां भेंट करेगा, इसका कारन यह है: किसान की मुरगियां खेत पर चुगेगी, इस तरह वह ज़मींदार के हिस्से का भी गल्ला खायेगी, इस गल्ले के बदले में ज़मींदार को मुरगी और अंडे ही मिलने ही चाहियें, इस बात से किसान बहुत भल्लाता है, किसान और ज़मींदार के बीच मुरगी और अंडों की तादाद पर झगड़ा चलता रहता है, किसानों ने जगह जगह पर काफ़ी संघर्ष किया है और वह कहीं कहीं पिंड छुड़ाने में कामयाब भी हो गए हैं, ऐसा लगता है कि गिस्पे और ज़मींदार में बहुत ज़ियादा अन-वन नहीं थी, कन्ट्रैक्ट के मुताबिक़ उन्हें ज़मींदार को चार मुरगियां और तीन दर्जन अंडे हर क्रिसमस को देना चाहिये था, उन्होंने अंडे और मुरगियां देने के बजाय यह समझौता कर लिया कि वह हर साल ज़मींदार की चाची को बोलोगना शहर में एक मुरगी भेंट कर दिया करेंगे, अपने को आरोप से बचाते हुए गिस्पे ने कहा “फ़ार्म भर में सबसे मरियल मुरगी मैंने उसके गले बांध दी,” सब लोग हंस पड़े और बहस ठहाकों के बीच ख़तम हो गई.

मैंने इस बात की चर्चा यहां इसलिये की है क्योंकि यही सब चीजें बीच इटली के किसानों की समस्या को बहुत पेचीदा बना देती हैं। सामीदार किसानों और खेत मजदूरों दोनों पर लैण्ड (बाएं बाजू) का रंग चढ़ा हुआ है मैं जहां जहां गया हूँ और जो हालात मैंने वहां देखे हैं उनसे यह नतीजा निकालना और उचित न होगा कि आने वाले आम चुनाव में बीच के इटली के अधिकतर किसानों के वोट इस मोरचे को मिलेंगे जिसके नेता सोशलिती और नेनी हैं, लेकिन पो डेल्टा को छोड़ कर और कहीं जमींदारों का इतना विरोध नहीं है।

मैं बन्किया के पहाड़ी इलाकों के काम पर गया। यहां एक किसान ने बहुत दुख से इस बात की शिकायत की कि वैसे तोड़ी का पसीना पेड़ी तक बहाने के बाद और दिन सब खोने के बाद सिर्फ तीन रुपये रोज मिलते हैं

ایک چھڑوں کے دام سو گنا بڑھا لیں؟ دیہانوں کی بھائی کے کام میں لگانے کے لئے سرکار کے پاس پیسہ نہیں ہیں اور امریکی فوج کے ہندوستان پہنچنے کو پالنے کے لئے اُس کے پاس پیسہ نہیں؟ کیا مہنگائی کا کارن ہتھیار بندی کی دوز نہیں؟ ان باتوں پر بھی کسانوں نے خوب تالیاں بجاتیں ۔

ایک جگہ کھڑا ہو کر میں بات چیت سنانے لگا۔ فروری کی بحث ہو رہی تھی۔۔۔ آئندے اور مرفی کے سوال پر کامریڈ گسٹھ کا مسجھوتہ کرنا اچھ تھا یا نہیں۔ یہ مسئلہ بھی خوب ہے۔ اٹلی میں ابھی تک عجیب عجیب قہلک چلے آ رہے ہیں۔ جب کوئی زمہدار کسی کو اپنا کہیت ساجھے پر دیتا ہے تو وہ یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ کسان ہر کرسس پر زمہدار کو اتنے اتنے اور اتنی مرفہاں بھہلت کرے گا۔ اس کا کارن یہ ہے: کسان کی مرفہاں کہیت پر چکریں ٹی۔ اس طرح وہ زمہدار کے حصے کا بھی قلعہ کھانیں گی۔ اس نامے کے بدلے میں زمہدار کو مرفی اور آئندے سنانے ہی چاہئیں۔ اس بات سے کسان بہت چھٹا ہے۔ کسان اور زمہدار کے بھیج مرفی اور انڈوں کی تعداد پر جھگڑا چلتا رہتا ہے۔ کسانوں نے جگہ جگہ پر کافی سٹکھرش کیا ہے اور وہ نہیں کہیں بلکہ چھڑانے میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ گسٹھ اور زمہدار میں بہت زیادہ ان بن نہیں تھی۔ ملٹریکٹ کے مطابق انہوں زمہدار کو چار مرفہاں اور تین درجن آئندے ہر کرسس کو دینا چاہئے تھا۔ انہوں نے آئندے اور مرفہاں دینے کے بجائے یہ مسجھوتہ کر لیا کہ وہ ہر سال زمہدار کی چاچی کو پولوگلا شہر میں ایک مرفی بھہلت کر دینا کریں گے۔ اپنے کو آروپ سے بچاتے ہوئے گسٹھ نے کہا ”فارم بھر میں سب سے مریل مرفی میں نے اس کے گلے باندھ دی“۔ سب لوگ علس پڑے اور بحث تپہاؤں کے بھیج ختم ہو گئی۔

میں نے اس بات کی چرچا یہاں اس لئے کی ہے کہونکہ یہی سب چیزیں بھج اٹلی کے کسانوں کی سسٹھا کو بہت پیچھڑا ہلا دیتی ہیں۔ ساجھی دار کسانوں اور کھیت مزدوروں دونوں پر لوٹ (ہاتھیں بازو) کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ میں جہاں جہاں گیا ہوں اور جو حالات میں نے وہاں دیکھے ہوں ان سے یہ نتیجہ نکلا غیر اچھا نہ ہوگا کہ آنے والے عام چٹاؤ میں بھج کے اٹلی کے ادھکار کسانوں کے ووٹ اُس سرپرچے کو ملوں گے جس کے نیتا تو ہلاکتی اور نکلی ہوں۔ لیکن یورپیٹا کو چھوڑ کر اور یہیں زمینداروں کا اتنا وردہ نہیں ہے۔

میں احمدیہ کے پہاڑی علاقوں کے فارم پر گیا۔ یہاں ایک کسان نے بہت دیر سے اس بات کی شکایت کی کہ اُسے چوٹی کا پسماندہ ایجنسی تک پہنچانے کے بعد اور دن بھر لگے ریلوے کے بعد صرف تین دوڑیے روز ملتے ہیں۔

(2)

(2)

1990

کرریب کرریب 28000 एकड़ है. इस से सरकार को बहुत फायदा है. वह यह भी सुनायेंगे कि इस डेल्टा को उपजाऊ बनाने के लिये जो ढंग वह अपना रहे हैं वह बहुत ही कारगर सिद्ध हुए हैं. इस में شک नहीं कि जमीन को खेती के लायक बनाने की कोशिश की गई है. लेकिन यह कहानी भी मजेदार है. मुसोलिनी के समय में बड़ी बड़ी कंपनियों को बहुत सी रिश्कारतें मिल गई थीं. उन्होंने दलदली जमीन को सुखा कर खेती के योग बनाने की कुछ कोशिश भी की थी. वह कंपनियां आज भी अपने काम में लगी हैं. लगभग दस हजार एकड़ जमीन उनके कब्जे में है. पर उनकी पालिसी यह रही है कि गाय को चारा कम से कम और दूध ज़ियादा से ज़ियादा. वह अपनी ज़रूरत के लिये कुछ पैसा लगाते हैं और उस से ज़ियादा से ज़ियादा फायदा उठाने की कोशिश करते हैं. वह पैदावार ज़ियादा इसलिए भी नहीं बढ़ाते क्योंकि ऐसी हालत में टैक्स बढ़ने का डर है. फिर वह खामखा दर्द सर मोल क्यों ले. अगर सिंचाई का प्रबन्ध नहीं है, अगर खाद के बिना जमीन खराब हो रही है, तो इसकी चिन्ता उनको नहीं है. इटली के किसानों की बे रोजगारी की समस्या को हल करने की जिम्मेदार कंपनियां कैसे हो सकती हैं. अगर लोग दिक्कत के बीमार हैं तो हुआ करें. स्कूल, अस्पताल, सफाई वगैरा का प्रबन्ध नहीं है तो न हो. कंपनी के डायरेक्टर कभी इन बेवकूफी की बातों पर ध्यान नहीं देते.

ऐसा लगता है कि सरकार भी इन बातों को ध्यान देने के लायक नहीं समझती. अखबारों में जमीन सुधार का दिवारा ज़रूर पीटा जाता है—अब तक लगभग दस लाख एकड़ जमीन सरकार 20 हजार खानदानों में बांट चुकी है, तीस तीस साल के लिये पांच एकड़ से लेकर पचास एकड़ तक के प्लाट किसानों को दे दिये गए हैं. सरकार ने गांवों में नौ हजार मकान बनवाए हैं. इन में से छे हजार तैयार हो गए हैं और बाक़ी जल्द तैयार होने वाले हैं वगैरा वगैरा. ऐसी कुछ बातें हुई ज़रूर हैं लेकिन उनका फायदा किसानों को नहीं हुआ. इन प्रोग्रामों के पीछे राजकाजी चालें थी. पानी की तरह रुपया बहाया गया और अपनी पार्टी को मज़बूत किया गया. इन सुधारों से दक्खिनी इटली के निठल्ले ज़मींदारों ने खूब फायदा उठाया बीच इटली में जहां का मैं ज़िक्र कर रहा हूँ इन प्रोग्रामों का कोई असर दिखाई नहीं पड़ता. इस डेल्टा और कोमेचियु की बात कौन करे, पो और टाईबर नदी के कछारों में भी मुझे किसी सुधार का अनुभव न हुआ. इटली के सभी सूबे गरीबी और कम पैदावार के शिकार हैं. यह हालत मैदान और पहाड़ दोनों हिस्सों के किसानों की है. केवल इटली के 20 लाख बे खेत किसान ही भूखों नहीं मर रहे बल्कि 5 लाख 'मीथावारी' (शिकमी किसान) की भी यही दुर्दशा है.

क्रिप क्रिप 28000 ایکڑ ہے. اس سے سرکار کو بہت فائدہ ہے. وہ یہ بھی سنائیں گے کہ اس ڈیلٹا کو اُپجاؤ بنانے کے لئے جو قہلگ وہ اپنا رہے ہیں وہ بہت ہی کارگر سندھ ہوئے ہیں. اس میں شک نہیں کہ زمین کو کھیتی کے لائق بنانے کی کوشش کی گئی ہے. لیکن یہ کہانی بھی مزیدار ہے. موسولینی کے سیم میں بڑی بڑی کمپنیوں کو بہت سی رعایتیں مل گئیں تھیں. انہوں نے دلدلی زمین کو سکھا کر کھیتی کے یوگ بنانے کی کچھ کوشش بھی کی تھی. وہ کمپنیاں آج بھی اپنے کام میں لگی ہیں. لگ بھگ دس ہزار ایکڑ زمین ان کے قبضے میں ہے. پر ان کی پالیسی یہ رہی ہے کہ گائے کو چارہ کم سے کم اور دودھ زیادہ سے زیادہ. وہ اپنی ضرورت کے لئے کچھ پیسہ لگاتے ہیں اور اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں. وہ پھدوار زیادہ اس لئے بھی نہیں بڑھاتے کیونکہ ایسی حالت میں ٹیکس بڑھنے کا ڈر ہے. پھر وہ خواہ مخواہ درد سر مول کہیں لیں. اگر سہلچائی کا پرہیز نہیں ہے 'اگر کھاد کے بنا زمین خراب ہو رہی ہے' تو اس کی چلتا ان کو نہیں ہے. اٹلی کے کسانوں کی بے روزگاری کی سسہا کو حل کرنے کی ذمہ دار کمپنیاں کھسے ہو سکتی ہیں. اگر لوگ دق کے ہمارے ہیں تو ہوا کریں. اسکول، اسپتال، صفائی وغیرہ کا پرہیز نہیں ہے تو نہ ہو. کمپنی کے ڈائریکٹر کبھی ان بھولپٹی کی باتوں پر دھیان نہیں دیتے.

ایسا لگتا ہے کہ سرکار بھی ان باتوں کو دھیان دینے کے لائق نہیں سمجھتی. اخباروں میں زمین سدھار کا ذمہ دار ضرور دیکھا جاتا ہے—اب تک لگ بھگ دھائی لاکھ ایکڑ زمین سرکار 20 ہزار خاندانوں میں بانٹ چکی ہے 'تیس تیس سال کے لئے پانچ ایکڑ سے کر پچاس ایکڑ تک کے پلاٹ کسانوں کو دے دیئے گئے ہیں. سرکار نے گاؤں میں نو ہزار مکان بنوائے ہیں. ان میں سے چھ ہزار تیار ہوئے ہیں اور باقی جلد تیار ہونے والے ہیں وغیرہ وغیرہ. اسی کچھ باتیں ضرور ہیں لیکن ان کا فائدہ کسانوں کو نہیں ہوا. ان پروگراموں کے پیچھے راجکاچی چالیں تھیں. پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا اور اپنی پارٹی کو مضبوط کیا گیا. ان سدھاروں سے دکنی اٹلی کے نچلے زمینداروں نے خوب فائدہ اُٹھایا. بیچ اٹلی میں جہاں کا میں ذکر کر رہا ہوں ان پروگراموں کا کوئی اثر دکھائی نہیں پڑتا. اس ڈیلٹا اور کومچو کی بات کون کرے 'ہو اور ٹائبر ندی کے کچھاروں میں بھی کسی سدھار کا انبوہ نہ ہوا. اٹلی کے سبھی صوبے غریبی اور کم پھدوار کے شکار ہیں. یہ حالت میدان اور پہاڑ دونوں حصوں کے کسانوں کی ہے. کھول اٹلی کے 20 لاکھ بے کھیت کسان ہی ہوئیں نہیں مردہ' بلکہ 5 لاکھ 'مہوڑا داروں' (شکمی کسان) کی بھی بددشا ہے.

ہیں اور آہستہ آہستہ اس قدر سے جس میں کچھ کم ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر اس سڑک کو بہتر سمجھتے ہیں۔ انکے ہونے کے لیے روزگاری کچھ کم ہو جاتی ہے۔ پھر بھی 75 فیصدی سے زیادہ ہی لوگ بے روزگار رہتے ہیں۔ فصل کی کٹائی اور جوٹائی کے سبب کم ہو جاتا ہے۔ جارا آتے ہی بے روزگاروں کی تعداد 90 فیصدی تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی کارن یہ بہتر ہوگا سڑک پر رہتا ہے۔ قریب سے دیکھنے پر نقصان چہرے، سونے، ہونٹ اور غصہای انکوں کا اترتا ہوتا ہے۔

غریبی میں بچوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ کومے چھو کی مونسپلٹی کے آنکڑوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر خاندان میں اوسطاً چھ بچے ہوتے ہیں۔ شہر کے بچے میں پرانی بے مروت کوٹھریوں میں بنا ہوا اور جلس کے چار کمرے چھ اور سات سات آدمی سوتے ہیں۔ شہر سے باہر جانے کے لئے کچی گلیاں ہیں۔ ہر سات میں ان پر گھٹلے گھٹلے کیچڑ ہو جاتا ہے۔ ان علاقوں میں بھی آدمی تھکے رہتے ہیں۔ جھونپڑے مٹی اور تھکر کے بنے ہوتے ہیں اور ان میں کھوکھیاں نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک کھاتے پیتے کھانے والے خاندان کی سالانہ آمدنی کل 70 روپے ہوتی ہے۔ لوگوں کو ڈھنگ کا کھانا تک نہیں ملتا۔ اسی لئے زیادہ تر لوگ دق کے شکار ہوتے ہیں، جلد ہی ان کی آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ شہر تک میں بجلی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ گندمی حد درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہاں پانی کے تل بھی نہیں ہیں۔ لگ بھگ پانی کے تل تو پورے قریب میں ہی نہیں ہیں۔ پانی کا پانی بے پانی کی دوری سے گاڑوں پر لاد کر لایا جاتا ہے اور بھجوا جاتا ہے۔ ایک چھوٹے گھر کے دام ایک آنہ ہوتا ہے۔ جس سے میں وہاں کھا تھا تو کم سے کم چالیس خاندان ایسے تھے جن کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ کومے چھو میں عام طور پر سے لوگ تھکر پر کھڑے لیٹ کر مرنے لگتے ہیں۔ ان بھجواروں کے پاس ایسا بھی کوئی مکان نہیں تھا۔ کرایہ نہ دینے کے کارن یہ سب گھر سے نکال دیئے گئے تھے۔ سب کے سب ایک چھوٹے سے اسکول میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ عمارت مگر نے کسی صورت ایسی لوگوں کے لئے خالی کرا دی تھی۔

اگر اٹلی کی راجدھانی روم میں جا کر کومے چھو کا اور یا اس قہقارے کا کوئی ڈنر کرے تو وہ اندھیکاریوں کے پریم کا پاتر نہ ہوگا۔ اندھیکاری جلد ہی بتائیں گے کہ یہ سمجھا بہت ہی مشکل ہے اور اٹلی کی موجودہ مالی حالت اس پرک نہیں ہے کہ کوئی حل اس سوال کا نکال جائے۔ وہ اٹلی اس پرستہی سے فائدہ بھانے لگے۔ اس قہقارے میں جو نچلے علاقے ہیں ان سے منجھلی کے بھجوار کے کارن 45 روپے ایکڑ سے لے کر 150 روپے ایکڑ تک کا ہر سال فائدہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی زمین

ہیں اور عورتیں اور بچے اس گھر سے جس میں کچھ کم ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر اس سڑک کو بہتر سمجھتے ہیں۔ انکے ہونے کے لیے روزگاری کچھ کم ہو جاتی ہے۔ پھر بھی 75 فیصدی سے زیادہ ہی لوگ بے روزگار رہتے ہیں۔ فصل کی کٹائی اور جوٹائی کے سبب کم ہو جاتا ہے۔ جارا آتے ہی بے روزگاروں کی تعداد 90 فیصدی تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی کارن یہ بہتر ہوگا سڑک پر رہتا ہے۔ قریب سے دیکھنے پر نقصان چہرے، سونے، ہونٹ اور غصہای انکوں کا اترتا ہوتا ہے۔

غریبی میں بچوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ کومے چھو کی مونسپلٹی کے آنکڑوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر خاندان میں اوسطاً چھ بچے ہوتے ہیں۔ شہر کے بچے میں پرانی بے مروت کوٹھریوں میں بنا ہوا اور جلس کے چار کمرے چھ اور سات سات آدمی سوتے ہیں۔ شہر سے باہر جانے کے لئے کچی گلیاں ہیں۔ ہر سات میں ان پر گھٹلے گھٹلے کیچڑ ہو جاتا ہے۔ ان علاقوں میں بھی آدمی تھکے رہتے ہیں۔ جھونپڑے مٹی اور تھکر کے بنے ہوتے ہیں اور ان میں کھوکھیاں نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک کھاتے پیتے کھانے والے خاندان کی سالانہ آمدنی کل 70 روپے ہوتی ہے۔ لوگوں کو ڈھنگ کا کھانا تک نہیں ملتا۔ اسی لئے زیادہ تر لوگ دق کے شکار ہوتے ہیں، جلد ہی ان کی آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ شہر تک میں بجلی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ گندمی حد درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہاں پانی کے تل بھی نہیں ہیں۔ لگ بھگ پانی کے تل تو پورے قریب میں ہی نہیں ہیں۔ پانی کا پانی بے پانی کی دوری سے گاڑوں پر لاد کر لایا جاتا ہے اور بھجوا جاتا ہے۔ ایک چھوٹے گھر کے دام ایک آنہ ہوتا ہے۔ جس سے میں وہاں کھا تھا تو کم سے کم چالیس خاندان ایسے تھے جن کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ کومے چھو میں عام طور پر سے لوگ تھکر پر کھڑے لیٹ کر مرنے لگتے ہیں۔ ان بھجواروں کے پاس ایسا بھی کوئی مکان نہیں تھا۔ کرایہ نہ دینے کے کارن یہ سب گھر سے نکال دیئے گئے تھے۔ سب کے سب ایک چھوٹے سے اسکول میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ عمارت مگر نے کسی صورت ایسی لوگوں کے لئے خالی کرا دی تھی۔

اگر اٹلی کی راجدھانی روم میں جا کر کومے چھو کا اور یا اس قہقارے کا کوئی ڈنر کرے تو وہ اندھیکاریوں کے پریم کا پاتر نہ ہوگا۔ اندھیکاری جلد ہی بتائیں گے کہ یہ سمجھا بہت ہی مشکل ہے اور اٹلی کی موجودہ مالی حالت اس پرک نہیں ہے کہ کوئی حل اس سوال کا نکال جائے۔ وہ اٹلی اس پرستہی سے فائدہ بھانے لگے۔ اس قہقارے میں جو نچلے علاقے ہیں ان سے منجھلی کے بھجوار کے کارن 45 روپے ایکڑ سے لے کر 150 روپے ایکڑ تک کا ہر سال فائدہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی زمین

इटली کے کسان اور ان کی راجنیت

(آریئل میر والینس)

[آریئل میر والینس انگلینڈ میں اپنے والے اخبار 'دی نیو سٹریٹس مین اینڈ نیشن' کے رپورٹر ہیں۔ آپ نے اٹلی کے گاؤں کا دورہ کیا ہے اور کسانوں کی ایک کانفرنس میں بھی भाग लिया है۔ यह लेख एक रिपोटाज है इस को पढ़ने के बाद इटली के किसान आन्दोलन और उनकी हालत की एक अच्छी मलक मिलती है। इस लेख का ज़मींदारी अन्त से संबंध नहीं है लेकिन किसानों की समस्या पर काफी रोशनी पड़ जाती है—एडिटर]

करेरा से एड्रियाटिक तक जाने वाली तारकोल की उम्दा सड़क यकवारगी आस्टेलेटो पर आकर खतम होती है। यहां से कोमेचियु जाने के लिये दूसरी सड़क पकड़नी पड़ती है। इस जगह को 'कठिनाइयों की राजधानी' कहा जाता है। सड़क पर गर्द उड़ती रहती है और जगह जगह पर गर्द भी हैं। छोटी छोटी गिट्टियां बिछी हैं जिन को चूर चूर करती हुई कोई लारी गुजर जाती है आस्टेलेटो और कोमेचियु के बीच सिर्फ यही एक सड़क है। यहां पहुँच कर पो नदी के कछार के लम्बे चौड़े लहलहाते खेत पीछे छूट जाते हैं। अब एक डेलटा मिलता है जो रेतीला मैदान है सिंचाई और पानी निकालने का जरूरी प्रबन्ध न होने के कारन इस का हज़ारों एकड़ हर साल गर्मी में सूख जाता है और जाड़ों में पानी में डूब जाता है खेती का कोई खास साधन दिखाई नहीं देता नीले आसमान के नीचे जहां तहां कुछ लोग मरियल बैलों से पुराने हल जोतते दिखलाई पड़ते हैं और दूर दूर नज़र घुमाने पर कहीं कहीं कुछ मर्द और औरत कुदाली से खेत के ढेले फोड़ते हुए मिलते हैं। आगे चलकर एक लम्बा चौड़ा मैदान मिलता है जिस पर पानी लहरें मार रहा है इस टुकड़े के चारों तरफ नमक की झीलें हैं और कुछ झोंपड़े बने हुए हैं। इन झोंपड़ों के रहने वाले मछलियां पकड़ कर गुजारा करते हैं। इस डेलटा का रकबा करीब करीब पांच लाख एकड़ है, करीब करीब तीन लाख आदमी इस में आबाद हैं। ज़ियादा आबादी बे खेत मजदूरों की है। यह इलाक़ा भयानक गरीबी और शेर गुल का गह्वारा है।

कोमेचियु की लम्बी सड़क पर चलते चलते जो पहला खयाल किसी के दिमाग में आ सकता है वह यह है कि यह जगह कोई चौक बाज़ार है। सारी आबादी—मर्द, औरत, बच्चे—सड़क पर इकट्ठे रहते हैं। इसका कारन जल्द ही साबित हो जाता है, लगभग सभी मर्द बे रोज़गार होते

अटली के कसान اور ان کی راج نیت

(آریئل میر والینس)

آریئل میر والینس انگلینڈ میں اپنے والے اخبار 'دی نیو سٹریٹس مین اینڈ نیشن' کے رپورٹر ہیں۔ آپ نے اٹلی کے گاؤں کا دورہ کیا ہے اور کسانوں کی ایک کانفرنس میں بھی भाग लिया है۔ यह लेख एक रिपोटाज है इस को पढ़ने के बाद इटली के किसान आन्दोलन और उनकी हालत की एक अच्छी मलक मिलती है। इस लेख का ज़मींदारी अन्त से संबंध नहीं है लेकिन किसानों की समस्या पर काफी रोशनी पड़ जाती है—एडिटर]

करेरा سے ایڈریاتک تک جانے والی تارکول کی عمدہ سوک پکڑائی آسٹیلٹو پر آکر ختم ہوتی ہے۔ یہاں سے کومے چھو جانے کے لئے دوسری سوک پکڑنی پڑتی ہے۔ اس جگہ کو 'کٹھنائیوں کی راجدھانی' کہا جاتا ہے۔ سوک پر گرد آرائی دھتی ہے اور جگہ جگہ پر گڈھے بھی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی گڈھیاں بچھی ہیں جن کو چور چور کرٹی ہوئی کوئی لڑی لڈر جاتی ہے۔ آسٹیلٹو اور کومے چھو کے بیچ صرف یہی ایک سوک ہے۔ یہاں پہنچ کر پونہ کے کچھار کے لمبے چرے لہلاتے کھیت پھرتے چھوٹ جاتے ہیں۔ اب ایک قیلٹا ملتا ہے جو دیمہ میدان ہے۔ سہلچائی اور پانی نکالنے کا ضروری پر بندہ نہ ہونے کے کارن اس کا ہزاروں ایکڑ ہر سال گرمی میں سوک جاتا ہے اور چاروں میں پانی میں قرب جاتا ہے۔ کھیتی کا کوئی خاص سادھن دکھائی نہیں دیتا۔ نیلے آسمان کے نیچے جہاں تھیں کچھ لوگ سہیل بھلوں سے ہرائے ہل جرتے دکھائی پڑتے ہیں اور درد دور نظر کھدائے پر کہیں کہیں کچھ مرد اور عورت کدالی سے کھیت کے ڈھلے پھرتے ہوئے ملتے ہیں۔ آگے چل کر ایک لمبا چورا میدان ملتا ہے جس پر پانی لہریں مار رہا ہے۔ اس ٹکڑے کے چاروں طرف نمک کی جھلوں میں اور کچھ چھوٹے بٹے ہوئے ہیں۔ ان چھوٹوں کے دھلے والے مچھلیاں پکڑ کر گزارا کرتے ہیں۔ اس قیلٹا کا رقبہ قریب قریب پانچ لاکھ ایکڑ ہے، قریب قریب تین لاکھ آدمی اس میں آباد ہیں۔ زیادہ آبادی بے کھیت مزدوروں کی ہے۔ یہ علاقہ بھانک فریڈ اور شور غل کا گہوارا ہے۔ کومے چھو کی لمبی سوک پر چلتے چلتے جو پہلا خيال کسی کے دماغ میں آ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ جگہ کوئی چوک بازار ہے۔ ساری آبادی—مرد، عورت، بچے—سوک پر اٹھ رہے ہیں۔ اس کا کارن جلد ہی معلوم ہو جاتا ہے، لگ بھگ سبھی مرد بے روزگار ہوتے

ट्रेक्टर क्यों नहीं खरीद लेते. सोझा हफ्तर में एक ट्रेक्टर आता है. आधा रुपया सरकार तक्रावी में देगी, आधा आप लम्ब दीजिये. वह बोला, साहब, हमारे पास इतना रुपया होता तो हम खेती ही क्यों करते? इस सम्बन्ध में एक बात खास है. सन 1947 में भारत सरकार ने भारत में सब से पहले ट्रेक्टर योजना सागर जिले में शुरू की थी. श्री अय्यरामबास दौलतराम उसका उद्घाटन करने वहां पथरिया नामक एक गांव में गए थे. पर सरकारी ट्रेक्टरों से इन पांच सालों में भी पूरा सागर जिला नहीं जुत पाया है. मध्यप्रदेश के उत्तरी जिलों में कांस बहुत होता है और सिर्फ ट्रेक्टरों की मदद से ही कुछ फायदा हो सकता है. मध्यप्रदेश में कई साल से चकबन्दी का काम भी हो रहा है पर वह बहुत धीरे धीरे हो रहा है.

मध्यप्रदेश में सिंचाई के साधन बहुत कम हैं. किसानों की भलाई के लिये सरकार ने उनको काफी रुपया तक्रावी में बांटा है और बांट रही है. लेकिन उसका ठीक तरह से उपयोग नहीं हो रहा है. किसान तकावी लेते हैं क्योंकि उस पर उन्हें सूद कम देना पड़ता है और उस रकम को शादी ब्याह, तीर्थ यात्रा वगैरह में खर्च कर देते हैं. थोड़ी बहुत मिट्टी खेत की मेड़ पर डाल दी, आधा कुआं खुदाया, पटवारी को बखशीश दे दी और काराख भरवा दिया. ठीक यह होगा कि खुद सरकार मौजूद जगह देख कर कुआं खुदाय और फिर किसानों से क्रिस्तेबन्दी में रुपया बसूल करती रहे. खेती को तरक्की के लिये सिंचाई जरूरी है और यह काम सरकार को ही अपने हाथ में लेना चाहिये. फसल खराब होने पर लगान में छूट देना तो ठीक है लेकिन कुआं खुदवाना, खेतों में बांध बंधवाना वगैरह काम सरकार को ही करना चाहिये. बा सरकार कुछ ओवरसिपर मुक़र्रर कर दे जिनकी देखरेख में यह सब काम हों. मध्यप्रदेश के महाकौशल क्षेत्र की खेती बहुत ही पिछड़ी हुई हालत में है और उसकी तरक्की के लिये कुछ ठोस कदम उठाना चाहिये.

मालगुजारी का खातमा करके सरकार ने ठीक ही किया है. इसे कोई बुरा न कहेगा पर इससे भूमि व्यवस्था में सुधार नहीं हो सकते और न किसानों की ही हालत सुधर सकती है. इस में शक नहीं कि किसान को राहत मिली है पर हमारा मक़सद खेती के उद्योग को बढ़ावा और किसान के जीवन स्तर को ऊंचा उठाना है. यह दोनों मक़सद सिर्फ मालगुजारी खातमे से पूरे नहीं होले. मालगुजारी खातमा तो सिर्फ एक साधन था, मक़सद नहीं. अगर सरकार को खेती और किसान की सच्ची सेवा करना है तो मालगुजारी खातमे को आखरी काम नहीं समझना चाहिये, शुरू का काम ही समझना चाहिये.

ट्रेक्टर क्यों नहीं खरीद लेते. सोझा हफ्तर में एक ट्रेक्टर आता है. आधा रुपया सरकार तक्रावी में देगी, आधा आप लम्ब दीजिये. वह बोला, साहब, हमारे पास इतना रुपया होता तो हम खेती ही क्यों करते? इस सम्बन्ध में एक बात खास है. सन 1947 में भारत सरकार ने भारत में सब से पहले ट्रेक्टर योजना सागर जिले में शुरू की थी. श्री अय्यरामबास दौलतराम उसका उद्घाटन करने वहां पथरिया नामक एक गांव में गए थे. पर सरकारी ट्रेक्टरों से इन पांच सालों में भी पूरा सागर जिला नहीं जुत पाया है. मध्यप्रदेश के उत्तरी जिलों में कांस बहुत होता है और सिर्फ ट्रेक्टरों की मदद से ही कुछ फायदा हो सकता है. मध्यप्रदेश में कई साल से चकबन्दी का काम भी हो रहा है पर वह बहुत धीरे धीरे हो रहा है.

मध्यप्रदेश में सिंचाई के साधन बहुत कम हैं. किसानों की भलाई के लिये सरकार ने उनको काफी रुपया तक्रावी में बांटा है और बांट रही है. लेकिन उसका ठीक तरह से उपयोग नहीं हो रहा है. किसान तकावी लेते हैं क्योंकि उस पर उन्हें सूद कम देना पड़ता है और उस रकम को शादी ब्याह, तीर्थ यात्रा वगैरह में खर्च कर देते हैं. थोड़ी बहुत मिट्टी खेत की मेड़ पर डाल दी, आधा कुआं खुदाया, पटवारी को बखशीश दे दी और काराख भरवा दिया. ठीक यह होगा कि खुद सरकार मौजूद जगह देख कर कुआं खुदाय और फिर किसानों से क्रिस्तेबन्दी में रुपया बसूल करती रहे. खेती को तरक्की के लिये सिंचाई जरूरी है और यह काम सरकार को ही अपने हाथ में लेना चाहिये. फसल खराब होने पर लगान में छूट देना तो ठीक है लेकिन कुआं खुदवाना, खेतों में बांध बंधवाना वगैरह काम सरकार को ही करना चाहिये. बा सरकार कुछ ओवरसिपर मुक़र्रर कर दे जिनकी देखरेख में यह सब काम हों. मध्यप्रदेश के महाकौशल क्षेत्र की खेती बहुत ही पिछड़ी हुई हालत में है और उसकी तरक्की के लिये कुछ ठोस कदम उठाना चाहिये.

मालगुजारी का खातमा करके सरकार ने ठीक ही किया है. इसे कोई बुरा न कहेगा पर इससे भूमि व्यवस्था में सुधार नहीं हो सकते और न किसानों की ही हालत सुधर सकती है. इस में शक नहीं कि किसान को राहत मिली है पर हमारा मक़सद खेती के उद्योग को बढ़ावा और किसान के जीवन स्तर को ऊंचा उठाना है. यह दोनों मक़सद सिर्फ मालगुजारी खातमे से पूरे नहीं होले. मालगुजारी खातमा तो सिर्फ एक साधन था, मक़सद नहीं. अगर सरकार को खेती और किसान की सच्ची सेवा करना है तो मालगुजारी खातमे को आखरी काम नहीं समझना चाहिये, शुरू का काम ही समझना चाहिये.

لےتے ہیں اور اگر پتھل کے پاس رہتے نہیں ہوتا تو اس سے لیتے ہیں جس سے پتھل لےنے کو کہتا ہے یا کسی ساموکار سے لیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سرکاری قہر اب کسان کو قرض لےنے کو مجبور کرتا ہے۔

کچھ لوگوں کا مت ہے کہ لگان وصولی کا کام پتھلیت کو سونپ دیا جائے تو ہوا اچھا ہو۔ ساتھ ہی اگر یہ چھ فیصدی کمیشن گاؤں پتھلیت کو ملے لگے تو وہ اسے گاؤں کی ترلی میں خرچ کر سکتی ہیں۔ اس پر کچھ لوگوں نے یہ اٹھایا کی ہے کہ اگر گاؤں پتھلیت کے سرپنچ یا پنچ سرکاری روپے کھا لے تو کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر پتھل روپے لے کر بھاگ جائے تو کیا ہوگا۔ جس طرح کسی گاؤں کا ساموکار روپے لے کر بھاگ سکتا ہے اسی طرح پتھل بھی بھاگ سکتا ہے۔ پتھاری پتھل کا آٹھ گڑوں میں اسی طرح ہٹا ہوا ہے جس طرح مالگڈار کا تھا۔ اگر پتھل اور پتھاری کا مول ہوا تو کسی بھی سہ کسان کی زندگی اور قسمت کے ساتھ کھلوا کر کھا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ دیکھی گئی ہے کہ سرکاری ویسٹنگ کے ماتحت کچھ کم بہت کڑو ہو گئے ہیں۔ جو سہ کہ مالگڈار سنگھارا لگانے کے لئے اپنے نااہل کا تھوہک جوتھ اسارے کے مہلتے تک دے دیتے تھے۔ لیکن اب پتھیس جگہ سے آرڈر آتے ہیں تب نہلام ہوتا ہے۔ کبھی کبھی لہسا ہوتا ہے کہ جب سنگھارے لگانے کا سہ نکل جاتا ہے تب نہلام ہوتا ہے۔ اس طرح جب مہوا کی فصل ختم سی ہو جاتی ہے تب مہوا کے پھروں کا نہلام ہوتا ہے۔ یہ حالت سب جگہ نہیں ہے اور جہاں ہے بھی ممکن ہے سہ پاکر وہ سدھر جائے لیکن اس سے تو لوگوں کو کالی تکلیف ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس بھومی سدھار سے کسانوں کو کیا فائدہ ہوا۔ جوتھ ہم کہ چکے ہیں زیادہ تر پرانے مالگڈار ہی نئے پتھل ہو گئے ہیں اور پتھاری پتھل کا آٹھ اسی شکل میں ہے جس شکل میں مالگڈار پتھل کا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آرتھک نظر سے کسان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لگان میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوئی۔ اس نے پروک کر جوتھ ابواب وغیرہ بڑھ گئے ہیں۔ اب گاؤں پتھلیتوں نے بھی کر لیا دیکھتے ہیں اس نے کسان کو تو کوئی راحت ملی نہیں۔ اصل میں وہ بھومی سدھار کا کوئی سکھ انوہو نہیں کر رہا ہے۔

اب دھی کہتی ہیں ترلی کرنے کے لئے سرکار کے فریہ دی جانے والی سودھاروں کی بات۔ پتھلیتوں میں مجھے مذہب پر دھیس کے کچھ گاؤں میں جانے کا موقع ملا۔ ایک کسان کہتا ہوتا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا آپ

دوسری بات یہ دیکھی گئی ہے کہ سرکاری ویسٹنگ کے ماتحت کچھ کم بہت کڑو ہو گئے ہیں۔ جو سہ کہ مالگڈار سنگھارا لگانے کے لئے اپنے نااہل کا تھوہک جوتھ اسارے کے مہلتے تک دے دیتے تھے۔ لیکن اب پتھیس جگہ سے آرڈر آتے ہیں تب نہلام ہوتا ہے۔ کبھی کبھی لہسا ہوتا ہے کہ جب سنگھارے لگانے کا سہ نکل جاتا ہے تب نہلام ہوتا ہے۔ اس طرح جب مہوا کی فصل ختم سی ہو جاتی ہے تب مہوا کے پھروں کا نہلام ہوتا ہے۔ یہ حالت سب جگہ نہیں ہے اور جہاں ہے بھی ممکن ہے سہ پاکر وہ سدھر جائے لیکن اس سے تو لوگوں کو کالی تکلیف ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس بھومی سدھار سے کسانوں کو کیا فائدہ ہوا۔ جوتھ ہم کہ چکے ہیں زیادہ تر پرانے مالگڈار ہی نئے پتھل ہو گئے ہیں اور پتھاری پتھل کا آٹھ اسی شکل میں ہے جس شکل میں مالگڈار پتھل کا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آرتھک نظر سے کسان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لگان میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوئی۔ اس نے پروک کر جوتھ ابواب وغیرہ بڑھ گئے ہیں۔ اب گاؤں پتھلیتوں نے بھی کر لیا دیکھتے ہیں اس نے کسان کو تو کوئی راحت ملی نہیں۔ اصل میں وہ بھومی سدھار کا کوئی سکھ انوہو نہیں کر رہا ہے۔

اب دھی کہتی ہیں ترلی کرنے کے لئے سرکار کے فریہ دی جانے والی سودھاروں کی بات۔ پتھلیتوں میں مجھے مذہب پر دھیس کے کچھ گاؤں میں جانے کا موقع ملا۔ ایک کسان کہتا ہوتا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا آپ

اب دھی کہتی ہیں ترلی کرنے کے لئے سرکار کے فریہ دی جانے والی سودھاروں کی بات۔ پتھلیتوں میں مجھے مذہب پر دھیس کے کچھ گاؤں میں جانے کا موقع ملا۔ ایک کسان کہتا ہوتا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا آپ

मध्यप्रदेश में भूमि सुधार

(पद्मलाल श्रीवास्तव)

भारत में स्वराज के बाद सरकार ने मारके का जो काम किया है वह है कुछ सूबों में भूमि सुधार. जमींदारी किसी भी राज में या किसी भी आजा के शासन में होनी नहीं चाहिये और कांग्रेस तो बहुत पहले जमींदारी का अन्त तय कर चुकी थी. इसलिये कई सूबों में कांग्रेस सरकार ने जमींदारी खतम कर दी है. चूंकि पिछले साल चुनावों में कांग्रेस को जनता के बोट चाहिये थे इसलिये यह कोशिश की गई कि चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें. चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें. चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें. चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें.

मध्य प्रदेश में जमींदारों को मालगुज़ार कहते हैं. 31 मार्च सन 1951 से मध्यप्रदेश में हर तरह से जमींदारी या मालगुज़ारी खतम कर दी गई. इस क़ानून के अन्तर्गत 40 लाख एकड़ भूमि पर से मालिकी बरौदा के हक़ ले लिये गए. अब कारतकार थोड़ा सा नज़राना देकर अपनी ज़मीन पर मालिक मज़बूत हक़ हासिल कर सकते हैं.

जहां तक इस क़ानून का सम्बन्ध है इस में शक़ नहीं कि यह ठीक है. सरकार और कारतकार के बीच में अब कोई तीसरा आदमी नहीं रह गया और लगभग 80 साल तक किसानों को मालगुज़ारों के जो अन्याय सहना पड़े थे, उनका ख़ातमा हो गया. लेकिन इससे किसानों की और भूमि के सवाल का हल नहीं हुआ. इस पर हम आगे विचार करेंगे. अभी तो हम यह देखेंगे कि इस क़ानून के बनाने में सरकार ने कहाँ और क्या भूलें कीं.

हर एक क़ानून को बनाने में कुछ धन लगता है. मध्यप्रदेश के मालगुज़ारों को जब माफ़ हो गया कि सरकार अब जल्दी ही हमारी मालगुज़ारी छीनने वाली है तो उन्होंने भागते भूत की लंगोटी भली कढ़ावत के मुताबिक़ बदोरना शुरू कर दिया. मध्यप्रदेश में जंगल बहुत हैं और उन जंगलों में इमारती लकड़ी बहुत होती है. सी. पी. टीक तो देश और विदेश में भी मशहूर है. इस तरह के बहुत से जंगल मालगुज़ारी में शामिल थे. जब मालगुज़ारों ने देखा

मध्य प्रदेश में भूमि सुधार

(पद्मलाल श्रीवास्तव)

भारत में स्वराज के बाद सरकार ने मारके का जो काम किया है वह है कुछ सूबों में भूमि सुधार. जमींदारी किसी भी राज में या किसी भी आजा के शासन में होनी नहीं चाहिये और कांग्रेस तो बहुत पहले जमींदारी का अन्त तय कर चुकी थी. इसलिये कई सूबों में कांग्रेस सरकार ने जमींदारी खतम कर दी है. चूंकि पिछले साल चुनावों में कांग्रेस को जनता के बोट चाहिये थे इसलिये यह कोशिश की गई कि चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें. चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें. चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें. चुनावों के पहले ही जमींदारी अन्त क़ानून बन जायें.

मध्य प्रदेश में जमींदारों को मालगुज़ार कहते हैं. 31 मार्च सन 1951 से मध्यप्रदेश में हर तरह से जमींदारी या मालगुज़ारी खतम कर दी गई. इस क़ानून के अन्तर्गत 40 लाख एकड़ भूमि पर से मालिकी बरौदा के हक़ ले लिये गए. अब कारतकार थोड़ा सा नज़राना देकर अपनी ज़मीन पर मालिक मज़बूत हक़ हासिल कर सकते हैं.

जहां तक इस क़ानून का सम्बन्ध है इस में शक़ नहीं कि यह ठीक है. सरकार और कारतकार के बीच में अब कोई तीसरा आदमी नहीं रह गया और लगभग 80 साल तक किसानों को मालगुज़ारों के जो अन्याय सहना पड़े थे, उनका ख़ातमा हो गया. लेकिन इससे किसानों की और भूमि के सवाल का हल नहीं हुआ. इस पर हम आगे विचार करेंगे. अभी तो हम यह देखेंगे कि इस क़ानून के बनाने में सरकार ने कहाँ और क्या भूलें कीं.

हर एक क़ानून को बनाने में कुछ धन लगता है. मध्यप्रदेश के मालगुज़ारों को जब माफ़ हो गया कि सरकार अब जल्दी ही हमारी मालगुज़ारी छीनने वाली है तो उन्होंने भागते भूत की लंगोटी भली कढ़ावत के मुताबिक़ बदोरना शुरू कर दिया. मध्यप्रदेश में जंगल बहुत हैं और उन जंगलों में इमारती लकड़ी बहुत होती है. सी. पी. टीक तो देश और विदेश में भी मशहूर है. इस तरह के बहुत से जंगल मालगुज़ारी में शामिल थे. जब मालगुज़ारों ने देखा

17. گاؤں میں کام کرنے والوں کو جیتنی مقدار جہاں کے نوجوانوں سے مل سکتی ہے اس سے کہیں زیادہ وہاں کے بڑے بوڑھوں سے مل سکتی ہے۔ یہ بڑے بوڑھے ہمیشہ تجربہ کی اور پختہ کی بات کہتے ہیں۔ نوجوان اٹھک چلتے ہوئے اور تھارتی ہمدی کے ہیں۔ اچانکی لوگوں سے کسان زیادہ سمجھدار ہیں۔

18. نسا اور جوا، خاص کر نوجوانوں میں گاؤں میں بڑھتا جا رہا ہے۔

19. لوگوں کو آج کل پر یہ سچ رہا ہے کہ سارے ملک کے لیے ایک ایک اور زوردار آدمی کی ضرورت ہے جو کھسپ کے بڑے بڑے کی طرح سب کو ٹھیک راہ پر چلا سکے۔

20. پتہ معلوم ہوتا ہے کہ دس دس یا بیس بیس گاؤں کو ملا کر ان میں ٹھیک۔ کھسپ کوٹنا اور ایسے کمروں کو جہاں تک ہو سکے راج ٹھیک اور سب نگاہوں سے سوالنامی اور خود مختار بنانا، یہی آج کے گاؤں اور وہاں کی جنیتا کو بچانے کا تریکا ہو سکتا ہے۔

21. گاؤں اسکولوں کے اذیاطک اپنے اپنے گاؤں میں اچھا کام کر سکتے ہیں۔ بڑھتے بڑھتے خود سچے، پرمی، بڑے دل والے، نشہکش اور چرتوران ہوں۔

17. گاؤں میں کام کرنے والوں کو جہاں کے نوجوانوں سے مل سکتی ہے اس سے کہیں زیادہ وہاں کے بڑے بوڑھوں سے مل سکتی ہے۔ یہ بڑے بوڑھے ہمیشہ تجربہ کی اور پختہ کی بات کہتے ہیں۔ نوجوان اٹھک چلتے ہوئے اور تھارتی ہمدی کے ہیں۔ اچانکی لوگوں سے کسان زیادہ سمجھدار ہیں۔

18. نسا اور جوا خاص کر نوجوانوں میں گاؤں میں بڑھتا جا رہا ہے۔

19. لوگوں کو عام طور پر یہ سچ رہا ہے کہ سارے ملک کے لیے ایک ایک اور زوردار آدمی کی ضرورت ہے جو کھسپ کے بڑے بڑے کی طرح سب کو ٹھیک راہ پر چلا سکے۔

20. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دس دس یا بیس گاؤں کو ملا کر ان میں ٹھیک۔ کھسپ کوٹنا اور ایسے کمروں کو جہاں تک ہو سکے راج ٹھیک اور سب نگاہوں سے سوالنامی اور خود مختار بنانا، یہی آج کے گاؤں اور وہاں کی جنیتا کو بچانے کا طریقہ ہو سکتا ہے۔

21. گاؤں اسکولوں کے اذیاطک اپنے اپنے گاؤں میں اچھا کام کر سکتے ہیں۔ بڑھتے بڑھتے خود سچے، پرمی، بڑے دل والے، نشہکش اور چرتوران ہوں۔

”میری رات میں ہندوستان کی اور سارے سنسار کی بربادہا ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں جینا سنانے اور کپڑے کے کوئی بھی نہ رہنے ن پائے۔ دوسرے لفظوں میں ہر ایک کو اپنی گواربشار کے لیے کافی کام ملنا ہی چاہیے۔ یہ آدراش تہی سیکھ ہوگا جبکہ جینا کی پھلی ضرورتیں پوری کرنے کے ساندھوں پر چلتا کا اذہکار دے گا۔ جس طرح بھگوان کی پھدا کی ہوئی ہوا پانی سب کو صاف ملتا ہے اسی طرح یہ ساندھ بھی سب کو بے روک ٹوک کے چلائیں۔ انہیں دوسروں کو بولنے کے لئے کہیں نہیں کی چھوٹی ہوگی بلکہ دیلا چاہئے۔“

—مہاتما گاندھی

—مہاتما گاندھی

میں پھنسا نہیں چاہتے۔ اپنی زمین سے، چاہے دھوکے دھوکے سےت بھلا بھلا کئے ہو، بہت زیادہ کماتا ہے۔ ایک ن ساری دوسرے دھوکے سے کسان کو ن کو ن بھاگ کر کے اپنا کام چلا لیتا ہے۔ جب سارا کام کرتا ہے تو دو تین بیچے زمین سے ایک چھوٹے پرہیز کا بچہ کی طرح گذر ہو جاتا ہے۔

8. خیتی باڑی کے پٹھانی تارکوں جیسے ڈیکٹروں، کی میاں بھائی کے لوگ بیکھل جلافا ہے۔

9. پٹھانوں اور گاؤں سبھاؤں یا تو بیکار پڑی ہیں یا بیکھل کھڑے کے سرکاری دھوکوں پر چلتی ہیں۔ لوگ سب ان سے استغاثہ ہیں۔ ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے ایک آدمی نے کہا—”دھوکے دھوکے میں بھلا“ باندھے لٹائیں ترنگ۔“

10. عام لوگوں میں سنگھت کی کمی ہے۔ پارٹی بندی اور کلہ ہر گاؤں میں کھلی ہے۔ پر یہ کاربازی لوگوں اور پڑے لکھوں میں ادھک ہے۔ سیدھے سادے کسان اب بھی چھڑے کی بات پسند نہیں کرتے۔ کوئی سمجھاوے تو سناتے ہیں۔ گاؤں کی میں لوگوں کو بھڑکاتے ہیں۔ ان کا ہرے اب بھی بالکل تھک ہے۔ انہیں کسی راہ دکھانے والے کی ضرورت ہے۔

11. میرا خیال ہے کہ بیکار کا جانا گاؤں میں بیکھل بند ہونا چاہیے۔ اسکی جگہ لوگوں کو اگر تھکاؤ پیلا ہی ہے تو اپنے کھیت کی تھکاؤ چلے میں دیکھ کر پٹھانوں کو کم نقصان ہو اور ان کا پیسہ بھی بچے۔

12. ہر گاؤں میں ایک ایسے وزن دار اور نہک مکھیا کی ضرورت ہے جو ان میں سچا سنگھت پیدا کر سکے۔

13. عام غریب لوگوں میں مہمان کی سہارا اور مان مہمان کا خیال اب بھی بہت ہے۔

14. جھگڑوں کی کٹائی اور ہربادی سے زمین کی نمی کو بہت نقصان پہونچتا ہے۔

15. کھڑے کی تلگی سے لوگ کافی پریشان ہیں۔

16. گاؤں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مونگ پھلی، تھاکو اور بھارتی ایکہ جو ملوں میں کام آتی ہے، ان کی کھیتی بہت کم کی جاوے، اور کھانے کا ناچ، تلہ، کھاس اور دیسی ایکہ کی کھیتی ادھک کی جاوے۔ پیسہ کا چلن کم ہو اور گاؤں والے تجارتی بدھی سے تھوڑا بچے ہو کھانے اور کھڑے میں سواروں کی طرف چلیں۔ اس سے گاؤں کے دھندے، جیسے کھڑے کی بھائی، کولہو وغیرہ بڑھیں اور گاؤں کا دھن باہر ہو جانا بند ہوگا۔ اس طرح اناج کی پیداوار بھی بڑھ سکتی ہے اور دیہی کی ناچ کی کمی بالکل دور ہو سکتی ہے۔

8. کھیتی باڑی کے پٹھانی طریقوں جیسے ڈیکٹروں، کی میاں بھائی کے لوگ بیکھل خلاف ہیں۔

9. پٹھانوں اور گاؤں سبھاؤں یا تو بیکار پڑی ہیں اور یا بالکل اور کے سرکاری حکموں پر چلتی ہیں۔ لوگ سب ان سے استغاثہ ہیں۔ ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے ایک آدمی نے کہا—”دھوکے دھوکے میں بھلا“ باندھے لٹائیں ترنگ۔“

10. عام لوگوں میں سنگھت کی کمی ہے۔ پارٹی بندی اور کلہ ہر گاؤں میں کھلی ہے۔ پر یہ کاربازی لوگوں اور پڑے لکھوں میں ادھک ہے۔ سیدھے سادے کسان اب بھی چھڑے کی بات پسند نہیں کرتے۔ کوئی سمجھاوے تو سناتے ہیں۔ گاؤں کی میں لوگوں کو بھڑکاتے ہیں۔ ان کا ہرے اب بھی بالکل تھک ہے۔ انہیں کسی راہ دکھانے والے کی ضرورت ہے۔

11. میرا خیال ہے کہ بیکار کا جانا گاؤں میں بالکل بند ہونا چاہیے۔ اس کی جگہ لوگوں کو اگر تھکاؤ پیلا ہی ہے تو اپنے کھیت کی تھکاؤ چلے میں دیکھ کر پٹھانوں کو کم نقصان ہو اور ان کا پیسہ بھی بچے۔

12. ہر گاؤں میں ایک ایسے وزن دار اور نہک مکھیا کی ضرورت ہے جو ان میں سچا سنگھت پیدا کر سکے۔

13. عام غریب لوگوں میں مہمان کی سہارا اور مان مہمان کا خیال اب بھی بہت ہے۔

14. جھگڑوں کی کٹائی اور ہربادی سے زمین کی نمی کو بہت نقصان پہونچتا ہے۔

15. کھڑے کی تلگی سے لوگ کافی پریشان ہیں۔

16. گاؤں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مونگ پھلی، تھاکو اور بھارتی ایکہ جو ملوں میں کام آتی ہے، ان کی کھیتی بہت کم کی جاوے، اور کھانے کا ناچ، تلہ، کھاس اور دیسی ایکہ کی کھیتی ادھک کی جاوے۔ پیسہ کا چلن کم ہو اور گاؤں والے تجارتی بدھی سے تھوڑا بچے ہو کھانے اور کھڑے میں سواروں کی طرف چلیں۔ اس سے گاؤں کے دھندے، جیسے کھڑے کی بھائی، کولہو وغیرہ بڑھیں اور گاؤں کا دھن باہر ہو جانا بند ہوگا۔ اس طرح اناج کی پیداوار بھی بڑھ سکتی ہے اور دیہی کی ناچ کی کمی بالکل دور ہو سکتی ہے۔

سب جگہ لوگ انہیں پریم کے ساتھ کھانے کو بلاتے اور رہنے کو تھکانے بھی دے دیتے تھے۔

2. انہوں نے دیکھا کہ گاؤں کے عام لوگ سب جگہ کانگریس اور سرکار دونوں سے بہت استغمت تھے۔ کانگریس کے نام تک سے لوگ بیدار ہو جاتے تھے، پر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گاندھی جی کا کوئی آدمی ان سے ملنے آیا ہے تو اس سے پریم کے ساتھ ملتے ہیں، ایسا سب دیکھا اس سے کہتے ہیں اور اس کی بات دھیان سے سنتے ہیں۔

3. اس علاقے کے میں جن حصوں میں نہر نکلی ہے ان لوگ کھڑو چو فصلوں ہی ادا کرتے ہیں، یعنی مونگ پھلی، تھان اور نئے بلاتے ایک جیسی چیزیں جو زمین سے زیادہ سے زیادہ طاقت کھینچ لیتی ہیں۔ اس سے زمین کی طاقت کھینچ جاتی ہے۔ نہر کی زمین سے ادر، سرس، دیہی ایک، کھاس، جیسی کام کی چیزیں نہیں لی جاتیں۔ نہری علاقوں میں کام کی چیزیں کو پیدا کرنے کی شکتی بھی کھینچ جاتی ہے۔ جوار جہاں پہلے کھجور سے من فی ہیکھا ہوتی تھی وہاں اب کھیتے کھیتے کہیں کہیں پانچ من فی ہیکھا رہ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہروں سے باہری تجارت اور لوٹ پلاٹ کا کام ہی لیا جاتا ہے گاؤں کی اصلی اور تکی بھلائی کا نہیں۔

4. بوسوں کے لوہے میں اور فریبی کے کارن گاؤں والے اپنی گائے بھینسوں کا دودھ باہر بھج دیتے ہیں اور اپنے بچوں، بھروسوں اور بھاروں تک کو دودھ نہیں دے پاتے جس سے ان کی تندرستی بگڑتی جا رہی ہے۔

5. ایک گاؤں میں لک بھگ نوے برس کے ایک بڑے بڑے بڑے آدمی نے مجھ سے کہا: ”جب سے یہ گاؤں کا نوٹ چلا ہے تب سے ہم لوگ متھے جا رہے ہیں۔ جب ہم چھڑوں کی ادا بدلی کر لیتے تھے تب ہمارا کھر بھرا دھتا تھا۔ یہ گاؤں کا نوٹ بار بار کرتا دھتا ہے اور دھوکا دیتا دھتا ہے۔ باہر یہ پیسے کا چلن ٹوٹے تو ہم لوگوں کی جان بچے۔“ مہری اپنی رائے ہے کہ گاؤں میں سب مزدوری پوسے کی جگہ چھڑوں کے روپ میں ہی لی دی جائے تو گاؤں والوں کو زیادہ سودھا ہو اور ان کا ادھک بھلا ہو۔

6. ایک انویسٹی گٹر والے نے ان سے کہا: ”آج کل کے آدمی ہڈی چھڑو کتے کی طرح سوکھی ہڈی چھڑو کر ہی دانتوں کے خون کا سواد لیتے دھتے ہیں، انہی سے انڈس لپ بھائی کا خون چوس کر اُس کی اور اپنی دونوں کی گری ہوئی حالت کو بھالے دھتے ہیں۔ دوسرے کے لشکر کے لئے اپنی ناک لگتے پھرتے ہیں۔“

7. سب جگہ اس بات کی ہوشیاری ہے کہ کسی کے پاس ضرورت سے کم زمین ہے اور کسی کے پاس بہت زیادہ۔ پھر بھی لوگ سامعہک کھیتی کے پھندن

سب جگہ لوگ انہیں پریم کے ساتھ کھانے کو بلاتے اور رہنے کو تھکانے بھی دے دیتے تھے۔

2. انہوں نے دیکھا کہ گاؤں کے عام لوگ سب جگہ کانگریس اور سرکار دونوں سے بہت استغمت تھے۔ کانگریس کے نام تک سے لوگ بیدار ہو جاتے تھے، پر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گاندھی جی کا کوئی آدمی ان سے ملنے آیا ہے تو اس سے پریم کے ساتھ ملتے ہیں، ایسا سب دیکھا اس سے کہتے ہیں اور اس کی بات دھیان سے سنتے ہیں۔

3. اس علاقے کے میں جن حصوں میں نہر نکلی ہے ان لوگ کھڑو چو فصلوں ہی ادا کرتے ہیں، یعنی مونگ پھلی، تھان اور نئے بلاتے ایک جیسی چیزیں جو زمین سے زیادہ سے زیادہ طاقت کھینچ لیتی ہیں۔ اس سے زمین کی طاقت کھینچ جاتی ہے۔ نہر کی زمین سے ادر، سرس، دیہی ایک، کھاس، جیسی کام کی چیزیں نہیں لی جاتیں۔ نہری علاقوں میں کام کی چیزیں کو پیدا کرنے کی شکتی بھی کھینچ جاتی ہے۔ جوار جہاں پہلے کھجور سے من فی ہیکھا ہوتی تھی وہاں اب کھیتے کھیتے کہیں کہیں پانچ من فی ہیکھا رہ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہروں سے باہری تجارت اور لوٹ پلاٹ کا کام ہی لیا جاتا ہے گاؤں کی اصلی اور تکی بھلائی کا نہیں۔

4. بوسوں کے لوہے میں اور فریبی کے کارن گاؤں والے اپنی گائے بھینسوں کا دودھ باہر بھج دیتے ہیں اور اپنے بچوں، بھروسوں اور بھاروں تک کو دودھ نہیں دے پاتے جس سے ان کی تندرستی بگڑتی جا رہی ہے۔

5. ایک گاؤں میں لک بھگ نوے برس کے ایک بڑے بڑے بڑے آدمی نے مجھ سے کہا: ”جب سے یہ گاؤں کا نوٹ چلا ہے تب سے ہم لوگ متھے جا رہے ہیں۔ جب ہم چھڑوں کی ادا بدلی کر لیتے تھے تب ہمارا کھر بھرا دھتا تھا۔ یہ گاؤں کا نوٹ بار بار کرتا دھتا ہے اور دھوکا دیتا دھتا ہے۔ باہر یہ پیسے کا چلن ٹوٹے تو ہم لوگوں کی جان بچے۔“ مہری اپنی رائے ہے کہ گاؤں میں سب مزدوری پوسے کی جگہ چھڑوں کے روپ میں ہی لی دی جائے تو گاؤں والوں کو زیادہ سودھا ہو اور ان کا ادھک بھلا ہو۔

6. ایک انویسٹی گٹر والے نے ان سے کہا: ”آج کل کے آدمی ہڈی چھڑو کتے کی طرح سوکھی ہڈی چھڑو کر ہی دانتوں کے خون کا سواد لیتے دھتے ہیں، انہی سے انڈس لپ بھائی کا خون چوس کر اُس کی اور اپنی دونوں کی گری ہوئی حالت کو بھالے دھتے ہیں۔ دوسرے کے لشکر کے لئے اپنی ناک لگتے پھرتے ہیں۔“

7. سب جگہ اس بات کی ہوشیاری ہے کہ کسی کے پاس ضرورت سے کم زمین ہے اور کسی کے پاس بہت زیادہ۔ پھر بھی لوگ سامعہک کھیتی کے پھندن

हमारे गांव—एक भलाक

(किशनचन्द दुबे)

[बरबा झिले में सेलडोह नाम का एक गांव है. ग्राम उद्योग संघ बरबा के मंत्री डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा ने हाल में वहां एक आश्रम खोला है जिसका नाम है "पन्ने आश्रम सेलडोह". 'पन्ने' शब्द तमिल भाषा का है जिसका अर्थ है संस्कृति या कलचर. वहां कई सौ एकड़ जमीन लेकर उसमें लोगों को बसाकर और खेती बाड़ी करके डाक्टर कुमारप्पा यह दिखाना चाहते हैं कि गांधी जी के सिद्धान्तों के अनुसार गांव वालों की आदर्श जिन्दगी कैसी होनी चाहिये. जमीन खरीदने में जो रुपया लगा और शुरू में मकान बनाने, और बैल चौरा खरीदने में जो रुपया लगेगा, उसके अलावा डाक्टर कुमारप्पा आश्रम और आश्रम वासियों के माहवारी खर्च के लिए, या आगे काम बढ़ाने के लिए, एक पैसा या कोई चीज बाहर से नहीं ले रहे हैं. डाक्टर कुमारप्पा ने ऐसी जमीन भी कोई नहीं खरीदी जो किसी किसान की जोत में रही हो और जिससे किसी को निकालना पड़े. उन्होंने सब जमीन परती की ली है. पन्ने आश्रम की रचना एक स्वावलम्बी ढंग से हो रही है. अपने ढंग का वह एक नया तजुरबा है.

हाल में पन्ने आश्रम के एक कार्यकर्ता श्री किशनचन्द दुबे देश के कुछ गांव की हालत देखने गए. इस के लिए उन्होंने यू. पी. के उन्नाव जिले को चुना. ग्यारह दिन में वे इसी गांव गए, अकेले पैदल बिना एक पैसा या खाने का कोई सामान साथ लिये, नंगे पैर, नंगे बदन, कंधे पर खर की एक मोटी चादर डाले, हाथ में एक मोला लिये जिस में एक फालतू धोती, एक अंगोछा, लोटा डोर, कुछ कापास और एक पेंसिल थी. उन गांवों में उन्हें कोई पहले से नहीं जानता था, न उन्होंने किसी को किसी तरह की पहले से सूचना दी थी. हर गांव में जाते थे, जो लोग मिलते थे उनसे बातें करते थे, जो कोई खाना दे देता था खा लेते थे, और जहां जगह मिल जाती थी लेट रहते थे. इस तरह ग्यारह दिन की यात्रा में हर गांव की हालत खुद देखने के साथ साथ उन्होंने किसानों और मजदूरी पैसा लोगों के अलावा गांव पंचायतों के लोगों, सरपंचों, गांव सभापति, जमींदारों और कांग्रेसी कार्यकर्ताओं से भी काफी बातें कीं. अपने लकड़ के कुछ तजुरबे उन्होंने 'नया हिन्द' को लिख कर भेजे हैं जिनका निचोड़ हम नीचे दे रहे हैं.

— एडीटर]

1. हर गांव में थोड़ी दूर के अन्दर ही कम से कम इस बीस आदमी उनकी बातें सुनने के लिये जमा हो जाते थे.

हमारे गांव—एक जहल

(लखन चन्द दुबे)

[उरुमा शल्ले में सेलडोह नाम का एक गांव है. ग्राम उद्योग संघ बरबा के मंत्री डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा ने हाल में वहां एक आश्रम खोला है जिसका नाम है "पन्ने आश्रम सेलडोह". 'पन्ने' शब्द तमिल भाषा का है जिसका अर्थ है संस्कृति या कलचर. वहां कई सौ एकड़ जमीन लेकर उसमें लोगों को बसाकर और खेती बाड़ी करके डाक्टर कुमारप्पा यह दिखाना चाहते हैं कि गांधी जी के सिद्धान्तों के अनुसार गांव वालों की आदर्श जिन्दगी कैसी होनी चाहिये. जमीन खरीदने में जो रुपया लगा और शुरू में मकान बनाने, और बैल चौरा खरीदने में जो रुपया लगेगा, उसके अलावा डाक्टर कुमारप्पा आश्रम और आश्रम वासियों के माहवारी खर्च के लिए, या आगे काम बढ़ाने के लिए, एक पैसा या कोई चीज बाहर से नहीं ले रहे हैं. डाक्टर कुमारप्पा ने ऐसी जमीन भी कोई नहीं खरीदी जो किसी किसान की जोत में रही हो और जिससे किसी को निकालना पड़े. उन्होंने सब जमीन परती की ली है. पन्ने आश्रम की रचना एक स्वावलम्बी ढंग से हो रही है. अपने ढंग का वह एक नया तजुरबा है.

हाल में पन्ने आश्रम के एक कार्यकर्ता श्री किशनचन्द दुबे देश के कुछ गांव की हालत देखने गए. इस के लिए उन्होंने यू. पी. के उन्नाव जिले को चुना. ग्यारह दिन में वे इसी गांव गए, अकेले पैदल बिना एक पैसा या खाने का कोई सामान साथ लिये, नंगे पैर, नंगे बदन, कंधे पर खर की एक मोटी चादर डाले, हाथ में एक मोला लिये जिस में एक फालतू धोती, एक अंगोछा, लोटा डोर, कुछ कापास और एक पेंसिल थी. उन गांवों में उन्हें कोई पहले से नहीं जानता था, न उन्होंने किसी को किसी तरह की पहले से सूचना दी थी. हर गांव में जाते थे, जो लोग मिलते थे उनसे बातें करते थे, जो कोई खाना दे देता था खा लेते थे, और जहां जगह मिल जाती थी लेट रहते थे. इस तरह ग्यारह दिन की यात्रा में हर गांव की हालत खुद देखने के साथ साथ उन्होंने किसानों और मजदूरी पैसा लोगों के अलावा गांव पंचायतों के लोगों, सरपंचों, गांव सभापति, जमींदारों और कांग्रेसी कार्यकर्ताओं से भी काफी बातें कीं. अपने लकड़ के कुछ तजुरबे उन्होंने 'नया हिन्द' को लिख कर भेजे हैं जिनका निचोड़ हम नीचे दे रहे हैं.

1. हर गांव में थोड़ी दूर के अन्दर ही कम से कम इस बीस आदमी उनकी बातें सुनने के लिये जमा हो जाते थे.

68 کڑی سدی جانی کڑی 33 لاکھ ایکڑ جمنی ایک لاکھ 25 ہزار جمنی داروں کی ملکیت میں تھی جو خود خدے نہیں کرتے تھے اور کھول 32 لاکھ سدی چھوٹے کسانوں کی ملکیت میں تھی جن کی تعداد قریب آٹھ لاکھ تھی۔ قریب نو لاکھ کسان ایسے تھے جو کسی زمین کے مالک نہیں تھے اور صرف دوسروں کی زمین پر مزدوری کرتے تھے۔ ان انکوں سے پتہ چلتا ہے کہ نکلے زمینداروں کی ملکیت میں کتنی زیادہ زمین تھی اور جو لوگ اپنا پسند بھا کر زمین پر مصمت کرتے تھے ان کی ملکیت میں کتنی کم تھی چار سو بہتر بڑے بڑے زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ 45 ہزار ایکڑ زمین تھی۔ ایک ہزار آٹھ سو چھاسی زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ چالیس ہزار سات سو ساٹھ ایکڑ زمین تھی۔ قریب نو ہزار زمیندار ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کے پاس پونے تھیں ایکڑ سے زیادہ زمین تھی اور جن کی کل زمینیں ملا کر چھ لاکھ تریسٹھ ہزار ایکڑ ہوتی تھیں۔ اس میں سے چار لاکھ باسٹھ ہزار ایکڑ زمین نئے قانون کے مطابق چونکے والوں کی ملکیت میں دے دی گئی یا دے دی جا رہی ہے۔ جون سن 1952 تک قریب ایک لاکھ چالیس ہزار ایکڑ زمین ایک لاکھ پچھاس ہزار دو سو چھون کسانوں کو دی جا چکی ہے جو اب اپنی اپنی زمین کے مالک ہیں۔ ان کے گھر والوں کی تعداد ملا کر ساڑھے چار لاکھ ہوتی ہے۔ اسی عرصے کے اندر پچاس ہزار ایکڑ زمین ریاست کی ملکیت میں آئی۔ نئے قانون کے مطابق اندراج ریاست بھر میں فوجی کے ساتھ پورا کیا جا رہا ہے۔

68 لاکھ سدی جانی قریب 33 لاکھ ایکڑ زمین ایک لاکھ 25 ہزار زمینداروں کی ملکیت میں تھی۔ جو خود کھیتی نہیں کرتے تھے اور کھول 32 لاکھ سدی چھوٹے کسانوں کی ملکیت میں تھی جن کی تعداد قریب آٹھ لاکھ تھی۔ قریب نو لاکھ کسان ایسے تھے جو کسی زمین کے مالک نہیں تھے اور صرف دوسروں کی زمین پر مزدوری کرتے تھے۔ ان انکوں سے پتہ چلتا ہے کہ نکلے زمینداروں کی ملکیت میں کتنی زیادہ زمین تھی اور جو لوگ اپنا پسند بھا کر زمین پر مصمت کرتے تھے ان کی ملکیت میں کتنی کم تھی چار سو بہتر بڑے بڑے زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ 45 ہزار ایکڑ زمین تھی۔ ایک ہزار آٹھ سو چھاسی زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ چالیس ہزار سات سو ساٹھ ایکڑ زمین تھی۔ قریب نو ہزار زمیندار ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کے پاس پونے تھیں ایکڑ سے زیادہ زمین تھی اور جن کی کل زمینیں ملا کر چھ لاکھ تریسٹھ ہزار ایکڑ ہوتی تھیں۔ اس میں سے چار لاکھ باسٹھ ہزار ایکڑ زمین نئے قانون کے مطابق چونکے والوں کی ملکیت میں دے دی گئی یا دے دی جا رہی ہے۔ جون سن 1952 تک قریب ایک لاکھ چالیس ہزار ایکڑ زمین ایک لاکھ پچھاس ہزار دو سو چھون کسانوں کو دی جا چکی ہے جو اب اپنی اپنی زمین کے مالک ہیں۔ ان کے گھر والوں کی تعداد ملا کر ساڑھے چار لاکھ ہوتی ہے۔ اسی عرصے کے اندر پچاس ہزار ایکڑ زمین ریاست کی ملکیت میں آئی۔ نئے قانون کے مطابق اندراج ریاست بھر میں فوجی کے ساتھ پورا کیا جا رہا ہے۔

کسانوں کا گیت

ہر ہر جاتی، یہ زندگی ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے،
 اچھوت باہل بن کے اٹھتے ہیں پربت سے ٹکرائیے۔
 خستوں کی ہریاوتی بن کر اچھوت اپنی دیکھلائیے،
 دھنیا کا دھنیا اپنا کر دھنیا پر اچھوت جائیے۔
 ہم خود ہی تکریدی ہیں اپنی اچھوت اپنا ہی سہارا ہے،
 ہر ہر جاتی، یہ زندگی ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے۔
 —مسز اختر 'جسمال'

کسانوں کا گیت

یہ دھرتی، یہ جہون ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے،
 اچھوت باہل بن کے اٹھتے ہیں پربت سے ٹکرائیے۔
 دھنیا کی ہریاوتی بن کر اچھوت اپنی دیکھلائیے،
 دھنیا کا دھنیا اپنا کر دھنیا پر اچھوت جائیے۔
 ہم خود ہی تکریدی ہیں اپنی اچھوت اپنا ہی سہارا ہے،
 یہ دھرتی، یہ جہون ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے۔
 —مسز اختر 'جسمال'

जम्मू और कश्मीर रियासत ने चौरानवे हज़ार चार सौ इकहत्तर मुरब्बा मील के अन्दर नौ हज़ार गांव हैं. इन नौ हज़ार गांवों की नब्बे फ्री सदी आबादी खेती से अपनी रोज़ी चलाती है. खेती की कुल ज़मीन का

جمو اور کشمیر ریاست میں چورائے ہزار چار سو
ایکتر مربع میل کے اندر نو ہزار گاؤں ہیں۔ ان
نو ہزار گاؤں کی نوے فی صدی آبادی کھیتی
اپنی روزی چرائی ہے۔ کھیتی کی کل زمین کا

زمین کا مالک بنا دیا گیا، جو مالکدار کے لئے اس وقت زمیندار سے لی جاتی تھی وہی اب کسان سے لی جائیگی اور اس کے علاوہ روپے میں چار آنے کے حساب سے ایک خاص ٹیکس (اسٹیشن لیکٹیو دیولپمنٹ ٹیکس) اور دینا ہوگا۔ اس ٹیکس کی ساری آمدنی اس کسان کی زمین کو بہتر بنانے اور اسے کھیتی میں مدد دینے کے کام میں خرچ کی جائیگی۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں تھیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کوئی زمین نہیں تھی اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پھاڑ گزلیوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست کے ضابطہ کو لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو قبضہ حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیت، تالاب، جوڑے نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے مالک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے مالک کا اس قرضے سے کوئی سمبندھ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے مالک کے حق کو کسی دیراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فرق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں تھیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کوئی زمین نہیں تھی اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پھاڑ گزلیوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست کے ضابطہ کو لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو قبضہ حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیت، تالاب، جوڑے نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے مالک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے مالک کا اس قرضے سے کوئی سمبندھ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے مالک کے حق کو کسی دیراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فرق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں تھیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کوئی زمین نہیں تھی اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پھاڑ گزلیوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست کے ضابطہ کو لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو قبضہ حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیت، تالاب، جوڑے نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے مالک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے مالک کا اس قرضے سے کوئی سمبندھ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے مالک کے حق کو کسی دیراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فرق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں تھیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کوئی زمین نہیں تھی اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پھاڑ گزلیوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست کے ضابطہ کو لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو قبضہ حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیت، تالاب، جوڑے نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے مالک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے مالک کا اس قرضے سے کوئی سمبندھ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے مالک کے حق کو کسی دیراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فرق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں تھیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کوئی زمین نہیں تھی اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پھاڑ گزلیوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست کے ضابطہ کو لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو قبضہ حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیت، تالاب، جوڑے نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے مالک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے مالک کا اس قرضے سے کوئی سمبندھ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے مالک کے حق کو کسی دیراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فرق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

موتلا جمنیوں کے ساتھ ساتھ باغیچہ کے اس طرح کی زمینوں کو بھی جو دوسرے کسانوں کے کاشت میں ہوتی تھیں اپنی خود کاشت لکھا لیتے تھے۔ اس ظلم سے کسان کو بچانے کے لئے نئے قانون میں یہ بات شامل کر دی گئی کہ اگر کسی بھی پتواری کے کاغذ یا سرکاری کاغذ میں کسی زمیندار کی خود کاشت زمین ساڑھ بارہ ایکڑ سے زیادہ لکھی ہوئی ہوگی تو اس اندراج کو غلط مانا جائیگا۔

پچھلے پندرہ برس کے اندر بڑے بڑے جمنیداروں کے ظلم اور زمینوں پر ان کے قبضے بڑھتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سی ایسی زمینوں پر بھی جو 'شاملات' کہلاتی تھیں اور جو سارے گاؤں کی ملکیت مانی جاتی تھیں بڑے بڑے زمینداروں نے قبضہ کر لیا تھا اور انہیں کہیں تو باہر کے ایسے لوگوں کے ہاتھ انہیں بیچ دیا تھا یا دھن دیکھ دیا تھا جن کا اس زمین سے کوئی سبب نہ نہیں تھا اور نہ جن کا اس پر کوئی حق تھا۔ لاجپور اور فریپ کسان کچھ نہ کر سکتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کچھ ہاتھ پیر پڑھتا بھی تھا تو کچھ بڑوں کے طریقے اور قانون کے پھولنگھان ان کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ سرکار نے پرانے قانون کو بدل کر 'شاملات' زمینوں کی اس تباہی کو بھی ختم کر دیا۔

13 جولائی سن 1950 ہمارے شہیدوں کے دن کی انیسویں سالگرہ تھی۔ اس دن سرکار نے یہ تاریخی فیصلہ کر دیا کہ جو جس زمین کو جوئے دہی اس زمین کا مالک اور اسی کے نام زمین کی ملکیت کا اندراج ہوا جائیگا۔ 17 اکتوبر سن 1950 کو بڑی زمینداروں انت قانون (ہک لولڈڈ اسٹیتس ایڈالیشن ایکٹ) پاس ہوا جسے کسانوں کا منگنا چارٹا یعنی مہان ادھیکار پتو کہا جا سکتا ہے۔ اس قانون نے ریاست کے زمین کے انتظام میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا تجربہ ہے۔ اس میں گاؤں کی ساری زندگی کو سماجی برابری اور مالی انصاف کی نئی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس نئے قانون کے مطابق ہر زمیندار کو اپنے باغیچوں، گھاس کے میدانوں اور ایڑھن کے ضروری جنگلوں کے علاوہ صرف پورے تھیں ایکڑ تک زمین اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔ جس کسی کے پاس اس سے زیادہ زمین ہے اس کا باقی سب زمین پر سے حق ملکیت ختم کر دیا گیا ہے اور وہ سب زمین ان کسانوں کی ملکیت قرار دیدی گئی جو اسے جوتتے ہیں اس نے لئے خریف سن 2007 یعنی ستمبر اکتوبر سن 1950 کی کاشت کو تھیک مان لیا گیا۔ خریف سن 2007 میں جو کسان جنگلی زمین کو جوتتا تھا وہی اب ہمیشہ کے لئے اس

ملازمین کے ساتھ ساز باز کر کے اس طرح کی زمینوں کو بھی جو دوسرے کسانوں کے کاشت میں ہوتی تھیں اپنی خود کاشت لکھا لیتے تھے۔ اس ظلم سے کسان کو بچانے کے لئے نئے قانون میں یہ بات شامل کر دی گئی کہ اگر کسی بھی پتواری کے کاغذ یا سرکاری کاغذ میں کسی زمیندار کی خود کاشت زمین ساڑھ بارہ ایکڑ سے زیادہ لکھی ہوئی ہوگی تو اس اندراج کو غلط مانا جائیگا۔

پچھلے پندرہ برس کے اندر بڑے بڑے زمینداروں کے ظلم اور زمینوں پر ان کے قبضے بڑھتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سی ایسی زمینوں پر بھی جو 'شاملات' کہلاتی تھیں اور جو سارے گاؤں کی ملکیت مانی جاتی تھیں بڑے بڑے زمینداروں نے قبضہ کر لیا تھا اور انہیں کہیں تو باہر کے ایسے لوگوں کے ہاتھ انہیں بیچ دیا تھا یا دھن دیکھ دیا تھا جن کا اس زمین سے کوئی سبب نہ نہیں تھا اور نہ جن کا اس پر کوئی حق تھا۔ لاجپور اور فریپ کسان کچھ نہ کر سکتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کچھ ہاتھ پیر پڑھتا بھی تھا تو کچھ بڑوں کے طریقے اور قانون کے پھولنگھان ان کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ سرکار نے پرانے قانون کو بدل کر 'شاملات' زمینوں کی اس تباہی کو بھی ختم کر دیا۔

13 جولائی سن 1950 ہمارے شہیدوں کے دن کی انیسویں سالگرہ تھی۔ اس دن سرکار نے یہ تاریخی فیصلہ کر دیا کہ جو جس زمین کو جوئے دہی اس زمین کا مالک اور اسی کے نام زمین کی ملکیت کا اندراج ہوا جائیگا۔ 17 اکتوبر سن 1950 کو بڑی زمینداروں انت قانون (ہک لولڈڈ اسٹیتس ایڈالیشن ایکٹ) پاس ہوا جسے کسانوں کا منگنا چارٹا یعنی مہان ادھیکار پتو کہا جا سکتا ہے۔ اس قانون نے ریاست کے زمین کے انتظام میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا تجربہ ہے۔ اس میں گاؤں کی ساری زندگی کو سماجی برابری اور مالی انصاف کی نئی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس نئے قانون کے مطابق ہر زمیندار کو اپنے باغیچوں، گھاس کے میدانوں اور ایڑھن کے ضروری جنگلوں کے علاوہ صرف پورے تھیں ایکڑ تک زمین اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔ جس کسی کے پاس اس سے زیادہ زمین ہے اس کا باقی سب زمین پر سے حق ملکیت ختم کر دیا گیا ہے اور وہ سب زمین ان کسانوں کی ملکیت قرار دیدی گئی جو اسے جوتتے ہیں اس نے لئے خریف سن 2007 یعنی ستمبر اکتوبر سن 1950 کی کاشت کو تھیک مان لیا گیا۔ خریف سن 2007 میں جو کسان جنگلی زمین کو جوتتا تھا وہی اب ہمیشہ کے لئے اس

گئے پھر جب تک देश کے کسانوں کی مالی آزادی نہیں ملتی تب تک دیہی کی ترقی ناممکن ہے۔ گورنمنٹ نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ زمین کا مالک وہی ہونا چاہئے جو اسے جوتے اور اس پر کام کرے اور کوئی نئی جہت جو خود محصول نہ کرے اور دوسروں کی محصول کے سہارے سوچے اس کے سر پر نہیں دھلی چاہئے۔ یہی نئے کھمبہ کے ہم عصری سدھار کی تجویز تھی۔ اس کے ذریعے سے سرکار ریاست کے اندر کھیتی کے کام کو نئے اور زیادہ اچھے طریقے پر چلانے اور کسانوں کے دھن سہن کو اونچا کرنے کی اہد کرتی ہے۔ ہماری اس تجویز کے دو بنیادی اصول تھے—(1) زمینداری کو ختم کرنا اور (2) جو زمین کو جوتے اسے ہی زمین کا مالک ٹھہرانا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا تھا کہ کسان کے پاس اپنی زمین کی پھداوار بڑھانے کے لئے کھول سادھوں کی ہی کمی نہ تھی، اس کے پاس آٹساہ اور ہمت کی بھی کمی تھی۔ وہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ کھوں اور آخر کس کے لئے محصول کرے۔ اور پھر ایک دوسرے کے بعد اس کی محصول کا پہل اس سے چھلنے کے لئے نکلے لوگوں کا سلسلہ بدلتا ہوا تھا جسے جاگہدار، معافی دار، زمیندار وغیرہ۔

نئی سرکار نے زمینداری ختم کرنے کے لئے پہلا کام یہ کیا کہ سب جاگہداروں کو ختم کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سرکار نے سب معافوں کو ختم کیا اور زمین کی پھداوار سے جن لوگوں کی نقد رقمیں بددی ہوئی تھیں جملہوں 'مقرر' کہتے تھے انہیں بھی سرکار نے ختم کر دیا۔ صرف وہ معافوں اور مقرریاں دھلے دی گئیں جن کا دھارہ ایک سلسلہوں کے ساتھ سہلہ تھا۔ اس کے بعد سرکار نے ریاست کے کھیتی قانون (ٹیلنسی لا) کو بدلا۔ پرانے قانون کے مطابق کسان کو جب چاہا اس کی زمین سے بدخل کیا جاسکتا تھا۔ نئے سدھار کے ذریعے یہ بدخلی بند کردی گئی اور کسانوں کو ایک طرح کا پکا حق اپنی اپنی زمین پر دے دیا گیا۔ کسان کے لگان کو بھی ٹھہک ٹھہک مقرر کر دیا گیا۔ یہ طے کر دیا گیا کہ جن کسانوں کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے کم زمین ہے ان سے اصلی پھداوار کا آدھ سے زیادہ لگان نہ لیا جاوے اور جن کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے زیادہ زمین ہے ان سے سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک چوتھائی اور غیر سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک تہائی سے زیادہ لگان کسی سے نہ لیا جائے۔

اس سے پہلے نکلے زمیندار ایک شرارت اور کہا کرتے تھے۔ وہ اکثر چھوٹے سرکاری افسروں اور سرکاری

نئے سرکار نے زمینداری ختم کرنے کے لئے پہلا کام یہ کیا کہ سب جاگہداروں کو ختم کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سرکار نے سب معافوں کو ختم کیا اور زمین کی پھداوار سے جن لوگوں کی نقد رقمیں بددی ہوئی تھیں جملہوں 'مقرر' کہتے تھے انہیں بھی سرکار نے ختم کر دیا۔ صرف وہ معافوں اور مقرریاں دھلے دی گئیں جن کا دھارہ ایک سلسلہوں کے ساتھ سہلہ تھا۔ اس کے بعد سرکار نے ریاست کے کھیتی قانون (ٹیلنسی لا) کو بدلا۔ پرانے قانون کے مطابق کسان کو جب چاہا اس کی زمین سے بدخل کیا جاسکتا تھا۔ نئے سدھار کے ذریعے یہ بدخلی بند کردی گئی اور کسانوں کو ایک طرح کا پکا حق اپنی اپنی زمین پر دے دیا گیا۔ کسان کے لگان کو بھی ٹھہک ٹھہک مقرر کر دیا گیا۔ یہ طے کر دیا گیا کہ جن کسانوں کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے کم زمین ہے ان سے اصلی پھداوار کا آدھ سے زیادہ لگان نہ لیا جاوے اور جن کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے زیادہ زمین ہے ان سے سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک چوتھائی اور غیر سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک تہائی سے زیادہ لگان کسی سے نہ لیا جائے۔

اس سے پہلے نکلے زمیندار ایک شرارت اور کہا کرتے تھے۔ وہ اکثر چھوٹے سرکاری افسروں اور سرکاری

“मानते हैं वस्ताद तुम्हें भी” ठाकुर साहब ने सराहना की।

जखमी सुक़्खी होश में आने के बाद सोच रहा था—
धरती किसकी ?—जमींदार की या किसान की—सुक़्खी की या दुक़्खी की।

रात को गांव के सारे किसानों की पंचायत हुई। दुक़्खी और सुक़्खी गले मिले। सुक़्खी ने अपना तजुरबा बताया और सब ने मिल कर क़सम खाई कि वह कभी लालच में नहीं पसंगे, आपस में कभी नहीं लड़ेंगे, अपना संगठन करेंगे, एक ताक़त बनेंगे, जुल्म के सामने एक चट्टान बन जायेंगे !

—मुजीब रिज़वी

”مانتے ہوں استاد تمہیں بھی“ ٹھاکر صاحب نے سراہنا کی۔

زخمی سکھی ہوہش میں آنے کے بعد سوچ رہا تھا—
دھرتی کس کی؟—زمیندار کی یا کسان کی—سکھی کی یا دکھی کی۔

رات کو گاؤں کے سارے کسانوں کی پانچائیت ہوئی۔
دکھی اور سکھی گلے ملے۔ سکھی نے اپنا تجربہ بتایا اور
سب نے مل کر قسم کھائی کہ وہ کبھی لالچ میں نہیں
پھنسیں گے، آپس میں کبھی نہیں لڑیں گے، اپنا
سنگھٹن کریں گے، ایک طاقت بنیں گے، ظلم کے سامنے
ایک چٹان بن جائیں گے !

—محبوب ریاضی

जम्मू और कश्मीर रियासत में जमीन सुधार

(एम. ए. बेग, मालगुजारी वज़ीर जम्मू और कश्मीर)

जम्मू और कश्मीर की रियासत में अधिकतर आबादी
खेती पेशा लोगों की है। कुल आबादी में सौ पीछे पचासी
आदिमियों की रोखी खेती से चलती है।

हमारी अब तक की सभ्यता महाजनी सभ्यता
रही है। इस सभ्यता में आम जनता की भयंकर
शारीबी का कारन यह है कि धन दौलत पैदा करने
के ज़ियादातर साधनों पर थोड़े से ऐसे लोगों का कब्ज़ा
है जो खुद मेहनत नहीं करते और दूसरों की मेहनत
पर मोटे होकर निठुल्लेपन में अपने दिन गुज़ारते हैं।
इसी वजह से आम जनता के रहन सहन का दंग दिन
पर दिन गिरता चला जा रहा है और उनकी शारीबी और
नायारी तेज़ी से बढ़ती जा रही है। यही हालत कश्मीर की
थी। इन निठुल्ले ज़मींदारों और अपना पसीना बहा कर
नाज़ पैदा करने वाले किसानों के बीच साहूकारों और
दूसरे बिचौलियों का एक सिलसिला था जिसकी वजह से
कश्मीर के किसान की कमर कर्छे से टूट जाती थी और
खेती के काम में किसी भी तरह की तरक्की नामुमकिन थी।
पैदावार घट रही थी और किसानों की हालत बंद से
बदतर होती जा रही थी।

कश्मीर की मौजूदा गर्बनमेन्ट ने हकूमत की बाग अपने
हाथ में लेते ही देखा कि देश को राजकाजी आबादी तो मिल

جمو اور کشمیر ریاست میں زمین سدھار

(ایم . اے . بیگ ' مالگوزاری وزیر جمو اور کشمیر)

جمو اور کشمیر کی ریاست میں ادھکتر آبادی کھیتی
پیشہ لوگوں کی ہے . کل آبادی میں سو پچھتر پچاسی
آدیہوں کی روزی کھیتی سے چلتی ہے .

ہماری اب تک کی سبھوتا مہاجنی سبھوتا رہی ہے۔
اس سبھوتا میں عام چلتا کی بھونکر فریبی کا کارن یہ
ہے کہ دھن دولت پیدا کرنے کے زیادہتر سادھنوں پر تھوڑے
سے ایسے لوگوں کا قبضہ ہے جو خود محنت نہیں کرتے اور
دوسروں کی محنت پر موٹے ہوکر نکلے پین میں اپنے دن
گزارتے ہیں۔ اسی وجہ سے عام چلتا کے دھن سپن کا قلمک
دن پر دن گرتا چلا جا رہا ہے اور ان کی فریبی اور ناداری
لوہوں سے بڑھتی جا رہی ہے۔ یہی حالت کشمیر کی تھی۔
ان نکلے زمینداروں اور اپنا پسینہ بہا کر ناچ پیدا کرنے
والے کسانوں کے بچے ساھوکاروں اور دوسرے بچوں کے ایک
سلسلہ تھا جس کی وجہ سے کشمیر کے کسان کی کمر قریب
سے ٹوٹ جاتی تھی، کھیتی کے کام میں کسی بھی طرح کی
ترقی ناممکن تھی۔ پیداوار گھٹ رہی تھی اور کسانوں کی
حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی .

کشمیر کی موجودہ گورنمنٹ نے حکومت کی ہنگامی
ہاتھ میں لیتے ہی دیکھا کہ دیہی کم راجکاچی آبادی تو مل

مقدمہ شروع ہوا۔ ایک طرف کے پھرکار ٹھاکر صاحب تھے اور دوسری طرف کے مہر صاحب۔ زوروں کا مقدمہ چلا۔ عدالت نے فصل کو مقدمہ کے فاصلے تک سرکار کے ذمہ کر دیا اور مکھیا ہونے کے ناتے وہ ٹھاکر صاحب کو سونپ دی گئی۔

مقدمہ چلتا رہا۔ ڈوامہاں ہوئی دھن۔ دوپہہ کلتا رہا، دونوں کا کرض بڑھتا رہا۔

مہر صاحب کی رسید نے سکھی کا قبضہ ہٹایا، پتواری کے کافڈ نے سکھی کا ساتھ دیا۔ سارا گاؤں جانتا تھا کہ کھیت دھن کی ہے۔ لیکن کافڈ جو کہتے تھے تھیک کہتے تھے!

سکھی نے جہت کی خوشی میں گوڈ بانٹا۔ مندر میں چڑھایا دوسری فصل سکھی نے ہوئی، دن دن بہر مصامت کرتا رہا۔ دھن بھگوان سے نکھوا رونا رہا اور سکھی بھگوان کی لہلا کو سراہتا رہا۔ فصل تیار ہوگئی۔ سکھی اور اس کی گھر والی نے اُتسار کے ساتھ فصل کاٹی، ہر مادگ کو کتے ہوئے انہوں نے نہ معلوم کتے۔ مہلے بلے نہ جانے کتے متعل بلانے۔

سب قے گئے، سب کچھ ختم ہو گیا۔ مہر صاحب کے آدمیوں نے آخر کھیت کو کھیر لیا۔ مہر صاحب نے اُٹھ ہو کر کہا—”سکھیا، پہلے ہمارا حساب کر دے تب کھیت سے لاکھ اٹھا۔“

”میں آپ کا کوی کوی ادا کر دوں گا۔ بس ماڈ کھٹ کر آپ کا ہی دھساں کرے گا۔“

”یا تو آج میرا پسا دے، نہیں تو خیت سے سٹیکا، میں تیسری بات نہیں جانتا۔“

”کھپا کیجیے، مہر صاحب۔“

”تو کمزوروں کے ساتھ دھساں کرنا دھماکت ہے۔“

”مہر جی لاٹھ گاڑی میں“ مہر صاحب نے اپنے آدھوں کو حکم دیا۔

سکھی کو بھی جڑھی آیا۔ اُس نے بھی چھاتی پہلائی۔ پھر سے ایک لکھ سر پر پڑی۔ وہ کر پڑا۔ مہر صاحب نے ہو کر ایک کافڈ پر اُس کا نشان اُکھٹا لیا۔ لاکھ اٹھ گئی۔ کرض باقی رہا اور کھیت سے استعفیٰ بھی ہو گیا۔

ٹھاکر صاحب اور مہر صاحب گالے میں ہاتھ ڈالے ٹھاکر لگااتے باپس ہو رہے تھے۔ مہر صاحب کھ رہے تھے—دھسا میرا دھساں۔ تو اس رोज آکرت مول لے رہے تھے۔ تھارے تریکے پورانے ہو گئے۔ جڑا بن نپ تریکوں کو آکرتما کر دھلو۔ بیلکھول گود ٹیک بٹھتی ہے۔ اب تاکرت کی لکھائی نہیں ہے دھساں کی لکھائی ہے.....دھساں کی.....“

ٹھاکر صاحب اور مہر صاحب گالے میں ہاتھ ڈالے ٹھاکر لگااتے باپس ہو رہے تھے۔ مہر صاحب کھ رہے تھے—دھسا میرا دھساں۔ تو اس رोज آکرت مول لے رہے تھے۔ تھارے تریکے پورانے ہو گئے۔ جڑا بن نپ تریکوں کو آکرتما کر دھلو۔ بیلکھول گود ٹیک بٹھتی ہے۔ اب تاکرت کی لکھائی نہیں ہے دھساں کی لکھائی ہے.....دھساں کی.....“

ٹھاکر صاحب اور مہر صاحب گالے میں ہاتھ ڈالے ٹھاکر لگااتے باپس ہو رہے تھے۔ مہر صاحب کھ رہے تھے—دھسا میرا دھساں۔ تو اس رोज آکرت مول لے رہے تھے۔ تھارے تریکے پورانے ہو گئے۔ جڑا بن نپ تریکوں کو آکرتما کر دھلو۔ بیلکھول گود ٹیک بٹھتی ہے۔ اب تاکرت کی لکھائی نہیں ہے دھساں کی لکھائی ہے.....دھساں کی.....“

مقدمہ شروع ہوا۔ ایک طرف کے پھرکار ٹھاکر صاحب تھے اور دوسری طرف کے مہر صاحب۔ زوروں کا مقدمہ چلا۔ عدالت نے فصل کو مقدمہ کے فاصلے تک سرکار کے ذمہ کر دیا اور مکھیا ہونے کے ناتے وہ ٹھاکر صاحب کو سونپ دی گئی۔

مقدمہ چلتا رہا۔ ڈوامہاں ہوئی دھن۔ دوپہہ کلتا رہا، دونوں کا کرض بڑھتا رہا۔

مہر صاحب کی رسید نے سکھی کا قبضہ ہٹایا، پتواری کے کافڈ نے سکھی کا ساتھ دیا۔ سارا گاؤں جانتا تھا کہ کھیت دھن کی ہے۔ لیکن کافڈ جو کہتے تھے تھیک کہتے تھے!

سکھی نے جہت کی خوشی میں گوڈ بانٹا۔ مندر میں چڑھایا دوسری فصل سکھی نے ہوئی، دن دن بہر مصامت کرتا رہا۔ دھن بھگوان سے نکھوا رونا رہا اور سکھی بھگوان کی لہلا کو سراہتا رہا۔ فصل تیار ہوگئی۔ سکھی اور اس کی گھر والی نے اُتسار کے ساتھ فصل کاٹی، ہر مادگ کو کتے ہوئے انہوں نے نہ معلوم کتے۔ مہلے بلے نہ جانے کتے متعل بلانے۔

سب قے گئے، سب کچھ ختم ہو گیا۔ مہر صاحب کے آدمیوں نے آخر کھیت کو کھیر لیا۔ مہر صاحب نے اُٹھ ہو کر کہا—”سکھیا، پہلے ہمارا حساب کر دے تب کھیت سے لاکھ اٹھا۔“

”میں آپ کا کوی کوی ادا کر دوں گا۔ بس ماڈ کھٹ کر آپ کا ہی دھساں کرے گا۔“

”یا تو آج میرا پسا دے، نہیں تو خیت سے سٹیکا، میں تیسری بات نہیں جانتا۔“

”کھپا کیجیے، مہر صاحب۔“

”تو کمزوروں کے ساتھ دھساں کرنا دھماکت ہے۔“

”مہر جی لاٹھ گاڑی میں“ مہر صاحب نے اپنے آدھوں کو حکم دیا۔

سکھی کو بھی جڑھی آیا۔ اُس نے بھی چھاتی پہلائی۔ پھر سے ایک لکھ سر پر پڑی۔ وہ کر پڑا۔ مہر صاحب نے ہو کر ایک کافڈ پر اُس کا نشان اُکھٹا لیا۔ لاکھ اٹھ گئی۔ کرض باقی رہا اور کھیت سے استعفیٰ بھی ہو گیا۔

ٹھاکر صاحب اور مہر صاحب گالے میں ہاتھ ڈالے ٹھاکر لگااتے باپس ہو رہے تھے۔ مہر صاحب کھ رہے تھے—دھسا میرا دھساں۔ تو اس رोज آکرت مول لے رہے تھے۔ تھارے تریکے پورانے ہو گئے۔ جڑا بن نپ تریکوں کو آکرتما کر دھلو۔ بیلکھول گود ٹیک بٹھتی ہے۔ اب تاکرت کی لکھائی نہیں ہے دھساں کی لکھائی ہے.....دھساں کی.....“

“दुख्खी वाला खेत तुम्हें दे दें.”

“अनाज से लदा है, सर के ऊपर पेड़ हैं” ठाकुर साहब ने शोशा दिया.

‘नहीं सरकार, दुख्खी भैया उसे पुरखों से जोते है. मैं उसे कैसे ले सकता हूँ” सुख्खी ने कहा

“तुम बिलकुल पागल हो सुख्खी. तुम इस दुनिया को नहीं समझते.....तुम बहुत सीधे हो. दुख्खी बहुत चालाक है. उसका बस चले तो तुम्हारे दो बीघा भी छीन ले.

“जो जैसा करेगा वैसा भरेगा, अपना अपना ईमान !” दुख्खी ने इनकार का कारन बताया.

मीर साहब कहां हार मानने वाले थे, कोशिश जारी रखते हुए उन्होंने सुख्खी से फिर कहा-“हमारा कहना मान जाओ, तुम्हारा कुछ खर्च नहीं होगा, हम पटवारी को बुला कर खेत तुम्हारे नाम करा देंगे. रहा क़बज़ा..... वह भाई तुम कर लेना.....हम बीघ में बोलेंगे तो लोग कहेंगे ज़मींदार किसानों को लड़ाते हैं.....सोच लो जो तुम्हें फ़ायदे की बीज दिखाई पड़े बड़ी करो.....”

एक तरफ़ दुख्खी था, भाई चारा था और ख़ाली ईमान था और दूसरी तरफ़.....हरा भरा लहलहाता खेत..... बिना मेहनत का फल.....खर्च कुछ भी नहीं.....केवल ‘हां’ कहने की देर थी.....सुख्खी दुख्खी में पड़ गया. उसके दिमाग में झगड़ा होने लगा. उसकी समझ में नहीं आता था कि वह ‘हां’ कहे या ‘नहीं’.

“हमारा कुछ नहीं बिगड़ता. तुम अपना नका नुक़सान खुद सोच लो.....घर वाली से भी सलाह कर लो..... तुम्हें हम अपना आदमी समझते हैं. इसीलिए चाहते हैं कि तुम्हारे पास भी कुछ खेत हो जायं.....नहीं तो हमें क्या पड़ी है.....”मीर साहब ने सुख्खी को ‘हां’ की तरफ़ एक धक्का और दिया.

किसान हार गया. ज़मींदार की तिकड़म जीत गई. अन्धेरा उजाले पर छाने लगा. सुख्खी दुख्खी के खेत पर क़बज़ा करने की नियत से चल पड़ा. हंसिया उसके हाथ में थी और कन्धे पर पुख्खी लठ.

बात छुपके हुई थी. ठाकुर साहब, मीर साहब और सुख्खी के अलावा इस भेद को कोई और नहीं जानता था. फिर भी यह बात दुख्खी को मालूम थी. उसे किसने बताया

यह भी एक भेद है...दुख्खी तैयार था. सुख्खी भी तैयार था. एक ने अपने क़बज़े को मजबूत करने के लिये खेत का कुछ हिस्सा काटना चाहा. दूसरे ने रोका. बातों की गरज में लाठियों की कड़क सुनाई दी. न जाने क्यों और कैसे एक तरफ़ से ठाकुर साहब आ गए और दूसरी तरफ़ से मीर साहब. सुख्खी और दुख्खी अलग कर दिये गए. दोनों को राख दी गई कि लड़ने के बजाय अदालत से फैसला करा लें.

“दुख्खी वाला क़ब्रत में दू दे दें.”

“अनाज से लदा है, सर के ऊपर पेड़ हैं” ठाकुर साहब ने शोशा दिया.

“नहीं सरकार, दुख्खी भैया उसे पुरखों से जोते है. मैं उसे कैसे ले सकता हूँ” सुख्खी ने कहा

“तुम बिलकुल पागल हो सुख्खी. तुम इस दुनिया को नहीं समझते.....तुम बहुत सीधे हो. दुख्खी बहुत चालाक है. उसका बस चले तो तुम्हारे दो बीघा भी छीन ले.

“जो जैसा करेगा वैसा भरेगा, अपना अपना ईमान !” दुख्खी ने इनकार का कारन बताया.

मीर साहब कहां हार मानने वाले थे, कोशिश जारी रखते हुए उन्होंने सुख्खी से फिर कहा-“हमारा कहना मान जाओ, तुम्हारा कुछ खर्च नहीं होगा, हम पटवारी को बुला कर खेत तुम्हारे नाम करा देंगे. रहा क़बज़ा..... वह भाई तुम कर लेना.....हम बीघ में बोलेंगे तो लोग कहेंगे ज़मींदार किसानों को लड़ाते हैं.....सोच लो जो तुम्हें फ़ायदे की बीज दिखाई पड़े बड़ी करो.....”

एक तरफ़ दुख्खी था, भाई चारा था और ख़ाली ईमान था और दूसरी तरफ़.....हरा भरा लहलहाता खेत..... बिना मेहनत का फल.....खर्च कुछ भी नहीं.....केवल ‘हां’ कहने की देर थी.....सुख्खी दुख्खी में पड़ गया. उसके दिमाग में झगड़ा होने लगा. उसकी समझ में नहीं आता था कि वह ‘हां’ कहे या ‘नहीं’.

“हमारा कुछ नहीं बिगड़ता. तुम अपना नका नुक़सान खुद सोच लो.....घर वाली से भी सलाह कर लो..... तुम्हें हम अपना आदमी समझते हैं. इसीलिए चाहते हैं कि तुम्हारे पास भी कुछ खेत हो जायं.....नहीं तो हमें क्या पड़ी है.....”मीर साहब ने सुख्खी को ‘हां’ की तरफ़ एक धक्का और दिया.

किसान हार गया. ज़मींदार की तिकड़म जीत गई. अन्धेरा उजाले पर छाने लगा. सुख्खी दुख्खी के खेत पर क़बज़ा करने की नियत से चल पड़ा. हंसिया उसके हाथ में थी और कन्धे पर पुख्खी लठ.

बात छुपके हुई थी. ठाकुर साहब, मीर साहब और सुख्खी के अलावा इस भेद को कोई और नहीं जानता था. फिर भी यह बात दुख्खी को मालूम थी. उसे किसने बताया

यह भी एक भेद है...दुख्खी तैयार था. सुख्खी भी तैयार था. एक ने अपने क़बज़े को मजबूत करने के लिये खेत का कुछ हिस्सा काटना चाहा. दूसरे ने रोका. बातों की गरज में लाठियों की कड़क सुनाई दी. न जाने क्यों और कैसे एक तरफ़ से ठाकुर साहब आ गए और दूसरी तरफ़ से मीर साहब. सुख्खी और दुख्खी अलग कर दिये गए. दोनों को राख दी गई कि लड़ने के बजाय अदालत से फैसला करा लें.

ہے۔ وہ انہیں کوسے ہو سکتا ہے!“ مہر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سکھی نے ایسی ہلکار بھری جیسے وہ کہنا چاہتا ہو کہ یہ سب داؤں پہلچ مہری سمجھ میں نہیں آتے۔

مہر صاحب کی نظر دوبارہ سکھی پر گئی اور وہ اپنے گاؤں تکھ سے اچھل پڑے اور بولے—’یہ تمہاری زیادتی ہے سکھی۔ انسان انسان سب برابر ہیں۔ یہ بھکوان کی دین ہے کہ کسی کو اُس نے راجہ بنا دیا اور کسی کو جوگی۔ بھائی راجہ اپنی جگہ پر رہے اور جوگی اپنی جگہ پر۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوں، دونوں خوش رہیں۔ پر آدمی آدمی سب برابر ہیں... یہ نہیں ہو سکتا کہ تم زمین پر بیٹھو اور ہم گاؤں تکھ لگائے بیٹھے رہیں...‘

مہر صاحب نے اُٹھ کر سکھی کا ہاتھ پکڑا اور چارپائی پر بیٹھا لیا۔ گاؤں کی حالت، کھیتی باری کی حالت اور نہ جانے کبھی کبھی باتوں کی چرچا چل پڑی....

”آج کل خیتی کا کیا حال ہے سکھی“ مہر صاحب نے پوچھا۔

”میرے پاس تو کچھ دو بیلے خیت ہے سرکار! اسکا ہونا کیا اور نہ ہونا کیا۔“

”تو اور خیت کبھی نہیں جوت لیتے۔“

”کون دے، آپ ہی دو چار بیلے خیت دے دیجیے، جب تک جیندا رہیگا، اہمات مانے گا۔“

”ن بابا! تو لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس پالے میں خیتاں وہی خیت لیتے۔ خیت لیتے وقت تو میٹے بنو گئے اور خیت نکل جانے پر خیت دیکھا۔“

”مہر صاحب، وہ کوئی اور ہوتے ہونگے۔ آپ نے کبھی مہری شکایت سنی ہے؟ انڈی گڑھ ہوئی، تمام اُدھم مچا لیکن میں ہمیشہ الگ رہا۔ زمیندار آپ لوگوں کو مبارک ہو، ہم تو آپ کے ساتھ تلے جھون بتانا چاہتے ہیں۔“ سکھی نے اس طرح کہا جیسے اُسے مہر صاحب سے کھیت تو لیتا ہی ہے۔

”سب کا دیمارا خراب ہو گیا، لیکن سکھی نے کبھی بھرا راستا اختیار نہیں کیا۔ زمیندار کا وہی اُدھم سنا کرتا رہا.....“ ٹاکور صاحب نے سکھی کو سٹیٹیکٹ دیا۔

مہر صاحب جیسے خوش ہو گئے اور انہوں نے سکھی کو ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا—”جو خیت کھو سکھی ہم دے دیں۔“

”جو آپ ہمیں دیں گے، وہ خوشی سے لیں گے، آپ ہمارا خیال نہ کریں گے تو کون کرے گا۔“

”پھر بھی بولو تو۔“

”جو آپ کی مرضی۔“

”تم اور کھیت کھوں نہیں جوت لیتے۔“

”کون دے، آپ ہی دو چار بیلے کھیت دے دیجیے۔“

”جب تک زندہ رہوگا، احسان مانوگا۔“

”ن بابا! تم لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس پالے میں کھیتاں وہی کھیت لیتے۔ کھیت لیتے وقت تو میٹے بنو گئے اور وقت نکل جانے پر کھیت دیکھا۔“

”مہر صاحب، وہ کوئی اور ہوتے ہونگے۔ آپ نے کبھی مہری شکایت سنی ہے؟ انڈی گڑھ ہوئی، تمام اُدھم مچا لیکن میں ہمیشہ الگ رہا۔ زمیندار آپ لوگوں کو مبارک ہو، ہم تو آپ کے ساتھ تلے جھون بتانا چاہتے ہیں۔“ سکھی نے اس طرح کہا جیسے اُسے مہر صاحب سے کھیت تو لیتا ہی ہے۔

”سب کا دیمارا خراب ہوا، لیکن سکھی نے کبھی برا راستہ اختیار نہیں کیا۔ زمیندار کا وہی اُدھم سنا کرتا رہا.....“

مہر صاحب جیسے خوش ہو گئے اور انہوں نے سکھی کو ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا—”جو کھیت کھو سکھی ہم دے دیں۔“

”جو آپ ہمیں دیں گے، وہ خوشی سے لیں گے، آپ ہمارا خیال نہ کریں گے تو کون کرے گا۔“

”پھر بھی بولو تو۔“

”جو آپ کی مرضی۔“

ٹاکور ساہب اس अधिकार को ताकत से लेना चाहते हैं... अपनी ताकत, पुलिस की ताकत...सरकार की ताकत, सारी ताकतें उनके पीछे थीं—वह आगे बढ़ते जाते थे और थाना और कोतवाली में मामले को ठीक रखने का मसाला भी सोच रहे थे.

सब मौन थे, शायद वातावरण भी खमोश था.

मौन टूटा, फिजा बदली, किसी ने आकर जैसे एक नया मोहरा चल दिया और सारे खेल का रंग बदल गया— टाकुर साहब, उनके सिपाही, उनकी बन्दूक, सब के सब घर वापस हो रहे थे—सब कुछ वही था—सिर्फ—गुस्सा नहीं था.....जोश नहीं था.....और टाकुर साहब की गरदन में हाथ डाले मीर साहब साथ साथ चल रहे थे. टाकुर साहब कुछ सुन रहे थे और मीर साहब कुछ कह रहे थे.

फिर टाकुर साहब का दरबार लगा, फिर उन्होंने अपने कारनामे सुनाने शुरू किये. पहले उन्होंने बर की खोज के क्रिस्से सुनाए. बड़ी बड़ी मुसीबतों का सामना उन्हें करना पड़ा, ब मुश्किल तमाम योग बर ढूँ पाए.....दस हजार में सौदा तय हुआ.....आजकल यह बाज़ार बहुत गर्म हो गया है.

मीर साहब ने इन सब बातों का समर्थन करते हुए कहा, आज कत बर की बहुत दिक्कत हो गई है..... कोई बात नहीं.....दस हजार में अच्छा बर तो मिल गया... यही गनीमत है.....चलों लड़के के दाम चढ़ा देना.....

“मैंने तो तय कर लिया है कि बीस हजार से कम पर राज़ी न हूँगा. आख़ीर अशोक का सारा खर्च कहाँ से निकलेगा.....”

टाकुर साहब सारी दिक्कत भूल गए, सारी परेशानियाँ उनके दिमाग से दूर हो गई. यह सब बुराईया उस समय तक थी जब उनका जेब कट रहा था, जब तक उनकी चहेती बिना बर के थी...और अब...दूसरों के जेब काटने की बारी थी...दूसरे बापों की चहेतियों का मोल तोल उन्हें करना था.....उन्हें पीछे मुड़के देखने की क्या ज़रूरत !

“अरे ओ सुखी, सुखी हो” मीर साहब के आवाज़ दी.

सुखी हर पग पर संकोच करते हुए मीर साहब के पास आ गया.

“तुम तो दर्शन ही नहीं देते भाई, न जाने क्यों खफा हो.”

“नहीं साहब, खफा होने की क्या बात है और वह भी आप से.” ज़मीन पर उकरू बैठते हुए सुखी ने उत्तर दिया.

“यह लोग समझते हैं कि अब ज़मींदारों से व्योहार क्यों किया जाय, ज़मींदारी ख़तम हो जायगी.” टाकुर साहब ने चुटकी ली.

“यह लोग जो चाहें समझें, न ज़मींदारी ख़तम होगी और न ज़मींदार. किसी का हक़ कोई आज तक छीन सका

تھاکر صاحب اس ادھکار کو طاقت سے لہذا چاہتے ہیں... اپنی طاقت، پولیس کی طاقت...سرکار کی طاقت، ساری طاقتوں اُن کے پیچھے تھیں—وہ آگے بڑھتے جاتے تھے اور تھانہ کوٹوالی میں معاملے کو ٹھیک رکھنے کا مَسالہ بھی سوچ رہے تھے .

سب مومن تھے شاید واناؤں بھی خاموش تھا . مومن گوتا، فضا بدلی، کسی نے آ کر جھسہ ایک نہا مہرا چل دیا اور سارے کھول کا رنگ بدل گیا—تھاکر صاحب اُن کے سپاہی، اُن کی بندوق، سب کے سب گھر واپس ہو رہے تھے—سب کچھ وہی تھا—صرف—فصلہ نہیں تھا... چرخ نہیں تھا...اور تھاکر صاحب کی گردن میں ہاتھ ڈالے مہر صاحب ساتھ ساتھ چل رہے تھے . تھاکر صاحب کچھ سن رہے تھے اور مہر صاحب کچھ کہہ رہے تھے .

مہر تھاکر صاحب کا دربار لگا، پھر اُنہوں نے اپنے کار نامے سناتے شروع کئے . پہلے اُنہوں نے برکی کھوج کے قصے سنائے. بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا اُنہوں کرنا پڑا . بمشکل تمام یوگ پر دھونڈ پائے...دس ہزار میں سودا طے ہوا... آج کل یہ بازار بہت گرم ہوگیا ہے .

مہر صاحب نے اُن سب باتوں کا سمرنہن کرتے ہوئے کہا، آجکل برکی بہت دقت ہرگئی ہے....کوئی بات نہیں...دس ہزار میں اچھا بے تو مل گیا...یہی غلطی ہے... چلو بڑے کے دام چڑھا دیں...

”میں نے تو طے کر لیا ہے کہ بیس ہزار سے کم پر واقعی نہ ہوتا . آخیر اشوک کا سارا خرچ کہاں سے نکلے گا.....“

تھاکر صاحب ساری دقت بھول گئے، ساری پریشانیاں اُن کے دماغ سے دور ہو گئیں . یہ سب ہوائیاں اُس سمے تک تھیں جب اُن کا جوب کٹ رہا تھا، جب تک اُن کی چھتی بٹا پر نے تھی...اور اب...دوسروں کے جوب کاٹنے کی باری تھی...دوسرے باپوں کی چھتیوں کا موال تول اُنہوں کرنا تھا...اُنہوں پیچھے مڑ کے دیکھنے کی کیا ضرورت !

”اے او سکھی، سکھی ہو“ مہر صاحب نے آواز دی .

سکھی ہر ہنگ پر سلکچ کرتے ہوئے مہر صاحب کے

پاس آگیا .

”تم تو درشن ہی نہیں دیتے بھائی، نہ جانے کیوں

خفا ہو.“

”نہیں صاحب“ خفا ہونے کی کہا بات ہے اور وہ

بھی آپ سے .“ زمیں پر اُکڑو بھتہتہ ہوئے سکھی نے اُتر دیا .

”یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب زمیہداروں سے بھوہار

کہیں لٹا جائے . زمیہداری ختم ہو جائے گی.“ تھاکر

صاحب نے چٹکی لی .

”یہ لوگ جو چاہیں سمجھیں، نہ زمیہداری ختم

ہوگی اور نہ زمیہدار . کسی کا حق کوئی آج تک چھین سکا

دھرتی کس کی ؟

ٹاکور ساہب کی गरز سناई दी—”بدमाश की यह मजाल ! मेरी करनी का यह फल. सब कहा है किसी ने “कमीनों” के साथ कभी नेकी न करो. मैंने समान की बुराई सही, दोस्तों के तिरस्कार सहें, सब इनके लिये ! मैंने बाप दादा के मंदिर के दरवाजे इनके लिये खोले, इन्हें चारपाई पर बैठाया.....इन्हें सर पर बैठाया.....उसी का नतीजा है.....”

टاکुर साहब का हाथ मूंछों पर था और होंट ऐसे चल रहे थे जैसे सामने लिखी कोई चीज पढ़ रहे हों.

सब खामोश थे, सब पर सन्नाटा छाया हुआ था.

“सरकार ! बहुत ही कमीना निकला. मैंने घी मांगा नहीं कि लगा बमकने.....मैंने भी खूब सुनाई. पुरखों की हड्डी भी जल भुन गई होगी.”

“बदमाश का मुंह क्यों नहीं मोच लिया.”

“सरकार बात तो उसने ऐसी ही की थी ! आपका लिहाज कर गया, बस.....नहीं तो खून की नदी बह जाती..... आपकी बेटी और उसकी छोकड़ी का जोड़.....कहना था —टاکुर साहब की ही बेटी नहीं है, मेरी बेटी भी है. उसकी शादी में घी खर्च करूंगा. टाकुर साहब को क्यों घी दे दूँ.....”

“घी नहीं देगा.....घी इसी वक़्त न ले लिया तो अपने बाप से पैदा नहीं.....बुलाओ आदमियों को.....चलो, चलो, उठो, बढ़ो.....लूट लो.....फिर देख लूंगा..... याना कचहरी समझ लूंगा.....कभी हार नहीं मानी..... दुनिया को हँसी का मौक़ा नहीं दूँगा, चलो, बढ़ो, लूटो, मारो, चलो, बढ़ो !

आगे आगे टाकुर साहब थे, उनके एक हाथ में एक नाली बन्दूक थी, और दूसरा हाथ मूंछों पर था. उनके सिपाही पीछे चल रहे थे. बहुत बड़ा क़िला जैसे उन्हें फतह करना था.....चाल ऐसी थी जैसे फतह तो उनकी ही है... कौन उनको रोक सकता था, कौन उनका मुकाबला कर सकता था. दुखी अहीर ! उसकी क्या मजाल कि टाकुर साहब के सामने भी आए, उसकी कैसे जुरअत हो सकती है..... लेकिन कौन जाने, वक़्त बदल रहा है.....टाकुर साहब की मांग पूरी होती आई है, उनके बाप ने जो चाहा वह हुआ...उनके बाप ने जो हुकम दिया वह हुआ और दुस्मि, दुस्मि का बाप, बाप का बाप और इसी तरह न जाने कितनी पीढ़ियां हुकम बजाती आई हैं—लेकिन आज टाकुर से यह अधिकार छिन गया था. दुखी ने जुआ उतार फेंकी थी...

दहती कस की ؟

तھاکر صاحب کی گرج سڈائی دی—”بدمعاش کی یہ مجال ! مہری کرنی کا یہ پھل. سچ کہا ہے کسی نے ”کمیلوں“ کے ساتھ کبھی نہ کی نہ کرو. میں نے سناچ کی ہرائی سہی, دوستوں نے ترسکار سہی, سب ان کے لئے ! میں نے باپ دادا کے مندر کے دروازے ان کے لئے کھولے, انھوں چارپائی پر بیٹھایا.....انھوں سر پر بیٹھایا..... اسی کا نتیجہ ہے.....”

تھاکر صاحب کا ہاتھ موچھوں پر تھا اور ہونٹ ایسے چل رہے تھے جیسے سامنے لکھی کوئی چیز پڑھ رہے ہوں.

سب خاموش تھے, سب پر سڈاٹا چھایا ہوا تھا.

”سرکار ! بہت ہی کمیلہ نکلا. میں نے کھی مانگا نہیں کہ لٹا بکٹے.....میں نے بھی خوب سڈائی. پرکھوں کی ہڈی بھی چل بہن گئی ہوگی.”

”بدمعاش کا منہ کھوں نہیں نوچ لیا.”

”سرکار بات تو اُس نے ایسی ہی کی تھی ! آپ کا لحاظ کر لیا, بس.....نہیں تو خون کی ندی بہ جاتی..... آپ کی ہڈی اور اُس کی چھوڑی کا جوڑ..... کہتا تھا—تھاکر صاحب کی ہی بیٹی نہیں ہے, مہری بیٹی ہی ہے. اُس کی شادی میں کھی خرچ کروں گا. تھاکر صاحب کو کھوں کھی دے دوں.....”

”کھی نہیں دے گا.....کھی اسی وقت نہ لے لیا تو اپنے باپ سے پیدا نہیں.....بلاؤ آدمیوں کو.....چلو, چلو! اُٹھو! بڑھو...لوٹ لو.....پھر دیکھ لوںگا...تھاکر صاحب سمجھ لوںگا...کبھی ہار نہیں مانی...دبھا کو ہلسی کا موقع نہیں دوںگا, چلو! بڑھو! لوٹو! مارو! چلو! بڑھو !

اُٹے اُٹے تھاکر صاحب تھے, اُن کے ایک ہاتھ میں ایک نالی بندوق تھی اور دوسرا ہاتھ موچھوں پر تھا. اُن کے سپاہی پیچھے چل رہے تھے. بہت بڑا قلعہ جیسے انھوں فتح کرنا تھا...چال ایسی تھی جیسے فتح تو اُن کی ہی ہے...کون اُن کو روک سکتا تھا, کون اُن کا مقابلہ کر سکتا تھا. دکھی اہور ! اُس کی کھا مجال کہ تھاکر صاحب کے سامنے بھی آئے, اُس کی کیسے جرئت ہو سکتی ہے... لیکن کون جانے, وقت بدل رہا ہے...تھاکر صاحب کی ہر مانگ پوری ہوتی آئی ہے, اُن کے باپ نے جو چاہا وہ ہوا, اُن کے باپ نے جو حکم دیا وہ ہوا...اور دکھی دکھی کا باپ, باپ کا باپ اور اسی طرح نہ جائے کٹلی پورھیاں حکم بجاتی آئی ہیں—لیکن آج تھاکر سے یہ ادھیکر چھن گیا تھا. دکھی نے جرو آٹار پھینکی تھی...

کسانوں نے ہر طرح کی زمینداری ختم کرنے کے لیے بھاڑی سے لڑا ہوا لڑی ہے۔ پر اس کے بدلے اسے میلی سرکار کی جرمیاداری، پورانی جرمیاداری میں بھی آپسی رشتے اور نیکی لیھا پڑ کی کھڑی جگہ تھی۔ اس کی جگہ اب سرکاری نوکر کی کوئی اور شان ہوئی قانون کی پابندی ہوئی۔ لگان کا بوجھ ویسے کا ویسا ہوا ہے۔ کم سے کم 40 سال کے لیے تو ہوا ہی ہے۔ کیا قانون بنانے والوں کو معلوم تھا کہ لگان کا بوجھ کسانوں کو بھروسہ ڈال رہا ہے اور اس کی ادائیگی میں بڑی مشکلات آئیں گی۔ تبھی لگان وصولی کے لیے سرکار نے وہ اختیار اپنے ہاتھ میں لیے ہیں جو شروع میں بھارت آئے انگریزوں نے اپنے لیے لیے۔ 'گرفتاری'، 'نظر بندی'، 'قرقی' اور 'ہلام' لگان وصولی کے لیے کسانوں کو پہلے گرفتار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سن 52ء میں 'کانگریسی راج' میں جو قانون بنا ہے، اس میں گرفتاری کا عام اختیار ہے۔ حالت اس سے بھی زیادہ چلتا چلک ہے۔ لہذا یہ ظالم اختیار کام میں لانے کے لیے سرکاری حملہ ہوا اور اس کی پھٹ پر دیہاتوں بھر میں پھیلا کانگریس کا جال ہوا۔

نئی زمینداری کا جنم

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نیا قانون سامنتی زمینداری کو سرکاری زمینداری میں بدل کر دھڑے دھڑے ایک نئی جماعت کھڑی کر دیا اور بڑے جوت والوں کی ایک جماعت بنا دیا جو کہ زیادہ تر دھلی بھوسی دھر ہونگے۔ اصل کسان اور غریب ہوتے جائینگے۔ اس کے ساتھ چھوٹے بھوپاری اور درکار والے بھی پسوں گے۔ سرکاری زمینداری کی پرورش میں مٹھی بھر کلک یا ٹھوس کسان سرورکشی مان بن جائینگے۔

نئی زمینداری کا جنم

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نیا قانون سامنتی زمینداری کو سرکاری زمینداری میں بدل کر دھڑے دھڑے ایک نئی جماعت کھڑی کر دیا اور بڑے جوت والوں کی ایک جماعت بنا دیا جو کہ زیادہ تر دھلی بھوسی دھر ہونگے۔ اصل کسان اور غریب ہوتے جائینگے۔ اس کے ساتھ چھوٹے بھوپاری اور درکار والے بھی پسوں گے۔ سرکاری زمینداری کی پرورش میں مٹھی بھر کلک یا ٹھوس کسان سرورکشی مان بن جائینگے۔

آگے کا راستہ

اوپر کی باتوں سے شاید کچھ لوگوں پر یہ اثر پڑے کہ ہندوستان کا کسان ایک ایسی حالت میں پھنس چکا ہے جس میں نا اُمیدی اور بددستی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، پر بات ایسی نہیں ہے۔ آدمی دنیا کے شروع سے اب تک اپنی خوشی اور بھلائی کے لیے کوشش کرتا آیا ہے اور قدم قدم آگے کامیابی ملی ہے۔ یہی حالت ہمارے ملک کے کسانوں کی بھی ہے۔ ان کی غریبی دنیا میں بے مثال ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس حالت میں تبدیلی کسے کی جائے؟ اس تبدیلی کی روپ دیکھا ہم نے اوپر دے دی ہے۔ اس تبدیلی کی کنجی بھی اُسی جگہ کے ہاتھوں میں ہے جس کے سلکتھن تھاک اور ستیا کرہ نے اس دیہ سے انگریزی راج کو ختم کیا، یہ راستہ بھی وہی تھاک اور قربانی کا راستہ ہے۔

آگے کا راستہ
اوپر کی باتوں سے شاید کچھ لوگوں پر یہ اثر پڑے کہ ہندوستان کا کسان ایک ایسی حالت میں پھنس چکا ہے جس میں نا اُمیدی اور بددستی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، پر بات ایسی نہیں ہے۔ آدمی دنیا کے شروع سے اب تک اپنی خوشی اور بھلائی کے لیے کوشش کرتا آیا ہے اور قدم قدم آگے کامیابی ملی ہے۔ یہی حالت ہمارے ملک کے کسانوں کی بھی ہے۔ ان کی غریبی دنیا میں بے مثال ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس حالت میں تبدیلی کسے کی جائے؟ اس تبدیلی کی روپ دیکھا ہم نے اوپر دے دی ہے۔ اس تبدیلی کی کنجی بھی اُسی جگہ کے ہاتھوں میں ہے جس کے سلکتھن تھاک اور ستیا کرہ نے اس دیہ سے انگریزی راج کو ختم کیا، یہ راستہ بھی وہی تھاک اور قربانی کا راستہ ہے۔

پورانے زمیندار کا نیا چولا

زمینداری انتظامیہ کے قانون نے صوبے کے کسانوں کو 22 کھیتوں کی جگہ چار کر دیا ہے۔ ان چار میں سے دو زمینداروں اور دو تھوڑے سے زمینداروں کو خوش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ راج کرنے والوں کی سماجی بنیاد کی طرح دیہاتوں میں رہ سکیں۔ ان بھوسے دھروں و تھوڑے سے زمینداروں میں کل کے زمیندار اور بڑے کسان ہی آتے ہیں۔ سہکاری فارموں کے آرتھک سدھار، پنچایتی عدالتوں کے سماجک نہایت اور راج نہتی کی نہتا گہری انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں دے گی۔ ان کی یہ طاقت بٹائی پڑتا جاری رہے گی کی سہولت سے بہت بڑھ گئی ہے۔ بٹائی سے چھوٹے کسانوں کی جو لوٹ کھسوٹ ہوئی اس کی تو مثال ملنا مشکل ہو جائے گا۔ پنچایتی عدالت کے ذریعے اس جماعت نے نہایت راج نہتی اور سماج میں دوسرے ہی دب دیہ قائم کر رکھا ہے۔ گورنمنٹ کی دیہاتی رچنا میں بنی ہوئی یہ جماعت زمیندار کی شکل میں نہ آ کر پھر دیہاتوں کے پرہیزگار میں عہدے دار بن کر آئے گی۔ اور ان عہدیداروں کے اختیارات پہلے سے بہت زیادہ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اس طرح زمیندار و مہاجن گروں کے راجا تو بنے ہی رہیں گے، انہیں قانون کی آڑ اور لوک راج کا سدھار سہرا بھی پہنچے گا مل جائے گا۔ ابھی تک آرتھک سدھاروں، راج کاجی طاقت اور نہایت کرنے کا جو حق یہ لٹوری جماعت اپنے ہاتھوں میں فہر ضابطے سے لئے ہوئے تھی، گاؤں پنچایتوں کے ذریعے نہایت قانون انہیں ضابطے اور حق کا جامہ بھی پہنچا دے گا۔

ظلموں کی بھر مار

دیہاتوں کی لڑت کو یہ جامہ تو پہنایا ہی گیا ہے، پور کی پرائی، سولیل ادھ سامنتی اصلیت بھیتر ہی بھیتر قائم رہے گی، جس سے زمین کی اجارہ داری بڑے کی اور ادھک تر کسانوں پر مصہبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، ان کی بربادی اور بزدلیک آتی جائے گی۔ یہ دھانچہ جو مصہبتوں لائے گا، ان کی گڈی بھی نہیں ہو سکتی۔ لکان کی وصولی میں ظلم ہونگے، کھیتی میں لگے لوگوں کی گڈی بڑا پر بڑھتی جائے گی اور کسانوں کے قبضے کی زمین کھیتی جائے گی۔ کسانوں کی زوری کا دوسرا ذریعہ دھونڈھنے کے سہی راستے بلد ہوں گے۔ کھیتی کی پیداوار بڑھانے کے راستے میں اچھلے پڑھیں گی۔ کسانوں کی غریبی بڑھے گی، اور ان کی بے دخلیاں بڑھیں گی، جوتوں کا رقبہ کھٹتا جائے گا۔ کسان قرض سے لڈینگے۔ آپسی دھمکی بڑھے گی، اور سماجک تذاؤ بڑھے گا۔

زمینداری پر تھا کی یہ سب خرابیاں نئے نظام میں بھی موجود رہیں گی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ مانگداری زمیندار وصول نہ کرے گا، سرکار کرے گی۔ دوسرے شعبوں میں زمیندار کی جگہ سرکار زمیندار بنے گی۔ ہمارے صوبے کے

پورانے زمیندار کا نیا چولا

زمینداری انتظامیہ کے قانون نے صوبے کے کسانوں کو 22 کھیتوں کی جگہ چار کر دیا ہے۔ ان چار میں سے دو زمینداروں اور دو تھوڑے سے زمینداروں کو خوش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ راج کرنے والوں کی سماجی بنیاد کی طرح دیہاتوں میں رہ سکیں۔ ان بھوسے دھروں و تھوڑے سے زمینداروں میں کل کے زمیندار اور بڑے کسان ہی آتے ہیں۔ سہکاری فارموں کے آرتھک سدھار، پنچایتی عدالتوں کے سماجک نہایت اور راج نہتی کی نہتا گہری انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں دے گی۔ ان کی یہ طاقت بٹائی پڑتا جاری رہے گی کی سہولت سے بہت بڑھ گئی ہے۔ بٹائی سے چھوٹے کسانوں کی جو لوٹ کھسوٹ ہوئی اس کی تو مثال ملنا مشکل ہو جائے گا۔ پنچایتی عدالت کے ذریعے اس جماعت نے نہایت راج نہتی اور سماج میں دوسرے ہی دب دیہ قائم کر رکھا ہے۔ گورنمنٹ کی دیہاتی رچنا میں بنی ہوئی یہ جماعت زمیندار کی شکل میں نہ آ کر پھر دیہاتوں کے پرہیزگار میں عہدے دار بن کر آئے گی۔ اور ان عہدیداروں کے اختیارات پہلے سے بہت زیادہ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اس طرح زمیندار و مہاجن گروں کے راجا تو بنے ہی رہیں گے، انہیں قانون کی آڑ اور لوک راج کا سدھار سہرا بھی پہنچے گا مل جائے گا۔ ابھی تک آرتھک سدھاروں، راج کاجی طاقت اور نہایت کرنے کا جو حق یہ لٹوری جماعت اپنے ہاتھوں میں فہر ضابطے سے لئے ہوئے تھی، گاؤں پنچایتوں کے ذریعے نہایت قانون انہیں ضابطے اور حق کا جامہ بھی پہنچا دے گا۔

ظلموں کی بھر مار

دیہاتوں کی لڑت کو یہ جامہ تو پہنایا ہی گیا ہے، پور کی پرائی، سولیل ادھ سامنتی اصلیت بھیتر ہی بھیتر قائم رہے گی، جس سے زمین کی اجارہ داری بڑے کی اور ادھک تر کسانوں پر مصہبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، ان کی بربادی اور بزدلیک آتی جائے گی۔ یہ دھانچہ جو مصہبتوں لائے گا، ان کی گڈی بھی نہیں ہو سکتی۔ لکان کی وصولی میں ظلم ہونگے، کھیتی میں لگے لوگوں کی گڈی بڑا پر بڑھتی جائے گی اور کسانوں کے قبضے کی زمین کھیتی جائے گی۔ کسانوں کی زوری کا دوسرا ذریعہ دھونڈھنے کے سہی راستے بلد ہوں گے۔ کھیتی کی پیداوار بڑھانے کے راستے میں اچھلے پڑھیں گی۔ کسانوں کی غریبی بڑھے گی، اور ان کی بے دخلیاں بڑھیں گی، جوتوں کا رقبہ کھٹتا جائے گا۔ کسان قرض سے لڈینگے۔ آپسی دھمکی بڑھے گی، اور سماجک تذاؤ بڑھے گا۔

زمینداری پر تھا کی یہ سب خرابیاں نئے نظام میں بھی موجود رہیں گی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ مانگداری زمیندار وصول نہ کرے گا، سرکار کرے گی۔ دوسرے شعبوں میں زمیندار کی جگہ سرکار زمیندار بنے گی۔ ہمارے صوبے کے

گاؤں سبھا کا اصلہی رول

یہ سب پڑ کر لہوگا کی اس کانون کے جریہ رام-راج، پंचायत राज या सोवियत राज कायम हो रहा है. कानून के मकसद में ही कहा गया है—गांव को एक छोटा लोकराज और सहकारी समाज बनाने वाला यह कानून लोगों में आर्थिक और सामाजिक विकास और सामाजिक जिम्मेदारी और भावना पैदा करने के लिये है. हम इस गांव सभा की पैदाइश और उसका असली रूप बनाने की कोशिश नीचे करेंगे.

सभी बालिगों से हाथ उठा कर जियादा गिनती वालों को चुनने का जो तरीका गांव सभाओं में इस्तेमाल होता है उसमें छोटे किसानों और खेतिहर मजदूरों के लिये इन्साफ की गारन्टी नहीं रह जाती. अपने ठाकुर के खिलाफ हाथ उठाने में अभी किसान हिचकिचाता है. असली लोकराज के लिये तो यह तरीका सही नहीं है. आज सही लोकराज में बोट देने का वही तरीका सही माना जाता है जो रूस वगैरह में लागू है. उसे हम सच्चा लोकराज कहते हैं.

“गांव का लोकराज या सहकारी समाज” ऐसे शब्द हैं जो सुनने में अच्छे लगते हैं. लेकिन असल में उनके अर्थ हमेशा इतने अच्छे नहीं होते. गांवों में जमींदार और महाजन हमेशा जुल्म डाने वाले और दमन करने वाले रहे हैं. यही लोग गांव सभा में भी मौजूद हैं. जमींदारी खतम होने के बाद जमींदारों का असर और रोबदाब रातों रात तो खतम हुए नहीं. उनकी ताकत गांव के समाज पर कब्जा जमाए रहती है. सूबे में पंचायत राज का जो पिछले तीन साल का अनुभव है, वह हमारे इस बयान को सही साबित करता है.

हर गांव में आम तौर पर दो या दो से जियादा गुट या दल होते हैं. हर दल का कोई न कोई नेता होता है. ऐसी हालत में इन गांव सभाओं में दबी पिसी जनता की आवाज नहीं सुनी जाती. गांवों के अमीरों का ही बोल बाला रहता है. गांवों के यह दल आपस में लड़ते रहते हैं. उनके नेता अपना अपना असर और कब्जा बढ़ाने की धुन में किसानों के हितों की आड़ लेते हैं. गांव सभाओं की परती पर कब्जा पाने के बाद हर गुट अपने अपने आदमियों को उसका पट्टा दिलाने की कोशिश करेगा और उसके लिये किसानों के बोट मांगेगा. और इस तरह दोनों गुट किसानों की दुहाई देंगे. किसान इस तरह दो दल में बंट जायेंगे. जमींदार महाजन यही तो चाहते हैं. किसानों की फूट से उनकी लूट खसोट का रास्ता खुलेगा. जुल्म और सितम तो नई शकल में जारी रहेंगे ही, कुनबा परस्ती और रिशवत के बाजार भी गरम रहेंगे.

गाँव सभा का اصلی رول

یہ سب پڑھ کر لگے گا کہ اس قانون کے ذریعے رام راج، پنچایت راج یا سوویت راج قائم ہو رہا ہے. قانون کے مقصد میں ہی کہا گیا ہے—گاؤں کو ایک چھوٹا لوک راج اور سہکاری سماج بنانے والا یہ قانون لوگوں میں آرتھک اور سماجک وکس اور سماجک ذمے داری اور بھاؤنا پیدا کرنے کے لئے ہے. ہم اس گاؤں سبھا کی پیداائش اور اس کا اصلی رول بنانے کی کوشش نیچے کریں گے.

سبھی بالغوں سے ہاتھ اٹھوا کر زیادہ گنتی والوں کو چننے کا جو طریقہ گاؤں سبھاؤں میں استعمال ہوتا ہے اس میں چھوٹے کسانوں اور کھیتی ہر مزدوروں کے لئے انصاف کی گارنٹی نہیں رہ جاتی. اپنے ٹھاکر کے خلاف ہاتھ اٹھانے میں ابھی کسان ہچکچاتا ہے. اصلی لوک راج کے لئے تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے. آج صحیح لوک راج میں ووٹ دینے کا وہی طریقہ صحیح مانا جاتا ہے جو روس وغیرہ میں لائو ہے. اسے ہم سچا لوک راج کہتے ہیں.

”گاؤں کا لوک راج یا سہکاری سماج“ ایسے شبد ہوں جو سلفے میں اچھے لگتے ہوں. لیکن اصل میں ان کے ارتھ ہمیشہ اتنے اچھے نہیں ہوتے. گاؤں میں زمہداری اور مہاجن ہمیشہ ظلم قمانے والے اور دمن کرنے والے رہے ہوں. یہی لوگ گاؤں سبھا میں بھی موجود ہوں. زمہداری ختم ہونے کے بعد زمہداریوں کا اثر اور دعب داب راتوں رات تو کم ہوئے نہیں. ان کی طاقت گاؤں کے سماج پر قبضہ جمانے دیتی ہے. صوبے میں پنچایات راج کا جو پچھلے تین سال کا انوبھو ہے، وہ ہمارے اس بیان کو صحیح ثابت کرتا ہے.

ہر گاؤں میں عام طور پر دو یا دو سے زیادہ گٹ یا دل ہوتے ہوں. ہر دل کا کوئی نہ کوئی نہکتا ہوتا ہے. ایسی حالت میں ان گاؤں سبھاؤں میں دبی! سی جلتا کی آواز نہیں سنی جاتی. گاؤں کے امہدوں کا بول بالا رہتا ہے. گاؤں کے یہ دل آپس میں لڑتے دھتے ہیں ان کے نہکتا ایذا ایذا اثر اور قبضہ بڑھانے کی دھن میں کسانوں کے حقوں کی آڑ لیتے ہوں. گاؤں سبھاؤں کی برتی پر قبضہ پالنے کے بعد ہر گٹ اپنے اپنے آدمیوں کو اس کا بٹہ دلانے کی بھ کوشش کرے گا اور اس کے لئے کسانوں کے ووٹ مانگے گا. اور اس طرح دونوں گٹ کسانوں کی دھائی دیں گے. کسان اس طرح دو دل میں ہلت جائیں گے. زمہداری مہاجن یہی نو چاہتے ہوں. کسانوں کی پھرت سے ان کی لوٹ کھسوٹ کا راستہ کھلے گا. ظلم اور ستم تو نئی شکل میں جاری رہیں گے ہی، کلبہ پرستی اور رشوت کے بازار بھی گرم رہیں گے.

مکتبہ ملتی ہے، جو شاید آگے سارے سببوں میں ملے ہو۔
 "جیتنی زمین جو کارکن کارم کو دے، اسی کے حساب سے اس میں اس کا حصہ ہو۔" جہانسی کے فارم کے سلسلہ میں وکس ملٹی نے کہا تھا—ہم زمین کی قیمت آنکھوں کے اور زمین کی مٹی کی قسم و کشتار کے بھل و دوسرے جانور اس کی قابلیت، ہوشیاری و جانکاری پر اس کا اندازہ لگا کر فارم کی آج اسی حساب سے بناتے ہیں۔

سرکار جیسی سہکاری خیریت چلانا چاہتی ہے، اس کی ایک جہلک اس بھان میں ملتی ہے۔ ایسے فارم اور جو انٹاک کمپنیوں میں کیا جاتا ہوگا یہ بتانا شاید ملٹی جی کے لئے بھی مشکل ہو۔ برسوں کی محنت کے بعد سرکار نے دو فارم جہانسی میں کچھ جہوں وہ "آدرہ" بتائی ہے۔ پر انہیں فارم کے کچھ کسانوں نے دباؤ اور دھمکی کی شکایتیں بھی کیں۔ اجرت اور مزدوری نہ ملنے کی شکایتیں تو عام تھیں۔ ایک کسان نے کہا—"مجھے دھمکی دی گئی کہ اگر فارم میں نہ شامل ہوا تو جہل بھجوا دیا جائے گا۔"

گاؤں سبھا

بھومی سہکار قانون کے مطابق ہر گاؤں میں ایک گاؤں سبھا بنے گی۔ گاؤں والوں کے ملے جملے سنگٹھن کے رُپ میں یہ سبھا چلے گی اور اچل جائداد لینے، رکھنے، اس کے بندوبست کرنے، اس کا تبادلاً کرنے، ٹکے اور سمجھوتے کرنے اور اس سب کے لئے عدالت جانے کا حق رکھے گی۔ گاؤں سبھا کی یہ شکل جو انٹاک کمپنی سے ملتی چلتی ہے۔ گاؤں میں رہنے والے سبھی بالغ اور گاؤں کی زمین کے بھومی دہر، سہدار، آدمی و عورتی و سبھا کے ممبر ہونگے۔ ہاؤس اور اوسر زمین کو چھوڑ کر باقی سب بھومی، جنگل، پہاڑ، سب کے استعمال کے کنوینس، ہاٹ، بازار، مہلے، تالاب و پھرے سبھا کے اہلکاروں میں رہنے والے اور وہی ان کا انتظام کریں گے۔ کھیتی و وکس اور سدھار، جنگلوں و پہاڑوں کی دیکھ بھال، گاؤں کے راستوں و آبادی کا رکھ رکھاؤ اور وکس، ہاٹ بازاروں کا انتظام اور جانوروں کی نسل سدھار، چک، بلدی، کھریلو دھندوں کا وکس، کھوے تالابوں کا انتظام و پھرے سبھی کی دہنداری گاؤں سبھا پر ہوگی۔ گاؤں سبھا کی پینچایتیں یہ کام کریں گی۔ پینچایتوں کے دس ممبر ہونگے۔ کڑھی، پاڈل، سرکاری نوکر، ابراہمی و پھرے اس کے ممبر نہ ہوں گے۔ جن سے نیک چلتی کے لئے مچلے لئے کہے ہوں وہ بھی ممبر نہ ہو سکیں گے۔ یہ پینچایتیں سرکاری حکموں کی پابندی ہونگی اور انہیں لگو کریں گی۔ ہر کسی خاص حالت میں سرکار پینچایتیں سے یہ حق لے سکے گی اور کام چلانے کا دوسرا انتظام کر سکے گی۔

گاؤں سبھا

بھومی سہکار قانون کے مطابق ہر گاؤں میں ایک گاؤں سبھا بنے گی۔ گاؤں والوں کے ملے جملے سنگٹھن کے رُپ میں یہ سبھا چلے گی اور اچل جائداد لینے، رکھنے، اس کے بندوبست کرنے، اس کا تبادلاً کرنے، ٹکے اور سمجھوتے کرنے اور اس سب کے لئے عدالت جانے کا حق رکھے گی۔ گاؤں سبھا کی یہ شکل جو انٹاک کمپنی سے ملتی چلتی ہے۔ گاؤں میں رہنے والے سبھی بالغ اور گاؤں کی زمین کے بھومی دہر، سہدار، آدمی و عورتی و سبھا کے ممبر ہونگے۔ ہاؤس اور اوسر زمین کو چھوڑ کر باقی سب بھومی، جنگل، پہاڑ، سب کے استعمال کے کنوینس، ہاٹ، بازار، مہلے، تالاب و پھرے سبھا کے اہلکاروں میں رہنے والے اور وہی ان کا انتظام کریں گے۔ کھیتی و وکس اور سدھار، جنگلوں و پہاڑوں کی دیکھ بھال، گاؤں کے راستوں و آبادی کا رکھ رکھاؤ اور وکس، ہاٹ بازاروں کا انتظام اور جانوروں کی نسل سدھار، چک، بلدی، کھریلو دھندوں کا وکس، کھوے تالابوں کا انتظام و پھرے سبھی کی دہنداری گاؤں سبھا پر ہوگی۔ گاؤں سبھا کی پینچایتیں یہ کام کریں گی۔ پینچایتوں کے دس ممبر ہونگے۔ کڑھی، پاڈل، سرکاری نوکر، ابراہمی و پھرے اس کے ممبر نہ ہوں گے۔ جن سے نیک چلتی کے لئے مچلے لئے کہے ہوں وہ بھی ممبر نہ ہو سکیں گے۔ یہ پینچایتیں سرکاری حکموں کی پابندی ہونگی اور انہیں لگو کریں گی۔ ہر کسی خاص حالت میں سرکار پینچایتیں سے یہ حق لے سکے گی اور کام چلانے کا دوسرا انتظام کر سکے گی۔

بھی کھانن نے سہکاری خیتی کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ اگر کسی ایلاکے کی دو تیارہ جمنی کے بھمبدر اور سہندار (انکی گینتی بھی کول کسانوں کی گینتی کے دو تیارہ ہونی چاہیے) کلکٹر کو سہکاری فارم کے لیے آجی دے تو ساری جمنی کا تبادلا سہکاری فارم کے لیے ہو جائیگا۔ اسمے سے خوتی بڑی جوتوں کی کد نہیں رکھی گئی ہے، پر فارم کی جمنی کی ملکییت بھمبدروں و سیرداروں کی ہوگی۔ اگر خوتی گور گجڑا لایک جوتوں والے کاشتکار اس فارم میں شامل نہ ہو سکیں تو کلکٹر ان کی زمین لے سکتا ہے۔ فارم کی زمین کی چک بلدی ہو جائیگی اور سہنداروں کو بلے نہموں کی پابندی کرنی ہوگی۔ کسی سہندار کی موت ہونے پر اسی کا وارث اس کی جگہ فارم کا سہندار ہو سکتا ہے۔ سہندار ان فارموں کو قرض و دوسری سہولتیں دیگی، کھیتی کی آمدنی پر سہکاری ٹیکس و لکان میں کمی ہو جائیگی، سہندار کی طرف سے انھوں کھیتی کے سلسلے میں ممت صلح ملا کر یگی، سہنداری میں بھی اول نمبر ان کا ہوگا، سہندار سہایتا کے لئے ایک ممت رقم مفت دیگی، دھیرہ دھیرہ۔

اس میں کس کا فائدہ ہے؟

اس میں کس کا فائدہ ہے؟

دنیا کا توجہ ہے کہ سہکاری کھیتی کو بوجھا دینے کے لیے زمین کے بٹوارے سے بڑھ کر دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔ اسمے خوتے کسان اور بٹوارے سے زمین بانے والے لوگ املک میں آئے ہوئے ہیں اور سہکاری کھیتی کے اندر ان کے نہما بلتے ہیں۔ بٹوارہ نہ ہونے پر کسانوں میں اس طرف دلچسپی اور افسا پیدا کرنے کے لئے سہندار نے جو سہولتیں دی ہیں ان کا فائدہ ممتی بھر بڑے کسان ہی اٹھا سکیں گے۔ اس سوال پر فور کرنے کے لئے ایک دوسری بات بھی دھیان میں رکھنا چاہئے۔ مالگداری سے وصول ہونے والی رقم کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہی سہندار کھیتی پر خرچ کرتی ہے۔ چھوٹے کسانوں سے ملنے والی کروڑوں کی رقم کھیتی کے واس پر نہیں خرچ ہوگی بلکہ زمہنداروں کے معاوضے پر خرچ ہوگی۔ اور سہکاری کھیتی کے واس کے لئے بھی رقم چاہئے۔

دو تہائی کسانوں کی رضامندی کی شرط لکانا ایک ترم ہے جس سے چھوٹے بھر کڈارے لائق جوتوں والے کسان ان سہولتوں سے بھی بلجیت رکھے جائیگے جو کہ سہکاری فارموں کو ملتی ہیں۔

سہکاری کھیتی کے اس دمانچے میں اگر کسی کو افسا پیدا ہو سکتا ہے تو وہ ہے زمہندار اور بڑا کسان۔ قانون میں وہ اصول بھی نہیں بتایا گیا جس اصول پر فارم کی ایج اس کے سہنداروں میں بانٹی جائے گی۔ جھانسی میں سہکاری پرورش میں جو فارم ہیں ان سے ان اصولوں کی

دنیا کا تجربہ ہے کہ سہکاری کھیتی کو بوجھا دینے کے لئے زمین کے بٹوارے سے بڑھ کر دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔ اس میں چھوٹے کسان اور بٹوارے سے زمین بانے والے لوگ املک میں آئے ہوئے ہیں اور سہکاری کھیتی کے اندر ان کے نہما بلتے ہیں۔ بٹوارہ نہ ہونے پر کسانوں میں اس طرف دلچسپی اور افسا پیدا کرنے کے لئے سہندار نے جو سہولتیں دی ہیں ان کا فائدہ ممتی بھر بڑے کسان ہی اٹھا سکیں گے۔ اس سوال پر فور کرنے کے لئے ایک دوسری بات بھی دھیان میں رکھنا چاہئے۔ مالگداری سے وصول ہونے والی رقم کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہی سہندار کھیتی پر خرچ کرتی ہے۔ چھوٹے کسانوں سے ملنے والی کروڑوں کی رقم کھیتی کے واس پر نہیں خرچ ہوگی بلکہ زمہنداروں کے معاوضے پر خرچ ہوگی۔ اور سہکاری کھیتی کے واس کے لئے بھی رقم چاہئے۔

دو تہائی کسانوں کی رضامندی کی شرط لکانا ایک ترم ہے جس سے چھوٹے بھر کڈارے لائق جوتوں والے کسان ان سہولتوں سے بھی بلجیت رکھے جائیگے جو کہ سہکاری فارموں کو ملتی ہیں۔

سہکاری کھیتی کے اس دمانچے میں اگر کسی کو افسا پیدا ہو سکتا ہے تو وہ ہے زمہندار اور بڑا کسان۔ قانون میں وہ اصول بھی نہیں بتایا گیا جس اصول پر فارم کی ایج اس کے سہنداروں میں بانٹی جائے گی۔ جھانسی میں سہکاری پرورش میں جو فارم ہیں ان سے ان اصولوں کی

لہٰذا سہولت سادہ سوال یہ اٹھتا ہے کہ آدمی وادی سے پانچ سال کا انتظام کیوں کرایا جارہا ہے اور اُسے زمیندار کے رحم پر کیوں چھوڑا جا رہا ہے ؟ جہاں تک لگان کا تعلق ہے ہرچارے آدمی وادی پر کڑی مار پڑی ہے۔ یا کو وہ مالک کی مرضی کا من مانا لگان دینے کو تیار ہو اور یا جب چاہے بے دخل کر دیا جائے اور موردی لگان سے ایک تہائی اور زیادہ دے۔ اگر مالک کے پاس آٹھ ایکڑ سے کم زمین ہے تو بھی وہ آدمی وادی کو بے دخل کر سکتا ہے۔

ہم نہایت کی بٹھاد پر اس نہایتی کا ورودہ کرتے ہیں۔ اگر اس قانون کا ارادہ یہ ہے کہ دیہاتی جملہ قدامت سے زمین پر بس جائے، تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ زمیندار نہایتی کو اپنا خاص پیشہ بناتا ہے یا وہ گذارے کے لئے دوسرے کام کرتا ہے اور کھیتی کھول تھوڑی سی مدد کے لئے کرتا ہے۔ اگر اس کا خاص پیشہ کھیتی نہیں ہے، تو بے دخل اسے ہونا چاہئے نہ کہ آدمی واسی کو—اگر یہ اصول لاکو ہو تو آدمی واسی سرکشت ہو جائے۔ پر یہاں تو سرکار نظام میں سب سے زیادہ بولی لگانے والوں کو ہی بہومی دھر بنانے کی فکر میں پریشان معلوم پڑتی ہے۔ بہومی دھروں کو ایک اور رعایت ملی ہے۔ اگر آدمی واسی بہومی دھر بناتا ہے تو سرکار اس زمین کے لئے زمیندار کو معاوضہ دے گی۔ ایسی حالت میں ہم کسانوں کی غوریجی بڑھتی ہی جائے گی۔ جہاں تک سپکری کھیتی کا سوال ہے وہ بڑے جوتے داروں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے صرف وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس بات کا پورا ثبوت ہم نیچے دیے گئے۔

8. مسہکاری کہیتی

سرکار کے نمٹے ہوئے سوداگر قانون کے مطابق چار طرح کے کسان ہونگے۔ پیر جسے شہر بکری کے ایک کھات پانی پونے کی بات آن ہونی ہے، ویسے ہی ان الگ الگ قسموں کے کاشتکاروں کی سہکاری کھیتی بھی آن ہوئی ہے۔ اس قہانچے میں نو سوداگر کی امریکی ’پائلٹ‘ کی اسکیم ہی چل سکتی ہے، جس میں غریب کی فریبی بڑھتی جاتی ہے اور ساتھ میں اسہ کی امیری بھی! لیکن چون لوگوں نے یہ قانون بلایا اُنہیں کسانوں کی اس بڑھتی ہوئی مانگ کا پتہ تھا کہ سہکاری کھیتی ہو اس لئے اس کا قہول پھٹنے کے لئے قانون میں گنجائش کر لی ہے کہ ہم بھی سہکاری کھیتی کو بڑھا دینا چاہتے ہیں۔

گاؤں سپہا کے کوئی بھی بھوسی دھڑ یا سردار ممبران کی کل زمین کم سے کم تیس ایکڑ ہے، سہکاری کھیتی کے لئے سوسائٹی بنانے کی عرضی رجسٹرار کو دے سکتے ہیں۔ چھوٹی دھڑ گزارے لائق چوت والے کسانوں کے لئے

اور اسے مالتی مالک دوسرا ہوگا۔ اس مالک کی مرضی پر عارضی طور پر زمین لے کر وہ کاشت کر سکے گا۔ اگر بھومی دھر یا سہرदार کے حق زمین کے کسی حصے میں ختم ہوئے تو اسامی کے ادھکارا اپنے آپ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اسکا لگان کسی اصول کے ماتحت ملے نہیں ہوگا۔ زمین کے مالک (یا گاؤں سبھا) جتنی زمین اٹھائیں گے اور جتنی اسامی زمین لیں گے اس کے حساب سے بھاؤ ناؤ اور سمجھوتے سے لگان کی رقم ملے ہوگی۔ زمین کا مالک (یا گاؤں سبھا) 100 میں 99 بار اسامی کو داغ کر منمانا لگان وصول کرے گی۔ یہ اصول اسامی پر ایسی آفتیں تھائے گا جس کا بہانہ کرنا مشکل ہے۔ جب اسامی بڑھے ہوئے لگان کو ادا نہیں کر پائے گا تب زمین کے مالک اس کی زمین اور اگر باغ ہوا تو پھو کے پھل وغیرہ پر قبضہ کر لیں گے۔ لگان کے لئے فصل پر قبضہ کر لہذا کا اختصار ہر کاشتکار کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ پر اسامی کی غریبی کے کارن قانون کی سب سے بڑی مارتی ہو چارے پر پڑے گی۔ آج سے سو دیرھ سو سال پہلے انگریزی بندوبست انیسویں کے پہلے پہل جو حق کسانوں کو دینے تھے وہ ان اسامیوں کے حقوق سے کم ہو کر نہیں تھے۔ لگان کی وصولی کے طریقوں میں بھی کافی دھاندلی ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر گاؤں سبھا یا جسے لگان پاتا ہو وہ اپنے من مطابق لگان نقد مال میں یا جس شکل میں چاہے گا وصول کرے گا۔ مال یا دوسری چیز کی قیمت بھی یہ لوگ ہی آکھائیں گے۔ لگان پیداوار کی شکل میں بھی لہا جا سکے گا۔ اگر لگان کا ایک حصہ بھی بدلایا رہ جائے تو اسامی کو بے دخل کر دیا جائے گا۔ اس طرح سن 1939 کے قانون نے ماتحت کاشتکار کو جو حق ملے ہوئے تھے زمینداروں کے قانون اب انہیں بھی چھین لے گا۔ ابھی تک کاشتکار بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہاں قانون اسے بے دخل بھی کر دے گا۔ اب دیکھئے آدی واسی کا حال۔

آدی واسی

سیر کے کاشتکار (جو سیردار یا بھومی دھر نہیں ہیں) شیکمی کاشتکار اور بھومی دھر سیردار و اسامی چھوڑ کر اور سبھی آدی واسی ہیں۔ انکی گینتی ساڈے سئیس لاکھ ہے جو کہ کل کاشتکاروں کی گینتی کا ساڈے چوہدھ فی سدی ہے۔ کل زمین کا سوا ساٹ فی سدی ان کے پاس ہے۔

آدی واسی بھی ہر طرح کی لٹ خسوت اور جیادتی کے شکار ہیں۔ انہیں اپنی زمین چھین جانے اور بے دخل ہو جانے کا ختہرا ہمیشہ بنا رہتا ہے۔ قانون نے انہیں مہربانی کر کے چھوڑ دی ہے کہ پانچ سال بعد یا زمیندار کی مرگی سے کبھی بھی وہ بھومی دھر بن سکیں گے۔

اور اسے مالتی مالک دوسرا ہوگا۔ اس مالک کی مرضی پر عارضی طور پر زمین لے کر وہ کاشت کر سکے گا۔ اگر بھومی دھر یا سہرदार کے حق زمین کے کسی حصے میں ختم ہوئے تو اسامی کے ادھکارا اپنے آپ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اسکا لگان کسی اصول کے ماتحت ملے نہیں ہوگا۔ زمین کے مالک (یا گاؤں سبھا) جتنی زمین اٹھائیں گے اور جتنی اسامی زمین لیں گے اس کے حساب سے بھاؤ ناؤ اور سمجھوتے سے لگان کی رقم ملے ہوگی۔ زمین کا مالک (یا گاؤں سبھا) 100 میں 99 بار اسامی کو داغ کر منمانا لگان وصول کرے گی۔ یہ اصول اسامی پر ایسی آفتیں تھائے گا جس کا بہانہ کرنا مشکل ہے۔ جب اسامی بڑھے ہوئے لگان کو ادا نہیں کر پائے گا تب زمین کے مالک اس کی زمین اور اگر باغ ہوا تو پھو کے پھل وغیرہ پر قبضہ کر لیں گے۔ لگان کے لئے فصل پر قبضہ کر لہذا کا اختصار ہر کاشتکار کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ پر اسامی کی غریبی کے کارن قانون کی سب سے بڑی مارتی ہو چارے پر پڑے گی۔ آج سے سو دیرھ سو سال پہلے انگریزی بندوبست انیسویں کے پہلے پہل جو حق کسانوں کو دینے تھے وہ ان اسامیوں کے حقوق سے کم ہو کر نہیں تھے۔ لگان کی وصولی کے طریقوں میں بھی کافی دھاندلی ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر گاؤں سبھا یا جسے لگان پاتا ہو وہ اپنے من مطابق لگان نقد مال میں یا جس شکل میں چاہے گا وصول کرے گا۔ مال یا دوسری چیز کی قیمت بھی یہ لوگ ہی آکھائیں گے۔ لگان پیداوار کی شکل میں بھی لہا جا سکے گا۔ اگر لگان کا ایک حصہ بھی بدلایا رہ جائے تو اسامی کو بے دخل کر دیا جائے گا۔ اس طرح سن 1939 کے قانون نے ماتحت کاشتکار کو جو حق ملے ہوئے تھے زمینداروں کے قانون اب انہیں بھی چھین لے گا۔ ابھی تک کاشتکار بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہاں قانون اسے بے دخل بھی کر دے گا۔ اب دیکھئے آدی واسی کا حال۔

آدی واسی

سیر کے کاشتکار (جو سہرदार یا بھومی دھر نہیں ہیں) شیکمی کاشتکار اور بھومی دھر سہرदार و اسامی چھوڑ کر اور سبھی آدی واسی ہیں۔ ان کی گینتی ساڈے سئیس لاکھ ہے جو کہ کل کاشتکاروں کی گینتی کا ساڈے چوہدھ فی سدی ہے۔ کل زمین کا سوا ساٹ فی سدی ان کے پاس ہے۔

آدی واسی بھی ہر طرح کی لوٹ کھسوٹ اور زیادتی کے شکار ہیں۔ انہیں اپنی زمین چھین جانے اور بے دخل ہو جانے کا خطرہ ہمیشہ بنا رہتا ہے۔ قانون نے انہیں مہربانی کر کے چھوڑ دی ہے کہ پانچ سال بعد یا زمیندار کی مرگی سے کبھی بھی وہ بھومی دھر بن سکیں گے۔

بھومیداروں اور سیرداروں میں دو بنیادی فرق ہیں۔ سیردار زمین بھج نہیں سکتے اور اس پر صرف کھیتی یا جانور پالنے وغیرہ کا کام ہی کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ جو سب سے خراب شرط لگی ہے، وہ ہے ان کی بھدخالی کی۔ انہیں بھدخالی کرنے کے کئی قانونی طریقے ہیں:—

زمین کے مالک (جیسے گاؤں سبھا) بھٹ مٹ دینا دے کہ سیردار نے زمین دوسرے کو دی ہے اور اس بدلے پر اسے بھدخالی کر دے۔

اگر سیردار زمین پر کھیتی کے علاوہ اور کچھ کرتا ہے تو اسے نہ صرف بھدخالی ہی کر دیا جائیگا بلکہ اس سے وہ خرچ بھی وصول کیا جائیگا جو زمین کو فیر سے خیتی کے قابل بنانے میں لگے گا۔ اس کے خلاف بھومی دہر ایلی زمین پر کارخانہ بھی چلا سکیگا۔ لوائی میں اور اس کے بعد، زمینداروں نے بڑی بڑی زمینیں نذرانے میں وصول کر چکا ہے۔ سرکار یہ جانتی ہے۔ پر قانون اس کے لئے زمیندار کو نہیں سیردار کو سزا دینگا، کیونکہ گاؤں سبھاؤں کی شکایت پر سیردار چراگاہوں سے بھدخالی کر دئے جائیں گے۔

اس سے ثابت ہے کہ سیردار کے حقوق کی رکشا اس قانون میں نہیں ہے۔

اسامی

نیچے لکھے کسی بھی قسم کے کاشتکار اسامی کہلائیں گے جو زمینداروں کے مطابق کاشتکاروں کی تیسری قسم ہے۔

- (1) زمینداروں کے گھر دھلیکار کاشتکار۔
- (2) باغ کے شیکمی کاشتکار۔
- (3) جن کے پاس کاشتکاروں نے اپنی زمین رہن رکھی ہے۔
- (4) چراگاہوں، پانی سے بھری (سیٹھاڈا) گاؤں پیدا کرنے والی زمین اور ندری کے کھار کی وہ زمین جہاں کبھی کبھی خیتی ہوتی ہے—کے گھر دھلیکار کاشتکار۔ ان میں شامل ہیں۔
- (5) ٹھیکدار۔
- (6) قانون کے ماتحت جنہیں اسامی بنایا گیا ہو۔

اس قانون کے لگو ہونے ہی راج کے دو لاکھ خیل کار کاشتکار اسامی ہوئے۔ اسامی کے زمین پر وہی حق ہیں جو سیردار کے ہیں۔ اور بے دخلی وغیرہ کا خطرہ بھی اسکا ویسا ہی ہے۔ لیکن ”نئے سماج“ میں اسامی کا درجہ اور رتبہ سیردار سے نیچا ہے۔ اسامی اس زمین کا کاشتکار ہوگا جسکا پکا

بھومی دہروں اور سیرداروں میں دو بنیادی فرق ہیں۔ سیردار زمین بھج نہیں سکتے اور اس پر صرف کھیتی یا جانور پالنے وغیرہ کا کام ہی کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ جو سب سے خراب شرط لگی ہے، وہ ہے ان کی بھدخالی کی۔ انہیں بھدخالی کرنے کے کئی قانونی طریقے ہیں:—

زمین کے مالک (جیسے گاؤں سبھا) جھوٹ موت دینا دے کہ سیردار نے زمین دوسرے کو دی ہے اور اس بدلے پر اسے بھدخالی کر دے۔

اگر سیردار زمین پر کھیتی کے علاوہ اور کچھ کرتا ہے تو اسے نہ صرف بھدخالی ہی کر دیا جائیگا بلکہ اس سے وہ خرچ بھی وصول کیا جائیگا جو زمین کو فیر سے خیتی کے قابل بنانے میں لگے گا۔ اس کے خلاف بھومی دہر ایلی زمین پر کارخانہ بھی چلا سکیگا۔ لوائی میں اور اس کے بعد، زمینداروں نے بڑی بڑی زمینیں نذرانے میں وصول کر چکا ہے۔ سرکار یہ جانتی ہے۔ پر قانون اس کے لئے زمیندار کو نہیں سیردار کو سزا دینگا، کیونکہ گاؤں سبھاؤں کی شکایت پر سیردار چراگاہوں سے بھدخالی کر دئے جائیں گے۔

اس سے ثابت ہے کہ سیردار کے حقوق کی رکشا اس قانون میں نہیں ہے۔

اسامی

نیچے لکھے کسی بھی قسم کے کاشتکار اسامی کہلائیں گے جو زمینداروں کے مطابق کاشتکاروں کی تیسری قسم ہے۔

- (1) زمینداروں کے گھر دھلیکار کاشتکار۔
- (2) باغ کے شیکمی کاشتکار۔
- (3) جن کے پاس کاشتکاروں نے اپنی زمین رہن رکھی ہے۔
- (4) چراگاہوں، پانی سے بھری (سیٹھاڈا) گاؤں پیدا کرنے والی زمین اور ندری کے کھار کی وہ زمین جہاں کبھی کبھی خیتی ہوتی ہے—کے گھر دھلیکار کاشتکار۔ ان میں شامل ہیں۔
- (5) ٹھیکدار۔
- (6) قانون کے ماتحت جنہیں اسامی بنایا گیا ہو۔

اس قانون کے لگو ہونے ہی راج کے دو لاکھ خیل کار کاشتکار اسامی ہوئے۔ اسامی کے زمین پر وہی حق ہیں جو سیردار کے ہیں۔ اور بے دخلی وغیرہ کا خطرہ بھی اسکا ویسا ہی ہے۔ لیکن ”نئے سماج“ میں اسامی کا درجہ اور رتبہ سیردار سے نیچا ہے۔ اسامی اس زمین کا کاشتکار ہوگا جسکا پکا

ہوہ جائے۔ وہ اپنی زمین پر قرض لے سکتے ہیں (لیکن اگر وہ قرض لے بدلے مہاجن کو زمین جوتے دیں گے تو یہ بکری ماسی جائے گی)۔ وہ بے دخل نہ ہو سکیں گے، زمین پر اسکا حق تب ہی ختم ہوگا جب وہ اپنا اولاد مہاجنوں کے۔

اس طرح قانون نے بھوسلی دھروں نے ادھکاروں کی دلشائشی پوری کر دی ہے۔ اگر ان حقوق پر کوئی اٹھات کر سکتا ہے تو وہ ہے سہاجنی سبھتا کا رۂ نهم جو ہمیشہ کمزور کو طاقتور نے فائدے کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ یہ سوچنا بھی غلط ہوگا کہ جتنے لوگ کاغذ پر بھوسلی دھر ہو گئے ہوں وہ سبھی رئیس یا پوجی والے ہو جائیں گے۔ صرف مٹھی بھر ہی بھوسلی دھر ایسے ہوں گے جن کے پاس زمین اور اسے چرنے کے لئے کافی پوجی اور ہل بھل ہوں۔ زیادہ تر بھوسلی دھروں کی آرتھک حالت کمزور رہی ہے اور کمزور ہی رہے گی۔

مستور

اُتر پردیش کے زمینداری انتظامیہ قانون میں کاشتکاروں کی دوسری قسم ہے سہدرار۔ سچے رنگے بارہ قسموں کے کاشتکار سہدرار کہلاتے ہیں۔

- (1) اودھ میں درامی پتہ والے ۔
(2) سہر سالط الملکوت والے ۔
(3) دخیل کار کاشتکار ۔
(4) سوروٹی کاشتکار ۔
(5) کسی لکان کے معافی دار ۔
(6) چائے بنیوچوں کے فہر دخیل کار کاشتکار ۔
(7) وہ شکمی جو ضابطے سے نکالے نہیں جاسکتے
ہیں اور جن کا اصل کاشتکاروں کا حق چلا گیا ہے ۔
(8) بنیوچے والے جو ہومی دھر نہیں ہو پائے ہوں۔
(9) سہر کے کاشتکار جن نے پاس پرانا پتہ دھا ہے۔
(10) وہ سبھی کاشتکار جن کو حالی زمون پر
سہر دار کا اختیار ملےکا۔
(11) 250 روپے سے زیادہ مالکداری دینے والے
زمینداروں نے وہ کاشتکار جنہیں ضابطے سے ٹوٹت جوتلے کا
حق نہیں ملا ہے۔
(12) وہ کاشتکار جن کی زمون اور کسی کی جوت
میں نہیں ہے ۔

اس طرح سوچے پوچھے دو کروڑ نسان—(یا دل کاشتکاروں کے ساتھ 68 فیصدی) سہرندار ہیں جو سوا دھن کروڑ ایکڑ زمین (جو دھرتی کی کل زمین کی 72 فیصدی ہے) کے قابض ہو گئے۔

تک تک ٹیک اور انصاف کا نہیں ملتا تھا جب تک بنا معاوضہ زمینداری نہ ختم کر دی گئی، زمین کا پھر سے بتوارہ نہ ہو گیا اور سامنتی کال کے بڑے ہونے لگان کم نہ کر دیئے گئے۔

تب تک ٹیک اور انصاف کا نہیں ملتا تھا جب تک بنا معاوضہ زمینداری نہ ختم کر دی گئی، زمین کا پھر سے بتوارہ نہ ہو گیا اور سامنتی کال کے بڑے ہونے لگان کم نہ کر دیئے گئے۔

کسانوں کے ساتھ وعدہ خلافی

لہکن اپنے پرانے وعدوں کے خلاف ہو۔ پی۔ کے اس نئے قانون بنانے والوں نے کسانوں کی ان بھلائیوں کو تو پورا کیا نہیں؛ بلکہ الگ الگ طرح کے چار قسم کے کاشتکار پتھال رکھ کر پرانے بھید بھاؤ جاری رکھے۔ کئی طرح کے کسان ہونا سامنتی بلندوبست کی خاص نشانی ہے۔ کسانوں میں ”اونچ نیچ“ کا یہ بھید قائم رکھنے کے لئے قانون اتنا جٹل اور پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ ان پر کسانوں کی بات توں نہ، بڑے لکھ وکھ اور مستحق بھی اکثر اُسے سمجھ نہیں پاتے۔ جن کسانوں کے حقوں کی رکشا کا دعویٰ یہ قانون کرتا ہے وہ کسان یہ نہیں جانتے کہ اس قانون میں ہے کیا۔

کسانوں کے ساتھ وعدہ خلافی

لہکن اپنے پرانے وعدوں کے خلاف ہو۔ پی۔ کے اس نئے قانون بنانے والوں نے کسانوں کی ان بھلائیوں کو تو پورا کیا نہیں؛ بلکہ الگ الگ طرح کے چار قسم کے کاشتکار پتھال رکھ کر پرانے بھید بھاؤ جاری رکھے۔ کئی طرح کے کسان ہونا سامنتی بلندوبست کی خاص نشانی ہے۔ کسانوں میں ”اونچ نیچ“ کا یہ بھید قائم رکھنے کے لئے قانون اتنا جٹل اور پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ ان پر کسانوں کی بات توں نہ، بڑے لکھ وکھ اور مستحق بھی اکثر اُسے سمجھ نہیں پاتے۔ جن کسانوں کے حقوں کی رکشا کا دعویٰ یہ قانون کرتا ہے وہ کسان یہ نہیں جانتے کہ اس قانون میں ہے کیا۔

بھومی

بھومی دھر قانون کے مطابق جس قسم کے کاشتکار کو سب سے زیادہ حق ملے ہوں وہ ہے بھومی دھر۔ جن سات قسم کی بھومتی والے لوگ بھومی دھر بن گئے ہوں وہ ہیں:—

بھومی دھر

بھومی دھر قانون کے مطابق جس قسم کے کاشتکار کو سب سے زیادہ حق ملے ہوں وہ ہے بھومی دھر۔ جن سات قسم کی بھومتی والے لوگ بھومی دھر بن گئے ہوں وہ ہیں:—

(1) جن زمینداروں کے پاس سیر، خودکاشت اور باغ ہیں۔

(1) جن زمینداروں کے پاس سیر، خود کاشت اور باغ ہیں۔

(2) ان کے درامی پتہ والے جو کاشتکار کی حیثیت سے زمین پر سیدھے قابض ہیں۔

(2) اردہ کے درامی پتہ والے جو کاشتکار کی حیثیت سے زمین پر سیدھے قابض ہیں۔

(3) بلل مورتا کاشتکار یا مالکدار۔

(3) بلل مورتہ کاشتکار یا مالکدار۔

(4) ایسے کاشتکار جنہیں زمینداروں نے زمین بھجلیے کا ادھیکار دیا ہے۔

(4) ایسے کاشتکار جنہیں زمینداروں نے زمین بھجلیے کا ادھیکار دیا ہے۔

(5) سیردار جو سرکار کو 10-12 گونا لگان دیتے ہیں۔

(5) سیردار جو سرکار کو دس بارہ لگان جمع کر دیتے ہیں۔

(6) کاشتکار جو لگان کا دس گونا جما کر دیتے ہیں۔

(6) کاشتکار جو لگان کا دس گونا جمع کر دیتے ہیں۔

(7) آبادی والے جو کانون لاگو ہونے پر پانچ سال بعد لگان کا پندرہ گونا جمع کر دیں یا زمین کے مالک کی اجازت سے کبھی بھی پندرہ گونا جمع کر دیں۔

(7) اسی واسی جو قانون لاگو ہونے پر پانچ سال بعد لگان کا پندرہ گونا جمع کر دیں یا زمین کے مالک کی اجازت سے کبھی بھی پندرہ گونا جمع کر دیں۔

اس فہرست کو دیکھتے ہیں کہ ہر پتہ لگ جائے گا کہ بہت سے ایسے لوگ ہوں جو بلا کچھ دیکھ کر بھومی دھر بن گئے ہوں (جیسے کہ پتھالے چار)۔ نئے قانون میں بھومی دھروں کو سب سے زیادہ حق دے دیئے گئے ہیں۔ زمین پر ان کا پورا پورا قبضہ ہوگا۔ اور وہ اُسے کسی بھی کام میں استعمال کر سکیں گے۔ وہ ان پر مکان بنا سکیں گے اور دوسرے دھندلے کھول سکیں گے۔ زمین پر انہیں موروثی حق ہوگا اور وہ اُسے بھج سکیں گے۔ لیکن اگر وہ بھجیں تو شرط یہ ہے کہ اُسے اُسی کے ہاتھ نہ بھجیں جس کی جوت 30 ایکڑ سے زیادہ

جَمیادی اُنت قانون مے لکھا ہے—جس پر लगان بکایا ہو उसे گیرفتار کر پंद्रह दिन तक बन्द रखता जा सकता है, अगर वह पंद्रह दिन से पहले बन्दा कर दे तो वह पहले भी छोड़ा जा सकता है. यह दफा तो विधान में दिये गए बुनियादी अधिकारों की भावना के भी खिलाफ है. सन '39 के आराजी कानून ने बक़ाया वसूली के लिये कर्त्री, नीलाम, गिरफ्तारी वगैरा सब बन्द कर दी थी. और यह कानून उस समय पास हुआ था जब अंगरेजी हुकूमत कायम थी. लेकिन आज कांग्रेसी राज में किसानों को वह सहूलत भी नहीं मिल रही है जो अंगरेजी राज में थी. आजकल जो लगान लिया जाता है वह चालीस साल तक इसी तरह जारी रहेगा और तब तक उसकी वसूली के लिये यह जुल्म भी जारी रहेंगे.

चालीस साल के बाद बन्दोबस्त अफसर जा कर हर जोत की पैदावार, उस पर खर्च, बचत वगैरा तय करेंगे और उसका एक हिस्सा (जो विधान सभा तय करेगी) नए सिरे से लगान में बाँधेंगे. भूमिधरों का लगान तब भी सीरदारों से आधा होगा.

यह उसूल चाहे जितना अच्छा हो पर यह बात तो माननी ही पड़ेगी कि चालीस साल बाद न्याय करने का तरीका किसी लोकशाही सरकार के लिये ठीक नहीं है. आज कल का लगान और उसकी वसूली के तरीकों को जारी रखने का सिर्फ एक मतलब है और वह यह कि सरकार चालीस साल तक उत्तर प्रदेश के किसानों से सामन्ती लूट जारी रखना चाहती है.

7. कांग्रेसी बन्दोबस्त

हमारे देश में जमीन का बन्दोबस्त कई बार हुआ. इस्तमरारी बन्दोबस्त के इलाकों को वहाँ के किसान डंकनी बन्दोबस्त कहते हैं, इसकी वजह यह है कि एक अंगरेज डंकन साहब ने इसका बन्दोबस्त किया था. हो सकता है कि जमींदारी के बाद का बन्दोबस्त कांग्रेसी बन्दोबस्त कहा जाय क्योंकि यह बन्दोबस्त कांग्रेस का चलाया हुआ है. जमीन के बन्दोबस्त का मतलब है वह शर्तें जिन पर कारतकार को जमीन जोतने वगैरा के हक मिलते हैं. हमारे यहाँ जो बन्दोबस्त है उसे बदलने की मांग काफी दिनों से चल रही है. इधर तो बहुत से विद्वानों ने भी यह मांग दोहराई है. कहा गया है कि इन सुधारों के बगैर नाज की पैदावार नहीं बढ़ सकती क्योंकि किसानों को जिन शर्तों पर जमीन मिलती है वह शर्तें या तो ऐसी होती हैं कि जिनसे जमीन के साथ किसान का प्रेम बढ़े और जमीन को सुधारने और पैदावार बढ़ाने के लिये उसे दिलचस्पी हो और फिर या ऐसी होती हैं जो उसके प्रेम और हिम्मत दोनों को ख़त्म कर दें. हाल में दूसरे देशों में जो सुधार हुए हैं उन्हें

زمینداری انت قانون میں لکھا ہے—جس پر لگان بکایا ہو اُسے گرفتار کر پندرہ دن تک بند رکھا جاسکتا ہے، اگر وہ پندرہ دن سے پہلے ادا کر دے تو وہ پہلے بھی چھڑا جاسکتا ہے. یہ دفعہ تو ودھان میں دئے گئے بلھاسی ادھیکاروں کی بھاؤا کے بھی خلاف ہے. سن '39 کے آراضی قانون نے بقایا وصولی کے قرقی، نہام، گرفتاری وغیرہ سب بند کردی تھی. اور یہ قانون اُس سے پاس ہوا تھا جب انگریزی حکومت قائم تھی. لیکن آج کانگریسی راج میں کسانوں کو وہ سہولت بھی نہیں مل رہی ہے جو انگریزی راج میں تھی. آج کل جو لگان لیا جاتا ہے وہ چالیس سال تک اسی طرح جاری رہے گا اور تب تک اُس کی وصولی کے لئے یہ ظلم بھی جاری رہے گا.

چالیس سال کے بعد بلندوبست افسر جاکر ہر جوت کی پیداوار، اُس پر خرچ، بچت وغیرہ طے کریں گے اور اُس کا ایک حصہ (جو ودھان سبھا طے کریگی) نئے سرے سے لگان میں باندھوں گے. بیوسی دھروں کا لگان تب بھی سہرداروں سے آدھا ہوگا.

یہ اصول چاہے جتنا اچھا ہو پر یہ بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ چالیس سال بعد نئے کرنے کا طریقہ کسی لوک شاہی سرکار کے لئے تھیک نہیں ہے. آج کل کا لگان اور اُس کی وصولی کے طریقوں کو جاری رکھنے کا صرف ایک مطلب ہے اور وہ یہ ہے کہ سرکار چالیس سال تک اُترپردیش کے کسانوں سے سامنتی بوت جاری رکھنا چاہتی ہے.

7. کانگریسی بلندوبست

ہمارے دیس میں زمین کا بلندوبست کئی بار ہوا. استمراری بلندوبست کے علاقوں کو وہاں کے کسان ڈنکنی بلندوبست کہتے ہیں، اِس کی وجہ یہ ہے کہ ایک انگریز ڈنکن صاحب نے اِس کا بلندوبست کیا تھا. ہو سکتا ہے کہ زمینداری کے بعد کا بلندوبست کانگریسی بلندوبست کہا جائے کیونکہ یہ بلندوبست کانگریس کا چلایا ہوا ہے. زمین کے بلندوبست کا مطلب ہے وہ شرطیں جن پر کاشتکار کو زمین چوتلے وغیرہ کے حق ملتے ہیں. ہمارے یہاں جو بلندوبست ہے اُسے بدلنے کی مانگ کافی دنوں سے چل رہی ہے. ادھر تو بہت سے ودوانوں نے بھی یہ مانگ دھرائی ہے. کہا گیا ہے کہ اِن سدھاروں کے بغیر ناچ کی پیداوار نہیں بڑھ سکتی کیونکہ کسانوں کو جن شرطوں پر زمین ملتی ہے وہ شرطیں یا تو ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے زمین کے ساتھ کسانوں کا پریم بڑھے اور زمین کو سدھارنے اور پیداوار بڑھانے کے لئے اُسے دلچسپی ہو اور پھر یا ایسی ہوتی ہیں جو اُس کے پریم اور ہمت دونوں کو ختم کر دیں. حال میں دوسرے دیسوں میں جو سدھار ہوئے ہیں انہیں

जब कानून बनाने बैठे तो यह सुझाव भी भूल गए और पुराना लगान और लगान का पुराना तरीका जारी रखा.

इस लगान की तो बुनियाद ही गलत है, यह तो कार्त-कार ज़मींदार युग के साँचे में ही ढला हुआ है, क़ायदे से खेती या ज़मीन को पैदावार का साधन या ज़रिया मान कर ही उस पर लगान लगाना चाहिये और इसमें भी एक हद होनी चाहिये जिसके नीचे आमदनी पर लगान न लगे. नेहरू जी चाहते हैं कि देश में 'वैलफ़ेयर स्टेट' यानी 'मंगलकारी राज' हो. पर अगर जनता का 'मंगल' चाहना है तो बन्दोबस्त के ठीक होने की पहचान यही है कि सब से कम आमदनी वाले लोगों पर टैक्स का बोझ बिल्कुल न पड़े. अर्थशास्त्र के बहुत से माहिरों ने भी यही बात कही है कि ग़ैर गुजारे के लायक जोतों पर लगान उचित नहीं है.

नए क़ानून में ज़ियादाती

सन 31 में सूबा कांग्रेस ने एक कमेटी इसी सिलसिले में बनाई थी. उसमें पंत जी भी थे. कमेटी ने अपनी रिपोर्ट में लिखा था—“किसी जात पर लगान तय करने का यही तरीका है कि आमदनी और खर्च का पता लगाया जाय और अगर कुछ बचत होती हो तो उसका एक हिस्सा लगान में ले लिया जाय.” दूसरे शब्दों में कमेटी ने सुझाव दिया था कि लगान का आज का उसूल गलत है, उसकी जगह खेती की आमदनी पर टैक्स लगाना चाहिये. इनसाफ, भलाई और बराबरी के उसूलों की भी यही मांग है. इसी लिये फ्लायड कमीशन से ले कर कांग्रेस की खेती सुधार कमेटी तक सभी लोगों की राय इसी बात के माफिक पड़ती है.

पर कमेटी के अमली सुभाव और क़ानून में न तो लगान कम करने की ही बात आती है और न लगान का ढांचा या उसूल बदलने का ज़िक्र है नए क़ानून के मुताबिक़ गांव की मालगुजारी की वसूली के लिये सभी सीरदार और भूमिधर सामूहिक या मजमूई तौर पर जिम्मेवार होंगे. वह 'अबवाब' के भी देनदार होंगे. नया क़ानून बनाने वालों को मालूम था कि भूमिधर का लगान आधा और सीरदार का लगान कम हो जाने के बावजूद माल गुजारी की वसूली में बहुत बाधाएं आयेंगी. और जब तक पैदावार बढ़ाने के तरीक़ों का बिकास और सुधार न हो इन बाधाओं का आना लाजिमी है. इसीलिये नए क़ानून में किसान का दुख कम करने के बजाय पुराने सामन्ती ढंग के लगान वसूल करने के सभी ज़लिमाना तरीक़ों को इस्तेमाल करने की छूट दे दी गई है. लगान की बक़ाया वसूल करने के लिये सम्मन, गिरफ्तारी, नज़रबन्दी, मनक़ूला (चल) जायदाद की क़ुर्की, ज़मीन पर क़ब्ज़ा या दूसरी ग़ैर मनक़ूला (अचल) मिल्कियत की ज़ब्ती और नीलाम तक की छूट है. तहसीलदार के सामने हाजिरी मामूली बात है.

جب قانون بنائے ہوئے تو یہ سبھاؤ بھی بھول گئے اور
پڑا لٹا اور لٹاں کا پرانا طریقہ جاری رکھا۔

اس لگان کی تو بھلاہی قلم ہے ۔ یہ تو کاشتکار زمیندار ہیک کے سانچے میں ہی قلم ہوا ہے ۔ قاعدے سے کہتی یا زمین کو پھدار کا سادھن یا ذریعہ مان کر ہی اُس پر لگان لگانا چاہئے اور اس میں بھی ایک حد ہونی چاہئے جس کے نیچے آمدنی پر لگان نہ لگے ۔ نہرو جی چاہتے ہیں کہ دیہی میں ’ویل فہر اسٹوٹ‘ یعنی ’مئل کارو راج‘ ہو ۔ پر اگر چلتا کا ’مئل‘ چاہنا ہے تو ہندوہست کے ٹھہک ہونے کی پہچان یہی ہے کہ سب سے کم آمدنی والے لوگوں پر ٹیکس کا بوجھ بالکل نہ پڑے ۔ ارنہ شاستر کے بہت سے ماہروں نے یہی بات کہی ہے کہ فہر گزارے لائق جوتوں پر لگان اچھت نہیں ہے ۔

نئے قساموں میں زیادتی

سن 31' میں صوبہ کانگریس نے ایک کمیٹی اسی سلسلے میں بھائی تھی۔ اس میں پلٹ جی بھی تھے۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا—”کسی جوت پر لگان طے کرنے کا یہی طریقہ ہے نہ آمدنی اور خرچ کا پتہ لگایا جائے اور اگر کچھ بچت ہوئی ہو تو اس کا ایک حصہ لگان میں لے لیا جائے۔“ دوسرے شعبوں میں کمیٹی نے سبھاؤ دیا تھا لگان کا آج کا اصول غلط ہے، اس کی جگہ کمیٹی کی آمدنی پر ٹیکس لگانا چاہئے۔ انصاف بھائی اور برابری کے اصولوں کی بھی یہی مانگ ہے۔ اسی لئے دلاؤ دھشمن سے لیکر کانگریس کی کمیٹی سدھار کمیٹی تک سبھی لوگوں کی رائے اسی بات کے موافق پڑتی ہے۔

پر کمیٹی کے اصلی سچھاڑ اور قانون میں نہ تو لگان
 کم کرنے کی ہی بات آتی ہے اور نہ لگان کا تہاچہ یا اصول
 بدلنے کا ذکر ہے۔ نئے قانون کے مطابق گاؤں کی مالکداری
 کی وصولی کے لئے سبھی سہردار اور بھوسہ دھر ساموہک
 یا مجموعی طور پر ذمہ دار ہونگے۔ وہ 'ابوہ' کے بھی
 دیں دار ہونگے۔ نیا قانون بنانے والوں کو معلوم تھا کہ
 بھوسہ دھر کا لگان آدھا اور سہردار کا لگان دم ہو جانے کے
 باوجود مالکداری کی وصولی میں بہت بڑھانوں آئیں گی۔
 اور جب تک پھداوار بڑھانے کے طریقوں کا وکاس اور سدھار
 نہ ہو ان بڑھانوں کا آنا لازمی ہے۔ اسی لئے نئے قانون
 میں کسان کا دھم کم کرنے کے بجائے پورے ساملتی ڈھلک
 کے لگان اصول کرنے کے سبھی طالعانہ طریقوں کو استعمال
 کرنے کی چھوٹ دیدی گئی ہے۔ لگان کی بقایا اصول
 کرنے کے لئے سن 'گرتاری' نظر بندی' منقولہ (چل)
 جائداد کی گرتی' زمین پر قبضہ یا دوسری غور منقولہ
 (اچل) ملکیت کی غلطی اور نیقام تک کی چھوٹ ہے۔
 تحصیلدار کے سامنے حاضری معمولی بات ہے۔

ہمارے صوبے کے نئے جمنیاداری انت قانون سے تو شکمیں وہرے کی بے دخلی کی بھی بارہ آجائیں گی۔ اس بلحاظ پر نئے قانون میں وہ دفعوں لائی گئیں ہیں جن سے قانون لگو ہونے کے پانچ سال بعد آدمی واسوں کی بے دخلی ہوگی۔ اس طرح کے شکم کا شکار 32 لاکھ ایکڑ زمین چوتھے ہیں اور وہ بہت غریب ہیں، وہ موروسی کاشتکار سے دوانی روپہ زیادہ لگان دیتے ہیں۔ قانون کی اس دھارا سے یہ زمین سمجھا جا سکتا کہ کھیتی ہر مزدوروں کے لئے دکھائی گئی ہمدردی سچی ہے۔

6. لگان میں کمی

ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ سامنتی لوٹ کا اصلی بوجھ لگان کے ذریعے کسان ہی پر پڑتا ہے، اس لئے زمینداروں خاتمے کا اصلی مطلب یہ ہے کہ کسانوں پر لگان کا بوجھ کم ہو۔ ہمارے صوبے میں فی ایکڑ لگان کا جو اوسط پڑتا ہے، وہ دوسرے صوبوں سے زیادہ ہے۔ فلاڈیپیشن کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ بلنگال میں دخول کار کاشتکار تین روپہ چھ آنے فی ایکڑ لگان دیتا ہے، بلنگال میں تین روپہ دو آنے، یو. پی. میں یہی لگان ان صوبوں سے دوا پہلی چھ روپہ فی ایکڑ ہے۔ وجہ جو بھی ہو، لگان ادھک ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

زمینداروں انت کمیٹی کی ہول

اس لئے اگر کسانوں کو امداد تھی کہ زمینداروں ختم ہونے کے بعد ان کا لگان آدھا ہو جائیگا تو اس میں ان کی غلطی نہیں تھی۔ کراچی کانگریس کے جس تھہراؤ کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، اس میں فہرہ گزارے لٹی جوتوں والے کسانوں کو لگان سے پوری چھوٹ ہے اور عام طور پر لگان کم کرنے کا سبھاو شامل ہے۔ یہی بات زمینداروں انت کمیٹی والوں کے دماغوں میں بھی رہی ہوگی، کیونکہ رپورٹ میں لکھا ہے—ہم سمجھتے ہیں کہ لگان ہوی جوتوں پر بڑھانے جانا ضروری ہے۔ اس سے ایک نو چھوٹی جوت والے کسان کا بوجھ ہلکا ہوگا اور اسے پھداوار پڑھانے میں سہولت ہوگی۔ دوسرے آمدنی کے غلط بتوارے میں بھی کمی ہوگی۔ پر جب سبھاو دینے کی بات آئی تو کمیٹی نے لکھا کہ اس کی سبھی خرابیوں کے باوجود لگان کا یہی طریقہ قائم رکھا جائے۔ کمیٹی نے جو دو ایک سدھا اس سلسلے میں دئے ہیں، وہ بہت نا کافی ہیں۔ کمیٹی کا سبھاو تھا کہ ایک ایکڑ تک کی جوت پر چھ آنے، چار ایکڑ تک چار آنے، چھ ایکڑ تک دو آنے، اور دس ایکڑ تک کی جوت پر ایک آنے فی روپہ چھوٹ دیدی جائے۔ آج کل کی تلکی اور لگان کے پرانے اور پچھ لکھت طریقہ کو دیکھتے ہوئے یہ چھوٹ کم سے کم چھوٹی جوت والوں کے لئے تو نہیں کے برابر ہے۔ پر مزے کی بات یہ ہے کہ کمیٹی کے ممبر

والے غلے میں جو کسی ہو اسے دور کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ پھر سے زمینداری پر تھا لاکھ در دی جائے یا بڑی جوت والوں نے پاس زیادہ زمین چھوڑ دی جائے۔ طریقہ یہ ہے کہ شاملات کھیتی کے ذریعہ اچھے بڑھائی جائے جو بھجے والے کسان میں ان سے سہکاری کھیتی کروائی جائے۔ یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ یہ سب باتوں تو آگے کی اور لمحہ عرصے میں لاکھ ہونے والی ہیں اور ہمیں کل سے ہی شہر کی جگہ کا بیٹ بھرنا ہے۔ لیکن زمین کے بتوارے کا اثر صرف غلہ وصولی پر ہو سکتا ہے اور غلہ وصولی میں سرکار کو زمیندار اور بڑے کسان سے کبھی بھی سہہوگ نہیں ملا۔ تبھی سرکار اچھے کی 14 فیصدی سے زیادہ کبھی وصول ہی نہ کر پائی۔ اصلیت میں بھکاری اور اکل پھندا کرنے والے زمیندار ہی ہیں۔ زمین کے تھک بتوارے سے ہی سرکار اور کسان کے بھجے سچائی اور دوستی کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے آئندہ میں زمین کا اصلی بلندوبست بہت چھوٹی جوتوں پر نہیں 'سہکاری شاملاتی کھیتی' پر ہی ہو۔ جب سچے آرتھک لوک راج کی اور سرکار قدم اٹھائے گی، تبھی دیہات اور شہر دونوں ایسی مدد کے بل پر اپنے اپنے پھروں پر کھڑے ہوں گے۔

زمینداری انت کھیتی نے یہ بھی دلیل دی تھی کہ بتوارے سے کھیتی ہر مزدوروں کی روزی چھن جائے گی۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ بڑی بڑی جوت والوں کے بڑے فارموں پر کھیتی ہر مزدور برقرار رہیں گے۔ جو زمین زمینداروں سے چھوٹے کی اس میں زمینداروں کے پیسوں والے تو کھیتی کریں گے نہیں بلکہ وہاں بھی کھیتی ہر مزدور ہی لگیں گے۔ ہاں! جہاں کسانوں کی جوتیں چھوٹی ہونگی وہاں ضرور کھیتی ہر مزدور خالی ہونگے۔ پر ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کھیتی ہر مزدور تب اس ساملتی غلامی سے بھی چھٹکارا پا جائیگا جس میں آدھے چوتھائی پوت کھانا دے کر زبردستی کام لہا جاتا تھا۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد اس زور زبردستی کا انت ہوگا اور مزدور اور غریب کسان پہلی بار اپنی مصیبت کی اجرت ملے کھول کر مانگ سکے گا۔ اسے پہلی بار مواقع ملے گا کہ اپنی سہواں کے سہہوگ سے اپنی مزدوری اونچتی کر سکے۔ پھر زمین کے بتوارے میں انہیں بھی کچھ نہ کچھ زمین ملے گی ہی۔ اس طرح آدھے غلاموں کی طرح ہمارے زندگی بسر کرنے کی جگہ کھیتی ہر مزدور آزاد مزدوروں کی طرح مول بہاؤ کرنے کی طاقت کی پٹھان پر واجب اجرت مانگنے اور ان میں سے بہت سے پہلی بار زمین کے مالک ہونگے۔ یہ حالت آج کل کی ادھ غلامی کی حالت سے کھسی بری ہے؟ وہ تو اس کا سواکت ہی کہیں گے۔

لیکن کھیتی ہر مزدوروں کا سوال حل کرنے کی جگہ

زمینداری انت کھیتی نے یہ بھی دلیل دی تھی کہ بتوارے سے کھیتی ہر مزدوروں کی روزی چھن جائے گی۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ بڑی بڑی جوت والوں کے بڑے فارموں پر کھیتی ہر مزدور برقرار رہیں گے۔ جو زمین زمینداروں سے چھوٹے کی اس میں زمینداروں کے پیسوں والے تو کھیتی کریں گے نہیں بلکہ وہاں بھی کھیتی ہر مزدور ہی لگیں گے۔ ہاں! جہاں کسانوں کی جوتیں چھوٹی ہونگی وہاں ضرور کھیتی ہر مزدور خالی ہونگے۔ پر ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کھیتی ہر مزدور تب اس ساملتی غلامی سے بھی چھٹکارا پا جائیگا جس میں آدھے چوتھائی پوت کھانا دے کر زبردستی کام لہا جاتا تھا۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد اس زور زبردستی کا انت ہوگا اور مزدور اور غریب کسان پہلی بار اپنی مصیبت کی اجرت ملے کھول کر مانگ سکے گا۔ اسے پہلی بار مواقع ملے گا کہ اپنی سہواں کے سہہوگ سے اپنی مزدوری اونچتی کر سکے۔ پھر زمین کے بتوارے میں انہیں بھی کچھ نہ کچھ زمین ملے گی ہی۔ اس طرح آدھے غلاموں کی طرح ہمارے زندگی بسر کرنے کی جگہ کھیتی ہر مزدور آزاد مزدوروں کی طرح مول بہاؤ کرنے کی طاقت کی پٹھان پر واجب اجرت مانگنے اور ان میں سے بہت سے پہلی بار زمین کے مالک ہونگے۔ یہ حالت آج کل کی ادھ غلامی کی حالت سے کھسی بری ہے؟ وہ تو اس کا سواکت ہی کہیں گے۔

لیکن کھیتی ہر مزدوروں کا سوال حل کرنے کی جگہ

کی ضرورت سمجھی گئی تھی لیکن مسلم لیگ کے اندر اور باہر کے جرمیاداریوں کا پورے سوہراوردی پر پڑا اور بیل کبھی پھنسی میں نہیں ہوا۔ کانگریس نے آرتھک پروگرام سمیٹی نے بھی جلدی سن 48 میں سفارش کی تھی کہ اس سے زیادہ زمین جس پر بھی ہو اس سے لے کر سہائی سمیٹی کو دے دی جائے۔ کانگریس کی آرڈی سیدھا سمیٹی نے بھی اس بات کو دہرایا۔

ان کہانوں نے یہ سمجھاؤ اس اصلیت کو سمجھ کر ہی دیا تھا کہ سوہراوردی خود کاشت کو ہم کئے ہمارے نو سامیٹی زمینداروں کی اجازت داری ہی توڑی جا سکتی ہے اور یہ کسانوں کی زمین کی ہو کر ہی متائی جا سکتی ہے اس سے بددیہی نے کسانوں کی دشا سدھو بھی نہیں سکتی۔ زمین کی ہو کر زمیندار کی ختم کر کے ہی پوری کی جا سکتی ہے۔ ہمارے صوبے میں جتنی فیصدی لوگ پھنسی کی جتنی ہم زمین سے روزی چلا رہے ہیں، ہم نے کسی بھی دوسرے صوبے میں نہیں چلا دے ہیں۔ ہمارے یہاں 50 لاکھ پھنسی ہر مؤردہ میں جن کے پاس اپنی صوبی ہزار بھی زمین نہیں ہے اور ہمارے یہاں بھی ایسی چھوٹی چھوٹی چوٹیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے جن پر کسی بھی زمیندار نہیں چل سکتا۔ ہوسنی سدھار کا یہاں اصول زمین کا پورے ہر مؤردہ کو چاہئے۔ ہمارے صوبے میں اس سے بددیہی نہیں چل سکتا۔ کسان سمجھ لے رہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ زمینیں زمین ایک آدمی کے پاس رہے لیکن ہمارے صوبے میں تو 15 ایکڑ ہی انہی کافی زمین ہے جو کہ اطمینان سے گزارے لائق چوت نہیں جا سکتی ہے۔

جرمیاداری ائنت قانون میں درار

پار اس زمیندار ائنت قانون میں زمین کے بٹوارے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ زمیندار ائنت کمیٹی کی رپورٹ میں ملتی ہے۔ کمیٹی نے جانتے سے تو جمان کے نپ سیرے سے بٹوارے کا ٹی 6 اور سناسیب بتایا ہے۔ لکھا ہے کہ "خیتی سے ہونے والی جیاداد سے جیاداد اور کم سے کم آماندینوں میں جو भारی ائنت ہے وہ بٹوارے سے ختم ہو جائیگا، اور ساماجیک نیا کی نیو پڑ جائیگی۔" لیکن جب کام کے سوہراوردی دینے کا وکرت آیا تو کمیٹی کو کئی کرچی دیکھتے دیکھا پڑنے لگی۔ کمیٹی نے لکھا کہ "بٹوارے سے روت کی ترہ ہیکماری اور اکال آ جائیگا۔ کم سے کم شہروں میں آنے والے راتلے میں ہتنی کمی آ جائیگی کہ شہر والے ہیکوں مر جائیگو۔ اس سے خیتی مژدرا کی رانچی خین جائیگی باریا۔"

جہاں تک روت کی ہیکماری کا سوال ہے، خود سٹالین نے اس سلسلے میں کہا تھا کہ بازار میں آئے

یہ اس زمیندار ائنت قانون میں زمین کے بٹوارے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ زمیندار ائنت کمیٹی کی رپورٹ میں ملتی ہے۔ کمیٹی نے جانتے سے تو جمان کے نپ سیرے سے بٹوارے کا ٹی 6 اور سناسیب بتایا ہے۔ لکھا ہے کہ "خیتی سے ہونے والی جیاداد سے جیاداد اور کم سے کم آماندینوں میں جو भारی ائنت ہے وہ بٹوارے سے ختم ہو جائیگا، اور ساماجیک نیا کی نیو پڑ جائیگی۔" لیکن جب کام کے سوہراوردی دینے کا وکرت آیا تو کمیٹی کو کئی کرچی دیکھتے دیکھا پڑنے لگی۔ کمیٹی نے لکھا کہ "بٹوارے سے روت کی ترہ ہیکماری اور اکال آ جائیگا۔ کم سے کم شہروں میں آنے والے راتلے میں ہتنی کمی آ جائیگی کہ شہر والے ہیکوں مر جائیگو۔ اس سے خیتی مژدرا کی رانچی خین جائیگی باریا۔"

زمینداروں ائنت قانون میں درار

یہ اس زمیندار ائنت قانون میں زمین کے بٹوارے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ زمیندار ائنت کمیٹی کی رپورٹ میں ملتی ہے۔ کمیٹی نے جانتے سے تو جمان کے نپ سیرے سے بٹوارے کا ٹی 6 اور سناسیب بتایا ہے۔ لکھا ہے کہ "خیتی سے ہونے والی جیاداد سے جیاداد اور کم سے کم آماندینوں میں جو भारی ائنت ہے وہ بٹوارے سے ختم ہو جائیگا، اور ساماجیک نیا کی نیو پڑ جائیگی۔" لیکن جب کام کے سوہراوردی دینے کا وکرت آیا تو کمیٹی کو کئی کرچی دیکھتے دیکھا پڑنے لگی۔ کمیٹی نے لکھا کہ "بٹوارے سے روت کی ترہ ہیکماری اور اکال آ جائیگا۔ کم سے کم شہروں میں آنے والے راتلے میں ہتنی کمی آ جائیگی کہ شہر والے ہیکوں مر جائیگو۔ اس سے خیتی مژدرا کی رانچی خین جائیگی باریا۔"

جہاں تک روت کی ہیکماری کا سوال ہے، خود سٹالین نے اس سلسلے میں کہا تھا کہ بازار میں آئے

ان زمینداروں کو سرکاری بانڈ یا پرامیسری نوٹ دیے گئے تو اس سے کافی نوٹوں کے بڑھ جانے، چوٹی کے اور مہنگے ہو جانے اور دیہی کی آرتھک ویسٹیا کے بگڑ جانے کا جو قدر ہے، وہ اس طریقے سے ختم ہو جائیگا۔

معاوضے کی رقم کا صحیح اہوک

زمہنداروں کی دوسری جماعت 250 روپے سے لیکر 3500 روپے کی آمدنی والی ہے۔ اسے بھی معاوضے کی رقم کچھ تو سہکاری سمیٹھوں کے ذریعے اور کچھ نقدی میں ملنی چاہئے تھی۔ اس جماعت کے زمہنداروں میں شکشا کچھ زیادہ ہے، اور انہیں ہویار کا بھی تھوڑا بہت تجربہ ہے۔ ان لوگوں کو جو نقد روپیہ ملتا اس کے ٹھیک اہوک کی آشا زیادہ تھی۔ اس طرح سے معاوضے کی رقم کی چرتھائی (قریب 22 فیصدی) صوبے کی آرتھک دشا سدھارنے میں تھوک طرح سے لگ جانی۔

3500 روپے سے 5000 روپے تک مالگوجاری دینے والے زمینداروں کو بھی روپیہ سمیٹھوں اور نقدی کے روپ میں دیا جانا۔ لیکن انتظام یہ کیا جانا کہ جیسے جیسے رقم بڑھتی جاتی، نقد ملنے والی رقم کا اوسط بھی دھورے دھورے بڑھتا جاتا۔ اس طرح معاوضے کی رقم کا 90 فیصدی اہوک اہوک دھندے چلانے کے لئے پورجی کے روپ میں مل جاتا۔ اس وقت اگر ہمارے دیہی میں کسی چھوٹی کسی کھیتکی ہے تو وہ پونجی کی ہی، وہ اس طرح سے پوری ہو جانی۔

5000 روپے سے زیادہ کے مالگوجاری کو صرف نام کے لئے کچھ معاوضہ دیکر ختم کر دیا جانا جس سے دھان کے پچھ گھسٹو اصول کی رکشا بھی ہو جانی اور زیادہ روپیہ بھی نہیں خرچ ہوتا۔

اس سب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اس اسکیم کے حاسی و طرفدار ہیں۔ ہم تو صرف یہی دکھانا چاہتے ہیں کہ اس قانونی دھماچے میں بھی ترقی کی ٹلچائش نکالی جاسکتی تھی۔ اگر سرکار دیہانوں کی فریب جلتا کی حالت سے سچے سچے سدھارنا چاہتی تو اس کی اسکیم اور قانون میں ترقی کی یہ باتیں شامل ہو سکتی تھیں۔

دوسرے ہم تو اسی اصول کو تھوک مانتے ہیں کہ زمہنداری کے خاتمے سے جن لوگوں کی روزی پوری طرح سے یا کچھ کچھ ختم ہو رہی ہے ان کے کزارے کا پھر سے انتظام کرنے کے لئے ایک پھر ہساؤ ہمتہ ہی دیا جانا۔

سرکار کا فرض اور زمہندار

سرکار کا فرض اور زمیندار

سرکار کو ہر زمیندار کے سوال پر الگ الگ وچار کرنا چاہئے تھا کیونکہ ایک طرف تو ہکاری سے بچانا تھا اور دوسری طرف معاوضے کے بہانے دھنس بن جانے کی تکڑم بھی ختم کرنی چاہئے تھی۔

سرکار کو ہر زمیندار کے سوال پر الگ الگ وچار کرنا چاہئے تھا کیونکہ ایک طرف تو ہکاری سے بچانا تھا اور دوسری طرف معاوضے کے بہانے دھنس بن جانے کی تکڑم بھی ختم کرنی چاہئے تھی۔

ابھی تک سرکار اس مد میں کل 33 کروڑ روپیہ اکتھا کر پائی ہے۔ اور اس کے لئے ہزاروں کھلن پٹرول پمپوں کا کھا ہے۔ کانگریس کے نمائندوں اور سرکاری انسپروں نے لاکھوں کسانوں کی سبھاؤں کوئے ان میں بھاٹن دئے ہیں۔ ریڈیو، اخبار، سبھاؤں پر ویڈیو گراف اور پوچھنے کا ہر طریقہ کام میں لایا گیا۔ کھلے کھلے پھسلا یا اور سمجھایا گیا۔ چھوٹے چھوٹے پوچھنے اور ایسے ایسے زمینداروں کا دباؤ ڈالا گیا جو سمجھ گئے تھے کہ جتنا زیادہ روپیہ اس فنڈ میں آئے گا، اتنا زیادہ انہوں کو ملے گا۔ لیکن اس سب کے بعد بھی صرف تین طرح کے کسانوں نے یہ روپیہ جمع کیا—ایک نو وہ بڑے بڑے کسان جن کے پاس روپیہ تھا، دوسرے وہ جو چھوٹے کے کھٹوں پر قبضہ جمانا چاہتے تھے اور تیسرے وہ جن پر پولیس اور پتواری کا زیادہ دباؤ پڑا تھا۔ اس تیسری طرح کے لوگوں کو قرض لیکر یہ رقم جمع کرنی پڑی۔

یہ بات صاف ہے کہ چھوٹے زمینداروں کا سوال انہوں ایک مشمت رقم دیکر حل نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے طریقوں سے کھیتی کا سدھار کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اور نہ انہیں کھوں دھندوں یا بیویاں چلانے کا اسیہو ہی ہے۔ جب تک سرکار ان کی رقم اور سادھلوں کا تھوک استعمال کرانے میں انہیں مدد نہیں دیتی، تب تک اس رقم اور سادھلوں کے پرہاد ہو جانے کا خطرہ بنا رہیگا۔ اس طرح نہ تو کھیتی کا سدھار ہوگا اور نہ دھندوں کا وکاس۔ ان دنوں کے بنا چھوٹے زمیندار پھر سے بسائے نہیں جاسکتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ معاوضے اور بہتے کی رقم ان زمینداروں کی سہکاری سمیٹھیاں بناکر ان سمیٹھوں کو یونجی کی شکل میں دی جائے اور یہ سمیٹھیاں آئے کھیتی یا ادھوک دھندوں کے وکاس میں لگائیں۔

یہ بات ساف ہے کہ چھوٹے زمینداروں کا سوال انہوں ایک مشمت رقم دیکر حل نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے طریقوں سے کھیتی کا سدھار کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اور نہ انہیں کھوں دھندوں یا بیویاں چلانے کا اسیہو ہی ہے۔ جب تک سرکار ان کی رقم اور سادھلوں کا تھوک استعمال کرانے میں انہیں مدد نہیں دیتی، تب تک اس رقم اور سادھلوں کے پرہاد ہو جانے کا خطرہ بنا رہیگا۔ اس طرح نہ تو کھیتی کا سدھار ہوگا اور نہ دھندوں کا وکاس۔ ان دنوں کے بنا چھوٹے زمیندار پھر سے بسائے نہیں جاسکتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ معاوضے اور بہتے کی رقم ان زمینداروں کی سہکاری سمیٹھیاں بناکر ان سمیٹھوں کو یونجی کی شکل میں دی جائے اور یہ سمیٹھیاں آئے کھیتی یا ادھوک دھندوں کے وکاس میں لگائیں۔

یہ بات صاف ہے کہ چھوٹے زمینداروں کا سوال انہوں ایک مشمت رقم دیکر حل نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے طریقوں سے کھیتی کا سدھار کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اور نہ انہیں کھوں دھندوں یا بیویاں چلانے کا اسیہو ہی ہے۔ جب تک سرکار ان کی رقم اور سادھلوں کا تھوک استعمال کرانے میں انہیں مدد نہیں دیتی، تب تک اس رقم اور سادھلوں کے پرہاد ہو جانے کا خطرہ بنا رہیگا۔ اس طرح نہ تو کھیتی کا سدھار ہوگا اور نہ دھندوں کا وکاس۔ ان دنوں کے بنا چھوٹے زمیندار پھر سے بسائے نہیں جاسکتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ معاوضے اور بہتے کی رقم ان زمینداروں کی سہکاری سمیٹھیاں بناکر ان سمیٹھوں کو یونجی کی شکل میں دی جائے اور یہ سمیٹھیاں آئے کھیتی یا ادھوک دھندوں کے وکاس میں لگائیں۔

معاوضے کی دو تھائی رقم ان زمینداروں کو ملے گی جن کی زمینداروں سے سالانہ آمدنی تین سو روپے تک ہے۔ ہر چھوٹے زمیندار کو جو رقم ملے گی اس کا اوسط تو 250 روپے سے 4250 روپے کے بیچ آتا ہے۔ ہر اصلیت میں ایسے بہت سے زمیندار ہوں اس میں شامل ہوں جنہوں اس سے اور بھی کم رقم ملے گی۔ ایک ارب سے زیادہ کی یہ رقم اگر کھیتی و ادھوک دھندوں کے لئے سہکاری سمیٹھوں میں لگائی جائے تو کسانوں، کھیتی ہر مؤدروں، کارخانوں کے مؤدروں اور درمیانی درجے کی چلتا کوئے روزگار مل جائیں۔ اس سے زمین پر ترہر دھنے والے لوگوں کی تعداد بھی کم ہو جائے گی، اور زمینداروں کی آمدنی بھی پہلے سے بڑھ جائے گی۔ اس آمدنی کو کھیتی کے سدھار اور کسانوں کی حالت اچھی کرنے میں لگایا جاسکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر

معاوضے کی دو تھائی رقم ان زمینداروں کو ملے گی جن کی زمینداروں سے سالانہ آمدنی تین سو روپے تک ہے۔ ہر چھوٹے زمیندار کو جو رقم ملے گی اس کا اوسط تو 250 روپے سے 4250 روپے کے بیچ آتا ہے۔ ہر اصلیت میں ایسے بہت سے زمیندار ہوں اس میں شامل ہوں جنہوں اس سے اور بھی کم رقم ملے گی۔ ایک ارب سے زیادہ کی یہ رقم اگر کھیتی و ادھوک دھندوں کے لئے سہکاری سمیٹھوں میں لگائی جائے تو کسانوں، کھیتی ہر مؤدروں، کارخانوں کے مؤدروں اور درمیانی درجے کی چلتا کوئے روزگار مل جائیں۔ اس سے زمین پر ترہر دھنے والے لوگوں کی تعداد بھی کم ہو جائے گی، اور زمینداروں کی آمدنی بھی پہلے سے بڑھ جائے گی۔ اس آمدنی کو کھیتی کے سدھار اور کسانوں کی حالت اچھی کرنے میں لگایا جاسکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر

بھارت کا ودھان اور معاوضہ

ہال میں کچھ لوگوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا ہے کہ ہمارے ودھان میں ہی معاوضہ دینے کا اصول مانا گیا ہے تو ہم کیا کریں۔ پر یہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ودھان میں معاوضے کا ذکر آنے سے پہلے زمہداری ختم کرنے کے فیصلے کئی صدیوں میں ہو چکے تھے۔ چونکہ دیش کے لوگوں نے معاوضہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے ودھان میں بھی یہ دھارا چور دی گئی۔ اگر ان حاکموں کی طمعیت ہو کہ قریب کسانوں کا بھلا کیا جائے تو ہمارے جھسا لچکلا ودھان راستے کا روزا نہیں بن سکتا۔ پھر ودھان کے اصول کے یہ معنی بھی تو نکالے جاسکتے تھے کہ معاوضہ نام ماتر کا ہو اور یہی اسامیت اور انصاف کی بات بھی ہوتی یا پھر معاوضہ کی پوری بات کو ہی چھوڑ کر دوسرا راستہ نکالا جاسکتا تھا جسے کرائے کی موثریں چلانے والوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

پر ان باتوں کو طاق پر رکھ کر اور کمیٹی کے سچھاؤں کی پرواہ کئے بغیر ہمارے صوبے کے زمہداری انت قانون میں کہ دیا گیا ہے کہ ہر زمہدار کو اتھ گدا معاوضہ ملوگا اور پانچ ہزار تک کے مالکداروں کو پھر سے بسانے کے لئے ہتھ بھی دیا جائے گا۔ حساب لگایا گیا ہے کہ معاوضہ میں 60 کروڑ اور ہتھ میں 80 کروڑ کی رقمیں لگیں گی۔ قیوہ ارب کی یہ رقم سرکار کی تین سال کی آمدنی کے برابر ہے۔ کمیٹی کے سدھار کا جو نقشہ کھڑے کھات کمیٹی نے بنایا تھا اس کے مطابق اس سدھار میں 36 برس میں جتنی روپیہ لگتا، اتنی رقم معاوضہ میں دے دی جا رہی ہے۔ قانون بنانے والوں نے یہ کہیں نہیں کہا کہ زمہدار ایک جماعت کی حیثیت سے کہیں بھی زمین کے مالک تھے۔ اس لئے یہ صاف ہے کہ معاوضہ کی یہ بھاری رقم زمین پر مالکانہ حق حاصل کرنے کے لئے نہیں دی جا رہی ہے تب بھی یہ رقم اتنی بڑھا دی گئی ہے۔

کسانوں پر نہا بوجھ

سرکار کو قیوہ ارب روپیہ چاہئے۔ کسانوں سے لگان کا دس گنا وصول کر انہیں بھوسہ دھر بڈا کر یہ رقم وصول کرنے کی امد کی گئی۔ بھوسہ دھاری ادھکار تھوڑے سے میں یہ میں: بھوسہ دھر کو زمین پر استھائی اور موروسی حق ہے، وہ اپنی زمین بچھ سکتا ہے، ضمانت نہیں دے سکتا، اس کا لگان آدھا ہو جائے گا۔ اس اسکیم کی فرض معاوضہ کی رقم اٹھنا کرنا تھی۔ اس کے بوجھ یہ بھارنا کام کر رہی تھی کہ دیہاتوں میں بہت سا روپیہ جمع ہوا ہے اور اسے نکال کر اس نہک کام میں لگانا چاہئے۔

کسانوں پر نیا بوجھ

سرکار کو ڈیڈ خرچہ روپیا چاہیے۔ کسانوں سے لگان کا دس گنا وصول کر انہیں بھوسہ دھر بڈا کر یہ رقم وصول کرنے کی امد کی گئی۔ بھوسہ دھاری ادھکار تھوڑے سے میں یہ میں: بھوسہ دھر کو زمین پر استھائی اور موروسی حق ہے، وہ اپنی زمین بچھ سکتا ہے، ضمانت نہیں دے سکتا، اس کا لگان آدھا ہو جائے گا۔ اس اسکیم کی فرض معاوضہ کی رقم اٹھنا کرنا تھی۔ اس کے بوجھ یہ بھارنا کام کر رہی تھی کہ دیہاتوں میں بہت سا روپیہ جمع ہوا ہے اور اسے نکال کر اس نہک کام میں لگانا چاہئے۔

گاپ. دوسرے اس طرح کے زمیندار ڈاई سؤ روپے سے جیڑاوا مالگوجاری نہیں دیتے. اسکا मतलब हुआ कि जमींदारी से उनकी आमदनी तीन सौ रुपए सालाना था पच्चीस रुपया महीना है. इस छोटी रकम पर पान्च लोगों का परिवार नहीं चलता. उनकी सीर और खुद काशत का रकबा औसतन तीन एकड़ है. सवा लाख से जियादा ऐसे बताए जाते हैं जिनके पास सुई बराबर भी सीर या खद काशत नहीं हैं.

तीसरे, क्या लगान वसूली कोई नौकरी है, जिसके खतम होने पर दूसरी नौकरी ढूँढने की जरूरत पड़े? असलियत यह है कि इन लोगों के लिये जमींदारी एक ऐसा काम है जिससे उनकी आमदनी में थोड़ी बहुत मदद मिलती है. उनका असली पेशा तो बड़ी जमींदारी के काशतकारों की हैसियत से खेती करना है जो उनसे नहीं छीना जाता.

जमींदारी अन्त कमेटی का फ़ैसला

अमली निगाह से तो यही अच्छा होता कि इन नाम के जमींदारों को जमींदारी विनाश का हामी बनाया जाता. अगर वह हामी न बन पाते तो कम से कम उसके विरोधी तो न होते. इनसाफ़ भी यही है कि समाजी रद्दो बदल में इन नाम के जमींदारों को जहां कहीं जरूरत हो सरकार ऐसे साधन और हील दे जिनसे वह अपनी गुजर बसर की दिक्कतें दूर कर सकें. जमींदारी अन्त कमेटی ने भी अपनी रिपोर्ट में लिखा था—उचित मुआविजे के अर्थ हैं उन्हें रहन सहन का एक ढंग कायम रखने और फिर से बसाने का मौक़ा देना. पर कमेटی ने यह उसूल तो लागू किया नहीं, बल्के एक नई बात यह कहनी शुरू कर दी कि जमींदारी के ख़ातम से सरकार की जो आमदना बढ़े उसका बड़ा भाग जमींदारी के मुआविजे में दिया जाय. इस नई बात को कमेटی ने जियादा मजबूत शब्दों में तब कहा जब उसने 136 करांड रुपए मुआविजे में दिये जान की सिफ़ारिश की. अगर कमेटी अपने पहले असूल पर याना फिर से बसाने के लिये ही मुआविजा दन पर जमा रहता तो मुआविजे की बड़ी रकम खता के विकास म लग सकता, जिस की आज सबसे जियादा जरूरत है

रहन सहन का एक अच्छा ढंग कायम रखने के लिये 10 एकड़ का खेती आम तौर पर काफी माना जाता है. इस हिसाब से देखें तो जिन जमींदारों का बीस एकड़ से जियादा खुद काशत या सीर है, उन्हें फिर से बसाने के लिये मुआविजे की कोई जरूरत नहीं है इम खुद काशत के अलावा जमींदारों के पास पहले का जमा का हुई रकम भा हैं जिन्हें ब्यापार में लगाकर वह आराम से राज़ा कमा सकते हैं. इसलिये उनको मुआविजा देना तो उस उसूल को फिर से पलट देने के बराबर ही हुआ जो कमेटो ने तय किया था. यह बात याद रखने की है कि इस कमेटो के बेयरमैन खुद यू. पी. के बड़े बख़ीर पंत जी थे.

1. दुसरे اس طرح کے زمیندار ڈاई سؤ روپے سے جیڑاوا مالگوجاری نہیں دیتے. اس کا مطلب ہوا کہ زمیندار سے ان کی آمدنی تین سو روپے سالانہ یا پچیس روپے مہینہ ہے. اس چھوٹی رقم پر پانچ لوگوں کا پیوار نہیں چلتا. ان کی سرحد و حد کاشت کا رقبہ او طاً تین ایکڑ ہے. سوا لاکھ سے زیادہ ایسے بتائے جاتے ہیں جن کے پاس کوئی برابری سہر یا خود کاشت نہیں ہے. دوسرے، کیا لگان وصولی کوئی نوکری ہے جس کے ختم ہونے پر دوسری نوکری ڈھونڈنے کی ضرورت پڑے؟ اصلیت یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے زمینداری ایک ایسا کام ہے جس سے ان کی آمدنی میں تھوڑی بہت مدد ملتی ہے. ان کا اصلی پیشہ تو سو زمینداری کے کاشتکاروں کی حیثیت سے کھیتی دانہ ہے جو ان سے زمین چھینا جاتا ہے.

زمینداری انت کمیٹی کا فیصلہ

عملی نگاہ سے تو یہی اچھا ہوتا ہے ان نام کے زمینداروں کو زمینداری ورہن کا حاسی بنایا جانا. اگر وہ حاسی نہ بن جاتے تو دم سے م اس کے درددھی تو نہ ہوتے انصاف بھی یہی ہے کہ حاجی و دربدل میں ان نام کے زمینداروں کو جہاں نہیں ضرورت ہو سرکار ایسے سادھن اور چھلے دے جن سے وہ اپنی کڑ مسوئی دقتوں سے بچ سکیں. زمیندار انت کمیٹی نے بھی اپنی رپورٹ میں لکھا تھا—چت مہ رخصت کے ارادہ میں نہیں رہن میں کا ایک دھنگ قلم دہمے اور پھر سے بسلے کا موقع دینا. پر کمیٹی نے یہ اصول تو لاگو کیا نہیں، لیم یک ہی بات یہ پہلی شوع کردی کہ زمینداری کے خاتم سے سرکار کی جو آمدنی ہوئے اس کا بڑا ہاک زمینداری کے معاوضہ میں دیا جائے اس نئی بات کو کمیٹی نے زیادہ ملاحظہ شدادر میں تب کہا جب اس نے 136 دروز روپے مہ رخصت میں دئے جائے گی معارفی کی. اگر کمیٹی اپنے پہلے اصول پر پہلی پھر سے بسلے کے لئے ہی معاوضہ دینے پر جس دھنگی تو معاوضہ کی ہوئی رقم دہیتی نے وکس میں لگ سکتی جس کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے.

رہن میں کا ایک اچھا دھنگ قلم دہمے کے لئے 10 ایکڑ کی دھمکی عام طور پر کافی مانی جاتی ہے. اس حساب سے دیکھوں تو جن زمینداروں کا بیس ایکڑ سے زیادہ خود کاشت یا سہر ہے، انہیں پھر سے بسلے کے لئے مہ رخصت کی کوئی ضرورت نہیں ہے. اس خود کاشت کے سوا زمینداروں کے پاس پہلے کی جمع کی ہوئی رقموں بھی ہوں جنہیں بھونڈا میں لگا کر وہ آرام سے دوزی لھا سکتے ہیں. اس لئے ان کو معاوضہ دینا تو اس اصول کو پھر سے پلٹ دینے کے برابر ہی ہوا جو کمیٹی نے طے کیا تھا. یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس کمیٹی کے بھومون خود ہو. پی. کے بڑے وزیر پلٹ جی نے.

سرکار کے बीच میں آنے والے ان زمینداروں کے حق انہوں
مناصب معاوضے دیکر لے لئے جائیں۔ اس کام کے لئے ایک
اسکیم تیار کرنے کے لئے سرکار ایک کمیٹی بنا دے۔

دیش کے ترقی پسند لوگ ہمیشہ ہی بلدا معاوضہ زمینداری
خانے کی ناکھوت کرتے رہے ہیں۔ معاوضے کے لئے یہ بھی
تو دیکھنا ہوگا کہ دیش کی ایسی حیثیت ہے یا نہیں
کہ کسانوں کی ہوتے سے زمینداری کا ایک ہماری ہوجا
ہٹا کر معاوضے کا دوسرا ہوجا ان کے کندھوں پر لا دیا جائے۔
معاوضے کا سوال تو اس نقصان یا گھاتے کے سبب سے
ہوتا ہے، جسے پورا کرنے یا اس سے کی مصیبت دور کرنے
کے لئے کچھ رقم یا اور چھوڑ دی جاتی ہے۔ معاوضہ دینے
کے لئے کسی پرکار کے نقصان کا ہونا ضروری ہے اور معاوضے
کی رقم کسی بھی حالت میں نقصان کی رقم سے زیادہ
نہیں ہو سکتی۔

اس اصول سے دیکھیں تو بات صاف ہو جائے گی کہ
اگر کسی کو معاوضہ ملنا ہے تو کسانوں کو زمینداروں کو
نہیں۔ جو دو ہزار روپے سے زیادہ کے مالکدار ہیں، ان کے
پاس خود اتنی زمین ہے کہ زمینداری کے خانے کے بعد
بھی وہ مزے میں رہ سکتے ہیں۔ ان کے پاس سونا
چاندی و نقدی ہے، جو روزی کمانے میں لگائی جا سکتی
ہے۔ ایسے لوگوں کو معاوضے دینا انصاف نہیں ہوگا، سمجھ
اور انصاف کے خلاف بات ہوگی۔ اس کا ہماری سماجی اور
آزادک ترقی پر بہت برا اثر پڑے گا۔

چھوٹے زمیندار

چھوٹے زمیندار

دوسری طرف وہ لاکھوں تھ پونچھٹھ زمیندار ہیں
جن کی حالت معمولی کسان سے اچھی نہیں ہے۔ وہ
خود بڑے زمینداروں کے کاشتکار ہیں اور اس طرف سے ان
کی بھی چسائی ہوتی ہے۔ انہوں زمیندار مان کر ویسا
ہی برتاؤ کرنا اٹھائے ہوگا۔ ان کے لئے زمینداری کے بعد
کوہمتی دوسرے پیشے کی طرح ہے۔ ان ہمس لاکھ پیشے ور
کاشتکاروں کو زمینداروں کی قطار میں کھڑا کرنا ایک
دھوکہ ہے۔ اس قطار میں کھڑے ہو کر وہ ان متھی
بہر بڑے زمینداروں کی ڈھال کی طرح استعمال ہوتے
ہیں جن کے ہمت اور نگاہیں دیش کے ہمت کے خلاف ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہمس لاکھ زمینداروں اور ان کے قریب
دو کروڑ دشتہ داروں کی روزی کا ذریعہ زمینداری کے ساتھ
ختم ہو جائے گا؛ اس لئے زمینداری ختم کرنے کے بعد
میں انہیں نوکری یا دوسرے کام دلانا چاہئے۔ پر یہ بات
فلط ہے۔

اول تو دنیا میں کہیں بھی ایک آدمی پر نربہر
رہنے والے دشتہ داروں کی گنتی آسٹن دس نہیں مانی
گئی۔ اوسط ٹھوک ماننے پر آدھے لوگ تو ایسے ہی نکل

دوسری طرف وہ لاکھوں تھ پونچھٹھ زمیندار ہیں
جن کی حالت معمولی کسان سے اچھی نہیں ہے۔ وہ
خود بڑے زمینداروں کے کاشتکار ہیں اور اس طرف سے ان
کی بھی چسائی ہوتی ہے۔ انہوں زمیندار مان کر ویسا
ہی برتاؤ کرنا اٹھائے ہوگا۔ ان کے لئے زمینداری کے بعد
کوہمتی دوسرے پیشے کی طرح ہے۔ ان ہمس لاکھ پیشے ور
کاشتکاروں کو زمینداروں کی قطار میں کھڑا کرنا ایک
دھوکہ ہے۔ اس قطار میں کھڑے ہو کر وہ ان متھی
بہر بڑے زمینداروں کی ڈھال کی طرح استعمال ہوتے
ہیں جن کے ہمت اور نگاہیں دیش کے ہمت کے خلاف ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہمس لاکھ زمینداروں اور ان کے قریب
دو کروڑ دشتہ داروں کی روزی کا ذریعہ زمینداری کے ساتھ
ختم ہو جائے گا؛ اس لئے زمینداری ختم کرنے کے بعد
میں انہیں نوکری یا دوسرے کام دلانا چاہئے۔ پر یہ بات
فلط ہے۔

یہ سندیہیں سنگھ کے لئے ان میں شامل ہوئے۔ اس طرح دیہاتوں کی جگہ کے لئے زمینداری کے خاتمے کی ضرورت مالگزاروں و مولی کے طریقوں کے بدلے سے بہت زیادہ ہے۔ جگہ تو ہر طرح کی سامنتی لوت کسوت اور چسائی سے چھٹکارا پانا ہی زمینداری کا صحیح انت مانتی ہے۔ جگہ نے دیہی کی آزادی کا مطلب بھی آرتھک آزادی ہی مانا ہے۔

زمینداری انت کا نچوڑ

زمینداری خاتمے کے کیا مانے ہونی چاہیے یہ بات بھس کی نہیں ہے۔ پوری یورپ اور چین کے کسان آندولنوں نے یہ کر کے دکھا دیا ہے۔ اگر آپ دیہی کے ہی ان پچھم میں کشمیر کو ہم دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ زمینداری کے خاتمے کا کیا مطلب ہے۔ مرنے روپ سے زمینداری انت کا نچوڑ یہ ہے :-

(i) زمینداری کا انت بیاموآویجا دیہی ہی کیا جائے (ایسے چھوٹے زمینداروں کو روزگار کے لئے سہایتا دی جائے جن کو زمینداری ختم کرنے سے دھکا لگا ہوئے)۔

(ii) سیر اور خود کاشت کے رقبے کی حد مقرر کر دی جائے اور اس سے زیادہ زمین زمینداروں سے لے کر چھوٹے کسانوں و کھیتی ہر مزدوروں میں بانٹ دی جائے۔

(iii) "جوتنے والا زمین کا مالک ہو۔" نئے بندوبست کا اصول یہ ہو کہ جوتنے والے کا زمین پر سے استھانی موروثی حق نہ ہٹایا جاسکے۔

(iv) زمین پر لگان طے کرنے کا طریقہ ایسا ہو کہ چھوٹی جوتوں پر ایک حد باندھ دی جائے اور ان پر لگان نہ لیا جائے۔ جسے جسے جوت کا رقبہ بڑھتا جائے کھیتی کی آمدنی پر ٹیکس بڑھتا جائے۔ پرانا سامنتی طریقہ ختم ہو۔

(v) بڑے پیمانے پر بڑے سے ساموہک (Collective) اور سہکاری (Co-operative) فارم کھول کر کھیتی کے طریقوں میں سدھار کئے جائیں۔

آئیے اب ان پانچ اصولوں کو تھوڑا وسعت سے دیکھیں اور پھر اس بات پر غور کریں کہ اس بارے میں ہمارے اکثر پردیشی کی سرکار کیا کر رہی ہے۔

4. معاوضے کا سوال

زمینداروں کو چھوڑ کر زمینداری کا دوسرا حامی آج کوئی نہیں ملے گا۔ بہت سے زمیندار خود زمینداری پر نہا کے انت کے پکھ میں ہیں۔ پر جس بات پر بحث شروع ہوتی ہے وہ معاوضے کی بات، 8 اگست 1946 کو صوبے کی اسمبلی نے یہ تھوڑا پاس کیا تھا :-

"یہ اسمبلی زمینداری پر نہا کے انت کا اصول مانتی ہے۔ یہ اسمبلی طے کرتی ہے کہ کسان

یہ سندیہیں سنگھ کے لئے ان میں شامل ہوئے۔ اس طرح دیہاتوں کی جگہ کے لئے زمینداری کے خاتمے کی ضرورت مالگزاروں و مولی کے طریقوں کے بدلے سے بہت زیادہ ہے۔ جگہ تو ہر طرح کی سامنتی لوت کسوت اور چسائی سے چھٹکارا پانا ہی زمینداری کا صحیح انت مانتی ہے۔ جگہ نے دیہی کی آزادی کا مطلب بھی آرتھک آزادی ہی مانا ہے۔

زمینداری انت کا نچوڑ

زمینداری خاتمے کے کیا مانے ہونا چاہیے یہ بات بحث کی نہیں ہے۔ پوری یورپ اور چین کے کسان آندولنوں نے یہ کر کے دکھا دیا ہے۔ اگر آپ دیہی کے ہی ان پچھم میں کشمیر کو ہم دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ زمینداری کے خاتمے کا کیا مطلب ہے۔ مرنے روپ سے زمینداری انت کا نچوڑ یہ ہے :-

(i) زمینداری کا انت بدل معاوضہ دئے ہی کیا جائے (ایسے چھوٹے زمینداروں کو روزگار کے لئے سہایتا دی جائے جن کو زمینداری ختم کرنے سے دھکا لگا ہوئے)۔

(ii) سیر اور خود کاشت کے رقبے کی حد مقرر کر دی جائے اور اس سے زیادہ زمین زمینداروں سے لے کر چھوٹے کسانوں و کھیتی ہر مزدوروں میں بانٹ دی جائے۔

(iii) "جوتنے والا زمین کا مالک ہو۔" نئے بندوبست کا اصول یہ ہو کہ جوتنے والے کا زمین پر سے استھانی موروثی حق نہ ہٹایا جاسکے۔

(iv) زمین پر لگان طے کرنے کا طریقہ ایسا ہو کہ چھوٹی جوتوں پر ایک حد باندھ دی جائے اور ان پر لگان نہ لیا جائے۔ جسے جسے جوت کا رقبہ بڑھتا جائے کھیتی کی آمدنی پر ٹیکس بڑھتا جائے۔ پرانا سامنتی طریقہ ختم ہو۔

(v) بڑے پیمانے پر تھوڑے سے ساموہک (Collective) اور سہکاری (Co-operative) فارم کھول کر کھیتی کے طریقوں میں سدھار کئے جائیں۔

آئیے اب ان پانچ اصولوں کو تھوڑا وسعت سے دیکھیں اور پھر اس بات پر غور کریں کہ اس بارے میں ہمارے اکثر پردیشی کی سرکار کیا کر رہی ہے۔

4. معاوضے کا سوال

زمینداروں کو چھوڑ کر زمینداری کا دوسرا حامی آج کوئی نہیں ملے گا۔ بہت سے زمیندار خود زمینداری پر نہا کے انت کے پکھ میں ہیں۔ پر جس بات پر بحث شروع ہوتی ہے وہ معاوضے کی بات، 8 اگست 1946 کو صوبے کی اسمبلی نے یہ تھوڑا پاس کیا تھا :-

"یہ اسمبلی زمینداری پر نہا کے انت کا اصول مانتی ہے۔ یہ اسمبلی طے کرتی ہے کہ کسان

(9) دھات کے آर्थیک سَکُٹ کو جزمیاداری نے
بڑا دیا ہے۔ انہوں نے بڑی تاداد میں کسانوں کو بدخل
ہے؛ پر تہی توڑ لی ہے یا اسے پٹے پر اٹھا دیا ہے اور
جنگل اور بَجر بھی کاٹ لیے ہیں۔ انہوں نے یہ کام
بجہوں سے کیے ہیں :—

(ک) اپنی خود کاشت کا رُکبا بڑانے کے لیے،
(خ) نَجرانے کے جریے جیاداد سے جیاداد
میں بَسول کرنے کے لیے،

(گ) 'پر تہی' کو 'خیتی' دیکھلا کر جزمیاداری
ختم ہونے پر جیاداد سے جیاداد مُجاویجا بَسول کرنے
کے لیے،

اس طرح ہمارے دیہی میں جزمیاداری کا مطلب
ہے—وہ پر تہا جو فریبی، بھکری، فام کی ہمیشہ کے لئے
کسی، جہالت ان پڑھتا اور نہتک پتن بومانی ہے۔ آرتک
دھات کے توتلے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ جزمیاداری کو
بچانے کے پکھ میں کوئی بھی دلیل—راج نہتک—
آرتک یا نہتک نہیں دی جا سکتی۔ کوئی اصول یا
سدھانت اس کی تائید نہیں کر سکتا۔

3. جزمیاداری کے خاتمے کا مطلب

پچھلے بیس سال سے جزمیاداری ختم کرنے کا آندو-
لن دَہ کی آجادی کی لڑائی کا ایک حصہ رہا ہے۔
"کسانوں کی ہالیت میں سُدھار ہوں" کا نارا لگا کر ہی
راشٹری آندولن آمم جناتا کے دلیوں میں جگہ پا
سکا ہے، جہاں تک اُتر پدیش کا تاللوک ہے، بیس سال
پہلے کسان آندولن میں اُک سُبھاو اِسا ہی آج کی
پوری کانگریس جمات کو کسان کمیٹیوں میں بانڈ دیا
جائے اور وہیں سے سَگٹن ہو۔ یہاں کانگریس جو جناتا کی جماعت کی شکل
میں بلی ہوئی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے
کہ اُن دنوں کانگریس نے کسانوں کی مانگیں پوری کرانے
اور اُن کے سَگٹن بمانے کی کوشش کی۔ اسکا نتیجہ
ایک یہ بھی ہوا کہ کانگریس کی طالیت تو بڑی پر کسان
آندولن اور کسان سُبھاو اُنک نہ پلپ پائیں۔

کراچی کانگریس اور جزمیاداری

کراچی کانگریس اور جزمیاداری
سن 31 میں کراچی میں کانگریس نے جونیادی آधिकاروں
کا جو پَستاو پاس کیا اس میں کھا گیا تھا—کانگریس
لگان، مالگجاری اور جزمیاداری کے بَندوبست کے تَریکوں
کو بدلتنا چاہتی ہے..... اُتے کسانوں کا لگان اور
مالگجاری کم ہونی چاہیے، جو بَہت اُتے اُتے جوتیں میں
ہیں ان پر تو لگان اور مالگجاری کی پوری کُٹ ہونی
چاہیے۔ جزمیاداری پر جو ٹیکس کا بوجھ ہے، اسے اس طرح بانٹنا
چاہیے کہ جو اسے سَگٹا سکتے ہیں انہیں پڑے۔
اس بات کا سُبھاو، سَگٹوں اور کانگریسوں کے
ذریعے پَچار کھا گیا۔ انہوں لوگ اُسے جَہکارے کا

پچھلے بیس سال سے جزمیاداری ختم کرنے کا آندولن
دیہی کی آجادی کی لڑائی کا ایک حصہ رہا ہے۔
کی حالت میں سُدھار ہو" کا نعرہ لگا کر ہی
آندولن عام جلتا کے دلوں میں جگہ پاسکا ہے۔ جہاں
تک اُتر پدیش کا تعلق ہے بیس سال پہلے کسان آندولن
میں ایک سُبھاو اِسا ہی آج کی پوری کانگریس جماعت
کو کسان کمیٹیوں میں بانڈ دیا جائے اور وہیں سے سَگٹن
شروع ہو۔ یہاں کانگریس جو جلتا کی جماعت کی شکل
میں بلی ہوئی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے
کہ اُن دنوں کانگریس نے کسانوں کی مانگیں پوری کرانے
اور اُن کے سَگٹن بمانے کی کوشش کی۔ اسکا نتیجہ
ایک یہ بھی ہوا کہ کانگریس کی طالیت تو بڑی پر کسان
آندولن اور کسان سُبھاو اُنک نہ پلپ پائیں۔

(5) کارشکاریوں کی جमीن کی بھوک بڑھ گئی ہے۔
 انکی جوتے छोटी छोटी हो गई हैं और इनके भी बटवारे होते गए हैं और बेदखली का डर बराबर बना रहता है۔

(6) जो खेती करते हैं (यानी किसान) उनसे जमीन छीन कर ऐसे लोगों के पास पहुँच रही है जो खेती नहीं करते और अक्सर तो देहातों में भी नहीं रहते (जैसे क्रस्बे के बनिये और शहरी जमींदार)۔ जमींदारी में कारशکاریوں کی دھکارت کی گारنڈی नहीं है और इसलिये शिकमी व दूसरे छोटे किसान अपनी आजाद खेती तो कर नहीं पाये पर महाजनों ने जमीने जरूर हथिया लीं۔ यह महाजन या तो अपनी जमीनें कारशکاریों को पट्टे पर उठा देते हैं या खुद खेती करके अपनी लागत पर भारी मुनाफा उठाते हैं۔ ऐसी महाजनी सभ्यता में खेती का विकास पिछड़ा जाता है और सूख खोरी बढ़ती जाती है इसीलिये पिछड़े हुए देशों में उद्योग धन्दों में लगाने के लिए पूंजी नहीं बन पाती۔ महाजनों को सूद पर रुपया देने में काफी मुनाफा हो जाता है۔

छोटे जमींदार भी अपना कर्ज चुकाने के लिये जमीने बेचते हैं और महाजन उसे खरीदने में जो रकम लगाते हैं उस पर काफ़ी और स्थाई मुनाफा कमाते रहते हैं۔ इधर हाल में गल्ले के जो दाम बढ़े हैं उसके बावजूद भी छोटे जमींदार दिवालिये पन की तरफ बढ़ते जा रहे हैं۔

इसी तरह खेतों को रहन रख देना भी आम बात हो गई है। रहन के जरिये कर्ज अंगरेजी जमाने में बहुत बढ़ा क्योंकि बीच के दर्जे के जमींदार रहस अपनी आमदनी में रह कर खर्च नहीं चला पाते थे۔ उन्होंने अपनी जमीनें बेच कर कर्ज से छुटकारा पाया। छोटे और बीच के दर्जे के जमींदार भी जमींदारी प्रथा में रह कर कारशकार की तरह ही पिसते हैं۔

(7) गरीबी से खेती का विकास न होने की वजह से देहात की ज़ियादातर जनता कर्ज के बोझ से दबी हुई है। आज जब अनाज का दाम बढ़ा हुआ है फिर भी देहात का गरीब किसान और मजदूर कर्ज से दबा है। हाल में जांच से मालूम हुआ है कि कुछ जिलों में तो 80 की सदी जनता कर्ज में गिरफ़्तार है। इस तरह जमींदारी प्रथा ने खेती के विकास में ब्रोक का काम किया है।

(8) गरीब किसान की गरीबी और बढ़ गई है और साथ ही साथ अमीरों की अमीरी भी बढ़ी है। इससे देहात के समाजी ढाँचे में ऐसा तनाव पैदा हो गया है कि वहाँ अब अमन से रहना मुश्किल हो गया है। आए दिन किसान जमींदार या किसान-जमींदार-साहूकार की लड़ाइयाँ होती रहती हैं۔

(5) کاشتکاروں کی زمین کی بھوک بڑھ گئی ہے۔
 انکی جوتے چھوٹی چھوٹی ہو گئی ہیں اور ان کے بھی بٹوے ہوتے گئے ہیں اور بددھلی کا ڈر برابر بنا رہتا ہے۔

(6) جو کھیتی کرتے ہیں (یعنی کسان) ان سے زمین کو ایسے لوگوں کے پاس پہنچ رہی ہے جو کھیتی نہیں کرتے اور اکثر تو دیہاتوں میں بھی نہیں ہیں (جیسے کرسبے کے بلوے اور شہری زمیندار)۔ زمینداروں میں کاشتکاروں کی حفاظت کی گارنٹی نہیں ہے اور اس لئے شیکمی و دوسرے چھوٹے کسان اپنی آزاد کھیتی تو کر نہیں پاتے۔ یہ مہاجنوں نے زمینوں ضرور ہتھیالیں۔ یہ مہاجن یا تو اپنی زمینوں کاشتکاروں کو پتے پر اٹھا دیتے ہیں یا خود کھیتی کر کے اپنی لاگت پر بھاری منافع اٹھاتے ہیں ایسی مہاجلی سمجھتا میں کھیتی کا وکاس پیچھے جاتا ہے اور سود خوری بڑھتی جاتی ہے۔ اسی لئے پیچھے ہڑے ہڑے دیشوں میں ادیوگ دھندلے لگانے کے لئے پونجی نہیں بن پاتی۔ مہاجلوں کو سود پر روپیہ دینے میں کافی منافع ہو جاتا ہے۔

چھوٹے زمیندار بھی اپنا قرض چکانے کے لئے زمینوں بیچتے ہیں اور مہاجن اسے خریدنے میں جو رقم لگاتے ہیں اس پر کافی اور استھانی منافع کما دیتے ہیں۔ اُدھر حال میں غلے کے جو دام بڑھے ہیں اس کے باوجود بھی چھوٹے زمیندار دیوالیہ پن کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔

ایسی طرح کھیتوں کو دھن رکھ دینا بھی عام بات ہو گئی ہے۔ دھن کے ذریعے قرض انگریزی زمانے میں بہت بڑھا کہیں کہ بھج کے درجے کے زمیندار دھن اپنی آمدنی میں دے کر خرچ نہیں چک پاتے تھے۔ انہوں نے اپنی زمینوں بھج کر قرض سے چھٹکارا پایا۔ چھوٹے اور بھج کے درجے کے زمیندار بھی زمینداری پر تھا میں دے کر کاشتکار کی طرح ہی پست رہے ہیں۔

(7) غریبی سے کھیتی کا وکاس نہ ہونے کی وجہ سے دیہات کی زیادہ تر جلتا قرض کے بوجھ سے دبی ہوئی ہے۔ آج جب اناج کا دام بڑھا ہوا ہے پھر بھی دیہات کا غریب کسان اور مزدور قرض سے دبا ہے۔ حال میں جانچ سے معلوم ہوا ہے کہ کچھ ضلعوں میں تو 80 فیصدی جلتا قرض میں گرفتار ہے۔ اس طرح زمینداری پر تھا نے کھیتی کے وکاس میں بڑیک کا کام کیا ہے۔

(8) غریب کسان کی غریبی اور بڑھ گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُمیروں کی اُمیری بھی بڑھی ہے۔ اس سے دیہات کی سماجی ڈھانچے میں ایسا تناؤ پیدا ہو گیا ہے کہ وہاں امن سے رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ آئے دن کسان زمیندار کسان زمیندار ساہوکار کی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔

تھرک. تو سڑی भर जमींदार साठ की सदी जमीन हथियाए बैठे हैं और दूसरी तरफ छोटे काश्तकारों की हालत इतनी खराब है कि एक करोड़ अठारह लाख आदमी आज बेजमीन के खेतिहर मजदूर हैं और बाक़ी में 80 की सदी से ज़ियादा काश्तकारों के पास पांच एकड़ से कम ज़मीन है.

(2) खेतों की उपज बराबर कम होती जा रही है. खेती के क़ाबिल कई ज़मीन उठाई ही नहीं जा रही है और जहां खेती होती थी वह ज़मीन भी परती होती जा रही है. कुदरती तौर पर ज़मीन की पैदावार घट रही है. एक अच्छे खेतिहर देश में चरागाहों और जंगलों के लिए जो जगह छूटनी चाहिये थी ज़मींदारों ने उसे भी नहीं छोड़ा. ऐसी हालत में अनाज का संकट बराबर बना रहा और बढ़ता रहा है. बंगाल का अकाल और अब यहां और वहां जो अकाल की छाया दिखाई देती है सब एक बड़े दरजे तक इसी प्रथा की देन है. ज़ियादा गल्ला पैदा करने की सारी स्कीमें नाकाम रही हैं. सम्राट अकबर के ज़माने में की एकड़ 20 मन गोहूँ पैदा होता था. सन 1930 तक यह उपज गिर कर 11 मन रह गई थी. और सन '46-47 में यह 9 मन से भी कम रह गई. यही हालत पूरे देश की है. लड़ाई से पहले के पचीस बरस में चावल की उपज एक चौथाई कम हो गई थी सन '21 के मुक़ाबले में सन '41 में 21 लाख एकड़ कम ज़मीन पर खेती हुई और क़रीब 80 लाख टन गल्ला कम पैदा हुआ. इस बढ़ते हुए संकट से साबित है कि जब तक ज़मींदारी नहीं ख़तम होती खेती में कोई काम का सुधार नहीं हा सकता.

(3) दूसरों की कमाई पर ज़िन्दा रहने वाले और उन्हीं का चूसने वाले ज़मींदारों की यह जमात खेती की आमदनी का बड़ा हिस्सा ले तो लेती है पर इस आमदनी को फिर से पैदावार बढ़ाने के लिये नहीं लगाती. हिसाब लगाया गया है कि इस सदी के शुरू के पहले चालीस बरस में इस जमात ने दो अरब रुपया किसानों से नज़राने की शकल में वसूल किया. पिछले दस साल में यह लूट और भी बढ़ गई. इस सबके अलावा ज़ाबते की जायज लूट अलग है.

(4) ज़मींदारी प्रथा ने देश में कल कारख़ानों और उद्योग धन्दों का विकास रोका है. एक तो देश की आमदनी का बड़ा हिस्सा हड़प कर ज़मींदार उसे उद्योग धन्दों या पैदावार बढ़ाने में नहीं लगाने और दूसरे देश की करोड़ों जनता को बेहद ग़रीब बना कर उन्होंने कारख़ानों के बने या घरेलू धन्दों के बने माल की ख़पत भी कम कर दी है. जब किसान की जेब में पैसा नहीं है तो वह कपड़ा, तेल, शक्कर, बच्चों के लिये काराफ़ के खिलौने वगैरह कैसे ख़रीदेगा ?

طرف. تو مٹھی بہر زمیندار ساتھ فیصدی زمین ہٹھائیے بہتے ہیں اور دوسری طرف چھوٹے کاشتکاروں کی حالت اتنی خراب ہے کہ ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ آدمی آج بے زمین کی کھیتی ہر مزدور ہیں اور بالی میں 80 فیصدی سے زیادہ کاشت کاروں کے پاس پانچ ایکڑ سے کم زمین ہے .

(2) کھیتوں کی اُچھ برابر کم ہوتی جا رہی ہے . کھیتی کے قابل نئی زمین آٹھائی ہی نہیں بنا رہی ہے اور جہاں کھیتی ہوتی تھی وہ زمین بھی پرتی ہوئی جا رہی ہے . قدرتی طور پر زمین کی پیداوار کھٹ رہی ہے . ایک اچھے کھیتی ہر دیس میں چراگاہوں اور جنگلوں کے لئے جو جگہ چھوٹلی چائٹہ تھی زمینداروں نے اُسے بھی نہیں چھوڑا . ایسی حالت میں اناج کا سبکدست برابر بنا رہا اور بڑھتا رہا ہے . بلکال کا اکل اور اب یہاں اور وہاں جو اکل کی چھاپا دکھائی دیتی ہے سب ایک بڑے درجے تک اُسی پرتھا کی دیں ہے . زیادہ غلہ پیدا کرنے کی ساری اسکیمیں نا کام رہی ہیں . سمرات اکبر کے زمانے میں فی ایکڑ بیس من کھپوں پیدا ہوتا تھا . سن 1930 تک یہ اُچھ کر کر 11 من رہ گئی تھی . اور سن '46-47 میں 9 من سے بھی کم رہ گئی . یہی حالت پورے دیس کی ہے . لڑائی سے پہلے کے پچیس برس میں چاول کی اُچھ ایک چوتھائی کم ہوگئی تھی . سن '21 کے مقابلے میں سن '41 میں 21 لاکھ ایکڑ کم زمین پر کھیتی ہوئی اور قریب 80 لاکھ ٹن غلہ کم پیدا ہوا . اس بڑھتے ہوئے سبکدست سے ثابت ہے کہ جب تک زمینداری نہیں ختم ہوتی کھیتی میں کوئی کام کا سدھار نہیں ہو سکتا .

(3) دوسروں کی کمائی پر زندہ رہنے والے اور انہیں کو چوسنے والے زمینداروں کی یہ جماعت کھیتی کی آمدنی کا بڑا حصہ لے تو لیتی ہے پر اس آمدنی کو پھر سے پیداوار بڑھانے کے لئے نہیں لگاتی . حساب لگایا گیا ہے کہ اس صدی کے شروع کے پہلے چالیس برس میں اس جماعت نے دو عرب روپیہ کسانوں سے نذرانے کی شکل میں وصول کیا . پچھلے دس سال میں یہ لوٹ اور بھی بڑھ گئی . اس سب کے علاوہ ضابطے کی جائز لوٹ الگ ہے.

(4) زمینداری پرتھا نے دیس میں کل کارخانوں اور اڈیوگ دھندوں کا وکاس روکا ہے . ایک تو دیس کی آمدنی کا بڑا حصہ ہو کر زمیندار اُسے اڈیوگ دھندوں یا پیداوار بڑھانے میں نہیں لگاتے اور دوسرے دیس کی کروڑوں جفتا کو بے حد غریب بناکر انہوں نے کارخانوں کے بلے یا گھریلو دھندوں کے بلے مال کی کھپت بھی کم کر دی ہے . جب کسان کی جیب میں پیسہ نہیں ہے تو وہ کھوا، تیل، شکر، بچوں کے لئے کھڈ کے کھلنے وغیرہ کیسے خریدیگا ؟

کی کم سے کم اتنی ہی بددلیلیاں اور جमीں پر ناجائز قبضے دھونس پٹی اور زبردستی سے بھی ہوئے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سن 39ء کے آراضی قانون کے باوجود زور زبردستی و حاکموں کی کولی یا چھپی مدد سے کسانوں پر ظلم ہوتے رہے۔

سن 47ء میں دوسری کانگریسی سرکار نے قانون میں کچھ سدھار کر کے تھوڑے سے بڑے زمینداروں کا سہرہ بڑھا لیا۔ اس کا حق کم کر دیا۔ پر چونکہ چھوٹے زمینداروں کا یہ حق ہمارا تھا، بڑے زمیندار اپنے ملے جملے پر ہمارے حق پر ہمارا دیکھا کر چھوٹے زمیندار بن گئے اور لگاندار بددلیلیاں کرنا کر اپنی سہر بڑھاتے رہے۔ اس سے زمینداروں اور کاشتکاروں کے بیچ آن بن، من مقابلہ، جھگڑے، مقدمے بازی اور ٹکڑوں بڑھتی ہی رہیں۔

سرکار نے حال میں جو "جमींदاری قانون" بنایا ہے اس سے تین سوال پیدا ہوتے ہیں: (i) جमींदاری کیوں ختم کی جائے؟ (ii) جमींदاری کے خاتمے کا کیا मतलब ہے؟ (iii) سرکار نے اس سلسلے میں کیا کیا ہے؟ ان تینوں سوالوں کے جواب ہمیں اس مسئلے کی بنیادی باتوں سمجھنے میں مدد دینگے۔

2. جमींदاری کیوں ختم کی جائے

راج نہتی کی نظر سے ہماری زمین پر رہتا انگریزوں کی زمیندار پر رہتا کی بھونڈی نقل ہے۔ اپنی طاقت مضبوط کرنے کے لئے انگریزوں نے ایک ایسی جماعت کو جنم دیا جو زمین کے اصلی مالکوں کا حق چھین کر خود مالک بن بیٹھی۔ جس کے زندہ رہنے کے لئے انگریزوں سرکار کی مدد ضروری تھی اور اپنی سرکار کی جو جمانے کے لئے انگریزوں کو جس کی ضرورت تھی۔ سماجی نفاذ سے اس پر رہتا نے دیہات میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو بنگالی تھی۔ سنسکرتی کی نفاذ سے زمینداروں کے حاکموں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے جہالت، دراجار اور طرح طرح کی چال چلن کی برائیاں پیدا کی گئیں اور پچھڑے ہوئے جات پات، برادری قبیلے اور الگ الگ دھرموں کے جھگڑے پیدا کر دیہاتی دنیا میں سدھار اور ترقی کی طاقتوں کو روکا گیا۔ مالی حالت کی نفاذ سے زمینداروں نے ایک ایسی جماعت کو پیدا کیا ہے جس نے کسان کی روٹی چھین کر بھارت جیسے اہمجاو دیہی کو بھکری اور غلہ کی کمی والا دیہی بنا دیا ہے۔

جमींदاری کے پورے نتیجے

آرٹیکل نظر سے زمینداروں کا ہمیں کیا پتل ملتا ہے یہ نیچے لکھی باتوں سے دیکھا جاسکتا ہے:—

(1) اس سے ختم کے لایق جमीں کا رالٹ بٹھارا ہوا ہے۔ اس سے ختم کے لایق جमीں کا رالٹ بٹھارا ہوا ہے۔ اس سے ختم کے لایق جमीں کا رالٹ بٹھارا ہوا ہے۔

سن 47ء میں دوسری کانگریسی سرکار نے قانون میں کچھ سدھار کر کے تھوڑے سے بڑے زمینداروں کا سہرہ بڑھا لیا۔ اس کا حق کم کر دیا۔ پر چونکہ چھوٹے زمینداروں کا یہ حق ہمارا تھا، بڑے زمیندار اپنے ملے جملے پر ہمارے حق پر ہمارا دیکھا کر چھوٹے زمیندار بن گئے اور لگاندار بددلیلیاں کرنا کر اپنی سہر بڑھاتے رہے۔ اس سے زمینداروں اور کاشتکاروں کے بیچ آن بن، من مقابلہ، جھگڑے، مقدمے بازی اور ٹکڑوں بڑھتی ہی رہیں۔

سرکار نے حال میں جو "جमींदاری قانون" بنایا ہے اس سے تین سوال پیدا ہوتے ہیں: (i) زمینداروں کیوں ختم کی جائے؟ (ii) زمینداروں کے خاتمے کا کیا مطلب ہے؟ (iii) سرکار نے اس سلسلے میں کیا کیا ہے؟ ان تینوں سوالوں کے جواب ہمیں اس مسئلے کی بنیادی باتوں سمجھنے میں مدد دینگے۔

2. زمینداروں کیوں ختم کی جائے

راج نہتی کی نظر سے ہماری زمین پر رہتا انگریزوں کی زمیندار پر رہتا کی بھونڈی نقل ہے۔ اپنی طاقت مضبوط کرنے کے لئے انگریزوں نے ایک ایسی جماعت کو جنم دیا جو زمین کے اصلی مالکوں کا حق چھین کر خود مالک بن بیٹھی۔ جس کے زندہ رہنے کے لئے انگریزوں سرکار کی مدد ضروری تھی اور اپنی سرکار کی جو جمانے کے لئے انگریزوں کو جس کی ضرورت تھی۔ سماجی نفاذ سے اس پر رہتا نے دیہات میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو بنگالی تھی۔ سنسکرتی کی نفاذ سے زمینداروں کے حاکموں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے جہالت، دراجار اور طرح طرح کی چال چلن کی برائیاں پیدا کی گئیں اور پچھڑے ہوئے جات پات، برادری قبیلے اور الگ الگ دھرموں کے جھگڑے پیدا کر دیہاتی دنیا میں سدھار اور ترقی کی طاقتوں کو روکا گیا۔ مالی حالت کی نفاذ سے زمینداروں نے ایک ایسی جماعت کو پیدا کیا ہے جس نے کسان کی روٹی چھین کر بھارت جیسے اہمجاو دیہی کو بھکری اور غلہ کی کمی والا دیہی بنا دیا ہے۔

زمینداروں کے پورے نتیجے

آرٹیکل نظر سے زمینداروں کا ہمیں کیا پتل ملتا ہے یہ نیچے لکھی باتوں سے دیکھا جاسکتا ہے:—

(1) اس سے ختم کے لایق زمین کا غلط ہٹھارا ہوا ہے۔ اس سے ختم کے لایق زمین کا غلط ہٹھارا ہوا ہے۔ اس سے ختم کے لایق زمین کا غلط ہٹھارا ہوا ہے۔

ग़दर के बाद ज़मींदारी क़ानून

इस तरह अंगरेज़ लोग ज़मीन का बन्दोबस्त बराबर ऐसे ढंग से करते रहे कि उनकी राजकाजी जड़ें इस देश में मज़बूत रहें और यहां का कच्चा माल अंगरेज़ी कारख़ानों को मिलता रहे। इस नई व्यवस्था में ज़मींदारों और काश्तकारों के आपसी झगड़े भी धीरे धीरे आए दिन की-बात हो गए। किसानों का असन्तोश घटाने के लिये सरकार ने ऐसे क़ानून बनाए जिन से ज़मींदारों को कोई नुक़सान न पहुंचे और किसान भी खुश हो जाय। सन '५७ के बाद सन १९३० तक सरकार ने कम से कम नौ ऐसे क़ानून बनाए। इन क़ानूनों को पढ़ने से पता लगता है कि किसानों की खास मांगें तीन थीं:—बंधी हुई मालगुजारी, खेतों पर मौरूसी हक़ और खेती को तरक्की देने की सुविधाएं। उनका असंतोश सरकार को मजबूर करता था कि हर नए क़ानून में उन्हें कुछ रियायतें मिलें, कुछ मिनी भी। पर इन सब क़ानूनों के बावजूद किसान की बेदखली और ज़मींदार के मनमाने नज़राने और बेगार और टैक्स वसूल करने का ज़मींदारों का हक़ बराबर कायम रहा। नतीजा यह हुआ कि किसानों की बेचैनी लगातार बनी रही। इसी बीच गांधीजी के असहयोग आन्दोलन की गूंज देहांतों में पहुंची।

कांग्रेस और बेदखलियाँ

सन '३० के बाद यू. पी. के कई ज़िलों में जोर शोर से लगान बन्दी शुरू हुई। राजनैतिक सुलह होने के बाद कांग्रेसी सरकार बनो जिसने सन '३९ में नया आराज़ी क़ानून बनाया। इस क़ानून में ज़मींदार के अपनी सीर बढ़ा लेने पर क़ानूनी रोक लग गई और लगान की ठीक दर तय करने की भी कोशिश की गई। लगान की बक़ाय़ा वसूल करने के लिये काश्तकार की गिरफ्तारी, हर बेगार व नज़राना लेना बन्द कर दिया गया। बेदखली बन्द करने की भी कोशिश की गई। इस क़ानून के पहले काश्तकारों को अपने खेत पर घर बनाने और कुएं खोदने का हक़ नहीं था। इस नए क़ानून से उन्हें यह हक़ मिल गया। काश्तकारों की थोड़ी बहुत ह़िफ़ाज़त तो हुई, पर उनकी असली उम्मीदों पर पानी फिर गया। सन '४१ से '४५ तक में इस प्रदेश के ज़मींदारों ने ज़ाबते से साढ़े छै लाख किसानों को साढ़े आठ लाख एकड़ ज़मीन से बेदखल कर दिया और लगभग ८० करोड़ रुपए नज़राने लेकर वही ज़मीन फिर दूसरों को डठा दी। पांच साल में ज़मींदारों ने अपनी सीर और खुद काश्त की ज़मीनों में लाखों एकड़ ज़मीन बढ़ा ली। यह सब उस समय के बेईमान अफ़सरों और पटवारियों से मिल कर हुआ। खुद काश्त की ज़मीन बेदखली करा कर और चरागाहों पर क़ब्ज़ा कर के बढ़ाई गई। यह बात तो हुई ज़ाबते की और लिखत पढ़त की। पर अनुमान यह है

ग़दर के बाद ज़मींदारी क़ानून

अस तरह अंगरेज़ लोग ज़मीन का बन्दोबस्त बराबर ऐसे ढंग से करते रहे कि उनकी राजकाजी जड़ें इस देश में मज़बूत रहें और यहां का कच्चा माल अंगरेज़ी कारख़ानों को मिलता रहे। इस नई व्यवस्था में ज़मींदारों और काश्तकारों के आपसी झगड़े भी धीरे धीरे आए दिन की-बात हो गए। किसानों का असन्तोश घटाने के लिये सरकार ने ऐसे क़ानून बनाए जिन से ज़मींदारों को कोई नुक़सान न पहुंचे और किसान भी खुश हो जाय। सन '५७ के बाद सन १९३० तक सरकार ने कम से कम नौ ऐसे क़ानून बनाए। इन क़ानूनों को पढ़ने से पता लगता है कि किसानों की खास मांगें तीन थीं:—बंधी हुई मालगुजारी, खेतों पर मौरूसी हक़ और खेती को तरक्की देने की सुविधाएं। उनका असंतोश सरकार को मजबूर करता था कि हर नए क़ानून में उन्हें कुछ रियायतें मिलें, कुछ मिनी भी। पर इन सब क़ानूनों के बावजूद किसान की बेदखली और ज़मींदार के मनमाने नज़राने और बेगार और टैक्स वसूल करने का ज़मींदारों का हक़ बराबर कायम रहा। नतीजा यह हुआ कि किसानों की बेचैनी लगातार बनी रही। इसी बीच गांधीजी के असहयोग आन्दोलन की गूंज देहांतों में पहुंची।

कांग्रेस और बेदखलियाँ

सन '३० के बाद यू. पी. के कई ज़िलों में जोर शोर से लगान बन्दी शुरू हुई। राजनैतिक सुलह होने के बाद कांग्रेसी सरकार बनो जिसने सन '३९ में नया आराज़ी क़ानून बनाया। इस क़ानून में ज़मींदार के अपनी सीर बढ़ा लेने पर क़ानूनी रोक लग गई और लगान की ठीक दर तय करने की भी कोशिश की गई। लगान की बक़ाय़ा वसूल करने के लिये काश्तकार की गिरफ्तारी, हर बेगार व नज़राना लेना बन्द कर दिया गया। बेदखली बन्द करने की भी कोशिश की गई। इस क़ानून के पहले काश्तकारों को अपने खेत पर घर बनाने और कुएं खोदने का हक़ नहीं था। इस नए क़ानून से उन्हें यह हक़ मिल गया। काश्तकारों की थोड़ी बहुत ह़िफ़ाज़त तो हुई, पर उनकी असली उम्मीदों पर पानी फिर गया। सन '४१ से '४५ तक में इस प्रदेश के ज़मींदारों ने ज़ाबते से साढ़े छै लाख किसानों को साढ़े आठ लाख एकड़ ज़मीन से बेदखल कर दिया और लगभग ८० करोड़ रुपए नज़राने लेकर वही ज़मीन फिर दूसरों को डठा दी। पांच साल में ज़मींदारों ने अपनी सीर और खुद काश्त की ज़मीनों में लाखों एकड़ ज़मीन बढ़ा ली। यह सब उस समय के बेईमान अफ़सरों और पटवारियों से मिल कर हुआ। खुद काश्त की ज़मीन बेदखली करा कर और चरागाहों पर क़ब्ज़ा कर के बढ़ाई गई। यह बात तो हुई ज़ाबते की और लिखत पढ़त की। पर अनुमान यह है

یو. پی. میں زمینداری

(ڈاکٹر ویر بھادور سنگھ، لکھنؤ یونیورسٹی)

1. زمینداری کا جنم

ہماری آجکل کی سبھتہا پوجی وادی یا مہاجلی سبھتہا ہے۔ آج کل سب جگہ پیسہ کا بول بالا ہے۔ اس سبھتہا میں اپنا سامراج بڑھانے کی اچھا بھی دوسروں پر حکومت کرنے کی لالسا سے کم اور دوسروں کا دھن چوسنے کی لالسا سے अधिक पैदा ہوتی ہے۔ "تاکتہ" کے دوسرے دھن چوسنے کرنے کی اچھا بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ حکومت سے دوسروں کا دھن چوسنے کے سب سے اچھے سادھن آسانی سے ان کے ہاتھ میں آ جاتے ہوں۔ اسی لئے آج کل کے سامراجوں کا خاص روپ جنگل آرٹھک یا مالی ہوتا ہے انڈیا راجکاجی نہیں۔ اسی طرح کا ایک سامراج ہمارے دیس میں سن 1947 تک انگریزوں کا تھا۔ اسی لئے انگریزوں نے وہ قلمک اپلایا جس سے ہم اپنا کچا مال اور اناج انہیں بھجولے پر مجبور ہو جائیں اور اس کے بدلے میں وہاں سے ان کی مشینوں کے بلے سامان خریدیں۔

انگریزی راج اور زمینداری

اس کے لئے دیہاتوں کو قابو میں رکھنا ضروری تھا۔ دیہاتوں کا آرٹھک دھانچا آراضی قانونوں کی دھری پر گھومتا ہے۔ اسی لئے انگریزوں نے اس دیس میں دھن چوسنے کے ایسے نئے مالک بنائے جو اپنی خود عرضی کی وجہ سے اپنے دیس نے درست نہ ہو کر انگریزوں کے پٹھو بنے رہنے پر مجبور تھے۔

ہمارے آج پر دیس پر انگریزوں کا قبضہ تین دور میں ہوا۔ پہلے انہیں ہمارے کا صوبہ ملا جہاں انہوں نے استعماری ہندوستان لائو کیا۔ دوسرے دور میں انہوں نے ہندویل قلمک اور کچھ دوسرے علاقوں میں ولایت قلمک پر زمیندار بنانے کی کوشش کی۔ انگریز یہاں کی بھاشا نہیں جانتے تھے اس لئے انہیں دیسی قانون گروں کی مدد لینی پڑی، جنہوں نے جس کو چاہا اسے زمیندار لکھا دیا اور من مانی مالکداری جاری کرا دی۔ اس ہندوستان کے پہلے زمینداری کس کی تھی؟ اسے ثابت کرنے کے لئے زور زبردستی کا سہارا لیا گیا۔ انگریزی راج کی نہو پکی کرنے کے لئے دوسرے دور میں اودھ میں تعلقداری کو بڑھاوا دیا گیا۔ اس کے بعد سن 1857 کا عذر ہوا اور غدر کے بعد گورنر جنرل نے کچھ خیر خواہ زمیندار خاندانوں کو چھوڑ کر باقی سب کی زمینیں ضبط کر لیں اور ان کے نئے مالک بنائے گئے جو ہمیشہ انگریز بھادور کی ہی ہلیں میں ہاں ملتے رہے۔



جلد 13

دسمبر، سن '52

نمبر 6

نمبر 6

دسمبر، سن '52

جلد 13

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پھونچے گا گھر گھر لیے پریم کی جھولی۔

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پھونچے گا گھر گھر لیے پریم کی جھولی۔

اپنے کو پہچانو

جنان کو دے دو دیش نکالا
ویدا کا کر دو منہ کالا
اپنے آپ کو پہچانو
ویدا جنان اسی کو جانو

پریم کا کر دو دیش نکالا
نیا کا کر دو منہ کالا
نیز سواہر میں تم دم جاؤ
پریم نیا دونوں کو پاؤ

چالاک کی کا دیش نکالا
کرو فائدے کا منہ کالا
ڈاکر رہے نہ چور بیکارے
یہ دونوں تو ان کے پیارے

سکھ کو دے دو دیش نکالا
دکھ کا منہ کر دو تم کالا
سوارتھ کم کرنا ہی سکھ ہے
اچھا نہیں بڑا جانا دکھ ہے

سত্য دھرم کی گتتی آئی
پریم نیا کی مچی دھائی
ویدا لے آئی چالاک کی
مککاری کیوں رہتی باکی

—بھگوان دین

[ایک چینی فیلاسفر کے خیال]

اپنے کو پہچانو

جنان کو دے دو دیش نکالا
ویدا کا کر دو منہ کالا
اپنے آپ کو پہچانو
ویدا جنان اسی کو جانو

پریم کا کر دو دیش نکالا
نہائے کا کر دو تم منہ کالا
نچ سواہر میں تم دم جاؤ
پریم نہائے دونوں کو پاؤ

چالاک کی کا دیش نکالا
کرو فائدے کا منہ کالا
ڈاکر وہ نہ چور بیکارے
یہ دونوں تو ان کے پیارے

سکھ کو دے دو دیش نکالا
دکھ کا منہ کر دو تم کالا
سوارتھ کم کرنا ہی سکھ ہے
اچھا نہیں بڑا جانا دکھ ہے

سکھ دھرم کی گتتی آئی
پریم نہائے کی مچی دھائی
ویدا لے آئی چالاک کی
مککاری کیوں رہتی باکی

—بھگوان دین

[ایک چینی فیلاسفر کے خیال]

अर्थ

‘नया हिन्द’ का ‘जमींदारी अंक’ पाठकों के सामने है. अंक अच्छा है या बुरा इस का अन्दाजा खुद पाठक ही लगाएंगे, हमें इस सम्बन्ध में कुछ कहने की आवश्यकता नहीं. हम आभारी होंगे अगर पाठक अपनी अपनी रायें हमें लिख भेजें.

‘नया हिन्द’ देर से निकल रहा है, इस के लिये ज़रूर पाठकों से हम माफी चाहते हैं. कठिनाइयां जब सामने आती हैं तो इकट्ठा आती हैं. हमने कठिनायों पर जीत तो हासिल कर ली पर समय पर ‘नया हिन्द’ न भेंट कर सके. दिसम्बर का अंक हमें इन्हीं कारनो से जनवरी अंक से मिला देना पड़ा. इस तरह ‘नया हिन्द’ का यह अंक दिसम्बर 1952-जनवरी 1953 अंक है.

इस देर से एक लाभ ज़रूर हुआ है वह यह है कि हम फरवरी अंक पहली तक पाठकों को भेंट कर सकेंगे.

हमारे अगले अंक में पिछले सारं फीचर होंगे और साथ ही एक नया फीचर भी होगा—“भारत में अमरीकी फ़दम.”

एक दफ़ा फिर हम देर के लिये माफी चाहने हैं और आशा करते हैं कि पाठक हमें भाफ़ कर देंगे

मनीजर, ‘नया हिन्द’
इलाहाबाद

عروض

’نیا ہند‘ کا زمیسلداری ’انک‘ پاتھکوں کے سامنے ہے . انک اچھا ہے یا برا اس کا اندازہ خود پاتھک ہی لگائیں گی . ہمیں اس سہیلدہ میں کچھ کہنے کی آوشیکتا نہیں . ہم آہادی ہونگے اگر پاتھک ’پلی اپلی رائیں‘ میں لکھ سکیں .

’نیا ہند‘ دیور سے نکل رہا ہے . اس کے لئے ضرور پاتھکوں سے ہم معافی چاہتے ہیں . کٹھنائیاں جب سامنے آتی ہیں تو اکتھا آتی ہیں . ہم نے کٹھنائیوں پر جہمت تو حامل کر لی پر سہ پر ’نیا ہند‘ نہ بھلت کر سکے دسمبر کا انک ہمیں آہیں کلڑوں سے چلوری انک سے ملے دینا پڑا . اسطرح ’نیا ہند‘ کا یہ انک دسمبر 1952 چلوری 1953 انک ہے .

اس دیور سے ایک لہو ضرور ہوا ہے . وہ یہ ہے ’ہم فروری انک پہلی تک پاتھکوں کو بھولت کر سکیں گے . ہمارے اگلے انک میں پچھلے سارے فچر ہونگے اور ساتھ ہی ایک نیا فچر بھی ہوگا—’بھارت میں امریکی فدم‘.

ایک دفعہ پھر ہم دیور نے لئے معافی چاہتے ہیں اور آشا کرتے ہیں کہ پاتھک ہمیں معاف کر دیں گے .

مہینچر ’نیا ہند‘
الہ آباد

34968

SVOR

ماہواری پرچا

ماہواری پرچا

دسمبر - جنوری 1952-53

دسمبر - جنوری

کيا کيسمے

صفحہ نمبر

ہا کس سے

1. اپنے کو پہچانو (کویتا)—بھگوان دیبن	409	...	1. اپنے کو پہچانو (کویتا)—بھگوان دیبن
2. یو. پی. مہن زمہداری—ڈاکٹر ویر بھادر سنگھ	410	...	2. یو. پی. مہن زمہداری—ڈاکٹر ویر بھادر سنگھ
3. دھرتی کس کی؟ (کہانی)—موجی راجی	438	...	3. دھرتی کس کی؟ (کہانی)—موجی راجی
4. جمنو اور کشمیر ریاست مہن مہن سدھار— ایم. ای. بیگ	443	...	4. جمنو اور کشمیر ریاست مہن مہن سدھار— ایم. ای. بیگ
5. ہمارے گاؤں—ایک چھلک—کشن چند دوہے	449	...	5. ہمارے گاؤں—ایک چھلک—کشن چند دوہے
6. مدھہ پردیش مہن مہن سدھار—پنلال سدھو	453	...	6. مدھہ پردیش مہن مہن سدھار—پنلال سدھو
7. اٹلی کے کسان اور ان کی راج نہتی— آئنلمور والہنس	457	...	7. اٹلی کے کسان اور ان کی راج نہتی— آئنلمور والہنس
8. چین مہن مہن سدھار—سریش رام بھائی	464	...	8. چین مہن مہن سدھار—سریش رام بھائی
9. مدراس مہن مہن کی سمسہا—کشن ارجن	474	...	9. مدراس مہن مہن کی سمسہا—کشن ارجن
10. کچھ کتابیں—	496	...	10. کچھ کتابیں—
11. ہماری رائے—	500	...	11. ہماری رائے—
ہمارے غریبوں کی بربادی— سندرلال، شری رامو کا شہریتاگ اور باشاوار پرائیوٹ کا بٹوارا—سندرلال، بھارت کا شانتی تھپڑ—موجی راجی، مدراس پولیس سٹیشن—بھگوان دیبن			ہمارے غریبوں کی بربادی— سندرلال، شری رامو کا شہریتاگ اور باشاوار پرائیوٹ کا بٹوارا—سندرلال، بھارت کا شانتی تھپڑ—موجی راجی، مدراس پولیس سٹیشن—بھگوان دیبن

کلیمت—ہندوستان میں ہے روپیا سال، باہر دس روپیا
سال، ایک پرچہ دس آئے .

مہنجر

‘نہا ہند’

145، سٹیجنگ، دلاہاوا.

مہنجر

‘نہا ہند’

145، مٹی گلی، الدابہ .

आहिन्द

ترجمہ

एडीटर—ताराचंद, भगवानदीन, मुजफ्फर हसन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

अतिर—ताराचंद, भगवानदीन, मुजफ्फर हसन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

नायब एडीटर—सुरेश रामभाई, मुजीब रिजवी

नائب अतिर—सुरेश रामभाई, मुजीब रिजवी

जमींदारी अंक

- ★ यू. पी. में जमींदारी—डाक्टर वीर बहादुर सिंह
- ★ जम्मू और कश्मीर रियासत में जमीन सुधार
एम. ए. बेग
- ★ इटली के किसान और उनकी राजनीति—
आएलमीर वालेन्स
- ★ मदरास में खेती की समस्या—कृष्णचरित

- ★ मेहनत—डाक्टर वीर बहादुर सिंह
- ★ जम्मू और कश्मीर रियासत में जमीन सुधार—एम.
ए. बेग
- ★ इटली के किसान और उनकी राजनीति—
आएलमीर वालेन्स
- ★ मदरास में खेती की समस्या—कृष्णचरित

हमारी राय

- ★ हमारे घरेलू धन्धों की बरबादी—एक अपील—
सुन्दरलाल
- ★ श्री रामलू का शरीरत्याग और भागवार प्रान्तों
का बटवारा—सुन्दरलाल
- ★ भारत का शान्ति ठहराव—मुजीब रिजवी
- ★ मदरास पुलिस सत्याग्रह—भगवानदीन

- ★ हमारे घरेलू धन्धों की बरबादी—एक अपील—
सुन्दरलाल
- ★ श्री रामलू का शरीरत्याग और भागवार प्रान्तों
का बटवारा—सुन्दरलाल
- ★ भारत का शान्ति ठहराव—मुजीब रिजवी
- ★ मदरास पुलिस सत्याग्रह—भगवानदीन

पत्नी कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद

दिसम्बर - जनवरी

1952-53

दिसम्बर - जनवरी

53

52

